جنوری

جشن جمہوریت نمبر

اس شمارے میں

ایڈیٹر: سرور تونسوی

اس شمارے کی قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

HAMID QUAISAR
DHULIA

JAUHAR WARSI

VAQAR TAHIRI
TILHAR

DAM WAHIDI
GHRATGARH

AATIR

LIYAQAT HUSAIN
"SHARAR" CALCUTTA

ARIF-UL-

رجسٹرڈ نمبر ڈی ۲۷۰

فون نمبر ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی — قیمت سالانہ دس روپے — قیمت فی پرچہ

جلد ۲۷ — جنوری سنہ ۱۹۷۶ء — شمارہ ۱

فہرس

ہر دلعزیز انسان — شاعرِ جادو بیان — اُردو کا عاشق

قومی یکجہتی کا خواہاں — شرافت کا نمونہ — انسانیت کا پیکر — مذہبی تعصب کا دشمن

ہر مظلوم کا ہمدرد — ہر ضرورت مند کی حاجت روائی کے لئے کوشاں — مشاعروں کا رُوحِ رواں

غرضیکہ انسانی پیکر میں واقعی انسان اپنے جدِ امجد گورو نانک دیوجی مہاراج کی تعلیمات کا مظہر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

کو ایک ارمغانِ عقیدت و خراجِ محبت

کنور صاحب کے عزیزوں، رفیقوں، دوستوں، مداحوں اور عقیدت مندوں کیلئے ایک گرانقدر ہدیہ عزیزوں کی یگانگت، دوستوں کی محبت، صحافیوں کے جذبات، عام ملنے جلنے والوں کے تاثرات، ادیبوں کے خیالات، نجی زندگی کے کوائف و حالات اور کنور صاحب کی شاعری کے انتخابات سے لطف اندوز ہونے کیلئے

شانِ ہند کا شائع ہونیوالا

جشنِ سحر نمبر

ضرور پڑھئے

ZOAS

34720

عنقریب ہی دہلی میں منائے جانے والے جشنِ سحر کے مبارک موقع پر شائع ہو رہا ہے جو یقیناً دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگاری اضافہ ہوگا۔ چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر جو بیس صفحات آرٹ پیپر پر کنور صاحب کی مختلف تصاویر سے مزین آپ اپنی نظیر ہوگا۔ قیمت دس روپیہ شانِ ہند کے مستقل خریداروں سے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک جبکہ اس شمارہ پر دس روپیہ فی پرچہ اصل اخراجات ہونگے مشتہرین کی خدمت میں التماس ہے کہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا لہذا اس یادگاری خاص نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہوگا

اجرتِ اشتہارات: عام سالم صفحہ اڑھائی صد روپے۔ نصف ۱۲۵ روپے سرورق کا اندرونی صفحہ ۲ پانچ صد روپے۔ سرورق کا تیسرا صفحہ چار صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں سات صد روپے۔

جشنِ سحر نمبر میں آپ بھی لکھئے۔ جشنِ سحر نمبر کا پڑھنے کے لئے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ دینے کیلئے مطلوبہ کاپیاں ریزرو کروالیجئے۔ جشنِ سحر میں اپنا پیغام بھیجئے کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے ہر عقیدت مند کو جشنِ سحر نمبر کی اطلاع دیجئے۔ مزید تفصیلات کے لئے لکھئے:۔

ماہنامہ دفتر شانِ ہند فلیٹ ۳ - انصاری مارکیٹ - دریا گنج - نیو دہلی

فون نمبر ۲۷۸۸۹۵ [illegible]

افکار و واقعات

اُردو کے فاشسٹ ادیبوں کی سازش

(تیسری قسط)

ہمارے قارئین کو یہ پڑھ کر خوشی ہوگی۔ کہ ہمارے پچھلے دو اداریوں کا بڑا زبردست اثر ہوا ہے اور اُردو کے فاشسٹ ادیبوں کو دن میں تارے نظر آنے لگے۔ لیکن ابھی یہ اثر وقتی ہے قارئین شانِ ہند کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری تحریروں کا مقصد اصلاح کرنا ہے کسی طرح کی تخریب نہیں ہے۔ ابھی یہ اصلاح وقتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اصلاح دائمی ہو اور اُردو کے فاشسٹ ادیب اپنی سیکولر دشمن کارروائیوں سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرلیں ہم نے اُردو تحقیق اور مالک رام والی کتاب کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اُس کا فوری اثر یہ ہوا ہے کہ وہ کتاب مارکیٹ سے غائب ہوگئی ہے۔ ہم نے لکھا تھا کہ اُس کتاب کے اصل محرک رشید حسن خاں ہیں جنھوں نے اپنے لسانی فاشزم اور خوردہ گیری کی بنا پر وہ کتاب اپنے چند احباب سے چندہ جمع کرکے اور لوگوں کے پاس جا جاکر اُن سے مضمون لکھوا کے اور خود اُن کے مضامین میں طویل حصّوں کا اضافہ کرکے ایک جعلی مرتب یعنی شاہد اعظمی کے نام سے اُسے شائع کیا ہم نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ شاہد اعظمی نام کا کوئی ادیب اُردو دُنیا میں نہیں۔ اور یہ جعلی نام ہے اور ایسا کوئی نام اگر واقعی وجود رکھتا ہے تو وہ دفتر شانِ ہند میں آکر اپنی شناخت کرا دے کیونکہ ایڈیٹر شانِ ہند کی معلومات اس بارے میں بالکل صحیح تھیں۔ ایک مہینہ گزرنے پر بھی اس نام کے کسی شخص سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔ چونکہ اس کتاب کے نسخے رشید حسن خاں مفت لوگوں کو مفت بانٹتے پھرتے ہیں۔ اور اسے مفت اُنھوں نے دوسروں کو بھیجا اس لئے ہم نے اپنے ایک معتبر دوست کو ان کے پاس بھیجا کہ معلوم ہو کہ شاہد اعظمی کون صاحب ہیں۔ اُنھوں نے اپنے جال پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمیں غلط اطلاع دی کہ عبداللطیف اعظمی صاحب کے بھانجے ہیں۔ ہم نے عبداللطیف اعظمی صاحب کو فون کیا جو ہمارے قدیمی مہربان ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اس نام کا اُن "کوئی بھانجہ نہیں ہے۔ اور بعض حضرات اس جال کے پردے میں شریف لوگوں کی عزت پر ناجائز حملہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ہمیں کسی نے بتایا کہ شاید شاہد اعظمی کے جعلی نام کے پردے میں مسٹر شاہد ماہُلی ہوں جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ہفتہ وار "سب ساتھ" میں ملازم ہیں۔ ہم نے اُن سے بھی رابطہ قائم کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ اُن کا کوئی تعلق اس رُوسیاہ کتاب سے نہیں ہے اور نہ اُن کا کوئی تعلق رشید حسن خاں اور اُن کے احباب سے ہے۔ جو غلط تحریریں لکھ کر اور جعلی نام استعمال کرکے اپنے فاشزم کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں۔

ایڈیٹر شانِ ہند ایک اور دلچسپ حقیقت کا انکشاف کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایڈیٹر شانِ ہند کو معلوم ہوا ہے کہ ذکی کاکوروی کی کتاب اور رشید حسن خاں کی جعلی کتاب کا ایک سبب عاشق ترقی اُردو بورڈ کے چیئرمین شپ سے ہے۔ وہ یوں کہ ترقی اُردو بورڈ کے چیئرمین ڈاکٹر عبدالعلیم کا تقرر دو برس کے لئے تھا۔ ایڈیٹر شانِ ہند ڈاکٹر عبدالعلیم کا دل سے احترام کرتا ہے۔ کیوں کہ اُن کے آنے کے بعد ترقی اُردو بورڈ کی حالت بہت کچھ سنبھلی ہے۔ اور اُن کی ذات کے احترام کی وجہ سے بہت سی غلط بینیوں کا سدِ باب ہوا ہے۔ لیکن اُردو کے فاشسٹ ادیبوں نے یہ سوچ کر کہ اب اُن کی دو سال کی مدت ختم ہو رہی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کی جگہ پر مُلّا صاحب یا مالک رام کا تقرر نہ ہو جائے؟ اُردو کے فاشسٹ ادیب ان ناموں کو بھلا کیونکر گوارا کر سکتے ہیں۔ اس لئے اُنھوں نے پیش بندی کے طور پر ایک کتاب مُلّا صاحب کے خلاف اور ایک کتاب مالک رام کے خلاف شائع کرادی تاکہ ان کو کسی طرح نقصان پہنچایا جائے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے کہ مُلّا صاحب کی ایک جیسے کی پریکٹس اتنی ہے کہ جتنی ترقی اُردو بورڈ کسی کو ایک سال میں بھی نہیں دے سکتا۔

چنانچہ اُن کی اس جگہ کے بارے میں سوچنے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کم و بیش یہی معاملہ مالک رام کا ہے۔ وہ عمر کی اس منزل تک ہیں جہاں شاید سرکاری ملازمت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن فاشزم کے مستعنی ذہنوں کا کیا علاج؟ انھوں نے سوچ لیا۔ شاید ان دونوں ہی میں سے کسی ایک کے تقرر کا امکان تھا۔ اصلیت یہ ہے کہ اس جگہ پر تقرر کے خواہاں وہ صاحب تھے جن کے فاشزم کا پردہ ہم اپنے پہلے اداریے میں چاک کر چکے ہیں۔ چنانچہ اس کا فیصلہ ہم قارئین شانِ ہند پر چھوڑتے ہیں کہ انھوں نے [illegible] کس طرح ساز باز کی ہوگی اور کس طرح کچھ دے دلا کر اُن کو اس کام کے لئے تیار کیا ہوگا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایک طرف ایڈیٹر شانِ ہند نے اس سازش کا پردہ فاش کر دیا۔ اور دوسری طرف اُن فاشسٹ صاحب کے نام کی سفارش کرنا تک منظور نہیں کیا۔ ابھی ہم کہہ نہیں سکتے کہ اس جگہ پر کس کا تقرر ہوگا۔ لیکن اتنا یقینی طور پر معلوم ہے کہ اُن فاشسٹ صاحب کا تقرر ہرگز نہیں ہوگا۔ البتہ ہماری خواہش ہے کہ ڈاکٹر عبدالعلیم کو ہی اس جگہ کے لئے توسیع دی جائے۔ کیونکہ وہ اپنا کام نہایت خوبی سے کر رہے ہیں۔ نیز یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ وہ فاشسٹ صاحب بظاہر علیم صاحب کی نیازمندی کا بھی دم بھرتے ہیں۔ لیکن در پردہ اُن کی جڑیں کاٹنے کے درپے رہتے ہیں۔ اُن کی یہ حرکت صرف علیم صاحب تک محدود نہیں۔ بلکہ ہر وہ بزرگ کی جڑیں کاٹنے کے درپے رہتے ہیں جس نے اُن پر کوئی بھی احسان کیا ہے۔ اس سے پہلے وہ اپنے رسالے میں آڑے ترچھے عنوان سے ایک قومی بزرگ کی عزت پر حملہ کر چکے ہیں۔ ایڈیٹر شانِ ہند کو اُس بزرگ کی خدمت میں نیاز حاصل نہیں ہے۔ لیکن وہ جانتا ہے کہ اُن کی علمی اور قومی خدمات اس پائے کی ہیں کہ اُن کی ذات پر ہر اُردو داں اور ہر ہندوستانی فخر کر سکتا ہے۔ جو شخص اُن کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کی ہمت کر سکتا ہو ہم اُس شخص کو انسانیت کے نام پر ایک دھبہ اور ہندوستانی قوم کے لئے ایک لعنت تصور کرتے ہیں۔ شانِ ہند کے صفحات پر ایسے لسانی فاشزم کے شکار ادیبوں کی کالی کرتوتوں کا پردہ فاش کیا جاتا رہے گا۔

ترقی اردو بورڈ کی چیئرمین شپ کے لئے جو نام لئے جا رہے تھے اُن میں سردار جعفری کا بھی نام تھا۔ اس گروپ کے لوگوں کو جب یہ خبر ملی تو انھوں نے سرکاری حلقوں میں یہ خبر اُڑائی کہ سردار جعفری تو دل کے مریض ہیں۔ انھیں دو دفعہ ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے۔ اس لئے اُن سے کام نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرے دلّی آکر وہ وزیروں سے اپنے تعلقات بڑھائیں گے۔ اور اُردو ترقی بورڈ کے نام پر ذاتی فائدہ اٹھائیں گے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ سردار جعفری بہت ہی ذہین اور محنتی انسان ہیں۔ طباعت کا انھیں بہت بڑا تجربہ ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ جب بھی ایسی کوئی جگہ ہو تو اُن کا تقرر ضرور کرنا چاہئے۔ فاشسٹوں کی سازشوں کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ یہ ہر اُس شخصیت کے خلاف نفرت پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں جو سیکولرازم کی قدروں کی حامل ہو۔ ایسی ایک شخصیت انجمن ترقی اُردو کے جواں سال سکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم کی ہے۔ اُن کے خلاف بھی فاشسٹ حضرات اپنی کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ وہ اخبار ہماری زبان کی ایڈیٹرشپ۔ اور رسالہ اُردو ادب کی ایڈیٹرشپ کے لئے اُن پر داؤں ڈالتے رہتے ہیں۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ جتنا کام انجمن کے جواں سال جنرل سکریٹری نے چند مہینوں میں کیا ہے۔ اتنا کسی دوسرے اداروں کے سربراہوں نے برسوں میں بھی نہیں کیا ہوگا۔

ایک اور واقعے کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ کچھ عرصہ ہوا دلّی میں انجمن ترقی اُردو کی طرف سے آل انڈیا اُردو کانفرنس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اِس سلسلے میں دلّی کے میٹروپولیٹن کونسل کے چیئرمین میر مشتاق احمد صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ ہو رہا تھا۔ جلسے میں تقریر کرتے ہوئے اکثر مقررین نے کہا کہ اندرا گاندھی اُردو کی قاتل ہیں۔ اور اپنے اِس دعوے کے ثبوت انھوں نے آدھے گھنٹے تک فراہم کئے۔ میر مشتاق احمد صاحب اور دلّی کے بہت سے ادیب ہمارے اس بیان کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ جب سے اندرا جی وزیر اعظم ہوئی ہیں اُردو کی حالت بہتر ہونے لگی ہے۔ وہ اس زبان کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں۔ ترقی اُردو بورڈ ایک کروڑ روپے کے ساتھ انہیں کے مشورے سے قائم ہوا ہے۔ گجرال کمیٹی انھیں نے ہی بنائی ہے۔ آج ہر صوبے میں اُردو کے حق میں جو حالات سازگار ہوئے ہیں وہ اندرا جی اور صرف اندرا جی کی وجہ سے ہیں۔ ہم نے یہ واقعہ اس لئے بیان کیا ہے کہ ایک

طرف تو یہ لوگ ہندوستان کی ہر دلعزیز اور محبوب وزیرِ اعظم کو اُردو کا قاتل قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف مرکزی حکومت کے تلوے صرف اس لئے چاٹتے ہیں کہ انھیں کچھ کمیٹیوں کا ممبر بنا دیا جائے۔ ہمارا یقین ہے کہ اُردو کا قاتل یہی فاشسٹ گروپ ہے جو معمولی سے ذاتی مفاد کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے۔

ایڈیٹر شانِ ہند نے پچھلے سال اعلان کیا تھا کہ رشید حسن کی کتاب اُردو املا غلطیوں کا پشتارہ ہے۔ اور علّام عشق آبادی مدظلہٗ نے اس کی بے شمار غلطیوں کی نشاندہی فرمائی ہے لیکن اُس کے بعد ہم نے علّام کا تبصرہ شائع نہیں کیا تھا اس لئے کہ خوردہ گیری شانِ ہند کا کام نہیں۔ اور لوگوں کے عیب گنوانے کو ایڈیٹر شانِ ہند اپنا کوئی کارنامہ نہیں سمجھتا۔ لیکن چونکہ اِدھر رشید حسن نے جعلی ناموں سے اپنے لسانی فاشزم کا ثبوت دیا ہے اور مالک رام کی عزّت پر نازیبا حملے کئے ہیں۔ اس لئے ہم رشید حسن کی زبان دانی کا بھرم کھول دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ پھر بھی اس تبصرے میں ہماری گذارش پر علّام سحر عشق آبادی نے اس بات کو ملحوظ رکھا ہے۔ کہ مقصد اصلاح ہے، تخریب نہیں۔ یہ بات ہمارے قارئین پر واضح رہے کہ ہم رشید حسن کی حرکتوں سے مجبور ہو کر تبصرہ شائع کریں گے۔ ورنہ ایسی تحریریں شائع کرنا ہمارے لئے خوشی کا باعث نہیں۔

ایڈیٹر شانِ ہند کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ رشید حسن کی جعلی کتاب جمال پریس سے چھپی ہے۔ اور مکتبہ شاہراہ کے نام سے چھاپی گئی ہے۔ لطف کی بات ہے کہ شانِ ہند کے اداریوں کے بعد اسی کتاب کا سارا ٹائٹل بدل دیا گیا ہے۔ اور تو اور مکتبہ شاہراہ میں بھی اس کی ایک کاپی نہیں۔

ہماری تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ مکتبہ شاہراہ کو صرف اس بات پر نام دینے کے لئے راضی کیا گیا تھا کہ کتاب کی ۱۵ کاپیاں اُن کو دی جائینگی۔ مگر سنتا ہے کہ کتاب کی ایک کاپی اُن کو نمونتہً دی گئی اور باقی ۱۴ کاپیوں کو وہ آج تک رو رہے ہیں۔ لیکن جب تحقیقات کا معاملہ آگے بڑھے گا انھیں بتانا پڑے گا کہ وہ کون لوگ تھے جو اُن کے پاس آئے، اور اُن کا معاملہ کن جعلی لوگوں کے ساتھ ہوا۔ اس بارے میں مزید دلچسپ انکشافات ہم اگلے ماہ کریں گے۔

جو کچھ ایڈیٹر شانِ ہند لکھ رہا ہے وہ کس حد تک صداقت اور نیک نیتی پر مبنی ہے۔ اس کا اندازہ اُس اداریئے سے ہوگا۔ جو ایڈیٹر تحریک نے ڈاکٹر محمد حسن کی شان میں لکھا تھا۔ اُس وقت تک مُلّا صاحب اور مالک رام کے خلاف کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اُن کی ابن الوقتی اور مفاد پرستی کے کئی مظاہرے سامنے آچکے تھے۔ ایڈیٹر تحریک نے اِنھیں کا پردہ فاش کیا تھا۔ قارئین شانِ ہند خود فیصلہ کریں کہ مفاد پرستی اور ابن الوقتی کی اگر بروقت تادیب نہ کی جائے تو لسانی فاشزم کا کیسا خطرناک بھیس اختیار کر سکتی ہے یہ اداریہ ہم ایڈیٹر تحریک کے شکریئے کے ساتھ اِس شمارے میں شائع کر رہے ہیں۔ "تحریک" کا اداریہ صفحہ ۹ پر ملاحظہ ہو۔

ہمارا عزم

سحر خیر آبادی

چمن کی فضا آج کیوں ہے سہانی
زمانے کو معلوم ہے یہ کہانی

غلامی کی توڑی ہے زنجیر ہم نے
ہماری ہے بھارت میں اب حکمرانی

ملی ہے ہمیں ایسی خود اختیاری
زمانے کی دولت بھرے جس کا پانی

یہ وہ دولت بے بہا مل گئی ہے
ہمارے ہی سر جس کی ہے نگہبانی

مبارک دھان آج اپنا بنا ہے
مکمل ہوئی شانِ ہندوستانی

یہ باپو کی شبھ کامناؤں کا پھل ہے
یہ نہرو کا ہے ثمرۂ جاں فشانی

ملی ہیں ہر اک دل کو تازہ اُمنگیں
ہر اک چیز پر چھا رہی ہے جوانی

سبھی آج بھارت کے مالک بنے ہیں
سبھی کو ہے بھارت کی عزّت بڑھانی

زمانے میں سوراج ہے نام جس کا
وہ باپو نے جاں دے کے چھوڑی نشانی

زمیں آسماں چاند سورج ستارے
سب اپنے ہوئے شکر رب جہانی

فضائیں ہیں اپنی سمندر ہیں اپنے
سہارا ہے اپنی ہوا اپنا پانی

انہیں کام میں کچھ طریقے سے لانا
سکھانے کی اندرا نے بروقت ٹھانی

یہ کام آئیں کیا خوب آزادیوں کے
چلایا ہے ذہنِ غلامی کو پانی

بڑے وقت پر ملک کو پھر سنبھالا
مٹادی غلامی کی ریشہ دوانی

ہم آزاد بھارت کے آزاد انساں
تلے ہیں اٹھانے پہ ہر سر گرانی

ہمیں ملک رکھنا ہے آزاد اپنا
ہمیں چاہئے بھائی نقصانِ جانی

وطن پر نگاہیں کوئی ڈال دیکھے
مٹا کر رکھیں گے اُسے ڈھول دھانی

حفاظت مقدم ہے جھنڈے کی سحر
مقدم نہیں جان اپنی بچانی

سنجے گاندھی

حال بھی روشن مستقبل بھی روشن

ملک کو اپنے مستقبل کیلئے جن باشعور اور صاحبِ فکر مدبرین کی ضرورت ہے اُن کی ایک بڑی ٹیم رفتہ رفتہ سامنے آتی جارہی ہے۔ جس میں شامل بیشتر حضرات اپنی فکر و نظر کی وسعت اور ذہنی استدلال سے ایک شاندار اور روشن مستقبل کی نشاندہی کر رہے ہیں جن کے اندازِ فکر میں تدبر اور عمل میں بھرپور سنجیدگی شامل ہے جن میں سنجے گاندھی کا نام سرِ فہرست ہے۔ جنھوں نے حال ہی میں اپنے اندازِ فکر اور ذہنی استدلال سے دنیا کے سیاسی مفکرین کو بھرپور طریقے سے اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔

سنجے اپنی والدہ محترمہ اندرا گاندھی اور اپنے نانا پنڈت جواہر لعل نہرو کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سوشلزم کے اُن خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے خواہاں ہیں جو انھوں نے ملک و قوم کی فلاح و بہبود کی خاطر دیکھے اور جن کے تحت وہ ملک میں مساوی حالات پیدا کرکے جمہوری نظام کو مستحکم و بالیدہ کرنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ سوشلزم کے اس جذبے کو عملی طور پر اختیار کرنے اور اُسے فلاحِ قوم اور بہبودیٔ ملک کی خاطر مستحکم کرنے کے لئے سنجے گاندھی ان اُصولوں کو قبول کرنے کے حق میں ہیں جو غریب اور پسماندہ طبقے کیلئے راحت و آرام کے لمحات کو جاوداں بنا دیں۔ اس کے لئے وہ اُن سیاسی مفادات اور شاطرانہ چالوں سے ہوشیار رہکر سوشلزم کے مذکورہ جذبے کو اپنانے پر زور دیتے ہیں جو ملک کے باشندوں (خاص طور سے نوجوانوں) کو دائیں یا بائیں بازوؤں میں تقسیم کرکے ملک و قوم کے فائدوں اور طاقت کو پسِ پُشت ڈال دیتی ہیں اسی لئے وہ نوجوانوں کو ملک کے تعمیری کاموں میں بلاخوف و تشکیک جُٹ جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ انھیں اس بات کا احساس ہے کہ موجودہ صورت میں ملک کا نوجوان کسی حد تک خراش اور کچھ ناامید سا ہو رہا ہے اسکا سبب ان کے نزدیک یہ ہے کہ نوجوان طبقے کا ہر فرد سرکاری ملازمت کا خواہشمند ہوتا ہے اور جب اُسے اس سلسلے میں کچھ ناکامی ہوتی ہے تو وہ تشکیک و تذبذب کا شکار ہو کر خراش اور ناامید ہو جاتا ہے۔ دراصل سنجے کے نزدیک اس کا ایک اور سبب بھی ہے اور وہ ہے موجودہ طریقۂ تعلیم جسے اختیار کرکے آج کے نوجوان کا ذہن سب سے پہلے سرکاری ملازمت کی طرف ہی جاتا ہے اس لئے وہ اس طریقے کو تبدیل کرنے کے طرفدار ہیں اور ایک ایسے طریقے کو رائج کرنے کے حق میں ہیں جس سے نوجوان طبقے میں ہر میدان میں کام کرنے کی اُمنگ پیدا ہو۔ اسی لئے وہ نوجوان طبقے کو کام کرنے کے معاملے میں فیشن پرستی سے بچانے کے حق میں بھی ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں یورپ کی اقوام اپنے پروپیگنڈے کے ذریعے ہمارے ملک کے نوجوان طبقے کے ذہنوں کو بُری طرح متاثر کرکے انھیں اس ملک کی شاندار روائتوں سے دُور کر دینا چاہتے ہیں۔ اس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہیں۔ اس تقلیدی عمل سے آج کے نوجوان کو گریز کرنے اور ہند کی شاندار روائتوں کو قبول کرتے ہوئے اس کے تابناک مستقبل کے لئے مصروفِ عمل رہنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ نوجوانوں کی بیداری اور جذبۂ عمل کی تیزی سے ملک بہتر طور پر ارتقائی شکلوں کو پالینے کے جلد از جلد لائق ہو سکے۔

سنجے کی نگاہِ دُور رَس اس حقیقت سے بھی آشنا ہے کہ ملک کی ترقی میں جو چیز سب سے بڑا خطرہ بن کر مانع ہو رہی ہے وہ غربت ہے اور سنجے اُسے کسی طرح بھی دُور کرنے کے طرفدار ہیں۔ انہیں اس بات کا احساس ہے کہ ملک میں جب تک غربت باقی رہے گی سوشلزم کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ اسی لئے وہ سوشلزم کو مقصد کے بجائے ذریعہ قرار دیتے ہوئے اس کے توسط سے ملک سے غریبی کو سب سے پہلے دُور کرنے کی بات پر زور دیتے ہیں۔

سنجے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے حقیقت پسندانہ جذبے کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ اُنکی والدہ محترمہ اندرا گاندھی۔ بحیثیت وزیراعظم سوشلزم کے ان پہلوؤں کو ملک میں تیز رفتار کرنے کے حق میں ہیں جنکے ذریعے ملک و قوم کی فلاح و بہبود ممکن ہو سکے گی۔ اور چونکہ ان کا یہ اندازِ فکر ایک عمیق اور حقیقت پسندی پر مبنی ہے۔ اس لئے اس کی مقبولیت ناقابلِ تردید ہے جس کا اثر رفتہ رفتہ ملک و قوم کی ترقی اور بہبودی کے سلسلے میں ابھرتا جارہا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سنجے کا یہ اندازِ فکر اُنکی نیک نیتی اور صالح جذبے کے ساتھ ہی اُنکی دُور رس نگاہ ہونے کی تیزی کو بھی ظاہر کرتا ہے نیز اس سے یہ بھی

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھئے

- اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گرد و پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے۔
- ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں تو پھر اُن جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنھیں ہم سب استعمال کرتے ہیں؟
- ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبّوں اور درحقیقت اُن تمام جگہوں کو جہاں ایک بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گرد و پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

ریلوے میں ہم نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں۔ اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلے میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں ہے۔ اس طرح اسٹیشن اور منسلکہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھئے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے ادھر اُدھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے۔ آپ کا یہ معمولی سا کام ہمیں آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے۔ اسے صاف شفاف رکھئے

ناردرن ریلوے

۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کو ۸۵ سال کی عمر میں ادیب اعظم- شاعر جادو بیان فخر انسانیت- ہر فرقے میں مقبول- مجاہد آزادی ہند مشہور مصنف

پدم شری چوہدری برہم ناتھ دت قاصر

اِس جہانِ فانی سے رخصت فرما گئے اور اپنی درویشانہ زندگی سے اپنے مدّاحوں کیلئے حسب ذیل یادیں چھوڑ گئے۔

(۱) مُلک کے لئے اپنی جان تک قربان کرنا عین سعادت ہے۔
(۲) مُلک کی آزادی کی حفاظت کرنا ہر ایک کا فرضِ اوّلین ہے۔
(۳) زیادہ سے زیادہ زبانیں سیکھنا ایک دوسرے کے نزدیک ہونے کا بہترین راستہ ہے۔
(۴) خدمتِ خلق بلا تفریقِ مذہب و ملّت کرنا ہر انسان کا ایمان ہونا چاہیئے۔
(۵) ہر عزیز، دوست، رشتہ دار، پڑوسی، اہل محلّہ کو بوقت مشکل مدد کرنا اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہے۔
(۶) محنت سے روپیہ کمانا اور مستحق ضرورتمندوں کی اس روپیہ سے مدد کرنا خدا کو خوش کرنے کے مترادف ہے۔
(۷) اچھی کتابیں جمع کرنا اور انہیں پڑھ کر عمل کرنا انسانیت اور شرافت کے اصل معنوں سے واقف ہونا ہے۔
(۸) پیار اور محبت سے دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔

ہم

صدق دِلی سے پدم شری چوہدری برہم ناتھ دت قاصر ایسے مہاتما کی دائمی جدائی پر انہیں شردھانجلی پیش کرتے ہیں۔

سورگیہ چوہدری برہم ناتھ دت قاصر کا ہمدم دیرینہ

رتن چند کپور

میسرز گوکل چند رتن چند وولن سپننگ اینڈ ویونگ ملز- گھاٹ کوپر بمبئی

سیلز ڈپو: کوینز روڈ- امرتسر- پنجاب

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

گوپال متل

منقول از تحریک، مارچ ۱۹۷۵ء

ان دنوں یہ عام شکایت ہے کہ طلبا اپنے اُستادوں کا احترام نہیں کرتے۔ یہ شکایت حقائق کے منافی نہیں لیکن اس میں بہت کچھ دخل اساتذہ کے اپنے رویّے پر بھی ہے جو طلبا کے لئے اچھی مثال قائم کرنے کی بجائے اپنے رویّے سے انھیں بد اعمالی کا درس دیتے ہیں۔ اس کی مثال ڈاکٹر محمد حسن ہیں۔

۱۰ اپریل ۱۹۷۴ء کو دہلی یونیورسٹی کی ایگزیکیٹو کونسل نے ان کے بارے میں مندرجہ ذیل ریزولیشن پاس کیا۔

کونسل نے دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے ریڈر ڈاکٹر محمد حسن کے استحقاقِ ملازمت کے فسخ کرنے کے مسئلہ پر غور کیا۔ ختم ملازمت کے فیصلے کا اطلاق نومبر ۱۹۷۱ء سے ہوگا۔ یہ وہ تاریخ ہے جب وہ بلا تنخواہ چھٹی لے کر گئے تھے اس کا مقصد یہ تھا کہ دہلی یونیورسٹی میں ان کا استحقاقِ ملازمت برقرار رہے۔ یہ استحقاق اب اس بنا پر ختم کیا جا رہا ہے کہ کشمیر یونیورسٹی کے رجسٹرار کی طرف سے موصول شدہ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حسن کو اس یونیورسٹی میں مستقل ملازمت مل گئی ہے۔

فیصلہ کرتے وقت کونسل کے سامنے مندرجہ ذیل حقائق تھے:

۱۔ ابتداً ڈاکٹر محمد حسن کو ۵ نومبر ۱۹۷۱ء سے ۴ نومبر ۱۹۷۲ء تک بلا تنخواہ رخصت منظور کی گئی تاکہ دہلی یونیورسٹی میں ان کا استحقاقِ ملازمت باقی رہے بعد میں رخصت کی میعاد ۴ نومبر ۱۹۷۳ء تک بڑھا دی گئی۔

۲۔ ڈاکٹر حسن نے توسیعِ رخصت کا مطالبہ ۴ جولائی ۱۹۷۵ء تک کیلئے کیا تھا لیکن اس عرصہ میں کشمیر یونیورسٹی سے استفسار کیا گیا تو پتہ چلا ڈاکٹر محمد حسن جنہیں ۵ نومبر ۱۹۷۱ء کو اس یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اُردو کی حیثیت سے عارضی طور پر ملازم رکھا گیا تھا۔ ۵ نومبر ۱۹۷۲ء سے انھیں مستقل کر دیا گیا ہے اور ۴ جولائی ۱۹۷۳ء کو انھیں دو سال کی چھٹی عطا کی گئی ہے تاکہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی نے انھیں جو کام تفویض کیا ہے وہ اسے سنبھال سکیں۔

مسئلے پر پوری طرح غور کرنے کے بعد کونسل نے فیصلہ کیا کہ اردو کے ریڈر کی حیثیت سے اُنکے استحقاقِ ملازمت کو ختم کر دیا جائے اور اس فیصلے کا اطلاق ۵ نومبر ۱۹۷۱ء سے ہو یعنی اس تاریخ سے جب وہ چھٹی لے کر کشمیر یونیورسٹی میں عہدہ سنبھالنے گئے تھے۔ کیوں کہ اس یونیورسٹی میں اُردو کے پروفیسر کی حیثیت سے اُن کی ملازمت مستقل کر دی گئی ہے۔

یہ پہلا موقع ہے کہ دلی یونیورسٹی نے کسی اُستاد کے بارے میں اس قسم کا ریزولیشن پاس کیا۔ ریزولیشن کا لہجہ معتدل ہے لیکن اسکا مفہوم کافی سخت ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ ایک آدمی کو دو کشتیوں میں سوار نہیں ہونا چاہئے لیکن ڈاکٹر محمد حسن بیک وقت تین کشتیوں میں سوار رہنا چاہتے تھے۔

کچھ اور معاملات بھی ہیں جو زیادہ سنگین نہ سہی لیکن ایسے بھی نہیں کہ انھیں نظر انداز کر دیا جائے۔

۱۔ جامعہ اردو علی گڑھ کی طرف سے سری نگر میں جامعہ کے امتحانات کا مرکز قائم کرنے کیلئے انھیں سات ہزار روپے دیئے تھے۔ انھوں نے اپنے مکان کے ڈرائنگ روم کو سنٹر ظاہر کرکے سو روپیہ مہینہ کرایہ وصول کیا حالانکہ یہ بھی یاد رہے کہ یہ مکان سرکاری تھا۔ رفیق ذکریا صاحب کی صدارت میں جامعہ کی سالانہ رپورٹ پڑھی گئی تو یہ انکشاف بھی ہوا کہ انویجیلیشن کے نام پر ڈاکٹر محمد حسن نے جو لوگوں کو رقمیں دینا ظاہر کی تھیں ان کی واقعی ادائیگی مشکوک ہے۔

۲۔ اقبال سیمنار کیلئے کشمیر یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر محمد حسن کو چھ ہزار روپے دیئے گئے جس دن سیمنار ہونا تھا اس کے چند دن پہلے یونیورسٹی کے طلبا نے ہڑتال کر دی نتیجۃً سیمنار ملتوی ہو گیا اس چھ ہزار روپیہ کا حساب محمد حسن صاحب نے غالباً اب تک نہیں دیا۔

ڈاکٹر محمد حسن ترقی پسند ہیں اور لسانی یسانی کے بہت سے مسلّمہ
ہو کمیونسٹوں کی کو بھی اپنے سامنے کمینی سمجھتے ہیں لیکن کیا ترقی پسندی اور لسانیات کے نام پر وہ سب کچھ روا ہے جو وہ کرتے رہے ہیں؟

محترمہ ممتاز مرزا کو قومی اعزاز

مجموعۂ کلام "خوابوں کے سائے" کی شاعرہ محترمہ ممتاز مرزا کو جشن جمہوریت کے مقدس موقع پر عالیجناب صدر جمہوریہ ہند نے "پدم شری" کا قومی اعزاز عطا فرمایا ہے۔ محترمہ ممتاز مرزا کی یہ عزت افزائی اردو زبان کے لئے ایک نیک فال ہے۔ مدیر شان ہند دل کی گہرائیوں سے ساجی بہن ممتاز مرزا کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعاگو ہے کہ خدا اپنی تمام رحمتوں سے ممتاز کو نوازے۔

ڈاکٹر علیم صاحب کی چیئرمین شپ میں ایک سال کیلئے اضافہ

شان ہند کے زیر نظر شمارے کی کاپیاں پریس جا رہی تھیں کہ حکومت ہند کی وزارت تعلیم کا یہ اعلان نظر سے گزرا کہ اردو ترقی بورڈ کے چیئرمین جناب ڈاکٹر عبد العلیم صاحب کی چیئرمین شپ ایک سال کے لئے بڑھا دی گئی ہے۔ ہمیں ان فاشسٹ عناصر سے دلی ہمدردی ہے جو کسی فاشسٹ ادیب کو ڈاکٹر علیم صاحب کی جگہ اردو ترقی بورڈ کا چیئرمین بنائے جانے کے لئے کوشاں تھے۔ موجودہ حالات میں ڈاکٹر علیم کا ہی اردو ترقی بورڈ کا چیئرمین بنا رہنا ضروری تھا۔ حکومت ہند کی وزارت تعلیم اس موزوں فیصلہ پر مبارکباد کی مستحق ہے۔

بیکل اتساہی "پدم شری"

ملک کے مشہور شاعر اردو ہندی کے کوی جناب بیکل اتساہی کو جشن جمہوریت پر "پدم شری" کے قومی اعزاز سے نوازے جانے پر ادارہ شان ہند مبارکباد پیش کرتا ہے۔

شان ہند کا یہ شمارہ دیر سے چھپ رہا ہے

مدیر شان ہند کی تیرہ سالہ نواسی جو مدیر شان ہند کے ہاں ہی بچپن سے رہتی تھی اور آٹھویں کلاس میں تعلیم پا رہی تھی بوجہ برین ٹیومر آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں زیر علاج تھی جہاں اس کا ۲۸ جنوری کو انتقال ہو گیا۔ اس وجہ سے جنوری کا پورا مہینہ اس کی تیمارداری میں اور پھر اس کی رحلت سے کئی دن دفتر کا کام کاج نہ ہو سکا جس کی وجہ سے شان ہند کا یہ شمارہ دیر سے شائع ہو رہا ہے۔

خوشحالی ـــ ۲۰ بیس قدم

عوام کے لئے راحت کا زمانہ۔ سماج دشمنوں کے لئے ایمرجنسی۔ وزیر اعظم کا بیس نکاتی پروگرام سماجی انقلاب کی ایک پکار ہے۔ دلی میں اس دوران میں ہوئی ترقی ایک معجزہ ہے۔

قیمتوں میں کمی: ● ضروری اشیا کی قیمتوں میں گراوٹ ● اشیا تقسیم عامہ کا انتظام ● جمع خوروں اور کالا دھندہ کرنے والوں کے خلاف ۹۲ چھاپے ● سستی قیمتوں کی دکانیں ● شہری اور دیہی کو آپریٹو ● کنٹرول ریٹ پر کپڑے فروخت کرنے والوں کی تعداد ۱۲۵

بے گھروں کے لئے گھر۔ بے زمین لوگوں کے لئے زمین: ● ایک ہی دن میں ۱۷ جولائی کو ۸۶۱ دیہی بے زمین لوگوں کو ● ۸۷۷ لوگوں کو مکان بنانے کیلئے زمین ● ۱۸۷۸ اور لوگوں کو زمین ● دیہی علاقوں میں مکانوں کی تعمیر کیلئے ۱۵ لاکھ روپے کی امداد ● مکان بنانے کے لئے ۷ ہزار پلاٹوں کی فراہمی ● مزید سات ہزار ایکڑ زمین تقسیم کرنے کی اسکیم۔

کم سے کم اجرت شرح میں اضافہ: ● صنعتوں اور کھیتوں میں لگے آٹھ لاکھ مزدوروں کی اجرت میں ۲ سے ۳ روپے روزانہ تک اضافہ ● ۲۵۰ سے زیادہ نوجوان صنعتوں میں اپرنٹس لگائے گئے۔

طلبہ کو راحت: ● غریب طلبا کے لئے مفت درسی کتابیں ● ۱۵۱ اسکولوں اور کالجوں میں کتابوں کی بینک ● اسکولوں میں سستے داموں پر کاپیاں ● طلبہ ہوسٹلوں میں سستی خوراک ● اسکولوں میں ۲۰ نکاتی پروگرام۔

پیداوار میں اضافہ: ● ہڑتالوں اور تالا بندیوں کا خاتمہ ● پیداوار بڑھی ● گھریلو صنعت کے لئے ۱۰ کروڑ روپے کی اسکیم ● کھیتوں میں انقلاب ● دیہی ترقیاتی کارپوریشن کی اسکیم ● سبزی کی کاشت ۸۰۰ ہزار ایکڑ سے بڑھ کر ۵۰۰ ہزار ایکڑ ● بینک اور کثیر مقاصدی امداد باہمی کمیٹیاں ● قرضہ جات سے نجات دلانے کا بندوبست۔

سماج دشمن عناصر کے پاؤں اکھڑ گئے: ● بے ایمان بیوپاریوں کے خلاف ۲۰۰ چھاپے ● خفیہ تجارت پر دس کروڑ روپیہ ٹیکس کی وصولی ● ۲۰ ملازمین قبل از وقت ریٹائر ● کئی افسران معطل و برخاست ● ملازمین کی استعداد اور ایمانداری پر کڑی نظر۔

دلی کی خوبصورتی میں اضافہ: ● دو لاکھ وقت صفائی ● بستیوں کو صفائی کا بندوبست ● سرکاری زمین سے ناجائز قبضے ہٹائے گئے ● چوڑی اور خوبصورت سڑکیں ● دلی میں ۵ لاکھ نئے پودوں کی شجرکاری۔

قابل فخر کامیابیاں: یہ قابل فخر کامیابیاں حاصل کیں آپ نے۔ یعنی دلی کے عوام نے صرف ۵ مہینے میں۔

● آپکے ساتھ قدم ملا کر چل رہا ہے: دہلی انتظامیہ آپ کا انتظامیہ

آئیے پردھان منتری اندرا گاندھی کے اس عظیم پروگرام میں اپنا تعاون اشتراک دیں

جاری کردہ: اطلاعات و اشاعت، دہلی انتظامیہ دہلی

ہماچل

اور

وزیر اعظم کا ۲۰ نکاتی اقتصادی پروگرام

کچھ نمایاں کارنامے

- ★ دیہی علاقوں کے سبھی بے زمین کسانوں کو زمین کی تقسیم
- ★ دیہی علاقوں کے سبھی بے گھر لوگوں کو گھر بنانے کیلئے زمین کی فراہمی
- ★ سبھی کسانوں مزدوروں اور غریب قرضداروں کے قرضوں کی معافی
- ★ چھوٹے کسانوں کے سرکاری قرضوں کی ادائیگی میں ایک سال کا التوا
- ★ سبھی قابض کرایہ داروں کو مالکانہ حقوق

کچھ زیر عمل اقدام

- ★ سبھی کرائے داروں کو ۲۹ فروری ۷۶ء تک مالکانہ حقوق
- ★ ۵ بیگھہ سے کم زمین کے مالک کسانوں کیلئے اضافی زمین کی فراہمی

ہم لوک سمپرک

ایک کنکری

فیاض گوالیاری (شاعرِ وطن)

ڈاکٹو رینے کسٹیلو کی ایک نظم "ایک سوال" کے جواب میں کہ کل کوئی سادہ سا انسان تم سے پوچھے گا کہ..... جب آگ کے ایک چھوٹے سے ڈھیر کی طرح پوری قوم جل بجھی تھی آہستہ آہستہ مر رہی تھی تو تم نے کیا کیا؟ جب غریب عذاب بھگت رہے تھے۔ جب نرمی اور زندگی اُن کے اندر ختم ہو رہی تھی۔ تم اُس وقت کیا کر رہے تھے؟.....؟

(۱)

میں نے "جب گیارہ برس کا تھا"
لکھی پہلی غزل!۔
"کیوں غلامی میں رہیں؟ کیلئے پیسے جائیں؟"
دیش کے غم کا "ویوگی" تھا مرا پہلا کوی۔
"آہ کے گان" سے اُپجا تھا مرا پہلا گیت!
"آنسوؤں کی طرح یہ نکلی تھی پہلی کویتا!!"

اور جب.......
"آگ کی لپٹوں میں تھا جلیان والا!۔
گولیاں اُن پہ برستی تھیں بنتے تھے جو!
شمعِ آزادی کے بیباک پتنگے تھے، جو۔!
سیکڑوں میل کی دوری پہ وہ طفلِ لاغر۔
گوالیر میں کہیں بیٹھے ہوئے چیخ اُٹھا تھا!۔
"ہاتھ ڈائر نے رنگے تو ہیں لہو میں میرے۔
رنگ لائے نہیں میرا لہو اِس قابل؟۔!!"

(۲)

اُن دنوں ہی کبھی میں نے یہ دعا
مانگی تھی!۔
اپنے ٹیگور کی گیتانجلی کی لے میں!
"یا خدا میرے وطن کو کسی قابل کر دے!
"اِس کو آزادی و خوشحالی کی جنت ہو نصیب!
"نفرت و ظلم کے جلتے ہوئے انگاروں میں!
"یہ رہے ملک مرا لوہے کی دیواروں میں!!

میں نے اقبال کی نظموں سے بلندی لیکر،
حوصلے پست نہ ہونے دیئے دل والوں کے!
میں نے ہستی کو دکھایا نئے آئینے میں۔
(موت کا ڈر ہو تو پھر لطف ہی کیا جینے میں؟)
غم کو اک شکل مسرت کی بتایا میں نے!
رنج و ماتم کو نئے روپ میں ڈھالا میں نے!
زیست کو جلوۂ رخسارِ ازل میں نے کہا!
حسن کو جلوۂ کردارِ عمل میں نے کہا!!
اکٹوپس کی طرح دکھ تھا مرے چاروں طرف،
سر پہ ہر غم کے جہنم کو اُٹھایا میں نے!
میں نے ہر لمحۂ ہستی کو بنا کر جاوید
کتنے بیرنگ سے خاکوں میں بھرا رنگِ اُمید
ہستی کو قیدِ حد و بند سے آزاد کیا۔
حوصلے دیکے نیا زورِ خداداد دیا!!
پھوٹ کی آگ میں جھلکتے جو دیکھے اہلِ چمن:
آج سے نصف صدی قبل لکھی نظمِ وطن!
"بھائیو بھو لگئے کیا سبھی احسانِ وطن؟"
"کیا مرے دیش میں ایسے بھی ہیں غیرت والے؟
"دیکھیں مٹی میں جو ملتا چمنستانِ وطن۔؟!"
"خون سے اپنے نہ سینچیں جو گلستانِ وطن؟!"
سنہ اکتیس میں ظالم کو چنوتی دی تھی۔
"دیکھنا دل کے ہر اک ٹکڑے میں اک دل ہوگا!!"
ایکتا کا یہی پوتیس میں پیغام دیا۔

"ہم جو مل جائیں تو جنت بنے گلزارِ وطن"!۔

(۳)

"قرض" پہ نظم لکھی،
رنگ "جوانی" کو دیا۔!
اِک نیا جنگ کا آہنگ جوانی کو دیا!
"دھان کے کھیت" کے رنگین مناظر لکھ کر۔
زخم، معصوم فرشتوں کے دکھائے میں نے!۔
اکثریت پر اِک اقلیتِ پُرفن کے ستم،!
دبلے پتلے "لکھنے" کسانوں پہ مہاجن کے ستم۔
جو گنائے نہیں جاتے وہ گنائے میں نے!!۔
میں نے نزدیک سے دیکھے ہیں دُکھوں کے دوزخ،!
میں نے دیہات میں سرکار کی سیوا کی ہے!۔
میں نے جی بھر کے گھٹایا ہے کسانوں کا لگان!،
"شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم!،
(اپنے جیون سے میں خوش ہوں کہ بڑا کام کیا!!۔)

(۴)

نہ جلوسوں میں رہا میں، نہ سیاست میں رہا،
پھر بھی تعزیر بھگتا مری قسمت میں رہا!!۔
روک دی میرے خداؤں نے ترقی میری،
"پیٹ کی جیل" ملی مجھ کو جوانی بھر کی!!۔
پھر بھی لکھتا رہا میں اپنے خداؤں کے خلاف!
نظم "آزاد" لکھی جبر پسندوں کے خلاف!
نفرت و ظلم کے ناپاک طریقوں کے خلاف!
فرقہ وارانہ بہیمانہ اصولوں کے خلاف!
رام کے "کرشن" کے "گوتم" کے حوالے دے کر،
میں نے اِس دیش کے کن کن سے اپیلیں کی ہیں!
زخم دکھلائے ہیں جلنے کی سبیلیں کی ہیں!
پیار کے واسطے کیا کیا نہ جتن میں نے کئے؟
دل میں چبھ جائیں جو پیش ایسی دلیلیں کی ہیں!!

(۵)

ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا جب دیش تو "ٹکڑے" لکھ کر،
جوڑنا چاہے تھے تقدیر کے ٹکڑے میں نے!۔
چیر کر اپنے کلیجے کو دکھایا میں نے!۔
"ماں کے ٹکڑے نہ کرو" شور مچایا میں نے!،
کونسی نظم تڑپ کر نہیں لکھی میں نے؟۔
دیکھ کر لکھی ہے سن کر نہیں لکھی میں نے!!،

(۶)

خون رویا ہوں میں۔ جب نظم لکھی "پاپی پیٹ"!
کتنا مہنگا تھی آزادی کو پایا میں نے۔!
سر پہ گٹھا لئے رجاؤں کو دیکھا میں نے،
آنکھ سے دیکھے ہیں جاڑوں میں ٹھٹھرتے اجسام!،
اندھی ماتا کو سنبھالے ہوئے ننگی لڑکی!،
ملینڈ پر بھاگتی کنڈرے کی بیوہ دیکھی!،
جسم پر جتنے پھٹے کپڑے، پھٹے پڑتے تھے!
شمع جلتی تھی تو پروانے گرے پڑتے تھے!
بھوکے بچوں کے پتا چوری میں پھنستے دیکھے!
زرد چہرے وہ نظر آئے جو ہنستے دیکھے!
مدرسے والوں کے بگڑے ہوئے نقشے دیکھے،
"ریڈ ٹیپزم" کے منہ بھوک سے اُترے دیکھے ہیں،
خون پیتے ہوئے دیکھے ہیں اہنسا وادی!!،
بھوکوں مرتے ہوئے آئے ہیں نظر "اَنداتا"!!۔

(۷)

"کوریا اور ویت نام پہ" لکھا میں نے!
"ظلمِ بنگال" کے انجام پہ لکھا میں نے!
"ہندِ آزاد کے آلام" پہ لکھا میں نے!
دورِ آزادی میں دیکھا جو کرپشن کا چلن!
"صبح پر چھائی ہوئی شام" پہ لکھا میں نے!
"مست سب اپنے خیالوں میں نظر آتے ہیں"،
"بھیڑیئے بھیڑ کی کھالوں میں نظر آتے ہیں"!
"پیٹ کے غم میں سبھی بھول گئے دیش کا غم؟؟"!

(۸)

یہ نہ پوچھو کہ وطن کے لئے کیا میں نے کیا؟!

زورِ طوفاں میں چمن کے لئے کیا میں نے کیا؟
کنکری پھینک دی تالاب کے اندر میں نے!
ورتالاب کو سمجھا تھا سمندر میں نے!
پھر بھی ہلکی سی جو لہر اُٹھے گی اُس سے اے دوست!
بڑھ کر اک روز وہ طوفان سے ٹکرائے گی!!—

ور........؛
ساحل سے،
اُبھر آئے گا......
سُورج کوئی!!

نیا سال

(از کلیم سرونجی)

روشنی گُل کر و تیرگی گُم ہوئی
جگمگاتے ہوئے چاند تاروں کی آنکھیں جھپکنے لگیں
نیل گوں شب پروں کو سمیٹے ہوئے
پھر سندیسے مسرت کے دینے لگی
ظلمتوں کی خلاؤں میں بھٹکے ہوئے
راہ پر آگئے
وہ مسافر جو واماندگی سے بہت چُور تھے
کسمساتے ہوئے اُٹھ گئے
اور پھر مسکراتے ہوئے اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے
قہقہوں کی صدا سے فضا گونج اُٹھی
زندگی گنگنانے لگی۔ گیت گانے لگی
اور پھر ایک سیمیں بدن
اِک نئی شان سے
میری جانب بڑھا
اور کہنے لگا
میں نیا
سال ہوں۔

عظمتِ ہندوستان

حافظ (محمدی)

اے مادرِ ہندوستاں — تجھ پر فدا ہیں جسم و جاں
تیرے سپوتوں کے سبب — روشن ہوا سارا جہاں
تجھ میں ہیں جتنی خوبیاں — دُنیا کو وہ حاصل کہاں
تیرا پسر عبد الحمید — سینے پہ کھا کر گولیاں
دُنیا کو یہ دکھلا گیا — یُوں دیش پر دیتے ہیں جاں

تیرے پہاڑ اور ندیاں — ہر اک طرف ہیں ضُوفشاں
تیرے درختاں بام کو — کیونکر نہ چُومے آسماں
سر سبز ہیں شاداب ہیں — جن سے وطن میں کھیتیاں
جنگل جڑی بُوٹی لئے — جن میں ہے اک دولت نہاں
ندیوں کا بہہ آپ رواں — امرت کا بحرِ بیکراں
تیری عمارات کہن — ہیں آرٹ کے جوہر فشاں
تیرے اجنتا کے کھنڈر — پیارے ہیں آگرہ کے نشاں
رامائین و گیتا کے پد — تاریخ کی ہیں داستاں
تیری وہ تہذیب کہن — ہے بانیٔ امن و اماں
تیرے لئے برداشت کیں — ویروں نے لاکھوں سختیاں
لاکھوں نے تجھ پر جان دی — تجھ پر مٹے لاکھوں جواں
جن کے کرتبوں کی داستاں
گاتا ہے اب سارا جہاں

تجھ کو بُرا جو بھی کہے — ہم کھینچ لیں اس کی زباں
تجھ پر جو نظرِ بد کرے — اُس کی نکالوں پتلیاں
محفوظ خطرے سے رکھے — تجھ کو خداوندِ جہاں
حافظ کی ہے بس یہ دعا
پھُولے پھلے ہندوستاں

عہدِ وفا

ہندوستان کے ستائیسویں جشنِ جمہوریہ پر

(نازکؔ الہ آبادی)

سامنے آزادیٔ بھارت کی رکھی ہے کتاب
پاٹھ ستائیسواں ہے کرکے اُس کا آج پھر
ہے ہماری انڈین نیشنل وہی اِک کانگریس
نام لے لے کر شہیدانِ وطن کا باادب
چندر شیکھر کو کریں گے یاد اس موقع پہ ہم
نام لیں بسمل، بھگت سنگھ، حضرتِ اشفاق کا
یاد کرنا ہے اُدھم سنگھ، جلوۂ پنجاب کو
ہو چکے نامِ اہنسا اور وطن پر جو شہید
ہو چکے تحریکِ آزادی کی خاطر جو شہید
اندرا گاندھی کا بھارت ورش میں جوشِ عمل
راہِ آزادی میں رہزن بن گئے تھے چند لوگ
سامراجی بھیڑیوں نے جو چلائی تھی مہم
دم بخود ہے دیکھ کر لیکن وہ فاسسٹوں کی فوج
لے رہی ہیں عقل کے فاسسٹوں کا اب وہ جائزہ
تھے سپہ سالار جتنے اب وہ جیلوں میں ہیں بند
پھر بھی اُن کی فوج ہے اب تک بلوں میں تہ نشیں
سارا بھارت ورش ہے اب اندرا گاندھی کے ساتھ
اندرا گاندھی کے لبِ حسنِ تدبر کے طفیل
ہے اُنھیں سے حضرتِ نازکؔ یہی عہدِ وفا

پڑھ چکے ہیں جس کے اب تک ہم غرض چھبیس ۲۶ باب
ہم کو اپنی خامیوں کا بھی لگانا ہے حساب
جس کی رہبر اندرا گاندھی ہیں اِنکے ہم رکاب
اوّلیں ہے فرض اُن کی رُوح کو بخشیں ثواب
جس کے حق میں واقعی آزاد موزوں تھا خطاب
ہیں جو تاریخِ وطن کے جگمگاتے آفتاب
انتقاماً جس نے ڈائر کا کیا چکتا حساب
آؤ اُن باپو کی بھی کھولیں اہنسا کی کتاب
آؤ اُن گمنام رُوحوں کو بھی ہم بخشیں ثواب
لا رہا ہے، لائے گا، لاکر رہے گا انقلاب
جن کے دم سے تھا ادھورا اپنی آزادی کا خواب
سامراجی طاقتوں سے صرف پانے کو خطاب
اندرا گاندھی کی اسکیموں کو توڑنے کامیاب
جن کا برسوں قبل کرنا تھا اُنھیں چکتا حساب
جن کے وہ صیدِ ہوس کھانے لگے ہیں پیچ و تاب
اُن کو لاکر سامنے کرنا ہی ہوگا بے نقاب
اور وہ پورا کریں گی اپنی آزادی کا خواب
گویا شانِ ہند پر آنے کو ہے عہدِ شباب
ختم کرنا ہے ہمیں بھارت سے فاشسٹی عذاب

اظہارِ صداقت

راز فائل پوری

آزاد ہیں آزادی کے گُن گاتے ہیں
آزادی میں ہم دِل کا سکوں پاتے ہیں
ہم راہِ ترقی سے شناسا کب تھے؟
اب راہِ ترقی پہ چلے جاتے ہیں

بھارت کی زمیں جان سے پیاری ہے ہمیں
خاک اس کی جو ہے راج دُلاری ہے ہمیں
ہم اس سے کبھی دُور نہیں رہ سکتے
اِک ایک گھڑی ہجر کی بھاری ہے ہمیں

ہر دیش میں ممتاز ہیں بھارت کے جواں
بھارت کے لئے ناز ہیں بھارت کے جواں
جی دار ہیں، جاں باز ہیں بھارت کے جواں
اے رازؔ جوانمردی میں یکتا ہیں یہ

اے۔ عظیم

خط غلط، املا غلط، ہجّا غلط، انشا غلط

"اُردو املا" کے مصنف رشید حسن خان کی نذر (ادارہ)

یہ بات کوئی انوکھی نہیں اُستادوں کے دماغوں میں برتری کا سودا تھا ایک اُستادِ وقت بزعم خود دوسرے اُستاد کی صحیح بات کو ماننا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا اس رسہ کشی میں اُردو رستی تھی اور عام و خاص تماشائی۔ اگر نظم طباطبائی نے غالب پر صحیح اعتراض کیا تو بیخود موہانی نے اُسے رد کرنے میں پورا زور لگا دیا۔ اگر حسرت موہانی نے "شکستِ ناروا" کو عیب گردانا تو سیماب اکبرآبادی نے اُسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کشمکش میں ہماری مادری زبان صدیوں سے مبتلا ہے۔ یعنی دو پاٹوں کے بیچ میں اُردو دَلی جا رہی ہے۔ کون ہے جو فیصلہ انصاف سے کرے۔ جہاں تحقیق کی جگہ تکبر و تعصب کا جنون ہو وہاں انصاف کی امید وہم باطل ہے۔

بالو نارائن پرساد مہر گوالیری لکھتے ہیں کہ "اکثر اصحاب اُردو کہتا اُس" کو غالباً فارسی کے واو معدولہ کی تقلید میں "اوس" لکھا کرتے ہیں مگر اُردو میں واو معدولہ نہیں۔ اس لئے اُس اور اِس میں ضمہ اور کسرہ لگا کر فرق کرنا چاہئے۔"

اس پر ایک نقّاد لکھتے ہیں "یہ قدیم رسم الخط ہے۔ غالباً فارسی رسم الخط کے تتبع سے ایسا لکھا جاتا ہو۔ اُردو میں واو معدولہ کے وجود کے متعلق اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اساتذہ اور اہلِ لغات کی تحریرات سے ایسے واو کا پتا چلتا ہے جو غیر ملفوظ ہے خواہ آپ اسے معدولہ کہئے خواہ اور کچھ۔ منشی دیبی پرساد صاحب سحر بدایونی بیان تقطیع میں تحریر فرماتے ہیں کہ واو معدولہ جیسے خود۔ خویش۔ اوس۔ تقطیع میں محض خیش اُس گنا جاتا ہے ــــ صاحب نفائس اللغات دو دھاری۔ دو بیلی دو ہائی کے تحت لکھتے ہیں کہ یہاں واو غیر ملفوظ ہے ــــ لفظ سوگام کے لئے لکھتے ہیں بالضم اول و ہمزہ ملینہ و الف رسیدہ۔ اس کے علاوہ وہ "ہوئی" "چھوئی" وغیرہ میں بھی واو غیر ملفوظ ہے۔ صاحب آصف اللغات فرائب الجمل میں حضرت لکھنوی مرحوم کی ایک تحریر نقل فرماتے ہیں ہوا۔ ہوئی۔ ہوئے کا لفظ واؤ سے نہیں بل کے ہمزہ سے ہے اور املا میں ہمزہ کا قاعدہ چونکہ اپنی حرکت کے مناسب حرفِ علت کی صورت میں لکھا جاتا ہے اس لئے بجائے "ہوئے" "ہوے" لکھنا صحیح ہے اور تابع یہاں حروف "یا" محسوب ہونے چاہئیں۔ پھر لکھتے ہیں اُستاذی داغ سے پوچھا۔ اُنھوں نے فرمایا دونوں جائز ہیں۔ ایک "یا" سے لکھو یا دو سے پھر فرمایا ہم نے تو "ہوئی" کا رسم الخط اکثر دو یا سے دیکھا ہے اور ہوے کی کتابت دونوں طرح۔ پھر یہ لکھتے ہیں کہ ہمارے اُستاد جمل سید کامل لکھنوی نے فرمایا کہ ہونا مصدر سے ماضی "ہوا" الف ممدودہ ہے جیسے تمام طور پر ہوا لکھنے لگے۔ اسی طرح چھونا کا ماضی مطلق چھوآ تھا اسے چھوا لکھنے لگے ــــ پس ہوآ اور چھوآ کا مونث ہوآئی چھوآئی ہے۔ جن کا رسم الخط ہوئی اور چھوئی کی شکل پر رواج دیا ہے۔

صاحب فرہنگ آصفیہ نے مرنا سے ماضی مطلق موا بتایا ہے۔ مگر بقول صاحب آصف اللغات حضرت جلیل القدر کے پاس موا ماضی مطلق ہے مرنا کا اور موا سے موئی اور موئے صرف ایک یا کے ساتھ ہیں بل کہ چھوئی چھوئے بھی صرف ایک یا کے ساتھ ہیں ــــ حضرت جلال لکھتے ہیں کہ مرنا مصدر کا صیغہ ماضی موا ہے ــــ صاحب دریائے لطافت (انشا) کہتے ہیں کہ مصدر مرنا سے مرا موافق قیاس ہے اور موا خلاف قیاس لیکن فصحا اِسے استعمال کیا ہے۔

میر تقی میر

قیس کیا رنج کھینچ کھینچ موا	سر پہ فرہاد کے تُنا جو ہوا
وحشت زلیس کہ اس پہ طاری ہوئی	سر پٹک کر کسی طرف کو موئی
جواں کیسے کیسے موئے عشق میں	بہت گھر خرابی ہوئے عشق میں

میر حسن

لگی کہنے نجم النسا سے بوا	خدا جانے اس شخص کو کیا ہوا
دگر مر گئی تو بلا سے موئی	تو یوں جانیو میں پہ صدقے ہوئی

جرأت

پروا نہیں اس کو اور موئے ہم	کیوں دیکھ پہ مبتلا ہوئے ہم

گو جیب پہ ہاں بے جہاں صاوہ ‏ پر چھوڑ نہ پاؤں پہ چھوئے ہم
[illegible] درد اس کی کر یاد ‏ چھاتی پہ کرتے سوئے ہم
اک بازئ عشق سے ہیں تباہ ‏ کھیلے ہیں وگرنہ سب جوئے ہم
خوباں کو یہ ساکھ دیکھیں کیا تھا ‏ مٹی کے کھلتے ہیں تھوڑے ہم

انشا کہتے ہیں۔ "شاہجہاں پور میں اہل دہلی واو ظاہر نہیں کرتے اور پور یعنی تور بمعنی سورج بولتے ہیں۔ اسی طرح وہ پوربی کی موتث پو پتی (پُر پُنی) بھی واو غیر ملفوظی سے بولتے ہیں۔ اور کو تجرا جو واو سے لکھتے ہیں اس میں واو کی ضرورت نہیں۔"

لفظ اُس کی کتابت پر خوب روشنی ڈالی ہے اور اوس کو غلط بتایا ہے۔

جلال لکھنوی واو غیر ملفوظ کی تصریح بھی کرتے ہیں اور اوبھارنا اوبھارنا۔ اوبھرنا۔ اوترنا۔ اوجالا۔ اوجالا۔ اوگلی۔ اوداس واو دعا وغیرہ کو واو غیر ملفوظ سے لکھتے ہیں (لیکن یہ سب بغیر واو ہی کے صحیح ہیں صرف پیش کافی ہے)

عشرت لکھنوی لکھتے ہیں" بعض لوگ اوٹھانا۔ اولٹنا۔ پورا نا پہونچنا۔ اودھر، اون کو، اوس کو، گودام، اوجالا واو معدولہ سے لکھتے ہیں یہ خلاف تلفظ زبان اردو ہے۔ ان میں واو نہ لکھنا چاہئے۔"

اور فرماتے ہیں " ایک مخصوص علامت اردو کی یہ ہے کہ اس میں غیر ملفوظ کوئی حرف نہیں آتا۔ جو لکھتے ہیں وہی بولتے ہیں اور سب حروف اپنی پوری پوری آواز دیتے ہیں"۔

شاد عظیم آبادی (ادیب میں) لکھتے ہیں۔ اکثر لکھنے والے لفظ "اُس" بضم الف وسکونِ سین بمعنی اشارۂ بعید کو واو سے لکھا کرتے ہیں (یعنی اوس) یہاں واو بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ صرف الف ماقبل پر پیش اور اشارۂ قریب کے لئے الف کے لئے زیر دینا کافی ہے۔

لیکن ان کو کیا کہا جائے کہ جو ہوتے بروزن فعلن لکھ دیں ؎

ہمارے خون کے دعوے پہ ہووے اس قدر غوغا
مگر قاتل کے عذرِ قتل پر منصف نہ کچھ بولا

بعض عربی الفاظ کے آخر میں الف مقصورہ (یٰ) ہے جیسے موسیٰ۔ عیسیٰ۔ مصطفیٰ۔ مرتضیٰ۔ یحییٰ۔ دعویٰ کو اردو نظم میں الف کے قافیوں کے ساتھ موسا۔ عیسا وغیرہ الف سے لکھنا چاہئے لیکن شرط یہ ہے کہ علامت اضافت سے مبرا ہو۔ مثلاً

مجنوں کا دعویٰ بجا ہے عشق و دعویٰ غلط آپ کا ارشاد سچا ہے مرا کہنا غلط

یہاں سب سے بڑا سوال حرفِ ردی کا ہے جو جانِ قافیہ ہے وہ نہ بدلنے پائے لیکن بعض متقدین نے اس کی پروا نہ کی مثلاً مومن

مومن کو زیبِ گبر و ترسا دیکھا ‏ پھر طائفِ کعبۂ معلیٰ دیکھا

شوق نیموی

بماق بادپا پر برق آسا ‏ زمیں سے پہنچے تا عرشِ معلیٰ

امیر مینائی

سکہ رائج جب سے دینِ مصطفیٰ کا ہو گیا ‏ غلغلہ ساری خدائی میں خدا کا ہو گیا

حالی پانی پتی

ابوبکر رازی علی ابنِ عیسیٰ ‏ حکیم گرامی حسین ابنِ سینا

انیس لکھنوی

دامن تلک تھا چاک گریبانِ مرتضیٰ ‏ بے بے حسین کہہ کے تڑپتے تھے مجتبیٰ

دبیر لکھنوی

احمد نے کہا علی سے برجا تم ہو ‏ معراج میں تا عرشِ معلیٰ تم ہو

جلیل مانک پوری

شانِ جمالِ کبریا تاج وقار انبیا ‏ کہتے ہیں جن کو مصطفیٰ صلِ علیٰ تمہیں تو ہو

اور خان غالب نے تو عیسا کو عیسی (بیائے معروف) تسلی۔ وہ بھی کے ساتھ لکھ دیا جو کبھی سنا بھی نہیں ؎

مرگیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب ‏ ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

رند لکھنوی

آہ نکلی جو سوئے عرشِ معلا ہو کر ‏ رہ گیا عالمِ بالا تہ و بالا ہو کر

آج بھی کوئی شاعر اس کی پروا نہیں کرتا!

حضرت جلیل مانک پوری کسی حال میں الف مقصورہ کو الف محض سے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔

اہلِ عرب نے ایسے الف مقصورہ کو "ی" کے بعد ہو الف سے لکھا ہے مثلاً دنیا (دُنیا) لیکن یحییٰ کو مستثنیٰ کیا ہے کہ اسم معرفہ ہے

حضرت نظم طباطبائی کا شعر ہے

تجھ سے مطلب ہے نہیں دینی و دنیا سے غرض
تو نہیں جب تو اجڑ جائیں یہ گھر دونوں ساتھ

اس پر نوٹ صاف ہے کہ دُنیا میں الف مقصورہ ہے لہٰذا اس کا [illegible] کر لینا جائز ہے۔

مگر جائز ہے یا ناجائز یہ دوسری بات ہے لیکن نظم کر فیصلہ

عرب نے بھی مستثنیٰ کیا ہے۔ پھر عطف و اضافت کے بعد ایسے الفاظ کو الف سے لکھنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

مومن۔ شوق۔ امیر۔ حالی۔ دبیر اور جلیل کے اشعار میں حرف روی بدل گیا۔ انیس اور رند کے شعروں میں املا غلط ہو گیا۔

اس کے بعد تنوین کا سوال ہے۔ جیسے معنیً — تنوین عربی الفاظ کے لئے مخصوص ہے۔ اندازاً غلط ہے کہ لفظ فارسی کا ہے۔

جن عربی الفاظ کے آخر تائے مدورہ (ۃ) یا الف مقصورہ (ی) نہ ہو تو جو کے اختلاف سے ایک الف زیادہ کر کے دو زبر لگائے جائیں جیسے الیفاً احتیاطاً۔ یقیناً۔ مثلاً۔ فوراً۔ اتفاقاً۔

تائے مدورہ (ۃ) والے الفاظ جیسے قطرۃً۔ دفعۃً۔ نسبتہً وغیرہ

جو حروف دو مرتبہ مسموع و ملفوظ ہوں اُن پر تشدید (ّ) لگانا چاہئے۔ جیسے سکّہ۔ مادّہ۔ مجرّد۔ ادّعا۔ کوّا۔ بلّی وغیرہ۔

حضرت شوکت میرٹھی (نظارہ میرٹھ مارچ ۱۹۱۹ء میں) فرماتے ہیں: "افسوس یہ ہے کہ اُردو زبان اب تک بے اُصول ہے۔ نحو کا تو پتا ہی نہیں رسم الخط اور اصلاح حروف میں کچھ اصلاح ہوئی۔ اکثر الفاظ لکھے کچھ جاتے ہیں پڑھے کچھ، یہ بڑا نقص ہے۔ اگر اُردو میں الفاظ پر اعراب دیئے جائیں تو ماتراؤں سے بہت زیادہ ممیز ہوں گے بشرطیکہ اصلاح ہو"

حضرت شاد عظیم آبادی فرماتے ہیں (ادیب الہ آباد جولائی ۱۹۱۲ء میں) "عبارت کی لکھائی کی اصل تعریف یہ ہے کہ پڑھنے والا پوری اور صحیح آواز سے استعداد کر سکے۔ اگر معنی و مطلب سیاق کلام سے لفظوں کو صحیح پڑھا تو املا کا تکلف کیا ہوا۔ ...... فارسی اور اُردو لکھنے والوں نے رسم الخط کو اپنی بے اعتنائی سے ایسا بگاڑا کہ خصوص اُردو کی تحریر و املا پر سیکڑوں الزام و اعتراض وارد ہو گئے۔ مجبور ہو کر سرکار بہار نے صوبہ بہار کے سرکاری دفتروں سے اُردو تحریر کو قطعاً نکال دیا۔"

لیکن آج تک اُردو املا صحیح نہ ہو سکا۔ اور اُردو کی جڑیں تا ہنوز ہلتی جا رہی ہیں۔ اور مخالفین تیز و تند آندھیوں کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔ دیکھئے خان غالب دہلوی نے کس قدر معقول بات لکھی ہے۔

الا کوئی لغت فارسی ایسا بتائیے جس میں ذال آئی ہو۔ گزشتن

و چریر فتن سب زے سے ہیں۔ کاغذ دال مہملہ سے ہے ان کا ذال سے لکھنا اور کو اغذ کو اس کی جمع قرار دینا۔ تعریب ہے نہ تحقیق۔ اور (آ) آتش (آدر) بدال ابجد ہے نہ کہ بذال ثخذ۔ کوئی لفظ مستعمل الزاء فارسی میں نہیں بلکہ قریب المخرج بھی نہیں۔ تے ہے طوے (یا تا) سین ہے ثے اور صاد نہیں ساری ہو زہے۔ حائے حطی نہیں ہیا کہ قاف نہیں۔ اس راہ سے کہ تین متقارب المخرج ہیں ہے مزے کے ہو گئے کیوں کر..... الخ

ع
لکھانے ہی کو تھے کچھ راز ایزدی سرمد
کہ شیخ نجد نے چھینا قلم تھا کاغذ

مولوی معنوی نے بھی کاغذ اور بیجد کا قافیہ کیا ہے۔

مرزا اسد اللہ خاں نے شیطان کو فرشتہ لکھ مارا ؎

کیوں آج ہیں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

اس پر علام عشق آبادی نے فرمایا ؎

گرچہ ہیں نوریوں کے کبھی تھا جو پادری
سن اے اسد وہی ہے عزازیل آدری

آدری بمعنی آتشی (یعنی جن) عشق آبادی صاحب نے آذری (بذال ثخذ) نہیں لکھا بلکہ پادری کا قافیہ آدری کیا ہے۔

اور ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

فارسی میں ہم نے دیکھا ہی نہیں ہم صوت حرف
یہ کہا ورزہ عذار سحر سے گلزار نے

خان غالب نے بالکل سچ کہا ہے کہ فارسی میں زے ہوتے ذال کیا

حضرت علام عشق آبادی (جو مانے ہوئے خوشنویس ہیں) فرماتے ہیں۔

" ہ سے شروع ہونے والے الفاظ میں یا ایسے الفاظ۔ جنہیں مثالوں سے پیش کر رہا ہوں ہ کا شوشہ (ہ) لازم ہوتا ہے۔"

ہمارا۔ ہجا۔ ہدہد۔ ہرن۔ ہوشیار۔ ہفتہ۔ ہلکا۔ ہیچ۔ ہو۔ رہا۔ راہب۔ رہتے۔ اہل۔ ذہن۔ آہیں۔ وغیرہ لیکن لفظو کے بیچ میں اگر ہائے ملفوظی ہو یا آخر میں ہو تو وہاں شوشہ دے اُسے بوجھل نہ کرنا چاہئے۔ جیسے شہر۔ کہت۔ کہو۔ شہد۔ بہتا۔ — آلہ۔ تفتہ۔ قہقہہ۔ سفسطہ۔ امالہ۔ کعبہ۔ مدینہ۔ وغیرہ

تشکیک ہیں قواعدِ املا نہیں۔" (شانِ ہند دہلی جولائی ۱۹۷۳ء)

خواجہ عشرت لکھنوی فرماتے ہیں۔ "میرا اپنا مکان" یہ رہو رہا ہے۔ اپنا غلط ہے۔ میرا مکان کہنا کافی ہے۔" اور فرماتے ہیں "جن الفاظ کے آخر میں ع ساکن ہے اُن کے قبل حرفِ ربط آنے سے (ے) کی جگہ کسرہ قبول کرتے ہیں جیسے مجمع۔ مطبع۔ مقطع۔ ان کو مجمعے۔ مطبعے۔ مقطعے۔ مصرعے۔ موقعے (ے) سے لکھنا خطا ہے۔" ایک لکھنوی شاعر کا شعر ہے۔

مصرع لگاؤں سحر کے مصرع پہ میں غریب
رتی بھی کوئی چیز ہے ڈھیا کے سامنے

تاریخ گوئی کے سلسلے میں عشرت صاحب فرماتے ہیں۔ "بعض شعراء مادہ کے مصرع میں بہ جنت اور بہ فردوس کو الگ الگ لکھتے ہیں یہ اصولِ رسم الخط کے خلاف ہے۔ بجنت۔ بفردوس لکھنا چاہیے۔ (اور اس ب کے ۲ عدد لینا چاہئیں نہ کہ ۷)" خواجہ عشرت صاحب فنِ تاریخ گوئی میں بھی اسے جائز نہیں کہتے۔ خود غالب کے سنہ وفات میں ب گرد ملا ہوا آیا ہے اور ۲ عدد شمار کیے ہیں یعنی "آہ غالب بمُرد" ۱۲۸۵ ہجری (از شانِ ہند دہلی جولائی ۱۹۷۳ء)

میں عرض کرتا ہوں کہ فنِ تاریخ میں غرابت بھی جائز ہے اور عددل از جادۂ صواب کے دس عیب بھی اسلاف نے جائز کر لیے۔ لیکن ب کے دو عدد ہی شمار کیے کہیں بہ لکھ کر ۷ عدد نہیں لیے اور جس نے ۷ عدد لیے بے شک اس نے خطا کی۔

بہ اُردو میں بہنا سے ماخوذ ہے مثلاً میرا سارا سامان ندی میں بہ گیا۔ فارسی میں بہ (مکسور مع ہائے آخر) بمعنی اچھا آیا ہے اور اسی بہ سے بہتر اور بہترین بنتے ہیں۔ مولوی معنوی فرماتے ہیں۔"

شعرمی گویم بہ از آبِ حیات
من ندانم فاعلاتن فاعلات

نونِ نفی (نہ) اور یہ۔ وہ۔ کہ کی طرح اس سب میں اظہارِ حرکت کے لئے ہ کا اضافہ نہیں کیا گیا۔ اسے ملا کر ہی لکھنا چاہئے۔ جیسے۔ دربدر بادب۔ بچشمِ دل۔ بحکم۔ ببانگِ دہل۔ بکیف و سرور۔ وغیرہ

(۱) دو لفظوں کو ملا کر لکھنا چاہئے۔ جیسے۔ اسقدر۔ کسطرح دلکا وغیرہ

(۲) پورے لفظ کے دو ٹکڑے کر کے لکھنا ٹھیک نہیں جیسے۔

حب آب۔ سرخ آب انھیں حباب اور سرخاب ہی لکھنا صحیح ہے۔

(۳) مرکب الفاظ مضاف مضاف الیہ۔ معطوف معطوف الیہ صفت و موصوف کو نثر عبارت میں ایک ہی سطر میں لکھنا چاہئے جیسے آہ سرد۔ دل و جگر۔ زادِ یوم۔ صاحبِ خاد۔ صبا رفتار وغیرہ

(۴) کسی لفظ کے دو یا زیادہ حصے ہوں اور کل حصے مل کر پورے معنی دیتے ہوں تو اُسے ٹکڑے کر کے نہ لکھنا چاہئے۔ جیسے۔ کھانسنا۔ ماننا۔ گھمنا۔ دیکھنا وغیرہ۔ انھیں مان نا۔ کھانس نا نہ لکھنا چاہئے مگر دعا کرنا۔ ہاتھ اُٹھانا الگ الگ ہی لکھے جائیں گے۔

(۵) جب دو لفظ مل کر ایک معنی دیتے ہوں تو ملا کر لکھو۔ مثلاً گلزار۔ گلستاں چمنستاں۔ بلوچستان۔ افغانستان۔ دلبر۔ پیغامبر وغیرہ

لیکن شاعر نے گل ستاں بروزن فاعلن نظم کیا ہے تو الگ الگ لکھنا چاہئے۔ اسی طرح بوستاں اور ریگستاں کا خیال رکھنا چاہئے

(۶) ہم ہی۔ تم ہی۔ وہ ہی۔ یہ ہی۔ سا س ہی۔ اِس ہی۔ اُن ہی۔ ڈال ہی۔ یوں ہی۔ اب ہی۔ جب ہی۔ کب ہی۔ سب ہی۔ جہاں کو ہمیں۔ تمھیں۔ وہی۔ یہی۔ اُسی۔ اِسی۔ انھیں۔ انھیں۔ جنھیں۔ ابھی جبھی۔ کبھی۔ سبھی۔ انھوں۔ جنھوں لکھنا چاہئیں۔ لیکن میں ہی۔ آپ ہی مستثنیٰ ہیں۔ آپی (آپ ہی) کی جگہ متروک ہے۔

(۷) اسلاف کچھ الفاظ کا تلفظ نونِ غنہ زاید سے اور کچھ الفاظ کا ہائے مخلوط زاید سے کرتے تھے لیکن اب ایسا نہیں۔

سونچنا۔ گھانس۔ گیارہں۔ باراں۔ پچھتانا۔ ڈھونڈھنا۔ وغیرہ کو اب۔ سوچنا۔ گھاس۔ گیارہ۔ بارہ۔ پچھتانا۔ ڈھونڈنا لکھتے ہیں۔

حضرت مہر گوالیری لکھتے ہیں۔ "بعض بے پروا ناواقفوں نے فارسی کی طرح اُردو الفاظ میں بھی ہائے مختفی لکھنے کا طریقہ جاری کر رکھا ہے۔ مثلاً وہ پتا۔ کلیجا۔ باجا۔ سرھانا۔ دھبا کو پتہ۔ کلیجہ۔ باجہ۔ سرہانہ دھبہ لکھے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب غلط ہیں۔ کیوں کہ اُردو میں ہائے مختفی نہیں۔ ہاں اسم معرفہ، نامِ مقام، خطاب کو بوجہ کثرتِ استعمال یا تخصیص ہائے ہوز سے لکھنے میں ہرج نہیں جیسے وکٹوریہ۔ سناوہ۔ تاجگڑھ۔

میرے خیال میں اردو میں ہائے مختفی کا وجود ہے جو منع کرتے ہیں وہ ایسی ہائے مختفی کا کوئی نام بتائیں مثلاً پہ مخفف پر کا۔ اور لفظ تاکیدی یا زائدہ "نہ"

آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

...رہ۔ یانہ۔ وغیرہ میں جو "ہ" ہے

آنولہ۔ صاحب نفائس اللغات لکھتے ہیں کہ بفتح نون وضم ہمزہ
نہ و فتح لام و ہائے مختفیہ دو آخر۔ ممکن ہے کہ یہ رسم الخط آملہ فارسی کے بتتبع
ہو۔ ان کے علاوہ یہ۔ وہ کا لفظ ہائے ملفوظہ و مختفیہ دونوں طرح ہے۔

بعض اردو الفاظ اشعار فارسی میں ہائے مختفیہ سے بھی باندھے
گئے ہیں۔ چنانچہ صاحب نفائس اللغات خالص کا شعر نقل کرتے ہیں
جس میں سہرہ ہائے مختفی ہے ؎

ماہِ من از حیائے حسن لبس کہ یافت تاب شد
سہرہ چو لبست عارضش پنجہ آفتاب خند

...نے مثنوی معاملاتِ عشق میں بیڑہ پان لکھا ہے

...ب وہ کھاتے ہیں بیڑہ پاں کو ؛ رو نہیں دیتے لعل و مرجاں کو

ممکن ہے کہ میر نے بیڑہ پان رائے ثقیلہ سے نہ لکھا ہو رائے خفیفہ
ہو جو فارسی میں مستعمل ہے۔ بیکر کا شعر ہے۔

بہندو زادہ دارم دل خود را کہ از طفلی
خیالِ بیڑۂ پاں میکند دلہائے پُر خوں را

...بھی ایک بہت مشہور شعر ہے جسے ناسخ نے اپنے یہاں موزوں کیا ہے
...تو ل شعر یہ ہیں۔ مسی مالیدہ بر لب رنگِ پان است
تماشا ہیں تہ آتش دُخان است
مسی مالیدہ لب پر رنگِ پاں ہے
تماشا ہے تہِ آتش دھواں ہے

لفظ دہری فارسی عربی میں یائے نسبت ہے اردو میں دہریا ہے اور لفظ
یا نسبت یا فاعلیت کا ہے جیسے تیلیا۔ چالیا۔ غربیبا۔ ذوق نے دہریہ بہائے
مختفی لکھا ہے ؎

زالِ دُنیا ہے عجب طرح کی علامۂ دہر
مردِ دیں دار کو بھی دہریہ کر دیتی ہے

نظم طباطبائی کی تحریروں میں الفاظ پتہ۔ پیسہ۔ کلیجہ ہائے مختفی سے دیکھتے ہیں۔
سرادہ۔ سوانہ۔ سرد صنہ۔ ایٹہ۔ کلکتہ۔ پٹنہ۔ اٹاوہ۔ باردھ
گڑوده۔ وغیرہ کو بحال رکھا جانے اور باقی الفاظ اردو میں ہائے مختفی
کی ضرورت نہیں۔

اب زرا "یہ" کا بھی کرشمہ دیکھ لیجئے۔ خواجہ عشرت لکھنوی (اصلاح
زبان اردو میں) فرماتے ہیں کہ "یہ" کا استعمال اب (دسمبر ۱۹۱۹ء) اکثر شعرا
نے ترک کر دیا ہے اس کے بدلے "پر" بولتے ہیں۔ آخر میں جلال اور داغ نے بھی
ترک کر دیا تھا۔"

لیکن چراغ کے نیچے اندھیرا۔ خود عشرت صاحب نے ترک نہیں کیا ؎

آستانے کا ترے اوج بیاں ہو کس سے
مجھ کو پہنچا دیا گردوں پہ جبیں سائی نے

(ماہنامہ جلوۂ یار میرٹھ مئی جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۴)

دُنیائے شاعری (اردو) سے یہ لفظ ترک نہیں ہو سکتا۔ نثر میں
لکھنا بے شبہ غلط ہے۔

باقی آئندہ

اے۔ عظیم صدیقی

جناب ایم۔ بی۔ سین ناشاد دہلوی (مرحوم) کے نام ایک خط

دیوان متھرا داس آہوجہ۔ آئی۔ اے۔ ایس (ریٹائرڈ)

جناب ناشاد دہلوی صاحب۔

آپ کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ شاعر ہیں، بذلہ سنج ہیں۔ سخن فہم ہیں۔ ادیب اور ادیب پرور ہیں۔ رونق محفل ہیں۔ لیکن ہمیں یہ تو نہیں تھا کہ آپ مداری بھی ہیں۔ یہ ہم کیا سن رہے ہیں کہ آپ خدانخواستہ مر گئے ہیں؟ نہ صاحب ہم تو اس بات کے سرے سے قائل نہیں کہ آپ جیسے لوگ مر سکتے ہیں۔ آپ کا شمار تو اُن لوگوں میں ہے جو صرف پیدا ہوتے ہیں۔ مرنا ورنا آپ کی تقدیر میں نہیں۔ یہ بھی آپ کی جادوگری ہے کہ بیٹھے بٹھائے موت کا ناٹک رچا لیا۔ لیکن معاف رکھنا آپ جیسے باذوق آدمی کے لئے ایسا دل شکن اور بھیانک ناٹک رچانا کچھ اچھا نہیں۔ بیٹھے ہوں گے آپ کسی ریسٹورانٹ کے کونے میں یا کسی اور شہر میں رسم رقص موجد کی ترویج کر رہے ہونگے۔

جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے آپ سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن مر نہیں سکتے۔ بہرحال اس ناٹک بازی کے لئے کوئی موزوں لمحہ تو چنا ہوتا میں اور آپ کے کتنے دوست اور مداح دہلی میں ہی نہیں تھے جب آپ کی ڈرامائی طبیعت کو یہ مذاق سوجھا۔ ارے میاں ہمارے سامنے مرنے کی مشق فرمائی ہوتی۔ ہم آپ کو اٹھا کر شمشان لیجاتے پہلے بھی بارہا ہم نے آپ کو اٹھا کر ہی تو آپ کے دولت خانے تک پہنچایا ہے۔ اب بھی شمشان لے جاتے اور وہاں سے پھر آپ ہی کے اصرار پر کہیں بیٹھتے۔ کچھ شعر و سخن کی بات ہوتی۔ کچھ موسیقی اور رقص سے محظوظ ہوتے اور صبح ہونے سے پہلے آپ کو بھابی جان کے سپرد کر آتے اور گھر آنے پر معلوم ہوتا کہ آپ کو ٹیلیفون پر یاد کیا ہے۔

اچھا اب یہ بتایئے کہ کتنے دنوں تک یہ مرنا ورنا چلے گا۔ بھائی یہ دہلی کی محفلیں اب بے رنگ اور بے ذائقہ ہو گئی ہیں۔ کیا بہشت میں اس سے زیادہ لطف پایا ہے کہ وہیں کے ہو بیٹھے ہو۔ بھلا کیا ہے بہشت میں؟ دودھ کی نہریں، شہد کے تالاب۔ بھلا بتایئے کہ دودھ کیا ہوتا ہے اور شہد کس زہر کا نام ہے؟ میاں آج نہیں تو کل بور ہو جاؤ گے اور ہم یہاں بور ہو جائیں گے۔ آج ہی چلے آؤ۔ چاہے کسی روپ میں۔ متھرداس صاحب کی طرف سے بھی مضمون واحد۔

امر جلنی

از بدھو پرکاش جوہر دیا بیندکا

وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے
نئی زندگانی کا پیغام لے کر
نئی صبح لے کر نئی شام لے کر
نئی مے نیا خم نیا جام لے کر
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے
اندھیروں کو ڈستا ہوا ناگ بنکر
لبوں پر مچلتا ہوا راگ بنکر
کہیں نور بنکر کہیں آگ بنکر
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے
بساتا ہوا بے نواؤں کی بستی
مٹاتا ہوا دیپکا کی مستی
گھٹاتا ہوا زور باطن پرستی
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے

چمن کو خس و خار سے پاک کرتا
تمنائے صیاد کو خاک کرتا
کہ گلچیں کو بستہ بفتراک کرتا
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے
وہ باپو کے خوابوں کی تعبیر بنکر
جواہر کے ارماں کی تفسیر بنکر
شہیدوں کے نعروں کی توقیر بنکر
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے
حکومت کے اسباق دینا ہے ہم کو
سنبھل کر اٹھانا ہے ہر ہر قدم کو
بدل تو بھی جوہر بدل اب قلم کو
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے

خراجِ وطن

ڈاکٹر ہنومان پرشاد سریواستو اجگر بستوی

(۱)

ح ہے نغمہ خواں پھر زبانِ سخن
ت چھیڑو کوئی مُطرب بالِ سخن
یش آزاد ہے اور ہم شاد ہیں
ور ہے دشمن سے آج ہر چمن و محن
روپ رس میں ہے ڈوبا تنا پیرہن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۲)

یری دھرتی [illegible] تجھے نام و نکہت
یری اولاد گوتم تھے غنچہ دہن
اک سے تیری گاندھی بھی پیدا ہوئے
جن کے دم سے اہنسا کا مہکا چمن
خاک کو تیری چومے نہ کیوں کر گگن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۳)

رے سر پہ ہمالہ دھرا تاج ہے
ری گود ہی میں ندیوں کی معراج ہے
یت کھلیان کھیتوں میں جلوہ نظر
رے چرنوں پہ ساگر بچھا آج ہے
قافلے دیکھ کر حسن گنگ و جمن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۴)

س دھرتی پہ [illegible] ہوئے
ین کے ایسے [illegible] ہوئے
وہ [illegible] تیرے لیے
ن کے [illegible] ہوئے
[illegible]
[illegible]

(۵)

تیری اولاد ارجن بڑا بیر تھا
عظمتِ دہر ذاتِ ہمہ گیر تھا
جس نے میٹا تھا کورو کا نام و نشاں
دشمنِ ظلم جس کا ہر اک تیر تھا
تھا کرو چھیتر میں جو کہ تاوک فگن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۶)

اے وطن یہ بھی تھا خاص تیرا کرم
کرشن نے بھی لیا تھا یہیں پر جنم
جو کہ باعث ہوئے کنس کی موت کا
ختم جس نے کیا اُس کا ظلم و ستم
پاٹھ کرتی ہے گیتا کا دنیا مگن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۷)

وہ اشوک ایسا سمراٹ فخرِ جہاں
جو ہے اتہاس کی اک امر داستاں
جس نے چین اور ایران کو سر کیا
جس کا ہے نام تاریخ میں جاوداں
تو نے پیدا کئے ایسے ایسے رتن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۸)

آج پرتاپ کی ہے کہانی جواں
ہے شیواجی کی تیغ بھوانی جواں
آن میسور کی بھی راجپوتوں کی بھی
[illegible] ہے جانفشانی جواں
تیرے دم سے [illegible]
[illegible]

(۹)

کشور و میرا کے اے دیش ہندوستاں
سنت تلسی کے پیارے چمن جاوداں
سنت کبیر اور نانک کی بانی سبیل
پیارے چشتی کے اے نورِ کون و مکاں
تجھ سے روشن ہوئی شمعِ علم و فن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۰)

میں نے مانا فرنگی یہاں آگئے
من کے تیمار بھارت پہ بھی چھا گئے
لیکن آئی یہاں غدر کی جب گھڑی
مارے کالے گئے وہ بھی تھرا گئے
لاشیں انگریزوں کی سڑ گئیں بے کفن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۱)

آگے چل کر جہاد ی ہوا چل پڑی
دل میں انگریزوں کے پڑ گئی کھلبلی
سر پہ باندھے کفن انقلابی اٹھے
جس سے لندن میں بھی چھا گئی سنسنی
حالِ انگریز پر مسکرایا گگن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۲)

ناتا قوموں کا اپنی بنا [illegible]
[illegible] طوفان وہ کا تیور پہ چڑھا
[illegible] پھانسی اٹھی تیغ بند کئے
انتہا یہ جلدی ہوا سلسلہ
تا [illegible]
[illegible]

(۱۳)

پھر اٹھے لکھنؤ سے بھی نظّارہ شاہ
تھی غلامی سے انگریز کی جن کو آہ
اور حرم سے نکل آئیں حضرت محل
کرنے افرنگ تمام بالکل تباہ
کر دیا ہنس کا قتل تھا اُبر من
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۴)

وہ بھگت سنگھ آزاد شیکھر و بسمل ترے
تھے اشفاق اللہ بہادر بڑے
تجھ کو آزاد کرنے کی خاطر غرض
سب جوانی میں ہنس کر کے سولی چڑھے
جن سے شرما گئے روئے دار و رسن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۵)

تیری خاطر ترے پوت لڑتے رہے
نام لیکر ترا ہنس کے مرتے رہے
گرم رکھتے ہوئے اپنا جوشِ عمل
دم بدم سوئے منزل بھی بڑھتے رہے
لاکھ جاری تھا ہم پر فرنگی دمن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۶)

وقت آیا تو گاندھی نے لے کر جنم
دیش کی دیکھ کر وہ فرنگی ستم
اپنی پھر وہ اہنسا کی تلوار سے
توڑا بندوقوں تو پوں کا سارا بھرم
جھک گیا جن کے آگے فرنگی دمن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۷)

پوجیہ گاندھی تھے ایسے غرض مہاتما
جو صداقت کا اوتار تھے یا رشی
جن سے ہے سرخرو آدمیت کا دم
جو کہ تھے اصل میں جلوۂ آدمی
انکو کرتے ہیں ہم دل سے لاکھوں نمن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۸)

اب تو ہو کر اہنسا سے ہم منسلک
جشنِ جمہوریت میں ہوتے منہمک
سر بلند آج ہیں دیکھو اہلِ جہاں
ہو کے آزاد بھارت کے ہم ناگرک
ہم سنواریں گے اب اپنا رنگیں چمن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

یومِ جمہوریت

(نثار گورکھپوری ڈیرہ واجندن پور)

یومِ جمہوریت ہے منانے کا دِن
سرزمینِ وطن کو سجانے کا دِن

ہے فضاؤں میں پرچم اڑانے کا دن
کیف و مستی گھٹاؤں میں چھانے کا دِن

دوستوں سے ہے ملنے ملانے کا دِن
دشمنوں کو ہے اپنا بنانے کا دِن

مسکرانے کا دِن گنگنانے کا دِن
آج آیا ہے خوشیاں منانے کا دِن

وقت کے ساز پر سُر ملانے کا دِن
ملک کی شان میں گیت گانے کا دِن

آرزوؤں کی تکمیل جس دِن ہوئی
ہے یہی دوستو! اوج پانے کا دِن

دِل کی وادی میں خوشبو کی بارات ہے
موجِ اُلفت میں ہے ڈوب جانے کا دِن

آج نہرو کی گاندھی کی آزاد کی
داستانِ وفا ہے سُنانے کا دِن

یہ مجاہد وہ تھے جن کے دم سے ہمیں
مل گیا فخر سے سر اٹھانے کا دِن

جسم و جاں اب غلامی سے آزاد ہیں
لد گیا بارِ زحمت اُٹھانے کا دِن

جس طرح پھر گئے اپنے دِن اے خدا
پھیر دے اب تو سارے زمانے کا دِن

کچھ پتہ ہے تجھے اے نثارِ حزیں
یومِ جمہوریت ہے منانے کا دِن

کریمی الاحسانی

مشاعرہ روٹری کلب میرٹھ

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر - فنا کانپوری - خمار بارہ بنکوی - بشیر بدر - وسیم بریلوی - صبا افغانی - زبیر رضوی - ناظم انصاری - گُروچی دہلوی - ہلال رامپوری - نور اندوری - صبا حیدرآبادی - طارق بدایونی وغیرہ

گورنمنٹ کالج میرٹھ کے وسیع میدان میں روٹری کلب میرٹھ کی جانب سے ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے۔ چونکہ کل سے سرد ہوائیں چل رہی ہیں لہٰذا سردی بھی آج اور دنوں سے زیادہ ہے۔ لیکن میدان میں حدِ نظر تک پنڈال بنا دیا گیا ہے اس میں ہوا کیا سردی کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ داخلہ کے لئے پاس سسٹم ہے جو مشاعروں میں شور و غل اور ہوٹنگ ہوا کرتا ہے وہ یہاں نظر نہیں آ رہا ہے۔ پولیس کا بھی معقول انتظام کیا گیا ہے۔

۲۳ نومبر ۷۵ء کو ۹ بج کر دس منٹ ہوتے ہی جناب جی ایس ... صدارت کے لئے روٹری کلب کے صدر صاحب کا اعلان ہوا ہے ... صدر صاحب موصوف کو ہار پہنائے جا رہے ہیں۔ آپکی تصویر لی گئی ہے۔ شری گرگ صاحب چیئرمین روٹری کلب مشاعرہ کے سلسلے میں فرما رہے ہیں صدر کی حیثیت سے میں آپ سے مخاطب ہوں۔ سردار سرپ جیت ... کا دہلی میں انتقال ہو گیا انکی آتما کی شانتی کے لئے دو منٹ تک چپ ... ہو جایئے۔ حاضرین نے چپ کھڑے ہو کر مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ پھر فرما رہے ہیں روٹری کلب ایک ایسی جماعت ہے کہ کمزوروں کی مدد کرتی ہے۔ ضرورت مندوں کے کام آتی ہے اس جماعت کا یہی مقصد ہے۔ اب ایک دھرم شالہ کے لئے تین لاکھ روپے کی ضرورت ہے یہ دھرم شالہ میڈیکل کالج کے کیمپ میں بنے گی۔ ہم اس کے لئے ایک بھاری رقم دے رہے ہیں۔ ہم سے سوال کیا جاتا ہے کہ ہم مشاعرہ ہی کیوں کرتے ہیں۔ ہم کو ... ادی ہے کہ ہم کوئی بھی کلچرل پروگرام کریں ہم آج مشاعرہ کر رہے ہیں کل ... کر سکتے ہیں ——— یہ اُردو کی ہر دلعزیزی اور محبوبیت ہی تو ہے۔ ... کے اعلان ایک گرگ صاحب ہیں ——— پیکرِ انسانیت کے علمبردار عالیجناب ... مہندر سنگھ بیدی سحر سے نظامت کے لئے درخواست کی جا رہی ہے اس ... جانفزا پر اظہارِ خوشنودی کیا جا رہا ہے۔ محترم کنور صاحب کی تصویر لی گئی ہے اور آپکو بھی پھولوں سے لاد دیا گیا ہے۔ روٹری کلب کے گورنر صاحب کو ہار پیش کئے جا رہے ہیں اور پھر گورنر صاحب فرما رہے ہیں۔

بیدی صاحب اور میرے معزز دوست صاحبان میں آپکی خدمت میں روٹری کلب کی جانب سے عرض کر رہا ہوں کینسر ہسپتال کے لئے کچھ مشاعرہ کی طرف سے بھی دیا جا رہا ہے یہ رقم ہماری طرف سے تقریباً ۲۵ ہزار ہو سکتی ہے جو دیجائیگی۔ اس پر تالیوں سے خیر مقدم اور اظہارِ خوشی کیا جا رہا ہے۔ آپ مختصر تقریر کے بعد جا رہے ہیں اور یہاں اسٹیج محترم کنور صاحب نے مائک سنبھال لیا ہے۔

آیئے میرے ساتھ اس پُر بہار پنڈال کا جائزہ لیتے چلئے صوفوں پر سیٹیں چسپاں ہیں۔ ہر آنے والا اپنی چیٹ پڑھ کر صف میں جا بیٹھتا ہے ایک عجیب رنگ برنگ سماں ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے کتنے ہی من چلے اور نوجوان اسٹیج کے سامنے فرش پر بیٹھنے کو ترجیح دے رہے ہیں جہاں سامعین و حاضرین شستہ اور زرق برق لباس میں نظر آ رہے ہیں وہاں خواتین کی بھی ایک بھاری تعداد ہے سنیئے کنور صاحب فرما رہے ہیں کہ وسعتِ قلب خدا کی دی ہوئی نعمت ہے۔ یہ جتنی زیادہ وسیع ہو سکے کیجئے اور بن بلائے مہمانوں کو جگہ دیجئے ——— یہ مشاعرہ کی مقبولیت اور اردو کی کشش ہی تو ہے کہ اس سردی کی رات میں مقامی شائقین کے علاوہ کھتولی، مظفر نگر، ... وغیرہ سے سامعین تشریف لائے ہیں۔ اِدھر اعلان تو کر دیا گیا لیکن جائے تنگ است و مردماں بسیار والا معاملہ درپیش ہے اب آنیوالے کہاں بیٹھیں یہ عجیب مرحلہ ہے پہلا گیٹ بند کر دیا گیا ہے اور اس طرح بن بلائے مہمانوں کا مسئلہ کسی حد تک حل ہو گیا ہے۔ کنور صاحب مشاعرہ کی بسم اللہ نہایت خوش گو، خوش رو، خوش فکر شاعر راشد صدیقی کیرانوی سے کرا رہے ہیں۔ راشد صاحب نے ... یوں غزل سرا ہیں ؎

خیال و فکر کی دُنیا میں روشنی کے لئے ۔ نگاہ و دل کی ضرورت ہے آدمی کیلئے

دادِ مطلع ہی سے شباب پر ہے اور آپ اسی دلکشی سے فرما رہے ہیں ؎

کیسے کہا ہیں کدھر جائیں روشنی کے لئے ؛ ہر ایک سمت اندھیرے ہیں زندگی کیلئے
مجھے یقین ہے کہ انسانیت نہ رُسوا ہو ؛ کسی کے دل میں جگہ اب نہیں کسی کیلئے

داد اس شعر کے شایانِ شان دیجا رہی ہے اور آپ اسی دلربائی سے فرما رہے ہیں ؎

نگاہ و دل میں جو اُترے ہوئے ہیں جلوے ؛ رہِ حیات میں کافی ہیں روشنی کیلئے

راشد صاحب تالیوں کی جھنکار میں مشاعرہ کا نہایت شاندار آغاز کر کے کامراں جا رہے ہیں اور کنور صاحب فرما رہے ہیں اب تک کرپی الا عاق صاحب مشاعروں کی کمنٹریاں لکھتے رہے اور آپ حضرات پڑھتے رہے ہیں آج میں ان کی کمنٹری لکھوں گا اور اب ان سے کلام بھی سُنیئے گا۔ آئیے بیتاب اشعار امیر جنبی کا فیض سُنیئے ؎

سرنگوں پرچمِ شیطاں ہے کئی سال کے بعد ؛ سُرخرو نائبِ یزداں ہے کئی سال کے بعد
اب عداوت کا اندھیرا نہ تعاصب کی گھٹا ؛ ہر طرف جشنِ چراغاں ہے کئی سال کے بعد
کون مجرم ہے اسیرو ہمیں اب چھوڑ و بھی ؛ دیدنی رونقِ زنداں ہے کئی سال کے بعد
ہر طرف امن اماں اور سکوں کے آثار ؛ کوئی ہنگامہ نہ طوفاں ہے کئی سال کے بعد

اب کنور صاحب ایک کمسن اور اُبھرتی گلوکارہ برکھا رانی لکھنوی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں برکھا صاحبہ یوں محفلِ شعر و سخن پر برس رہی ہیں ؎

زخم ہیں دل میں تری یاد دلانے کے لئے ؛ میں ہوں مٹنے کے لئے تو ہے مٹانے کے لئے

پورے مجمع میں جناب قیصر صاحب بیر پٹی کی داد چھائی ہوئی ہے نہ جانے زندہ دلانِ حیدر آباد قیصر صاحب کو اپنے تفریحی پروگراموں میں کیوں مدعو نہیں کرتے یہ حقیقت ہے کہ قیصر صاحب مشاعروں میں ایسی نپی تلی اور جچی ہوئی داد دیتے ہیں کہ تمام مجمع انکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ فرما رہے ہیں خدا کرے اور برکھا صاحبہ غزل سرا ہیں ؎

تم نے اپنا کے مجھے غیر سے بد تر سمجھا ؛ ایک تکلیف بڑھی اور زمانے کے لئے

عمدہ کلاک ہے — ایک آواز — ایک قہقہہ — داد کے ہنگامہ میں ارشاد ہوتا ہے ؎

طنز کرتا ہے تو کر دل سے مگر تو نکال ؛ تو مجھے داسے میں حاضر ہوں مٹانے کے لئے

دیکھا تو بشیر بدر مرحوم بریلوی آ کر صبا افغانی کے قریب ہی بیٹھ گئے ہیں صبا صاحب فرما رہے ہیں آج ہم سے مذاق مت کرنا۔ ہاں بھائی آج یہ تمہارے سائے میں بیٹھے ہوئے ہیں ان سے مذاق نہ کیجئے اسی ہنسی مذاق میں برکھا صاحبہ چہک رہی ہیں ؎

ہم نے تنہائی میں تاروں سے بھی باتیں کی ہیں ؛ دل بہلنے کے لئے تم کو بھلانے کے لئے

برکھا صاحبہ تالیوں کی جھنکار میں داد کی جھولیاں بھرے بوجھل قدم پلٹ رہی ہیں اور کنور صاحب فرما رہے ہیں کہ میرے داہنی طرف مولانا لوگ بیٹھے ہیں جو کھُل کر داد بھی نہیں دے رہے ہیں لیجئے ایک مزاحیہ شاعر ناظم انصاری ناگپوری کو دعوتِ طنز و مزاح دے رہے ہیں۔ دیکھا تو ایک مولانا سے ملٹے کوٹ پتلون مائک پر آ گئے ہیں قیصر صاحب نے نعرہ بلند کیا یہ کیسا اجتماعِ ضدین ہے اس پر یار لوگ مسکرا رہے ہیں اور ناظم صاحب یوں رنگ محفل بدل رہے ہیں ؎

دیوانہ اس نے کر دیا اکبار دیکھ کر ؛ ہم کچھ بھی کر سکے نہ لگاتار دیکھ کر
کشتی کے بادبان مجھے یاد آ گئے ؛ بیگم تمہاری لو گڑی شلوار دیکھ کر

قہقہوں اور شور و غل کے ہڑ لونگ میں ارشاد ہوا ہے ؎

ہلکڑ ہیں اور منہ زور ہیں تیری گلی کے لوگ
تیری طرح کٹھور ہیں تیری گلی کے لوگ
پیتے ہیں مفت دیکھ کر دیدار کی شراب
کتنے حرام خور ہیں تیری گلی کے لوگ

پھر ایک ہنگامہ ہوا ہے اور آپ دلکش ترنم سے چہک رہے ہیں ؎

آوارہ لفنگا یا مُلا نظر آتا ہوں!
آخر ترے ڈیڈی کو میں کیا نظر آتا ہوں
یُوں دیکھ رہے ہیں وہ صورت مری مُنہ پھاڑے
جیسے کوئی اُلّو کا پٹھا نظر آتا ہوں
میں جن کے لئے ناظم ہوں آج بھی ان فیرڈ
ہونے کو کئی بچوں کا باوا نظر آتا ہوں

ناظم صاحب محفل کو ہڑ لونگ سے بدل کر تالیوں کے بے ہنگم شور میں جا رہے ہیں اور کنور صاحب اشرف حسین رعنا دہلوی کو یاد فرما رہے ہیں رعنا صاحب مائک پر آ کر گوٹے پر ہاتھ رکھے کھڑے ہیں ایک صاحب غالباً اکبر علی جو شروع سے آخر تک قیصر صاحب کی طرح شعراء کو بناتے رہے لیکن قیصر صاحب کی بات ہی اور ہے۔ فرما رہے ہیں گوٹے سے ہاتھ الگ کرو۔ اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا ہے اور رعنا صاحب فرما رہے ہیں ؎

تم سرِ راہ مجھے پیار سے دیکھا نہ کرو ؛ عشق بدنام سہی حُسن کو رُسوا نہ کرو
جن میں اظہارِ محبت کا کیا ہے میں نے ؛ میرے وہ گیت سہیلی کو سنایا نہ کرو

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

میں تو اس راہ کا ٹھکرایا ہوا پتھر ہوں
دیوتا مجھ کو نہ مجبوری کو جانا کرو

رعنا صاحب مناسب داد پاکر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور کنور صاحب فرما رہے ہیں چندے آفتاب چندے ماہتاب یہاں شعرا کرام بیٹھے ہیں کسے نظرانداز کروں اب میں ایک ایسے شاعر کو پیش کر رہا ہوں جو افغان ہیں۔ میری مراد ہے صبا افغانی سے صبا صاحب نے منصوری کے شاعر کی تازہ ترین غزل سنائی ہے۔ میں نے صرف سُننے پر اکتفا کیا۔ شانِ ہند کے اسی شمارہ میں یہ غزل شائع ہو رہی ہے۔ اسٹیج سے پنڈال تک مکمل سکون ہے۔ نہ بیجا داد ہے نہ کسی شاعر کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے نہایت صبر و سکون سے سُنا جا رہا ہے۔ میں بھی منتظمین مشاعرہ کے حسنِ انتظام کی دل ہی دل میں داد دے رہا ہوں۔ دیکھا تو محترمہ رُوحی دہلوی نے میرے خیالات کو اس سدا بہار غزل اور دلکش ترنم سے منتشر کیا۔ نہایت پُر وقار انداز سے بھی داد و دہی میں غزل سرا ہیں ؎

اس دل کی کائنات ہے تیری نظر کے ساتھ
مجھ کی زندگی ہے نسیمِ سحر کے ساتھ

داد مطلع ہی سے ہنگامہ کا رُوپ دھار رہی ہے اور آپ اسی جان لیوا ترنم سے بے حال کر رہی ہیں۔ سُنئے ؎

ع　ہم جانتے ہیں گردشِ شام و سحر کا حال
گذری ہے عمر گردشِ شام و سحر کے ساتھ

اے رحمتِ تمام تری شان کے نثار

آہ اور واہ کا ایک ہنگامہ ہے کئی بار دہرا کر فرما رہی ہیں ؏

دام و قفس بھی بکھرے بال و پر کے ساتھ
رُوحی کسی کی یاد ہے اس دل میں خوفگن
یا پھول کھل رہا ہے طلوعِ سحر کے ساتھ

رُوحی صاحبہ تالیوں کی جھنکار میں پنڈال کو گم کر کے مائل جا رہی ہیں۔ اور کنور صاحب اس عالمِ کیف و سرور کو بدلنے کے لئے مقرب حسین دیوبندی کو دعوتِ مزاح دے رہے ہیں۔ مقرب صاحب فرما رہے ہیں کہ مشورہ سماعت فرمایئے ــــ فیس کے ساتھ یا بلا فیس ــــ قہقہ صاحب ــــ ایک قہقہہ ــــ اور آپ فرما رہے ہیں ؎

حسینوں تمہیں مشورہ دے رہا ہوں
کہ تم شاعروں کی نہ باتوں میں آنا
یہ کرتے ہیں تعریف بے جا تمہاری
نہیں اُن کی تعریف کا کچھ ٹھکانا

وہ کیا بات جو ہو حقیقت سے خالی
کہ تعریف بے جا سے بہتر ہے گالی

کوئی کہہ رہا ہے نہ اتنا ستاؤ
کوئی لکھ رہا ہے کہ کب دید ہوگی
کسی کی یہ منطق ہے سب سے نرالی
کہ وہ چھت پہ آئینگی جب عید ہوگی
اگر وہ محرم میں آئینگی چھت پر
یہ سمجھیں گے روزوں نے باندھا ہے بستر

بہت اُن نے ناپا تمہاری کمر کو
ذرا ناپ اِن کی کمر کا تو پوچھو
یہ بوڑھے ہیں پھر بھی ہیں عاشق تمہارے
ذرا غور سے اُن کی شکلیں تو دیکھو
جو سچ بات ہے یہ بتاتے نہیں ہیں
یہ شاعر ہیں ہفتوں نہاتے نہیں ہیں

حسینوں مقرب ہے خود محوِ حیرت
کہ شاعر کی بھی کیا عجب کھوپڑی ہے
اگر تم اُٹھا کر جُھکا دو گی نظریں
یہ کہہ دیں گے بجلی کوئی گر پڑی ہے
اگر چشمِ جاناں میں بجلی نہاں ہے
تو شاعر سے پوچھو کہ موجِ کہاں ہے

مقرب کو ہر بند پہ داد قہقہوں اور تالیوں سے دی گئی ہے اور آپ تالیوں کے طرقونگ میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور وسیم صاحب فرما رہے ہیں کہ ایک عظیم مفکر عظیم شاعر، عظیم انسان کنور مہندر سنگھ بیدی سحر سے کلام سُنئے اس اعلان پر تالیوں سے آپکا خیر مقدم کیا جاتا ہے اور آپ فرماتے ہیں

جام گردش میں ہے ساون کی جھڑی ہے یارو
گردشِ وقت ابھی دُور کھڑی ہے یارو

میری قسمت میرے قدموں میں پڑی ہے یارو
لب تو چھوٹا ہے مگر بات بڑی ہے یارو

واہ واہ کہ بس کچھ نہ پوچھئے کئی بار دہرا کر قبلہ محترم اسی پُر وقار انداز سے عنایت کر رہے ہیں ؎

اُن کی زلفوں کی گھنی چھاؤں میں دم لینے دو
غم کی ابھی دھوپ کڑی ہے یارو

آہ اور واہ کا ایک دھماکہ ہوا ہے اور آپ اسی خلوص سے کہہ فرما رہے ہیں ؎

فکرِ عقبیٰ کو غمِ عشق سے جوڑا جائے
گردشِ وقت کا منہ ٹھیک سے موڑا جائے

دوسرے مصرعہ پر شور داد دی جا رہی ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

فیصلہ حشر کا منظور مگر شرط یہ ہے
واعظ و شیخ و برہمن پہ نہ چھوڑا جائے

حشر کے دن ہی سہی وعدۂ دیدار تو ہے
دامن اُمید کا کیوں ہاتھ سے چھوڑا جائے

محترم کنور صاحب تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور ساتھ ہی اسٹیج سے نیچے جا رہے ہیں ادھر وسیم صاحب مناسب اور موزوں الفاظ میں تعارف فرما کر نور اندوری کو دعوت کلام دے رہے ہیں ساتھ نور صاحب بھی مزاحی غزل اسی بانکپن اور رنگ ڈھنگ سے چھیڑ رہے ہیں ؎

دار تک جو گئے ہیں وہ منصور ہیں
ورنہ قصے تو کتنے ہی مشہور ہیں

ایسے گل جن میں تفریق کا رنگ ہو
وہ گلستاں کے سینے پہ ناسور ہیں

ہم جو دامن کشاں ہیں کوئی راز ہے
آپ ایسا نہ سمجھیں کہ مغرور ہیں

خود اندھیرے میں ہے آپ کی زندگی
نور صاحب تو بس نام کے نور ہیں

نور صاحب محفل کو گرما کر داد کی جھولیاں بھرے تالیوں کے شور میں فضاؤں پلٹ رہے ہیں ادھر گیٹ پر ترنم غفیر ہے جو اندر آنے کے لئے پر تول رہا ہے۔ وسیم مولانا راز الہ آبادی سے درخواست کلام کر رہے ہیں راز صاحب مائک پر آ کر کچھ شروع کیا چاہتے ہیں کہ سامنے سے قیصر صاحب چیخ رہے ہیں کہ اس کام کو چھوڑ کر تعویذ گنڈے کا کام شروع کر دو ۔۔۔ ایک قہقہہ ۔۔۔ ماشاء اللہ راز صاحب مشرع بزرگ ہو گئے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے ؎

میرے جیسا بھی کوئی دل جلا تری انجمن میں ملا نہیں
جو چراغ میں نے جلا دیا وہ چراغ جل کے بجھا نہیں

ہر چند کہ راز صاحب کے ترنم میں اب وہ شعلہ سا لپک جانے والی بات نہیں رہی پھر بھی اپنی روایت کو نبھا رہے ہیں داد کا شور کم ہوا تو دلکشی سے لہرا رہے ہیں ؎

تو ہزار سجدے کرے مگر یہ تری نماز وفا نہیں
ترا سر جھکا تو ضرور ہے ترا دل ابھی تو جھکا نہیں

داد نے پھر ہڑبونگ کو جنم دیا ہے اور آپ عنایت کر رہے ہیں ؎

یہ عجیب طرح کی ہے دوستی بڑی کشمکش میں ہے زندگی
مجھے اعتبارِ کرم نہیں انہیں اعتبارِ وفا نہیں

پھر داد نے تمام قیود توڑ دی ہیں اور راز صاحب کا مقطع سنئے ؎

مجھے راز یہ بھی خبر نہیں مرا راز کیسے عیاں ہوا
کبھی ذکر ان کا کیا نہیں کبھی نام اُن کا لیا نہیں

یہ حلیہ سے بات ظاہر ہو جاتی ہے محترم کنور صاحب فرما رہے ہیں اس پر شعرائے کرام مسکرا رہے ہیں اور راز صاحب خوب خوب داد لوٹتے اپنی جگہ آ رہے ہیں۔ ادھر کنور صاحب فرما رہے ہیں اس مشاعرہ میں شعرائے کرام ہندوستان کے ہر گوشے سے آئے ہوئے ہیں اور اب آپ محترمہ صبا صاحبہ حیدر آبادی سے ان کا کلام سنئے دیکھا تو کالی ساڑی زیب تن کئے مائک پر آ کر محفل کا جائزہ لے رہی ہیں اور کنور صاحب فرما رہے ہیں کچھ لوگ چشمے صاف کر رہے ہیں اور اسی ہنسی مذاق میں آپ دلکشی سے غزل سرا ہیں ؎

پیار میں تپ کر سراپا پیار بنجاتے ہیں لوگ
دل میں آ کر جان کے مختار بنجاتے ہیں لوگ

داد مطلع ہی سے شروع ہو گئی ہے اور نہایت متانت سے فرما رہی ہیں ؎

نیچی نظروں میں چھپاتے ہیں محبت کے گلے
خامشی میں بھی لبِ اظہار بنجاتے ہیں لوگ

روک لیتی ہے قدم جذبات کی شائستگی
دل کی بازی جیت کر بھی ہار جاتے ہیں لوگ

اور شباب پر ہے اور آپ اسی دلربائی سے مہک رہے ہیں ؎

فاصلہ ہو تو نظر آتے ہیں پھولوں کی طرح
جانے کیوں نزدیک آ کر خار بن جاتے ہیں لوگ

صاحب داد و تحسین کے شور میں اپنی جگہ شاداں آ رہی ہیں۔ اور صاحب فرما رہے ہیں اب ایک ایسے شاعر آ رہے ہیں جن کا ایک ہے ایک آواز ہے اور وہ ہیں حفیظ میرٹھی حفیظ صاحب کا پُر تالیوں سے خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔ ایک مقامی شاعر کا اس سے استقبال کیا جانا کچھ کم بات نہیں ہے ورنہ مقامی طور پر مقامی شاعر کو سنا تک نہیں جاتا ہے۔ ہاں تو دیکھئے حفیظ صاحب گلکاری کرنے چلے ہیں ؎

جھک گئی ہے ہوس مصلحت کے پاس آ کر
وفا گدر بھی گئی تخت و تاج ٹھکرا کر

قطعہ عروج سے ہوا ہے۔ کنور صاحب فرما رہے ہیں ڈاڑھی والے ان جیسے شعر ہو ہی نہیں سکتے جیتے رہو اور آپ اسی جان لیوا سے محفل کو گرما رہے ہیں ؎

مجھے یہ مشورہ خوشحال لوگ دیتے ہیں
ضمیر بیچ دے اپنا خوشی کا سودا کر

ہال میں بھونچال سا آیا ہے اور آپ بھی جھوم رہے ہیں سنئے ؎

نہ جانے چشم عنایت میں کیا نظر آیا
قریب رو دیا دامن کو اپنے پھیلا کر
یہ لغزشیں ہی سنبھلنا مجھے سکھا دیں گی
قدم قدم پہ سہاروں کا گستہ نہ دیکھا کر

داد دینے والے بے حال ہو چلے ہیں اور آپ پُرسکون انداز سے [illegible] کر رہے ہیں ؎

حیات جس کی امانت تھی اسکو لوٹا دی!
میں آج چین سے سوتا ہوں پاؤں پھیلا کر

صاحب محفل کچھ تالیوں کی جھنکار میں شاداں جا رہے ہیں صاحب فرما رہے ہیں آپ حضرات نے کس شان اور شوق سے صاحب کو سنا [illegible] مقامی حضرات کو کچھ کم ہی سنا جاتا ہے لیکن صاحب کی بھر پور [illegible] اور مقبولیت نہیں بھلایا جا سکتا ہے۔ [illegible] کنور صاحب فرما رہے ہیں کہ ہلال صاحب نے

نے سفر میں اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ میرٹھ کتنی دور ہے۔ ساتھیوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے سر کی طرف سے یا پاؤں کی طرف سے دیکھا تو اسی ہنسی مذاق میں مانک ہلال رامپوری کے قد کے مطابق اونچا کیا جا رہا ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

بلند دروازہ ہوا کیوں کسلئے پھر در کھلا
یہ گیا کیوں اور وہ آیا کیوں نہ کچھ ہم پر کھلا
ان کی دربانی صدارت جیسے بنگلہ دیش کی
ایک نے بستر لپیٹا ایک کا بستر کھلا

قہقہوں اور ہُو ہُو کا ایک غل غپاڑہ ہے اور آپ کی قطعات رواں دواں سنا کر محفل کو قہقہہ زار بنا کر جا رہے ہیں۔ ادھر کنور صاحب ایک اعلان فرما رہے ہیں کہ مسٹر شگلا صاحب جہاں بھی ہوں وہ پہلے گیٹ پر چلے جائیں اگر کوئی ان کو بلا رہا ہے تو ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں اور اگر ان کی اہلیہ محترمہ بلا رہی ہیں تو ہماری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ ایک قہقہہ۔ پھر فرما رہے ہیں کہ دعائی شاعری ہوتی ہے مگر ہلال صاحب جو سنا کر گئے ہیں وہ تجرباتی شاعری ہے۔ پھر یار لوگ مسکرا رہے ہیں اور اب زحمت سخن دے رہے ہیں ملک کے مشہور غزل گو اور مترنم شاعر شمیم جے پوری کو شمیم صاحب یوں محفل کو معطر بنانے چلے ہیں ؎

وہی دیوانہ بنائے وہی ہنس کر دیکھے
کوئی غمخوار ہو میرا تو یہ منظر دیکھے
اک نظر دیکھ لے اس دشمن جاں سوز کو بھی
اس سے پہلے کہ زمانہ مجھے ہنس کر دیکھے
اس سے ملنے کے لئے جاں سے گزر جاؤں گا
وہ کہیں سے مجھے آواز تو دے کر دیکھے

یوں تو داد شروع سے ہنگامہ کا روپ دھار رہی ہے لیکن شمیم پہلی بار بُری طرح سے چیخ رہے ہیں ایک طرف قیصر صاحب مع احباب ڈٹے ہوئے ہیں اور دوسری جانب اکبر صاحب اپنی پارٹی کے ساتھ براجمان ہیں کبھی کبھی تو شعراء کرام ان کی بے جا داد پر بوکھلا جاتے ہیں اور یہ داد سنجیدگی کی حدوں کو پار کر جاتی ہے۔ بہرحال مشاعروں میں ایسی تفریح چلا ہی کرتی ہے۔ ہاں تو دیکھئے شمیم صاحب یوں پنڈال پر چھا جانے کی سعی کر رہے ہیں ؎

پہلے اتنا تو نہ تھا کوئی جنوں میرا سوا
جس کے ہاتھوں ابھی قصہ ہوا رسوا دیکھے

توبہ کے بعد بھی ساقی کا تصور نہ گیا
جس طرف دیکھا چھلکتے ہوئے ساغر دیکھے

ہم تو تسکین و جگر کے ہیں پرستار شمیم
یوں تو دنیا میں بہت ہم نے سخنور دیکھے

شمیم صاحب محفل کو تشنگی میں ڈال کر تالیوں کے شور میں اپنی جگہ آ رہے ہیں۔ اسی انداز اسی ڈھنگ کے ایک دوسرے خوش گلو۔ خوش رو خوش فکر شاعر طارق بدایونی آ کر یوں لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

اک نہ اک شمع اندھیرے میں جلائے رکھئے

مصرعہ سنتے ہی ایک ہنگامہ بپا ہے کوئی بھی اس گھسی پٹی سنائی غزل کو سننے کے لئے تیار نہیں۔ آج سامعین کا حافظہ بڑا تیز اور قوی ہے نہ جانے کب سے اس غزل کو سنتے آ رہے ہیں آخر ایک ہی غزل کیلئے سیکڑوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں سامعین اور شوقین دور دراز سے سفر کر کے آتے ہیں رات کی نیند حرام کرتے ہیں اور پھر وہی گھسی پٹی سنائی غزل سننے کو ملے تو اس وقت احتجاج ضروری ہو کر رہ جاتا ہے۔ کنور صاحب نے ڈانٹ کر فرمایا پہلے دور میں جو شاعر چاہے اس سے وہ سن لیجئے گا دوسرے دور میں آپ کی فرمائش پوری کر دی جائیگی اس پر یہ بپھرا ہوا مجمع خاموش ہو گیا اور طارق صاحب پھر وہی غزل سنا رہے ہیں آئیے آپ بھی بیدلی سے ہی سہی سن لیجئے گا ؎

اک نہ اک شمع اندھیرے میں جلائے رکھئے
صبح ہونے کو ہے ماحول بنائے رکھئے

کون جانے کہ وہ کس راہ گذر سے گذریں
ہر گذرگاہ کو پھولوں سے سجائے رکھئے

دامنِ یار کی زینت نہ بنے ہر آنسو
اپنی پلکوں کے لئے کچھ تو بچائے رکھئے

اب تو اک پل کی جدائی بھی نہ ہوگی برداشت
آخری رات ہے سینے سے لگائے رکھئے

اللہ تعالیٰ آرزو پوری کرے کنور صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں اور طارق صاحب بے دلی داد سمیٹے جا رہے ہیں ادھر کنور صاحب مناسب اور موزوں الفاظ میں تعارف کرا کر بشیر بدر سے درخواست کلام کر رہے ہیں۔ بدر صاحب یوں محفل پہ چھایا کر رہے ہیں ؎

کسی کی راہ میں دہلیز پر دیئے نہ رکھو
کواڑ سوکھی ہوئی لکڑی کے ہوتے ہیں

قدیم قصبوں میں کیسا سکون ہوتا ہے
تھکے تھکائے ہمارے بزرگ سوتے ہیں

چمکتی ہے کہیں صدیوں میں آنسوؤں سے زمیں
غزل کے شعر کہاں روز روز ہوتے ہیں

آہ اور واہ کے شور میں ارشاد ہوتا ہے ؎

دشمنی جم کر کرو لیکن یہ گنجائش رہے
جب کبھی ہم دوست ہو جائیں تو شرمندہ نہ ہوں

پھر داد شباب پر ہے اور آپ اسی سج دھج سے محفل کو لوٹنے چلے ہیں ؎

دلوں کی جہاں پائمالی رہی
وہ بستی چراغوں سے خالی رہا

کبھی جب تمہارا خیال آ گیا
کئی روز تک بے خیالی رہی

ہمارے لبوں پر نہ آئی ہنسی
یہ کشتی مسافر سے خالی رہی

بشیر بدر صاحب خوب خوب داد و تحسین پا کر پلٹ رہے ہیں اور کنور صاحب ملک کے منفرد غزل گو اور مترنم شاعر زبیر رضوی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں زبیر صاحب نے یوں دلکش ترنم سے غزل چھیڑی ہے ؎

بچھڑتے دامنوں میں پھول کی کچھ پتیاں رکھ دو
تعلق کی گرانباری میں تھوڑی نرمیاں رکھ دو

بھٹک جاتی ہیں تم سے دور چہروں کے تعاقب میں
جو تم چاہو مری آنکھوں پہ اپنی انگلیاں رکھ دو

لیجئے سامنے والے من چلے ہٹلر بازی پر اتر آئے ہیں کسی نئی غزل کا نعرہ بلند کر رہے ہیں کیا ستم ہے کہ کتنے ہی شاعر ایک ہی غزل کو سالہا سال تک الاپتے پھرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ بار بار کی گھسی ہوئی غزل کون لے۔ کرے گا۔ یہی حشر اس غزل کا ہوا پھر آپ دوسری گھسی پٹی غزل چھیڑ رہے ہیں شاید آپ کو بھی یہ یاد ہو آپ نے بھی کئی ہو سنتے ؎

سارا منظر ہے اجنتا کی گپھاؤں کی طرح
لڑکیاں شہر میں پھرتی ہیں گھٹاؤں کی طرح

لے کے نکلو نہ یوں چندا سا بدن راہوں میں
رات بے رحم ہے قاتل کی اداؤں کی طرح

لیجئے پھر ایک ہٹلر ہوٹنگ ہے اور یہ ہٹلر ہوٹنگ کسی حد تک صحیح بھی ہے کیونکہ سامعین شعراء سے کسی نئی تخلیق کی توقع کرتے ہیں اور جب وہ کوئی بات تازہ تخلیق پیش نہ کر سکیں تو ان کا غصہ اور احتجاج بجا بھی ہے نہ یہ زنانے کے ساتھ مائک سے جدا ہو رہے ہیں تو وہ خود اس رخ سے سمجھو یہ آنکھ بر بھی جائز ہے کہ نہیں۔ آئیے پھر ایک دلکش اور منفرد شعر سنئے

پانی پہ تیرتی ہوئی یہ لاش دیکھئے
اور سوچئے کہ ڈوبنا کتنا محال

دادکا سابقہ ریکارڈ بھی داد دے رہا ہے اور اس منفرد شعر کے خالق جناب وسیم بریلوی ہیں۔ آج آپ نے خلاف معمول ایک گیت پیش کیا جس کو میں نے سننے ہی پر اکتفا کیا۔ وسیم صاحب واہ جی سی داد پا کر اپنی جگہ جا رہے ہیں اور کنور صاحب نے ملک کے مشہور غزل گو شاعر حضرت خمار بارہ بنکوی کو کلام بلاغت نظام عطا کرنے کی گذارش کی ہے۔ خمار صاحب کسی اور ہی عالم میں ہیں مگر سنبھل کر دلکش ترنم سے غزل سرا ہیں ۔

ہجر کی شب ہے اور اُجالا ہے	کیا تصور بھی لُٹنے والا ہے
موت آئے تو دن پھریں شاید	زندگی نے تو مار ڈالا ہے
عشق مجبور نامراد سہی	پھر بھی ظالم کا بول بالا ہے
غم تو ہے عین زندگی لیکن	غمگساروں نے مار ڈالا ہے

ہم اندھیرے میں گھٹ رہا ہے خمار

اور چاروں طرف اُجالا ہے

خمار صاحب محفل کو مخمور کر کے تالیوں کی جھنکار میں مائک سے لغزیدہ قدم جا رہے ہیں اور کنور صاحب نسرین امراوتی کو زحمت سخن دے رہے ہیں اور رآز صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں ۔ نئی بھرتی ہے ۔ یہ نئی بھرتی نہیں بلکہ خاندانی شاعرہ ہیں میں نے عرض کیا۔ دیکھا تو اسی ہنسی مذاق میں نسرین صاحبہ غزل سرا ہیں ۔

ہجر کی انجمن شام سے پہلے	جان نہ لے انجام سے پہلے
میرا دل اتنا سادہ	چاہت کے الزام سے پہلے
کانٹوں سے اُلجھا ہے دامن	پھولوں کے انعام سے پہلے

مستی ہے کیوں آنکھوں میں نسرین

کیفِ مے گلفام سے پہلے

نسرین صاحبہ داد میں ڈوبی اپنی جگہ آ رہی ہیں اور کنور صاحب فرماتے ہیں نامور مقتدر، ہر دلعزیز شاعر جن کا تخلص تو فنا ہے مگر ہیں بقا اپنے کردار اور شاعری کی وجہ سے اور اب آپ فنا نظامی کانپوری سے اُنکی غزل سُنئے۔ فنا صاحب نے مائک پر آتے ہی کسی بیرے کو للکارا اسے پیچھے یہ دکان بڑھاؤ اب فنا صاحب اپنی دُکان لگائینگے بدر صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں اس پر یار لوگ بھی جواباً ہنس رہے ہیں اور فنا صاحب فنائی اشعر ہو رہے ہیں ۔

جانِ بہار حسن چمن میں اُچھال دو

دامانِ گل پہ رنگ کے دھبے بھی ڈال دو

بگڑا ہوا نظام بہاراں سنبھال دو

یا گلبدنوں چمن کی مہیں دیکھ بھال دو

داد کا عالم نہ پوچھئے اور میں حفیظ صاحب سے عرض کر رہا ہوں آپ بھی تو داد دیجئے اس پر حفیظ صاحب مسکرا رہے ہیں اور فنا صاحب گویا نغمگی بکھیر رہے ہیں ۔

ساقی کے ہاتھ چومتے ہیں جو بجائے جام

ان کو شراب خانے سے باہر نکال دو

اپنے ہر اک سوال کا لیجئے ابھی جواب

ہم وہ نہیں جو وعدۂ فردا پہ ٹال دو

کل رات اک بزرگ نے پی تھی ہمارے ساتھ

یارو ذرا ہماری صراحی کھنگال دو

داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور فنا صاحب بھی جھوم کر اسی دلکشی سے عطا کر رہے ہیں ۔

تجدید رسم و رہ گوارا تو ہے مگر

ایسا نہ ہو کہ پھر مجھے الجھن میں ڈال دو

فنا صاحب تالیوں کے بے ہنگم شور میں خوب خوب کامراں جا رہے ہیں۔ آج کے مشاعرہ میں جناب حفیظ میرٹھی اور حضرت فنا صاحب خوب خوب تھے اور اس مشاعرہ کا سہرا انہی حضرات کے سر رہا۔ لیجئے کنور صاحب رندِ خرابات ناظر خیامی لکھنوی کو دعوتِ اتراح دے رہے ہیں ناظر صاحب مائک پر کیا آئے کہ اپنے ساتھ ایک ہاؤ ہو اور شور و غل لے کر آئے یہ ہنگامہ ذرا کم ہوا تو فرما رہے ہیں کہ یہاں ایک دوست کہتے تھے کہ تم مر جاؤ اور آج مجھے بتلایا گیا کہ وہ ہی مر گئے ہیں اور پھر مینا کماری کی موت سے لے کر مرارجی دیسائی تک ساور نہ جانے کیا کیا سُنا گئے ادھر میں آپ کا منہ دیکھتا رہا۔ آپ کے ساتھ ہی یہ یادگاری شگفتہ اور لاجواب پُر رونق محفل شعر و سخن بجکرہ ۲ منٹ پر نہایت کامیابی کے ساتھ ختم کیا جا رہا ہے۔

اس برفیلی رات میں سامعین پنڈال سے اُٹھنے کا نام نہیں لے رہے ہیں پنڈال کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ ائرکنڈیشنڈ محسوس کیا گیا ہے۔ میں بھی محترم سرور صاحب محترمہ رُوحی صاحبہ صبا صاحبہ اور مسٹر مقرب حسین کے ہمراہ کمار ہوٹل آ گیا ہوں اب ذرا دیر آرام کروں گا آپ بھی آرام فرمائیے۔ بہت جلد مظفر نگر کا مشاعرہ خدمت عالیہ میں پیش کروں گا۔ انشاء اللہ اچھا شب بخیر ——!

آل انڈیا مشاعرہ منصوری

کریمی الاحسانی

آئیے ہم آپکو ایک ہمالیائی یا پہاڑی مشاعرہ سنوا دوں۔ دیکھئے میں آٹھ ہزار فٹ کی بلندی سے آپ سے مخاطب ہوں۔ یہ منصوری (مسوری) ہے جو آسمان سے باتیں کر رہا ہے اس کے حسین اور قدرتی و دلکش مناظر قابلِ دید اور یہاں کی رنگینیاں دعوتِ نظارگی دیتی ہیں یہ رنگ ہال ہے جو پگڑی سنبھال کر دیکھا جاتا ہے اسکی بلند و بالا سیڑھیاں طے کرکے اوپر گیا تو ڈاکٹر شمیم صاحب مظفر نگری اپنے احباب کے ساتھ نظر آئے۔ ڈاکٹر صاحب مشاعرے نہیں چھوڑتے ان سے علیک سلیک کے بعد آگے بڑھا تو مسٹر ڈی آر کپور صاحب کنوینر مشاعرہ بنرا۔ محترم تصور زیدی اکسائز کمشنر سے ملاقات ہوئی۔ کپور صاحب نہایت خوش اخلاق اور ادب نواز بزرگ ہیں۔ دیکھا تو مسٹر بشیر صادق۔ مسٹر آر جین۔ جناب لئیق احمد صاحبان بھی مجھ سے پہلے ہال میں براجمان تھے۔ آپ حضرات میری ہی درخواست پر اس مشاعرہ کو سننے کے لئے سہارنپور سے آئے ہیں ساتھ ہی چلے تھے لیکن بس اسٹینڈ پر آگے نکل گئے تھے ان کے دم سے بھی مشاعروں میں رونق آجاتی ہے خصوصاً جین صاحب مشاعروں کے روحِ رواں ہیں۔ کپور صاحب نے بتلایا کہ آپ روکسی ہوٹل میں چلے جائیے جہاں تمام شعراء قیام پذیر ہیں۔ روکسی ہوٹل تلک ہال کے نیچے ہی ایک آرام دہ ہوٹل ہے یہاں آکر جناب شمیم جے پوری اور تمنا جمالی کے کمرہ میں پہنچ گیا ہوں میں نے نماز ادا کی۔ ان دنوں شمیم صاحب بھی عاکم فتیوری کی طرح پابند صلوٰۃ و تسبیح نظر آتے ہیں۔ نماز سے فراغت پاکر مشاعرہ کا دور چلا۔!

آج ۲۱ر اکتوبر ۷۵ء کی شب ہے ... ہوا چاہتے ہیں۔ شمیم اور تمنا جمالی کے ہمراہ رنگ ہال میں پہنچ گیا ہوں اب رنگ ہال کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے اسٹیج پر اِدھر اُدھر رنگین کپڑے ایک عجیب سماں باندھ رہے ہیں سامنے کرسیاں صوفہ سیٹ اور فرش نہایت قرینے سے بچھا ہوا ہے اوپر کی طرف گیلریاں بھی کھچا کھچ بھری ہوئی ہیں اور سامعین کا یہ عالم ہے کہ ہال میں تل رکھنے کو جگہ نہیں ہے۔ ڈائس کے سامنے شہر کے معزز حضرات و خواتین زرق برق اور گرم لباس میں نظر آرہے ہیں، او دیکھ رہا ہوں کیا اردو داں پنجابی اور سکھ داں یکدم سے پاؤں زندہ ہے جو نہایت سرگرمی سے اس مشاعرہ میں جوق در جوق آرہے ہیں اور سامنے جو خواتین شو پیٹر بُن رہی ہیں جن میں جوان بہنیں اور بوڑھی مائیں دعیجے تک جمی رہیں اور جنھوں نے شعراءِ کرام ہی کو ڈائس چھوڑنے پر مجبور کیا مگر انھوں نے اُٹھنے کا نام نہیں لیا۔ جناب کمال ... نے نقیب الشعراء کے فرائض انجام دینے کے لئے مائک سنبھالکر شعراء کرام کا تعارف کرایا تو سامنے والے بہت دیر پہلے سے تالیوں سے متقاضی ہو رہے ہیں کہ مشاعرہ فوراً شروع کرایا جائے لیجئے صدارت کے لئے کمال صاحب عزت مآب صدر جمہوریۂ ہند کا اسمِ گرامی پیش کر رہے ہیں جس پر تالیوں سے اظہارِ خوشنودی کیا جا رہا ہے۔ محترم احمد صاحب نہایت سادگی سے تشریف لاکر شعراء کے جھرمٹ میں بیٹھ گئے ہیں اور کمال صاحب اپنے ہی کلام سے بسم اللہ فرما رہے ہیں۔ آپ بھی سماعت فرمائیے ؎

تیری محفل سے ہم تو چلے جائینگے آپ بربادیوں کے فسانے لئے
ذکر عبد و فا جب بھی ہوگا کبھی بیوفاؤں کے چہرے اتر جائینگے

میں ایسی جگہ بیٹھا ہوں کہ جہاں سے اچھی طرح سنائی نہیں دیتا یہاں ... صاحب کی غزل نوٹ نہ کر سکا اور اب میں کمال صاحب کے قریب آبیٹھا ہوں یہاں سے اب سب کچھ دیکھ سکوں اور سن سکوں گا لیجئے ... صاحب نے کسی شہید میکش کو یاد فرمایا ہے میکش صاحب ترنم سے شعر فرماکر چپ چاپ اپنی جگہ آگئے اور اب آرہے ہیں پروفیسر جعفری کا نمبر ہوا ہے ؎

تنگ آکر کسی فنکار نے بیچی ہے زبان
سنگ و آہن کے دریچوں سے نکلتا ہے دھواں
میں حسیں کل کے تصور سے ہوں محفوظ مگر
جیسے ساون کی جھڑی اور ٹپکتا ہو مکاں

داد کے شور میں فرما رہے ہیں ؎

خود اپنے پاؤں سے روندا ہے پھول والوں نے
مری نظر میں چمن لالہ زار اب بھی ہے
نکل چلا ہے دبے پاؤں کاروانِ حیات

مجھے کسی کا مگر انتظار اب بھی ہے

بہت دنوں سے محبت کی بات ہوتی ہے
مگر گلاب کے پہلو میں خار اب بھی ہے

بدست دیر و حرم میکدہ کو بیچا ہے
ہمارے شہر میں وہ بادہ خوار اب بھی ہے

پروفیسر صاحب مناسب داد وصول کئے چلتے بنے اور اب کمال صاحب ہلال رامپوری کو دعوت طنز و مزاح دے رہے ہیں ہلال صاحب ایک تازہ قطعہ سنا رہے ہیں ؎

بلندی پر جو پہنچے عشق تو پھر حسن ملتا ہے
غلط بالکل غلط جھوٹے یہ سب مضمون ہوتے ہیں
وہ بر سینا اپنی منصوری پہ رہتے ہیں مگر یہ کیا
میں جب آتا ہوں منصوری تو ڈیرہ دون ہوتے ہیں

محفل میں قہقہوں کا ایک دھماکہ ہوا ہے۔ ایک بچہ رو رہا ہے ہلال صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں وہ بھی داد دے رہا ہے۔ اور پھر لئی پرانے قطعات سنا کر محفل کو قہقہوں اور ہڑ بونگ میں اتار کر تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں ادھر اس رنگ کو بدلنے کے لئے ایک نوجوان خوش رو، خوش گلو شاعر تمنا جمالی کو کمال صاحب دعوت نغمگی دے رہے ہیں تمنا صاحب یوں سج دھج سے محفل کو گرمانے چلے ہیں ؎

کسی کے ستم کو کرم جانتے ہیں ؎ محبت کی عظمت کو ہم جانتے ہیں
بہت روز ان میں تعبیر رہا ہوں ؎ مجھے تیری زلفوں کے خم جانتے ہیں

داد دینے والے بھی ڈٹ کر داد دے رہے ہیں۔ یہ رنگین ماحول اور پھر تمنا صاحب کا شعلہ سا لپکتا ہوا ترنم آگ سی لگا رہے ہیں اور خود بھی جھوم رہے ہیں سنئے ؎

کئی عمر صحرا نوردی میں اپنی ؎ ہمیں شہر کے لوگ کم جانتے ہیں
خوشی کی تمنا کریں کیا تمنا ؎ خوشی کے فریب اہم جانتے ہیں

تمنا صاحب محفل کو چونکا کر تالیوں کی جھنکار میں کامراں پلٹ رہے ہیں اور کمال صاحب کسی بزرگ شاعر شانتی سروپ کو زحمت سخن دے رہے ہیں۔ شانتی صاحب نے اس پیرانہ سالی میں ایک نظم لڑکی جو ابھی چھیڑی تھی جو ہنگامہ کی نذر ہو گئی۔ ابھی عمر کا تقاضا تو یہ تھا کہ کوئی سنجیدہ کلام پیش کرتے مگر ایسا نہ کر سکے اور سنا کر چپ چاپ چلتے بنے۔ ادھر کمال صاحب اس ماحول کو بدلنے کیلئے دعوت نغمگی دے رہے ہیں برکھا رانی لکھنوی کو۔ برکھا رانی صاحبہ زلف بر دوش ساری میں ملبوس یوں محفل کو لوٹنے چلی ہیں ؎

زخم ہیں دل میں تری یاد دلانے کے لئے
میں ہوں مٹنے کے لئے تو ہے مٹانے کے لئے

لیجیے یار لوگ جو تفریح کے موڈ میں ہیں کسی اور ہی عالم میں ہیں تالیوں پر اتر آئے ہیں اور ایسا دیکھ رہا ہوں کہ ہال انگڑائیاں سی لے رہا ہے اب مشاعرہ جما ہے۔ ارشاد ہوا ہے ؎

تم نے اپنا کے مجھے غیر سے بدتر سمجھا
ایک تکلیف بڑھی اور زمانے کے لئے

اس شعر پر داد کا سلسلہ ریکارڈ بھی جھوم رہا ہے۔ مجھے سنائی نہیں دے رہا کہ ہال میں کیا ہو رہا ہے قدرے سکوت کے بعد اسی جان لیوا ترنم سے محفل کو گرما رہی ہیں۔ فرما رہی ہیں ؎

طنز کرتا ہے تو کر دل سے عداوت تو نباہ
ٹوٹنے والے میں حاضر ہوں مٹانے کے لئے

ایک اور ایک اور کے شور اور تالیوں کے ہڑ بونگ میں آپ مائک سے جدا ہو رہی ہیں اور داد دیجئے کمال صاحب کو اس وقت آپ نے ایک ایسے شاعر کا انتخاب کیا جو قربانی کا بکرا بن سکے اور وہ ہیں حیات وارثی لکھنوی۔ نہایت دلکشی سے ترنم کر عنایت کر رہے ہیں ؎

ہر گزرے لمحے نے یہ پیام چھوڑا ہے
ان گنت مسائل ہیں اور وقت تھوڑا ہے

لیجئے داد شباب پر ہے اور آپ اسی طرح بانکپن سے عطا کر رہے ہیں ؎

ہم کو یہی شکایت کیا اس پہ اور پیار آیا ؎ اس نے آئینہ دل کا اس ادا سے توڑا ہے
اور سونے والوں کی نیند ہو گئی گہری ؎ دھوپ کی تمازت نے جس قدر جھنجھوڑا ہے

حیات صاحب تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور اب کمال صاحب ذائقہ بدلنے کیلئے عرفان مظفر نگری کو دعوت مزاح دے رہے ہیں عرفان صاحب یوں بازاری قسم کے اشعار سنا رہے ہیں ؎

میرے محبوب تجھے میری محبت کی قسم ؎ آج کی رات مرے گھر میں بسیرا کر لے

کیا وہ چڑیا ہے — ایک آواز — ایک قہقہہ — اور سے پہلے مصرع پر سر پیٹ لیا غالباً یہ مصرعہ کسی فلمی گانے کا ہے عرفان صاحب نے اس قسم کے فحش اور عریاں شعر سنائے ہیں۔ جانے عرفان صاحب مظفر نگر کا نام کیوں بدنام کرنے پر تلے ہیں مظفر نگر نے تو مزاح میں کہنے والے شوکت تھانوی اور منشی منتی کیرانوی

ملا جواب شاعر دئے ہیں کہ جن کا اُردو ادب میں ایک مقام ہے دیکھا
ایک خاموش شاعر سید اکبر عباس سہارنپوری رواں دواں سنا رہے ہیں
خیال میں کہ اب کچھ ملال بیت گئے ٭ کسی سے بچھڑے ہوئے کتنے سال بیت گئے
چتا ہوں نیا دور کیسا آئے گا ٭ اگر یہ دن بھی بفرض محال بیت گئے
قبلہ اکبر صاحب تحمل سے کام لیکر گلو خلاصی کر کے چلتے بنے آپ مشاعروں
شاعر نہیں ہیں۔ لیجئے کمال صاحب پھر رنگ محفل بدلنے کیلئے مشہور مزاح
ر ناظر خیامی کو یاد فرما رہے ہیں ناظر صاحب کو دیکھتے ہی یار لوگ قہقہوں
تر آئے ہیں اور آپ عالم رویا میں لہک رہے ہیں ؎

سن کو گریباں سے ملاؤ پہلے ٭ ایماں کو ایماں سے ملاؤ پہلے
باپ سے دھرتی کو ملانے والو ٭ انسان سے انساں کو ملاؤ پہلے

ہٹ ڈوگنگ اور غُل غپاڑہ کے شور میں ارشاد ہوتا ہے ؎

شرابی سے مسلماں بنانیوالے ٭ جال میں حوروں کے بندوں کو پھنسانیوالے
ہم جو گنہگار سزا دے گا خدا ٭ تم کون ہو مانگ اپنی اُڑاتے شالے

ناظر صاحب مے و جام کی تلقین کرکے تالیوں کے شور میں مائک سے
ہو رہے ہیں اور میں نے صرف سُنتے ہی پر نہیں بلکہ اُنکی صورت دیکھنے
تھا کی اس ہنگامی ماحول کو بدلنے کیلئے کمال صاحب ایک مشہور ساو ترنم
عرشیم ہے پوری کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں شمیم صاحب یوں محفل
نغمگی میں ڈبوتے چلے ہیں ؎

صبا کہنا یہ میرا نام لیکر ٭ کب آؤگے وہ صبح و شام لیکر

دیکھئے ہال میں ایک دھماکہ سا ہوا ہے قدرے سکوت کے بعد شمیم صاحب
مالکوں یوں معطر بنا رہے ہیں ؎

اٹھے ہیں اہل مستی جام لیکر ٭ جواب گردش ایام لیکر
تم عصیاں جیسے دیگا ساقی ٭ پلائے جا خدا کا نام لیکر
جو ساقی سے ملے اعلیٰ کو دیکھا ٭ مذاقِ تشنگی سے کام لیکر

اس شعر پر داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اس شعر کے سمجھنے والے یہاں
بہت ہیں اور شمیم صاحب اسی بانکپن سے سحر کر رہے ہیں ؎

تری محفل سے جب اُٹھا تو جیتے ٭ پُکارا مجھ کو تیرا نام لیکر

یم صاحب نہایت شاداں تالیوں کی جھنکار میں ایک اور ایک اور کو نظر
ز کرتے ہوئے چلتے بنے اور اب کمال صاحب ایک ایسے گوشہ نشین
پختہ گو شاعر سے درخواست کلام کر رہے ہیں جو مشاعروں میں سنانے سے
کتراتے ہیں اور اپنی شاعری کا اظہار بھی نہیں کرتے ہیں اور یہ شمیم صاحب
کے بعد لیکن آپ یقین فرمایئے کہ ان کی سادگی سے محفل نے بے پناہ دادِ تحسین
وصول کی۔ اور آپ ہیں تصور حسین تصور زیدی آیئے یہ حسین اور صدا بہار
شعر سنیئے ؎

میں ایک لمحہ سے زائد ٹھہر نہیں سکتا ٭ وہ ایک لمحہ بھی شاید گزر گیا ہوگا
احساس تحت حد سے سوا بھی ابھی نہیں ٭ صدیوں کی ٹھوکر چھوڑیئے لمحہ سنبھالئے

نہایت سنجیدگی سے داد دیجا رہی ہے اور آپ اسی متانت سے عطا کر رہے ہیں

خون سے سلسلۂ اشک فشانی نہ رہا ٭ دل میں کچھ ایسی لگی آگ کہ پانی نہ رہا
زندگی چاہی تو پایا نہ مسیحا کوئی ٭ موت مانگی تو کوئی دشمن جانی نہ رہا

داد آپ کے شایانِ شان دیجا رہی ہے اور آپ اسی نرم فضا میں اضافہ
فرما رہے ہیں ؎

رات بھر چاند ستاروں نے ترے گیت سُنائے ٭ میرا پیغام مگر تیری زبانی نہ رہا

قبلہ زیدی صاحب تالیوں کی جھنکار میں کامران آ رہے ہیں اور کمال
صاحب طالب رامپوری کو طلب فرما رہے ہیں۔ طالب صاحب دھیاں حرم
سے رواں دواں مُنا کر چلتے بنے۔ ایک مطلع تو سُن ہی لیجئے ؎

جس در پہ بسر کل کوئی رات نہ ہوگی ٭ اب آپ سے خوابوں میں ملاقات نہ ہوگی

آیئے پھر ایک غزل اظہر عنایتی رامپوری سے سنئے ؎

جس دن تری دیوار پہ گر جائیگی بجلی ٭ پھر کون یہاں ٹھہرے اے سایۂ دیوار
جذبات کا طوفاں بھی لُو دیتا ہے دل کو ٭ پھولوں کے چراغوں سے بھی جل جاتا ہے گلزار
جس دور کے فرہاد بھی کھو دیتے ہیں تیشہ ٭ اُس دور کے سر اپنے اُٹھا لیتے ہیں کہسار

اظہر صاحب مناسب داد وصول کرتے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور کمال صاحب
شیام سندر راز کپور پھلوی کو منظر عام پر لا رہے ہیں۔ راز صاحب عالمِ رویا
جھوم رہے ہیں ؎

محبت مٹ گئی لیکن دل برباد باقی ہے ٭ دلِ برباد میں اب بھی کسی کی یاد باقی ہے
کسی کی یاد میں اب بھی یہ میرا اشک ہیں باقی ٭ ان آنکھوں میں نہ جانے کونسی فریاد باقی ہے

لیجئے اب ترنم سے غزل چھیڑ رہے ہیں ؎

حادثے کیا کیا ہماری بیرخی سے ہو گئے ٭ اہلِ دُنیا کے لئے ہم اجنبی سے ہو گئے
وہ گلہ کیونکر کریں صیاد کی بیداد کا ٭ جو اسیرِ دام اپنی ہی خوشی سے ہو گئے

راز صاحب داد پا کر جھومتے ہوئے پلٹ رہے ہیں اور اب کمال صاحب
مناسب اور موزوں الفاظ میں تعارف فرما کر درخواست کر رہے ہیں صبا افغانی
سے صبا صاحب کا نام سُنکر یار لوگ تالیوں پر اُتر آئے اور صبا صاحب اپنے
مخصوص ترنم سے یوں غزل سرا ہیں ؎

شام غم کے مارے جب آئے سخن والوں میں
ڈرتے تھے اندھیروں سے اٹک گئے اجالوں میں

ہم ہیں خوش خصالوں میں وہ ہیں خوش جمالوں میں
بے مثال ہیں دونوں پھر بھی ہیں مثالوں میں

رند اُن سے اے واعظ لاکھ درجہ بہتر ہیں
نام جن کے شامل ہیں خون پینے والوں میں

جب مے و جام کا ذکر چھڑتا ہے تو داد دینے والے بڑی فیاضی سے اچھل کود کرتے اور داد دیتے ہیں کیونکہ اس ہال میں یار لوگ مے و جام کے زیادہ رسیا نظر آتے ہیں۔ لیجئے صبا صاحب ایک ایسی غزل چھیڑ رہے ہیں جو کہ مسٹر کشور... کے ایما پر منصوری ہی میں آکر کہی گئی ہے خدا کرے کہ ایسا ہی ہو صبا صاحب یہی اعلان فرما کر یوں لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ۔

عشق میں الجھنیں پہلے ہی کم نہ تھیں اور پیدا اپنا درد سر کر لیا
لوگ ڈرتے ہیں قاتل کی پرچھائی سے ہم نے قاتل کے دل میں بھی گھر کر لیا

سادگی تو ہماری ذرا دیکھئے اعتبار آپ کے وعدہ پر کر لیا
بات تو صرف اِک رات کی تھی، مگر انتظار آپ کا عمر بھر کر لیا

داد نقطۂ عروج سے سوا ہے اور آپ اسی انداز دلربائی سے کر کرتے چلے ہیں ۔

ذکر اک بیوفا اور ستمگر کا تھا آپ کو ایسی باتوں سے کیا واسطہ
آپ تو بیوفا اور ستمگر نہیں آپ نے کس لئے منہ اُدھر کر لیا

پھر داد پر کسی ہنگامہ کا گمان ہو رہا ہے اور آپ اسی بانکپن سے لہرا رہے ہیں ۔

زندگی کے سفر میں بہت دور تک جب کوئی دوست ہم کو نہ آیا نظر
ہم نے گھبرا کے تنہائیوں میں صبا ایک دشمن کو خود ہم سفر کر لیا

صبا صاحب نغمگی بکھیرتا لیوں کے شور میں جا رہے اور ادھر کمال صاحب پنجاب کے ایک استاد شاعر محترم ہما ہرنالوی کو زحمت سخن دے رہے ہیں
قبلہ ہما صاحب نہایت سادگی سے... عطا کر رہے ہیں ۔

ہم ان سے کچھ نہیں کہتے وہ ہم سے کچھ نہیں کہتے
مگر اس پر بھی ہم دونوں میں اکثر بات ہوتی ہے

داد میں کسی ہڑ بونگ کا گمان ہو رہا ہے اور آپ اسی سنجیدگی سے کرم فرما رہے ہیں ۔

ہم تم ابتک ساتھ رہے ہیں اور ساتھ رہیں گے محشر تک
ایک ورق کے دو صفحوں کو کون الگ کر سکتا ہے

پھر داد شباب پر ہے اور آپ فرما رہے ہیں ۔

تصور خیال کی مستی عجیب مستی ہے ٭ عدم کا نام ہے اور نہ ذکر ہستی ہے

محترم ہما صاحب گلو خلاصی کر کے خوب خوب داد لوٹ کے اپنی جگہ تشریف لا رہے ہیں اور اب اس رنگین ماحول میں دلکش اور حسین غزلوں کے بعد اپنے کریم الاحسانی سے یہ تازہ شعر سنکر شکر گذار فرمائیے گا ۔

فردوس پر سہارا اٹھا کر ہی لے چلیں	آنکھوں میں انکی بزم کا منظر ہی لے چلیں
ان کے حضور حق کا صلہ موت ہی سہی	مرنا ہی جبکہ ٹھہرا تو محضر ہی لے چلیں
جانے وہ کیسے موتی کا کر دیں مطالبہ	بہتر یہی ہے سارا سمندر ہی لے چلیں
اب اس جفاکشی کا صلہ کچھ تو ہو نصیب	آئے ہیں چاند پر تو یہ پتھر ہی لے چلیں
شاید کریں وہ ہی مسیحائی کر سکے	درد بشر کو پیش ستمگر ہی لے چلیں

آئیے چلتے چلاتے مسٹر کول ... کا یہ قطعہ سن کر مسکرائیے ۔

یار کا اعتبار ہو نہ سکا ٭ مجھ سے دل کا ادھار ہو نہ سکا
عشق بازی کرے گا وہ کیا ٭ سائیکل پر سوار ہو نہ سکا

قہقہوں اور آہ واہ کا دھماکا ہوا ہے اور آپ نے ترنم سے سنا کر مزا کرکرا کر لیا اگر تحت ہی سے سناتے تو خوب رہتا لیجئے آپ کے ساتھ ہی اس کامیاب اور لاجواب مشاعرہ کا پہلا دور ختم ہو رہا ہے اور دوسرا دور تقریباً دو بجے تک چلا اور خوب خوب شعراء کو سنا اور داد و تحسین سے نوازا گیا۔!

آیٹم فیسٹول کے سلسلے میں یہ مشاعرہ منعقد کیا گیا شعراء کرام کی جس طرح خاطر مدارات اور قیام وغیرہ کا انتظام کیا گیا وہ بھی ایک قابل تعریف بات ہے۔ مہمان شعراء کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہونے دی اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھا گیا۔ تمام شعراء نہایت خوش اور مگن اپنے گھروں کو لوٹے۔ اس مشاعرہ میں جن حضرات نے خصوصی دلچسپی لی اُن کے اسمار گرامی یہ ہیں :۔

مسٹر انصاری۔ آئی۔ اے۔ ایس۔ ڈی۔ ایم ڈیرہ دون شری کا دویدی صاحب ایگزیکٹیو آفیسر جناب تصور زیدی صاحب۔ جناب شمیم احمد ہیڈ کلرک ٹاؤن ایریا شری پانڈے صاحب ایس۔ ڈی۔ ایم منصوری۔ شری ... ٹورسٹ آفیسر منصوری اور جناب ڈی۔ آر کپور کنوینر مشاعرہ تھا جسطرح اس مشاعرہ کو کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف رہے اور جسطرح شعراء کرام کے ساتھ خلوص و محبت سے پیش آئے وہ الگ ایک کارنامہ ہے مسٹر کشور ... نے میزبانی کا وہ حق ادا کیا کہ جس کا شکریہ ادا کرنے کیلئے الفاظ بھی نہیں مل رہے ہیں اسی طرح روسی ہوٹل کے کارکنان و مالکان وغیرہ نے شعراء کے ساتھ ہر طرح سے تعاون فرمایا۔ میں بھی اس مشاعرہ کی بڑی تعریف سُنتا آ رہا تھا اور بڑا اشتیاق تھا کہ میں بھی اس مشاعرہ کو سنوں خدا بھلا کرے میرے بزرگ دوست محترم پنڈت خوشدل صاحب فیروز دہلی کا کہ انھوں نے مجھے مدعو کرا ہی لیا

گفتار ہوں کہ ایک بہت ہی عمدہ مشترکہ ... اور ... مشاعرہ خصوصاً ... کو بایں مخلص پایا ایکبار پھر ان کی محبت اور میزبانی کا تہ دل سے شکریہ ادا کر کے رخصت ہوتا ہوں۔ اچھا خدا حافظ۔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔

حلیم جوہر شاہ وارثی (بہرائچی)

شاعری کا ذوق ۱۳ برس کی عمر ہی سے فطرتاً پیدا ہوگیا تھا۔ مڈل یا میں ماسٹروں کو اکثر مصرعوں میں جواب دیا کرتا تھا۔ موزونیت ما پیدائشی تھی۔ فعل فعولن فعلن فعلن کی الجھنیں نہیں تھیں۔ ۲۹ء با قاعدہ و باضابطہ رئیس المتغزلین حضرت جگر مرادآبادی کے سے وابستہ ہوگیا۔ حضرت اصغر گونڈوی کی بھی صحبتوں سے ساب ہوا۔ اُس وقت تخلص رؤفؔ تھا۔ لیکن جب ۴ جنوری ۳۱ء لانا محمد علی جوہرؔ کا گول میز کانفرنس لندن میں انتقال ہوا ہے۔ مولانا کا "جوہرؔ" تخلص خالی ہوا۔ اسی شب کو میرے وطن میں تعزیتی نشست ہوئی۔ جس میں یہ تخلص "جوہرؔ" میری استدعا پر مجھے عطا دیا گیا۔ مولانا جوہرؔ سے مجھ کو اس وجہ سے بھی زیادہ عقیدت تھی کہ خاندان کے لوگ مجلس احرار کے ممبر تھے۔ ہمارا خاندان شروع ہی سے بھی سیاسی اور آج بھی ہے۔ میری تعلیم ہائی اسکول تک جاری رہی پھر نے تعلیم جاری رکھنے سے روک دیا۔ لیکن میں نے والدین کے مشورہ تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں داخلہ لے کر فنِ حکمت کی سند حاصل کر لی۔ ۳۶ء میں ہندوستانی دواخانہ دہلی گیا۔ حکیم اجمل خاں صاحب کا وصال کا تھا۔ حکیم محمود صاحب جانشین تھے۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ حکیم صاحب گورے رنگ کے مگر مجھولے۔ خوبصورت اور پستہ قد تھے۔ سادہ زیب تن کرتے تھے۔ حکیم صاحب نے شعبۂ دوا سازی میں تقرر کر دیا شاعر چونکہ فطرتاً آزاد ہوتا ہے میں نے قیدِ ملازمت کو پسند نہ کیا۔ حکیم صاحب کو بغیر جواب دیئے واپس چلا آیا۔ کچھ دنوں اِدھر، چند مقامات پر مطب کا سلسلہ رہا لیکن میری آزادی نے مجھے کسی رہنے نہ دیا۔ ۱۹۴۷ء میں ہمدرد دواخانہ کی ایجنسی لے لی تھی اس میں ہمدرد سے میں نے ۲۵ سال اپریل ۱۹۷۲ء تک بحیثیت طبیب وقت ۱۹۵۰ء میں تو اکھالی کے فسادات اور ۱۹۴۷ء میں دہلی کے فساد میں کی خدمت میں اپنے محسن اور کرم فرما ... صاحب کے ہمراہ ... جی اور پنڈت جواہر لال ... حاجی ... صاحب ... کی وجہ سے ... نگاندھی جی اور پنڈت جی نے ہمیشہ میری ہمت افزائی کی میں ... اور ملکی کاموں میں لگ گیا۔ بھارت سرکار نے میری خدمات کو سراہتے ہوئے میرا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا جس کا سلسلہ آج تک قائم ہے۔ ملکی خادم اور قومی شاعر کی حیثیت سے یہ وظیفہ بھارت سرکار نے مرحمت فرمایا۔

تصنیفات میں "بھارت کا عشق" جو نثر اور نظم دونوں پر مشتمل ہے۔ ایک دیوان غزلوں کا، ایک نعتیہ گلدستہ، ایک قومی و ملکی نظموں کا "نغمۂ بھارت" اور متفرقات کا شمار نہیں یہ ہیں تصنیفات۔ اور یہ سب غیر مطبوعہ ہیں۔ کیونکہ طباعت اور اشاعت کی کچھ تو کشمکشِ زیست نے اجازت نہ دی اور کچھ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کی جنگ کے آغاز سے کمر توڑ مہنگائی نے ہمت توڑ دی۔ اس لئے کسی دیوان کی اشاعت نہ ہو سکی۔ البتہ ایک دیوان کی اشاعت پاکستان میں ہو چکی ہو یا ہو رہی ہو سا آپ اِس جگہ پر چونک پڑے ہونگے مگر اس کا واقعہ یوں ہوا کہ ۱۹۴۷ء میں جب چوری چھپے پاکستان جانے والے رات ہی رات بھاگ رہے تھے اور ۲-۲، ۳-۳ دن تک کسی کو کچھ خبر نہیں ملتی تھی کہ کہاں گئے اسی زمانہ میں ایک مشاعرہ رئیس الدین شاہ بہرائچی کے یہاں ہوا۔ دن بھر احباب کی غزلیں دیکھتا رہا۔ رات کو مشاعرہ میں گیا ۲ بجے رات کو جب مشاعرہ سے لوٹا تو وہ بیاض جو دورِ شباب کی تھی جس میں ۱۹۰ غزلیں ہونگی جو میرے ساتھ شیروانی کی جیب میں تھی۔ محض اس وجہ سے کہ طرحی دور کے بعد اگر غیر طرحی دور ہوا تو اسی میں سے کوئی غزل پڑھ دونگا۔ جب دواخانہ پہنچا۔ دواخانہ میں اندر مکان بھی ہے میں وہیں ٹھہر گیا۔ دو طالب علم جو عالم اور مولوی کی ڈگری حاصل کر رہے تھے ایک بلیا ضلع کے تھے اور ایک بستی ضلع کے۔ اِن کے نام لکھنے کی ضرورت نہیں اور ایک صاحب بہرائچ محلہ ناظر پورہ کے تھے۔ یہ تینوں بھی یہ کہہ کر کہ اب رات کو گھر نہ جائینگے تھوڑی رات باقی ہے یہیں گزر جائیگی۔ سب لوگ ٹھہر گئے۔ میں نے بیاض اُن لوگوں کے سامنے شیروانی کی جیب سے نکالی اور تکیہ کے نیچے رکھ لی یہ سوچ کر کہ صبح بکس میں رکھ دونگا۔ بہرائچ والے جو صاحب تھے اُنکی نیت خراب ہوگئی۔ دوسرے دن اُن کو مع اہل و عیال پاکستان جانا تھا۔ جس کا علم کسی کو نہ تھا۔ میرا خیال اغلب ہے کہ اُنھوں نے وہ بیاض سرقہ کر لی۔

اور پھر ۲ دن نہیں آئے۔ ۳ دن کے بعد خبر ملی کہ فلاں صاحب پاکستان گئے اب مجھے بھی ۳ دن کے بعد بیاض کا ہوش آیا۔ تلاش کرنے پر نہ ملی۔ اور ملتی تو کیسے ملتی جبکہ ٹھوکر اپار ہو چکی تھی۔ سو برس تک۔ اُس بیاض کیلئے میں برسوں آنسو بہو جایا کرتا تھا مگر اب رونے سے کیا ہوتا ہے تیر تو کمان سے نکل گیا اُن غزلوں کا مسودہ بھی میرے پاس نہیں اور نہ یادداشت ہی اتنی مضبوط کہ سب غزلیں دوبارہ درج بیاض کر لیتا۔ اکا دکا شعر ضرور یاد آئے مگر اس کوہِ فرسا صدمہ نے وہ اشعار بھی ذہن سے بھلا دئیے۔ غزلوں کا میرے پاس جو کچھ ہے وہ ۱۹۴۷ء کے بعد کا سرمایہ ہے۔ ورنہ تصنیفات کے سلسلہ میں ایک کے بجائے دو دیوان تحریر کرتا۔ ان سطور کو پڑھ کر آپ کو بھی افسوس ہوگا۔

شاگردوں کی تعداد ۱۹۲۵ء سے ابتک ایک طویل فہرست ہے خدا معلوم کتنے شاگرد ہیں جس میں وکلاء، امراء، مولوی، ٹیچرس، طلباء اور چیف جسٹس تک ہیں شاگردوں نے اپنے کو شاگرد ہی سمجھا مگر میں نے ہمیشہ شاگرد کو دوست ہی سمجھا اور دوستانہ طریقوں سے مشورہ دیتا رہا۔ اپنے کو کبھی اُستاد کہلانا یا کہلوانا پسند نہ کیا۔ بلکہ میں نے ہمیشہ اپنے کو مبتدی ہی سمجھا۔

ادھر ایمرجنسی کے سلسلہ میں ۱۵ نظمیں میں نے لکھی تھیں۔ جن میں سے ۵ نظمیں تو میں نے وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو بھیج دیں اور ۱۰ نظمیں شری بہوگنا جی صاحب سرکار اتر پردیش کو روانہ کر دیں۔ بہوگنا صاحب نے نظموں کی بہت تعریف کی۔ یہ تو دورِ حاضرہ کی بات ہے۔ اپنا اصل مذاقِ شعر و سخن جو بجائے شعر و سخن ہے یعنی "تغزل" یہ شروع ہی سے رہا۔ صالح ادب پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور آج بھی اسی پر قائم ہوں۔ نمونۂ کلام سے اندازہ ہو جائے گا۔ قومی اور ملکی خدمات کے سلسلہ میں نظم، نثر، تحریر یا تقریر یہ میرا قومی فریضہ ہے۔

جن حضرات کی خدمت کا شرف مجھے حاصل ہوا۔ ان میں لکھنؤ کے اساتذہ نواب جعفر علی خاں اثر، سنفر، سراج، قدیر، شمس، منجھو، منا، آرزو، بہزاد، بیدم شاہ وارثی، مخمور دہلوی، آتش صدیقی، تسکین قریشی یہ حضرات میرے خاص کرم فرماؤں میں تھے۔ انکی صحبتیں برسوں رہیں۔ آج آپ کے یہاں میرے پرانے ساتھی انور صابری صاحب ابھی موجود ہیں۔ پرانے کرم فرماؤں میں جناب مسعود علی ذوقی، فنا نظامی، نشور واحدی، ماسٹر احمر گورکھپوری، جگر گورکھپوری، اسحق سلونوی، قمر مرادآبادی، قمر جلال پوری، خنجر لکھنوی موجود ہیں۔ ان میں اگرچہ کئی حضرات عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں لیکن میں انھیں بڑا سمجھ کر انکی خدمت کرتا رہا۔

خدمتِ اہلِ ادب مدتوں کی ہے جوہر! تب کہیں جا کے ہم ارباب سخن تک پہنچے

یہ ہیں مختصر حالاتِ زندگی جنہیں لکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ گمنام کی زندگی جس طرح گزری یا گزر رہی ہے اسے یوں ہی گزر جانے دیجئے۔ ہاں کچھ حضرات نے اپنے کرم و احسان سے اگر مجھے شہرت دی یا آپ تک میرا ذکر آیا۔ تو! یوں سمجھ لیجئے!!

بس اس کے سوا کچھ نہیں جوہر کی حقیقت
شہرت کا سبب یہ ہے کہ بدنام بہت ہے

ایک تازہ غزل ملاحظہ فرمائیے:

غزل

دل کو ضد ہے کہ رہوں زلفِ پریشاں کے قریب
سن لیا ہوگا وہ ملتے ہیں رگِ جاں کے قریب
جا کے رُک جاتی ہیں نظریں رُخِ جاناں کے قریب
کہیں فتنہ نہ اُٹھے کعبۂ ایماں کے قریب
غیرتِ جوشِ جنوں جانے کہاں لے جاتی
وہ تو یہ کہیے بیاباں تھا گلستاں کے قریب
ہوش رہتا تو میں ہر ذرہ پہ سجدہ کرتا
دل ہی بس میں نہ رہا کوچۂ جاناں کے قریب
آج اسیروں میں کچھ اس طرح ہوا ذکرِ بہار
ہاتھ رُک رُک گئے جا جا کے گریباں کے قریب
دل کو غم دے کے رہو پاس ہی دل کے تم بھی
میزباں بیٹھتا ہے ساتھ میں مہماں کے قریب
ڈھونڈنے نقشِ قدم چھوڑ گئے دیر و کعبہ
ذوقِ سجدہ ہے تو چلیے درِ جاناں کے قریب
نزدِ طوفانِ محبت ہی ملیں گے ساحل
اور ساحل کہیں ہوتے نہیں طوفاں کے قریب
چاک کر دیتا اسے گل کی طرح دستِ جنوں
تیری خوشبو نہ اگر ملتی گریباں کے قریب
گردِ چشمِ قدر انداز ہے دل محوِ طواف
خود شکار آ گیا ہے ناوکِ مژگاں کے قریب
جب کسی نے کبھی حالِ دلِ جوہر پوچھا
رہ گیا شکووں میں لہو آ گیا مژگاں کے قریب

بیدم واحدی بستوی

میرا اصلی نام محمد حنیف ہے مگر ادبی دنیا بیدم واحدی کے نام جانتی ہے۔ ۱۹۳۴ء میں سرحد ہند اور نیپال کے قریب قصبہ شہرت ضلع بستی (یو۔پی) میں نمودار ہوا۔ اوائل عمر میں ہی والدین کا سایہ سے اٹھ گیا۔ ۱۹۵۰ء میں مڈل اسکول پاس کرتے ہی ۱۹۵۱ء میں امی مکتب میں ٹیچر ہو گیا۔ ۱۹۵۲ء میں تحصیلی ٹورنامنٹ میں مکتب بچوں نے فرسٹ انعام حاصل کئے۔ اس پر جناب ڈپٹی انسپکٹر مدارس بستی نے خوش ہو کر وظیفہ کے ساتھ نارمل ٹریننگ کے بھیج دیا۔ ۱۹۵۴ء میں ٹریننگ پاس کرنے کے بعد ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۰ء تک قصبہ کے ایک پرائمری اسکول کا نائب مدرس ۱۹۶۳ء سال ایک قریب کے گاؤں کے پرائمری اسکول کا صدر مدرس اور ۱۹۶۷ء قصبہ ہی کے جونیئر ہائی اسکول کا اسعد ٹیچر ہوا۔ ۱۹۶۶ء میں جب ٹرمیڈیٹ اور آئی۔ ٹی۔ ڈی بھی پاس کیا۔ عالی جناب راجہ صاحب جوپی سنگھ (مرحوم) شہرت گڑھ نے اپنی نگاہِ شفقت ڈال کر اپنے لج میں ڈسٹرکٹ بورڈ سے بلا لیا۔ آج آرٹ ٹیچر کی حیثیت سے کام رہا ہوں۔

خدا کا شکر ہے کہ اپنے استادوں اور محکمۂ تعلیمات کے افسروں طرف سے کافی نوازا گیا اور آج بھی سب صغیر و کبیر مجھے عزت کی سے دیکھ رہے ہیں۔ اس دورِ حاضر میں چند صفحات کی دو کتابوں مصنف ہوں۔ جس میں "ہند کے لال" (قومی نظمیں) اور "سراج عالم" نعتیہ کلام مخصوص ہیں۔ جناب مولانا شمس الآفاق صاحب وائس پرنسپل جارج اسلامیہ انٹر کالج گورکھپور کا شکر گزار ہوں کیونکہ ان سے مشورۂ شعر و سخن کرنے کا شرف حاصل ہے۔ شعر گوئی کی ابتدا مڈل اسکول کی طالب علمی ہی سے ہے۔ ۱۹۷۱ء میں بمقام الواضلع بستی وزیرِ اعظم شری متی اندرا گاندھی کی خوش آمدید پر دوستوں و بزرگوں کی فرمائش پر ایک نظم "نغمائے وطن" پیش کی۔ وہیں سے میری ہمت میں اور اضافہ ہوا۔

دو غزلیں پیش ہیں۔

غزل

زہے قسمت تری چشمِ کرم ہے
موافق اب تو اپنے دل کا غم ہے

تیرے حسنِ تبسم کے مقابل
ضیائے ماہ و انجم کتنی کم ہے

شبِ ہجراں کا عالم کچھ نہ پوچھو
میرا دامن مرے اشکوں سے نم ہے

جو کرتے ہیں تری بیدم غلامی
پھر ان پر کس لئے اتنا ستم ہے

غزل

اپنی ہستی مٹا کے پیتا ہوں
غم میں بھی مسکرا کے پیتا ہوں

مجھ پہ ساقی کی ہے نگاہِ کرم
جام نظریں ملا کے پیتا ہوں

جب وہ ہوتا ہے میرے پیشِ نظر
دیر و کعبہ پہ چھا کے پیتا ہوں

تیرا سجدہ ہے سجدۂ تعظیم
اس لئے سر جھکا کے پیتا ہوں

میں ہوں وجہ بنائے میخانہ
ایک دنیا بلا کے پیتا ہوں

جب بھی جاتا ہوں میکدے بیدم
یہ غزل گنگنا کے پیتا ہوں

وقار طاہری

میرا پورا نام محمد وقار خاں ہے وقارؔ ہی تخلص کرتا ہوں۔ والد بزرگوار کا اسم گرامی محمد ابرار خاں ہے محترم طاہر صاحب طاہری سے مجھے شرف تلمذ حاصل ہے اسلئے طاہری لکھتا ہوں میرا آبائی وطن شہر کانپور ہے اور وہیں ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو عالم وجود میں آیا۔ حلیم انٹر کالج کانپور ہی سے دسویں جماعت تعلیم حاصل کی اور ۱۹۶۴ء میں کالج کو خیر باد کہہ کر فکر معاش میں مبتلا ہو گیا۔ اس طرح علمی اعتبار سے میں بہت پیچھے رہ گیا مگر زبان اردو کو کسی طرح فراموش نہ کر سکا ۱۹۶۴ء سے آج تک میری یہی کوشش ہے کہ دامے درمے سخنے اردو کی کوئی خدمت انجام دے سکوں۔

میں شاعر کیونکر ہوا مجھے خود حیرت ہے۔ بس اتنا یاد ہے کہ جب میں آٹھویں یا نویں جماعت میں تھا غزل کے شعر موزوں کرنے لگا تھا فلمی گانوں کی پیروڈیاں لکھ کر داد وصول کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ ذوق باقاعدہ غزل گوئی کے میدان میں لے آیا۔ آلام روزگار میں مبتلا ہو کر زندگی کے تلخ تجربوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ۱۹۵۰ء میں کانپور کی سکونت ترک کر کے ضلع کبیری قصبہ مہدی میں سکونت اختیار کر لی مشق سخن یہاں بھی جاری رہی۔ نواب عبدالسعید خاں آسی مرحوم اور جناب ڈاکٹر کرشن سہائے سکینہ صاحب جیسی عظیم ہستیوں نے اپنے گراں قدر مشوروں سے ناچیز کے کلام میں نکھار پیدا کیا۔ مہدی کے ماہانہ طرحی مشاعروں میں بھی شریک ہونے لگا چند بڑے مشاعروں میں بھی شرکت کا شرف حاصل ہوا اور اب بھی کبھی کبھی احباب کے اصرار پر چلا جاتا ہوں۔ طاہر صاحب سے میری ملاقات مہدی کے ایک آل انڈیا مشاعرے میں ہوئی۔ اس بات کو کئی سال گزر گئے ہیں اور مجھے خوب یاد ہے موصوف کے جدید اسلوب اور منفرد رنگ کلام نے مجھے حد درجہ متاثر کیا۔ اتفاق سے اسی دوران میں مجھے تلہری میں ملازمت بھی مل گئی اس طرح اب تقریباً روز ملاقات ہونے لگی اور تب مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ موصوف حسن کلام کے ساتھ حسن خلق میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ایک دن میرے بے حد اصرار پر موصوف نے مجھے شرف شاگردی بخشا اور اپنے ہمدردانہ مشوروں اور مشفقانہ اصلاحات سے ناچیز کو رفتہ رفتہ کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ میں ممنون ہوں۔ اور ان کے ان احسانات کا بدلہ چکانے کے لئے زندگی بھی کم سمجھتا ہوں۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

غزل

کس جرم کی زندگی سزا ہے ⁞ ہر فرد صلیب پر ٹنگا ہے
لفظوں کے اداس مقبروں میں ⁞ معنی کا وجود سو رہا ہے
صدیوں کو شکست دینے والا ⁞ لمحوں سے نبرد آزما ہے
خوابوں کے طلسم توڑ ڈالو ⁞ لوگو یہ مقام ابتلا ہے

باتیں ہیں وہی وقارؔ اب بھی
انداز بیاں بس نیا ہے

غزل

اس شہر پر بھی درد کا سایہ ملا مجھے ⁞ اب اے خیالِ خام کہاں لے چلا مجھے
دے کر حیات آہ یہ کیسا ستم کیا ⁞ تو نے تو بس صلیب پہ لٹکا دیا مجھے
وہ آندھیاں کہ سنگ بھی قائم نہ رہ سکے ⁞ دیکھا مگر جہاں نے ٹھہرا ہوا مجھے
درماندۂ نصیب سہی پھر بھی دوستو ⁞ اک انقلاب کا ہے ابھی حوصلہ مجھے
ہر حادثے نے مجھ کو نیا تجربہ دیا ⁞ ہر تجربہ شعور و نظر دے گیا مجھے
یارانِ رفتگاں کو صدا دو ذرا کہیں ⁞ کرتا ہے روحِ عصر یہ پھر تبصرہ مجھے
یارو وہ شہر شہرِ نگاراں سہی مگر ⁞ مجھ سے جو پوچھتے ہو تو صحرا لگا مجھے
خاموش ہوں کہ مصلحتِ وقت ہے یہی ⁞ سمجھو نہ لوحِ سنگ پہ لکھا ہوا مجھے

کیونکر بیاں ہو قصۂ وارفتگی وقارؔ
میری خبر اسے ملے نہ اس کا پتہ مجھے

غزل

(حمید قیصر دھولیہ)

زخم میرا کرید انہیں خار نے ⁞ ایک سوغات لی زخم کی پیار نے
غم کی سوزش کو کیسے بیاں میں کہوں ⁞ سر کو اونچا کیا غم کے ابھار نے
دشت و گلشن کو سیراب ہے کر دیا ⁞ محنتوں کے لہو خون کی دھار نے
غم نے جھلسا کے فن کو ابھارا ہے یوں ⁞ جیسے کندن بنایا ہے معیار نے

یہ سر بزم قیصر کو کہنا پڑا
سر بلند اب کیا آپ کے پیار نے

عارف القادری املنیری تعارف کے آئینے میں

(از۔ سراج الورمصطفےٰ آبادی)

عارف القادری صاحب شہر املنیری کے با شعور، خوش فکر، اور باذوق شعراء میں ہیں۔ خاندیس کے مرہٹی زدہ خطے میں پچیس برس سے اُردو زبان اور ادب کی خاموش خدمت کر رہے ہیں۔ وہ ایک اچھے شاعر ہونے کے علاوہ اچھے انسان بھی ہیں۔ ادب نواز اور دوستوں میں مخلص دوست ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ جدید و قدیم کا سنگم ان کے کلام میں خصوصیت سے پایا جاتا ہے۔

عارف صاحب کا وطن ضلع جلگاؤں کا ایک شہر مصطفےٰ آباد (چوپڑہ) ہے۔ مگر ۳۰ سال سے اُن کا خاندان املنیر میں آباد ہے پیشے کے لحاظ سے وہ میونسپل کلرک ہیں۔ اُردو زبان و ادب کی اچھی لیاقت رکھتے ہیں نیز ادب کی خدمت کا جذبہ بھی ہے۔ املنیر میں ادبی انجمنوں کی داغ بیل ڈالنے اور ادب کو فروغ دینے کا کام وہ بڑی مدت سے انجام دیتے رہے ہیں۔ آجکل بزم دریچے شاخ املنیر کے سکریٹری ہیں۔

شاعری میں حضرت آبر احسنی گنوری سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔ ان کا کلام ماہنامہ عکاس بمبئی، ارشاد حیدرآباد، شعلہ و شبنم دہلی، ایشیا ویکلی اور پیام مشرق میں چھپتا رہا ہے۔ غزل کے علاوہ نعت گوئی کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ اُن کا پہلا مجموعۂ کلام "آوازِ کربلا" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

نمونۂ کلام

غزل

34720

یہ چشمِ فیضِ ساقی ہے کہ ایسا بھی مقام آیا
اُٹھایا میں نے جب ساغر فرشتوں کا سلام آیا

بظاہر جو وفا کے گیت گاتے ہیں زمانے میں
انھیں تا عمر کب جشنِ وفا کا احترام آیا

نشاطِ غم کی آمد میں لبیں آشنا کا صلہ سمجھو
کوئی وقتِ سحر آیا تو کوئی وقتِ شام آیا

چلو اچھا ہوا یہ راز ان پر ہو گیا ظاہر
کہ میرے نام ہی کے ساتھ کیوں انکا بھی نام آیا

سرِ محفل نقاب رُخ اُٹھائی اس طرح تم نے
کہ ہر جانب کے لوگوں کی نگاہوں کا سلام آیا

سرِ محفل سخنور آج یہ کہتے ہیں اے عارف
تمہارے شعر میں نکھرا ہوا رنگِ کلام آیا

غزل

ہر گھڑی زندگی ہی کھونے کو	نکلا سورج غروب ہونے کو
چند آنسو بھی دیکھ کافی ہیں	کشتیٔ دل مری ڈبونے کو
بیج نفرت کے یکے کچھ انساں	چاند پر جا رہے ہیں بونے کو
آؤ ہنس لو ہمارے ساتھ ذرا	عمر ساری پڑی ہے رونے کو
موتیوں سے سجاؤ تم زلفیں	میرے آنسو بھی لو پرونے کو

ابرِ رحمت برس چلے عارف
ہم جو نکلیں گناہ دھونے کو

منتخب اشعار

یاد آ جاتے ہیں فوراً ہی لبِ دوست مجھے
جب چمن میں نظر آتا ہے کلی کا چہرہ

روتا ہوں تو چنگاریاں اُڑتی ہیں نفس سے
ساون میں یہ انگاروں کی بھرمار تو دیکھو

بے وفائی جھوٹ نفرت جن میں ہو!
آج بھی دنیا میں اچھے لوگ وہ مانے گئے

لیاقت حسین شرر

لیاقت حسین نام تخلص شررؔ ہے۔ میں ۱۹۴۸ء میں ضلع سارن کے ایک گاؤں کھرا بازار میں پیدا ہوا۔ والد صاحب کا نام لال محمد ہے جب میں سات سال کا تھا تو وہ کلکتہ لے کر چلے آئے اور میری تعلیم کا سلسلہ کلکتہ ہی سے شروع ہوا۔ لیکن میں جب بڑا ہوا تو والد صاحب نے کلکتہ چھوڑ دیا پھر گھر چلے آئے یہاں میرا تعلیمی سلسلہ شروع کرانا چاہتے تھے لیکن وہاں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ پھر ایک رات گھر سے نکل کر کلکتہ کی راہ لی اور در بدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے دوستوں نے میری مدد کی اور اپنی تعلیمی زندگی دوبارہ شروع کی ۱۹۶۶ء میں ہائر سکنڈری اور ۱۹۷۰ء میں بی۔ اے آنرز کے ساتھ پاس کیا۔ اب ایم۔ اے کا امتحان دے چکا ہوں صرف نتیجہ کا انتظار ہے۔

مجھے شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ اسکول میگزین کیلئے دو غزلیں لکھی تھیں اس کے علاوہ کچھ نہ کچھ لکھتا ہی رہا۔

محترم سید لطیف الرحمٰن صاحب نے جو بنگال کے اچھے شاعر اور نثر نگار ہیں میری شاعری کو ابھارا اور مفید اور نیک مشورہ دیتے رہے اور انہیں کے ذوقِ سماعت نے میری شاعری کو سہارا دیا۔ ان کے علاوہ بنگال کے مشہور شاعر جناب علقمہ شبلی صاحب بھی مفید مشورہ دیتے رہے میری غزلیں مقامی اخباروں کے علاوہ ہند اور بیرونی پرچوں میں چھپ چکی ہیں۔ غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی لکھتا ہوں اور نظمیں بھی کئی جگہ چھپ چکی ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے۔

غزل

اس رات میری نیند [illegible] سے [illegible]

مارے زمیں [illegible] ایسا سویا نہ تھا

سا حل نے [illegible] کا ہر نقش تھا سوال

گزرا تھا کوئی، کون مگر یہ پتا نہ تھا

سوئے ہوئے خیال کو چونکا دیا مرے

نظروں نے اٹھ کے دیکھا تو کوئی طرف نہ تھا

اٹھنے کو یوں تو آندھیاں اٹھتی رہیں مگر

چھایا تھا جو سکوت وہ اب تک ہٹا نہ تھا

کچھ بات تھی ضرور جو دیکھا دمِ سحر

اترا ہوا تھا چہرہ مگر یہ دھواں نہ تھا

افسانہ پارہ پارہ سُنا تا میں کیا شررؔ

بکھرے ہوئے خیال تھے یکجا کیا نہ تھا

غزل

ہم سازِ دل پہ اپنے ذرا گنگنا تو لیں
کچھ [illegible] بجھا تو لیں

اب موسموں کے ساتھ بدلتی ہے زندگی
آؤ کہ ان فضاؤں میں ہم مسکرا تو لیں

تجھ کو بھی ہم سنواریں گے اے گیسوئے حیات
کچھ سازگار وقت کو پہلے بنا تو لیں

اب کانپتی ہے لو بھی چراغِ حیات کی
آؤ قریب دل کی لگن کو بجھا تو لیں

برسات کی یہ شب یہ ہوائیں یہ ظلمتیں
جگنو کی طرح ہم بھی ذرا جگمگا تو لیں

نفرت کی تیرگی بھی چھٹے گی شررؔ ضرور
ہم ہر قدم پہ شمعِ محبت جلا تو لیں

غزل

جس روپ میں ملی ہے تو اے زندگی مجھے
تجھ کو لگا ہمیشہ غیرت تو اجنبی مجھے

دامن مرا تو چھیڑ دے لے ظلمتِ حیات
ملتی ہے رازِ حسن کی اب روشنی مجھے

صدیوں کا زخم کھا کے بھی کہتی ہے یہ زمیں
اس درجہ کیوں عزیز ہے یہ آدمی مجھے

چہروں پہ ہو رہا ہے گلستاں کا گماں
بے وجہ راس آئی نہ بے چہرگی مجھے

سوچا تھا بزمِ دل بھی سجاؤں گا ایک دن
گھیرے ہوئے ہے اب بھی کہ بے بسی مجھے

تنہائیِ حیات کا درماں کہاں شررؔ
ملنے کو ہر قدم پہ ملے آدمی مجھے

غزل

اگر تاک میں بجلیاں اور بھی ہیں
نشیمن کو عزمِ گراں اور بھی ہیں

اسی ایک دنیا کو لے کر رہو تم
ہماری نظر میں جہاں اور بھی ہیں

یہ حد نقطۂ آخری حد کہاں ہے
پسِ آسماں آسماں اور بھی ہیں

ابھی چشمِ بینا کی ہے اور حاجت
ابھی راز ہستی نہاں اور بھی ہیں

ابھی زندگی کو مکمل نہ سمجھو
خیالوں سے باہر مکاں اور بھی ہیں

شررؔ ہم بھی رکھتے ہیں دیکھو کلیجہ
بلا سے اگر امتحاں اور بھی ہیں

عاطر صدیقی بستوی

(از جیب بستوی ۔ انجمن افکار ادب، سمر یاوان بازار، بستی)

آپ کا نام شفاعت احمد صدیقی، تخلص عاطر ہے۔ آبادی وطن
[illegible] دادیہہ بیگ ضلع بستی ہے اور یہیں ۱۰ دسمبر ۱۹۳۸ء کو عالم وجود میں آئے
آپ کے والد بزرگوار جناب حیات محمد صاحب بسلسلۂ معلمی بستی ضلع کے دور
[illegible] دور افتادہ علاقہ کے بمقام پنڈت پور مدرسہ ضیاء العلوم میں فرائض انجام
دینے لگے اور یہیں عاطر صاحب کے ساتھ اقامت پذیر ہو گئے۔ علاقہ
[illegible] کے مشہور دینی درسگاہ دار الحدیث یوسف پور میں عاطر صاحب
نے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے الہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان پاس کیا
[illegible] ان تشنگی علم انوار العلوم پرساعاد (بستی) پہنچی جہاں شیخ الحدیث
حضرت مولانا عبد العزیز صاحب اعظمی عمرتی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے
[illegible] میں تعلیم حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ والد موصوف کی
[illegible] معلمی کے پیشہ کو پسند فرما کر ضیاء العلوم مذکورہ پر بحیثیت صدر مدرس
مسند درس پر جلوہ فرما ہیں۔

آپ ایک مخلص، ملنسار، دوست نواز، خوش الحان نوجوان شاعر
[illegible] اشعار کہنے اور سنانے کا شوق زمانہ طالب علمی سے دل و دماغ میں
[illegible] جناب حیرت بستوی ایم اے سے اصلاح سخن کا فیض حاصل کر کے
[illegible] شاعری میں قدم بڑھایا ہے۔ چونکہ آپ تبلیغ پسند ہیں اس لئے آپ
کے کلام میں انتہا درجہ کی سادگی ہے۔ آپ نے تبلیغی مقاصد کے تحت منتخب
[illegible] کا مجموعہ شبہ شبستان شائع کیا ہے جسے مقبولیت حاصل ہو چکی ہے
[illegible] موصوف نے مشق سخن اور سخن آرائی کا سلسلہ جاری رکھا تو مجھے امید
کہ انشاء اللہ آپ مستقبل قریب میں ایک اچھے شاعر ہوں گے۔

کلام ملاحظہ فرمائیں ۔

غزل

[illegible] غزل سے جیت [illegible] مشہور ہو گئے
روشن دماغ جوم کے بے خود ہو گئے

[illegible]
دیکھا تھا کہ بے [illegible] ہو گئے

[illegible] ت کا [illegible]
ان کی حسین یاد سے مسرور ہو گئے

[illegible]
بے ہوش کیوں کلیم در طور ہو گئے

مطلع سخن سے جن کے معطر دماغ ہیں
عاطر وہ جھکے ایسے کہ مشہور ہو گئے

غزل

ندامت کے آنسو بہی چشم تر سے
گھٹا جھوم کر شان رحمت کی برسے

کبھی رند تیرے ہیں ساقی مگر کیوں
کوئی تیری محفل میں جلو کو ترسے

فرشتوں کو ہے رشک قسمت پہ میری
جبیں لگ گئی ہے ترے سنگ در سے

تری زلف مشکیں ہیں راحت بہ شب کی
ترا رخ حسیں ہے طلوع سحر سے

ہے رہبر کی صورت میں کچھ راہزن بھی
مسافر پریشاں ہیں راہ سفر سے

زر و لعل و گوہر کی ہے قدر عاطر
مگر پاس سب متاع ہنر سے

دیار مدینہ

دل و جان و تن ہے نثار مدینہ
ہے جنت بداماں دیار مدینہ

محبت ہے جن کو حبیب خدا سے
وہ جانتے ہیں وقار مدینہ

وہاں مسکراتی ہیں رحمت کی کلیاں
ہے یوں جا لغزاں لالہ زار مدینہ

وہی تو ہیں خوش بخت دیکھا جنھوں نے
بہشت نظر لالہ زار مدینہ

جبیں شرم سے جھک گئی کہکشاں کی
منور ہے یوں رہگذار مدینہ

بھلا کیوں نہ قربان ہو قلب مومن
خدا کا کرم ہے شعار مدینہ

نگاہوں نہ میں حشر میں خلد ہرگز
جو مل جائے مجھ کو غبار مدینہ

مجھے خلد کی کوئی حاجت نہیں ہے
مری آنکھ میں ہے بہار مدینہ

دعا ہے یہ عاطر کی رب دو عالم
مجھے بھی دکھا دے دیار مدینہ

حمید قیصر

انیس الرحمٰن (دھولیہ)

حمید قیصر صاحب ۱۰ فروری ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام مولانا حافظ عبدالستار ماسٹر ہے۔ دور کی گردش نے حمید قیصر کو بی۔اے پاس نہ کرنے دیا اس لئے کالج کی تعلیم پوری نہ ہو سکی۔ آپ بائیس سال سے دھولیہ میونسپل اسکول بورڈ میں ایک قابل ٹیچر کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دے رہے ہیں۔ برسوں حضرت آنیر امسنی گنوری مرحوم سے مشورۂ سخن کیا، ۲۷ سال سے اُردو ادب کی بے لوث خدمت کر رہے ہیں۔ انقلاب بمبئی۔ سب رنگ ڈائجسٹ دہلی۔ روزنامہ اُردو ٹائمز، روزنامہ آج۔ روزنامہ ہندوستان بمبئی کے علاوہ محراب ڈائجسٹ دہلی۔ ماہنامہ فیروز ناگپور۔ کلکتہ سہسوان کہکشاں۔ جنت حوا بمبئی۔ ہندوستانی ادب حیدر آباد۔ نشیمن بنگلور۔ رہنمائے تعلیم دہلی، اور شانِ ہند دہلی میں شائع ہو کر حمید قیصر ہندوستان گیر شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ چار کتابوں کے خالق ہیں۔ تاریخ اُردو ادب، عکس حیات میں ہر شاعر کا تعارف حمید قیصر نے منظوم شعری انداز میں کیا ہے جس میں ہر شعر کی بندش ان کے معیاری شاعر ہونے کی نشان دہی کرتی ہے۔ حمید قیصر صرف نظم اور غزل کے ہی ماہر نہیں بلکہ مقالے اور افسانے بھی لکھتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ طنز و مزاح اور مزاحیہ مضمون کے ماہر ہیں۔ ماہنامہ قہقہہ نئی دہلی میں غالب ثانی کے نام سے نظم "ستاروں کا شگون" اور مزاحیہ مضمون "ایک قہقہہ انگیز خط" شائع کرا کے حمید قیصر نے کافی داد حاصل کی ہے۔ آپ نے اب تک کئی دس ہزار سے زیادہ اشعار لکھے ہیں۔

آپ کے کلام کا تازہ مسودہ جو نقوشِ حیات کے نام سے موسوم ہے میرے سامنے موجود ہے۔ اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے متفرق اشعار جو قارئین شانِ ہند کے لئے میں نے پسند کئے ہیں انھیں پیش کر رہا ہوں۔

متفرق اشعار

جنھیں منطق بولتے ہو سب سمجھ میں آ گئے
حسینو اپنی سادگی سے ہم بھی دھوکا کھا گئے

مگر ڈوبا ساحل چھوٹا، قیصر سے ملاح بھی بزدل تھا
اے طوفان ڈبو دے کشتی شاید تیری باری ہے

•

حسین میخانۂ رنگیں میں وہ اخلاق سوزی ہے
جہاں میکدہ میں آبرو کے جام بکتے ہیں

•

تیرے انداز تکلم کا چلن گیت غزل ؛ تیرا گلرنگ سا چہرہ یہ بدن گیت غزل
سوزِ دل کرب غم کی کہانی غزل ؛ جیسے سمٹی ہوئی زندگانی غزل
ہو کے برباد قیصر نے سب پا لیا ؛ جو بر عام تری مہربانی غزل

•

تیرے افکار زمانے کے نگہبان رہے ؛ تیری کوشش رہی انسان کہ انسان رہے
وقت کے ہاتھ زمانے کا طریقہ تو ہے ؛ زینت بزم جہاں رنگ سلیقہ تو ہے

•

فتور وہم کا بادل بڑا گھنیرا ہے ؛ کرن کی اصل صداقت میں ابھی اندھیرا ہے

•

ہم اپنے موسم کی محنت پہ ناز کرتے ہیں ؛ ہمارے ہاتھ میں ہر شام کا سویرا ہے
ابھی شعور کی محفل میں روشنی کم ہے ؛ چراغ اور جلاؤ ابھی اندھیرا ہے

•

دو ٹور شوق میں ہر غم چھپا لیا میں نے ؛ پرائے غم کو گلے سے لگا لیا میں نے

•

مجھے تو حلقۂ گردش نے یہ بتایا ہے ؛ اٹھا تھا پاؤں جہاں سے وہیں پہ آیا ہے

•

میری ہر یاد نے جب تجھ کو ستایا ہوگا
اشک بن کے تری آنکھ میں آیا ہوگا

•

کتنے حسین ہوتے ہیں لمحات پیار کے
سارا زمانہ جیت لیا دل کو ہار کے

•

خلوص دل سے ستم کیوں نہ اٹھائے جاتے ہیں
خموشی آنکھ میں آنسو چھپائے جاتے ہیں

غزل

چار دن کی خوشی کا بھروسہ نہیں ؛ وقت کیا زندگی کا بھروسہ نہیں
ہاتھ لوں گا گریباں کو غم سے ؛ اس جہاں میں کسی کا بھروسہ نہیں
زخم دل کی میں روداد کس سے کہوں ؛ اب کسی دوستی کا بھروسہ نہیں
اپنے سائے سے اب تو یقیں اٹھ گیا ؛ چھاؤں سے آگہی کا بھروسہ نہیں

اب غریبوں کی دنیا سے دل بھر گیا
آہ قیصر کسی کا بھروسہ نہیں

سازِ جمہوریت

(رچند قیس جالندھری)

نغمۂ جمہوریت کا ساز ہے
ساز میں جمہور کی آواز ہے

یہ ہے تشبیہ بجا یہ نغمگی
اس سے ہم پر بابِ جنت باز ہے

جتنے بیانیے ہیں سب سحر و فسوں
اور یہ اعجاز ہی اعجاز ہے

حاصلِ کل بانگ اس کا تار تار
پردہ پردہ وقفِ سوز و ساز ہے

ہے اسی سے گرمیِ بزمِ طرب
رقص کرتا شعلۂ آواز ہے

ہم نے کس عالم میں چھیڑا ہے اسے
ایک عالم گوش بر آواز ہے

ان نواہائے نشاط آہنگ میں
روحِ موسیقی نوا پرواز ہے

بحرِ طوفاں خیز ہے جذبات کا
خواہ وہ اطناب یا ایجاز ہے

اس کا مقصد ارتقا ہی ارتقا
اور اصول آغاز ہی آغاز ہے

یہ نہیں سقراط ہی کا ہم نوا
گاندھی و نہرو کا بھی دمساز ہے

حاکم و محکوم ہوں جمہور ہی
بس یہی جمہور کا اعجاز ہے

حکمرانی کی ہیں طرزیں اور بھی
لیکن اس کا اور ہی انداز ہے

رہ کے ناوابستگی کا معتقد
ایشیا میں ہند سرافراز ہے

ناز ہے جمہوریت کو ہند پر
ہند کو جمہوریت پر ناز ہے

جشنِ جمہوریت

(بال چند منصور)

اٹھو جمہوریت کے گیت گائیں
نویدِ امن عالم کو سنائیں

محبت ہی فقط مذہب ہے اپنا
اسی مذہب کا اب سکہ چلائیں

رہیں شیر و شکر ہو کر ہمیشہ
نشانِ فرقہ بندی تک مٹائیں

مٹا کر تفرقہ دیر و حرم کا
مئے حبِ وطن سب کو پلائیں

نقابِ غیریت کو چاک کر کے
جمالِ وحدتِ یکتا دکھائیں

نہ پائیں راہ دل میں بغض و کینہ
محبت کا چلن سب کو سکھائیں

زباں کے مسئلے گم راہ کن ہیں
انھیں کیوں طول کر کے فتنہ لگائیں

مٹا دیں جہل کا نام اس جہاں سے
بہر سو علم کی گنگا بہائیں

تعصب جن کا ایماں ہے انھیں بھی
رواداری کا ہم رستہ دکھائیں

لبوں پر ہو پیامِ حق ہمیشہ
پیامِ حق زمانے کو سنائیں

وطن کی خاک کو جوشِ عمل سے
[illegible] گلشنِ جنت بنائیں

یہی ہے شانِ مہر و عظمتِ ملک
ہم اپنی جان پر بھی کھیل جائیں

یہ نصب العین ہو منصور اپنا
کہیں محنت سے جو ہم۔ وہ کر دکھائیں

بھارت رتن کی بیٹی

(عارف القادری کا اطینی)

ہندوستاں کی یہاں ہے یہ علم و فن کی بیٹی | نہرو کی وارثہ ہے بھارت رتن کی بیٹی
ہے رام کی پجارن اور من موہن کی بیٹی | اندرا ہے نام اس کا اور ہے وطن کی بیٹی

بھارت رتن کی بیٹی بھارت رتن کی بیٹی

سلطانہ چاند بی کی رفتار لے کے آئی | جھانسی کی لکشمی کا اوتار لے کے آئی
رادھا کے رخ سے کتنے انوار لے کے آئی | ساوتری کا دلکش کردار لے کے آئی

بھارت رتن کی بیٹی۔ بھارت رتن کی بیٹی

گنگا کی موج اس میں جمنا کی ہے روانی | کہتی ہے بات جو بھی ہوتی ہے وہ سہانی
اس کا لباس دیکھو ہے امن کی نشانی | امریکہ روس پیرس سب نے یہ بات مانی

بھارت رتن کی بیٹی۔ بھارت رتن کی بیٹی

گاندھی کی شان لے کر سردار بن کے آئی | نہرو کی ہر ادا میں سرکار بن کے آئی
آزاد کی مجسم گفتار بن کے آئی | ہندوستاں کی خاطر گلزار بن کے آئی

بھارت رتن کی بیٹی۔ بھارت رتن کی بیٹی

چھوٹا بڑا یہاں پر کوئی نہیں ہے رنجور | مزدور شادماں ہیں دہقاں ہیں سارے مسرور
بھارت کی ہر گلی میں پھیلا ہوا ہے اک نور | دنیا میں اس کا چرچا دنیا میں ہے یہ مشہور

بھارت رتن کی بیٹی۔ بھارت رتن کی بیٹی

اخلاص کی ہے دیوی تیور الگ ہیں سارے | جس سمت اس نے دیکھا پیدا ہوئے اجالے
نہرو نے جو دیے تھے اخلاص کے خزانے | اندرا کو ہیں اے عارف وہ جان سے بھی پیارے

بھارت رتن کی بیٹی۔ بھارت رتن کی بیٹی

غزل

رائے ہریش چندر دکھی۔ جالنوی

جب ہست و عدم کا قصہ تھا کیوں بات بڑھائی لوگوں نے
بے خود ہوں ابھی تک ہوش نہیں وہ سم تھا یا تریاق تھا وہ
کانپتی تھی زمیں کانپے تھے فلک کہرام مچا تھا عالم میں
اس ہست و عدم کی ذ ... ہر بات نرالی دیکھی ہے
عیسیٰ بھی نہیں تبریز نہیں سرمد بھی نہیں منصور نہیں
یہ فیصلہ تو قرآں کا تھا انصاف سر محشر ہو گا
کیا عہد کے پیکر میں دکھی معبود کی فطرت رکھتا ہوں

ادراک طلب پر کیوں میرے پھر چوٹ لگائی لوگوں نے
اس محفل عرفاں میں مجھ کو کیا چیز پلائی لوگوں نے
بسمل کی تڑپ کو جب دیکھا ہی آہ و دہائی لوگوں نے
اک شمع جلائی لوگوں نے اک شمع بجھائی لوگوں نے
کیا سوچ کے آخر کیوں مجھ پہ تلوار چلائی لوگوں نے
اے جبر مشیت تو ہی بتا کیوں کھال کھنچائی لوگوں نے
میں کیا تھا کیوں میری آخر تصویر بنائی لوگوں نے

۲۶ جنوری

جشن جمہوریت ہمارا قومی تہوار ہے

دیال سنگھ کالج کرنال کے منتظمین۔ سٹاف اور طلبا جشن جمہوریت کے قومی تہوار پر یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنے ملک کی آزادی کو برقرار رکھنے کیلئے وزیر اعظم اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرینگے۔

دیال سنگھ کالج کرنال

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور اب کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلبا کو ہمیشہ ڈسپلن۔ قومی یکجہتی حب الوطنی اور ملک کی ہر طرح سے حفاظت کرنے کی تلقین کیجاتی ہے اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک قوم پرست شہری بنانے کی کوشش کیجاتی ہے۔

آدراکیو منتظمہ کمیٹی
دیال سنگھ کالج کرنال
(ہریانہ)

ادارہ

معیار کی کسوٹی پر

سورج کے تماشائی

لکھائی چھپائی کاغذ نفیس صفحات ۷۲ قیمت دس روپیہ چھ غیر معروف شاعروں کی غزلیں ہیں۔ اس پر عزیزی محمور سعیدی نے نکھری نکھری کے عنوان سے چند سطور جو دو صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں لکھی ہیں۔

"مقامی یعنی گجراتی بول چال کا اثر کہیں کہیں اُردو محاورے سے دُور لے گیا ہے اور بعض الفاظ کا استعمال بھی درست نہیں ہوا لیکن یہ خامیاں مزید مشق اور مطالعے سے رفع ہو سکتی ہیں۔"

محمور صاحب شاید خلش بڑودوی ہی سے واقف ہوں لیکن میرے لئے چھ کے چھ شاعر اجنبی ہیں۔

ہر شاعر اپنی زاد بوم کی تعریف میں عرش تک چھو لینے کی کوشش کرتا ہے صفحہ ۷ پر لکھا ہے "اُردو کا سب سے پہلا شاعر ولی اسی سرزمین پر پیدا ہوا اور احمد آباد میں موتی سہاگ کے قبرستان میں محو خواب ہے۔"

وہ محو خواب ولی کوئی اور ہوگا۔ ورنہ اصل میں ولی کا نام ..... تھا اور تخلص ولی تھا اور دہلی کے باشندے عالمگیر کے میر منشی تھے ہم شاہراہ میں پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔

متروکات کی کثرت ہے۔ خلش صاحب بے وزن بھی کہہ جاتے ہیں۔ حروف علت فارسی عربی بھی ساقط کر دیتے ہیں اور مبالغہ جو شاعروں کا خاص شغل ہے دروغ کی حد تک پہنچا دیا ہے۔

آتش برا نہ مانئے حق حق جو پوچھئے
شاعر ہیں ہم دروغ ہمارا کلام ہے

شاعری کے لئے بڑے شعور اور سلیقہ کی ضرورت ہے۔ صفحہ ۵۲ پر خلش صاحب کا مقطع دیکھئے۔

ہم نے مانا خلش ہو تم ساری دنیا کے کام آؤ
لوگ تمھیں دیوانہ سمجھیں اتنے دھوکے مت کھاؤ

فقط دھوکے کے بعد تو کے اضافے سے یہ عیب رفع ہو جاتا ہے لیکن یہ لغزش خلش صاحب کی ہے کاتب کی نہیں۔ ہاں کاتب نے واو پر ہمزہ لکھ کر ساری غزل نظری کر دی ہے۔

اگرچہ کا محل استعمال بھی دیکھ لیجئے ؎

چہرہ تھا گردِ غم سے اگرچہ اٹا ہوا

دیوانے کی منتی پلید ایسے ہوتی ہے ؎

لوگ پہلے کے دوانے تھے بہت

سقوط ی ملاحظہ ہوں

؎ وہی حسرت وہی ویرانی وہی سناٹا

؎ تنہائی کے حصار میں کچھ ایسا قید تھا

محمور صاحب کو سہو ہوا جو انھوں نے لکھا کہ "خلش صاحب ممتاز نظر آتے ہیں" ان سے زیادہ نکھرا ہوا کلام تو شرر کا ہے۔

خلش صاحب نے کچھ متروک اور کچھ غلط الفاظ لکھے ہیں۔

گر کی جگہ جو لکھا کریں ــــ منجار غلط ہے مجوار لکھا کریں ــــ بجلاتی دکھاتی کی جگہ بتاتی دکھاتی فصیح ہیں ــــ سب ہی کے عوض سبھی اور ان ہی کی جگہ انھیں صحیح ہیں۔ پر معنی لیکن متروک ہے ــــ ناتا اُردو کا لفظ ہے ناطا لکھنے سے ردیف بدل گئی ــــ خدا جانے۔ وہ جانے۔ تو جانے صحیح ہیں لیکن ؎ جانے وہ ذوق سفر ہے کہ طلب منزل کی" ایسی جگہ نجانے لکھنا واجب ہے ــــ حرف نفی نون (نہ) اور نہیں کا محل استعمال صحیح کیا کریں ــــ جب قافیہ تھا۔ تھا۔ جدا ہوں تو سلسلا اور آئینا الف سے لکھا کریں تاکہ حرف ردی (جس پر مدار قافیہ ہے) نہ بدلے ــــ یا دوں سراسر غلط ہے یا وہ لفظ ہے جس کی کوئی جمع نہیں ــــ صفحہ ۵۰ پہلے شعر میں تو کی جگہ پر چاہئے یہ شاید کاتب کا سہو ہے۔

شرر صاحب کی غزلیں نفیس ہیں۔ اگر وہ ذرا احتیاط سے کام لیں تو بے شک استاد گجرات ہو سکتے ہیں۔

اور کی جگہ ور لکھنا چھوڑ دیں۔

شکوہ عربی ہے اسے شکوہ لکھ کر حرف آخر ساقط نہ کریں۔

اس شعر میں شتر گربہ ہو گیا ہے

مری نگاہ کو اتنی تو وسعتیں دے دو
نظر اٹھاؤں جدھر میں اُدھر ہو تو موجود

تو تنگ کے ساتھ دستے دونا چاہئے۔ دیسے لکھنا واجب تھا۔

۵ ۔ انھیں یہ یورشیں ہوتی ہیں برق و باراں کی

یورش ترکی زبان کا لفظ ہے اس کا تلفظ یُرِش ہے۔ واو اظہار ضمہ کے لئے ہے۔

سورج پہ یُرش ہے بادلوں کی
تنہا یہ ہے فوج کی چڑھائی (اثر لکھنوی)

یہاں یُلغوں لکھ لیجئے یہ بھی ترکی ہی کا لفظ ہے۔

۶ ۔ کھلاتی ہے گل چشم نم کیسے کیسے

چشم پُرنم صحیح ہے (بعض اساتذہ نے چشم نم لکھا ہے لیکن بچنا چاہئے لفظ انھیں مرکب ہے (نہ + ہیں) سے اس لئے نہیں کہ بعد ہے یا ہیں لکھنے سے پرہیز کریں جیسے ۷ ہیں مبتلائے محبت نہیں ہیں۔ یہاں ہیں کی بجائے کچھ لکھ لیجئے۔ لفظ مت ڈیڑھ سو برس سے متروک ہے۔

۸ ۔ کو ننگ حضرت انساں ہے آدمی کا وجود۔

حضرت ناسخ جناب شیخ وغیرہ آج تک تمام شاعر لکھتے ہیں لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ تین اغلاط کاتب کی ہیں۔ سینکڑوں۔ غم عقبہ۔ جلوہ ہائے (سینکڑوں۔ غم عقبیٰ۔ جلوہ ہائے ہونا چاہئے تھا۔

چار دیگر شاعروں کے کلام میں ایطائے جلی۔ اسقاط حروف صحیح اور متروکات قلش صاحب کی طرح جلوہ گر ہیں)۔ ایک ذم آلود مصرع بھی دیکھ لیجئے۔

وہ کارواں جو اندھیروں میں کر رہے تھے (سفر) جمال

ان اغلاط کے باوجود کتاب کی قیمت زیادہ ہے۔

ملنے کا پتہ: بزم توفیق۔ طائی اسٹریٹ۔ محمودہ واڑی۔ تبصرہ (جگر)

(علامہ عشق آبادی)

شعورِ حیات

لکھائی چھپائی۔ کاغذ اعلیٰ۔ صفحات ۱۳۴ قیمت ۳ روپے۔

خان متین بدایونی ایم اے کی غزلوں اور چند قطعات کا مجموعہ ہے متین صاحب عزیز آبرو احسنی گنوری کے شاگردوں میں ہیں۔ آبر صاحب نے متین جی کے لئے لکھا ہے "بازار شاعری میں متین بے قیمت چیز نہیں"۔ اور دعا دی کہ وہ مستقبل کے ایک معیاری شاعر بنیں۔ اور بس۔ میں بھی یہی الفاظ دہراتا ہوں۔

اور لکھا ہے "اگر کسی کے اشعار سے میری ذات کی وابستگی ہوتی تو میں شاید وضاحت سے اُن کے کلام کے محاسن و معائب پر روشنی ڈال سکتا۔"

اصلاح کے بعد۔ معائب کا ذکر۔ بے معنی ہے۔ اب میں قصد عیب کلام میں ہونگے وہ اُستاد ہی کی کوتاہی کا ثبوت ہوں گے۔ اس لئے متین کے کلام میں جو اب لغزشیں نظر آتی ہیں وہ سب آبر صاحب ہی سے منسوب کرنا مناسب ہیں۔ اور میں مرحوم عزیز کی روح کو تکلیف دینا گوارا نہیں سمجھتا لہذا "شعور حیات" پر اور کچھ تبصرہ بھی نہیں کرتا۔

ملنے کا پتہ: سفار پبلشنگ ہاؤس۔ ٹولین۔ بمبئی ۲۷

(علامہ عشق آبادی)

جہانِ تصوف

ہر شیخ پور دُکھی جہاں" رئیس جالندھر اور فخر بہار اشتر" کے خطابات سے یاد کئے جاتے ہیں وہ ہیں ان کا سرمایۂ شعری کسی طرح کم لائق فخر نہیں ہے۔ اب تک انکے ۳ مجموعہ ہائے کلام شائع ہو چکے ہیں جن کے مطالعہ سے ان کے فنی اور ادبی شعور کا بھی پتہ بخوبی چلایا جا سکتا ہے۔

دُکھی صاحب مجموعی طور پر غزل کے شاعر ہیں اُن کی غزل قدیم اقدار اور صالح روایتوں کی آئینہ دار ہوتی ہے جس میں فنی پختگی کے ساتھ ساتھ زندگی کے گہرے احساسات اور جذبات جو شعوری لحاظ سے زندگی کو مکمل اور جامع بناتے ہیں پوری طرح موجود ہیں پھر سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دُکھی صاحب ان پہلوؤں پر غور کرتے وقت ژرف نگاہی کے ساتھ ہی فکر کی عمق سے بھی کام لیتے ہیں اسی لئے زندگی کا شاید ہی کوئی صالح پہلو یا قدر ایسی ہو جو ان کی غزل میں شامل نہ ہو اسی سبب ان کی غزل قدیم لیکن صالح روایتوں کی عکاسی کرتی نظر آتی ہے اور جس سے انسانیت کی قدریں اور عظمت فزوں ہوتی ہیں۔ اُردو غزل کی وہ تمام تر روایتیں جو مختلف شکلوں میں اِدھر اُدھر ملتی ہیں دُکھی صاحب کی غزلوں میں ایک ساتھ مل جاتی ہیں چاہے وہ تصوف کے مسائل ہوں یا سیاسی انقلاب۔ عشق کی سرمستی ہو یا حسن کی ناز پروری، فلسفۂ حیات و ممات ہو، یا انسانیت کی برتری کا احساس۔ دُکھی صاحب کا دل ان سارے پہلوؤں کو قبول کرتے وقت وسیع اور فراخ ہو جاتا ہے اسی لئے ان مسائل کے باریک سے باریک پہلو بھی ان کی نگاہ کے تعمق سے چھپے نہیں رہتے اور وہ ان پر اظہار خیال کرتے وقت ایک بالغ نظر ایک صاف ذہن اور غیر مصلحت پسند انسان بن کر ان صالح اقدار اور روایتوں کو زندہ رکھنے کے لئے جہد مسلسل کرتے

تے ہیں۔ ایسے میں قدم قدم پر ان کا شاعرانہ شعور نہ صرف اُن کا رہبر دیتا ہے بلکہ ان کے مطلعِ ہائے نگاہ کی تکمیل کے لئے مشعلِ راہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی زندگی کے کسی پہلو پر نظر تے ہیں تو وہ اُچٹتی ہوئی نظر نہیں ہوتی نہ وہ سرسری طور پر اس پہلو ُزر لیتے ہیں بلکہ اس پہلو کے سارے پردے ان کے سامنے خود بخود چلے جاتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں ان کے شاعرانہ جذبے صداقت صاف صاف طور پر ان کی غزلوں میں نظر آنے لگتی ہے اور اندازِ بیان اس صداقت کو اور بھی روشن اور مؤثر بنا دیتا ہے اکی مثالیں ملاحظہ کیجیے

اہلِ بصیرت کو کہاں الہام ہوتا ہے	زباں سے جو نکلتا ہے وہی پیغام ہوتا ہے
فرمانے لگی ہیں بجلیاں	چار تنکوں کا تقاضا رہ گیا ہوا
میں ہزار رنگ تبسم ہے موجزن	آئینۂ جمال ہے شبنم مرے لئے
شعورِ تخیل پریشان ہے	حد سے کیا بڑھ گیا آسماں دوستو
بت ستا رہی ہے ازل سے اسی طرح	لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں
ت ہے یا زلیست کے چولے کا بدلنا	یہ سلسلہ کب مشفقِ من ٹوٹ رہا ہے
ن سے ہم مشیتِ یزداں میں آگئے	ہیئت بدل کے صورتِ انساں میں آگئے
آ کے چھوڑ دی گلشن پرستیاں	گلشن کے پھول دشتِ مغیلاں میں آگئے
ن نے رنگ کچھ ایسا جمایا تھا گلستاں میں	بہار آنے پہ بھی غالب رہا دورِ خزاں برسوں
کر دار سے گرنے کی سزا پائی ہے	اب کوئی شہر میں حاصل ہے نہ ویرانوں میں
ہی سے ہے تلاطم حسن سے ٹھہراؤ بھی	عشق ہی زیر ہم بھی ہے دلکا حسن دلکا گداؤ بھی
ہاتھ میں تھا دل کبھی عشق ہوئے شیر تھا	عشق ہی الجھا بھی تھا اور عشق خود ہی تیر تھا

"جہانِ تصوف" کے تقریباً پونے تین سو صفحات پر اسی قسم کے اشعار بکھرے پڑے ہیں جن سے دُکھی صاحب کے شاعرانہ اور فکری بسط کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

کتاب کی طباعت اور کتابت اوسط درجے کی ہے اور چھ ۶ روپے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (عزیز اندوری)

خطبۂ استقبالیہ جشن مراد سعیدی

قدیم شاعرانہ روایتوں کی پرستاری کے نشانات اس دورِ جدید میں جب بھی نظر آتے ہیں پتہ نہیں کس لئے ذہن ماضی کی اُن یادوں میں کھو جاتا ہے جب شعر و ادب کی قدروں کو تہذیبی ورثہ سمجھ کر اختیار کیا جاتا تھا جس کی بنیادیں ان روایتوں پر رکھی جاتی تھیں جو ذہن و شعور کو ایسی بالیدگی بخشتی رہیں جو شعر و ادب کی "راہِ مستقیم" کو منور و کشادہ کرنے میں مددگار ثابت ہوں اس دور میں جبکہ بہت سی "ٹیڑھی میڑھی" راہوں پر شعر و ادب کے پرستاروں کا ایک قافلہ چل پڑا ہے قدیم روایتوں کو زندہ رکھ کر انھیں اختیار کرنا کچھ عجیب سا لگتا لیکن اس اصلیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ روایتیں جن کی تاریخی حیثیت بھی ہے جس عالم میں بھی نظر آئیں شعر و ادب کی تاریخی حیثیت کو ضرور دہراتی ہیں۔ اسی قسم کی ایک قدیم حیثیت شاگردی اور استادی کے صالح رشتے کی شکل میں موجود تھی جب استاد کے ذہنی تجربات اور فکری عمل سے شاگرد کا ذہنی شعوری اور فنی ارتقا ممکن ہوا کرتا تھا۔

اس حیثیت کو تسلیم کرنے والا ایک خاص حلقہ اب بھی دُنیائے شعر و ادب میں موجود ہے جسکے "عمل" میں "باقاعدگی" بھی ہے اور جو اُن روایتوں کو تہذیبی ورثے کی طرح محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ ہرچند ان روایتوں کو مسرت کی طرح اختیار کرنے والے چند حضرات ہی ہیں لیکن جب وہ رُوبہ عمل ہوتے ہیں تو اُن کے عمل کی تقدیس اور خلوص قابلِ دید ہوتا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب ان روایتوں کے چراغ سارے ملک میں جل رہے تھے وہ مقامات جہاں ان روایتوں کو روشن رکھا گیا ان میں ٹونک کی عظمت اور حیثیت بھی مقدم ہے۔ جہاں اساتذۂ فن و بصیرت نے سیکڑوں ذہنوں کو منور و تابناک کیا۔ ان میں جناب بسمل سعیدی کا مقام منفرد ہے جن کے دامنِ عاطفت میں ایسے متعدد ذہن پرورش پاتے رہے اور جن کی تربیت ہوتی رہی جن کا شعری و ادبی مقام انتہائی بلند و مسلّم ہے۔

بسمل صاحب نے اپنے ایک سعادت مند اور ذہین شاگرد جناب مرتضیٰ سعیدی کو جب فارغ الاصلاح قرار دیا تو تاج اکیڈیمی ٹونک نے اپنی سابقہ روایتوں کے مطابق اس سلسلے میں ایک جشن کا انعقاد کر کے بسمل صاحب کے ساتھ دوسرے اہلِ علم و ادب کی علم دوستی کو سراہا۔

اس جشن کا سب سے اہم پہلو بنواری لال صاحب (اسٹیٹ منسٹر راجستھان) کا خطبۂ صدارت ہے جس میں موصوف نے اردو کی مدللِ وکالت اور حمایت کر کے اردو کو مشترکہ سرمایہ قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں اس زبان کی ترقی اور بقا کے لیے اپنی ساری دلی خدمات پیش کرنے کی جو پیشکش کی اس سے ان کا خلوصِ دلی ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ موصوف نے شاعری کی قدیم روایتوں کا ذکر کر کے اس جشن کی اہمیت اور عظمت پر روشنی ڈالی ہے۔ خطبۂ استقبالیہ کے ذریعہ بنواری لال جی نے ام اللغات کی اہمیت کو جس طرح جتایا ہے اور اس کے لیے جس جذبۂ صادق کا اظہار کیا ہے اس کے لیے دنیائے اردو داں کا شکر گزار ہونا چاہیے نیز یہ توقع رکھنی چاہیے کہ اردو کی وکالت کے لیے یہ جذبۂ صادق اگر اسی طرح سرسبز و شاداب رہا تو ملک کی مشترکہ تہذیب کی وارث یہ زبان ایک دن اپنا حق ضرور حاصل کرے گی۔

(عزیز اندوری)

کلیاں اور کانٹے

ملک ہمدی کی کہانیوں کے اس مجموعہ میں ان کی دس مختصر کہانیاں شامل ہیں۔ ان کہانیوں کے بارے میں اردو کے چند نقادوں کی آرا بھی کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔ بیشتر حضرات نے ان کہانیوں کے پس منظر کے ساتھ ہی کہانی کی تکنیک پر بھی خاصی اچھی بحث کی ہے۔

ملک ہمدی نے اپنی زیادہ تر کہانیوں کے مرکزی خیال کو قصباتی ماحول کے ارد گرد گھمایا ہے۔ بعض کہانیوں میں جاگیرانہ استبداد اور راج شاہی کی عکاسی کرتے ہوئے کہانی کار نے اس ہندوستانی روایت کو زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے جسے تحت دیہات کی معصومیت اور بے گناہی پر آج تک اظہارِ تاسف کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی روایت کو ملک ہمدی کا نے کچھ اس طرح سے تر و تازگی بخشی ہے کہ ان سے پیدا ہونے والے تاثرات آج بھی روح کو تڑپا دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی کہانی "کہار کا" پیش کیا جا سکتا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود شدید تاثرات لیے ہوئے ہے۔ اس کے ارتقائی عمل کو کہانی کار نے اختصار لیکن موثر انداز میں پیش کر کے معصومیت اور تشدد کے تضاد کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اسی طرح "انتقام" میں نفسیاتی تذبذب اور ذہنی کشمکش کی بڑی موثر تصویر کشی کی گئی ہے۔ علی عباس کے مکر و فریب کی ماری لڑکی وقت پڑنے پر اسے بچانے کے لیے جس طرح تیار ہو جاتی ہے اسے انسانی نفسیات کا بڑا اہم ردِ عمل قرار دیا جا سکتا ہے جسے کہانی کار نے خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے "سنگے" اور "تصادم" جذبۂ الفت و ایثار کی موثر عکاسی کرتی ہے۔

"کلیاں اور کانٹے" کی کہانیوں میں اتفاقی امر کی بہت سی تصویریں دیکھنے کو ملتی ہیں پتہ نہیں کہانی کار کس جذبہ کے تحت چونکا دینے والے انداز میں انہونی باتوں کو اصلیت کا روپ دیکر مسرت آمیز انجام تک پہنچا کر سکون حاصل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر امرِ اتفاقی ہی جنہیں کہانی کار نے پیش کرتے ہوئے "کرشمۂ تقدیر" سے منسوب کیا ہے۔

چونکہ "کلیاں اور کانٹے" کی بیشتر کہانیوں کا پس منظر قصباتی اور دیہاتی ہے اس لیے ان کے مرکزی ذہانت کا ثبوت ان کے اس لہجہ اور بیش کش سے بھی ملتا ہے جسنے ان کہانیوں میں تاثرات بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ اسی لیے ان کا مرکزی خیال روایتی ہونے کے باوجود زندگی کی بہت سی اصلیتوں کا عکاس بن گیا ہے۔

۹۶ صفحات کی یہ کتاب ۲ روپے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

(عزیز اندوری)

بھنور

بھنور بشیر الدین قاضی کا پہلا ناول ہے۔ جسے انھوں نے بڑے جذباتی انداز میں پیش کیا ہے۔ یعنی ان کے اس ناول میں مختلف قسم کے جذبات ایک ساتھ کام کرتے نظر آتے ہیں عشق کی جذباتیت فطرت کی ستم ظریفی، سماجی استبداد و تشدد، ایثار و قربانی کا جذبہ بے پناہ فرض اور محبت کا تصادم، سماجی اصلاح، مکر و فریب کی بے تعاقبی وغیرہ ہم ایسے ہی جذباتی پہلو ہیں جو اس ناول کے سارے کرداروں کو مختلف اوقات اور شکلوں میں پیش کرتے رہے ہیں۔

ناول نگار نے پورے ناول میں چار کرداروں کو مرکزی حیثیت دیکر اپنے پلاٹ کو ارتقائی عمل سے قریب کیا ہے۔ رمیش، کامنی، نوین اور رتنا ان سب کرداروں میں رتنا کا کردار مضبوط اور متاثر کرنے والا کردار ہے وہ زمانے کی ہوس کاری اور شیطانیت کا شکار ہو جانے پر جس انتقامی جذبے کو اپنے دل میں جگہ دیتی ہے وہ فطری اور نفسیاتی ردِ عمل کی بہتر شکل

مجالس میں سرتلخ کو دوبارہ دل جانا شیریں حیات میں حبیب اور کالا پرکاش کی ملاقات اور تقدیر میں چندر پال اور گیتا کی شادی وغیرہ ایسے ہی خیال کو جیتا دیتی طور پر ایسی حقائق قریب لانے میں کہانی کار کی میابی رہا ہے جو فطری اور تہذیبی تقاضوں کی تکمیل کرتا اور پھر کہانی کار کی

میں اُبھر کر اس کے کردار کو مضبوط اور پسندیدہ بنا دیتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس کردار میں "مثالیت" پیدا کر کے ناول نگار نے کہیں کہیں اسکے فطری عمل کو لائقِ تشکیک بھی بنا دیا ہے۔ مردوں سے انتقام لینے کا جذبہ رسنا کے دل میں جس طرح اُبھرتا ہے اس میں حقارت و نفرت پوری طرح شامل رہتی ہے مگر وہ پہلی ہی ملاقات میں رمیش پر ملتفت ہو کر اُسے اپنی داستانِ حیات سُنانے پر جس طرح تیار ہو جاتی ہے اس سے اس کے جذبۂ انتقام کی کمزوری ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح کامنی اور نوین کے تعلقات کی جو نوعیت بتائی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوین جیسا شاطر انسان کامنی کو اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لئے بے داغ نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن کامنی آخر وقت تک اس بات پر زور دیتی ہے کہ وہ نوین کے دستِ ہوس کا شکار نہیں ہوئی ہے۔ ناول نگار نے ناول کے پلاٹ کو پھیلانے کیلئے اس کے تدریجی عمل میں ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے اور واقعات کے تسلسل کو بھی بخوبی قائم رکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ناول میں رُونما ہونے والے واقعات سماجی اور فطری حقائق کو بھی بہتر شکل میں پیش کرتے ہیں۔

۱۱۱ صفحات پر مشتمل یہ کتاب تین روپئے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

(عزیز اندوری)

خدائی فوجدار

مذہب یا دھرم کے نام پر بعض ناعاقبت اندیش ڈھونگی لوگوں نے جس طرح معصوم اور عقیدت مند طبقے کو اپنے دامِ فریب میں گرفتار کیا ہے ہر دور کے باشعور اور مذہب پرست اذہان نے ان کارہائے مکر و فریب کی نقاب کشائی کی ہے۔ کبھی اصطلاحی انداز میں تو کبھی وضاحتی صورتوں میں اس میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ مذہب کی تبلیغ صالح اور بے لوث جذبے پر مبنی ہوتی ہے اگر اس میں کسی طرح بھی ہوس کاری، خود غرضی یا مکر و فریب شامل ہو جاتے ہیں تو اسکی ساری صداقت اور عظمت ختم ہو جاتی ہے۔ جہالت اور عقیدت مندی پر مبنی جوش اور جذبے میں بڑی چمک اور کشش ہوتی ہے خاص طور سے مذہبی جہالت نام وری کے ساتھ ہی اپنی غرض کو مکمل کرنے کا آسان ترین نسخہ ہے اس بدنصیبی کو کیا کہا جائے کہ ہمارا ملک جہاں مذہب کی صداقت کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔ یہیں مذہبی جہالت اور اندھی عقیدت مندی کو بھی اتنی ہی تیزی سے پروان چڑھنے کا موقع دیا گیا جس کا ایک مضر اور نقصان دہ پہلو اس طرح اُبھر کر سامنے آیا کہ حق و باطل میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ اور وہ طبقہ جو مذہب کے نام پر معصوم اور بے یقینی افراد کو دامِ فریب میں مبتلا کر لینے کے کرتب سے واقف تھا نہ صرف سرسبز ہوا بلکہ اس نے مذہب کے نام پر انتہائی لغو، جھوٹی، بے کیف اور غیر شعوری روایتوں کو اس کا جزوِ اعظم بھی بنا کر اسکی ساری سچائی، ساری جاذبیت اور ساری کشش کو پس پردہ ڈال دیا۔ اس نے مذہب کی اصل روح سے انسان کو بہت دور کر دیا اور سب سے بڑا اور بھیانک پہلو یہ بھی اُبھرا کہ ان ناعاقبت اندیشوں نے مذہب کے نام پر فرقہ پرستی کو جنم دیا اور انسان کو چھوٹے چھوٹے فرقوں میں تقسیم کر دیا جہاں وہ مذہبی روایتوں کی تکمیل کے لائق نہ رہ سکا نہ اُسے حق پرستی سے کوئی سروکار رہا۔

خوشی کی بات ہے کہ پنڈت خوشدل نے اپنے ذاتی تجربات اور تلخ حالات کو "خدائی فوجدار" میں سمیٹ کر ایسے ہی ناعاقبت اندیشوں کے سارے فریبوں کو بے نقاب کیا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے ان واقعات کو جو صداقت پر مبنی ہیں قلم بند کر کے اپنی اس کتاب میں پیش کیا ہے لیکن واقعات تو واقعی بڑے ہی سوہانِ رُوح ہیں جنہیں پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ مذہب کے نام پر جہالت، فریب، ہوس اور خود غرضی کو کس طرح تقویت ملتی ہے اور صداقت پرستی کا کس طرح گلا گھونٹا جاتا ہے۔

خوشدل صاحب کی "نبض شناسی" نے ایک ایسے فریضے کی تکمیل کی ہے جو اس "مذہب کُش" دور کے لئے انتہائی ضروری تھا۔

۱۲۶ صفحات کی یہ کتاب ۵ روپے کے عوض یا دفتر شانِ ہند سے بھی دستیاب ہو سکتی ہے یا ایڈیٹر دلیش سیوک ڈیرہ دون سے طلب فرمائیے

(عزیز اندوری)

یادوں کے سائے

موجودہ دور میں اُردو شاعرات کی فہرست جس قدر طویل ہے شاید اس کی یہ شکل ماضی میں کبھی نہیں رہی ہو۔ رسائل و اخبارات سے لیکر نجی محفلوں اور مشاعروں میں بھی شاعرات کے نام تیزی سے نظر آنے لگے ہیں بعض صورتوں میں تو مشاعروں کی کامیابی کے لئے شاعرات کے ناموں کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے گویا اُردو شاعری کے تصور میں کل تک محبوب کے شکل میں اُبھرنے والی صنفِ نازک خود اپنے نازک خیالات اور بالیدہ احساسات کے اظہار کے لئے شاعری کو ایک وسیلہ بنا چکی ہے جو ایک فالِ نیک ہے لیکن شاعری کو محض مشاعروں میں ترنم کے ساتھ پڑھ دینے پر اکتفا کر لینا کسی طرح لائقِ تحسین نہیں ہو سکتا یہ عجیب بات ہے کہ شاعرات کی طویل فہرست میں بیشتر شاعرات نے خود کو محض مشاعروں کے ترنم

اور جنکا مزاج اسٹیج تک پہنچکر شاعری کا حق ادا کر لینے کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ اس سے زیادہ ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ ایسی شاعرات میں سے ہ اکثر فیصدی کا نہ تو خود شعر کہہ سکتی ہیں اور نہ آدابِ مشاعرہ کا انھیں ذرا سا بھی شعور ہوتا ہے۔ اس لئے روایت کے مطابق کبھی کسی ایسی شاعرہ کو جو حقیقی معنوں میں مکمل شاعرانہ شعور رکھتی ہو، کسی مشاعرے میں اپنا کلام سنانا پڑتا ہے تو عام طور پر اس کے بارے میں بھی ذہن ہلکے سے تذبذب اور تشکیک کا شکار ہونے لگتا ہے لیکن یہ بھی اصلیت ہے کہ جہاں چند ایسے ناموں کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ انھیں شعر گوئی کا ذرہ برابر بھی شعور نہیں اور وہ صرف غزل گو کے بجائے غزل نگار قسم کی شاعرات ہیں وہیں یہ فیصلہ بھی ہو چکا ہے کہ بعض انتہائی ذہین اور باشعور شاعرات نہ صرف مشاعروں ہی میں بلکہ رسائل و کتب کے ذریعہ بھی دنیائے شعر و ادب میں اپنا خاصا بلند مقام بنا چکی ہیں۔ بیگم ممتاز میرزا کا شمار ایسی ہی شاعرات میں ہوتا ہے جنکا کلام نہ صرف مشاعروں اور نجی نشستوں ہی میں لاکھوں دلوں اور ذہنوں کو سکون دیتا ہے بلکہ جسے پڑھ کر انکی ذہنی بالیدگی فکری گہرائی، وسعتِ قلبی اور تجربات حیات کی تیزی کا پتہ چلایا جا سکتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شاعری کو محض تفریحِ اوقات یا ذہنی تفریح کا ذریعہ ہرگز نہیں بنایا بلکہ اسے حالاتِ زمانہ اور رودادِ دل کی تفسیر سمجھ کر مسائلِ حیات کا ترجمان بنا دیا۔ انھوں نے زندگی کی دھڑکنوں کو جس طرح سنا اپنی شاعری میں اسکا سارا حساب پورے شعور کے ساتھ پیش کیا جس نے انکی شاعری کو زندگی کا عکاس بنا دیا جو ایک بالغ نظر اور حساس ذہن سے نکلی ہوئی ایسی آواز بن گئی جس نے اربابِ ذوق کو چونکا کر اسمیں گم ہو جانے پر مجبور کیا۔ آواز کی اس بلندی کو پا لینے کے لئے جو سلیقہ مندی اور آدابِ حیات ناگزیر ہوتے ہیں وہ ممتاز میرزا کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں یہی سبب ہے کہ انھوں نے جہاں دل کی آنکھوں سے مسائلِ حسن و عشق کو دیکھ کر تسکینِ قلب و نظر کے اسباب مہیا کئے ہو ہیں ذہنی بصارت سے مسائلِ حیات اور رودادِ جہاں کے تاریک ترین گوشوں کو منور کرتے وقت اولوالعزمی کا ثبوت دیا ہر چند ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان گوشوں تک پہنچتے پہنچتے بڑی حد تک مایوس اور غمگین ہو جاتی ہیں لیکن بہت جلد سنبھل کر اپنے قنوطی احساس کو انتہائی سلیقہ مندی کے ساتھ رجائیت میں تبدیل کر لیتی ہیں اس مقام پر انکی شعوری بیداری پوری تیزی کے ساتھ مصروفِ عمل نظر آتی ہے اور انھیں قنوطیت، اداسی اور مایوسی سے بچا لیتی ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

اللہ اب تو غم کی یہ منزل بھی آگئی ÷ بے وجہ آرہی ہے ہنسی بار بار آج

ہمارے دل کے اندھیروں کا غم نہ کر ہمدم ۔ ہمارے دم سے یہ رستے ہیں جگمگائے ہوئے
کتنا پیارا ہے جہاں کتنی حسیں ہے یہ حیات ۔ یاس و اندوہ کے دریا سے گزر کر دیکھو
پھر بھی مایوس زندگی سے نہیں ۔ مات گو ہر قدم پہ کھائی ہے
ہر کٹھن منزل سے گزرنا ہی پڑے گا ۔ یہ دشتِ طلب ہے یہاں سایہ نہیں ملتا
شمعیں جلا کے عزم و یقین و عمل کی پھر ۔ پیمان کس نے باندھا تھی زندگی کے ساتھ

ان اشعار کی عظمت اسوقت اور بھی نمایاں ہوتی ہے جب ممتاز میرزا انھیں رودادِ حیات اور احساساتِ قلب و نگاہ کی تصویر بنا کر اس اصلیت کا ثبوت اس طرح دیتی ہیں ؎

غمِ حیات کی روداد تھی مگر ممتاز ۔ سمجھ لیا اسے لوگوں نے شاعری میری

اور اس ثبوت کو جسکا لہجہ بڑی حد تک شکایتی ہے وہ اپنی فکر کی گہرائی جذبات کی صداقت، شعور کی وسعت، تجربات کی روشنی اور مزاج کی نرمی کے سہارے انتہائی پختہ شکلوں میں اس طرح پیش کرتی ہیں جن میں لہجہ کی شگفتگی و بے ساختگی کی ساتھ ساتھ بیان کی قدرت تشبیہات کی جدت اور مضامین کی ندرت بھی شامل ہے۔ اس قسم کے چند اشعار بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

اپنی ہستی کا صنم توڑ دو تو پاؤ گے نجات ۔ ریت کے ذروں کی مانند بکھر کر دیکھو
الجھے دھاگوں کا ہے اک ڈھیر یہ دنیا تیری ۔ وہ مسائل کہ نہ حل جن کے کتابوں میں ملیں
شکایت ہے انھیں بھی زندگی سے ۔ جنھیں سب کچھ دیا ہے زندگی نے
گلہائے رنگ رنگ ہیں لیکن انکو نہیں ثبات ۔ چپکے سے یہ صبا نے کہا اور بڑھ گئی
مسجد میں بھی فسانہ تو ان کا جناب شیخ ۔ شاید ہوئے ہیں آپ مسلماں نئے نئے
بیانِ غم نہ سہی شرحِ آرزو کیجے ۔ کبھی تو آپ بھی ممتاز گفتگو کیجے
ترے شعورِ غم پہ طلب کا ہے انحصار ۔ میں کیا بتاؤں عشق میں کیا مانگ کیا نہ مانگ
آنکھ جلوہ آشنا ہے دل تمنا آشنا ۔ عشق ہے کم بخت کتنا آگہی نا آشنا
مسلسل تشنگی ہے ساری حیات ۔ لمحہ لمحہ ابھر رہے ہیں خیال
اک نظر نے زندگی کے سارے کانٹے چن لئے ۔ گل بداماں کر دیا عشقِ خوش انجام نے
پھر پکارا ہے کسی نے مجھ کو ۔ پھول کھلنے کی صدا ہو جیسے
ہم ترے ہاتھ کی ریکھا ہیں مقدر تیرا ۔ ہم بھلا تیرے تغافل سے بدل جائیں گے
آگہی بھولنے دیتی نہیں ہستی کا مآل ۔ ٹوٹ کے خواب بکھرتا ہے تو ہم ہنس دیتے ہیں
ہمارے ہاتھ میں اب بھی پھول کی صورت ۔ وہ ایک سنگ اٹھایا تھا جو کسی کیلئے
وہ دن گئے کہ عام تھا تحابِ آرزو ۔ اگلی سی آزمائشِ کام و دہن کہاں

ممتاز میرزا کی غزلوں کی بیشتر ردیفیں انتہائی گہرے تاثرات لئے ہیں جنھیں ان کے صحیح اور ارفع مفہوم کے اعتبار سے استعمال کرنے میں و

پوری طرح کامیاب ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے۔

ہوئے ہیں۔ بڑی اُداس ہے رات۔ جاتے ہیں وہ۔ تو کیا ہوگا یاد آئے۔ لائیں کہاں سے۔ کوئی تو ہو۔ کہ جی جانے ہے مکہ ذرا رات کٹے ہے کہ نہیں ہے۔ ذرا سنبھل کے چلو۔ ہم نے دیکھا ہے۔ تو ہنس دیتے ہیں۔ تم آؤ تو سہی۔ وغیرہ۔

غرض "یادوں کے سائے" ممتاز میرزا کے اس کلام کی نمائندہ ہے جسکے بارے میں ڈاکٹر یوسف حسن خاں نے مصدقہ طور پر فرمایا ہے "ان کی غزلوں میں پختگی کے علاوہ زبان و بیان کی صحت اور پاکیزگی، سلاست، روانی اور شگفتگی ہر ورق پر محسوس ہوتی ہے" یا پھر مسکیش اکبرآبادی کے الفاظ میں "ہم ان کی شاعری کو اور بھی بہتر شکل میں پرکھنے کے لائق ہو سکتے ہیں"۔ ممتاز کی زبان دلّی کی ستھری اور پاکیزہ زبان ہے ان کے شعروں میں بڑا سوز اور درد ہے جو دل کے ساتھ ذہن کو بھی متاثر کرتے ہیں انھیں بڑے حسن اور فنکاری کے ساتھ اپنے احساسات اور واردات کو بیان کرنے کی قدرت ہے۔ "فن تو مہارت اور محنت سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن شخصیت کا عکس اشعار میں کس طرح آ سکتا ہے اگر شخصیت ہی کسی خوبی سے عاری ہو ممتاز کے اشعار میں جو نرمی اور نزاکت ہے وہ یقیناً ان کی شخصی خصوصیات و دیعت ہے"۔

۲۰۲ صفحات پر مشتمل "یادوں کے سائے" کی کتابت، طباعت اور سرورق قابلِ دید ہے جس کی قیمت بیّس روپے ہے۔ جو کلام کی خوبی اور طباعت کی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے گراں نہیں۔ مکتبہ شانِ ہند دہلی سے یہ کتاب حاصل کی جا سکتی ہے۔ (عزیز اندوری)

فرمودات

ترجمہ کا فن انتہائی دُشوار اور دقّت طلب فن ہے اس سلسلے میں جس ریاضت اور بالغ نظری کی ضرورت ہوتی ہے اسے پالینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے فنی چابکدستی کے ساتھ ساتھ ذہنی یکسوئی اور فکری بالیدگی بھی اس کیلئے ضروری ہے اسلئے کہ ذرا سی لغزش اصل شکل کو بھی مسخ کر دیتی ہے۔

اُردو کے ادیبوں اور شاعروں نے دوسری زبان کی شاعری اور ادب کے بڑے کامیاب ترجمے کئے ہیں جسکی وجہ سے اُردو کی دنیا دوسری زبانوں کے ادب اور شاعری کے نظریات احساسات اور فن سے متعارف ہوتی ہے ترجموں کا سلسلہ اُردو کے بالکل ابتدائی دَور سے ہی نظر آتا ہے۔ لیکن اِس کی مدین اسوقت فارسی ادب ہی سے جا کر ملتی رہیں اِدھر چند سالوں میں نہ صرف انگریزی، رُوسی، جرمنی، فرانسیسی اور چینی زبانوں کے نمائندہ ادب ہی کا ترجمہ کیا گیا بلکہ ہندوستانی زبانوں کے نمائندہ ادب کو بھی اُردو میں تبدیل کرنے کی کامیاب کوششیں کی گئیں۔

حمید الماس نے کنڑا ادب کی ایک صنعت "وچن" کو اُردو کے قالب میں ڈھال کر جس ریاضت اور بالغ نظری کا ثبوت دیا ہے اس کے کئی اہم پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ انھوں نے اس زبان کے ایسا ادبی حصّے کو ترجمہ کیلئے منتخب کیا جو مذہبی اعتبار سے بھی تسکین و قلب و نگاہ کے ساتھ سکونِ رُوح کا باعث ہے اور دوسرے دوسرے کنڑا کی ایک مخصوص صنف (وچن) سے دُنیائے اُردو کو متعارف کرایا ہے۔

ویسے تو حمید الماس تقریباً دو سَو کنڑا نظموں کا ترجمہ کر چکے ہیں لیکن "فرمودات" میں انھوں نے کرناٹک کے رُوحانی پیشوا مہاتما بسویشور کے ان وچنوں کو شعری قالب میں ڈھالا ہے جو انھوں نے رُوحانی بالیدگی، وحدانیت اور سماجی انقلاب کے ملے جلے جذبات کے تحت کہے اور جن کے ذریعہ انھوں نے ذہنِ انسان کو صداقت کی پہچان کے لائق بنانے کی کامیاب کوشش کی اسی کے ساتھ ان وچنوں کی ادبی اہمیت بھی کسی طرح کم نہیں ہے اسلئے کہ مہاتما بسویشور نے کنڑا کی ادبی روایتوں کو توڑ کر ہیئتی اعتبار سے نئے تجربے کئے اور ذہنی جدت طرازی کا ثبوت دیتے ہوئے کنڑا ادب کو جدید شکلوں سے مزیّن کیا یعنی جہاں انھوں نے اپنے وچنوں میں انسان اور خدا کے پاکیزہ رشتوں، زندگی کی بے ثباتی، ذات پات کے جھگڑوں سے گریز بے جان اور بے کیف سماجی اور مذہبی روایتوں کی مخالفت، وجودِ حق کا عرفان، سماجی مساوات سے ہم آہنگی، تساہل پسندی کے مقابلے میں عمل کی تیزی اور خارجی سرگرمیوں کے ساتھ باطنی اِدراک اور فہم پر زور دیا وہیں انھوں نے اِن وچنوں کو فن برائے فن کے بجائے فن برائے زندگی کے قالب میں ڈھالا جس نے انکے ان وچنوں کو کنڑا ادب کی ایک جدید شکل میں پیش کیا اور جس کی پیروی میں بعد کے ادبا و شعراء نے اپنے شعری و ادبی نظریات کو نئی سمتوں سے آشنا کرایا اور جس کا اثر یہ ہوا کہ اُن کا ادب بے کیف اور بے جان روایتوں سے نجات پانے کے لائق ہو سکا۔

حمید الماس نے ایسے ہی نمائندہ ادب کا اُردو میں ترجمہ کر کے جس ریاضت اور محنت کا ثبوت دیا ہے اس سے اُنکی ذہنی یکسوئی، تبحرِ علمی اور قدرتِ بیان کا بھی اندازہ ہوتا ہے نیز "فرمودات" میں وہ تمام

نمایاں نظر آتی ہیں جو ایک کامیاب ترجمہ نگار کا خاصہ ہوتی ہیں۔
غالباً حمید الماس نے لفظی ترجمہ کے مقابلے میں بنیادی خیال کو پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے جس نے انکے ترجمہ کو اردو کی شکل میں آنے کے مزید مؤثر بنا دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کا اردو ترجمہ زبان و بیان کے سارے تاثرات کے ساتھ ساتھ جذبات و احساسات کی ساری رعنائیوں میں محیط ہے۔ جسے پڑھتے وقت ذہن و دل پر شدید تاثرات مرتسم ہوتے ہیں اور کہیں بھی کسی بے کیفی اور بد مزگی کا احساس نہیں ہوتا۔
جیسا کہ حمید الماس نے "میری بات" میں تحریر کیا ہے "میں نے ابتک ستلا کی ڈیڑھ سو نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔" امید ہے کہ وہ ان نظموں کی اشاعت کر کے اردو والوں کو کنتر لا ادب سے مزید مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں گے۔
ستہ یا پرانک کا پیش لفظ مہا تما بسو لنگیشور کے لحاظ سے بھی دلکش ہے جسے سمجھنے میں پوری طرح مدد کرتا ہے۔
۱۲۸ صفحات کی یہ کتاب کتابت و طباعت اور سرورق کے لحاظ سے بھی دلکش ہے۔ جسے دس روپے ادا کر کے مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (عزیز اندوری)

کلام اردو زبان و ادب کے ارتقائی عمل میں صوبائی حکومتیں جس طرح اور جس انداز سے معاونت کر رہی ہیں اس کیلئے اظہارِ تشکر بھی ضروری ہے۔ اردو اکاڈمی یا ساہتیہ اکاڈمی کی معرفت جو قابلِ لحاظ کام ہو رہے ہیں انھیں نوازا جانا اور ان کی ادبی اہمیت کا اعتراف کرنا بھی لازمی ہے۔ اس لئے کہ اس طرح بعض ایسی ادبی تخلیقات جن کی اشاعت بھی طور پر ممکن نہیں ہوتی اہلِ بصیرت کی نگاہوں سے گزرتی رہتی ہیں۔
اردو اکاڈمی یا ساہتیہ اکاڈمی کا قیام فالِ نیک ہے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے چند جگہوں کے اداروں کے بعض متعلقین کی بھی لغزشوں اور ضرورت سے زیادہ مروت کی وجہ سے اربابِ علم و ادب کو شکایت کا موقع ملا ہو لیکن ان اداروں کے قیام کے بنیادی مقصد سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔
راجستھان ساہتیہ اکاڈمی نے بھی اردو نشر و اشاعت کے لئے جن بنیادی مقاصد کو اپنایا ہے وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔ اس ادارے کی طرف سے اردو کی چند کتب شائع کی گئی ہیں جن میں سید فضل المتین کی شاعری کا مجموعہ "کلام" ایک ہے۔
کلام کے پیش لفظ میں ڈائریکٹر ساہتیہ اکاڈمی نے تحریر کیا ہے —
"راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کے اشاعتی پروگرام کا بنیادی مقصد ہے صوبے کی ادبی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور تخلیقی قوتوں کو فروغ دینا۔" ان کے اس قول کے پیشِ نظر ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ راجستھان کے نمائندہ شعراء و ادبا کی تخلیقات کتابی شکل میں شائع ہوتی رہیں گی۔
مصنف نے "چند باتیں" کے تحت اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنے نظریۂ حیات اور رجحاناتِ شعر و ادب کی وضاحت کی ہے جسے پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ موصوف اپنے ارد گرد کے ادبی ماحول سے بڑی حد تک مطمئن نہیں ہیں اور ان حالات سے جو نام و نمود، حرص و ہوس، توڑ جوڑ اور گروپ بازی کی شکل میں ابھرتے ہیں۔ گریز کرنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ مصنف کی چند باتوں سے اتفاق تو کیا جا سکتا ہے لیکن ڈر بھی لگتا ہے کہ موصوف کی تنہائی اور خلوت نشینی کا جذبہ انھیں تجرباتِ دوراں سے دور نہ کر دے۔ بہرحال اُن کا یہ عمل ان کے نجی حالات اور ذاتی معاملات سے متعلق ہے اس لئے اس پر زیادہ روشنی ڈالنا میرے لئے قطعی مناسب نہیں ہے۔
ہاں کلام میں شامل ۶۳ غزلوں میں سے چند اشعار ہی ایسے ہیں جنھیں پڑھتے وقت قاری چونک سکے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی مزاجی کیفیت، (اپنی باتوں کی روشنی میں) اور ان غزلوں کے MOODS میں کافی بُعد ہے۔ پھر بھی ان کی غزلیں (آخر کی دو ایک غزلوں کو چھوڑ کر جن سے ان کی مزاجی جھنجھلاہٹ کا پتہ چلتا ہے) ان کی مزاجی کیفیت کا علم حاصل کئے بغیر پڑھی جائیں تو ایک ہلکا سا لیکن ذہنی سطح کو ضرور چھو جاتا ہے کہ مصنف شعور کی منزل کی جانب گامزن ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار دیکھئے۔

جن کا کوئی جواز میسر نہیں ہوا — لکھے گئے ہیں جرم کچھ ایسے بھی اپنے نام
سب تو رہِ تیرا گردشِ دوراں نکل گیا — حالاتِ زندگی غمِ جاناں بدل گیا
کون تجربات کے شعلوں میں جل گئے تھے — کون زلفِ پریشاں کی طرح چھایا ہے
ہم سنگِ گراں ہیں چھو تماشا کئے ہیں — معلوم ہو پہلے کوئی سیلاب کو دیجے
وہ قافلے کہ جن سے عبارت تھی منزلیں — پوچھیے کچھ انکا حال جو گردِ سفر ملے
رکھتے ہیں اپنے ساتھ جو خوشبو کے قریے — اے گردشِ حیات ترے ہمسفر ہیں ہم

عمرِ رفتہ قید جہاں ہے | ماضی کے اس غار میں جھانکیں
اپنے پرائے ہر اک کا اب جان رہا ہوں | اپنی ہی پہچان مگر میں بھول گیا ہوں

غزلوں کے انتخاب میں متین صاحب اگر زیادہ سنجیدگی اور سختی سے کام لیتے تو بہتر تھا۔

سید متین کی فطری بالیدگی اور شعوری بیداری غزلوں کے مقابلے میں ان کی نظموں میں زیادہ تیز اور روشن نظر آتی ہے ان کے اس مجموعہ میں کل ۴۳ نظمیں ہیں ایسا لگتا ہے کہ ان نظموں میں انھوں نے اپنے اردگرد کے ادبی ماحول سے گریز کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور بعض نظموں کو مضامین نو اور مسائل حاضرہ سے بھی مزین کیا ہے ان نظموں کے ہیئتی انداز میں جہاں تھوڑی بہت تبدیلیاں نظر آتی ہیں وہیں اشاریتی اور علامتی انداز بیان کو اختیار کرکے سید فضل المتین نے اپنے دور کی کچھ ادبی خصوصیات کو بھی اپنایا ہے۔

ان کی نظموں میں بنیادی طور پر موجودہ دور کے تلخ ترین تجربات کی عکاسی ملتی ہے اور حالات کی بے چینی اور ناآسودگی کو تبدیل کرنے کے امکانات اور عزم بھی موجود ہے۔ وجودیت کا کرب، مہر و وفا کے نام پر فریب، عظمت انسان کا ابتذال، ہم عصروں کی تساہل پسندی، یادِ ماضی کے دھندلے نقوش، تواریخی عظمت کے بگڑے نشانات، حق پرستی کا انحطاط ان کی چند نظموں کے بنیادی موضوعات ہیں۔ وہ ان مقاصد کو بیان کرتے ہوئے ذہن کی آنکھوں کو پوری طرح کھلی رکھتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ وہ ان حالات کی شدت پر تڑپ اٹھتے ہیں اور ان کا حل تلاش کرنے کے لئے حق گوئی سے کام لیتے ہوئے زندگی کے منفیانہ رویے سے سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں وہ قدم قدم پر انسان کے فطرت کے روشن پہلوؤں کو ابھار کر مستقبل روشن کا پتہ دیتے ہیں۔ ایسے میں ان کا عزم پختہ، ان کی فکر وسیع اور ان کی نگاہ بلند ہر ایک وقت تنہا ہی وقت کا فرض ادا کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور وہ علم بغاوت بلند کرتے ہوئے اپنی آواز کو تیز تر کر دینا چاہتے ہیں۔ اس مقام پر ان کا شعور ان کی فکر اور ان کا احساس حقائق کی حدوں کو چھوتا نظر آتا ہے اور وہ مصلحت پسندی سے گریز کرتے ہوئے صاف باتیں کرنے لگتے ہیں ان احساسات و جذبات کو "ننگی نظروں" ۔ "یہ کیا ہوا ہے" "آزمائش" "اعتماد اور بتاؤ تو" میں دیکھا جا سکتا ہے۔

متین کے لہجے میں تلخی اور کرب کا احساس پوری شدت کے ساتھ ابھرتا ہے اور شاید یہ شدت ان کی مزاجی کیفیت کی دین ہی ہے۔

بہرحال ایک سو چار صفحات کی کتاب چار روپے پچھتر پیسے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ (عزیز اندوری)

کرنیں

کسی بھی زبان اور ادب کا ارتقائی عمل اس کے پرستاروں کی معاونت کے ساتھ ہی اہلِ اقتدار و طاقت کی دلچسپی کا بھی مرہونِ منت ہوتا ہے۔ اربابِ اقتدار کی ذرا سی عدم توجہی اس عمل کی تیز رفتاری کو یقینی طور پر روک سکتی ہے۔ شکر ہے کہ گزشتہ چند برسوں سے مرکزی حکومت کے ساتھ ہی صوبائی حکومتوں نے بھی اُردو کے ارتقائی عمل کو تیز کرنے کی جانب توجہ دینی شروع کی ہے جس کی ایک شکل ان صوبے کے اُردو کے نمائندہ شعرا کی تخلیقات کی اشاعت بھی ہے۔

راجستھان ساہتیہ اکاڈمی نے بھی اس سلسلے میں چند مستحسن اقدام اٹھائے ہیں ان میں چاند تارا بن اکو مہر کے مجموعۂ کلام کی اشاعت اس اعتبار سے لائق تشکر ہے کہ ان کا کلام جو "اوراقِ منتشر" کی شکل میں تھا یکجا ہو سکا۔

مہر صاحب کی شاعری کا تعلق غزل کی اس قدیم روایت اور مزاج سے ہے جسے خالصتاً داغ کی غزل کی روایت اور مزاج کہا جا سکتا ہے۔ داغ نے غزل کو حسنِ بیان اور رنگینیٔ مضامین سے جس طرح مزین کیا اس نے اسے لطافت و نزاکت کی بڑی دلکش کیفیتوں سے آشنا کرایا نیز پڑھنے والوں کے ذہن و قلب، زبان و بیان کی شیرینی اور لطافت میں گم ہو گئے اور معاملاتِ حسن و عشق کی تمام تر رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے والی کیفیت شاعری کا جزوِ اعظم قرار پائی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس شاعرانہ مزاج کی ترویج نے زبان و بیان کے بڑے دلکش اور لطیف پہلوؤں کو ابھارا لیکن اتفاق سے اس مزاج کی پیروی کرنے والے شعرا اپنی شاعری کے لئے ایسے موضوعات کی تلاش نہ کر سکے جن کا تعلق زندگی اور حالاتِ زمانہ کے تلخ ترین مسائل سے رہا ہے۔ پھر بھی اس مزاج نے تسکینِ نگاہ و قلب کے نازک تر پہلوؤں کو بڑی شاندار اور کامیاب شکلوں میں پیش کیا اسی کے ساتھ شوخی اور لطافت کو فزوں کرنے کی غرض سے ان شعرا نے اپنی ذات کو دنیا کی خارجی طاقتوں سے افضل و بہتر قرار دیا یہی سبب ہے کہ وہ اپنی افسردگی اور آہ و زاری کے باوجود اپنی ذات کو قوی تر سمجھتے رہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ان کا رویہ پھر بھی کوئی سنجیدہ شکل اختیار نہیں کر سکا اسی لئے انھوں نے چھیڑ چھاڑ اور طنز و شوخی کے پہلو کو اختیار کرتے ہوئے اپنی ذات کو محض روایتی انداز میں مقدس ثابت کرنے پر اکتفا کیا۔ پھر بھی انکے اس عمل

سے ظاہر پرستی کے بجائے کہیں فروغِ حقیقت اور ہیت سے ایسے پہلو نمایاں ہوں جن کے ذریعے زندگی کی اصلیت تک پہنچنا آسان بھی ہوا۔

محبوب کے ظلم و ستم، عاشقِ صادق کی وفا پرستی، رقیب کی ریاکاری، زاہد و شیخ کی مکاری، مہکش کی حق پرستی، واعظ کی خشک بیانی، حرم و دیر کی محدودیت، شیخ و برہمن کی عصبیت، باغِ جنت کے مقابلے میں کوئے جاناں کی عظمت، محبوب کے رُخِ روشن کی تابناکی، زلفِ عنبریں کی مہک، مہذب کا قصۂ جانفزا، اور داستانِ دلِ رنگین وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جنہیں مہر صاحب نے بھی اسی طرح اختیار کیا ہے جس طرح داغ یا ان کے ہم مزاج دوسرے شعراء اختیار کر کے اردو غزل کے لئے ایک مخصوص فضا اور مزاج پیدا کر چکے تھے۔

مہر صاحب کے شعور کی بنیاد ان کی پختہ گوئی پر ہے یعنی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے احساسات و جذبات قلبی کو شعری قالب میں ڈھالنے کی نہ صرف پوری صلاحیت و قوت ہی رکھتے ہیں بلکہ اس کے اظہار کے لئے انتہائی دلکش اور لطیف پیرایہ اختیار کرنے پر بھی قادر ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے جذبات و احساسات روایتِ کہنہ کے عکاس ہونے کے باوجود جاذبیت اور لطافت سے خالی نہیں ہوتے اور جو دل و دماغ کو تھوڑی دیر کے لئے اپنی جانب متوجہ کر لیتے ہیں اسی لئے کرنیں کی تقریباً ساری غزلوں کے مضامین فرسودہ ہونے کے باوجود ذہن و قلب کو وقتی لطافت اور سکون بخشتے ہیں جسے یقینی طور پر مہر صاحب کے دلکش اندازِ بیان کا ایک کرشمہ ہی کہنا چاہئے۔

آخر میں چند منتخب اشعار ملاحظہ کیجئے جن سے کرنیں کی خصوصیات واضح ہوتی ہیں۔

ہاں آپ کہیں آئے نہ گئے، ہاں آپ ہی سچے ہیں لیکن
زلفیں یہ پریشاں سی کیوں ہیں یہ بندِ قبا کیوں ٹوٹ گیا

بتاؤں کیا تمہیں خاموش کیوں ہوں
جنابِ مہر نے لب ارتقا کو چھوڑ دیا
وفورِ شوق میں بڑھتا گیا ہوں منزل سوں
بیعتِ پیرِ مغاں ہو کہ غلامِ پیرِ نیاز
آسماں سے بھی جھک نہیں سکتے
نکل جائے گا دم ہمارا اسی دم
غمِ عشق میں مبتلا ہو گیا ہوں

ہے عالم یہ بھی اک دیوانگی کا
ہزار شکر کہ مکر و ریا کو چھوڑ دیا
خبر نہیں کہ کہاں رہنما کو چھوڑ دیا
سب ہیں یہ جھگڑے کی باتیں کفر کیا اسلام کیا
کس قدر باوقار ہیں ہم لوگ
ادھر جاؤ گے تم ادھر جائیں گے ہم
ہر اک قیدِ غم سے رہا ہو گیا ہوں

اداس سی پڑ گئی ہے پھولوں پر | جب کبھی آپ مسکرائے ہیں
پریشاں کر رہے ہو کیوں مجھے شیخ و برہمن تم
تمہیں کہہ تو دیا اک در پہ سجدا کر لیا میں نے

ایک سو بیس صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۵ روپے ہے جس کی کتابت و طباعت مناسب ہے اور جسے مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(عزیز اندوری)

بحرِ بیکراں

اردو شاعری میں طویل نظم گوئی کا سلسلہ اس کے ابتدائی دور سے نظر آتا ہے۔ مگر اسے مقصدی شکل دینے کی مربوط اور مسلسل روایت در اصل حالی کے زمانے کی مرہونِ منت ہے۔ اسی کے ساتھ اردو شاعری (نظم گوئی) میں زندگی کے گہرے نقوش جب سے زیادہ نمایاں ہوئے طویل نظم گوئی کے رواج کو اصلاحی انداز سے بھی مزین کیا گیا۔

دورِ جدید کے جن شعراء نے اصلاحی انداز کو مذکورہ صورتوں کو اختیار کیا اور زندگی کے گہرے شعور کو طویل نظموں کا ایک حصہ بنا کر پیش کیا ان میں امجد صدیقی، نازش پرتاپ گڑھی، جاں نثار اختر، عمیق حنفی، حرمت الاکرام وغیرہ وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن ادھر اختر بستوی نے یکے بعد دیگرے دو طویل نظمیں (نغمۂ شب اور بحرِ بیکراں) لکھ کر زندگی کی بڑی صاف صاف تصاویر کو اصلاحی انداز میں کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کے بہت کم شعراء نے طویل نظم گوئی کی جانب توجہ دی ہے اسکی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موجودہ مصروف ترین زمانے میں جبکہ انسان کی فکر اور سوچ زندگی کے مختلف خانوں میں تقسیم ہو کر اپنے تسلسل کو ختم کر چکی ہے ممکن نہیں کہ زندگی کی مسلسل و مربوط شکلوں میں نشاندہی دے سکیں اور مسائلِ حیات کے تمام پہلوؤں پہ بیک وقت نگاہ ڈالی جا سکے۔ پھر بھی اردو کے جن شعراء نے اس سلسلے میں فکری اور غور کے تسلسل کو زندگی کے تمام تر پہلوؤں سے قریب تر کیا ان میں اختر بستوی کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔

بحرِ بیکراں میں اختر بستوی نے ایک ایسے ذہن کے شدید احساسات کو پیش کیا ہے جو موجودہ حالات کے تذبذب اور کشمکش میں گھر کر زندگی کے نشیب و فراز کی عکاسی کرنا چاہتا ہے جس کا "حال" سکون اور آشتی

کے لمحات کو تلاش کرنے کے لئے زندگی کی بربریت اور تشدد سے گریز کرتا ہوا بعض صورتوں میں حتی آسودگی کے نا موش تک پہنچ جاتا ہے اور اسکا مستقبل عجیب سے دھندلکوں میں گم ہو کر ان معصوم بچوں کی صورت میں اُبھرنے لگتا ہے جو دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر زندگی کے سمندر کی لہریں گنتے رہتے ہیں۔ سورج کی تمازت اس کی فکری بالیدگی کو جھلسا دیتی ہے۔ رات کا اندھیرا قتل و غارتگری کا پیغامبر بن کر ابھرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود زندگی کے حسن کو اولو العزمی کے سہارے پالینے والا ذہن نہ تو قنوطیت کو قبول کرتا ہے اور نہ زندگی کے تذبذب اور کشمکش سے بوکھلاتا ہے۔ وہ زندگی کے سناٹے میں بھی خود کو بیدار رکھ کر آنے والی صبح کے سورج کی کرنوں کا نہ صرف انتظار ہی کرتا ہے بلکہ ان کرنوں کو زندگی کی ساری لطافت اور عظمت سے معمور کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوئے کہہ اٹھتا ہے۔

سوچتا ہوں میں کہ ہو کیسی ہی گہری تیرگی　　فتح پانا نور پر تاریکیوں کا ہے محال
کتنی ہی ویرانیاں چھائیں مگر انجام کار　　جلوۂ جہدِ مسلسل کا نکھرتا ہے جمال

اختر بستوی کے لہجے کی شگفتگی اور انداز بیان نے بھی نظم کے تسلسل کو نہ صرف برقرار ہی رکھا ہے بلکہ اسے مؤثر بھی بنا دیا ہے۔ لیکن مندرجۂ ذیل مصرعوں کے خط کشیدہ الفاظ پر از سرِ نو غور کر لیا جائے تو بہتر ہے۔

ع　اور تیرا یہ تجربہ تکمیل سے ہو ہم کنار
ع　نکھر رہا تھا ہر کہیں پیہم کا ہر شو حلقہ تنگ

۷۲ صفحات کی اس کتاب کی قیمت پانچ روپے ہے کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی کتاب مناسب ہے۔ مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(عزیز اندوری)

جئے ہو جئے ہو اندرا گاندھی کی جئے

شریمتی اندرا گاندھی نے بیس نکاتی پروگرام کے پس پردہ ملک اور قوم کی اصلاح و ترقی کے جس صالح جذبے کو پیش کیا ہے اسے ملک کے گوشے گوشے اور قوم کے ہر فرد سے والہانہ مقبولیت ملی ہے اور اس جذبے کو تیز تر کرنے کے لئے جس خلوص اور محبت کا اظہار کیا جا رہا ہے وہ خود اپنی جگہ اسکی مقبولیت کی ایک دلیل بنتی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس جذبے کو بروئے کار لانے کے لئے جس پیام منظوری کو مختلف شکلوں میں ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اردو شاعری بھی اس کی ایک شکل بنی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اُردو کے شعراء نے ملک و قوم کی تعمیر کے نیک اور صالح جذبات کو ہمیشہ اور ہر دور میں سراہا ہے۔ اسکی مختلف شکلیں رہی ہیں کبھی وہ کسی خاص نکاتی اور مقصدی پروگرام اور تحریک سے براہ راست متأثر ہوئے ہیں اور اسکا اظہار بھی براہ راست کرتے رہے ہیں تو کبھی اصلاحی انداز میں حب الوطنی اور انسانیت نوازی کے نغموں نے گیت گائے ہیں۔

خاص طور سے آزادیٔ وطن کے بعد اس جذبے کی تیزی کو اُردو شاعروں نے دوسرے فنکاروں کے شانہ بشانہ تعمیر قوم و وطن کی خاطر پوری ہوشمندی اور شعوری اعتبار سے اپنایا ہے اسکی حالیہ اور تازہ مثالیں ان نظموں کی شکل میں بھی ملتی ہیں جو شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی اصلاحی پروگرام کی توسیع کی خاطر کی گئی ہیں۔

ایسی ہی نظموں پر مشتمل افضل پشاوری نے حال ہی میں ایک کتاب "جئے ہو جئے ہو اندرا گاندھی کی جئے" شائع کرائی ہے۔ اس کتاب کے عنوان ہی سے اسکی اہمیت کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ اس میں شامل ہر نظم شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام کے کچھ پہلوؤں کی عکاسی تو ضرور کرتی ہے۔ افضل صاحب نے ان نظموں کے ذریعے ملک کی خوشحالی اور تعمیر کے جن پہلوؤں کو پیش کیا ہے انکی صداقت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا لیکن بیشتر جگہوں پر ان مقصدی نکات کی صداقت پر شاعرانہ مبالغہ کا تسلط اکھرتا ہے۔ اور ان نظموں کے لئے جس اندازِ بیان کو اختیار کیا گیا ہے اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے ان مقصدی نکات کے چند پہلوؤں کو بنیاد بنا کر اور انہیں بار بار دھرا کر اپنی نظموں کو طویل بنانا چاہا ہے جس نے اکثر مقامات پر ایک سا سپاٹ پن بھی پیدا کر دیا ہے اسی کے ساتھ افضل صاحب نے تقریباً ہر نظم میں اچھی بات کو مضبوط کرنے کے لئے لفظ "واقعی" کا بھی کھول کر استعمال کیا ہے۔ جس نے ان کے بیشتر مصرعوں میں تشکیک کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات کہنے کے لئے ہی ایسے مصرعے کہتے چلے جاتے ہیں۔ کاش اس طرف موصوف پوری توجہ دیتے تو انکی یہ مقصدی نظمیں اور بھی زیادہ مؤثر شکل اختیار کر لیتیں۔

پھر بھی مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام کی بعض ایسی جھلکیوں کو شعری قالب میں ڈھالا ہے جو ملک و قوم کی اصلاح کے لئے ناگزیر ہے۔

۱۶۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جس کی طباعت و کتابت مناسب ہے ۶ روپیہ میں مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(عزیز اندوری)

آتشِ خاموش

مضطرب نظامی کے مجموعۂ کلام "آتشِ خاموش" میں انکی ۹۳ وطنی اور قومی نظمیں اور چند رباعیات وقطعات شامل ہیں بیشتر نظمیں آزادیٔ وطن سے قبل تخلیق کیگئی تھیں اس لئے وہ آزادی سے متعلق خاص موضوعات تک محدود ہیں جن میں انگریزوں کے خلاف شدید تاثرات اور احتجاج موجود ہے۔ عموماً ایسی نظموں کے تاثرات وقتی طور پر بیداریٔ ذہن ونگاہ کا باعث بنتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تاثرات سے تواریخی تسلسل اور حقیقت تک رسائی بھی ممکن ہوتی ہے اِس لئے ان کی اہمیت کسی دور میں بھی کم نہیں ہوسکتی۔ مضطرب نظامی کی وہ تمام نظمیں جن کی ابتدا ۱۹۳۲ء سے ہوتی ہے اور جو جدوجہد آزادی کی مکمل عکاسی کرتی ہیں ان کے شعورِ آزادی اور حبِ وطن کی ترجمان ہیں جن کے مطالعہ سے ان کے نجی جذبات کے ساتھ ہی ان کے دور کے تحریکات آزادی کو سمجھنے میں آسانی ہوسکتی ہے۔

اسی کے ساتھ آتشِ خاموش میں آزادیٔ وطن کے بعد رونما ہونے والے حالات وواقعات کی بھرپور عکاسی کرنے والی بھی چند اچھی نظمیں موجود ہیں۔ مثلاً "صبحِ آزادی"، "بیٹا ماں سے اجازت مانگ رہا ہے"، "دوبارہ بمبئی"، "ہندو پاک بٹوارے پر"، "۱۹۶۴ء کے فساد پر"، "فرقہ وارانہ فسادات پر" (رباعیات وقطعات)

آتشِ خاموش میں وطنیت سے متعلق بعض ایسی نظمیں بھی ہیں جن کا تعلق وطن کی عظمت اور ان مسائل سے ہے جو وطن کی اہمیت کو دوبالا کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ رہنمایانِ ملک وقوم کی موت پر بھی مضطرب نظامی نے چند ایسی نظمیں کہی ہیں جو تاثرات سے بھرپور ہیں۔

ان نظموں کے موضوعات میں انتہائی تلخیاں اور کرب موجود ہے لیکن مضطرب نظامی نے اپنے لہجہ کی شگفتگی اور تازگی سے انھیں پُراثر بنا دیا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان موضوعات کو عملی اور شعوری طور پر اپنانے میں کافی بیدار رہے ہیں۔

۱۱۲ صفحات کی یہ کتاب ۵ روپیہ کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(عزیز اندوری)

نئے پھول

"نئے پھول" اردو کے ۳۴ شعرائے انتخاب اور تعارف کا ایسا گلدستہ ہے جس میں اردو غزل کے مختلف رنگ اور خوشبو موجود ہے۔ اس گلدستے میں بعض ایسے شعرا کا کلام بھی موجود ہے جو اربابِ فکر وفن سے دادِ تحسین حاصل کرچکے ہیں۔ بیشتر ایسے شعرا کا کلام ہے جو یا تو ارتقائی منازل کی جانب گامزن ہیں یا حالات زمانہ کی ستم ظریفی کا شکار ہوکر گوشۂ گمنامی سے باہر قدم نہ نکال سکے۔ اس لحاظ سے مجیب بستوی نے قابلِ تحسین قدم اٹھا کر انھیں دُنیائے ادب میں نہ صرف متعارف ہی کرایا ہے بلکہ ان کے کلام کی اشاعت کرکے اہلِ نظر کو حق پرستی کی جانب متوجہ کیا ہے اس قسم کے انتخاب کی اشاعت سے مختلف مزاج اور طرزِ شاعری سے بیک وقت مستفیض ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اور بعض مرتبہ بعض خوبصورت اور قابلِ لحاظ اشعار پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ مرتب انتہائی بیدار مغزی کا ثبوت دے۔ خوشی ہے کہ مجیب بستوی نے شعرا کے انتخاب میں بڑی حد تک شعور کی بیداری سے کام لیا ہے اور ان کا تعارف بھی بڑے سلجھے ہوئے انداز میں کرایا ہے اسی لئے اس گلدستے میں اس قسم کے اشعار بھی مل جاتے ہیں۔

بے زباں کھنچے ہیں شاخ کی کمند وہیں ہے
قصہ ہائے رسن و دار نے سونے نہ دیا

(ڈاکٹر اسلام سندیلوی)

بھر دیا دامنِ تاریخِ وفا میں ہم نے
حسرتِ دل کا لہو دیدۂ خونبار کا رنگ

(ڈاکٹر سحر اعظمی)

با عمل گردشِ حالات پہ ہنس دیتے ہیں
بے عمل گردشِ حالات سے ڈر جاتا ہے

(رشید قمر لکھنوی)

مجھ کو جس شمع کی تھی باہر کی دُنیا میں تلاش
پالیا میں نے اُسے آخر خود اپنی ذات میں

(اختر بستوی)

اور بھی تیز چلو منزلِ اُلفت کی طرف
پُرخطر راہ گزر ہو یہ ضروری تو نہیں

(منور بستوی)

شبنم بہار کے ساتھ رہے گی تو کتنی دیر
ہم خوب جانتے ہیں جو تیری اڑان ہے

(صادق گیاوی)

ہے بڑا بوجھ زندگی جامد
پربتوں پر بھی دھنس رہے ہیں پاؤں

(ڈاکٹر ابوالحامد قاھر)

کتنا بدل گیا ہے ترے شہر کا رواج
ہر عکس آئینے کے برابر دکھائی دے

(غلام حسین آیان)

لیکن اسکے ساتھ کتاب میں درج ذیل ایسے بھی مصرعے ہیں جنکے خط کشیدہ الفاظ وترکیب محلِ نظر ہے۔
ہم بلا نوشوں پہ اک نظرِ کرم ہو ساقیا
بٹا ہے گھر کا ایک اک لمحہ بانٹ دیا ہے خانوں میں

۲۰۰ صفحات پر مشتمل یہ گلدستہ ۲۰ روپیہ کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی خریدا جاسکتا ہے۔

(عزیز اندوری)

تحریک "بسمل سعیدی نمبر"

ماہنامہ تحریک کے ذریعہ شائع شدہ

خاص نمبروں کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔ اس ادارے کے ذریعے اب تک جس قدر خاص نمبر شائع کئے گئے اُن میں بسمل سعیدی نمبر کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ اس نمبر کے ذریعے جہاں ایک عظیم المرتبت شاعر کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا گیا ہے وہیں ایک شریف النفس اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے پرستار کی زندگی کے اُن اہم تر پہلوؤں کو بھی اُبھارا گیا ہے جن کا اس قحط الرجال زمانے میں تقریباً فقدان ہی ہے۔

بسمل سعیدی نمبر اس اعتبار سے بھی مکمل اور جامع ہے کہ اس میں شامل بیشتر مضامین کے لکھنے والوں کے اذہان کی رسائی نہ صرف بسمل صاحب کی شاعرانہ عظمتوں تک ہی رہی ہے بلکہ اُنھوں نے اپنی زندگی کے اوراق پر بکھرے ہوئے سارے واقعات کا ژرف نگاہی سے مطالعہ بھی کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان مضمون نگاروں کی آرا میں صداقت اور خلوص کے بھرپور نشانات موجود ہیں جن کی وجہ سے بسمل صاحب کی زندگی آئینہ کی طرح روشن اور شفاف بن کر اکثر چہروں کی "پارکھ" بھی بن گئی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ انسانیت کے چہرے کو منور کرنے والی روایتوں کی شکل میں بسمل صاحب کا وجود ادب کی بہت سی دیوقامت شخصیتوں سے بلند تر ہے۔ ان مضامین میں موصوف کی شخصیت کے جن روشن اور عظیم پہلوؤں کو اُبھارا گیا ہے ان کے تاثرات ذہن و نگاہ کو نہ صرف جِلا ہی بخشتے ہیں بلکہ کچھ اس انداز سے دلوں پر مرتسم ہو جاتے ہیں کہ عظیم شاعر کی شکل میں انسانیت کی عظمتوں کے متلاشی ذہن بسمل صاحب کی شخصیت کی تقدیس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس "حُسنِ سلوک" کو نقشِ آخر سمجھ کر اپنے دلوں میں جما لیتے ہیں جو بسمل صاحب کی ذات کا اہم حصّہ ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ جن سے بسمل صاحب کی شخصیت کے گہرے تاثرات اُبھر کر سامنے آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ذات میں انسانیت اور شرافت کی ساری خصوصیات سمٹ کر آ گئی ہیں۔

"جن لوگوں کے ساتھ انھیں خاص تعلق ہے اُن کی تربیت کو وہ ہر وقت پیشِ نظر رکھتے ہیں۔..... اُنھیں، جو کچھ بھی معلوم ہے (وہیں اندازہ نہیں کر سکتا کہ اُنھیں کتنا معلوم ہے) اُسے بے دریغ احباب میں تقسیم کرتے رہتے ہیں" (مہر و محبت تمام، ڈاکٹر اسلم پرویز)

"بسمل صاحب بزرگ ہیں لیکن چھوٹوں سے بھی ہم عمروں کی طرح گھل مل جاتے ہیں۔ اگر آپ ان کے سامنے بہت مؤدب بنے بیٹھے ہیں۔ احتراماً خاموش ہیں نہ گفتگو میں حصّہ لے رہے ہیں نہ کسی بات پر اپنا ردِ عمل ظاہر کر رہے ہیں تو وہ آپ کو مخاطب کر کے اچانک کوئی بات ایسی کہیں گے کہ آپ کا یہ خود ساختہ حصار ٹوٹ جائے گا اور آپ اس فضا کا حصّہ بن جائیں گے جس میں بسمل صاحب آپ کے سامنے بے تکلفانہ گفتگو کر رہے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان کی اس بے تکلفی میں بھی تکلف کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں جنھیں وہ ملحوظ رکھتے ہیں۔ حفظِ مراتب کا جیسا پاس بسمل صاحب کو ہے میں نے بہت کم لوگوں میں دیکھا ہے۔" (بسمل صاحب ۔ پریم گوپال)

"بسمل صاحب نے جن لوگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں اور جن کی گود میں پرورش پائی ہے وہ سرفروش تھے مصلحتِ وقت آگے سپر ڈالنے والے نہیں تھے وہ ایک مقصدِ حیات رکھتے تھے اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے انھوں نے زندگی بسر کی تھی۔ انسان اپنے ماحول کے اثرات قبول کرتا ہے اپنے ماحول کے اثرات اور روایات کی بنا پر بسمل صاحب ہرگز وہ راہ نہیں اپنا سکتے تھے جو خوشامدی درباریوں کے لئے لازمی تھی۔ انھوں نے نوابوں کی صحبت میں ضرور وقت گذارا ہے مگر ان کی ادبی مجلس کے حاشیہ نشین نہیں شمعِ محفل رہے ہیں" (کچھ یادیں کچھ باتیں ۔ سیّد فضل المتین)

"اپنے زمانے کی بہت سی مشہور شخصیتوں سے بسمل صاحب کے قریبی تعلقات رہے ہیں اور ان سب نے ان کے کمالِ فن کا اعتراف بھی کیا ہے میں نے ان کے پاس سر عبدالقادر مرحوم، حفیظ جالندھری، جوش ملیح آبادی، جگر مرادآبادی، نیاز فتحپوری، ڈاکٹر تاثیر، پطرس بخاری، ملک عبدالمجید سالک، ماہر القادری اور بہت سے حضرات کے ایسے طویل طویل خطوط دیکھے ہیں جن میں ان کے شاعرانہ مرتبے کا کھلے دل سے اعتراف کیا گیا ہے اس طرح کے خطوط آجکل کے کسی اور شاعر کے پاس ہوتے تو وہ انھیں ضرور اپنے پروگنڈے کا وسیلہ بناتا۔ لیکن بسمل صاحب کا مزاج مختلف ہے انھوں نے انھیں نج کے خطوط سمجھا اور کبھی عام نہیں کیا۔" (بڑا جی محمود سعیدی)

"بسمل صاحب کے طفیل بہت سے متبدی آج کل کے مشہور شاعر بنے ہوئے ہیں۔ لیکن حقِ خدمت ادا کرنا تو کجا یہ تک ماننے کو تیار نہیں کہ وہ کبھی بسمل صاحب سے اپنے کلام پر مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔ کلام کے مجموعے اور دیوان چھپ گئے لیکن بسمل صاحب کے لئے شکریئے تک کا لفظ اس میں شامل نہیں۔" (سیّد کلیم، میاں بسمل ۔ ساحر ہوشیارپوری)

بسمل صاحب کی شخصیت کے ان تمام پہلوؤں کی عظمت کا مطالعہ کئے بغیر ان کی شاعرانہ برتری کو سمجھنا ممکن نہیں۔ تحریکیت کے اس نمبر میں اُن کی شخصیت کو اُبھار کر ان کے شاعرانہ نظریات و احساسات جن پر انہوں نے اظہارِ خیال کیا ہے اس کی صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس سلسلے میں ڈاکٹر یوسف حسن خاں، رشید حسن خاں، ڈاکٹر نور الحسن انصاری، پروفیسر کرامت علی کرامت، ڈاکٹر عنوان چشتی، بنواری لال اور ڈاکٹر مظفر حنفی کے مضامین نے ان کی شاعرانہ بسط و وسعت اور نظریات و احساسات کے تمام پہلوؤں کو مدلل طور پر ابھارا ہے۔ بالخصوص ڈاکٹر مظفر حنفی نے کلامِ بسمل میں مضمر طنز کے ان نشتروں کو جو زمانے کے ناروا سلوک، اپنوں کی بیگانگی اور حالات کی سختی کی دین ہیں ابھار کر بسمل صاحب کی شاعری کے ایک اہم اور منفرد پہلو پر بھی بڑی کامیابی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

تقریباً ۴۰ صفحات پر مشتمل بسمل صاحب کی غزلوں نظموں اور رباعیات کا بڑا پاکیزہ اور معیاری انتخاب بھی اس نمبر میں شامل ہے اسی کے ساتھ "نذرانۂ خلوص" کے عنوان سے ۱۰ معتبر شعراء نے منظوم نذرانۂ عقیدت پیش کر کے بسمل صاحب کی عظمت کا اعتراف کیا ہے چند شعراء نے ان کی منتخب غزلوں پر تضمین بھی کی ہے "پرتوِ احساس" کے تحت بسمل صاحب کے ۲ مصرعوں پر بارہ شعراء نے غزلیں کہہ کر اپنی مشق و ریاضت کے ثبوت بہم پہنچائے ہیں۔

۲۲۴ صفحات پر مشتمل یہ نمبر جو کتابت طباعت اور سرورق کے لحاظ سے بھی انتہائی مناسب ہے پانچ روپیہ کے عوض مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (عزیز اندوری)

جلتے بجھتے چراغ

جلیس سہسوانی کا نام بحیثیت ناول نگار نگاہوں سے گزرتا رہتا ہے ان کے بعض ناول مقبول بھی ہوئے ہیں۔ جلتے بجھتے چراغ ان کا تازہ ناول ہے۔ جس کا پلاٹ ان رومانی روایتوں پر مبنی ہے جو بیشتر ناولوں کی شاندار روایتیں رہی ہیں۔ لیکن جلیس نے اپنے اس ناول کو رومانیت سے نزدیک رکھنے کے باوجود فرزی اور فیروز کے کرداروں میں نفسیاتی کشمکش کو کسی حد تک نئے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرد کا کردار متاثر کرتا ہے۔ لیکن پتہ نہیں کس لئے فیروز اس کے فن کا قائل ہونے اور اپنی خواہش کے باوجود اسے اپنانے میں ناکام رہتا ہے فرزی دُکھ درد کی علامت بن کر ضرور اُبھرتی ہے مگر فیروز کے نزدیک اُسے جو سکون ملتا ہے وہ اس کے لئے سرمایۂ حیات بھی بن جاتا ہے۔

جمال اور نجمہ کے رومانی کرداروں کے درمیان سے اُبھرنے والا معصوم کا کردار شیطانیت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کے کردار کو اور بھی شدت کے ساتھ پیش کیا جا سکتا تھا۔ البتہ شبنم کا کردار جہاں جہاں سامنے آتا ہے اپنی شوخی اور حاضر جوابی کی وجہ سے کافی حد تک متاثر کرتا ہے۔ اس کے اور اقبال کے رومان کو زیادہ واضح انداز میں پیش کیا جاتا تو شوخی کے اور بھی رنگ بکھر سکتے تھے۔

ناول میں صفحہ ۴۶ پر میر کے مطلع کو شعر کہہ کر درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح کہیں کہیں کتابت کی بھی غلطیاں اُبھرتی ہیں جیسے دھکیل کو دکھیل اور فرزی کو فرحی لکھا گیا ہے۔

مجموعی طور پر جلتے بجھتے چراغ میں نفسیاتی اور رومانی کشمکش کی بہتر عکاسی کی گئی ہے۔

۱۴۳ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۵ روپیہ ۵۰ پیسے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ (عزیز اندوری)

آج کی رات

نازک الہ آبادی

عشق پر حسن ہے مائل یہ کرم آج کی رات
اے فلک تو کوئی ڈھائے نہ ستم آج کی رات

چاندنی رات میں دو دل ہوئے یکجا ہیں مگر
ڈر ہے کھل جائے نہ الفت کا بھرم آج کی رات

چاند تاروں کی بھری بزم شہادت دیگی
ہو گئے جو دونوں طرف قول و قسم آج کی رات

دیدۂ دل میں ہے زاہد کے تجلی روشن
دیکھ کر وصل کی شب ٹوٹے صنم آج کی رات

پیار ہی میں عبادت ہے بشر نے سمجھا
تکتے حسرت سے ہیں حرم و دیر آج کی رات

عیشِ فردوس میں ہے غرق شبستانِ وفا
بن گئی وجد میں ہے رشکِ ارم آج کی رات

یوں تو عشق میں جھکتا تھا سر تسلیم مگر
کیا ہوا رک گئی کیوں تیغِ دو دم آج کی رات

زندگی ایک ہتھیلی پہ ہے ساغر لبریز
پاؤں پہ اُس کے دو عالم ہوئے خم آج کی رات

چار آنکھوں کے تصادم کے تصدق نازک
ہاتھ ملتے ہیں کہیں دیر و حرم آج کی رات

نایاب اور مشہور اُردو کتابیں منگائیے

کلیات اقبال کا صدی ایڈیشن (آفسٹ)		۴۰/-
اقبال ۔ شاعر اور فلسفی	سید وقار عظیم	۱۴/-
بانگِ درا (فوٹو آفسٹ)	اقبال	۱۰/-
ضربِ کلیم	"	۷/۵۰
بالِ جبریل	"	۷/۵۰
ارمغانِ حجاز	"	۴/۵۰
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/-
اُردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۳۰/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطرافِ غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/-
غزل اور مطالعہ غزل	عبادت بریلوی	۲۰/-
جدید شاعری	"	۲۵/-
ارمغانِ علی گڑھ	خلیق احمد نظامی	۲۰/-
اُردو مثنوی کا ارتقاء	عبد القادر سروری	۶/-
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
اُردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعہ سر سید احمد خاں	عبد الحق	۵/-
اُردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستہ مضامین انشا پردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۹۵
نمائندہ مختصر افسانے	ڈاکٹر طاہر فاروقی	۲/۷۵
تنقید سرمایہ	عبد الشکور	۲/۵۰
اُردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/-
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۲/-
فیروز اللغات جیبی ایڈیشن		۶/۵۰
انتخاب مضامین سر سید	آلِ احمد سرور	۳/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری	وحید قریشی	۴/۵۰
شرح جاوید نامہ (جلد اول)	محمد سلیم چشتی	۹۰/-
" " (جلد دوم)	"	۴۰/-
ضبط شدہ نظمیں	مرتبہ علی جواد زیدی	۲۱/-
تنقید سے تحقیق تک	عنوان چشتی	۱۵/-
اقبال کے خطوط	ڈاکٹر منظر عباس نقوی	۱۸/-
پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	ڈاکٹر شمیم نکہت	۱۸/-
مقدمہ تاریخ زبان اُردو	ڈاکٹر مسعود حسن	۱۰/-
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۱۰/-
ادب اور زندگی	اظہر پرویز	۶/-
اُردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	۷/۵۰
یادوں کے سائے	ممتاز میرزا	۲۰/-
مترجم مثنوی مولانائے روم	قاضی سجاد حسین	۲۰/-
مترجم دیوان حافظ	"	۲۰/-
ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	۲۰/-
جذباتِ مشرق	"	۱۵/-
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
فرہنگ آصفیہ چار حصے مکمل		۱۵۰/-
انگلش اُردو ڈکشنری	مولوی عبد الحق	۵۰/-
اُردو انگلش ڈکشنری	"	۴۰/-
ابتدائی علم عروض	سبحان انجم کھام گانوی	۱/-
گلشن کا ہندوستانی مسلمان نمبر		۲۰/-
اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعرا کا حصہ	سرلا استوا	۱۵/-
شرح دیوان غالب	بیخود موہانی	۱۵/-
برقِ تبسم	تبسم ملی پوری	۱۰/-
سحر نغمہ	ساحر ہوشیار پوری	۱۰/-
نقد و نظر	مختار احمد مانی	۵/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/-
مغربی ادب کے معمار	اے۔ محمد ابراہیم	۱۲/-
آئینہ	حیرت بدایونی	۱۵/-
اوراقِ زندگی	بسمل سعیدی ٹونکی	۱۵/-

دفتر شانِ ہند۔ فلیٹ ۶ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۲۔ ۱۱۰۰۰۲



Bridal

Special Occasions



Orchestra ... Cabaret

... Ball



February—1976



Re. 1-00

Editor :
SARWAR-TAUNSVI

Muquareub Hussain 'Muquareub'

سالِ اجراء ۱۹۳۸ء | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۷۰ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر N.6 ...

فون نمبر ۲۷۸۸۸۰



ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی | قیمت سالانہ دس روپے | قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۷ | فروری سنہ ۱۹۷۶ء | شمارہ ۲

فہرس

بہ اہتمام ودیا پرکاش سرور ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر لاہور پریس جامع مسجد اردو بازار دہلی ۶ میں چھپا اور دفتر شانِ ہند فلیٹ ۵ انصاری مارکیٹ دریا گنج نیو دہلی ۲-۱۱۰۰۰ سے شائع ہوا۔

سرورق ایم۔ ایس۔ پرنٹرز دریا گنج نیو دہلی میں چھپا۔

ہرچرن چاولہ

ہرچرن چاولہ میانوالی مغربی پاکستان میں پیدا ہوئے۔ ایف اے تک اُدھر ہی تعلیم پائی۔ بعد میں بی۔ اے چنڈی گڑھ یونیورسٹی سے کیا۔ موزوں قد لیکن ادبی قد تیزی سے بڑھ رہا ہے جسم نہ فربہ نہ دُبلا گندمی رنگ تراشیدہ چہرہ۔ آنکھیں ہیں جو ہر دم مسکراتی رہتی ہیں۔ غضب ہے کہ یہ شخص ریلوے کی پیداوار معلوم نہیں ہوتا۔ شاید ابتدائی فلمی زندگی کی سحرزدہ پرچھائیاں ابھی تک اس سے چمٹی ہوئی ہیں۔ گھر میں اسکے اپنے کمرے کا سارا ماحول ادبی معلوم ہوتا ہے لیکن اسکی اپنی ذات سے ادیب کا کوئی سُراغ نہیں ملتا۔ دیواروں پر مصوّری کے اعلیٰ نمونے، میز پر...... ترتیب سے رکھے قلم، صد درجہ کا نفاست پسند طبیعت میں آوارہ مزاجی لیکن ہر چیز کو قرینے سے رکھنے کا قائل۔ نہ جانے کیسا گھٹیا ادیب ہے! اگر یہ تمام باتیں کسی ادبی انجمن تک پہنچ جائیں تو اسکی ممبرشپ فوراً ختم ہو سکتی ہے صد درجہ کا مخلص یار کے پسینے پر خون بہا دینے والا جبکہ قبر تشیر اور مغربی پنجاب کے ایسے روحانی کردار اب صرف کتابوں میں ہی ملتے ہیں۔ پچھلے چار سال سے پیہم چھپ رہا ہے اور بہت سے ... میں بیس اور ہیں کی سیر کر سکتا ہے اب تک ایک ناول دو منسۃ اور ایک جمع شدہ کہانیوں کا مجموعہ "گھروندے" ہیں چھپ چکا ہے۔

ستیش بترہ

عکس آئینے کے

ہرچرن چاولہ کے افسانوں کا مجموعہ عنقریب شائع ہو رہا ہے قیمت ۱۵ روپے

ملنے کا پتہ

دفتر شانِ ہند۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲

اپنے اسٹیشن کو صاف

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گردوپیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے۔ ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں تو پھر ان جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جسے ہم سب استعمال کرتے ہیں؟ ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبوں اور درحقیقت ان تمام جگہوں کو جہاں ایک بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گردوپیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

ریلوے میں ہم نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلے میں ریلوے کی مدد کرسکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں ہے؟ اس طرح اسٹیشن اور منسلکہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھیے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے ادھر ادھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے۔ آپ کا یہ معمولی کام ہمیں آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے اسے صاف شفاف رکھیے

ناردرن ریلوے

افکار و واقعات

(دبستانِ علالت سے)

اُردو املا

حکومتِ ہند کی وزارت تعلیم کے ترقی اردو بورڈ نے رشید حسن خاں کی تصنیف "اردو املا" پر ملک کا جو روپیہ ضائع کیا ہے اُس کی ذمہ دار حضرات سے باز پرس ہونی ہی چاہیئے۔ کیونکہ اگر اس کتاب کے مطابق اردو املا کو رائج کیا جائے تو اُردو زبان اپنا اصلی اور دلکش رنگ روپ ہی کھو بیٹھے گی۔

یہ کتاب ہزار ہا اغلاط کا پشتارہ ہے۔ ان اردو دشمن غلطیوں اور حماقتوں کو یکجا کرنے کیلئے اُردو بورڈ نے رشید حسن خاں کو لگ بھگ بارہ ہزار روپیہ معاوضہ دیا ہے۔ انشاء اللہ شانِ ہند کی آئندہ اشاعت سے اس کتاب کی غلطیوں سے متعلق مفصل مضمون شائع ہونا شروع ہو جائیگا۔

اس کے علاوہ ہم چاہتے ہیں کہ وزیر تعلیم جناب نور الحسن صاحب ملک کے تین مشہور اردو زبان کے مستند ادیبوں کی ایک ایسی کمیٹی مقرر فرمائیں جو اُردو املا کے بھرپور مطالعہ کے بعد فیصلہ دے کہ یہ کتاب اُردو کی بقا و حیات کے لئے مفید ہے یا سمِ قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اگر یہ کمیٹی اس کتاب کو اُردو زبان کے لئے نقصان دہ قرار دے تو اُس کی فروختگی فوری طور پر ممنوع قرار دینے کے علاوہ اُردو بورڈ کے اُن ذمہ دار لوگوں سے باز پُرس کیجائے جنکو ملی بھگت سے اس کتاب پر ملک کا روپیہ برباد کیا گیا۔

اُردو ناخواندہ مصنف کو اُردو تصنیف پر انعام

تعلیم و سماجی بہبود کی وزارت نے اٹھارویں قومی مقابلے کے تحت ۱۳ ہندوستانی زبانوں میں نوخواندہ افراد کے لئے ۵۲ مسودوں کو انعام دینے کے لئے منتخب کیا ہے جن میں چار مسودے اُردو تصانیف کے ہیں۔

تعلیم و سماجی بہبود کی وزارت کو داد دیجئے کہ اُس نے اُردو کے جن چار مصنفوں کو انعام دینے کا اعلان کیا ہے کہا جاتا ہے کہ اُن میں ایک مصنف ایسے ہیں جو خود اُردو نہیں جانتے۔ یعنی ایک اُردو ناخواندہ کو اُردو نوخواندہ افراد کیلئے کتاب لکھنے پر انعام سے نوازا گیا ہے۔

اگر یہ سچ ہے تو وزارت تعلیم و سماجی بہبود کو چاہیئے کہ وہ عالیجناب صدر جمہوریہ ہند سے اس مصنف کو کوئی قومی اعزاز دینے کی سفارش کرے اور اُردو کی اس خوش نصیبی پہ کہ ایک اُردو ناخواندہ اُردو کا انعام یافتہ مصنف قرار دیا گیا ہے جس قدر بھی ناز کیا جائے کم ہے۔ خدا کرے کہ یہ خبر کسی دشمنِ اردو نے نہ اڑائی ہو۔

ہوش کی موت کا سبب شراب نوشی اور درد کی غیر ذمہ داری

پچھلے دنوں اُردو کے بزرگ شاعر گوپال کمار ہوش دہلی سے اپنے گھر بہادر گڑھ سکوٹر پر جاتے ہوئے راستے میں کسی ایسے حادثے کا شکار ہو گئے کہ جس کا کوئی سُراغ ہی نہ مل سکا۔

ہوش صاحب کی لاش ناقابلِ شناخت تھی کیونکہ اُن کی نعش پر نہ معلوم کتنے ٹرک گذر چکے تھے اور ان کا مُردہ جسم چیتھڑوں کی شکل میں تمام نصف فرلانگ تک پھیلا ہوا زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

آج اپنے دوستوں کی صورتیں پہچان لو
یہ کسے معلوم کل کو کون کیا ہو جائیگا

لاش کے چیتھڑوں میں سے ہاتھ کی ایک اُنگلی میں پڑی سونے کی انگوٹھی جس پر ہوش صاحب کا نام کندہ تھا سے پتہ چلا کہ یہ حضرت ہوش ہیں۔

آر۔کے پورم کی ایک ادبی محفل میں جناب حیات ہانز نے بتایا کہ جناب ہوش اُس روز شام کو جگدیش مہتہ درد ایڈیٹر "حقیقت بیانی" کے جنم دن تقریب میں شمولیت کے لئے درد صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔ اور جب مدعوئین چائے پارٹی سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلنے لگے تو میزبان نے اپنے کچھ دوستوں کو شراب نوشی کے لئے روک لیا۔ ان احباب میں ہوش بھی شامل تھے اور اس محفلِ خاص میں ہوش صاحب بیہوشی کی حد تک پی گئے۔

صاحب خانہ درد صاحب کا فرض تھا کہ وہ ہوش صاحب کو ایسے عالم میں آدھی رات گئے دہلی سے اٹھارہ میل دور بہادر گڑھ سکوٹر پر نہ جانے دیتے اور انھیں جبراً روکا جا سکتا تھا۔ مگر نہ معلوم کن وجوہات کے باعث صاحب خانہ نے ہوش ایسے دوست کو ایسے بے وقت اور حالتِ غیر میں جانے کی اجازت دیدی۔ درد صاحب کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ ہوش صاحب

میں آ گئے ہی پی کر تھے۔ جناب امرناتھ شرما سرشار کا بیان ہے کہ وہ جوش صاحب کے بالکل قریب بیٹھے تھے اور وہ سو فیصدی ہوش میں تھے اور قطعاً پئے ہوئے نہیں تھے۔

کیا جناب جگدیش مہتہ درد ایڈیٹر "حقیقت بیانی" اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھائیں گے کہ انھوں نے جوش کو ایسے عالم میں اپنے گھر سے جانے کیوں دیا۔

ماہنامہ "بیسویں صدی" فحاشی کی راہ پر

حضرت خوشتر گرامی نے ماہنامہ "بیسویں صدی" کو ہمیشہ فحاشی بداخلاقی اور سوقیانہ قسم کے مضامین سے پاک رکھا مگر "بیسویں صدی" فروخت ہونے کے بعد نئے انتظام میں آتے ہی وہ تمام شرافت و انسانیت کی قدریں ختم ہوتی نظر آ رہی ہیں جن کو خوشتر صاحب نے اپنی جان سے بھی عزیز رکھا تھا۔ جس رسالہ میں کبھی بوسے تک کا ذکر نہیں کرنے دیا جاتا تھا۔ وہاں اب "بیسویں صدی" کی اپنی طبی کمپنی ریڈیم دواخانہ کی ایک دوا "ریڈیم ٹانک پلز" کے اشتہار میں جس فحاشی کا سہارا لیا گیا ہے وہ ڈرگ کنٹرول آرڈر کے بھی خلاف ہے۔ اور وہ ماہنامہ جو شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کے پڑھے جانے کے قابل سمجھا جاتا تھا اب بازاری قسم کے فحش رسائل کی صف میں آ رہا ہے۔

اُردو کے لئے یہ کس قدر ٹریجڈی کا ہے کہ اچھا بھلا ادبی رسالہ محض خود غرضی اور جلبِ زر کے لئے طوائفانہ راہ پر لے آیا گیا ہے۔

کمال امروہوی بنام "رُوبی"

فلمی دُنیا کے مشہور پروڈیوسر جناب کمال امروہوی نے ازالہ حیثیتِ عرفی کا فوجداری مقدمہ ماہنامہ "رُوبی" کے خلاف بمبئی میں دائر کیا۔ اور جب مالکانِ "رُوبی" کو کوئی راستہ سزا سے بچنے کا نظر نہ آیا تو انھوں نے کمال امروہوی سے معافی مانگی اور عدالت میں مالکانِ رُوبی کے تحریری معافی نامہ کو کمال صاحب نے منظور کرتے ہوئے مقدمہ ختم کر دیا۔

اس تحریری معافی نامہ میں ایک مدیہ بھی ہے کہ ماہنامہ "رُوبی" میں مسلسل دو تین ماہ تک شروع کے دس صفحات کے اندر اندر یہ معافی نامہ شائع ہوتا رہے گا۔ مگر مالکان رُوبی نے اپنے معافی نامہ کو اپنے ماہنامہ "رُوبی" میں شائع نہ کرکے اس شرط کی خلاف ورزی کی۔

اوّل تو کسی ایڈیٹر کا اپنی ہی تحریر پر مقدمہ دائر ہونے پر معافی مانگنا انتہائی ذلالت اور صحافت کے معزز پیشے کو بدنام کرنے کے مترادف ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے یہ جھک ماری جا ہی چکی ہے تو پھر یہ اور کمینگی ہے کہ معافی نامہ کی شرائط پر عمل نہ کیا جائے۔

ماہنامہ "شمع" میں اس معافی نامہ کا ضمناً ذکر آیا ہے۔ مگر مالکانِ "شمع" نے یہ نہیں لکھا کہ کمال صاحب سے معافی کس رسالے کے ایڈیٹر نے مانگی ہے۔ مگر کچھ لوگوں کو اس واقعے کا علم تھا تو ذکر آنے پر مالکانِ رُوبی نے اپنی صفائی میں یہ پروپیگنڈہ کیا کہ کوئی تحریری معافی نامہ ہے ہی نہیں تو اس شرط کا وجود کہاں سے آ گیا۔ لہٰذا "شانِ ہند" میں بہت جلد (بمبئی کی عدالت سے معافی نامہ کی مصدقہ نقل موصول ہونے پر) اس معافی نامہ کی تفصیل شائع کی جائے گی۔

ہم ذاتی طور پر کسی ایڈیٹر کا معافی مانگنا ساری صحافت کے لئے افسوسناک سمجھتے ہیں اور اگر یہ معافی واقعی اپنے کردار اور خودداری کی دھجیوں کو سنوارنے کے لئے مانگی گئی ہو تو پھر فراخدلی سے معافی نامہ کی شرائط پر عمل کرنا چاہیئے۔

غزل

جناب اشک سنبھلی

رہِ حیات میں تنہا نہ ایک گام چلے
ہمارے ساتھ حوادث کے اژدحام چلے

تو کیا کسی نے شہنشاہ کر لیا تسلیم
پہن کے تاج اگر وقت کے غلام چلے

جنھوں نے بادہ کشی میں لُطف آنے دیا
تمھاری بزم میں کچھ وہ بھی تشنہ جام چلے

یہ سارے وقت کے طوفان تو گئے پیچھے
ہمارے ساتھ کوئی اور تیز گام چلے

تمھارے حُسن کی سرگرمیاں رہیں قائم
کسی کا نام مٹے یا کسی کا نام چلے

یہ آ گئے اشک محبت میں کونسی منزل
کہ پیچھے پیچھے مرے وقت کے امام چلے

ہماری ہر دل عزیز اور متحرک وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ملک کی فعال رہنمائی کے دس سال کامیابی و کامرانی کے ساتھ مکمل کر لئے ہیں۔ یہ بات ہماچل پردیش کے عوام کے لئے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

دس سال کے اس عرصہ میں ہماچل پردیش کے ۳۵ لاکھ پہاڑی عوام کی امنگوں، ارادوں اور حوصلوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انکے پردیش کو ایک شکل دی گئی اور ایک مقام عطا کیا گیا ہے۔ اپنے ارادوں کی اس خوبصورت تکمیل کیلئے ہم سب شریمتی گاندھی کے ہمیشہ مشکور رہیں گے۔ جس گرمجوشی، نگہبانی اور خصوصی توجہ سے شریمتی گاندھی اور اُن کی حکومت نے ہم سب کیلئے اور ہمارے پردیش کی ترقی اور بہبودی کیلئے جو کچھ کیا ہے وہ ایک ناقابلِ فراموش ورثہ ہے۔

ہماچل پردیش کے احسان مند عوام شریمتی گاندھی کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ تا عمر اُن کے اور اُن کے پروگراموں کے تئیں وفادار رہیں گے ہم سب اُن کی پالیسیوں اور پروگراموں کو پوری طرح عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

ہم لوک سمپرک

خوشحالی کیلئے بیس ۲۰ قدم

عوام کیلئے راحت کا زمانہ۔ سماج دشمنوں کے لئے ایمرجنسی۔ وزیر اعظم کا بیس ۲۰ نکاتی پروگرام۔ سماجی انصاف کی ایک پکار ہے۔ دلی میں اس دوران میں ہوئی ترقی ایک معجزہ ہے۔

قیمتوں میں کمی: ● ضروری اشیا کی چیزوں میں گراوٹ ● شاپی تقسیم عامہ کا نظام لاگو ● جمع خوروں اور کالا دھندہ کرنیوالوں کے خلاف ۹۲۷۸ چھاپے ● بڑھتی ہوئی قیمتوں میں روک تھام کیلئے ۱۶۷ پنچایتیں اور ۶۶ حلقہ کمیٹیاں ● شہری اور دیہی کواپریٹیو کے ذریعہ سستا کپڑے فروخت کرنیوالوں کی تعداد ۲۲۵

بے گھروں کے لئے گھر۔ بے زمین لوگوں کے لئے زمین: ● ایک ہی دن میں ۱۴ جولائی کو ۸۶۱ دیہی بے زمین لوگوں کو زمین ● ۸۰۰ لوگوں کو مکان بنانے کے لئے زمین۔ ۸۷۸۶ اور لوگوں کو زمین ● دیہی علاقوں میں مکان کی تعمیر کے لئے ۱۵ لاکھ روپیہ کی مالی امداد ● مکان بنانے کیلئے ۷ ہزار پلاٹوں کی فراہمی ● مزید سات ہزار ایکڑ زمین تقسیم کرنے کی اسکیم۔

کم سے کم اجرت شرح میں اضافہ: ● صنعتوں اور کھیتوں میں لگے آٹھ لاکھ مزدوروں کی اجرت میں ۲۵ سے ۶۰ فی صد تک اضافہ ● ۲۵۰۰ سے زیادہ نوجوان صنعتوں میں سے اپرنٹس لگائے گئے۔

طلبہ کو راحت: ● غریب طلبہ کے لئے مفت درسی کتابیں ● ۱۵ اسکولوں اور کالجوں میں کتابوں کی بینک ● اسکولوں میں پنسل و کاپیاں سستے داموں پر فراہم ● طلبہ ہوسٹلوں میں سستی خوراک ● اسکولوں میں سدھار لانے کا ۱۲ نکاتی زوردار پروگرام۔

پیداوار میں اضافہ: ● ہڑتالوں اور تالابندیوں کا خاتمہ ● پیداوار بڑھی ● ہتھ کرگھا صنعت کے لئے ۱.۵ کروڑ روپے کی ترقی کی اسکیم ● کھیتوں میں انقلاب ● دیہی ترقیاتی کارپوریشن کی اسکیم ● سبزی کی کاشت ۲۸ ہزار ایکڑ سے بڑھ کر ۸۰ ہزار ایکڑ ● گاؤوں میں بینک اور کثیر مقاصد والی امداد باہمی کمیٹیاں ● قرضہ جات سے نجات دلانے کا بندوبست۔

سماج دشمن عناصر کے پاؤں اکھڑ گئے: ● بے ایمان بیوپاریوں کے خلاف ۹۲۰ چھاپے ● خفیہ تجارت پر دس کروڑ سیلز ٹیکس کی وصولی ● ۳۰ ملازمین قبل از وقت ریٹائر۔ کئی افسران معطل و برخاست ● ۱۲ ملازمین کی استعداد اور ایمانداری پر کڑی نظر۔

دلی کی خوبصورتی میں اضافہ: ● دونوں وقت صفائی۔ رات کو صفائی کا بندوبست ● سرکاری زمین سے ناجائز قبضے ہٹائے گئے ● چوڑی اور خوبصورت سڑکیں ● دلی میں ۵ لاکھ نئے پودوں کی شجرکاری۔

قابل فخر کامیابیاں: ● یہ قابل فخر کامیابیاں حاصل کیں آپ نے۔ یعنی دہلی کے عوام نے صرف ۵ مہینے میں۔

● آپ کے ساتھ قدم ملا کر چل رہا ہے دلی انتظامیہ آپ کا انتظامیہ

آیئے پردھان منتری اندرا گاندھی کے اس عظیم پروگرام میں اپنا تعاون اور اشتراک دیں

جاری کردہ: محکمہ اطلاعات و اشاعت۔ دہلی انتظامیہ دہلی

آج کی پکار ——— سودیشی کا بیوہار ——— ودیشی کا بہشکار

جشنِ سحر و کمال مدراس کا آل انڈیا مشاعرہ

عزیز اندوری

مدراس: تامل ناڈو نیشنل لنگویجز اکیڈمی مدراس کا وہ واحد ادارہ ہے جس نے شعر و ادب و زبان کی خدمات کے جذبے کو کسی نہ کسی صورت تیز تر ضرور کیا ہے اور مدراس جیسے مقام پر جنوبی ہند کی لسانی تہذیب کے چند نقوش روشن کر کے لائقِ تحسین اقدام اٹھائے ہیں۔ اس سلسلے میں پنجاب ایسوسی ایشن کی معاونت بھی کم قابلِ ستائش نہیں ہے جس کے پُرخلوص تعاون کی وجہ سے سال میں دو ایک بار اردو کے نام لیوا مدراس میں یک جا ہو کر اس زبان کے زندہ رہنے کے احساس کو ترو تازہ کر دیتے ہیں۔

امسال اکیڈمی اور ایسوسی ایشن کی جانب سے ایک اہم قدم یہ اٹھایا گیا کہ شمال و جنوب کے دو معزز شعرا کا جشن بڑے تزک و احتشام سے منایا گیا۔ یہ قدم یقیناً داد و تحسین کا مستحق ہے۔ لیکن اس سلسلے میں دو دن تک جو پروگرام ہوئے ان میں شاعری کے ساتھ ساتھ ان دونوں فنکاروں کی شخصیت اور فن پر مبسوط اور منضبط انداز میں اگر اہلِ قلم و بیان اظہارِ خیال کرتے تو ان پروگراموں کی توقیر و عظمت میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ ہر چند دونوں دن (یعنی ۱۶ر اور ۱۷ر جنوری) کو مشاعروں میں چند غیر مربوط طریقے سے ان حضرات کی شخصیت اور فن (فن پر کم شخصیت پر زیادہ) مختلف حضرات نے اظہارِ خیال ضرور کیا مگر اس سلسلے کے تاثرات حاضرینِ جلسہ کے ذہنوں پر مرتسم نہیں ہو سکے بلکہ بیشتر حضرات شاعروں کے کلام اور ترنم میں مستغرق رہے۔

بہرحال ۱۶ر جنوری ۷۶ء کی شب میں ۹ بجے جب میں اچیت بھون میں پہنچا تو وہاں ۲½-۳ ہزار افراد کو پہلے سے موجود پایا۔ قریب ۹ بجے تامل ناڈو کے گورنر شری کے۔ کے۔ شاہ تشریف لائے ان کا پُرزور استقبال کیا گیا اور انھیں شعرا سے متعارف کرایا گیا۔ ایسوسی ایشن کے نائب صدر جلیلی جی نے گورنر موصوف کا استقبال کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ایسوسی ایشن کے صدر لفٹیننٹ کرنل جی۔ ایس گِل سے درخواست کی کہ وہ مہمانِ خصوصی کا باقاعدہ استقبال کریں۔ کرنل گِل نے گورنر صاحب کی گُل پوشی کی۔

شاہ صاحب نے کنور مہندر سنگھ بیدی سحر اور کمال مدراسی کی گل پوشی کے بعد انھیں وہ خوبصورت شیلڈز دیں جو انھیں ایسوسی ایشن کی جانب سے ان کی ادبی خدمات کے پیشِ نظر نذر کی گئی ہیں۔ گورنر صاحب نے اپنی مختصر سی تقریر میں ایک بات بڑے پتے کی فرمائی کہ ہندوستان میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں جن کے لفظ لفظ میں کوئی معنویت ضرور ہوتی ہے ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اس معنویت کو گرفت میں لانے کی کوشش کریں اگر ہم ایسا کرنے میں سنجیدگی اختیار کرتے ہیں تو اس زبان اور اس کا ادب و ثقافت ہمیں مسرور و مستفید کرے گی۔ تامل ناڈو کے لوگ دوسری زبانوں کے بارے میں بڑی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم سب کا فرض ہے کہ ان کی دلچسپی کو نہ صرف باقی ہی رکھیں بلکہ انھیں اپنے فنی اور لسانی شعور سے متعارف بھی کرائیں۔

گورنر صاحب کی تقریر کے بعد جلیلی جی نے مائیک پر آکر جناب میکش اکبرآبادی کا نام صدارت کے لیے پیش کیا ہے اور شمسی مینائی صاحب سے درخواست کی ہے کہ وہ ناظمِ مشاعرہ کی حیثیت سے مائیک پر تشریف لائیں۔ ساتھ ہی ساتھ موصوف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ گورنر صاحب چونکہ جلد تشریف لے جانا چاہتے ہیں اس لئے مجوزہ پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کی جا رہی ہے یعنی گورنر صاحب کو ان دو شعرا کا کلام پہلے سنوایا جائے گا جن کا جشن منایا جا رہا ہے۔

لیجیے مائیک پر شمسی مینائی پہنچ چکے ہیں اور بیدی صاحب کا تعارف کراتے ہوئے کہہ رہے ہیں حضرات کنور مہندر سنگھ بیدی کا سحر جہاں ایک قادر الکلام شاعر ہیں وہیں انھوں نے شاعروں اور مشاعروں کی سرپرستی فرما کر کتنے ہی ذہنوں کو آفتاب بنا دیا ہے۔ انھوں نے اردو کا علم نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے ہی میں لہرایا بلکہ اسکاٹ لینڈ لندن تک بھی پہنچایا۔ انھوں نے جس صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی اسے نقطۂ عروج تک پہنچایا۔ مثلاً پنڈت نہرو کی وفات پر انھوں نے جو مرثیہ کہا اسے بے حد

تصور کیا جاسکتا ہے۔ تامل ناڈو کے اہلِ ذوق مبارکباد کے لائق ہیں کہ انھوں نے ہندوستان کے ایک قادر الکلام شاعر اور عظیم استاد کا جشن منایا چونکہ گورنر صاحب کو واپس جانا ہے اور موصوف بیدی صاحب کا کلام سننا چاہتے ہیں اس لئے میں اُن سے استدعا کروں گا کہ وہ مائیک پر تشریف لائیں۔

وہ دیکھئے بیدی صاحب مائیک پر پہنچ چکے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میں پنجاب اسوسیشن کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری عزت افزائی کی میں عزت مآب کے۔کے شاہ سے درخواست کرونگا کہ وہ اکیڈمی اور اسوسیشن کی سرپرستی میں مزید دلچسپی کا اظہار فرمائیں میں خود بھی اس سلسلے میں اپنی ساری خدمات کو ہمیشہ پیش کرتا رہونگا۔ اس کے بعد موصوف نے اپنی نظم "غریبی ہٹاؤ" سنانے سے قبل فرمایا ہے کہ کانگریس جماعت کی طرف سے بہت پہلے کہا گیا تھا کہ ملک سے غریبی کو ہٹایا جائے گا۔ غریبی کس حد تک ہٹی ہے اسے باقی رکھنے میں کون قصوروار ہے اور اسے ہٹانے کی ذمہ داری کس کی ہے جو آپ کو یہ ساری تصاویر میری اس نظم میں واضح طور پر نظر آئیں گی۔ ملاحظہ کیجیے۔

جس مُلک کے لوگوں میں محبت نہ وفا ہو
اے کاش! بتائے کوئی مُلک کا کیا ہو

حب الوطنی کا تو نشان تک نہ رہا ہو
جس مُلک کا ہر شخص بلا سے کھوٹا ہو

ہم صید بھی ہیں آپ ہی آپ ہی صیاد
فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے فریاد

منظور نہیں مجھ کو حکومت کی وکالت
کیونکہ گنہ گار اکیلی ہی حکومت

انصاف کرے آپ ہی جنتا کی عدالت
یا اس میں برابر کی ہماری بھی ہے شرکت

جس روپ سے جس ڈھنگ سے جس طور سے دیکھو
حمام میں ننگے ہیں سبھی غور سے دیکھو

بیدی صاحب کامیاب و کامراں اپنی جگہ پر تشریف لا رہے ہیں۔ گورنر صاحب واپس جانا چاہتے ہیں۔ لیکن بلدیوجی نے ان سے یہ کہہ کر تھوڑی دیر اور ٹھہرنے کی درخواست کی ہے کہ آج کی تقریب جشنِ سحر و کمال کی شکل میں منعقد کی گئی ہے۔ آپ نے سحر صاحب کا کلام ملاحظہ فرمایا کمال صاحب کا کلام بھی سماعت فرمائیے۔

سُنئے رشتی بیانی کمال صاحب کا تعارف کراتے ہوئے تامل ناڈو کے باشندوں کو مبارکباد دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ کمال صاحب نے اردو کا ڈنکا نہ صرف جنوبی ہند میں بلکہ بحیثیت شاعر اور ساتھ وائسر شمالی ہند میں بھی بجایا ہے انھوں نے اکیڈمی کو دوبارہ آغاز کرنے میں جس مستعدی کا ثبوت دیا ہے وہ لائقِ احترام ہے۔

کمال مدراسی مائیک پر آچکے ہیں اور بڑے خلوص و ادب کے ساتھ فرما رہے ہیں خواتین و حضرات میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں آپ نے بھرے مجمع میں مجھے اس قدر نوازا میں ایک ذرّہ ہوں۔ مجھے آپ آفتاب بنا دینا چاہتے ہیں جس کا میں مستحق نہیں ہوں (یہ تو آپ کی انکساری ہے صبا افغانی کہہ رہے ہیں) آخیر میں نے مدراس میں شعر و ادب کی حتی المقدور خدمات انجام دی ہیں اور میں اپنے اُن تمام مخلص احباب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے بلا تفریق مذہب و ملت خدمت شعر و ادب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ ایسے لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ پنجاب اسوسیشن کی نگرانی میں اردو کی ایک بڑی لائبریری قائم کی جائے اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی طے کیا ہے کہ مستقبل قریب میں اردو کی اعلیٰ کلاسوں کا بندوبست کیا جائے اور اردو کے طلباء کو معقول وظائف بھی دیئے جائیں۔ کمال صاحب کے اس اعلان کا تالیوں سے استقبال کیا گیا اور اب سُنئے کمال صاحب غزل سے قبل دو رباعیاں سُنا رہے ہیں۔

بگڑی ہوئی تقدیر بدل سکتا ہوں
شاعر ہوں مرا دین ہے عشق و الفت

وقت آئے تو کانٹوں پہ بھی چل سکتا ہوں
نفرت کو ہر گام کچل دیتا ہوں

آئینہ محبت کا دکھا سکتا ہوں
شاعر ہوں مرے نغموں میں پنہاں ہے حیات

جینے کا سلیقہ بھی دکھا سکتا ہوں
مُردوں کو بھی چاہوں تو جلا سکتا ہوں

شاعرانہ عظمت کی عکاسی کرنے والی ان رُباعیات پر مناسب داد پاکر کمال صاحب نے غزل کا مطلع پڑھا ہے جس پر خاصی داد ملی ہے سُنئے ؎

ستم کیوں ہو جفا کیوں ہو وفا کا امتحاں کیوں ہو
وہ اپنے چاہنے والوں سے آنا بدگماں کیوں ہو

سُنئے کمال مدراسی اپنا اگلا شعر پڑھ رہے ہیں ؎

مُبارک ہوں خرد کو الجھنیں نفع و مضرت کی
ملا ہے جن کو دل ان کو سرِ سُود و زیاں کیوں ہو

اس شعر پر بھی کمال صاحب کو مناسب داد ملی ہے یہ شعر اور سُنئے ؎

مری چشم تماشہ تم کو ہر سُو دیکھ لیتی ہے
تعجب ہے کہ تم پھر چشمِ عالم سے نہاں کیوں ہو

محبت رہ گزر میری محبت ہی مری منزل
مجھے پھر جستجوئے نقش پا کیوں ہو

ان اشعار پر مناسب داد پاکر کمال صاحب مقطع پڑھ رہے ہیں ؎

شناسائے حقیقت آجکل مشکل سے ملتا ہے
کمالؔ دیدہ ور کا سارا عالم قدرداں کیوں ہو

کمال مدراسی کامیابی کے ساتھ واپس تشریف لا رہے ہیں اس وقت سوا دس بج چکے ہیں گورنر صاحب واپس تشریف لیجا رہے ہیں شمسی مینائی مائیک پر دوبارہ آ رہے ہیں۔ آپ شاعری اور مشاعروں کی افادیت پر کافی تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد اپنے مخصوص انداز میں شاعر فتح پوری کو دعوت غزل سرائی دے رہے ہیں ایک دبلے پتلے لیکن انتہائی مہذب شخص مائیک پر آ کر پسندیدہ ترنم میں اپنی غزل کا مطلع پڑھ رہے ہیں۔ سنئے ؎

دیوانے عزم نو کی تکمیل کر رہے ہیں ٭ دشوار راستوں سے ہنس کر گزر رہے ہیں

مطلع پر مناسب داد پاکر شاعر نے ایک اور مطلع پڑھا ہے جس پر مناسب داد ملی ہے۔ سنئے اس شعر پر شاعر کو خاصی اچھی داد مل رہی ہے ؎

کچھ رعب حسن ایسا غالب ہوا ہے دل پر ٭ وہ مائل کرم ہیں ہم پھر بھی ڈر رہے ہیں

ایک اچھا شعر سنئے جس پر شاعر کو انتہائی معقول داد ملی ہے اور دوبارہ پڑھوایا گیا ہے ؎

دور خزاں سے کہہ دو اس سے نہ آئے ٭ سنتے ہیں گلستاں میں غنچے نکھر رہے ہیں

عام سامعین کے پسند کا یہ شعر بھی سن لیجئے۔ جس پر شعراء کی طرف سے کم اور عوام کی طرف سے زیادہ داد ملی ہے ؎

کیا منظر حسین ہے آئینہ روبرو ہے ٭ زلفیں سنور رہی ہیں یا خود سنور رہی ہے

ایک شعر اور پڑھ کر شاعر نے مقطع پڑھا ہے۔ سنئے ؎

کب دیکھیں مسکرائے صبح امید شاعر
منزل پہ شام غم کے سائے ٹھہر رہے ہیں

شاعر کے بارے میں شمسی مینائی نے کہا تھا کہ وہ اپنا کلام ایک ایک کر کے سنائیں گے اور سامعین کو مسرور کریں گے شاعر الفاظ کی تصویر پیش کر کے واپس اپنی جگہ آ گئے ہیں اور اب شمسی مینائی فرما رہے ہیں کہ ایک ایسا شاعر مائیک پر آ رہا ہے جو جدید شاعری میں اپنا مقام بنا رہا ہے جس کا کلام بھی خوب ہے اور پڑھنے کا انداز بھی نرالا ہے۔ شہزادہ گل ریز آ گئے۔ غزل سے پہلے ایک قطعہ پڑھا ہے جس پر داد ملی ہے۔ [illegible]

اپنی غزل کا مطلع سنا رہے ہیں اور داد پا رہے ہیں ؎

بچ کے حالات کے طوفاں سے کدھر جاؤ گے
ہر طرف ایک ہی منظر ہے جدھر جاؤ گے

مطلع پڑھنے کے بعد گل ریز نے پانی مانگا ہے۔ راحت القیصری کہہ رہے ہیں۔ "خوب انور مرزاپوری یاد آ گئے" خیر۔ پانی پینے کے بعد گل ریز نے ایک مناسب شعر پڑھا ہے جس پر مناسب داد ملی ہے۔ سنئے ؎

جب کسی شہ رگ سے لہو پھوٹے گا ٭ سسکیوں کی طرح کمرے میں بکھر جاؤ گے

گل ریز کو مناسب داد مل رہی ہے سنئے آپ کیا کہہ رہے ہیں ؎

بند رکھو نہ دریچے یہ دھواں چھٹنے دو ٭ ورنہ گھٹ گھٹ کے [illegible]

"لیکن بھائی کمرہ جلنے کو کیا ہوگا" بیدی صاحب کے اس جملے پر قہقہہ بلند ہوا ہے اور گل ریز ایک اچھا شعر پڑھ کر داد پا رہے ہیں ؎

[illegible] احساس کے آئینے ہیں ٭ اپنا چہرہ بھی اگر دیکھا تو ڈر جاؤ گے

مقطع پر بھی انھیں اچھی داد ملی ہے ؎

گھر کے دروازے کبھی بند نہ ہوں گے گل ریز
سسکیاں جب بھی پکاریں گی تو گھر جاؤ گے

ایک صاحب کہہ رہے ہیں اس غزل میں گل ریز نے سسکیوں کی ترجمانی بڑی خوبی سے کی ہے۔ گل ریز اپنی جگہ واپس جا چکے ہیں اور اب شمسی مینائی اسی مزاج کے ایک اور شاعر کا تعارف کراتے ہوئے کہہ رہے ہیں اب ایک اور جدید مزاج کے شاعر آپ کے سامنے آ رہے ہیں جنہیں آپ نے اس سے قبل بھی سنا ہے اور پسند کیا ہے جن کے شعروں میں ایک نوجوان دل کی دھڑکنیں شامل ہیں تو آئیے اندور سے آئے شاعر راحت القیصری سے ان کا کلام سنیں۔ راحت نے متفرق اشعار سنانے شروع کئے ہیں جن پر داد ملی ہے۔ چند شعر آپ بھی سنئے ؎

جھیل اچھی ہے، کنول اچھا ہے کہ جام اچھا ہے
تیری آنکھوں کے لئے کون سا نام اچھا ہے

تمہارے نام پر میں نے ہر آفت سر پہ رکھی تھی
نظر شعلوں پہ رکھی تھی، زباں پتھر پہ رکھی تھی
ہمارے خواب تو شہروں کی سڑکوں پہ بھٹکتے تھے
تمہاری یاد تھی جو رات بھر بستر پہ رکھی تھی
میں اپنا عزم لے کر منزلوں کی سمت نکلا تھا
مشقت ہاتھ پہ رکھی تھی قسمت گھر پہ رکھی تھی

راحت کہہ رہے ہیں میں صرف غزل کا شاعر ہوں شہنشاہِ غزل حرت مختار بارہ بنکوی یہاں موجود ہیں جی تو چاہتا ہے کہ غزل ہی پڑھوں لیکن آپ حضرات کو میں ایک مختصر سی نظم بعنوان "شادی کی انیسویں سالگرہ" سنا رہا ہوں جبکہ میں خود کنوارہ ہوں۔ اس پر ایک قہقہہ لگا ہے۔ راحت اس نظم پر کافی داد ملی ہے اور اپنی جگہ پر واپس آگئے ہیں۔

اور اب ایک مقامی شاعر فرید مدراسی کو آواز دی جارہی ہے لیا معلوم ہوتا ہے کہ فرید صاحب کو مائیک سے کچھ ڈر سا لگ رہا ہے اس لئے مائیک سے ہٹ کر وہ اپنا کلام سُنا رہے ہیں کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ سامعین شور مچانے پر آمادہ ہیں جس پر شمسی مینائی کہہ رہے ہیں فرید صاحب مزاحیہ شاعر نہیں ہیں آپ اُن کا کلام سنجیدگی سے سُنئے بغرض فرید صاحب نہ جانے کیا کیا سُنا کر واپس آگئے ہیں۔ اور اب شمسی مینائی فرمارہے ہیں لیجئے محفل میں ترنم و کلام کا نور برسانے آپ کے محبوب شاعر نور اندوری مائیک پر آرہے ہیں لیکن نور ابھی سٹیج پر نہیں ہیں اس لئے شمسی مینائی نے فرمایا ہے حضرات اس مشاعرے میں عورتوں کی (یعنی شاعرات کی) نمائندگی کرنے کے لئے تین شاعرات اسٹیج پر ہیں اور ویسے انٹرنیشنل ویمن سال کو گزرے دادا دن بھی ہوئے ہیں اس لحاظ سے بھی عورت کی اہمیت اور نمائندگی پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے تو لیجئے سب سے پہلے تشریف لا رہی ہیں غزل اناوی صاحبہ۔ غزل صاحبہ نے تندرست و توانا آواز میں اپنی غزل شروع کی ہے۔ مطلع پر خاصی داد ملی ہے ؎

گزری جفا تو لگا مزہ یاد آگیا ؛ اِتنے اُلجھے کہ خدا یاد آگیا

غزل صاحبہ کے استاد اور صدرِ مشاعرہ مختار اکبر آبادی اسٹیج پر اُن کا توجہ کر رہے ہیں کہ غزل کو توجہ سے سُنیں۔ سامعین میں سے چند حضرات اپنی نشستوں سے اٹھ کر باہر جا رہے ہیں جس کی وجہ سے مشاعرے میں کچھ بدنظمی سی ہوگئی ہے۔ کمال مدراسی ان حضرات سے کہہ رہے ہیں کہ وہ فضا موتی سے باہر تشریف لے جائیں۔ سُنئے غزل ایک اچھا شعر سُنا رہی ہیں ؎

چھپنے کی رات اشک بہانا پڑا ہمیں ؛ کیا سوچنے کا وقت تھا کیا یاد آگیا

اس شعر پر خاصی داد ملی ہے انھوں نے دو اور مناسب اشعار پڑھے ہیں اور اس شعر پر خاصی داد پائی ہے ؎

دیکھا جو میرا حال تو آنسو نکل پڑے ؛ کیا تم کو اپنا عہدِ وفا یاد آگیا

یہ شعر دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔ ایک شعر اور سُنئے جس پر مناسب داد ملی ہے اور پسند کیا گیا ہے ؎

کس کی گلی میں آکے یہ خط پوچھتا ہے راہ ؛ شاید انھی کو میرا پتا یاد آگیا

سُنئے غزل مقطع پڑھ رہی ہیں ؎

تم ہی نہیں ہو صرف طلبگارِ غزل
اِک اور بھی تھا جانے کیا یاد آگیا

نور اندوری مجھ کر واپس آچکے ہیں اس لئے انھیں دعوتِ غزل سرائی دی جارہی ہے سُنئے نور کہہ رہے ہیں جشنِ کمال کے سلسلے میں پہلے چار مصرعے پیش کر رہا ہوں ؎

تمہارے شہر کی عظمت پہ میں قرباں
جہاں جنوب کا سنگم ہوا شمال کے ساتھ
ستارے ٹوٹ کے دھرتی پہ رقص کرتے ہیں
سحر کا جشن ہوا ہے بڑے کمال کے ساتھ

اس قطعہ کو سُن کر کمال مدراسی نے اپنی اور سحر صاحب کی جانب سے نور کا شکریہ ادا کیا ہے۔ نور اندوری نے انتہائی بلند اور خوبصورت آواز میں غزل کا مطلع پڑھا ہے سُنئے ؎

مرے سر سے جو نالے نکل جائیں گے ؛ کوہ بھی موم بن کر پگھل جائیں گے

نور مشاعروں میں گرمی پیدا کر دیتے ہیں اور خاصی داد حاصل کرتے ہیں۔ اس مشاعرے میں بھی انھیں مطلع ہی سے داد ملنی شروع ہوگئی ہے سُنئے نور پڑھ رہے ہیں ؎

اُٹھ گئے راہِ غم میں جو اپنے قدم	منزلوں نے بھی آگے نکل جائیں گے
برف کی طرح نیلا بدن ہے مگر	تجھ کو چھوکر یہ ہاتھ جل جائیں گے
لغزشوں پر ہماری نہ تنقید کر	گرتے گرتے بھی ہم تو سنبھل جائیں گے

کنور صاحب فرما رہے ہیں خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آپ گرتے رہیں اور سنبھلتے رہیں۔ مقطع سے قبل نور نے ایک شعر اور پڑھا ہے سُنئے ؎

کوئے قاتل میں شوقِ شہادت لئے ؛ سر کٹانے بھی ہم سر کے بل جائیں گے

اور سُنئے نور مقطع سُنا رہے ہیں ؎

جگمگا نے لگے گی وہاں کی فضا ؛ نور جس جا سنانے غزل جائیں گے

نور واپس جانا چاہتے ہیں لیکن عوام کے پیہم اصرار پر واپس مائیک پر آئے ہیں بیدی صاحب فرما رہے ہیں مگر اک غزل اور سہی۔ اور سہی۔ اور سہی۔ قید ہماری پسند کی غزل تم جانتے ہی ہو۔

"جی بہت بہتر" نور نے بیدی صاحب کی پسندیدہ غزل کا مقطع پڑھا ہے ؎

دار پر جو گئے ہیں وہ منصور ہیں ؛ ورنہ قصے تو کتنے ہی مشہور ہیں

تک کو مطلع سے مقطع تک کافی داد ملی ہے چند شعر ملاحظہ کیجئے ؎

ایسے گل جن میں تفریق کا رنگ ہو ÷ وہ گلستاں کے سینے پہ ناسور ہیں
تیری محفل میں غیروں کا کیا تذکرہ ÷ روشنی سے اندھیرے بہت دور ہیں
ہم ہوا ان کشاں ہیں کوئی آہ ہے ÷ آپ ایسا نہ سمجھیں کہ مغرور ہیں

نور محفل کو گرما کر واپس آگئے ہیں اور اب ناظم انصاری (ناگپوری) اپنی کی سنجیدگی کے پیچھے طنز و ظرافت کا خزانہ لئے مائیک پر پہنچ چکے ہیں۔ بیدی صاحب فرما رہے ہیں "ناظم صاحب پہلے ہماری پسند کے وہ دو شعر بھی ہو جائیں" تم سنئے بیدی صاحب کے پسندیدہ اشعار ؎

دیوانہ اس نے کر دیا اک بار دیکھ کر ÷ ہم کچھ بھی کر سکے نہ لگاتار دیکھ کر
شی کے بال و بال مجھے یاد آ گئے ÷ بیگم تمہاری تو گزری شلوار دیکھ کر

ناظم انصاری نے دو اشعار اور سنائے ہیں مطلع میں انگریزی کے الفاظ کا بر محل استعمال دیکھئے ؎

سن وہ مجنوں اور وہ تارے چلے گئے ÷ تم کیا گئے کہ آل تنقارے چلے گئے
بیتے دنوں خرید کے مرغ جی کبھی ÷ لیکن فری ملی تو اتارے چلے گئے

ایک قطعہ اور پڑھا ہے جس پر چاروں طرف سے قہقہوں اور تالیوں کی شکل میں داد ملی ہے ؎

عشق تو ہوں ضرور مگر سر پھرا نہیں ÷ میں روز کوئے یار میں جھک مارتا نہیں
دے رہا ہے فوٹو مجھے کس کا جلا ہوا ÷ دیوانہ ہوں میں تیرا ترے باپ کا نہیں

ناظم انصاری کے پڑھنے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اشعار پڑھتے وقت ذرا سے غیر سنجیدہ نہیں ہوتے۔ سامعین کو ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ کر دیتے ہیں لیکن خود کے ہونٹوں پر تبسم کی ہلکی سی لکیر بھی نہیں ابھرتی سنئے پسندیدہ ترنم سے مطلع پڑھ رہے ہیں ؎

بیگم کی خواہشات ارے باپ کیا کروں ÷ مانگے ہے کائنات ارے باپ کیا کروں

دو اشعار اور سنئے جن پر خاصی داد ملی ہے ؎

مانگی تھی میں نے جینے کی ان کے لئے قسم ÷ وہ کر گئے وفات ارے باپ کیا کروں
بیٹھی کہ ہوئی کبھی نہیں تھی ایسی کر ÷ ماری کسی نے لات ارے باپ کیا کروں

ناظم واپس جانا چاہتے ہیں لیکن سامعین کے لگاتار اصرار پر انھیں اپنی نظم "چلو کہیں بھاگ چلیں" سنانی پڑی ہے جس پر خاصی داد ملی ہے۔

سنئے شمسی مینائی فرما رہے ہیں اب میں ایک ایسے شاعر کو آواز دے رہا ہوں جس کی غزلوں کے عطر دیوان میں آپ کو جدت ضرور ملے گی جو بڑی اچھی آواز سے غزل پڑھتا ہے اور جو پہلی بار (آخری بار نہیں) آپ کے شہر میں آیا ہے اور وہ ہے انجم جبل پوری۔

دیکھا تو ایک چھریرے جسم کا شاعر مائیک پر موجود ہے جس نے پہلے تحفۃ الشعراء ایک قطعہ سنایا ہے جس پر مناسب داد ملی ہے اور اب انجم جبل پوری بلند اور پسندیدہ ترنم کے ساتھ غزل کا مطلع پڑھ رہے ہیں سنئے ؎

آنے والا تھا کوئی جب گاؤں میں ÷ وقت نے بیڑیاں ڈال دیں پاؤں میں

انجم اپنے اگلے شعر پر سامعین کو متوجہ کر رہے ہیں ؎

جسم جلتا ہوا لب دہکتے ہوئے ÷ آگ ہی آگ ہے زلف کی چھاؤں میں

اور یہ شعر اہل علم کی نذر کر رہے ہیں ؎

مجھ کو یوسف نہ سمجھو میں یوسف نہیں ÷ بھول کر آ گیا ہوں زلیخاؤں میں

اس شعر پر انھیں خاصی داد ملی ہے۔ سنئے انجم ہر شعر پر سامعین کو کسی نہ کسی طرح متوجہ کر رہے ہیں۔ اگلا شعر پڑھنے سے پہلے فرمایا ہے یہ شعر سنئے اس میں آپ کو زندگی کی حقیقت ملے گی۔ سادہ سا شعر ہے ؎

میں مسافر ہوں میرا ٹھکانہ نہیں ÷ صبح اس گاؤں میں شام اس گاؤں میں

اس شعر پر انھیں اچھی داد ملی ہے۔ ان کا آخری شعر بھی سن لیجئے اور توجہ دلانے والا انداز بھی۔ فرما رہے ہیں ایک شعر سنئے جس میں محاکاتی انداز میں میں نے منظر کشی کی ہے۔ میں داد کا طالب نہیں سنجیدہ ہو کر سنئے۔ اس پر ایک آواز آئی ہے "کیا آپ کو ہماری سنجیدگی پر شک ہے" بہر حال انجم کا شعر سنئے ؎

سانپ کی طرح بل کھاتی پگڈنڈیاں ÷ راستہ روک لیتی ہیں بر کھاؤں میں

انجم مناسب داد پا کر اپنی جگہ آ گئے ہیں اور اب شمسی مینائی ایکبار پھر عورتوں کی خاکندگی کے موڈ میں ہیں اور آواز دے رہے ہیں حیدرآباد سے تشریف لائی ہندی کی مشہور شاعرہ پروفیسر ڈاکٹر اندو وشسٹ کو۔ موصوفہ انتہائی مہذب انداز میں مائیک پر تشریف لائی ہیں اور ایک گیت دلکش ترنم کے ساتھ سنایا ہے جسے کافی پسند کیا گیا ہے۔ آپ کے بعد لکھنؤ سے آئے مہمان مضطرب نظامی کا تعارف کراتے ہوئے شمسی مینائی فرماتے ہیں۔ آپ کے اشعار میں دلوں کی دھڑکنیں سنائی دیں گی۔ مضطرب نظامی نے مناسب ترنم سے غزل کا مطلع پڑھا ہے ؎

دامن میں لئے اپنے ارمانوں کا پیام آیا ÷ آنسو کی حقیقت کیا لیکن بڑے کام آیا

مطلع پر مناسب داد پا کر ارشاد ہوا ہے ؎

کیا ترک محبت بھی اک ربط محبت ہے ÷ پھر دل ناداں دھڑکا جب آپ کا نام آیا

اس شعر پر بھی مضطرب نظامی کو خاصی داد ملی ہے۔ سنئے آپ فرما رہے ہیں ؎

بدلی ہوئی دنیا کے ماتھے پہ شکن کیوں ہے ÷ انسان اگر کوئی انسان کے کام آیا

اور اُن کے ہاتھوں آپ کا مقطع بھی سن لیجئے ؎

ہر سانس پہ ہوتا ہے اکثر یہ گماں مضطرؔ ÷ اب اُن کا پیام آیا اب اُن کا پیام آیا

مضطرب صاحب کے بعد شمسی مینائی فرما رہے ہیں کہ میری کیا جرأت کہ میں ساجد صدیقی لکھنوی صاحب کا تعارف کراؤں انھیں آپ کئی سال سے سن رہے ہیں تو ملاحظہ کیجئے ساجد صاحب سے اُن کا کلام ساجد صدیقی شروع عمری کی مکمل تصویر بن کر مائیک پر تشریف لائے ہیں اور بلند ترنم کے ساتھ غزل کا مطلع پڑھا ہے جس پر اچھی داد ملی ہے سنئے ؎

ہر شے کی عقیدت سے تصویر نہیں بنتی ÷ ہر خاکِ قدم بارو اکسیر نہیں بنتی

اسی درمیان میں دیکھ رہا ہوں کہ اسٹیج سے تقریباً ۵۰ فی صدی شعرا اپنی ضروریات اور شغل کی تکمیل کے لئے غائب ہیں۔ اس کے باوجود ساجد صاحب کامیابی کے ساتھ اپنے اشعار سنا رہے ہیں ؎

جب وقت بگڑتا ہے ہوتا ہے جہاں دشمن ÷ جب بات بگڑتی ہے تدبیر نہیں بنتی

خود جہدِ مسلسل سے قسمت کو سنوارو تم ÷ اوروں کے بنائے سے تقدیر نہیں بنتی

ان دونوں اشعار پر مناسب داد پاکر آپ نے دو اور اچھے اشعار سنائے ہیں جنہیں کافی پسند کیا گیا ہے۔ سنئے ؎

مانگے ہوئے سکوں کا معیار نہیں بنتا ÷ لوٹی ہوئی دولت سے جاگیر نہیں بنتی

اے شیشہ گرو! اب تک آخر یہ کمی کیوں ہے ÷ آئینہ بناتے ہو تصویر نہیں بنتی

ساجد صاحب مقطع سنا رہے ہیں ؎

قسمت کے لکھے میں کیا ترمیم کروں ساجدؔ ÷ مجبور ہوں اس جیسی تحریر نہیں بنتی

ایک صاحب فرما رہے ہیں "کیا تحریر بنائی جاتی ہے"؟ بہر حال ساجد صاحب کامیاب و کامران اپنی جگہ تشریف لے آئے ہیں اور اب شمسی مینائی نے مجھے یاد فرمایا ہے۔ میں نے ۲ مختصر سی نظمیں سنائی ہیں ایک نظم آپ بھی ملاحظہ کیجئے جس کا عنوان ہے طلب۔

اک تراشیدہ بت کے سائے میں	ایک بد شکل و بد نما پتھر
جانے کب سے پڑا ہوا ہے	اِسی اُمید کے سہارے پر
کاش! مجھ کو کوئی تو دستِ شوق	اور اس کو بھی زندگی بخشے

اور اب کمال مدا۔ اسی ناظمِ مشاعرہ شمسی مینائی صاحب کا تعارف کرا رہے ہیں میرے پاس بیٹھے نعیم صاحب فرما رہے ہیں لیجئے ایک گھنٹے کی چھٹی۔ میں ان سے عرض کر رہا ہوں کہ بھائی شمسی صاحب کی نظموں میں سیاسی شعور ملتا ہے اس کے تحت وہ بعض صورتوں میں مجبور ہو جاتے ہیں کہ اُسے نہ صرف تفصیلی انداز میں بلکہ بیانیہ لہجہ میں پیش کریں تاکہ اسٹیج پر پڑھی جانے والی اِن کی یہ نظمیں سامعین کو زیادہ سے زیادہ متاثر کر سکیں اس طرح موصوف سیاسی اور سماجی حالات کی بعض مرتبہ بڑی کرب ناک تصاویر پیش کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔

دیکھا تو شمسی صاحب اپنی طویل ترین نظموں سے قبل چند قطعات سنا رہے ہیں جنھیں اِن کی نظموں کا پس منظر کہا جا سکتا ہے۔ ایک قطعہ سنئے ؎

سرسبز کوئی شاخ اگر سامنے آئی ÷ بس ایک نظر دیکھ لیا راہ گزر سے

سوکھی ہوئی ہر شاخ کو سینے سے لگایا ÷ ہو جائے جو شاداب مرے عشق نظر سے

اسی کے ساتھ شمسی مینائی اپنی ۲ دو نظمیں سنا کر کامیابی کے ساتھ واپس آ رہے ہیں۔ اور اب محترمہ صبا حیدر آبادی کا تعارف خاصے اچھے الفاظ میں کرایا جا رہا ہے۔ صبا صاحبہ مائیک پر پہنچکر بڑے دلکش ترنم سے غزل کا مطلع پڑھ رہی ہیں۔ سنئے ؎

پھر کوئی تازہ غزل اپنی سناؤں کیسے ÷ آپ کو آپ کی تصویر دکھاؤں کیسے

مطلع پر مناسب داد پاکر جب یہ شعر پڑھا تو چاروں طرف سے انھیں داد ملی ہے ؎

لفظ مجبور ہیں اظہارِ حقیقت کیلئے ÷ مجھ پہ جو کچھ بھی گزرتی ہے سناؤں کیسے

صبا کو ہر شعر پر داد مل رہی ہے اسی غزل کے چند اشعار اور سن لیجئے ؎

عمر گزری ہے محبت کے حسیں خوابوں میں	اتنی یادوں کو میں اِس دل سے بھلاؤں کیسے
دل کے ہر زخم سے آتی ہے وفا کی خوشبو	زخم چھپ جائیں گے خوشبو کو چھپاؤں کیسے
مسکرا کر شب ... طنز کرے گی مجھ پر	میں سرِ شام چراغوں کو بجھاؤں کیسے

اور ان کا مقطع بھی سن لیجئے ؎

میری آنکھوں میں وہ رہتے ہیں صباؔ شب روز ÷ اُن پہ الزامِ تغافل کا لگاؤں کیسے

صبا حیدر آبادی خاصی داد پاکر اپنی جگہ جانا چاہتی ہیں لیکن سامعین کے بے حد اصرار پر دوبارہ مائیک پر آنا پڑا ہے۔ ابھی اُنھوں نے دوسری غزل کا مطلع پڑھا ہی تھا کہ آواز نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ پانی پینے کا بہانہ کر کے مائیک سے ہٹ گئی ہیں۔

ایک صبا مائیک سے ہٹی ہیں اور شمسی مینائی دوسرے صبا، صبا افغانی کو آواز دے رہے ہیں۔ رشیدی صاحب فرما رہے ہیں "دو

...ی صنعت سے تعلق رکھتے ہیں"۔ اس پر قہقہہ لگا ہے۔ بہرحال سُنیے
...فغانی پسندیدہ ترنم سے پہلے دو اشعار سُنا رہے ہیں۔ جن پر خاصی داد
...ہے اس کے بعد تازہ غزل سُنانی شروع کی ہے سنیے ؎

...ق میں اُلجھنیں پہلے ہی کم نہ تھیں اور پیدا نیا دردِ سر کرلیا
لوگ ڈرتے ہیں قاتل کی پرچھائیں سے ہم نے قاتل کے دل میں بھی گھر کرلیا

مطلع پر مناسب داد ملی ہے انھوں نے ایک اور مطلع پڑھا ہے ؎

...لی تو ساری ذرا دیکھیے، اعتبار کیسا وعدہ پر کرلیا
بات تو صرف اِک رات کی تھی مگر انتظار آپ کا عمر بھر کرلیا

اس پر بھی مناسب داد ملی ہے اور صبا صاحب اپنا اگلا شعر
...ا رہے ہیں ؎

...سے بے وفا اور ستمگر کا تھا، آپ کا ایسی باتوں سے کیا واسطہ
آپ تو بے وفا اور ستمگر نہیں آپ نے کس لئے مُنہ اُدھر کرلیا

عوام نے اس شعر کے بیساختہ لہجہ کی کافی داد دی ہے۔ اور سُنیے ؎

...ی بھر کے شکوے گلے تھے مگر وقت اتنا کہاں تھا کہ دہراتے ہم
ایک ہچکی نے کہہ ڈالی سب داستاں، ہم نے قصے کو یوں مختصر کرلیا

اس شعر پر بھی صبا افغانی کو کافی داد ملی ہے اور اب آپ اپنی غزل
...کا شعر پڑھ رہے ہیں ؎

...ی ملے گی کسے گا سکوں، چین چھن جائیگا نیند اُڑ جائیگی
اپنا انجام سب ہم کو معلوم تھا، آپ سے دل کا سودا مگر کرلیا

سُنیے صبا صاحب مقطع سُنا رہے ہیں ؎

...ا کے سفر میں بہت دُور تک جب کوئی دوست ہم کو نہ آیا نظر
ہم نے گھبرا کے تنہائی سے اے صبا، ایک دُشمن کو خود ہم سفر کرلیا

صبا افغانی خاصی داد پاکر اپنی جگہ واپس آگئے ہیں اور اب شمسی مینائی کہہ
...رہے ہیں "حضرات اب جگر تھام کے بیٹھو..... دیکھیے دکنی زبان
...ف شاعر سلیمان خطیب آپکے سامنے آرہے ہیں۔ خطیب صاحب
...ر پہنچکر کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن وہ مائیک سے ذرا الگ کھڑے
...سلئے برابر آواز نہیں آرہی ہے۔ مجمع میں سے ایک صاحب نے
...بلند آواز میں کہا ہے "پاشا۔ اسلام وعلیکم"۔ اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا
...طیب صاحب اس سے قبل بھی مدراس آچکے ہیں اس لئے عوام
...ے اپنی پسندیدہ نظموں کی فرمائش کر رہے ہیں۔ خطیب صاحب نے
"پاؤ حکیم" سُنائی ہے اسی کے ساتھ دکنی لہجہ میں آپ نے اپنی دو

نظمیں اور سُنائی ہیں اور خاص داد پاکر اپنی جگہ آگئے ہیں۔

سُنیے شمسی صاحب کہہ رہے ہیں اب آپکے سامنے اردو غزل کے
بڑے اہم شاعر آرہے ہیں جنھوں نے اپنے شعر سے فانی، اصغر، جگر اور
فراق کے رنگِ تغزل کو باقی رکھا ہے اور اس میں آپ خاصے کامیاب بھی
ہیں دیکھا تو خمار بارہ بنکوی صاحب ایک شانِ متانت کے ساتھ مائیک
پر آچکے ہیں اور مطلع ارشاد کیا ہے ؎

آسودگی سے عشقِ جواں کو بچائیے ؛ کوئی جو مان جائے تو خود روٹھ جائیے

مطلع پر کافی داد ملی ہے اور اسے ۳ بار پڑھوایا گیا ہے۔ خمار صاحب
ایک اور مطلع سُنا رہے ہیں ؎

سجدوں کا شوق ہے تو صنم پر مٹائیے ؛ یہ کفر ہے تو کفر پہ ایمان لائیے

داد کا ریلا ہے جو چاروں طرف سے اُمڈ آیا ہے ؎

کیا واقعی لگاؤ نہیں مجھ سے آپکو ؛ آئینہ دیکھ لیجیے پھر یہ بتائیے

اس شعر پر بھی کافی داد ملی ہے۔ سُنیے خمار صاحب فرما رہے ہیں
میں نے اس شعر میں غصہ، شرمندگی، اور حیرت کی کیفیتوں کو بیان کیا
ہے۔ ملاحظہ کیجیے ؎

یہ کون آدھی رات کو آیا ہے میکدہ ؛ تو یہ جناب شیخ ہیں تشریف لائیے

اس شعر کو بھی کافی بار پڑھوایا گیا ہے۔ لیکن آج خمار صاحب
کی آواز کام نہیں کر رہی ہے پھر بھی شعر بڑے خوبصورت سُنا رہے ہیں ؎

بے موت مار ڈالیں گی یہ ہوش مندیاں ؛ جینے کی آرزو ہے تو دھوکے بھی کھائیے
کانٹوں کو ہو سکے نہ غمِ بے تعلقی ؛ اس حسنِ احتیاط سے دامن بچائیے
کافی ہے عرضِ غم کے لئے مضمحل ہنسی ؛ رو رو کے عشق کو نہ تماشہ بنائیے

ان تینوں اشعار پر خمار صاحب کو خاصی داد ملی ہے۔ سُنیے آپ
مقطع پڑھ رہے ہیں ؎

مژدہ خمار منزلِ آخر ہے سامنے ؛ اب زندگی میں جو بھی ہوا بھول جائیے

خمار صاحب سے سامعین مزید سُننا چاہتے ہیں لیکن آپ اپنی جگہ
تشریف لے آئے ہیں اور اب شمسی مینائی فرما رہے ہیں کہ یہ مشاعرہ جشنِ سحر
و کمال کے سلسلے میں منعقد کیا گیا ہے۔ اس لئے ان دونوں حضرات سے
تبرکاً ایکبار پھر ان کا کلام سُنا جائے اس لئے پہلے بیدی صاحب سے
ان کا کلام ملاحظہ فرمایئے۔ بیدی صاحب سے خمریات پر ان کے قطعات
سُنانے کی فرمائش کی جارہی ہے۔ آپ فرما رہے ہیں وہ کل سُناؤں گا
آج دوسرا کلام سُنیے ؎

ترے پرتو سے عیاں ہوں میں بھی — تو نہیں ہے تو کہاں ہوں میں بھی
آگ سے آگ نہ اُلجھائے کہیں — تو حسیں ہے تو جواں ہوں میں بھی

مناسب داد پانے کے بعد بیدی صاحب نے غزل کے تین اشعار سنائے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ؎

جام گردش میں ہے ساون کی جھڑی ہے یارو
گردشِ وقت ابھی دور کھڑی ہے یارو
میری قسمت مرے قدموں پہ پڑی ہے یارو
مُنہ تو چھوٹا ہے مگر بات بڑی ہے یارو
یادِ ماضی کو نہ چھیڑو مولیٰ مجھ سے
یادِ ماضی تو بڑھاپے کی چھڑی ہے یارو

بیدی صاحب کو ان اشعار پر کافی داد ملی ہے اور آپ فیملی پلاننگ پر ایک نظم سنانے سے قبل فرما رہے ہیں کہ میں مزاحیہ اور طنزیہ شعر بہت کم کہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا ملک کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے اگر آبادی پر کنٹرول نہیں کیا جاتا تو مستقبل میں کئی خطرے ابھر سکتے ہیں اس لئے اپنی اس نظم میں اسی قسم کے کچھ اشارے کئے ہیں ملاحظہ فرمائیے

اچھا ہے گر ہو بیوی اور شوہر میں تال میل — لیکن نہ اسقدر کہ ہو تو تکی ریل پیل
ڈالو نہ نونہال کی ہر سال داغ بیل — واقف اگر ہو وقت کو کھیلو کچھ اور کھیل
اس بات پر کیا ہے کبھی تم نے غور بھی — مردانگی دکھانے کے میداں ہیں اور بھی
وہ جو ادھیڑ عمر ہیں ان سے بھی ہے خطاب — بچے ہیں چار چھ تو ٹھہر جائیے جناب
زیبا نہیں ہے آپکو معشوقی آب و تاب — جب ڈھل چکا شباب تو بیکار ہے خضاب
کرتے ہیں آپ پیش یہ اُلٹی مثال کیوں — باسی کڑھی میں آئے اب آخر اُبال کیوں

بیدی صاحب کی نظم کے بعد لوگ جا رہے ہیں۔ شمسی مینائی فرماتے ہیں دیکھئے بس ۵-۱۰ منٹ میں مشاعرہ ختم ہوا چاہتا ہے آپ تھوڑی دیر اور تشریف رکھئے۔ اب آپ کے سامنے ایک ایسے شاعر تشریف لا رہے ہیں جن کے کلام میں پختگی ہے ملاحظہ کیجئے جناب غفار اکبرآبادی صاحب سے ان کا کلام۔ غفار صاحب مائیک پر تشریف لا چکے ہیں۔ پہلے چند قطعات سنائے ہیں جن پر کافی داد ملی ہے۔ دو قطعات آپ بھی سنئے ؎

ہنس کے ساحل نے بھی ٹھکرا دیا جن لاشوں کو
موت بھی بھول گئی بھولنے والوں کی طرح

ضابطہ ہم کو بتاتا ہے کہ اِن لوگوں میں
کوئی لڑ دھا ہی نہیں ڈوبنے والوں کی طرح

لپٹی لاشوں سے کیوں لپٹی ہوئی ہیں ÷ تلاطم جیسے تھک کر سو گیا ہے
میں دیوانہ ہوں میری بات چھوڑو ÷ کہو تم دل سے کتنیں کیا ہو گیا ہے

قطعات سنانے کے بعد غفار صاحب نے غزل کا مطلع پڑھا ہے جس پر مناسب داد ملی ہے سُنئے ؎

وہ ایک شخص جو سب سے خفا سا لگتا ہے ÷ نہ جانے کیوں مرے دل کو بھلا سا لگتا ہے

ایک شعر اور سنانے کے بعد موصوف ایک اچھا شعر سنا رہے ہیں جس پر بے حد داد مل رہی ہے آپ بھی سُنئے ؎

اب اس مقام پہ تیرا لفظ غم ہے جہاں ÷ مزاج پوچھے تو اللہ خدا سا لگتا ہے

سُنئے غفار صاحب فرما رہے ہیں ؎

یہ قاتلوں کا طرفدار ظالموں کا شفیق — ترے خلوص کا مارا ہوا سا لگتا ہے
چراغِ محفلِ دانش وراں ہو کیا معلوم — وہ آدمی جو حسیں سر پھرا سا لگتا ہے
تمہارے عہدِ وفا کا یقین ہے لیکن — قسم کے ساتھ تبسم بُرا سا لگتا ہے
خلوصِ دوست پہ شکوک ہو نہ اے غفار — وہ بے وفا تو نہیں بے وفا سا لگتا ہے

غفار صاحب کو ہر شعر پر خاصی داد ملی ہے۔ لیجئے شمسی مینائی صاحب سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کل رات نو بجے تک کے لئے اس مشاعرے کے اختتام کا اعلان کر رہے ہیں۔ اسوقت رات کے دو بج چکے ہیں۔ اب مجھے بھی اجازت دیجئے۔ آداب!! (دو کروڑ کی کارروائی کے خاتمے کا خلاصہ)

قاتل

مسز روری ریاض

محترم چچا جان ـــ آداب

لیجیے حسب وعدہ اپنی دوسری تخلیق "قاتل" لے کر حاضر ہو رہی ہوں۔ یہ کہانی میں نے پانچ ماہ پہلے لکھنی شروع کی تھی لیکن گھریلو ذمہ داریوں کی وجہ سے اِسے اُس وقت پکمل نہ کر سکی۔

میری پہلی کہانی "انتقام" کے سلسلے میں بہت پیارے پیارے خطوط موصول ہوئے ہیں ان میں دو خطوط نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ ایک خط تو لکھنؤ کی مس فرحت کا اور دوسرا میرٹھ کے سیف احمد صدیقی صاحب کا ـــ میری کہانی ان کی حالات زندگی سے اس قدر مطابقت اختیار کر جائے گی کہ بے اختیار ان کے آنسو نکل آئیں گے یہ میں نے سوچا بھی نہ تھا ـــــ! دعا گو

آپکی بھتیجی ـ سروری ریاض

علی کو ـ مئوناتھ بھجن (یوپی)

باتھ رُوم سے باہر نکلتے ہی ۔ ازمہ نے بتایا کہ کل شام کو ایک صاحب پھر آئے ہیں۔ میں نے ملازم سے ڈرائنگ رُوم میں بٹھانے کے لئے کہا اور اپنے کمرے میں کپڑے بدلنے چلا گیا۔ میں ان صاحب سے جلد سے جلد ملنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ کئی دنوں سے بار بار آ رہے تھے اور مجھ سے ملاقات نہ ہوتی تھی۔ میں نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور ڈرائنگ رُوم کی طرف چل دیا جہاں وہ میرا انتظار کر رہے تھے۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی وہ کُرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی انھوں نے پوچھا ـــ "اقبال صاحب آپ ہی ہیں؟" ـ "جی!" میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ "کیا آپ شبانہ کو جانتے ہیں؟" یہ ان کا دوسرا سوال تھا۔ شبانہ کا نام سنتے ہی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں نے ایک ٹھنڈی آہ کے ساتھ کہا ـ "جانتا تھا! لیکن آپ کا ان باتوں سے کیا واسطہ؟" میرے لہجے میں ذرا سختی آ گئی تھی۔ وہ کہنے لگے ـ "معاف کیجیے گا میں سرکاری وکیل ہوں اور آپ کے متعلق پوری جانکاری کے لئے یہاں آیا ہوں۔ شبانہ نے خودکشی کر لی ہے اور مرنے سے کچھ دن پہلے اپنی ساری جائیداد اور بنک میں رکھا ہوا پچیس ۲۵ ہزار روپیہ بھی آپ کے نام کر گئی ہے"۔

یہ سُن کر میں ماضی کے دھندلکوں میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا ـــ اور شبانہ کی یادوں کی پازیب ٹوٹ کر بکھرنے لگی۔ لیکن مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ شبانہ نے ایسا کیا ہوگا ـ! اس کے بعد انھوں نے ایک کاغذ کا پلندہ میرے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیجیے آج سے آپ تمام جائداد کے مالک ہیں!" ان کاغذات کو میں بغور دیکھنے لگا۔ شبانہ اپنی تمام جائداد اور بنک میں رکھا ہوا پچیس ۲۵ ہزار روپیہ میرے نام ٹرانسفر کر چکی تھی۔ ساری رات میں اس روپیہ اور جائداد کے متعلق سوچتا رہا۔ آخرکار میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس روپیہ کو غریبوں اور بیواؤں میں تقسیم کر دوں گا۔ ایک طوائف کی دولت کو ہرگز ہرگز اپنے مصرف میں نہ لاؤں گا اور جائداد کو کسی فلاحی ادارے کے نام منتقل کر دوں گا اور میں جسم فروشی سے حاصل کی ہوئی دولت سے تعمیر شدہ اس کوٹھی میں قدم بھی نہ رکھوں گا ـ!

کچھ دیر کے لئے شبانہ میرے دل و دماغ پر چھا گئی۔ میں تھوڑی دیر کے لئے حال کی وادیوں سے نکل کر ماضی کے شکستہ مزاروں سے بے کفن لاشیں کھینچنے لگا ـــ اور دو سال پہلے کا واقعہ میری نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔ جب میں چند ساتھیوں کے بہکانے میں آ کر زندگی میں پہلی بار طوائفوں کے محلے میں چلا گیا تھا ایک بالاخانے سے آ رہی گانے کی دلکش آواز ہمیں اپنی طرف کھینچ گئی اور ہمارے قدم غیر ارادی

طور پر اس بالاخانے کی سیڑھیوں پر بڑھتے چلے گئے۔ ایک جوان خوبصورت لڑکی شاخ گل کی طرح لچکتی رقص کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گلاب کے شاداب پھولوں کی تازگی، ہونٹوں پر کلیوں جیسی مسکراہٹ، ہاتھوں کی پتلی پتلی انگلیاں جن کے ترشے ہوئے لمبے لمبے ناخن نہایت ہی صاف اور شفاف نظر آرہے تھے، سُرخ ساڑی میں ملبوس لال پری معلوم ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا بلوری جام میں سُرخ شراب چھلک رہی ہو! میری نظریں اس کے پاؤں پر جم گئیں قیامت کے گورے پاؤں تھے جن پر گھنگھروؤں نے عجیب دلکشی پیدا کر رکھی تھی۔ اور اس کے ریشمی بالوں سے اُڑتی ہوئی خوشبو فضا کو معطر کر رہی تھی میرے ساتھیوں نے اُس لڑکی سے اصرار کیا کہ وہ مجرا بند کردے اور ہمارے ساتھ رات گزارے لیکن وہ اس بات کے لئے قطعی راضی نہ تھی وہ غصّے میں کانپنے لگی اور ہمیں فوراً وہاں سے نکل جانے کے لئے کہا۔ اس بات میرے ساتھیوں نے اس کے ساتھ زبردستی کرنی چاہی۔ بات بہت آگے بڑھ گئی اور ایک نے چاقو سے اس لڑکی پر حملہ کردیا۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور لڑکی کو اپنی باہوں میں لے لیا چاقو میری پیٹھ میں گھس گیا جب مجھے ہوش آیا تو میرے ساتھی مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ وہ لڑکی میرے پاس ہی بیٹھی آنسو بہا رہی تھی — پھر وہ کہنے لگی — فلمی دنیا میں کام کرنے کا جنون حد سے آگے بڑھ گیا تھا۔ اور میں پانچ سال پہلے اپنا گھربار چھوڑ کر بمبئی چلی آئی تھی۔ دو سال تک در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد مجبوراً میں نے گھنگھروؤں کا سہارا لیا۔ لیکن خدا گواہ ہے میں نے عزّت کا سودا کبھی نہیں کیا! وہ زار زار رونے لگی۔ اس کی دردناک کہانی سُن کر میرا دل بھر آیا مجھے اس لڑکی سے بے حد ہمدردی ہوگئی میں ہر روز اس کے بالاخانے پر جاتا اور گھنٹوں بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہتا اور ہر موضوع پر بات کرتی اس کی باتوں سے اتنا معلوم ہوا کہ وہ لکھنؤ کے کسی پڑھے لکھے خاندان کی لڑکی ہے۔ لیکن میں نے اس کی نجی زندگی کے بارے میں اس سے کبھی کچھ نہ پوچھا۔ سوچا ان باتوں سے اُسے تکلیف پہنچے گی رفتہ رفتہ میں اس کے بہت ہی قریب ہوگیا ایک انجانی خواہش کی تمنا لئے ہر شام میرے قدم خود بخود اس کے بالاخانے کی طرف بڑھنے لگے اس طرح کئی مہینے بیت گئے۔ ایک دن بہت رات تک میں اس کے یہاں بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ لاکھ دل چاہا کہ اب گھر چلوں لیکن خلاف معمول میں بیٹھا رہا۔ ایک تشنگی تھی جو دریا میں رہتے ہوئے بھی پیاسا رکھتی تھی ایک بھوک تھی جو مجھے بہکاتی، ورغلاتی، بغاوت پر آمادہ کرتی.... اور پھر میں نے اس سے اپنی..... خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔

"شبانہ! کیا تجھے خود ہی اس رات کا مطلب سمجھنا ہوگا؟" میرا یہ جملہ سنتے ہی اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور بہت بے رُخی سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی..... ایک طوائف کے انکار نے میری انا کو ٹھیس پہنچائی اور میرا دل پاش پاش ہو کر رہ گیا! میری بے چینی بے حد بڑھ چکی تھی، میرا ذہنی سکون درہم برہم ہو چکا تھا۔ میں وہاں سے اُٹھا اور تیزی سے باہر نکل گیا! اُس نے مجھے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن میں نہ رُک سکا۔ اور پھر آج تک میں نے اس کی گلی کا رُخ نہیں کیا! اُس کے بعد اس کے خط آتے رہے لیکن میں کسی خط کا جواب نہ دیتا۔ آج ایک مدّت کے بعد شبانہ کے وہی خطوط ایک بار پھر میری میز پر بکھرے پڑے ہیں اور انھیں بار بار پڑھ رہا ہوں اور نہ جانے کب تک پڑھتا رہوں گا!

۸ر اپریل ۱۹۷۲ء

پیارے اقبال! صدیوں کا پیار —!

اتنی سی بات پر تم اس طرح رُوٹھ کر چلے جاؤ گے میں نے سوچا بھی نہ تھا! جانتے ہو میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں اتنی کہ آج تک کسی عورت نے کسی مرد سے نہ کی ہوگی۔"

تمہاری شبانہ"

۱۰ر اپریل ۱۹۷۲ء

میرے اقبال! میری کائنات —!

میں آج ایک عجیب کرب اور اُلجھن محسوس کر رہی ہوں، میں کیا چاہتی ہوں مجھے خود نہیں معلوم۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میں چاند اور سورج کی طرح اپنی بے مقصد زندگی کے آکاش پر تنہا چکّر لگا رہی ہوں۔ بے مقصد اور بے منزل۔ نہ جانے کہاں پہونچوں گی؟ شاید کہیں بھی نہیں!

کبھی کبھی تو اپنے آپ کو سمندر کی بیقرار لہروں کے حوالے کر دینے کو جی چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی دن تمہیں یہ خبر مل بھی جائے اور چند لمحوں کیلئے تمہیں میرا خیال آجائے گا اور پھر تم بھول جاؤ گے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں!!

دل کا بھی کیا قصور تمہاری بھی کیا خطا (؟) برگشتہ مجھ سے خود مری قسمت ہے کیا کروں

بد نصیب ــــ شبانہ

۱۴ اپریل ۱۹۷۲ء

پیارے اقبال! میرے پیار! میری زندگی!

آخر کس گناہ کی سزا تم مجھے دے رہے ہو۔ ایسی سزا نہ دو کہ جی بھی نہ سکوں!! اب تو میری زندگی میں درد کرب آنسو اور آہوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک بار آجاؤ صرف ایک بار۔ میرے دل کی دنیا درہم برہم ہو رہی ہے۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ روشنی کی کوئی کرن نہیں۔ آخر کب تک روٹھے رہوگے۔ اب آ بھی جاؤ میرے محسن! میری زندگی میں اندھیرا بڑھتا ہی جارہا ہے کہیں اس اندھیرے میں ہمیشہ کیلئے گم نہ ہو جاؤں۔ کھو نہ جاؤں۔ میرے دل میں مچلتے طوفان کچھ کہنا چاہتے ہیں! آؤ گے نا!! میری آنکھیں تمہاری ہی راہ دیکھ رہی ہیں۔

زندگی یوں تو ہمیشہ سے پریشاں سی تھی
اب تو ہر سانس گراں بار ہوئی جاتی ہے

تمہاری ــــ شبانہ

۱۰ مئی ۱۹۷۳ء

میرے ندیم! سلامت رہو۔

نہ جانے خدا نے انسان کو عقل سلیم کیوں عطا فرمائی عقل سلیم عطا فرمائی تو پھر اس نے انسان کو ایک حساس دل کیوں بخشا، دل بخشا تو اس میں جذبات کیوں بخشے، جذبات بخشے تو غم واندوہ اور خوشی وانبساط کیوں بخشے۔ غم واندوہ اور خوشی وانبساط بخشے تو زندگی کیوں بخشی اور اگر زندگی بخشی ہی تو پھر زندگی کیوں بخشی ــــ نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم!

تمہاری ہی ــــ شبانہ

اسی طرح ایک سال بیت گیا۔ اب اس کے خط آنے بند ہو گئے۔ میرے ذہن سے اس کی یادوں کے نقوش بھی مٹ گئے......

کئی سال بعد پچھلے مہینے مجھے پھر اس کا ایک خط ملا تھا۔ اس خط نے میرے دل میں ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ اس نے لکھا تھا.....

یکم مئی ۱۹۷۵ء ــــ پیارے اقبال! بہت بہت پیار!!

اپنا کردار تیرے قرب کے لمحوں کیلئے دے، اک امانت کی طرح میں نے اٹھا رکھا ہے

شاید تم مجھے ہمیشہ کیلئے بھول چکے ہوگے لیکن میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں!! یہ میرا آخری خط سمجھنا۔ آجکل میں ذہنی الجھنوں میں بری طرح الجھی ہوئی ہوں۔ شاید یہ میرا مقدر بن چکی ہیں سوچتی ہوں ان الجھنوں اور پریشانیوں سے ہمیشہ کیلئے چھٹکارا حاصل کرلوں اور ابدی نیند سو جاؤں آج ایکبار پھر آخری التجا کر رہی ہوں ہو سکے تو تھوڑی دیر کیلئے ہی آجانا۔ کوئی بھی لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا ہے!!

کل سحر ہو کہ نہ ہو رات کٹے یا نہ کٹے ⁞ دفن ہوتی ہے اندھیروں میں جوانی میری
گلشن یاس تمنا پہ خزاں چھائی ہے ⁞ بن کھلے ہو گئی برباد جوانی میری

کاش تو نے میری آنکھوں سے ٹپکتے آنسو
ریشمی پیار کے آنچل پہ اٹھائے ہوتے

تمہاری ہی ــــ شبانہ

شبانہ کے اس آخری خط نے میرے دل میں ایک تڑپ پیدا کر دی تھی اور میں اس سے ملنے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ اس کے پاس کئی بار میں نے جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن نہ جانے کیوں ہر بار میرا ارادہ ڈگمگا کر رہ جاتا اور یہ سوچ کر رہ جاتا کہ عورت کو سمجھنا بہت مشکل ہے! عورت ایک حسین راز ہے!! افلاطون کا یہ مقولہ میرے دل ودماغ میں نشتر چبھوتا تھا کہ "عورت کی محبت نقش بر آب ہوتی ہے اور اس کی وفاداری ریگ کی تحریر ــــ"!

اُف! میں نے کتنی شدید غلطی کی ــــ مجھے اس طرح پتھر نہیں بننا چاہیئے تھا اسے ایک مرد کی سچی ہمدردی کی سخت ضرورت تھی جو اُسے سہارا دے سکتا۔ آج میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے تو میں چیخ چیخ پڑتا ہوں جیسے میں ہی شبانہ کا قاتل ہوں! میری پیشانی عرق آلود ہو گئی ہے، جیسے میں ہی شبانہ کا قاتل ہوں ــــ جیسے شبانہ کی لاش میرے سامنے پڑی ہے! اُس کی آنکھیں کھلی ہیں! جیسے ان میں اب بھی میرا انتظار ہو! ــــ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے۔ شاید یہ میری سرد مہری پر زہر خند ہے!!

میرا دل کہہ رہا ہے ــــ تم شبانہ کے قاتل ہو میرا ضمیر کہہ رہا ہے ــــ تم شبانہ کے قاتل ہو!! میری پیشانی ہی عرق آلود نہیں، سارا جسم عرق انفعال سے بھیگا جارہا ہے!!

اگر کنبہ چھوٹا ہو تو والدین ہر بچے پر زیادہ توجہ دے سکتے ہیں اور اسے زندگی کی زیادہ سہولتیں مہیا کر سکتے ہیں۔ اس سے ملک کو بھی بحیثیت مجموعی اپنے وسائل کے بہتر استعمال کا موقع ملتا ہے۔

فیملی پلاننگ ہماری قومی ترقی کے پروگرام کا ایک لازمی جزو ہے اور ہم نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔



اندرا گاندھی

مقرّب حسین مقرّب

نام مقرّب حسین مقرّب ــــ تخلّص۔ مقرّب ہی رکھا۔
حالات زندگی :۔ اصل وطن دیوبند (یو۔پی) والد ماجد حسین زیدی
سلسلۂ ملازمت گوالیار آ گئے اور پھر گوالیار ہی میں تعلیم و تربیت حاصل
۔ چھوٹی سی نوکری سے زندگی شروع ہوئی اور آج اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ
مائنز آفیسر ہوں۔ یہ سب خدا کا کرم ہے۔
تعلیم :۔ منشی۔ ادیب کامل اور بی۔ اے۔
شاعری ورثے میں ملی۔ باپ ماجد حسین زیدی غزل کے شاعر
ے۔ میں نے غزل سے شروعات کی اور طنز و مزاح کا رنگ اختیار
۔ جس مقام کی تلاش ہے وہ ابھی دور ہے۔

نمونۂ کلام

روایتی شاعری پر طنز

ر زلف کھولوگے تم اے حسینو	یہ کہہ دینگے کالی گھٹا چھا رہی ہے
زلف باندھی تو کہہ دینگے شاعر	یہ ناگن ہے کاندھوں پہ بل کھا رہی ہے

ہر اک بات میں ہے حسینوں کی شامت
جو کھولیں تو آفت جو باندھیں تو آفت

ں پھول زلفوں میں تم نے لگایا	یہ کہہ دینگے دیکھو چمن جا رہا ہے
جسکو کہتے ہیں رہتا ہے قائم	کہاں جا رہا ہے کہاں آ رہا ہے

ذرا شاعروں کی تو دیکھو چھلانگیں
کہ کیسے چمن کے لگا دی ہیں ٹانگیں

ہاگیری

ں نے ہاتھ جوڑ کے نیتا سے جب کہا	غالب شتابدی پہ شریمان بولیے
شہر میں پڑھے لکھے لوگ آپ ہی تو ہیں	جنتا پہ کچھ وچار ذرا اپنے کھولیے

نیتا یہ بولے رنگ ہم اچھا جمائینگے
یہ تو بتاؤ جلسے میں غالب بھی آئینگے

ے سامنے والی کھڑکی میں ایک چاند کا ٹکڑا رہتا ہے۔

مقرب آج تک سمجھ نہ پائے یہ حیران ہیں	کون سے شاعر تھے وہ جو بات یہ فرما گئے
ہم بھی جانتے ہیں چاند کہاں رہتے ہیں	پر یہی ٹکڑے مکانوں میں کہاں سے آ گئے

(۱)

ایک نظم اور پیش کر رہا ہوں۔ نظم کی تھوڑی سی خصوصیت یہ ہے کہ شروع میں یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ موضوع کیا ہے۔

دلچسپ سفر

ایک بس میں جا رہا تھا رات کو اندور سے	موسم سرما تھا سردی پڑ رہی تھی زور سے
مجھ سے اگلی سیٹ پہ انساں کوئی سویا ہوا	ایک خوبصورت کالی چادر سی شال میں لپٹا ہوا
دندناتی بس چلی جاتی تھی اپنے جوش میں	سب مسافر جا چکے تھے نیند کی آغوش میں
اونچے نیچے راستہ پر بس کو اک جھٹکا لگا	سامنے والے مسافر کا یہ راز افشا ہوا
اسکی زلفیں کھل گئیں زانو پہ میرے گر گئیں	دیکھ کر یہ ماجرا میری نگاہیں پھر گئیں
کیا کہوں نظروں پہ میری حیرت بیان ہو گئی	اسکی زلفیں میرے گھٹنوں پر پریشاں ہو گئیں
میں بھی خود حیرت میں تھا اب یا الٰہی کیا کروں	کیا ہٹا دوں اسکی زلفیں یا انہیں سلجھا دوں
آرزو جاگی کہ دیکھوں اسکے خط و خال میں	نازنیں ہے کون جس کے اتنے لمبے بال ہیں
عقل کہتی تھی ہٹا زلفوں کو اپنی گود سے	دل یہ کہتا تھا ارے بیوقوف کیا ہٹتے بھی ہے
عقل کہتی تھی کہ ان زلفوں کو اب پیچھا چھڑا	دل یہ کہتا تھا حسینہ کو نہ سوتے سے جگا
عقل کہتی تھی طبیعت کو ذرا پہچان لے	دل یہ کہتا تھا کہ یہ موقع غنیمت جان لے
عقل کہتی تھی کہ عزت جائے گی تیری ضرور	دل یہ کہتا تھا کہ اس میں بھی کیا تیرا قصور
عقل اور دل کی لڑائی سے میں غافل ہو گیا	نیند کچھ مجھ کو بھی آئی اور میں بھی سو گیا
رات جب رخصت ہوئی اور صبح جب جاگی	بعد کچھ عرصہ کے بھائی نیند میری بھی کھلی
اپنے گھٹنوں کی طرف میں نے نظر کی جب تبھی	اب بھی وہ گیسو مرے زانو پہ تھے جلوہ فگن
سونے والا یکا دکا مجھ کو کہ اب بیدار ہے	یا الٰہی کیا ہوا یہ تو کوئی سردار ہے
حسرتیں سب مٹ گئیں ارمان بھی جلنے لگے	کیا بتاؤں دل ہی دل میں ہاتھ ملتے رہ گئے
میں نے بھی جلکر وہیں سردار جی سے یہ کہا	تو ذرا اپنی لٹائی گفتگو کی مرے بھائی ہٹا
ہنس کے دیکھا میری جانب اور بتایا سردار جی	زلف بکھری تھی اسکو خوب کر باندھ لی
آ گئی منزل اتر کر بس سے اپنے گھر گیا	پینٹ پر اپنی مجھے ایک تیل کا دھبہ دکھا
پینٹ پر دھبہ تھا گہرا جس کو دیکھ کر میں بولا	یہ کہاں مجھکو ہوا زلفوں میں کڑوا تیل تھا
میں نے بیوی سے کہا پینٹ دھو دینا ذرا	پڑ گیا ہے اس پہ دیکھو کوئی دھبہ تیل کا
پھر کچھ ہو کے بیوی کا پر نظر میری پڑی	پینٹ پہ دھبے کی آتی ہے خوشبو بری
کہتے ہی بولی کہ تم کو شرم آنی چاہیے	آئے تھے کیوں پاس بیٹھے تم بس میں پر جا بیٹھے

میں نے سوچا ابھی آیا ہوں اسکو کیا ہوا ۔ جانے کیوں کرتی ہے جھگڑا مجھ سے یہ بات کا
جب یہ پوچھا کیا ہوا کچھ تو بتا اے جانِ جاں ۔ یہ تری آنکھوں میں آنسو آ گئے کیوں کچھ بتا
بولی جو ہو جانِ جاں تم جانِ جاں اس سے کہو ۔ جو تمہاری گل بدن ہو گل بدن اس سے کہو
اب یہیں کیوں آتے ہو یہیں اسلئے آتے ہو گھر ۔ پڑ نہ جائے ایسی کرتوتوں پہ میری بھی نظر
کر لئے ہوں یہ حرکتیں رہ کر پتی کے بھیس میں ۔ اس لئے ہی کیا اکیلے رہتے ہو پردیس میں
میں بھی خود حیرت میں تھا اسکو ابھی کیا ہو گیا ۔ ہائے یہ آتش فشاں میرے ہی گھر میں پھٹ پڑا
جب کہا میں نے کہ جیسے بول کچھ تو تو بتا ۔ مجھ سے اے دیوی ہوئی ہے کونسی ایسی خطا
کچھ بتلاؤ کس لئے یہ تیرا پارہ گرم ہے ۔ دیکھ کر حالت تری میری طبیعت نرم ہے
پانچ بچوں کے پتا ہو آپ یہ بھی یاد ہے ۔ سچ بتاؤ پینٹ پر یہ کس کا لمبا بال ہے
آئے ہو کیوں پاس میرے لیں یہ پرے جائیے ۔ بال یہ جب کا ہے اس سے پینٹ بھی دھلوائیے
دیکھ کر اس کو بال کالا نے لگی مجھ کو ہنسی ۔ میں نے دھیرے سے کہا مژدہ یا سرتاج جی
پہلا کہا میں نے کہ سن لے اری گھر کی شانتی ۔ پینٹ دھلوانے پہ جائے گا بہت ارجی
پھر عقب داستاں میں نے سنا دی رات کی ۔ سن کے ساری داستاں بیوی کو بھی آئی ہنسی

اب نہ چکر میں پھنسوں گا گیسوئے خمدار کے
بھول کر بھی پاس بیٹھوں گا نہ اب سرکار کے

ایک نئی نظم "ایمرجنسی کا قیدی" کا ایک بند پیش خدمت ہے

ایمرجنسی کا ایک بدبخت قیدی ۔ سنا ہے کہ جب جیل سے باہر آیا
دکھا کوئی اس کو نہ اپنا پرایا ۔ وہ چلایا یہ کیسا ستم ہے خدایا
کدھر چل دیئے دل کو بہلانے والے
کہاں مر گئے ہار پہنانے والے

بقیہ صفحہ ۲۴

وقار رحمانی

سناؤں کیا کسی کو داستاں میں اپنی قسمت کی ÷ بہت ہی مختصر روداد ہے یہ [illegible] کی
ضرورت کچھ نہیں ہے اب تو اظہارِ حقیقت کی ÷ ترقی پہ ہے رفتار [illegible]
جہاں محسوس ہوتی ہے وہاں محسوس کرتی ہے (سیماب)
نظر [illegible] تو اب بھی انجمن پر ہے ÷ بہت ہی ناز انکو اپنے اعجازِ سخن پر ہے
سیاہ [illegible] کے پر علم پر ہے ÷ حریفوں کی نظر اب بھی گلستانِ وطن پر ہے
رہیں ہشیار آزادی کی منزل دیکھنے والے (شعری بھوپالی)

وقار صاحب نے تضامین مخمس کے انداز پر ہی کی ہیں۔ مثلث، مربع، مسبع و مثمن میں بھی ہوتیں تو یکسانیت بدل جاتی اس کا بھی خیال نہیں رکھا گیا کہ تخلص محض تخلص ہی کی حیثیت سے آتا بہتر ہے۔ مصرع کا جزو بن کر نہیں۔ بیشتر مشاہیر شعراء موجودہ و مرحوم گل ہائے شگفتہ میں خیال رکھا گیا ہے۔ بہرصورت وقار صاحب اپنی حد تک گیسوئے ادب کی آرائش میں مصروف ہیں۔ مختلف مشاعروں اور نشستوں کی شمولیت انکی مہارت و شہرت کی نشان دہی کرتی ہے۔ ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

غزل

آمد سرہندی

خود پرستی کا رواج اچھا نہیں ۔ عصرِ حاضر کا سماج اچھا نہیں
اقتدارات سیاست کیا کہیں ۔ کل جو اچھا تھا وہ آج اچھا نہیں
دل کے آئینے میں آ جاتا ہے بال ۔ دوستی میں احتجاج اچھا نہیں
زندگی تسکین کیوں کر پائے گی ۔ دل میں حشر احتیاج اچھا نہیں
جی بھر آیا لطفِ بے ہنگام پر ۔ کیا بتائیں کیوں مزاج اچھا نہیں
خون کر کے آدمیت کا امید
جو میسر ہو وہ تاج اچھا نہیں

مفتون کوٹوی

وقار رحمانی!

قوم النظفر وقار رحمانی ایک جواں سال باعزم انسان ہیں چھریرا بدن لانبا قد، سیاہ مائل گندمی رنگ مزاج کے لحاظ سے ہر کام میں مستعجل۔ ان کا کلام مختلف رسالوں میں پڑھتا رہا ہوں، رہنمائے تعلیم دہلی میں بھی اکثر یہ چھپتے رہتے ہیں۔ رسالہ شانِ ہند دہلی میں "نقشِ وفا کا ایک ورق" کے عنوان سے بالعموم انکی غزلیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ "نقشِ وفا" انکی غزلوں کا مجموعہ ہے اور "گلہائے شگفتہ" انکی مضامین کا انھیں کی روشنی میں آج انکا تعارف مقصود ہے۔

وقار صاحب جناب بیکس جودھپوری کے شاگرد ہیں، میں سمپوزیم اور مشاعروں میں جودھپور جب بھی گیا ہوں جناب بیکس سے نیاز حاصل کرتا رہا ہوں نہایت نیک نفس، اور بامروت مخلص بزرگ تھے۔ اب انتقال فرما چکے ہیں۔ انکا کلام بھی انھیں کی زبانی سنا۔ شعر و سخن میں رنگِ قدیم کے دلدادہ تھے، تاریخ گوئی میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ وقار صاحب بھی اپنے استاد کی طرح شعر و سخن میں شاعری کی قدیم اصطلاحات و روایات کے پابند ہیں۔ اسی رنگ کی شاعری اور اسی رنگ کے شاعروں کو پسند کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ایسے معزز ادبا و شعرا کا پاس و لحاظ بھی رکھتے ہیں جو ان سے عمر میں بڑے یا کہنہ مشق ہوں اس زمانے میں جب استادی و شاگردی کی رسم کو وبال، اور بزرگ و قدیم شعرا کا پاس ادب جنجال سمجھا جاتا ہے، معلوم نہیں وقار صاحب پرانی اخلاقی قدروں کو کیوں سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ غالباً ذیل کے تجزیہ میں اس سوال کا جواب پوشیدہ ہو۔

ان کے استاد کے رنگِ سخن کے علاوہ غالباً انکے والد مرحوم کے انداز و اطوار شعر گوئی بھی ان پر اثر انداز ہوئے ہیں۔ وقار صاحب معاشی سلسلے میں اندنوں جودھپور (راجستھان) میں قیام پذیر ہیں ورنہ ان کے آباؤ اجداد بھی کوٹہ (راجستھان) کے رہنے والے تھے یہ خود بھی کوٹہ ہی میں تربیت و تعلیم سے بہرہ ور ہوئے کوٹہ ہی میں پلے بڑھے۔ اسی لئے خود کو کوٹوی لکھتے ہیں۔ انکے والد بزرگوار کا نام عبدالرحمٰن تھا رحمانی۔ اسی مناسبت سے اپنے نام کے ساتھ اضافہ کئے ہوئے ہیں عبدالرحمٰن صاحب کوٹہ کے شہرت یافتہ پرانے وکلا میں سے تھے جنکی تربیت کمسنی میں انکے والد کے رحلت کرجانے کی وجہ سے انکے ماموں وکیل اوصاف علی صاحب کے یہاں ہوئی تھی۔ وکیل اوصاف علی مرحوم پرانی تہذیب و معاشرت اور پرانی وضع و قطع کے بزرگ تھے۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے

اپنے مربی کے انداز و اطوار وکیل عبدالرحمٰن صاحب نے قبول کئے وقار صاحب نے بھی اپنے ماحول کے یہ اثرات خود میں جذب کر رکھے ہیں وکیلانہ بحث مباحثہ اور رد و جرح کا طور و طریق ان پر بھی چھایا ہوا ہے۔ انسان بیشتر اپنے ماحول ہی کا ساختہ و پرداختہ ہوتا ہے۔ کسی کے خیال و مزاج اور اسکے مظاہر کا تجزیہ کرنے میں ان عوامل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خاندانی اثرات بھی انسان میں رچے بسے ہوتے ہیں۔ وکیل عبدالرحمٰن مرحوم کے والد مولوی محمد یٰسین تھے جو کوٹہ میں اپنے علم و دانش کے لئے مشہور تھے۔ مولانا عبدالستار عبد جنھوں نے اپنے بھائی مولوی محمد یٰسین کے پاس تعلیم و تربیت حاصل کی تھی وکیل عبدالرحمٰن صاحب کے چچا تھے۔ انکے ایک اور چچا حکیم محمد اسمٰعیل حافظ قرآن تھے ان کا پیشہ طبابت تھا۔ ایک دوسرے چچا عبدالعزیز نذیر ڈاکٹر تھے اس طرح علوم کے مختلف شعبے ان کے گھر میں جمع ہو گئے تھے وقار اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ میں خود کوٹہ کا رہنے والا ہوں اور اس خاندان کا ہم محلہ بھی۔ وکیل عبدالرحمٰن عبد کے ساتھ اس زمانے میں کئی مشاعرے پڑھے جب کوٹہ میں مشاعروں کا بڑا زور شور تھا۔ ان کا رنگِ سخن قدیم اور اشعار دقیق و دیر فہم ہوا کرتے تھے۔ شعر گوئی و وکالت کے علاوہ وکیل عبدالرحمٰن طبابت میں بھی دخل رکھتے تھے۔ مولوی محمد یٰسین تو ثقہ و متین بزرگ تھے لیکن ان کے چچا عبدالستار عبد زندہ دل، شوخ مزاج اور رنگین طبیعت انسان تھے۔ عبدالرحمٰن صاحب نے اپنے چچا کا تخلص ہی نہیں اپنایا بلکہ ان کی مزاجی شوخیاں اور طبعی رنگینیاں بھی اپنالی تھیں۔ وقار کی جواں عزمی و بلند ہمتی کا پرتو اس شعر میں موجود ہے ؎

عزمِ جواں سے جب بھی چلے راہِ شوق کو ٭ ہم منزلوں کو زیرِ قدم دیکھتے رہے

پیکرِ وفا ہونے کے باعث اپنے حالات کا اظہار وقار صاحب خود نہیں کرتے ؎

کیا شے ہے وفا۔ اہلِ وفا سے نہیں مخفی
کیوں منہ سے کہیں وہ، جو مجسم ہی وفا ہیں

تاہم یہ اشارہ ضرور کر دیتے ہیں ان کی طرف جن سے دریافت حال کیا جا سکتا ہے ؎

نازد الفت میں یہ صدمہ بھی سہے ان سے پوچھو ÷ کیسی الجھن میں مری رات بسر ہوتی ہے

یہ تو شب گزاری کی بات ہوئی عمر کس طرح بسر ہو رہی ہے۔ یہ ملاحظہ کیجئے۔ دل گذرتا ہے کہیں رات گزرتی ہے کہیں

اب تو اس طرح وفا عمر بسر ہوتی ہے

مرحوم جگر کا شعر ہے ؎

ترے عشق کی کرامت یہ نہیں تو اور کیا ہے

کبھی بے ادب نہ گزرا مرے پاس سے زمانہ

عشق نے وفا صاحب کو جو احترام بخشا وہ ملاحظہ ہو ؎

بخشا یہ احترام مجھے تیرے عشق نے ÷ جھک کر سلام کرتی ہیں پھولوں کی ڈالیاں

اس غزل کے کچھ شعر اور بھی قابلِ تعریف ہیں ؎

اے جانِ التفات فضا کے لئے کرم ÷ پھرنے لگی ہیں ایک ہی آنکھوں کی پتلیاں

کوئی دکوئی راز تو اس میں ضرور ہے ÷ کرنے لگیں طواف نشیمن کا بجلیاں

اس زمانے کے اربابِ سیاست پر کتنی گہری چوٹ ہے ؎

ہمدردی و خلوصِ محبت کی آڑ میں ÷ کیا کیا نہ تم نے آہ اُجاڑی ہیں بستیاں

اس غزل کا مطلع بھی ملاحظہ ہو ؎

اِک روز رنگ لائیں گی میری تباہیاں

ہوتی رہیں جو یوں ہی تری مہربانیاں

مختلف غزلوں کے کچھ اشعار ان کے تعارف میں اور معاون ہو سکیں گے ؎

جس کی خوشبو سے مہکتا ہے گلستاں سارا ÷ بس اسی پھول پہ گلچیں کی نظر ہوتی ہے

میں اب بھی ہنس رہا ہوں کلیجہ تو دیکھئے ÷ حالِ زبوں پہ میرے جہاں نوحہ گر ہے آج

کل تک میں رو رہا تھا کسی کے فراق میں ÷ آنکھیں خوشی سے آج ہیں تر مدتوں کے بعد

فرقِ مذاقِ دید ہم دیکھتے رہے ÷ پھولوں کو آپ، آپ کو ہم دیکھتے رہے

نگہِ لطف و کرم ان کی بہ ہر سو ہوتی ہے ÷ صرف میں ہی نہیں دنیا بھی اُدھر ہوتی ہے

ارمانِ جبہ سائی ملا خاک میں وفا

اس بے وفا کے در پہ عدو کا گزر ہے آج

"گلہائے شگفتہ" ان کی تضامین کا مجموعہ ہے۔ طرحی مصرع پر گرہ لگانے میں جو دماغی ورزش اور ادبی کاوش کرنی پڑتی ہے، تضمین میں بھی بڑے پیمانے پر وہی دماغ سوزی کرنی پڑتی ہے۔ آجکل کچھ دیگر اصنافِ سخن مثلاً قصیدہ و مرثیہ کی طرف شعراء کی عام توجہات مبذول نہیں ہیں۔ غزل پر تضمین اور گرہ لگانے کا بھی یہی حال ہے۔ تضمین، تضمین نگار سے اسی استغراق و وجدان اور کیف و سرور کا مطالبہ کرتی ہے۔ جس کیف و ماحول میں ڈوب کر شاعر نے شعر کہا ہے، یا غزل تمام کی ہے کامیاب تضمین وہی ہوگی جس میں تضمین نگار کی دماغی رسائی، اصلی شاعر کے جذبات و حسیات کو گرفت میں لے کر اس کی تشریح و تصریح کر دے۔ اس میں مزید آرائش و زیبائش اور آراستگی و شگفتگی پیدا کر دے ورنہ کم از کم اس ماحول و کیفیت کو برقرار رکھے جو اصل شعر میں ہے۔ اس سے کمتر و فروتر کیفیات تضمین نگار کی کامیابی کی ضامن نہ ہو سکیں گی۔ یہاں یہ توجہ دلانی بھی غالباً بے محل نہ ہوگی کہ بہت سے اشعار ایسے لطیف و نفیس ہوتے ہیں کہ لذتِ مفہوم، شرح و وضاحت کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ وہ پسند آتے ہیں دل پر اثر انداز ہوتے ہیں ان میں خوشگواری و طرحداری ہوتی ہے لیکن کن اجزا و عناصر کی بدولت؟ یہ بیان و اظہار میں نہیں آ سکتی۔ یہ ابہام لفظی نہیں ہوتا۔ معنوی ہوتا ہے۔ مثلاً ؎

لذتِ مرگِ محبت کوئی اس سے پوچھے ÷ جس کے لب پر دمِ آخر بھی ترا نام آیا

(تسکین قریشی)

محبت یہ محبت ہوں لطافت ہی لطافت ہوں ÷ مجھے دیکھیں گے اب شعری بمشکل دیکھنے والے

(شعری بھوپالی)

اظہارِ عشق پر انھیں خفگی تو تھی مگر ÷ دیکھا ہے یہ بھی ہم نے کہ چہرہ پہ نور تھا

(مفتوں کوٹوی)

کیا دیکھیں گے ہم جلوہ محبوب کہ ہم سے ÷ دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی

(جگر مراد آبادی)

اگر ہے شوق تو آنکھوں کو آؤ بند کرو ÷ جمالِ یار سراسر دکھائی دیتا ہے

(حزیں قریشی)

ترجمہ نگاروں کو اکثر ایسی اُلجھنیں اور مشکلیں پیش آتی ہیں کہ بعض الفاظ ان کے سامنے ایسے آکھڑے ہوتے ہیں جن کے مفہوم کی وسعت و لطافت دوسری زبان میں منتقل نہیں ہو پاتی۔ شعروں میں بھی احساسات کی نزاکت اور جذبات کی لطافت سے اسی طرح کا اکثر و بیشتر سابقہ پڑتا ہے جن میں نفسیاتی کیفیات عنصرِ غالب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایسے اشعار پڑھیے سوچیے اور سوچتے رہیے لذتوں پر لذتیں حاصل ہونگی۔ لیکن زبان و بیان ان کے اظہار و ابلاغ سے قاصر رہیں گے وفا رحمانی کی یہ تضمین

جدھر دیکھو محبت کا جہاں میں بول بالا ہے ÷ کسی کو زندگی بخشی کسی کو مار ڈالا ہے

محبت ہی اندھیرا ہے محبت ہی اُجالا ہے ÷ محبت کا عجب یہ کھیل دنیا سے نرالا ہے

کہیں آباد کرتی ہے کہیں برباد کرتی ہے (تسکین قریشی)

عزیز احمد ورسی

معیار کی کسوٹی پر

اُجالے

اُجالے میں کالیداس گپتا نے اسلام کے بعض زرّین اصولوں سے گہری عقیدت اور لگاؤ کا اظہار کرکے اپنی ذہنی صفائی اور قلبی طہارت کا ثبوت تو دیا ہی ہے لیکن اُسی کے ساتھ مذہب کے عملی اور واضح مظہر کو شعوری طور پر کہا بھی ہے اور انکے حقائق کو اشعار کا جامہ پہنایا ہے جسکی بنیادیں مذہبی سطح پر انسان کو بغض و تعصب اور تنگ نظری سے گریز کرنے پر آمادہ کرتی ہیں نیز اس کے ذہن و قلب کو "صلحِ کل" کے جذبۂ مطاہرانہ سے معمور کرکے وسیع تر بناتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مذہب کی بنیاد حق و انصاف کی صداقت کو بھی ظاہر کرتی ہے اور منصف مزاج انسان اس صداقت کو پرکھتے وقت تنگ نظری اور عصبیت سے گریز کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ حق و انصاف کو کسی مخصوص نظریے یا دائرہ میں محدود کرکے نہیں پرکھتے بلکہ انھیں جہاں جہاں اسکی جھلکیاں نظر آتی ہیں وہ بلا تفریق وہاں پہنچکر اس کے نور سے اپنے شعور کو نہ صرف منور ہی کرتے ہیں بلکہ ان پہلوؤں کا بنظر غائر مطالعہ بھی کرتے ہیں جو حق و انصاف کو تر و تازہ اور بالیدہ رکھتے ہیں اور وہ اپنے دل میں عقیدت مندی کے ایسے جذبے کو موجزن پاتے ہیں جو انھیں ساری "حد بندیوں" کو توڑ کر آگے نکل جانے پر اکساتا ہے۔ ایک صاحبِ فہم اور صاف ذہن انسان ایسے عالم میں نظریاتی مباحث کے بجائے حقیقت مندانہ جذبے کو مقدم سمجھتا ہے اور حق و انصاف کی جگہ میں بے خطر ہر اس در آستانہ کو مقدس و متبرک سمجھتا ہے جو صداقت و انصاف کی خاطر وا ہوتا ہے۔

کالیداس گپتا رضاؔ نے بھی صداقت کے ایسے ہی جذبے کو اُجالے میں پیش کرکے اپنی بے پناہ انسیت اور بے لوث لگاؤ کا ثبوت دیا ہے جس نے اسکی وسیع النظری اور قلبی طہارت کے ساتھ ہی انکے ذوقِ تجسس کو بھی مستحکم کیا ہے۔

"اُجالے" میں شامل کلام میں اسلام کے ان اصولوں کی بڑی واضح تصاویر نظر آتی ہیں جنکی بنیادیں صداقت کے ساتھ ہی صلحِ کل کے جذبے پر رکھی گئی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ عام روایت یا محض تصنع آمیز ظاہر مبنی عقیدت کے بجائے رضا صاحب ایسے پہلوؤں پر شعور کی گہرائی کے ساتھ نگاہ ڈالتے ہیں جن میں انسانیت کو فروغ دینے کا عنصر اس طرح شامل ہو۔ ان کا نعتیہ کلام اور امام حسینؓ کی مدح میں کہے گئے اشعار کا سب سے اہم پہلو یہی ہے کہ وہ واقعات کے تمام حُسن و صفات کو ایک حق پسند اور منصف مزاج انسان کی طرح ظاہر کرنے میں فکر و شعور کی بالیدگی کے ساتھ وسیع القلبی اور وسیع النظری کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔

"اُجالے" کے کلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصے میں پیغمبرِ اسلام کی ذاتِ مقدس کے مطاہرانہ پہلوؤں کو نعتیہ نظموں اور قطعات و رباعیات کی شکل میں ظاہر کیا ہے۔ دوسرے حصے میں امام حسینؓ کے جذبۂ ایثار کا اعتراف کرکے حق و باطل کے فرق کو نمایاں کیا ہے۔

رضا صاحب "انسان کی تقسیم" کو مہلک اور خطرناک سمجھتے ہیں نیز انسان کے دل میں ابھرے جذبۂ تفریق کو لائقِ نفرین سمجھ کر اسے انسانیت کے ارتقا کیلئے مضر قرار دیتے ہیں۔ انکے نزدیک اس قسم کی تقسیم ذہنِ انسان کو بے جا اور بے کیف روایتوں میں مقید کر دیتی ہے لیکن وہ اس عمل سے نہ گھبراتے نظر آتے ہیں اور نہ اس کی موجودگی میں اپنے جذبۂ طہارت کی توقیر کو ختم ہونے دیتے ہیں اور اس طرح اپنی بے لوث عقیدت اور بے پناہ وسیع القلبی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی یہ رباعی ملاحظہ کیجیے ؎

بے کار کی باتوں نے ابھارا ہمکو ٭ عیسیٰؑ بھی محمدؐ بھی ہے پیارا ہمکو
تقسیمِ مذاہب سے نہیں کچھ بگڑا ٭ انسان کی تقسیم نے مارا ہمکو

"اُجالے" کی طباعت کتابت اور سرورق نفیس ہے یہ کتاب [illegible] کے عوض مکتبہ شاہراہ ہند دہلی سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ [illegible]

ہدیۂ عقیدت

آزاد ملک ہو ادیب یا شاعر جو کچھ وہ لکھے خواہ جگر سے نکلی شعر و ادب کی دنیا لا کر معیاری یا [illegible] روایات پر مبنی نہیں) سوال یہ نہیں کہ مذہب کی خدمت کرتے ہوئے [illegible] یاد و باد کا مدحیہ کن اقدار کا حامل رہا ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ انھوں نے اپنے جذبے سے ادب کے دامن کو کس طرح وسیع کیا؟

خوشی اس بات کی ہے کہ اس دور میں جبکہ دنیائے شعر و ادب مختلف ذہنی اقدار و نظریات و رجحانات کی شکل میں اُبھر کر سامنے آ رہی ہیں [illegible] جدید ترین شکلیں تخلیق ہو رہی ہیں "قدیم ترین شکلوں" کو کسی حد تک "ترک" بھی

[illegible]

[illegible]

"مذہبی عقیدت کی [illegible]
دل کی گہرائیوں کا احساس کیا جاسکتا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible] محبت اور انسانیت کے جذبے [illegible]
[illegible]
[illegible] دلی کے جذبے [illegible]
[illegible] صاحب کی [illegible]

[illegible] کی ہجر و فراق [illegible] جیسے [illegible] وغیرہ

آخر میں وفا صاحب کی غزلوں کا انتخاب بھی [illegible] میں شامل کیا گیا ہے۔ ہر چند ان کی غزلوں کے بیشتر اشعار قدیم [illegible] کے حامل ہیں لیکن ان سے موصوف کی مشاقی اور فکر [illegible] "بیقرارات" کے عنوان سے [illegible] تقریباً تمام [illegible] وفا کی شاعرانہ [illegible] غرض "ہدیۂ عقیدت" ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں قدیم اقدار کی رنگت اور خوشبو [illegible] محسوس کی جا سکتی ہے جنہیں اب بھی تر و تازہ کہا جا سکتا ہے۔

بات دل کی سنسی سنسی میں

[illegible] ہے۔ [illegible] کر دینے والے انداز میں نہیں بلکہ نہایت تبسم کی صورت میں پیش [illegible] دل لگی [illegible] گفتگو [illegible] سے بیان کیا ہے جس میں زندگی کی بعض تلخ [illegible] [illegible] ہیں۔ ہر چند کتاب کا عنوان "خلوت عام" اور "اصلاح دوام" [illegible] بھی رہا ہے۔ لیکن اس میں "[illegible] انداز" [illegible] دیا ہے۔ عموماً ایسے مسائل جن کا تعلق سماجی اور معاشرتی پہلوؤں سے ہے تفصیل و وضاحت کے طالب ہوتے ہیں لیکن [illegible] اجمالی اور بعض صورتوں میں انتہائی اختصار کے ساتھ [illegible] ایسے اثرات پیدا کئے ہیں کہ قاری پڑھتے وقت [illegible] ہنسی ہنسی میں [illegible] بلکہ دل کی بات سمجھ کر ان کی جانب متوجہ بھی ہوتا ہے۔ یہ ایک بڑی خوبی ہے [illegible] نے اپنے انداز بیان کو "گفتگو" کی شکل میں پیش کیا ہے۔ گویا وہ باتوں باتوں میں اہم ترین مسائل اور ان کے حل [illegible] اس طرح بیان کر دیتے ہیں [illegible] دل کی [illegible] بات [illegible] طرح واقف ہیں۔

اس کتابچہ میں [illegible] احمد نے سوال و جواب کی شکل میں بہت سی کام کی باتوں کو بڑی سادگی کے ساتھ پیش کیا ہے جنہیں [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کہا جا سکتا ہے [illegible] مضبوط و مستحکم ہیں ان کی حیثیت [illegible] اصلاح و فلاح کا جذبہ ہر جگہ [illegible] نظر آتا ہے لیکن اس جذبے [illegible] اور [illegible] تاثرات [illegible] میں پیش کر کے [illegible]

سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ [illegible] گفتگو [illegible] کو [illegible] وہاں [illegible] مثالوں سے [illegible] شگفتہ لہجہ میں بات کی [illegible] کے ساتھ [illegible] پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ [illegible] بات کو گفتگو کی شکل دیتے وقت وہ ایک کے بعد دوسرا مسئلہ نکال کر [illegible] پسند نہیں کرتے اسلئے [illegible] اختصار [illegible] دلیل [illegible] جاتا ہے۔

لطیفہ [illegible] خلیفہ [illegible] علامہ [illegible] اور استاد [illegible] علی الترتیب وہ کردار ہیں جو مصنف کی بات کو [illegible] ہنسی ہنسی میں [illegible] شعور [illegible] اور اپنے شعور کی تیزی سے [illegible] پہلوؤں کی [illegible] میں [illegible] کامیاب ہو جاتے ہیں [illegible] سیاست اور [illegible] مذہب کو [illegible] انسانوں [illegible] اور [illegible] کے دور [illegible] کر دیتے ہیں۔

شاید ہی کوئی پہلو ایسا ہو جو [illegible] احمد نے [illegible] کتابچہ میں [illegible] حکایات [illegible] شگفتہ انداز بیان [illegible]

[illegible]

سیکرہ

[illegible]

بقیہ صفحہ ۲۷ ——— معیار کسوٹی پر

"مہکیت" کا پیش لفظ محض روائتی انداز میں لکھا گیا ہے جس میں
[illegible]کی شگفتگی کے ضمن میں کلام ریاضی کا جائزہ لے کر اس کے روائتی پہلوؤں
[illegible] پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بریلی پور کی شعری اور تواریخی حیثیت
[illegible] ایک مخصوص دور تک محدود رکھا گیا ہے۔ کاش! اس دور کے بعد
[illegible] والے حقائق کی بھی نشاندہی کر دی جاتی بریلی پور کی شعری [illegible]
[illegible] تر و تازہ ہو جاتی اور پیش لفظ کے لکھنے والے کی شعری بصیرت کا مزید
[illegible] مل سکتا اس لئے بھی کہ پیش لفظ میں جس مخصوص دور کی شعری
[illegible] تاریخی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے اب بریلی پور کے اہل قلم اس سے کچھ
[illegible] بھی شعراء میں جن کی "تیز رفتاری" کا اعتراف ضروری تھا۔

غزل

قدیر۔ کوروالی

[illegible] کی گرمی سے جہاں جھونپڑے جل جاتے ہیں
گھر وہاں آہ کے شعلوں میں نظر آتے ہیں

[illegible] پھول ایسے بھی گلستاں میں نظر آتے ہیں
دستِ گلچیں کی تمنا میں جو مرجھاتے ہیں

[illegible] قسمت کے لکھے مان کے آلامِ حیات
غم کی راہوں سے بھی ہم ہنس کے گزر جاتے ہیں

[illegible] عنایت کی اگر ڈال دیں اک بار نظر
بد نصیبوں کے مقدر بھی بدل جاتے ہیں

[illegible] ان سے کیسے کہوں کرتا ہوں محبت تم سے
[illegible] کانپتا ہے کبھی دل لب کبھی تھراتے ہیں

[illegible] میرے دل پر بھی کبھی ایک نظر کی ہوتی
کیسے آئینے سنورنے میں پہنچ جاتے ہیں

اُن کے دیوانے جو بے ہوش ہیں آ جاؤ قدیر
ایسے دیوانے تو ہشیار کئے جاتے ہیں

غزل

طاہر تلہری

کوئی تیغ نہ خنجر ہے اُس کی آنکھوں میں
بس اک لطیف سا نشتر ہے اُس کی آنکھوں میں

وہ جس کے لب پہ تبسم کے پھول کھلتے تھے
اُداسیوں کا سمندر ہے اُس کی آنکھوں میں

مرے لئے ہیں دفا کے چراغ بھی روشن
شکایتوں کا بھی دفتر ہے اُس کی آنکھوں میں

یہ واقعہ ہے کہ ناصح بھی قتل ہو کے رہا
نہ جانے کون سا خنجر ہے اُس کی آنکھوں میں

اندھیری رات گھنیرے سیاہ بال اُس کے
طلوعِ صبح کا منظر ہے اُس کی آنکھوں میں

میں ڈوب کر بھی نہ اب تک سمجھ سکا طاہر
سراب ہے کہ سمندر ہے اُس کی آنکھوں میں

غزل

مشتاق آذر۔ سیالکوٹ

نغمۂ کہنہ کو ساز نو پہ دہراتی رہی	ہائے کمبخت دنیا کتنی جذباتی رہی
جب کسی کشتی کو طوفاں نے لیا آغوش میں	دیر تک ساحل سے [illegible] کی صدا آتی رہی
موت اک موہوم سی امید کے پیشِ نظر	زندگی ہم کو فریب زندگی کھاتی رہی
غالباً وہ دورِ حاضر کا نمائندہ ہی تھا	جس کے عریاں جسم سے تہذیب شرماتی رہی
صبح دم آخر وہی انجام محفل ہو کے رہا	رات بھر جھلکا [illegible] اشک ساقی رہی

قہقہوں کے رنگ محلوں سے بھی آذر آج تو
ہلکی ہلکی سسکیوں کی کچھ صدا آتی رہی

غزل

بیدل سرحدی سیالکوٹ

[illegible] کو گیا تو آپ سے میں جدا رہا	کچھ مدعا کہا نہ کوئی مدعا رہا
[illegible] غم سنا کے بھی ہم شرمسار ہیں	آنچل کسی کے اشکوں سے بھیگا ہوا رہا
تیری گلی میں رات کٹ گئی جیسے بھی کٹ گئی	چھپ کر کسی کی نظر سے [illegible] کیا
جو چاہتا ہے اس کی پرستش کیا کروں	مجھ کو صنم کے بھیس میں پر [illegible]
گستاخ ہے کچھ اور تو کچھ ادا ہے	جو دوست بھی ملا کہیں [illegible]
[illegible] بجلی تھی اک گھر اس [illegible]	گلشن میں آشیاں مرا جلتا ہوا رہا
اک عمر میں تمام ہوا قصۂ حیات	قاتل کو وہ خبر قاتل کو کیا ملا!
[illegible] طلسم گاہ جہاں سے نکل گئے	اے چشم یار جن کو ترا آسرا رہا

موسم خزاں کا ہو کہ وہ رُت ہو بہار کی
بیدل کے دل کا زخم ہمیشہ ہرا رہا

غزل

(از ستیش سونی)

جب نام سے دیوانے کے موسوم نہیں تھا
انجام محبت مجھے معلوم نہیں تھا

جب ربط محبت ہی تھا آپ سے کوئی
ظالم تو نہ تھے آپ میں مظلوم نہیں تھا

جب سے سرد ہو گئیں اس دل سے وفائیں
نادان تھا یہ دل مرا مکوم نہیں تھا

چھینی ہو نہیں لے تو کسی میرے لبوں کی
پہلے تو کبھی ایسا میں مغموم نہیں تھا

دیدار کو اب تیرے ترستا ہے جو ستیش
[illegible] ترے دیدار سے محروم نہیں تھا

غزل

او۔ پی۔ شاکر دہلوی

زہر غم حیات پیئے جا رہا ہوں میں
جینا نہیں قبول جیئے جا رہا ہوں میں

مجھ کو اگرچہ مجھ کو مٹانے کی فکر ہے
لیکن تجھے دعائیں دیئے جا رہا ہوں میں

جس بت سے خود کا بھی نہیں واسطہ کوئی
اس بت کی آرزو میں جیئے جا رہا ہوں میں

یہ سوچ کر کہ آپ کو چاہا نہیں کبھی
یوں اپنے دل کا چاک سیئے جا رہا ہوں میں

آنکھوں میں اشک ہونٹوں پہ آہیں زباں خموش
شاکر تیرے غموں کا سہارا رہا ہوں میں

نوٹ: ساری غزل میں نہیں کی جگہ۔ ذکا محل ہے۔
مدیر

اپنی نوعیت کا نرالا یادگار

ڈاکٹر حسین ظہیر نمبر

اردو دنیا میں سائنس کی اردو دنیائے سائنس میں اردو کی خدمت کے لئے انڈین لینگویج یونٹ
کاؤنسل آف سائنٹفک واندسٹریل ریسرچ نئی دہلی کی تازہ پیشکش

حسین ظہیر نمبر "سائنس کی دنیا" (سہ ماہی)

اردو داں عوام اور طلبا کیلئے نہایت مفید عوامی اور دلچسپ انداز میں سائنس اور تکنیکی ترقیات نئی نئی ایجادوں اور دریافتوں اور اردو ذریعۂ تعلیم کے عام طالب علموں اور جستجو کار اردو داں کیلئے بہتر مضامین و مواد ان کو اپنی مادری زبان میں دستیاب ہونگے۔ دنیا میں بالعموم اور ہندوستان میں بالخصوص سائنس کے ارتقاء و حقیقت کہاں تک پہنچ سکتا ہے اسے جان کر عام سائنسی رویے اور [illegible] پیدا کرنے اور توہمات کے غار سے نکالنے کیلئے ملاحظہ کیجئے "سائنس کی دنیا" "سائنس کی دنیا" کے اردو ایڈوائزری بورڈ میں عظیم سائنس داں صنعت کار۔ ماہر تعلیم اور دانشور شریک ہیں جسکے صدر میں پنڈت آنند نرائن ملا ایم پی۔ نگراں اے رحمان اور ایڈیٹر سکریٹری گلزار زتشی دہلوی ہیں۔ عالی جناب فخرالدین علی احمد صاحب صدر جمہوریہ ہند اسکے سرپرست اعلیٰ ہیں جنھوں نے راشٹرپتی بھون نئی دلی میں اس رسالے کا آب و تاب سے ۱۸ جون ۱۹۷۵ء کو اجرا فرمایا۔ اور شریمتی اندرا گاندھی وزیراعظم ہند و صدر سی ایس آئی آر اس کی محسن ہیں جنھوں نے ۹ جولائی کو سرکاری محکموں میں پذیرائی و ترسیل کے لئے اسے قبول کیا۔ شری سبرامنیم وزیر خزانہ اور شری پی۔ این ہکسر نائب چیرمین پلاننگ کمیشن اس کے نائب سرپرست اعلیٰ ہیں طلبا۔ اردو عوام اور سائنسدانوں کے لئے انتہائی مفید اور نفع بخش مجلہ ہے۔ اس رسالہ کی سری نگر سے کنیا کماری تک اور بمبئی و لکھنؤ سے جمشید پور و جورہٹ تک ہر سائنسی ادارے۔ اسکول کالج۔ یونیورسٹی۔ لائبریری اور سائنسی لیبارٹری میں رسائی ہے۔ اب اس رسالہ کا چوتھا نمبر اسپیشل ڈاکٹر سید حسین ظہیر نمبر ہوگا جو اپنی نوعیت سے تاریخی اور یادگار نمبر ہوگا۔ اس میں لکھنے والے ملک کے بہترین سائنس داں۔ دانشور ماہر تعلیم اور صنعت کار بھی ہیں۔ اور ریسرچ اسکالر بھی۔ چھوٹے صفحہ کا رنگین اور معمولی کیلینڈر پرنٹنگ آفسٹ پر۔ سائز ڈیمائی کوارٹو۔ اعلیٰ کتابت۔ خوشنما کور۔ دیدہ زیب تصاویر۔

قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے سالانہ ڈیڑھ روپیہ حسین ظہیر نمبر کے چندے آرڈر فوراً بک کرائیں۔

آج ہی بحیثیت خریدار۔ قلم کار۔ مشتہر اپنا رابطہ قائم کیجئے۔ قارئین و ایجنٹ صاحبان نیز اہل قلم مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔ مجلہ ترسیل زر بنام چیف ایڈمنسٹریشن سی ایس آئی آر ہونی چاہیئے۔ ظہیر نمبر کی فوری پیشگی بکنگ ضروری ہے۔

شری اے۔ ایم زتشی گلزار دہلوی مدیر معتمد سائنس کی دنیا [illegible]

سی ایس آئی آر۔ رفیع مارگ۔ نئی دلی۔ ۱

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی
کے
بیس ۲۰ نکاتی اقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کی دلدل سے نکل سکتا ہے اور ہم ڈسپلن سے قومی کیریکٹر کو بلند کر سکتے ہیں۔ آئیے ہم سب مل کر وزیر اعظم کے ۲۰ نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں۔

دیال سنگھ کالج کرنال

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے دیال سنگھ کالج کرنال میں طلبا کو ہمیشہ ڈسپلن قومی ایک جہتی اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور انہیں ایک اچھا شہری اور ایک خدمت دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے

اراکین منتظمہ کمیٹی

دیال سنگھ کالج کرنال (ہریانہ)

نایاب اور مشہور اردو کتابیں منگائیے

کلیاتِ اقبال کا صدی ایڈیشن (آفسٹ)		۲۰/
اقبال۔ شاعر اور فلسفی	سید وقار عظیم	۱۲/-
بانگِ درا (فوٹو آفسٹ)	اقبال	۱۰/-
ضربِ کلیم	〃	۷/۵۰
بالِ جبریل	〃	۷/۵۰
ارمغانِ حجاز	〃	۴/۵۰
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/-
اردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۲۴/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطراف غالب	ڈاکٹر سید عبد اللہ	۱۵/-
غزل اور مطالعہ غزل	عبادت بریلوی	۲۰/-
جدید شاعری	〃	۲۵/-
ارمغانِ علی گڑھ	خلیق احمد نظامی	۲۰/-
اردو مثنوی کا ارتقار	عبد القادر سروری	۶/-
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
اردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعہ سر سید احمد خاں	عبد الحق	۵/-
اردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستہ مضامین انشا پردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۹۵
نمائندہ مختصر افسانے	ڈاکٹر طاہر فاروقی	۳/۷۵
تنقید کا سرمایہ	عبد الشکور	۲/۵۰
اردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/-
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۲/-
فیروز اللغات (جیبی ایڈیشن)		۶/۵۰
انتخاب مضامین سر سید	آل احمد سرور	۲/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری	وحید قریشی	۴/۵۰
شرح جاوید نامہ (جلد اوّل)	محمد سلیم چشتی	۶۰/-
〃 〃 (جلد دوم)		۴۰/-

ضبط شدہ نظمیں	مرتبہ علی جواد زیدی	/-
تنقید سے تحقیق تک	عنوان چشتی	۵/-
اقبال کے خطوط	ڈاکٹر منظر عباس نقوی	۸/-
پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	ڈاکٹر شمیم نکہت	۸/-
مقدمہ تاریخ زبان اردو	ڈاکٹر مسعود حسن	۰/-
اصطلاحاتِ تنقید	اسلوب احمد انصاری	۰/-
ادب اور زندگی	اظہر پرویز	۱/-
اردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	/۵۰
یادوں کے سائے	ممتاز میرزا	۰/-
مترجم مثنوی مولانائے روم	قاضی سجاد حسین	۰/-
مترجم دیوانِ حافظ	〃 〃	/-
ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	/-
جذباتِ مشرق	〃 〃	۵/-
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۵/-
فرہنگِ آصفیہ (چار حصّے)		۱۰/-
اردو انگلش ڈکشنری	مولوی عبد الحق	۰/-
اردو انگلش ڈکشنری	〃	/-
ابتدائی علم عروض	کمال انجم کمال گانوی	/-
نگار کا ہندوستانی مسلمان نمبر		/-
اردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعراء کا حصّہ	سرلا کھوسلا	۵/-
شرح دیوانِ غالب	نظم طبا طبائی	/-
برقِ تبسم	نسیم علی پوری	۰/-
سحر نغمہ	ساحر ہوشیارپوری	/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	/-
مغربی ادب کے معمار	اے۔ محمد ابراہیم	/-
آئینہ	حیرت بدایونی	/-
نقد و نظر	محمد احمد صابی	/-
اوراقِ زندگی	بسمل سعیدی ٹونکی	۵/-

February— 76
Phone : 278880 Regd. No. D-(D)
THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

37(3) ۲۴ ۲۰۱۶



March—1976





Zakir Usmani Raveri



Jameel Bastvi

سال اجراء ۱۹۲۸ء | رجسٹرڈ نمبر (ڈی) ۔ ۔ ۱۳۷ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپرز R/N 646/57

ٹیلی فون نمبر - ۲۷۸۸۸



ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی | قیمت سالانہ: دس روپیہ | فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۴۷ | مارچ ۱۹۷۶ء | شمارہ ۳

فہرس



[illegible] ودیا پرکاش سرور ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر [illegible] پریس جامع مسجد [illegible] دہلی میں چھپا
اور دفتر شانِ ہند فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ
دریا گنج نیو دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع ہوا۔
سرورق ایم۔ ایس پرنٹرز دریا گنج دہلی میں چھپا۔

فارم IV

(دیکھو رول ۸)

۱۔ مقام اشاعت:۔ فلیٹ ۳۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۲
۲۔ نوعیت اشاعت:۔ ماہنامہ
۳۔ نام پرنٹر:۔ ودیا پرکاش سرور
قومیت:۔ ہندوستانی
پتہ:۔ فلیٹ ۳۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۲
۴۔ نام پبلشر:۔ ودیا پرکاش سرور
قومیت:۔ ہندوستانی
پتہ:۔ فلیٹ ۳۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۲
۵۔ نام ایڈیٹر:۔ ودیا پرکاش سرور
قومیت:۔ ہندوستانی
پتہ:۔ فلیٹ ۳۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ دہلی ۲
۶۔ نام پتہ مالک اخبار:۔ ودیا پرکاش سرور۔ فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

میں ودیا پرکاش سرور تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔

یکم مارچ ۱۹۷۶ء

ودیا پرکاش سرور

افکار و واقعات

"راقم الحروف کافی باعث [illegible] ہے کہ [illegible] [illegible] لیے لکھوا دیے تھے۔ اس [illegible] اتنی [illegible] بھی نہیں [illegible] [illegible] افکار و واقعات [illegible] روایات کے مطابق پیش کیے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اس [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کوئی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] لکھا [illegible] قرار [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جناب عظیم [illegible] صاحب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نہیں لیا جا سکتا۔

[illegible]

خط غلط، املا غلط، ہجا غلط، انشا غلط

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] پریس سے شائع [illegible] اور پھر [illegible] سال بعد [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حرف [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نہیں آتا یعنی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضرت [illegible] [illegible] لکھنوی کے حاضر ہیں۔

میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] کے لگا ہے [illegible] خطاب کا

کل وہ آئے اور [illegible] ہے [illegible]

میرے حق میں ہو گئی وہاں [illegible] [illegible]

[illegible] شعر میں [illegible] [illegible] دوسرے میں [illegible] بالکل ایک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] صحیح نہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] صاحب [illegible] [illegible] [illegible] لکھتے ہیں کہ ذرا [illegible] [illegible] [illegible] کی مناسبت ہے جو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فارسی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نہیں۔

[illegible] [illegible] لکھنوی لکھتے ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بعض [illegible] [illegible] [illegible] صفحہ ۱۵)

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کلمہ ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اس لفظ کو ذال سے لکھتے ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فارسی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] لکھا جائے گا۔

[illegible] ذال [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

خان آرزو "چراغ ہدایت" میں لکھتے ہیں کہ زاے ہوز ہندی میں نہیں
دلیل ساطع میں (جو لغات ہندی سنسکرت کے لئے ہے) لفظ [illegible]
کا پتہ نہیں۔

حضرت علامہ عشق آبادی [illegible] لکھتے ہیں۔
اب چند شاعروں کے اشعار دیکھئے۔ میر حسن دہلوی

[illegible] دل [illegible] اضطراب
شہود ستہ تجھ کو بھی اضطراب

[illegible] اس کو [illegible]
[illegible] اس کو [illegible]

سودا ؎ [illegible]
[illegible] مشکل [illegible]

ذوق دہلوی نے ایک [illegible] کی جگہ [illegible] لکھا ہے۔
[illegible] وہ [illegible] دل کرجائے [illegible]
[illegible] خاب [illegible]

[illegible] نسیم دہلوی [illegible] دہلوی نے [illegible]
[illegible] قدیم و جدید [illegible]
[illegible] شعر پر [illegible] رامپوری بحر الفصاحت [illegible]
[illegible] ملاحظہ کیجئے ؎ [illegible]
[illegible] سے [illegible]

[illegible] سے [illegible]
معنی میں بھی آیا ہے اور اس وجہ سے [illegible] بھی لکھتے ہیں۔
[illegible] کرنے والا [illegible]
[illegible] خصوصیت نہیں [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible]
زبان کا لفظ ہے اور [illegible] ہے۔ [illegible] تصوری [illegible]
[illegible] لفظ [illegible] سے [illegible] ہے کیوں [illegible] مستعمل ہے [illegible]
لکھنا غلط ہے [illegible] معنی [illegible] ہے۔ [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] کرکے [illegible] چھوڑ دیا [illegible]
[illegible] میں نون کے وجود کو مانتے نہیں۔ [illegible] صاحب
گھانس [illegible] نون غنہ [illegible] مانتے ہیں اسی طرح سونٹھ میں بھی [illegible]
تائید کرتے ہیں اور [illegible] ہیں [illegible] کے نزدیک بغیر نون غنہ غلط ہیں۔
صاحب نفائس اللغات نے گھاس اور گھانس دونوں طرح لکھا ہے

لیکن ذوق صاحب نے [illegible] بغیر نون [illegible] لکھا ہے ؎
[illegible] شیریں [illegible] شکی شما۔ میر [illegible]
[illegible] بلکہ [illegible] ترے نزدیک [illegible]
ذوق صاحب نے [illegible] توضیح لکھا ہے لیکن پارس کی رائے میلہ کو [illegible]
[illegible] کا ثبوت دیا ہے۔ [illegible] پارس کی [illegible] دوسرا حرف [illegible]
ہے [illegible] اور [illegible] فارسی [illegible]
امیر مینائی نے پارس [illegible] لکھا ہے ؎
[illegible] تاابن آبیاری پارس [illegible]
[illegible] غلط [illegible] پارس [illegible]
آبیاری کا لفظ [illegible] صحیح نہیں [illegible]
[illegible] پر فارسی کی [illegible]
[illegible] مقرر کیجئے
[illegible] کی علامت (—)
[illegible] الفاظ کی علامت (...)
سوالیہ فقرے کی علامت (؟)
الفاظ [illegible] کی علامت (" ") [illegible]
[illegible] تحسین کی علامت (!)
[illegible] علامتیں [illegible]
[illegible] آبادی نے [illegible] علامتیں ضروری بتائی
خط الوصل، خط [illegible] خط التمیز، خط [illegible] نقطہ اختصار، خط
خط النقصان، [illegible] خط الشک، خط الیقین وغیرہ۔
اب آپ یہ شعر دیکھئے جس کا پہلا مصرع سحبان العصر کا ہے
دوسرا تاریخی مصرع علامہ عشق آبادی کا ہے ؎

[illegible] نظر آپ اگر چاہیں مراد
طالب دیدہ و دل خوبیٔ عنوان مراد
۱۵ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ

میں نے علامہ صاحب سے دریافت کیا کہ اس تاریخی مصرع میں نقطہ جو
[illegible] محسوب کئے ہیں اور آپ ہمزہ ایک ہی سے تحریر فرماتے ہیں اس طرح
کے ۲ عدد بنتے ہیں۔
فرمایا جنوری ۱۹۳۰ء تک میں جاہلوں کی تقلید میں [illegible] لکھتا رہا جب
تک پوری [illegible] حضرت امیر مینائی نے آگاہ کیا تو میں ہمزہ تک پہنچا۔

۲ میں نے پھر کہا کہ اب اس کی تصحیح کسی طرح فرما دیجئے [illegible] کہا [illegible] (سحاب [illegible] کہا جانا، اعجاز [illegible])

دماغی ورزش

پچاس روپے انعام

۱۔ یہ متفرق مطلع ہیں یا مسلسل نظم ہے؟

۲۔ اگر مسلسل نظم ہے تو قافیہ کیا ہے۔ اور حرفِ روی کون سا ہے؟

۳۔ اگر متفرق مطلع ہیں تو ہر مطلع کا قافیہ مع حرفِ روی بتائیے۔

۴۔ اگر کسی مطلع میں ایطائے جلی یا خفی ہو تو وضاحت کیجیے۔

۵۔ اگر کوئی غیر معمولی کیس آیا ہو تو وہ بھی بتائیے۔

۶۔ اگر قافیے کا کوئی اور عیب سرزد ہو گیا ہو تو وہ بھی ظاہر کیجیے۔

۷۔ حرفِ متحرک اہلِ فارس نے حروفِ قافیہ سے خارج کر دیا ہے۔ لہٰذا الف حرفِ قافیہ نہیں۔

۸۔ جتنا سوال ہو اتنا ہی جواب دیجیے۔

(ادارہ)

۱۔ اندرا گاندھی ہیں ایک اک بھارتی کی ترجماں
یا با الفاظِ دگر ہے تاج کی کشورستاں

۲۔ فہم سے اُن کی وطن مہکا ہے مثلِ بوستاں
وجد کرتا ہے انھیں کے ساز پر ہندوستاں

۳۔ روحِ اشعارِ جوان و جوہرِ سنبلستاں
نکہت افشاں ہے نفس سلمیٰ کا مثلِ گلستاں

۴۔ ہم رکابِ بدر تارے ہیں بر انجم ستاں
جلوہ گر علام ہیں یوں در ہجومِ دوستاں

۵۔ ہیں ترانے پر ہزاریں نغمہ زن در بوستاں
آتشِ گل لب ہے محتاجِ ہوائے دوستاں

۶۔ طنز ہو جس میں یہاں رد ہوتی ہے وہ رخواستِ آں
یا با اندازِ تکبر ہو ولیسی داستاں

۷۔ داد کا بھوکا ہے ہر شاعر فدائے داستاں
سجدہ گاہِ اہلِ فن علام کا ہے آستاں

مہر جب آئے حل میں لکھو نقشِ بیت آں
رفعتِ تاثیر دیکھو تم نہ مجھو چھپیاں

مشاعرہ جشنِ جمہوریت لال قلعہ دہلی

کریمی الاحسانی

یہ ۲۴ جنوری ۱۹۷۶ء کی یخ بستہ رات ہے۔ میں لال قلعہ پہنچ گیا ہوں ... میں پاس دفتر شانِ ہند میں ہی رہ گیا۔ یہاں آکر جو دیکھا تو پنڈال دیوانِ عام کے قریب ہی بنایا گیا ہے۔ ایک ہُو کا عالم اور سناٹا ہے۔ حالانکہ اس مشاعرہ کو سننے کے لئے بیرونِ دلی سے بھی اردو کے بہی خواہ اور مشاعروں کے شائقین شرکت کیا کرتے ہیں لیکن آج ایک جمود طاری ہے۔ پوسٹر میں آٹھ بجے کا وقت لکھا ہوا ہے اور میں صحیح وقت پر آگیا ہوں گیٹ پر جن لوگوں کو تعینات کیا گیا ہے ان پر زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم صادق آتا ہے۔ یہ حضرات خود مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ یہاں کیا ہوگا۔ ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ یہ حضرات اور لوگ ... ہریانہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو بتلایا گیا کہ مشاعرہ ہوگا۔ مشاعرہ کیا ہوتا ہے میں نے سمجھایا کہ کویتا جانتے ہو۔ ہاں۔ تو یہ اردو کی کویتا ہوگی۔
دیکھا تو محترم عرش ملسیانی صاحب ایک صاحب کے سہارے آرہے ہیں ان سے سلام و مزاج پرسی ہوئی اور ان کے ساتھ ہی پنڈال میں آگیا ہوں اسٹیج کے سامنے ... ساقی صاحب بھی تشریف فرما ہیں ان کے پاس ہی بیٹھ گیا ہوں۔ ٹیلی ویژن والے اور آل انڈیا ریڈیو کے منتظمین مشاعرہ کو فلمانے اور ریکارڈ کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ سامعین کی نفری بھی بڑھ رہی ہے اور شعراء کرام بھی ٹولیوں میں آرہے ہیں۔ ۹ بج چکے ہیں اور ابھی تک جناب شنکر دیال شرما جی وزیر حکومتِ ہند تشریف نہیں لائے لہٰذا شری رادھا رمن صاحب چیف ایگزیکیٹو دلی چیئرمین کا صدارت کے لئے اسم گرامی پیش کیا جا رہا ہے آپ کو پھولوں کے ہار پہنائے جا رہے ہیں اور آپ فرما رہے ہیں:۔
ابھی شرما جی کے آنے میں دیر ہے مجھے یہاں کھڑا کر دیا گیا ہے میں آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ لال قلعہ کا یہ مشاعرہ ایسا نمایاں ہو کہ ... کی یاد ... میں دیر تک رہے۔
— بار ارشاد فرمایا ایک مشاعرے بہت پہلے ہوا کرتے تھے ... مشاعرے ... کہاں — آپ مختصر سی تقریر فرما کر تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آگئے ہیں

اور اسی عالم میں جناب شنکر دیال شرما جی تشریف لے آئے ہیں۔ آپ کا نام نامی افتتاح کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ آپ کا بھی پھولوں اور تالیوں سے استقبال کیا جا رہا ہے۔ یہ تالیوں کا شور خوشگوار کم ہوا تو شرما جی نہایت پُروقار انداز سے خالص اور شستہ اُردو میں فرما رہے ہیں:۔
بزرگوار اور ساتھیو۔ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھو کہ جشنِ جمہوریت کا مشاعرہ بہادر شاہ ظفر کے قلعہ میں ہو رہا ہے آج ہم ایسے وقت اکٹھے ہوئے ہیں کہ ہندوستان اُبھر کر سامنے آیا ہے۔ ہماری تقاریر کا کوئی مقصد ہوتا۔ لیکن شاعر کے کلام کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک میں انقلاب ہوا ہو وہاں شعراء کرام کا زیادہ حصہ رہا ہے یہ اُمید اُردو کے شعراء ... ہوں — تالیاں — اُردو زندہ رہے گی۔ اُردو بڑھے گی۔ اور اس کو اس کا صحیح مقام ملے گا — تالیاں — اندرا جی کی قیادت میں نیا اعتماد قائم ہوا ہے — تالیاں — ہم سب کو چاہئیے کہ اُن کے پروگرام میں ہاتھ بٹائیں۔ اردو کا رشتہ ہر دور اور سماج کے ساتھ وابستہ رہا ہے ہماری آزادی کی تحریک جن جن راستوں سے گزری اردو نے اس کا ہر جگہ ساتھ دیا — تالیاں — اور میں سوچ رہا ہوں بس اردو نے آزادی کی ... آج ہم اس کو نظر انداز کر چکے اور وہ غریب الدیار اردو اپنی شیرینی اور اپنے بل بوتے پر زندہ ہے۔ ہم اُردو کی تعریف سن کر صرف تالیاں بجاتے ہیں کیا اس طرح اردو زندہ رہے گی —؟ کیا تالیوں سے اردو کو اس کا صحیح مقام مل جائیگا —؟
لیجئے ملک زادہ منظور احمد صاحب مشاعرہ کو چلانے کے لئے مائک پر آکر شعراء کرام کا تعارف کرا کر پدم شری الحاج بیکل اُتساہی صاحب سے اس مشاعرہ کا آغاز کرا رہے ہیں۔ قبلہ بیکل یوں تو داد دیتے جھوم رہے ہیں ؎

کوئی تھا ہندو نہ مسلم گناہ کس نے کیا ٭ بتاؤ پیار کے گھر کو تباہ کس نے کیا
وہاں نہ ہم تھے نہ تم تھے اور کوئی نہ تھا ٭ تو پھر یہ شیشے کا پیرہن سیاہ کس نے کیا

ایک ہڑبونگ کا عالم ہے یہ ہنگامہ کم ہوا تو بیکل صاحب ... سے داد وصول کرتے چلے گئے ہیں۔

دگلوں کی تازگی ہے نہ چمن کی دلکشی ہے
جو دلوں کو کردے روشن وہی اصل روشنی ہے

اے حسین چاند تارو نہ سجاؤ میرے گھر کو
مرا دیش جگمگا دو یہی میری زندگی ہے

بیکل صاحب ایک حسین گیت سنا کر تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور ممتاز مرزا فرما رہی ہیں اسی ذرا سی پنسل سے اس مشاعرہ کو لکھو گے؟ میں نے عرض کیا نہ جانے کتنے مشاعرے اسی پنسل سے لکھ چکا ہوں اور یہ ابھی باقی ہے۔ دیکھا تو محترم کنور مہندر سنگھ بیدی سحر صاحب کا تالیوں سے خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور عرش ملسیانی صاحب عطا کر رہے ہیں ؎

جو کم ہمت ہیں ان کو حوصلہ دینا بھی آتا ہے
... قدم آگے کے بڑھوں کو چلا دینا بھی آتا ہے
بزرگوں کا ادب آتا ہے اور خردوں کی دلداری
دعا لینا بھی آتا ہے، دعا دینا بھی آتا ہے
ندامت کو نگاہوں سے بلا دینا تو آساں
جو دل سے نہیں اُن کو ہلا دینا بھی آتا ہے

حریم ناز میں رکتے بھی ہیں لے عرش ہم اکثر
حریم ناز کا پردہ اٹھا دینا بھی آتا ہے

عرش صاحب خوب خوب داد وصول کئے جا رہے ہیں اور منظور صاحب دعوت سخن دے رہے ہیں مسعودہ حیات صاحبہ کو حیات صاحبہ ایم عرفی ایک طویل نظم سنا رہی ہیں جسے سامعین نے دلجمعی سے سنا آئیے آپ بھی سماعت فرمائیے ؎

اب کوئی جبر کرے گا نہ کوئی لوٹے گا
مٹ گئے عدل کی برکت سے کتنے
کتنی برباد ہے اب اہل ہوس کی دنیا
اور آباد ہیں نادار کے ڈیرے کتنے
اب کہیں سے نہیں اٹھتا کسی الزام کا شور
حق و انصاف کی ہر سمت صبا پھیلی ہے
ہر طرف پھول نظر آتے ہیں نظم و نسق کے
گلشن ہند میں خوشبوئے وفا پھیلی ہے

حیات صاحبہ کا مرال جاری ہیں اور منظور صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں قبلہ شعلہ مصحف کے بعد ایک سنجیدہ شاعر یعنی کنور مہندر سنگھ بیدی سحر آ رہے ہیں کلام سے کرم فرمائیں گے۔ محترم کنور صاحب نے ایک طویل نظم عنایت کی میں نے صرف سننے ہی پر اکتفا کیا یہ وہی لال قلعہ ہے کہ جہاں کے مشاعرے ہلڑ بازی کی نذر ہو جایا کرتے ہیں لیکن آج ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ غالباً یہ ایمرجنسی کی مہربانی اور کرم فرمائی ہے اگر ایسا ہے تو اس نظام کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ دیکھا تو محترم کنور صاحب تالیوں کی چھنک میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور منظور صاحب فرما رہے ہیں ستارۂ بندہ کی آزادی اور اردو کی تشکیل میں جن کا ہاتھ رہا ہے اور وہ کنور صاحب کے ہم شکل ہیں انہیں علامہ انور صابری کے نام سے پکارتے ہیں۔ اب آپ کے سامنے آ رہے ہیں ان سے بھی کچھ سنئے گا۔ علامہ بوڑھے ترنم سے گرج رہے ہیں ؎

کہا یہ کس نے کہ تزئین لالہ زار نہ ہو
یہ شرط ہے کہ کوئی آنکھ اشکبار نہ ہو
قدم قدم پہ رہے ہوش قافلہ والو
چھپا ہوا کوئی رہزن پس غبار نہ ہو

چمن سے ربط محبت کا حق ادا کر دو
کلی کلی کو تبسم سے آشنا کر دو
خلاف مصلحت باغباں ہیں جن کے دماغ
انہیں بہار کے ماحول سے جدا کر دو
تجوریوں میں نہ روشن رہیں جو زر کے چراغ
دلِ غریب کی آہوں کو یوں رسا کر دو
دبے ہوئے تھے جو صدیوں سے بار غم کے تلے
بلند ان کے عزائم کا حوصلہ کر دو

علامہ صاحب خوب خوب داد و تحسین پا کر اپنی جگہ پلٹ رہے ہیں اور منظور صاحب مینا قاضی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں۔ مینا صاحبہ یوں محفل کو نغمگی سے مخمور بنانے چلی ہیں ؎

امید و یاس نے کچھ ایسے گل کھلائے ہیں
سنبھل سنبھل کے قدم اپنے ڈگمگائے ہیں

پنڈال میں ایک بھونچال سا آیا ہے قدرے سکوت کے بعد اسی تپش سے چہک رہی ہیں

بقدر ہمت دل اُن کے ناز اُٹھائے ہیں
یہ اور بات ہے وہ آج تک پرائے ہیں

سب برابر کے شریک ہیں ــــ ایک آواز ــ ایک قہقہہ ــــ دیکھا تو ایک سردار جی مینا صاحبہ کو پانچ روپیہ کا نوٹ پیش کر رہے ہیں جسے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا گیا ہے اور آپ اسی کج دھج سے محفل کو یوں چونکا رہی ہیں ؎

خزاں بدوش ہواؤں سے دور رہو
ہمیں نہ چھیڑو بہاروں کے ہم ستائے ہیں
جہانِ عشق و وفا میں بہت اندھیرا تھا
ہمیں نے اپنے لہو سے دیئے جلائے ہیں
تمام عمر جنہیں ہم نے رائیگاں سمجھا
کبھی کبھی وہی آنسو بھی کام آئے ہیں

علامہ صاحب تڑاکر فرما رہے ہیں کہ کمال کر رہی ہو۔ دیکھا تو مینا صاحبہ مائیک چھوڑ رہی ہیں اور منظور صاحب فرما رہے ہیں کہ صرف قومی نظمیں ہی نہیں بلکہ شاعر کی رائے پر چھوڑ دیجئے کہ وہ کیا سنانا چاہتے ہیں اس اعلان پر اظہار خوشنودی کیا جا رہا ہے حالانکہ آج قومی شاعری ہی پیش کی جاتی۔ وہ دیکھئے صوفی رام کش مضطر صاحب بیدار ہو کر آ رہے ہیں۔ ایک بند آپ بھی سنئے ؎

جب فتنہ گر چمن کو مٹانے پہ تل گئے
جب شر پسند آگ لگانے پہ تل گئے
ہر شاخ ہر شجر کو جلانے پہ تل گئے
بنیادِ قصرِ امن کو ڈھانے پہ تل گئے

مضطر صاحب خوب خوب داد پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور منظور صاحب ڈاکٹر منشاء الرحمٰن منشا سے درخواست کلام کر رہے ہیں منشا صاحب نہایت سنجیدگی سے عنایت کر رہے ہیں ؎

دل اسیرِ غمِ دنیا نہیں ہونے پاتا
شکر صد شکر کہ ایسا نہیں ہونے پاتا
خونِ دل سے جو جلاتے ہیں محبت کے چراغ
اُن کی دنیا میں اندھیرا نہیں ہونے پاتا
لوگ اندھیر مچاتے ہیں تو پھر گلشن میں
صبح ہو کر بھی اُجالا نہیں ہونے پاتا

ڈاکٹر صاحب تالیوں کی جھنکار میں جا رہے ہیں ادھر منظور صاحب رنگ محفل بدلنے کے لئے ہلال رضوی رامپوری کو دعوت طنز و مزاح دے رہے ہیں ہلال صاحب مسجد کے زیر سائے عنایت کر رہے ہیں سنئے اور لطف لیجئے ؎

دیکھا ہلال میں نے یہ کل رات خواب میں
غالب کھڑے ہیں مسجدِ شاہ جہاں کے پاس
حیران ہو کے میں نے کہا آپ اور یہاں
جانِ جہاں کے پاس نہ پیرِ مغاں کے پاس
کہنے لگے کہ دوست بیاں کیا کروں میں حال
جنت میں جا کے ایسا پشیماں ہوا کہ بس
جب بادہ طہور میں پینے پہ ڈٹ گیا
دو چار بوتلوں ہی پہ آئی صدا کہ بس
پھر بولے چھوڑو ذکر وہاں کا بتاؤ یہ
بے موقع تھا یہاں یہ جو بازار کیا ہوا؟
وہ چاٹ والے اور وہ کبابی کہاں ہیں اب
میں چاہتا ہوں منہ کا سنجس یا بعوذ الفتہ
نظارۂ جمال نہ کیفیتِ سرور
ساقی کی چشمِ مست نہ رندوں کا ہمطراق
آخر بتاؤ تو کہ یہ ہے انقلاب کیا
جب کہہ چکے تو میں نے کہا محترم جناب
بعدِ وصال بھی ہے وہی حسرتِ نگاہ
کیوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہئے
ذوقِ طلب کا تھا یہ تقاضا کہ اب تلک
مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہئے
دلی ہے شاہراہِ ترقی پہ گامزن
جو تھے کبھی یہاں کے وہ حالات اب نہیں
کیوں پاس آنکھ تو ہے جنابِ اسد مگر
مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہئے

ہلال صاحب محفل کو قہقہوں اور شور و غل میں متأثر کرتا تالیوں کے شکریہ خود میں جا رہے ہیں اور منظور صاحب اسی غزل میں لیاقت جمیل صاحب تانی بچوی کو دعوت موسیقی دے رہے ہیں۔ تانی صاحب یوں ترنم سے غزل سنا رہے ہیں ؎

کیا اہلِ گلستاں نے یہ بات بھلا دی ہے
ہم نے لہو دے کر گلشن کو جلا دی ہے

اب خود وہ تماشہ ہیں اور دُنیا تماشائی

دیوانے کو الفت کی کیا خوب سزا دی ہے
یہ بھی تو نہیں دیکھا کہ یہ آگ محبت کی
تب سے بھی تو کچھ اپنے دامن سے ہوا دی ہے
گلشن کے نگہبانو! تم خواب میں کھوئے ہو
گلشن میں بہار دل نے اک آگ لگا دی ہے

تاباں صاحب ذرا تب محفل کو گرما کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور منظور صاحب بہار زیدی سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں۔ بہار صاحب ایک طویل نظم "مبارکباد" پیش کر رہے ہیں جس کا پہلا شعر ہے ۔

جہان شرق پہ اک آفتاب نو ابھرا
جلو میں لے کے ضیا بار حال و مستقبل

نیا سماں، نئی تابانیاں نیا منظر
قریب تر نظر آتی ہے رہ کی ہر منزل

مبارک اُن کو جو حق میں ہیں حق نگر بھی ہیں
کہ پاش پاش ہوئی آج قوتِ باطل

جو سنگ راہ تھے وہ سلسلے تمام ہوئے
رہِ سفر کے نئے راہ اب نہیں مشکل

بہارِ نو نئے منظر کھلائے گی ہر سو
ہر ایک سمت گلوں کی سجے گی اب محفل

بہ شیخ جذبۂ صد اتحاد یک جہتی
رہے گا کوئی نہ اپنے چمن سے اب غافل

بہار صاحب دادِ تحسین پا کر کامراں پلٹ رہے ہیں اور منظور صاحب عزیز وارثی کو یاد فرما رہے ہیں۔ عزیز صاحب بانکے چھبیلے بنے ٹھنے سج دھج سے رواں دواں تشریف لا رہے ہیں ۔

نہ گویا میں جوش نہیں ہے کس محفل میں رنگ نہیں ہے
دیکھ تو اے نقادِ زمانہ تیری نظر تو تنگ نہیں ہے

عزیز صاحب غزل سنا کر پلٹتے ہیں اور دیکھا تو نشتر اُردو گلشن دہلوی بھی رواں دواں ساتھ ہیں اور ہم تا ہیں آپ کا سنہ و کمترا رہ گیا ہے آپ عثمان عارف نقشبندی کا ایم۔ پی سے یہ حسین اشعار سنئے ۔

پیام ہے امن کی دیوی پیام آشتی لے کر
مدد کو اس کی بھارت کے نگہبانوں میں آجاؤ

نہیں پرچم لہو کا دامن امن و اماں لے کر
بچانے شمع آزادی کو میدانوں میں آجاؤ

وہ سونے کے مکانوں میں جو بیٹھے ہیں خدا بن کر
سبق انسانیت کا دو کہ انسانوں میں آجاؤ

ترستے تھے کروڑوں روشنی کو زندگانی کی
چراغاں بن کے غربت کے سیہ خانوں میں آجاؤ

عارف صاحب تالیوں کی جھنکار میں جا رہے ہیں اور منظور صاحب یارِ غزل مشیر جھنجھانوی کو دعوتِ غزل دے رہے ہیں۔ مشیر صاحب پُرتپاک انداز سے فرما رہے ہیں ۔

جان پر بنتی رہی لیکن وفا کرتے رہے
زندگی بھر زندگی کا قرض ادا کرتے رہے

حوصلہ مندی نے بڑھ کر چھین لی تیغِ ستم
پستِ ہمت سر جھکا کر التجا کرتے رہے

داد نقطۂ عروج سے ہوا ہے اور آپ کئی بار دعا کر عنایت کر رہے ہیں ۔
زندگی کی تازہ بر داری کوئی آساں نہ تھی
موجِ تیز و تند کو موجِ صبا کہتے رہے

روز ان زندانوں سے دُنیا کے مناظر دیکھ کر
اپنی تنہائی پہ ہم شکرِ خدا کرتے رہے

ایک حلقہ ہر برس بڑھتا گیا زنجیر کا
اور ہم آزاد ہونے کی دُعا کرتے رہے

مشیر صاحب تالیوں کی جھنکار میں شاداں پلٹ رہے ہیں اور منظور صاحب رفعت سروش سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں۔ سروش صاحب یوں گویا ہو رہے ہیں ۔

افسانہ کو ہم درس وفا دیتے ہیں ❖ سینے میں نئی آگ لگا دیتے ہیں
وہ رزم ہو یا بزم تو ہم اہلِ قلم ❖ احساس کے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں

تلواروں کے سائے میں پلتے رہے ہیں لوگ ❖ کانٹوں بھری ڈگر پہ چلے ہیں بھولوگ
منزل پہ بہار دیکھی نہیں تھی آساں ❖ طوفاں میں شعلوں کے جلے ہیں ہم لوگ

سروش صاحب بھی دادِ تحسین پا کر مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور منظور صاحب ملک کے ایک منفرد لہجے کے شاعر آزاد کو یاد فرما رہے ہیں آزاد صاحب نہایت بانکپن سے غزل سرا ہیں ۔

مدت کے بعد اُن کا جو پیغام آگیا ؛ اک تشنہ لب کے ہاتھ میں پھر جام آگیا
اس بات کی ندامتِ پنہاں نہ پوچھئے تو ؛ جب بے خودی میں لب پہ ترا نام آگیا

داد کا عالم نہ پوچھیئے اور آپ اسی انداز سے محفل کو گرما رہے ہیں ؎

اے دل میں اپنی فتح کو بے کر و ننگا کیا
اس معرکہ میں تو بھی اگر کام آگیا

آزاد صاحب تالیوں کی جھنکار میں محفل کو گرما کر جا رہے ہیں اور منظور صاحب ممتاز مرزا دہلوی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ محترمہ پدم شری ممتاز مرزا صاحبہ نہایت دلکشی سے یوں محفل کو چونکانے چلی ہیں ؎

نکھر گئی ہے فضا پھول کھلتے ہیں ؛ چمن کو موسمِ نشو و نما مبارک ہو
یہ دَور دورِ سعادت ہے زندگی کیلئے ؛ ہجومِ رنگ و پیامِ صبا مبارک ہو
اندھیری رات کو تاریخ کے سپرد کیا ؛ نئی سحر ہے نئی ابتدا مبارک ہو
خدا کا شکر ہے کہ تعمیرِ نو کا وقت آیا ؛ نظر کو جلوۂ در و بام کا مبارک ہو

حیاتِ تازہ ملی جسکے عزم و ہمت سے
ہماری قوم کو وہ رہنما مبارک ہو

ممتاز صاحبہ محفل میں نغمگی بکھیر کر تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آرہی ہیں۔ اور منظور صاحب درخواست کلام کر رہے ہیں عالم فتح پوری سے۔ عالم صاحب گرج رہے ہیں ؎

الیکشن کی شکستوں کے زخم کھائے ہوئے ؛ ذلیل ہو کے بھری بزم سے اُٹھائے ہوئے
مقام و مرتبہ و آبرو گنوائے ہوئے ؛ خود اپنی پھونکوں سے اپنے دیئے بجھائے ہوئے
جبینِ ننگ ندامت کی چوٹ کھائے ہوئے ؛ حواس باختہ بدحال سٹ پٹائے ہوئے
نظر میں تیرِ عداوت کے اور سینے میں ؛ کچھ انتقام کی چنگاریاں چھپائے ہوئے
تمام فرقہ پرستی کی بھیڑ ساتھ لئے ؛ بدامنیوں کے علم ہاتھ میں اُٹھائے ہوئے
منافع خوروں کو غنڈوں کو زر پرستوں کو ؛ بصد خلوص و محبت گلے لگائے ہوئے
چلے تھے سیکڑوں بے چند و جعفر و صادق ؛ وطن پرستوں کی کیچلی چڑھائے ہوئے
بہ جیا ہتے تھے بجھا ڈالیں شمع بزمِ وطن ؛ پڑے ہیں آج اندھیرے میں منہ چھپائے ہوئے
بغیر زہر نکالے نہ چھوڑنا ان کو ؛ بلوں میں سانپ چھپے بیٹھے ہیں دُم دبائے ہوئے

عالم صاحب کو ہر شعر پر وہ داد ملی کہ کیا عرض کروں محفل کو خوب خوب گرما کر تالیوں کے بے ہنگم شور میں مائیک چھوڑ رہے ہیں اور منظور صاحب ہونہار غزلگو شاعر ساحر ہوشیار پوری کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں۔ ساحر صاحب یوں زبان کے سادہ اشعار سے شاعرانہ نکتہ سنجی فرما رہے ہیں ؎

پھول بکھرے جہاں بھی پرِ تماشا کیا ہے ؛ چشمِ بینا پہ حقیقت ہے تو دنیا کیا ہے
کھائے سوزِ غم تو اک پھول تبسم کا کھلا ؛ تم نہ سمجھو گے مرے شوق کی دنیا کیا ہے
رُت جوانی کی جو بیتی تو سمجھ میں آیا ؛ ڈھلتے سورج سے چڑھتے چاند کا رشتہ کیا ہے

ساحر صاحب داد تو ہر حال میں لے ہی لیتے ہیں ہر چند کہ آپ ترنم سے نہیں پڑھتے ہیں۔ لیجئے اب ایک نیا انداز۔ نئی فکر اور منفرد غزل محمود سعیدی سے سنئے ؎

ہر گذرتے ہوئے جھونکے نے لپٹنا مجھ سے ؛ تم جو ناراض ہو موسم بھی خفا ہے مجھ سے
میری دہلیز پہ آ آکے پلٹ جاتی ہے ؛ سگواں کیوں ترے قدموں کی صدا ہے مجھ سے
آگے بڑھ جاؤں کہ اس موڑ کا پتھر بن جاؤں ؛ وہ پھر آنے کیلئے کہہ تو گیا ہے مجھ سے
خالی خالی نظر آنے لگی دنیا مجھ کو ؛ وقت نے آج یہ کیا چھین لیا ہے مجھ سے

محمود صاحب بھی داد وصول کئے جا رہے ہیں اور منظور صاحب ساغر نظامی کو یاد فرما رہے ہیں قبلہ ساغر صاحب رواں دواں سُنا کر واپس اپنی جگہ آرہے ہیں اور منظور صاحب درخواست کلام کر رہے ہیں بسمل سعیدی سے۔ قبلہ بسمل صاحب بھی رواں دواں سُنا رہے ہیں آپ بھی اسی عجلت سے سُن لیجئے گا ؎

جستجو نے تری جس دل سے گنوایا ہے مجھے
جس نے ڈھونڈا ہے ترے ناز سے پایا ہے مجھے

داد مطلع ہی سے شباب پر ہے اور آپ عطا کر رہے ہیں ؎

بیکسی کہتی ہے دو بیچ سے غبار ہتے ہیں ؛ بے خودی تو نے کبھی تنہا بھی پایا ہے مجھے
تھا میں اک نغمۂ عشرت ازل تو نے ؛ عشق کے ساز پہ اس رو سے گایا ہے مجھے
موت اگر تجھ سے رلاتی تو کوئی بات بھی تھی ؛ زندگی موت سے کیوں تو نے ڈرایا ہے مجھے

قبلہ بسمل صاحب مناسب داد وصول کئے تالیوں کی جھنکار میں مائیک سے کھسک رہے ہیں اور منظور صاحب ذکیہ سلطانہ نیر صاحبہ سے درخواست کلام کر رہے ہیں نیر صاحبہ عنایت کر رہی ہیں ؎

اس طرح اُسے عزت بھارت کی لگن ہے ؛ جیسے سویا ہوا خود اس میں وطن ہے
کہتا ہے جسے سارا جہاں ہند کا گاندھی ؛ وہ فخرِ وطن نازِ وطن ممدوحِ وطن ہے
ظلم اور بغاوت کی بساط اس نے اُلٹ دی ؛ دُنیائے سیاست میں وہ یکتا ہے فن ہے

نیر صاحبہ تالیوں کی جھنکار میں مائیک چھوڑ رہی ہیں اور منظور صاحب درخواست کلام بلاغت نظام کر رہے ہیں الحاج پدم شری تبسّل انصاری صاحب سے۔ قبلہ بیکل کا نام سُنتے ہی تالیوں سے پُرخلوص خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور بیکل صاحب محفل کو چونکانے اور گرمانے کی یوں کوشش فرما رہے ہیں ؎

شکوہ کعبہ سے بچے گھر ہو گئے ہونگے ؛ وہ ہمارے زمانے کا مقدر ہو گئے ہونگے
وہ جو سادہ ورق بکھر گئے تھے تری محفل میں ؛ وہی پھر لوٹنے کے لئے دفتر ہو گئے ہونگے
تمہارے شہر کی سڑکوں کی ناہمواریاں گنکر ؛ ہمارے گاؤں کے رستے برابر ہو گئے ہونگے

عزیز اندوری

جشنِ سحر و کمال مدراسی کا کل ہند مشاعرہ

آج ۱۸ جنوری کی شب میں جشنِ سحر و کمال کا دوسرا مشاعرہ لاجپت رائے بھون کے ہال میں منعقد ہو رہا ہے جس کی صدارت کے لئے خمار بارہ بنکوی صاحب سے استدعا کی گئی ہے اور ناظم کے فرائض جناب کمال مدراسی انجام دے رہے ہیں مشاعرے سے قبل ساجد صدیقی لکھنوی صاحب کے تازہ مجموعۂ کلام آئینۂ غزل کے اجرا کے لئے عالی جناب اے ایم یوسف صاحب سیلز منیجر صاحب ٹیلی پرنٹرس (TELI PRINTERS) سے استدعا کی گئی ہے یہ عجیب اتفاق ہے کہ ساجد صاحب اپنا مجموعۂ کلام ہی نہیں لائے ہیں سامعین میں صبا افغانی کہہ رہے ہیں ساجد صاحب کیا ابھی کتاب چھپی نہیں اس پر ایک ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا ہے۔ بہرحال کتاب کا اجرا جیسے تیسے ہو گیا ہے اور تقریباً سوا دس بجے کمال صاحب نے مائیک پر آکر خمار صاحب سے صدارتی تقریر کرنے کی استدعا کی ہے خمار صاحب فرما رہے ہیں حضرات! میں بولنے میں بہت کمزور ہوں۔ کافی عرصہ بعد یعنی ۱۶۔۱۷ سال بعد یہاں آیا ہوں میرے کاندھوں پر صدارت کا بوجھ کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ کمال صاحب کا حکم تھا اس لئے حاضر ہو گیا ورنہ یہاں مجھ سے کئی بڑے شاعر اور انسان موجود ہیں پھر بھی آپ حضرات نے مجھے جس طرح نوازا ہے میں اس کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔ پنجاب اسوسی ایشن کے مشاعرے میں نے دیکھے ہیں بڑے کامیاب ہوتے ہیں میری دعا ہے کہ اس کے تحت جو مشاعرہ ہو وہ انتہائی کامیاب معیاری اور شاندار ہو۔

سنئے کمال صاحب فرما رہے ہیں کل کا مشاعرہ بڑا کامیاب ہوا مجھے امید ہے کہ آپ حضرات کے تعاون سے آج کا مشاعرہ بھی کافی کامیاب ہوگا آج ایک شاعرہ یعنی ثریا مہر حیدرآباد سے اور تشریف لے آئی ہیں۔ اب سے ۱۵ سال قبل کنور صاحب نے اندھیرے میں جس شمع کو روشن کیا تھا ہم اسے آج تک تیز تر کرتے ہوئے ہیں۔ کمال صاحب نے بیدی صاحب کا نہایت شاندار اور حقیقت پر مبنی الفاظ میں تعارف کراتے ہوئے انھیں کلام سنانے کی دعوت دی ہے۔ بیدی صاحب مائیک پر تشریف لا چکے ہیں اس بیچ خمار صاحب شاعرات کو جو اسٹیج کی پشت پر کرسیوں پر بیٹھی ہیں اسٹیج پر بلا رہے ہیں بیدی صاحب اپنی مشہور نظم "پاکستانی عوام سے خطاب" کا پس منظر بتانے کے بعد نہایت جوشیلے انداز میں مشاعرے کا افتتاح فرما رہے ہیں سامعین نظم کے ایک ایک بند پر چاروں طرف سے داد مل رہی ہے۔ چند بند آپ بھی ملاحظہ فرمائیے

ہم کسی دین سے ہوں صاحبِ کردار تو ہیں ۔ ہم ثنا خوانِ شہ حیدرِ کرار تو ہیں
نام لیوا ہیں محمدؐ کے پرستار تو ہیں ۔ یعنی محبوبِ خدا احمدِ مختارؐ تو ہیں

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

میری نظروں میں تو اسلام محبت کا ہے نام ۔ امن کا آشتی کا مہر و محبت کا ہے نام
وسعتِ قلب کا اخلاص و اخوت کا ہے نام ۔ تشنہ داروں پہ بھی حق و صداقت کا ہے نام

میرا اسلام نکو نام ہے بدنام نہیں
بات اتنی ہے کہ یہی کا وہ اسلام نہیں

بیدی صاحب کامیاب و کامراں اپنی جگہ واپس تشریف لیجا رہے ہیں۔ اور اب کمال مدراسی دعوتِ غزل سرائی دے رہے ہیں محترمہ غزل اناوی کو موصوفہ کل کی طرح آج جم نہیں پا رہی ہیں پھر بھی انھیں مندرجہ ذیل اشعار پر خاصی داد ملی ہے

مری وحشت مری دیوانگی کا سبب ۔ تو پوچھنے والے تو ہیں سمجھنے والے کم ہیں
غم نہ کر دوست کہ ہیں کار اگر بہم ہیں ۔ میری آنکھوں سے تجھے دیکھنے والے کم ہیں

غزل صاحبہ کے بعد کمال صاحب نے انجم جبل پوری کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ انجم صاحب نے مائیک پر پہنچکر پھر فرمایا ہے کہ ایکبار اور عرض کروں کہ میں پہلی بار مدراس آیا ہوں میری آرزو تھی کہ میں اپنی پسندیدہ غزلیں سناؤں لیکن نہ تو حالات نے اجازت دی اور نہ آپ نے گوارا کیا۔ اس پر ایک آواز آئی ہے جی نہیں ایسی بات نہیں آپ سنائیے تو سہی۔ انجم کہہ رہے ہیں سنئے ایک سادہ سی غزل

تو جو کہدے تو سدا ہم ترا چہرہ دیکھیں ۔ موند لیں آنکھ اگر چاند نکلتا دیکھیں

مطلع پر مناسب داد ملی ہے اسی درمیان چند حضرات ہال میں داخل ہو رہے ہیں انجم کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے ہیں اور پھر فرما رہے ہیں آپ کے شہر میں آکر جو کچھ محسوس کیا ہے اس کی ترجمانی اس شعر میں ملیگی۔

یہ در و بام یہ سڑکیں یہ حسینوں کے ہجوم ۔ تم نظر آؤ نہ جس شہر میں ہم کیا دیکھیں

اور سنئے انجم صاحب ہر شعر کے بعد کچھ نہ کچھ ضرور فرما رہے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے "یہ شعر بڑے اعتماد کے ساتھ پیش کر رہا ہوں" ؎

اب جو بچھڑے تو ملاقات کی امید نہیں ۔۔۔ یہ مصرعہ پڑھ کر انجم صاحب شعراء سے فرما رہے ہیں آپ حضرات توجہ کیوں نہیں دیتے ادھر ادھر کیوں دیکھ رہے ہیں۔ اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا ہے۔ بہر حال انجم صاحب فرما رہے ہیں ؎

اب جو بچھڑے تو ملاقات کی امید نہیں ٭ تم سے باتیں ہی کئے جائیں یا چہرہ دیکھیں

اس شعر پر انجم صاحب کو داد ملی ہے اب وہ اپنا اگلا شعر پڑھ رہے ہیں ؎

بخت قسمت کا ستارہ تو کہیں ڈوب گیا ٭ تو جو آئے تو ترے ہاتھ کی ریکھا دیکھیں

اس شعر پر بھی واہ واہ ہی داد ملی ہے سنئے انجم صاحب فرما رہے ہیں ؎

اب کسی زلف کی چھاؤں میں ملے نہ رہی ٭ اپنے ہمراہ چلیں اپنا ہی سایہ دیکھیں
ظرف کہتا ہے کہ پیاسے ہی رہیں اف نہ کریں ٭ تشنگی کا یہ تقاضا ہے کہ دریا دیکھیں

آخری شعر پر انجمؔ کو کافی داد ملی ہے اور اسے دوبارہ پڑھوایا گیا یہ شعر دو بار سنانے کے بعد آپ فرما رہے ہیں مدراس پہلی بار آیا ہوں سنا ہے یہاں شعر سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ شعر سنئے ؎

وہ تمہارے درد کا جنگل ہے اندھیرا ہے محیط ٭ مشعلیں خوں کی جلاؤ تو سویرا دیکھیں

اور انجم صاحب کو اس شعر پر مدراس کے سارے سامعین نے مناسب داد دی ہے۔ سنئے انجم سنبھل پوری مقطع پڑھ رہے ہیں ؎

باغ تو شہر ہے لہو اپنا بہا کر انجمؔ ٭ موسم گل میں ہر اک پھول کو شعلہ دیکھیں

اور اب کمال صاحب شاعر فتحپوری کا تعارف کراتے ہوئے فرما رہے ہیں ان کے کلام میں سوز اور گلے میں ساز ہے اور واقعی شاعر صاحب گلے کے ساز سے بھی کام لیتے ہوئے اپنی غزل کا مطلع سنا رہے ہیں ؎

دوریوں سے ان کی آنکھیں مسحور ہو گئے ہیں ٭ وہ پاس آ گئے ہیں ہم دور ہو گئے ہیں

اور سنئے ؎

اے حسن یار اسیر تیری خطا نہیں ہے ٭ ہم اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئے ہیں
جس دن سے میرے دل کا افسانہ سن لیا ہے ٭ اس دن سے اور بھی وہ مغرور ہو گئے ہیں

شاعر کو سامعین کی طرف سے کافی داد مل رہی ہے اب ایک شعر ایسا سنیے جس نے اسٹیج پر بھی ہلچل مچا دی ہے ؎

رخسار و زلف کی یہ آرائشیں مبارک
وہ آئینے بھی دیکھو جو چور ہو گئے ہیں

دو شعر اور سنانے کے بعد شاعر فتحپوری مقطع پڑھ رہے ہیں ؎

اونچا عرش پر ہے شاعر دماغ اپنا ٭ دنیائے عاشقی میں مشہور ہو گئے ہیں

ایک صاحب کہہ رہے ہیں عرش خود بلند ہوتا ہے اس لئے پہلے مصرعہ میں لفظ اوج زائد ہے۔ بہر حال شاعر صاحب کو خاصی داد ملی ہے اور اب پنجاب ایسوسی ایشن کے ایک سرگرم رکن سرین لاہوری کا تعارف کمال صاحب نے بڑے جذباتی انداز میں کرایا ہے۔ موصوف اپنا کلام سنا رہے ہیں افسوس میں فارن ایک قطعہ نوٹ کر پایا ہوں۔ سنئے ؎

راستے پُر خم و پُر پیچ کے نہیں مجھ کو پسند ٭ آدمی ہوں رہ آدم سے گزر جاتا ہوں
میں نے ہر گام پہ ہمت کا سہارا لے کر ٭ ہر مصیبت کے تلاطم سے گزر جاتا ہوں

سرین صاحب نے تلاطم کو تلاطم پڑھ کر آدم کا قافیہ صحیح بنا لیا ہے اس پر شعراء ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ سرین جا چکے ہیں اور لیجئے ایک بار پھر ڈاکٹر راندو دشمنٹ اپنی مدھر آواز کے ساتھ گیت کا رس بکھیر کر فضا کو مٹھاس بخش رہی ہیں۔ آپ کا گیت کافی پسند کیا گیا ہے اور اب مائیک پر تشریف لائے ہیں شوق دہلوی۔ جنھوں نے کل کی طرح آج بھی کلام سنانے سے قبل نصیحت آمیز تقریر کی ہے۔ موصوف خالق حقیقی کے عرفان پر آج بھی زور دے رہے ہیں اور ایک نظم سنا رہے ہیں جس میں معرفت کے سبق آموز پہلو موجود ہیں۔ مجمع میں چاروں طرف سناٹا ہے شاید شوق صاحب کی نظم میں اس وقت ہر فرد مستغرق ہے۔

کمال صاحب بڑے کمال کے ساتھ طنز و مزاح کی اہمیت و افادیت بتاتے ہوئے ناظم انصاری کو آواز دے رہے ہیں۔ موصوف نے پہلے دو اشعار سنائے ہیں ؎

بیگم کرو خدا را نہ اتنی جھنک پٹک ٭ کتنی دفعہ کہا کہ غزل کہہ رہا ہوں میں
آفس میں بعد وقت مجھے دیکھ کر بیٹھے ٭ صاحب کو کیا پتا کہ غزل کہہ رہا ہوں میں

معلوم ہوتا ہے کہ سامعین ناظم انصاری سے جی بھر کر سننا چاہتے ہیں اور موصوف بھی سنانے کے موڈ میں ہیں۔ چند شعر آپ بھی ملاحظہ کیجیے جنھیں کافی پسند کیا گیا ہے ؎

شرف دیں کس کو دلا دی کا تیرے والد ماجد
تیرا طالب تو لوفر را انڈیا معلوم ہوتا ہے

شاعروں پہ وہ چھا جاتے ہیں گھٹا کی طرح ٭ غزل سناتے ہیں کاگا کے گلے کی طرح
پکڑ لیا جو پولیس نے تو شیخ جی بولے ٭ شراب پی ہے یہ سچ ہے مگر دوا کی طرح

خود منتخب کریں گے تمہارے پتا مجھے
بس ایک لاٹری ہی دلا دے خدا مجھے

آگے نکل چکا ہوں عہد شباب سے ٭ ڈیڈی سمجھ رہے ہیں ابھی چھوکرا مجھے

ابھی بہو نولاؤ مگر یہ ہے خیال ÷ یونہی ملے ملے نہ کوئی شاعرہ مجھے
انجام عاشقی کا مرا یاد آگیا مجھے ÷ چلتا ہوا جو کوئی دکھائی دیا مجھے

کمال مدراسی آخری شعر سنکر کہہ رہے ہیں خدا کرے ناظم کی دعا قبول ہو۔ اس پر ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا ہے۔ سُنئے ناظم پڑھ رہے ہیں ؎

میں ترے قربان منّے کی اماں ÷ کیوں ہے پریشان منّے کی اماں
سو فیصدی ہے تجھ سے بھی بڑھ کر ÷ اے غم دوراں منّے کی اماں
بن کے رہیں گے تیرے پتا جی ÷ کب تک مہماں منّے کی اماں

ناظم انصاری کے بعد نوجوان شاعر راحت القیصری کو آواز دی گئی ہے سُنئے راحت کہہ رہے ہیں مجھے ایسے ماحول میں بٹھایا جا رہا ہے جہاں میں اپنے شعروں سے نہیں بلکہ اپنی سیاہ مائل صورت سے ہنسا سکتا ہوں۔ راحت نے پہلے تین اشعار پڑھے ہیں جن پر مناسب داد ملی ہے سُنئے آپ پسندیدہ اور دلکش ترنم کے ساتھ غزل کا مطلع پڑھ رہے ہیں ؎

مری حیات کے دشمن وہی نکلتے ہیں
جو دوست بن کے مری آستیں میں پلتے ہیں

راحت کو مطلع پر خاصی داد ملی ہے۔ سُنئے آپ نے ایک ایسا شعر پڑھا ہے جس پر عام توجہ ہیں شعراء داد دے رہے ہیں ؎

یہ کس مقام پہ لے آئی زندگی مجھ کو
یہاں تو برف بھی چھونے سے ہاتھ جلتے ہیں

ایک شعر اور سُنئے جسے کافی پسند کیا گیا ہے ؎

رہِ حیات میں کھائی ہیں ٹھوکریں اتنی
کہ لوگ اب جو مجھے دیکھ کر سنبھلتے ہیں

اور اب آواز دی جا رہی ہے روشن بنارسی کو۔ ابھی موصوف نے اپنا کلام سُنانا ہی شروع کیا تھا کہ ہال میں سلیمان خطیب داخل ہو رہے ہیں جن کا پُر زور تالیوں کے ساتھ استقبال کیا جا رہا ہے اور اُدھر روشن بنارسی اسی عالم میں اپنا کلام سُنا رہے ہیں۔ اس شور و غل میں جو کچھ سمجھ میں آسکا وہ ملاحظہ فرمایئے ؎

خود کو پہچاننے لگا ہوں ÷ اُٹھ رہے ہیں حجاب آنکھوں سے
میری آنکھوں میں ان کی آنکھیں ÷ دیکھو اپنا شباب آنکھوں سے
مجھ سے آدابِ میکدہ سیکھو ÷ پی رہا ہوں شراب آنکھوں سے

قارئین خود اندازہ لگائیں کہ ان اشعار پر کس قدر داد ملی ہوگی بہرحال کمال صاحب مشاعرے کو گرمانے اور اس میں ہلچل پیدا کرنے کے لئے

نور اندوری کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے اُنھیں دعوت غزل سرائی دے رہے ہیں۔ نور آ رہے ہیں تالیوں سے ان کا استقبال ہو رہا ہے سُنئے آپ کہہ رہے ہیں۔ ابھی لکھنؤ میں مشاعرہ ہوا تھا جس میں سردار جعفری...... اور نور کچھ رُک رُک کر کہہ رہے ہیں خیر شعر سُنئے ؎

جو سرمایۂ علم و فن بیچتے ہیں
وہی آبروئے سخن بیچتے ہیں

دیکھئے نور پھر رُک گئے ہیں........ اور اب انھوں نے دوسری غزل شروع کی ہے۔ مطلع سُنئے ؎

یہ میری محبت کا انجام ہوگا ÷ مصیبت ہوگی نہ آرام ہوگا

سامعین نور کے رُک رُک کر پڑھنے پر متعجب ہیں پھر بھی داد کی آوازیں آرہی ہیں۔ سنئے ؎

ہمیں کیا خبر ہے کہ اک دن ہمیں پر ÷ چمن کی تباہی کا الزام ہوگا

اس شعر پر بھی نور کو داد ملی ہے انھوں نے اپنا اگلا شعر شروع ہی کیا تھا کہ اسٹیج پر سے غفار اکبرآبادی صاحب اُٹھ کر نیچے جا رہے ہیں جس پر سامعین کی توجہ نور کی طرف سے ہٹ گئی ہے اور ماحول کچھ بگڑ سا گیا ہے بہرحال نور پڑھ رہے ہیں ؎

جو شیخ و برہمن اُلجھتے رہیں گے ÷ نہ یہ کام ہوگا نہ وہ کام ہوگا

شہزادہ گلریز۔ یعنی دونوں گھر بند ہو جائیں گے۔

سمجھتے تھے ہم تو نئے میکدے میں

ابھی نور نے یہ مصرع پڑھا ہی تھا کہ غفار صاحب اسٹیج پر واپس آئے انھیں دیکھ کر ایک بار پھر سے سامعین کی توجہ نور کے شعر کی طرف سے ہٹ گئی لہٰذا یہ بھی خاموش ہو گئے ہیں۔ غفار صاحب اپنی جگہ پہنچ گئے ہیں اور نور اپنا اگلا شعر سُنا رہے ہیں ؎

اُٹھا گر کوئی تشنہ لب میکدے سے
تو ساقی یہ مے خانہ بدنام ہوگا

غرض نور اندوری توقع کے خلاف اپنی غزل ختم کر کے اپنی جگہ واپس آگئے ہیں اور اب کمال صاحب مشاعرے میں دوبارہ جان پیدا کرنے کے لئے ایک اور مترنم شاعر شہزادہ گل ریز کو آواز دے رہے ہیں۔ گلریز مائیک پر آ چکے ہیں۔ لیکن سامعین آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور ان کے کلام پر توجہ نہیں دے رہے ہیں اس پر کمال صاحب کلا شاعر کو توجہ کے ساتھ سننے کی استدعا کر رہے ہیں۔ سُنئے گلریز مترنم

اشعار سنا رہے ہیں مگر بات نہیں بنی ؂
چند لمحوں کا ہو اگر یا ہے خوابوں کا سفر ✤ آنکھ کھلتی ہے تو صدیوں کی تھکن ہوتی ہے

مجھ سے بچھڑا تو یہ مت سوچ کدھر جاؤں گا
اشک بن کر ترے عارض پہ بکھر جاؤں گا

اور اب غزل شروع کی ہے ہر چند کہ گریز اس غزل سے ماحول کو تبدیل نہیں کر سکے پھر بھی چند شعر سن لیجئے ؂

چاند جس شاخ پہ کھلتا تھا اُسے توڑ دیا
میں نے اس عہد کی تاریخ کا رُخ موڑ دیا
ہر ورق پر مری تصویر نظر آتی ہے
آج یہ کس نے کتابوں کو کھلا چھوڑ دیا
یہ بتا عہدِ وفا توڑ کے جانے والے
تُو نے کیا مجھ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا

کمال صاحب چاہتے ہیں کہ مشاعرہ اکبار پھر سے داد کے شور و دُغاسے گونج اُٹھے اسی لئے وہ سامعین کو بار بار متوجہ کر کے ساجد صدیقی لکھنوی کو آواز دے رہے ہیں۔ ساجد صاحب مائیک پر آکر فرما رہے ہیں حضرت تازہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے ؂

اُلجھن غم و نشاط کی دل میں پڑی رہی۔
جو زندگی میں کشمکشِ زندگی رہی
اہلِ جنوں سے اہلِ خرد کب رہے جُدا
شانہ بشانہ ہوش کے دیوانگی رہی
جاگی نہ تیرہ بختی تسرِ زندگی تو
اور دامنِ عمل سے سحر جھانکتی رہی

ساجد صاحب کافی زور لگا رہے ہیں لیکن اسٹیج کے علاوہ کہیں سے داد نہیں مل رہی ہے۔ دراصل مشاعرہ سننے والوں کا ایک خاص موڈ ہوتا ہے کئی بار دیکھا ہے اچھا خاصا مشاعرہ سامعین کی عدم توجہی کے باعث بیکار ہو جاتا ہے اس مشاعرے میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے شعرا اچھے شعر سنا رہے ہیں کمال صاحب خوبصورت اناؤنسمنٹ کر رہے ہیں لیکن سامعین اس وقت کسی دوسرے موڈ میں ہیں تو لیجئے کمال مدراسی نے بیدی صاحب کو دعوتِ سخن دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ موصوف مشاعرے سے جلد تشریف لے جانا چاہتے ہیں میری خواہش ہے کہ کم سے کم پہلے دور تک آپ اسٹیج پر تشریف رکھیں بیدی صاحب نے مائیک پر آکر فرمایا ہے کہ میرے والد بزرگوار علیل ہیں اس لئے مجھے دہلی جلد روانہ ہونا ہے۔ آپ تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ آپ نے پہلے چند متفرق اشعار سنائے ہیں جن پر خاصی داد ملی ہے۔ سنئے ؂

زندگی سوز بنے ساز نہ ہونے پائے ✤ دل ٹوٹے مگر آواز نہ ہونے پائے
مرے نالوں میں نہاں سوز بھی ہے ساز بھی ہے
مری آواز میں شامل تری آواز بھی ہے

اور اب سنئے بیدی صاحب چند قطعات ارشاد فرما رہے ہیں جن پر ہر طرف سے داد مل رہی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ؂

اب تو پھولوں سے جھولیاں بھر لیں ✤ چاک دامن ہوا تو سی لیں گے
کیوں ابھی سے قضا کی بات کریں ✤ یوں بھی جینا پڑا تو جی لیں گے

زندگی موت بن گئی ہوتی ✤ جان سے ہم گزر گئے ہوتے
اتنے عشرت زدہ ہیں ہم کہ اگر ✤ غم نہ ہوتا تو مر گئے ہوتے

چند قطعات اور سنا کر اور محفل کو گرما کر بیدی صاحب واپس تشریف لے جا رہے ہیں اور اب دیکھئے مائیک پر آرہی ہیں صبا حیدر آبادی۔ مشاعرے میں کنور صاحب کے کلام سے جان آگئی ہے۔ صبا نے اس مطلع اور پاٹ دار آواز نے اور روح پھونک دی ہے۔ سنئے ؂

دھوم ہے آج اُن کے آنے کی ✤ لگ نہ جائے نظر زمانے کی
جب اُجالا کہیں دکھائی دیا ✤ یاد آگئی آشیانے کی
ایسے کھوئے کہ خود کو بھول گئے ✤ کی جو کوشش انہیں بھلانے کی
ہائے رے اس غم کی گمنامی ✤ جس کی عادت ہے مسکرانے کی
ہم سے روٹھا ہے زمانہ صبا ✤ ہم کو پروا نہیں زمانے کی

صبا حیدر آبادی کے بعد شمسی مینائی صاحب مائیک پر آئے ہیں نظموں سے پہلے چند قطعات سنائے ہیں جنھیں اُن کی طویل نظموں کی تمہید کہا جا سکتا ہے۔ ایک قطعہ سن لیجئے ؂

افسانہ ہے غلامی کا شاہی کا ذکر ہے
رہزن کی داستاں ہے راہی کا ذکر ہے
ظالم جو حکمراں ہو وہ تاریخ توڑ دے
کتنی حکومتوں کی تباہی کا ذکر ہے

اس کے بعد انھوں نے اپنی طویل نظم ہوا سنائی ہے۔ ہر چند موصوف

کمانی تھکے ہوئے نظر آرہے تھے لیکن عوام کے اصرار پر اپنی نظم "تاج محل" تفصیلی پس منظر کے بعد سنانی شروع کی ہے جس میں تواریخی حادثات و واقعات کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے اور سماجی پس منظر کو کافی طوالت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ شمسی صاحب اپنی نظموں کو جس محنت و فکر سے کہتے ہیں اس سے کہیں زیادہ محنت وہ ان کے پڑھنے میں صرف کرتے ہیں۔ بہرحال انکی یہ نظمیں ان کے اندازِ بیان کی وجہ سے بھی مقبول ہو جاتی ہیں۔

شمسی صاحب کے بعد کمال صاحب حیدرآباد سے آئی ہوئی شاعرہ ثریا مہر کا تعارف کراتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ وہ جس قدر خوبصورت ہیں ان سے کہیں زیادہ خوبصورت ان کا کلام اور اتنا ہی خوبصورت ترنم ہے۔ آپ پہلے بھی مدراس آچکی ہیں اور کافی مقبول ہو چکی ہیں۔ ثریا مہر نے خوبصورت آواز کے ساتھ غزل کا مطلع سنایا ہے تمام پر معمولی داد ملی ہے۔ سنئیے ؎

دل بھی [illegible] کس طرح سمجھاتے ہیں لوگ
خار ہیں پہلو میں سینے پہ پھول سجاتے ہیں لوگ

مطلع کے بعد آپ دوسرا شعر پڑھ رہی ہیں جس پر کافی داد ملی ہے ؎

اپنے گھر [illegible] پہلے بعد میں بنتے ہیں لوگ
رفتہ رفتہ پھر [illegible] بار بجاتے ہیں لوگ

اور سنئے ؎

بے وفاؤں کی [illegible] پر یاد آنے کے لئے
اپنے گھر کے ستاں خود چھوڑ جاتے ہیں لوگ

ہر لمحہ ثریا مہر اشعار سنا کر آخری شعر پڑھ رہی ہیں جس پر خاصی داد ملی ہے ؎

رہ گئے جانے زمیں پر بھی کسی کے نقش پا
احتیاطاً ذرے ذرے تک اٹھا لاتے ہیں لوگ

مقطع پڑھ کر ثریا مہر واپس جا رہی ہیں اور اب مجھے آواز دی جا رہی ہے بقول شہزادہ گل ریز "کافی اچھا تعارف کرایا گیا ہے"۔ خیر میں مائک کے سامنے حاضر ہوں چونکہ شمسی مینائی صاحب کی نظموں کے تاثرات میرے ذہنوں میں تازہ ہیں اس لئے میں بھی اپنی وہی نظمیں سنانا چاہتا ہوں جن میں سماج کی تصاویر ہوں۔ لیکن میں نے سامعین سے استدعا کی ہے کہ شمسی صاحب نے آپ کو ایک طویل اور تیز رفتار ریل میں بٹھا کر سارے سماج کی سیر کرائی آپ کو اسی سماج کا سفر میں منی بس میں کراؤں گا یعنی دو تین انتہائی مختصر سی نظمیں اسی قبیل کی پیش کر رہا ہوں (قارئین کیلئے صرف ایک نظم حاضر ہے)

وہ جو بستی ہے جھونپڑوں والی ؛ اس میں عیش و سکوں کا سورج
اپنی نرم و حسین کرنوں کا ؛ کوئی پیغام کیسے پہنچائے
کاش ان بلڈنگوں کی دیواریں ؛ اپنے سایوں کو مختصر کر لیں

نظموں کے بعد میں نے غزل کے مندرجہ ذیل اشعار بھی سنائے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ؎

جبر کے سائے میں گرمیٔ سفر مانگے ہے ؛ راکھ کے ڈھیر میں دل رقصِ شرر مانگے ہے
پھر سے سرخیٔ تواریخ گلستاں کے لئے ؛ مجھ سے گلشن کی فضا خونِ جگر مانگے ہے
پھول سجدوں کے ہر اک گام پہ برسائے ہیں ؛ اور کیا مجھ سے تری راہگزر مانگے ہے
جسکو گرمیٔ عمل سے ہی سکوں ملتا ہو ؛ آہ چاہت ہے نہ آہوں کا اثر مانگے ہے

کل بھی پابندیاں افکار و نظر تھیں عزیز
اب بھی بے دادیاں افکار و نظر مانگے ہے

میرے بعد مضطرب نعمانی صاحب کو آواز دی جا رہی ہے موصوف کو مطلع ہی سے داد ملنی شروع ہو گئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے ؎

میری ہر سانس تمہارا ہی تکلم تو نہیں ؛ زندگی نام ہے جس کا وہ کہیں تم تو نہیں

سنئے مضطرب صاحب ایک اچھا شعر سنا کر کافی داد حاصل کر رہے ہیں ؎

دور تک رنگ بکھرتے ہی چلے جاتے ہیں ؛ میرے ہونٹوں پہ کہیں ان کا تبسم تو نہیں

ایک اور شعر سنئے جس پر مضطرب صاحب کو خاصی داد ملی ہے ؎

دل کی دنیا میں ہے ہنگامۂ رنگیں پیہم ؛ کس نے آواز مجھے دی ہے کہیں تم تو نہیں

سنئے مضطرب صاحب مقطع پڑھ رہے ہیں ؎

لبِ مضطرب پہ جو نغمے ہیں گئے غور سے سن ؛ ایک مرکز پہ یہ فریاد و ترنم تو نہیں

مضطرب صاحب کامیاب و کامران واپس جا رہے ہیں اور اب آواز دی گئی ہے صبا افغانی صاحب کو آپ نے پہلے دو غزلوں کے دو دو اشعار سنائے ہیں اسی درمیان ان سے ان کے فلمی گیت سنانے کی فرمائش کی گئی ہے لیکن انھوں نے غزل سنانی شروع کی ہے جسکے چند شعر ملاحظہ کیجئے ؎

زندگی کی راہوں میں رنج و غم کے میلے ہیں ؛ پھر بھی قیامت کی بھیڑ میں ہم اکیلے ہیں
گیسوؤں کے سائے میں ایک شب گزاری تھی ؛ آج تک جدائی کی دھوپ میں اکیلے ہیں
اب تو اپنا سایہ بھی کھو گیا اندھیروں میں ؛ آپ سے بچھڑ کر ہم کس قدر اکیلے ہیں
ساتھ ہے صبا سب کے اپنے اک حسین قاتل ؛ جستجو میں قاتل کی صورت ہم اکیلے ہیں

صبا افغانی اپنے کلام پر خاصی داد پاکر واپس جا رہے ہیں اور اب

غفار اکبر آبادی صاحب کو آواز دی گئی ہے۔ آپ نے پہلے چند قطعات ارشاد کئے ہیں ایک قطعہ جس پر بے پناہ داد ملی ہے ؎

آپ نے پوچھے ہیں حالات تو بتلاتا ہوں ٭ صبحِ شبنم سے ملاقات تو ہوتی ہوگی
مختصر یہ ہے کہ گریۂ پیہم کا سماں ٭ آپ کے گاؤں میں برسات تو ہوتی ہوگی

اور اب آپ غزل کا مطلع سنا رہے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ؎

کہتے ہیں جسے خُلدِ بریں میرا وطن ہے ٭ کانٹے بھی یہاں پھول ہیں صحرا بھی چمن ہے

مطلع پر مناسب داد ملی ہے اور اب ارشاد ہوا ہے ؎

قیدِ غمِ ہستی سے رہائی نہیں ممکن ٭ کہتے ہیں جسے موت وہ جینے کی تھکن ہے
ویسے بھی قفس موت سے کچھ کم نہیں ہوتا ٭ پھر میرا قفس تو پسِ دیوارِ چمن ہے

غفار صاحب کو پوری غزل پر خاصی داد ملی ہے۔ خمار صاحب کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ شہزادہ گلریز پوچھ رہے ہیں "حضرت کدھر" خمار صاحب فرما رہے ہیں...... جی وہ ــــ صبا افغانی فوراً کہہ رہے ہیں "صدارت پیشاب کرنے جا رہی ہے"۔ اس پر ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا ہے۔ اسی بیچ مہمان خطیب صاحب مائیک پر تشریف لے آئے ہیں۔ پہلے ایک قطعہ پڑھا ہے سنئے ؎

اپنے باوا کا سنگی بیٹا ہوں ٭ وہی رستے کو میں بھی جاتا ہوں
گیہوں کنکر میں وہ ملاتے تھے ٭ میں تو کنکر میں گیہوں لاتا ہوں

اس قطعہ کے بعد خطیب صاحب نے دو نظمیں "پیسی بمائی" "شادی کی آخری رسم" اور "پلنگ" سنا کر محفل کو زعفران زار بنایا ہے۔ لیکن یہ بھی صداقت ہے کہ خطیب صاحب کی نظموں میں کوئی ایسا سنجیدہ پہلو ضرور ہوتا ہے جو سامعین کو ہنستے ہنستے اچانک ہی سنجیدہ بنا دیتا ہے۔

اور لیجئے آخر میں اس مشاعرہ کے منتظم یعنی صدرِ مشاعرہ حضرت خمار بارہ بنکوی مائیک پر تشریف لا رہے ہیں۔ سنئے آپ فرما رہے ہیں کہ سِن کی تھکاوٹ کی وجہ سے آواز ساتھ نہیں دے رہی۔ لیکن آپ کو مطلع ہی سے داد ملنی شروع ہو گئی ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ کل کے مقابلے میں آج اُن کی آواز اُن کا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔ خیر چند اشعار سنئے جن پر اہلِ نظر نے کافی داد دی ہے ؎

حالِ غم ان کو سناتے جائیے ٭ شرط یہ ہے مسکراتے جائیے
آپ کو جلتے نہ دیکھا جائیگا ٭ شمع تو پہلے بجھاتے جائیے
شکریہ لطفِ مسلسل کا مگر ٭ گاہے گاہے دل دُکھاتے جائیے
دشمنوں سے پیار ہوتا جائیگا ٭ دوستوں کو آزماتے جائیے

خمار صاحب شعراء اور سامعین کے بے حد اصرار پر اپنی مشہور غزل سنا رہے ہیں جس کا مطلع ہے

بُجھ گیا دل حیات باقی ہے ٭ چُھپ گیا چاند رات باقی ہے

کمال مدراسی صاحب چاہتے ہیں کہ مشاعرہ کا دوسرا دور جاری رہے لیکن شعراء بے حد تھک چکے ہیں اس لئے باوجود اصرار کے اسٹیج سے اُٹھ گئے ہیں اور اب کمال صاحب شعراء اور سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مشاعرے کے اختتام کا اعلان فرما رہے ہیں۔ اسوقت رات کے تین بج چکے ہیں۔ اب مجھے بھی اجازت دیجئے۔ خدا حافظ۔

بقیہ صفحہ ۱۳

جنہیں تم توڑ کر خود گھر کے باہر پھینک آئے تھے
وہ آئینے کے ٹکڑے بھی تو پتھر ہو گئے ہونگے
مری دیوانگی کے بعد آتنا تو ہوا ہوگا
کسی کے ہاتھ کے کچھ پھول پتھر ہو گئے ہونگے

قبلہ بیکل صاحب تالیوں کے شور میں مائیک سے جدا ہو رہے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ ہی سوا بارہ بجے یہ محفلِ شعر و سخن برخاست ہو رہی ہے آج کا یہ مشاعرہ غنیمت ہے کہ اچھی طرح سُن لیا گیا ورنہ سالہا سال سے یہ مشاعرہ ہوٹنگ کی نذر ہو کر رہ جاتا تھا۔ مجموعی طور پر امسال یہ مشاعرہ اچھا اچھا اور سُنا گیا کاش تمام مدعو شعراءِ کرام شرکت فرماتے تو یہ مشاعرہ اور کامیاب ہوتا ویسے اس سرکاری مشاعرہ کو نمائندہ مشاعرہ نہیں کہا جا سکتا حالانکہ اس مشاعرہ کو مثالی اور تاریخی ہونا چاہئے مگر ایسا نہیں ہوتا ہے۔ میں بھی لال قلعہ کے ترنگی پرچم کو سلام کرتا ہوا پھاٹک حبش خاں کا رُخ کر رہا ہوں جہاں آرام کروں گا۔ آپ بھی آرام فرمائیے گا۔ خدا حافظ۔

میں گیا وقت نہیں ہوں جو پھر آ بھی سکوں

نگار ایم-اے

اندازِ عشق

محترم چچا جان سلام شوق

میرا افسانہ "عقیدت کے آنسو" شان ہند کے پڑھنے والوں کو پسند آیا اس کے لئے میں ان سب کی شکر گزار ہوں پسندیدگی میرے لئے باعث مسرت ہے۔ ایک اور افسانہ "اندازِ عشق" لے کر حاضر خدمت ہوں پسند آجائے تو شائع کر کے شکریہ کا موقع عطا کیجئے۔

مخلص نگار ایم۔اے ۴۴ بابوزئی شاہجہانپور

شادی ؟

ہاں ہاں شادی

کس سے ؟ مجھ سے ؟

ہاں ہاں تم سے۔

تم مجھ سے شادی کرو گے ؟

ہاں ہاں۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے ؟

لیکن ساجد تم تو مجھ سے عشق کرتے ہو ؟

ہاں میں تم سے عشق کرتا ہوں۔ تم میری زندگی ہو۔

تو پھر تم مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو ؟

اسی لئے کہ میں تم سے عشق کرتا ہوں۔

تعجب ہے ؟ تم مجھ سے عشق کرتے ہو اور شادی بھی کرنا چاہتے ہو ؟

کیا تم پاگل ہو گئے ہو ؟ بھلا ایک وقت میں عشق شادی کیسے کر سکتے ہو ؟

تم بالکل پاگل ہو گئی ہو۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے ؟ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اس میں کیا غلط بات ہے ؟

کہیں تم عثمان کے بھائی تو نہیں ؟

کون عثمان ؟

وہ بھی مجھ سے عشق کرتا تھا..... کیا ؟..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو ؟

کیا تم کسی اور سے بھی عشق کر چکی ہو ؟

نہیں..... مجھ سے وہ عشق کرتا تھا، میں نہیں۔

تو پھر کیا ہوا ؟

وہ بھی عاقبت اندیش نہ تھا۔ بے وفا۔

بے وفا ؟

ہاں.....

لیکن میں تو بے وفا نہیں ؟

تم بھی بے وفا ہو.......

تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آخر میں نے کیا بے وفائی کی ہے ؟

تم بھی تو مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ بے وفا کہیں کے ؟ دھوکے باز۔

ساجد بُری طرح غصے میں کانپنے لگا۔ تمہارا دماغ تو ٹھکانے ہے ؟

سچ سچ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے آج۔

ہاں ہاں میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ چلے جاؤ میں کہتی ہوں چلے جاؤ..... ساجد شیبی کو جھنجھوڑتے ہوئے۔ شیبی ہوش میں آؤ۔

میں ہوش میں ہوں اور بالکل ٹھیک ہوں۔ سوچ رہی ہوں آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے ؟

میں ٹھیک ہوں۔ جانے سے پہلے میری بات کا جواب دو ؟ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں ؟

لیکن میں تم سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔

کیوں ؟

کیونکہ مجھے تم سے عشق ہے ساجد۔ میں بھی تمہیں پیار کرتی ہوں۔

وہی تو میں بھی کہتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے عشق ہے مجھے تم سے عشق ہے ہم دونوں شادی کر لیں گے۔ ایک ہو جائیں گے۔ یہ دوریاں ختم ہو جائیں گی۔

لیکن پھر عشق بھی تو ختم ہو جائیگا ؟ اور اپنے عشق کا خاتمہ میں خود [illegible]

عشق بھلا کیسے ختم ہو جائے گا ؟

یہ انتظار بھری باتیں ؟ یہ تنہائی ؟ یہ ملاقاتیں ؟ یہ خوبصورت خواب ذرا یہ مجھے ؟ پھر یہ سب کہاں ہوں گے ؟ چھپکے چھپکے ملنا۔ خوابوں میں تمہیں بلانا۔ تنہائیوں میں [illegible] ڈھونڈنا۔ اکیلے میں گنگنانا یہ سب ختم ہو جائیگا شادی کے ساتھ ساتھ یہ سب چیزیں [illegible] ختم ہو جائیں گی ساجد ؟

نہیں [illegible] میں تم سے پہلے سے بھی زیادہ پیار کروں گا۔

شادی کے ساتھ ساتھ یہ سب چیزیں دفن ہوجائیں گی ۔

تمہیں شبی میں تم سے پہلے سے بھی زیادہ پیار کروں گا۔

لیکن اس پیار میں تمہاری ہوس شامل ہوگی میں تمہاری بیوی اور تم میرے شوہر بن جاؤ گے۔ عشق کی پاکیزگی ختم ہو جائے گی ۔

تم نے مجھے بے موت مار دیا شبی۔ آخر میں کیا کروں ؟

اپنی بیماری کا علاج

علاج ؟

ہوں !

وہ کیسے ؟

اپنی شادی کرلو۔

تم کہاں کرتی ہو؟

میرے ساتھ نہیں کسی دوسری لڑکی کے ساتھ ۔

دوسری لڑکی کے ساتھ میں شادی کرلوں ؟ میں تم سے عشق کرتا ہوں شبی میں تمہارے علاوہ کسی سے شادی کر ہی نہیں سکتا۔ میں اپنی جان دے دوں گا۔

خدا کیلئے ایسا نہ کہو ساجد میرے عشق کو زندگی بخش دو۔ میں تم سے اپنے عشق کی زندگی کے لئے بھیک مانگتی ہوں ۔شادی کرلو۔ کسی بھی لڑکی سے۔ پھر دیکھنا یہ عشق کتنا پروان چڑھتا ہے۔ تم مجھ سے شادی کرکے بے وقوفی کرو گے۔ بھلا تمہیں بتاؤ۔ بیوی۔ معشوقہ۔ کتنا فرق ہے ان دونوں لفظوں میں، اس فرق کو کیا سمجھ سکو گے؟ تمہیں میری قسم ساجد۔ تمہیں میری محبت کی قسم۔ جاؤ تم اپنی شادی کرلو۔

تم مجھے دھوکا دے رہی ہو شبی مجھے تم سے ایسی اُمید نہ تھی۔

نہیں ساجد نہیں ۔میں نے تمہیں دھوکا نہیں دیا۔ بلکہ تمہیں عشق کرنا سکھا دیا۔

اچھا مان لو شبی۔ میں تم سے عشق نہیں کرتا صرف شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یوں تو تم میری بات مان لوگی ؟ ؟

لیکن میں جو تم سے عشق کرتی ہوں۔

یہ پاگل پن چھوڑ دو شبی۔ چھوڑ دو۔ اپنی قسم واپس لے لو ساجد۔ نہیں تو میں تمہیں زبردستی اٹھا کرلے جاؤں گا۔ اور شادی کروں گا۔

نہیں نہیں نہیں ..... میں تم سے شادی نہیں کرونگی نہیں کروں گی نہیں کروں گی .....

اس کے بعد سے ساجد کبھی میرے گھر نہیں آیا شاید اس نے میرا ساتھ بھی چھوڑ دی تھی لیکن میں..... میں پھر بھی اس کے عشق میں تڑپ رہی تھی۔ میرے دل میں اس کے لئے اب بھی وہی جذبہ تھا۔ وہی پیار تھا، وہی دیوانگی تھی۔ عشق کی آگ سلگتی رہی ...... اور پھر ایک دن ......

عشق کا چھالا بھی پھوٹ پڑا...... ساجد کی شادی ہوگئی...... میرا دل تڑپ اٹھا...... میں نے خود اس کو شادی کی اجازت دی تھی.....

اس کے علاوہ چارہ بھی کیا تھا...... اور اسی خیال سے میرا دل بیٹھنے لگا.... کہ ساجد کی باہوں میں میرے عاشق کی باہوں میں۔ میں نہیں کوئی اور ہوگا..... آہ ..... شادی ..... عشق ..... احساس ..... اُف۔

میرے خدا ..... یہ سب کیا ہے؟ ......

ساجد مجھے بھول گیا..... اس نے کبھی مجھے یاد نہیں کیا..... اس نے کبھی پہلے کی طرح مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی..... کرتا بھی کیوں ..... میں ویران ہوگئی ساجد کا قرب نہ ملنے سے۔ لیکن تصور، تصور میں وہ میرے قریب تھا۔ بہت قریب..... اس کی یاد میری ویران زندگی کا ایک سہارا بن گئی......

اور پھر ایک شام ..... گاندھی پارک میں مجھے ساجد مل گیا۔ ..... ساجد ..... میرا محبوب ..... میں اپنے آپ میں کھو سی گئی .... بڑھتے ہوئے قدم رک گئے..... ساجد میرے قریب آگیا.... مجھے معاف کردو شبی؟ .....اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ چہرہ دہشت زدہ تھا.... آنکھیں خاموش تھیں ۔اور دل اُداس ..... میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آواز گلوگیر ہوگئی ۔اس کی آنکھیں بھی اشک بار ہو چکی تھیں۔ لرزتے ہونٹوں میں پھر جنبش ہوئی ۔شبی میں نے تمہارے پاکیزہ عشق کو سمجھنے میں بھول کی تھی۔ اس کی سزا آج تک بھگت رہا ہوں تم معاف کردو تو شاید مجھے کچھ سکون مل جائے۔ تمہارے پاس آنے کے لئے میرے قدم ہی نہیں اٹھتے تھے۔ میں تمہارا گنہگار ہوں شبی مجھے معاف کردو۔

پاگل ہوئے ہو کیا ؟ ایسی باتیں کیوں کرتے ہو ؟ میں تمہارے لئے آج بھی وہی ہوں جو پہلے تھی۔ تم میرے لئے وہی ساجد ہو جو پہلے تھے اور وہی رہو گے۔ لیکن تم پریشان کیوں ہو ؟؟......

میں تم سے ناراض ہوکر آیا تھا اس کے کچھ دنوں بعد مجھے ایک لڑکی سے عشق ہوگیا۔ اور پھر اس سے میری شادی بھی ہوگئی۔ لیکن آج ...... آج وہی شادی میرے لئے بربادی بن گئی ہے۔ مجھے سکون نہیں

تھا۔ ذرا ذرا سی معمولی باتوں پر ہم دونوں میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں ہم دونوں کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی ہو گئی ہے جس نے دو دلوں کو ایک جا ہوتے ہوئے بھی الگ کر دیا۔ دلوں سے نفرت کی آگ نکلنے لگی نہ وہ میرے خوابوں کی ملکہ رہی نہ میں اس کے ارمانوں کا شہزادہ اسے بچوں اور گھر گرہستی سے فرصت نہیں اور مجھے دفتر سے فرصت نہیں۔ ہم لوگ پہلے کی طرح گھوم نہیں سکتے۔ پہلے کی طرح پیار نہیں کر سکتے پہلے کی طرح دو لمحے مل کر خوشی کے لمحات نہیں گزار سکتے۔ جو شکایت میں اس سے کرتا ہوں وہی شکایت وہ مجھ سے کرتی ہے۔

ساجدہ کی آواز غم و غصہ سے کانپ رہی تھی... میرا دل تڑپ گیا..... آہ..... کتنی بھول کرتے ہیں وہ لوگ جو عشق کو شادی میں تبدیل کر لیتے ہیں یا پھر انہیں ازدواجی زندگی گزارنے کا سلیقہ آتا ہو۔

شادی اور گرہستی میں پڑ کر تم دونوں پہلے جیسے انداز میں جی ہی نہیں سکتے ساجدہ۔ کسی بھی عورت کو برتن دھوتے۔ آٹا گوندھتے۔ مسالہ پیستے۔ جھاڑو دے کر گھر کی صفائی کرتے۔ بچے کو دودھ پلاتے۔ کپڑے دھوتے۔ میلے کچیلے کپڑے اور بکھرے بالوں میں ایک شوہر تو قبول کر سکتا عاشق نہیں...... اور پھر اس سے یہ چاہت کرنا کہ وہ ہر وقت تمہارے خوابوں کی ملکہ بنی رہے قطعی ناممکن ہے۔ تم کو اپنی اسی چاہت میں تبدیلی کرنا پڑے گی تبھی تم خوش رہ سکو گے۔ یہ اور بات ہے کہ تمہاری چاہت کی قدر کرتے ہوئے وہ تمہارا زیادہ سے زیادہ خیال کرنے لگے جلدی جلدی ہر کام سے فارغ ہو کر تمہارے آنے سے پہلے تصور کی ملکہ بن جائے

یہ سب کچھ تم کہہ رہی ہو شیتی..... تم..... اپنے محبوب سے۔ کیا یہ سب کہتے ہوئے تمھیں ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی؟؟ آخر یہ سب کیا ہے؟..... اندازِ عشق..... میں نے کہا..... عشق کرنے والا اپنی تکلیف نہیں دیکھتا۔ محبوب کی خوشی چاہتا ہے۔ تم خوش رہو۔ بس میں بھی خوش ہوں...... ساجدہ مسکرانے لگا۔ فرطِ مسرت اور وفورِ جذبات سے اس نے مجھے اپنی باہوں میں بھر لیا۔

ساجدہ اب بھی میرے گھر آتا ہے..... وہ میرے تصورات میں اب بھی میرا محبوب ہے..... اور میں اس کی محبوبہ..... اور یہ رشتہ شاید ابد تک قائم رہے.................

..... محبت زندہ رہتی ہے مر نہیں سکتی.....

جمیل احمد خاں جمیل

محمد جمیل احمد خاں میرا نام ہے جمیل تخلص کرتا ہوں ایک متوسط زمیندار خاندان سے متعلق ہوں ضلع بستی کے ایک مشہور و معروف گاؤں دوحارہ میں میں ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوا۔ میرا گھرانا ایک علمی گھرانا ہے میرے بھائی بہنوئی اور داماد وغیرہ پاکستان۔ ایران۔ اردن وغیرہ ملکوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ بڑے بوڑھوں کے انتقال کے بعد بھائیوں اور خاندان کے دوسرے افراد میں اب میں ہی سب سے بڑا تھا اس لئے مجھے کھیتی باڑی کا کام سنبھالنا پڑا اور ہائی اسکول پاس کر کے سلسلۂ تعلیم روک دیا۔ تعلیمی دور ہی میں مجھے شاعری کا شوق پیدا ہوا تھا جو اب تک باقی ہے۔ ابھی حال میں ایک نمائش میں جو بنکروں کی خصوصی نمائش تھی میں نے ایک نظم پڑھی تھی جس میں سرکار کی عطا کردہ سہولتوں کا تذکرہ تھا جو بنکروں کو دی گئی ہیں۔ صدارت ڈسٹرکٹ جج ایچ۔ ایم سنگھ صاحب نے فرمائی تھی۔ نمائش میں نظم پڑھتے وقت جو فوٹو اور تصویر لی گئی تھی اس کے ساتھ میں آپ کے شانِ ہند میں شرکت کا شرف حاصل کر رہا ہوں تصویر میں میرے پیچھے اے۔ ڈی۔ آئی ہینڈلوم گورکھپور کھڑے ہیں۔ اور سامنے ڈسٹرکٹ جج تشریف فرما ہیں۔

اصلاحِ سخن کے لئے جناب صادق بستوی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

نمونۂ کلام

غزل

شاعری شغل ہو گیا ہے　　درد کا آسرا ہو گیا ہے
زندگی گو کشش بندگی ہے　　نفسِ دل کا خدا ہو گیا ہے
رہبر کارواں کارواں کا　　دستِ قدرِ قضا ہو گیا ہے
حیرت دل کا عالم نہ پوچھو　　مقتدی مقتدا ہو گیا ہے
رس گیا عشق کا دل میں کا تھا　　اور کا نام دعا ہو گیا ہے
دردِ انسانیت کی طلب میں　　دل سراپا دعا ہو گیا ہے
فکرِ پاسِ محبت کہاں ہے　　دل حریفِ وفا ہو گیا ہے
ہیں بہاروں کے گلشن میں پیچھے　　اور گلشن فنا ہو گیا ہے

لا دوا درد دل کا تھا پہلے
وہ جمیلؔ اب دوا ہو گیا ہے



قوم ترقی کی راہ پر

فولاد کی ریکارڈ پیداوار

پچھلے سات مہینوں میں قابل فروخت فولاد کی پیداوار 31 لاکھ 40 ہزار ٹن تک پہنچ گئی ہے جو کہ ایک نیا ریکارڈ ہے —— پچھلے سال کی اسی مدت کی پیداوار سے 16 فیصد زیادہ۔
اس ضمن میں پبلک سیکٹر کے کارخانے سب سے آگے رہے جن میں 19.3 فیصد پیداوار بڑھی —— کڑی محنت اور صنعتی امن وامان کا نتیجہ۔

مضبوط ارادہ اور کڑی محنت ہمارے ساتھی ہیں

davp 75/450

نازک الہ آبادی

ذاکر عثمانی اویری

سنہ پیدائش ۱۹۲۳ء۔ نام شیخ اسماعیل شیخ عثمان۔ ذاکر تخلص وطن راویر ضلع جلگاؤں (مہاراشٹر) ہے۔

پونا سے لوک شالہ اور سینئر پی۔ٹی۔سی امتحانات امتیازی نمبروں سے پاس کئے۔ ساتھ ہی ایس۔ایس۔سی امتحان میں آل مہاراشٹر مولانا آزاد اردو پرائز حاصل کیا تھا بعدہٗ بی۔اے کی تیاری کر چکے تھے مگر کسی خاص وجہ سے رکاوٹ آ گئی۔ اس کا انھیں افسوس نہیں۔ وہ اپنی جگہ یوں بھی مطمئن ہیں اور وسیع مطالعہ کو سب سے بڑا امتحان سمجھتے ہیں اپنے پیشے میں کامیاب و معروف پرائمری مدرس ہیں۔ ویسے پرائیویٹ طور پر سنہ ۵۱ء اور سنہ ۵۲ء میں چند طلبا کے فارسی ٹیچر بھی رہ چکے ہیں۔ ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ نثر نگاری اور تنقیدی مضامین سے بھی لگاؤ ہے۔ اس سلسلے میں علام سحر عشق آبادی سے کچھ نہ کچھ دریافت کر لیتے ہیں اور علام موصوف بھی سرپرستی کے تحت انھیں بتا دیتے ہیں۔ فارسی میں بھی غزل کہتے ہیں۔ علامہ آثر مرحوم احسنی گنوری کے فارغ الاصلاح شاگرد ہیں۔ سلام، نعت اور قطعات میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں مگر غزلیں ہی زیادہ کہتے ہیں۔ خوش گلو ہیں ترنم سے پڑھتے ہیں ویسے تحت اللفظ پڑھنے کا انداز بھی کافی اچھا ہے "ضربِ احساس" کی اشاعت کی فکر ہے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکاڈمی حوصلہ افزائی کرے تو دیوان زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائے اور قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کئے بغیر نہ رہے گا۔

ان کی غزلیات ملاحظہ کیجئے۔

غزل ۱

تہذیب ترقی کا اب کونسا امکان ہے　　انسان کے ہاتھوں جب انسان پریشان ہے
دل [illegible] محفل میں نالاں ہے شاداں ہے　　خاموش متفکر [illegible]
[illegible] پریشاں [illegible] گیا ہے　　[illegible]

یہ ظلم پہ شاداں ہے یہ ظلم پہ نازاں ہے　　عبرت سے اسے دیکھو اس دور کا انساں ہے
افسانۂ الفت کا عنوان نمایاں ہے　　میں چاک گریباں ہوں وہ سر بگریباں ہے
پستی ہے کہ بلندی ہے انساں کے عمل ہی میں　　گر جائے تو ابلیس ہے اٹھے تو سلیماں ہے
تم عیش کے سلطاں ہو کیا فکر غمِ ہستی　　دنیا کو ذرا دیکھو یہ کتنی پریشاں ہے
چھائی ہے گلستاں پر کچھ ایسی گھٹا یارب　　یہ کفر کا باعث بھی اب باعثِ ایماں ہے

نغمات محبت کے بکھرے ہیں فضاؤں میں
اے دوست ترا ذاکر محفل میں غزلخواں ہے

غزل ۲

جوہرِ حسنِ ازل ذہن میں دیتا کوئی　　اور پھر عشق کے معیار پہ تولے کوئی
اپنے ہر عیب کو جو مجھ سے کہتا ہے ہنر　　حرف [illegible] دوست [illegible]

سوزِ دل سوزِ جگر حد سے سوا پایا ہے　　لے کسی کو مری اشکوں میں ڈبولے کوئی

ان کے ہونٹوں پہ تبسم [illegible]　　ان کے اس زہر بھرے پیار کو تولے کوئی
اس میں شعلے بھی ہیں پوشیدہ [illegible]　　کاش گلشن کا مرے راز نہ کھولے کوئی
کہی جائے گا اسے کھیلنا طوفانوں سے　　کشتیِ غم کو جو طوفاں میں ڈبولے کوئی
بزمِ احباب میں چھائی ہے خموشی کیوں اب　　غم کے عنوان پر اس بزم میں بولے کوئی
یہ تغافل ہی زمانہ کو کرے گا بیدار　　تم یہ کہتے ہو کہ ہو آنکھ نہ کھولے کوئی

دعوتِ عشق مرا آج ہے ذاکر اس نے
لے کسی کا بہت قدموں سے مرے کوئی

پشیمانی

محمد حسین نغمہ کھام گانوی

"دیکھو خالد! یہ میرا اپنا معاملہ ہے جس کے ساتھ میرا جی چاہے فلمیں دیکھوں، تفریح کروں، کہیں بھی آؤں جاؤں اس سے تمہارا کیا تعلق؟ آئندہ خیال رہے میرے معاملات میں کبھی دخل نہ دینا سمجھے۔"

ناز نے اپنے ڈرائیور خالد کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"مگر ناز! میں نے ایسی کونسی بے جا اور بری بات کہہ دی جو تم اتنا بگڑ رہی ہو۔ میں نے جو کچھ کہا ہے تمہارے بھلے کے لئے ہی کہا ہے۔ حامد کو تم نہیں جانتیں وہ لڑکیوں کے معاملہ میں بڑا بدکردار لڑکا ہے۔"

خالد نے ناز کو سمجھاتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔

"خالد! یہ مت بھولو کہ تم میرے ملازم ہو صرف ملازم۔" ناز نے دانت پیستے ہوئے خالد کو ٹوکا۔ اور کار میں بیٹھ کر کہا "گاڑی چلاؤ۔"

خالد کی تعلیم میٹرک تک ہوئی تھی۔ اس کے حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ اپنے ایک دوست کی مدد سے اس نے ڈرائیور بن جانا منظور کر لیا تھا وہ اس دنیا میں تنہا حالات کی سختی کا مقابلہ کر رہا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ ناز کو اپنی جان سے بڑھ کر چاہنے لگا تھا۔ ناز اس کے ذہن و دل پر بری طرح چھائی ہوئی تھی اسے قدم قدم پر اس بات کا احساس ستاتا تھا کہ ناز اس کی کبھی نہ ہو سکے گی وہ انہیں خیالات میں گم ہو کر اکثر اداس رہتا۔

"ابے او خالد کے بچے۔"

"ارے سلیم تم۔"

"ہاں کہو۔ اچھے ٹھاٹھ ہیں۔"

"بس غنیمت ہے۔"

"ارے ہاں! خالد۔ آجکل تو تمہاری بیگم صاحب کے بڑے چرچے ہیں۔ کس چکر میں پھنسی ہیں وہ۔"

"یار! وہی حامد۔ وہی لکھ پتی اوباش باپ کی امیر اولاد۔"

"اچھا سمجھا۔ لیکن وہ پچھتائے گی۔"

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ اسی لئے تو میں اسے روکنا چاہتا ہوں لیکن....."

"بس اسی لئے۔ اب اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے خالد، تمہارا رقیب ہے۔"

"ہاں یہی سمجھ لو۔ تم نہیں جانتے سلیم! میں ناز کو کس قدر....."

"چاہتا ہوں۔ لیکن اس سے ملے گا کیا۔"

"کچھ نہ ملے۔ مگر اسے دیکھ کر دل کو سکون تو مل جاتا ہے۔ میرے لئے یہی بہت کچھ ہے۔"

"میری مانو۔ یا تو اس پاگل پن کو چھوڑ دو۔ یا پھر ناز کو صاف صاف بتا دو کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔ آخر کب تک جلتے رہو گے۔"

"نہیں یہ میں نہیں کروں گا۔ اس کا انجام مجھے معلوم ہے۔ میرا سکون اور غارت ہو جائے گا۔"

"تمہاری مرضی۔ میں تمہارے حق میں دعا کرتا رہوں گا۔"

"آج تم نے بہت دیر کر دی خالد!" ناز نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے ہمیں جلدی جانا ہے۔"

"جی وہ۔ وہ۔ معاف کر دیجئے۔"

"اچھا چلو۔"

"کہاں۔"

"گرین پارک۔"

"بہت اچھا۔"

خالد۔ پارک کی ایک بنچ پر بیٹھ کر ناز کا انتظار کرتا ہے۔ ناز کے بوجھل قدم بکھری بکھری زلفیں، سوچ میں ڈوبا ہوا چہرہ۔ خالد سمجھ جاتا ہے وہ ناز کے پاس آ کر کہتا ہے۔

"کیا تم۔ حامد کو اپنا دوست۔ اپنا دمساز مانتی ہو؟"

"تمہیں اس سے کیا مطلب؟"

"دیکھو ناز اب بھی وقت ہے۔ سنبھل جاؤ۔"

"او۔ یو شٹ۔ آپ۔ گاڑی چلاؤ۔ بکواس بند کرو" ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیتی ہے۔

"تو آپ کا حوصلہ یہاں تک بڑھ گیا۔ جناب خالد" ناز کے والد نے خالد کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"جی میں نے ناز سے جو کچھ کہا اس کی بھلائی کے لئے۔ افسوس میری بات کو غلط رنگ دے دیا گیا"۔

"کیا سچ ہے کیا غلط۔ یہ ہم خوب سمجھتے ہیں۔ ناز اپنے بُرے بھلے کو اچھی طرح جانتی ہے۔ تم ہمارے نوکر ہو اور بس آئندہ کسی معاملے میں دخل دیا تو سزا پاؤ گے"۔

"اس سے پہلے کہ آپ سزا دیں۔ میں ذلت برداشت نہیں کر سکتا"

"اوہ! تو ٹھیک ہے اپنا حساب کر لو"۔

خالد نے اس شہر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اور اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ اچانک اس کی ملاقات بچپن کے ساتھی تحسین سے ہو گئی۔ تحسین جو اب ایک بہت بڑی ٹرانسپورٹ کا مالک تھا۔ خالد کو اپنے ساتھ لے گیا اور اُسے اپنی کمپنی میں ملازمت دے دی۔ خالد نے شب و روز محنت کر کے تحسین کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اب وہ اس کمپنی کا پارٹنر تھا اور تحسین نے اپنی بہن نسرین کا رشتہ اس سے طے کر دیا تھا۔ نسرین جو تہذیب و شرافت، شرم و حیا اور علم و ادب کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ خالد کے ان زخموں کو بھرنے میں کامیاب ہو گئی جو اُسے ماضی نے دئے تھے

ایک دن خالد اپنے آفس میں بیٹھا تھا کہ اُسے معلوم ہوا کہ جس ٹرک کے ذریعے انتہائی ضروری مال روانہ کیا جاتا تھا۔ اس کا ڈرائیور اچانک بیمار ہو گیا ہے۔ خالد نے سوچا۔ مال کا وقت پر پہنچانا بے حد ضروری ہے کیوں میں خود ٹرک لے کر چلوں۔ اور وہ اس کے لئے تیار ہو گیا۔ کمپنی کے سارے لوگ اُسے تعجب سے دیکھتے رہ گئے۔ آج کافی دنوں کے بعد اُسے اسکا ماضی یاد آ رہا تھا جس کی یاد میں وہ گم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا وقت بڑا منصف ہے۔ کسی کی محنت رائیگاں نہیں جاتی۔۔۔ میں کل کیا تھا آج کیا ہوں۔۔۔؟

مزدور ٹرک کو خالی کر رہے تھے۔ خالد قریب کھڑا تھا۔ لیکن چُپ چاپ۔ خاموش۔ اِس شہر میں آ کر آج اسے ناز یاد آ رہی تھی۔ کیونکہ اسی شہر میں تو اس کے ارمانوں کا خون ہوا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم تھا۔ کہ ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

"صاحب تم کو ہمارا میم صاحب بلاتا ہے"۔

"کون میم صاحب"؟

"اُدھر سامنے والا بلڈنگ میں"۔

اور خالد اس شخص کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ "ناز" ۔ ناز ۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا "تم ہو ناز"۔

"ہاں! میں ہوں۔ تمہاری گنہ گار ۔ مجھے معاف کر دو"۔

"لیکن تم تو رئیس گھرانے کی بیٹی ہو"۔

"اور رئیس گھر کی بہو بھی۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن ۔۔ لیکن کیا؟"

"مجھے سب کچھ حاصل ہے۔ دولت، عزت، شہرت۔ مگر جذبے کی اس گرمی سے محروم ہوں جو عورت کے مردہ جسم میں جان ڈال دیتی ہے"۔

"تو۔۔۔۔۔"

"ہاں خالد تم میرے کام آ سکتے ہو۔ میں تمہیں ملازمت دونگی۔ وعدہ کرتی ہوں کہ تم صرف دکھاوے کے لئے ملازم رہو گے۔ لیکن میرے نزدیک تمہاری حیثیت گھر کے مالک کی ہوگی۔ تم ہر چیز کے مالک ہو گے۔ ہر چیز کے میرے بھی۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ بھٹک جاؤں گی۔ مجھے بچا لو۔ میرے خالد"۔

"اوہ! تو یہ معاملہ ہے۔ لیکن سنو ناز ۔ اب میں وہ خالد نہیں ہوں میں نے ماضی کے ہر نقش کو دھو دیا ہے۔ اب اس دل میں تمہاری جگہ کسی نے لے لی ہے۔ میں اُسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ وفاؤں کی دیوی ہے اور تم جنسی تلذذ کی ماری۔ ایک عورت جو مجھے پیار نہیں دے سکی۔ اب بھی اپنی غرض سے صرف ملازم رکھنا چاہتی ہے۔ جبکہ نسرین نے مجھے اپنے سارے وجود کا مالک بنا دیا ہے"۔

"صاحب ٹرک خالی ہو گیا ہے"۔

"اچھا چلو"

ناز کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۲۱

اسی لئے "زہرِ حیات" فن کی نمایاں اور لائقِ اعتراض نقوش سے تقریباً پاک ہے۔ ناہید زیدی کو نئی نئی تراکیب تراشنے اور لفظوں کو نئی معنویت دینے پر بھی پورا عبور حاصل ہے۔ اسی لئے "زہرِ حیات" "عطرِ شبنم" "رنگینی تنہائی" "ہدیۂ نظر" "کاٹھ کے آدمی" "لفظوں کی چھینی" "لفظوں کی مشعل" وغیرہ جیسی شگفتہ اور بامعنی تراکیب ملتی ہیں

زہرِ حیات کا سرورق دیدہ زیب اور کتابت و طباعت نفیس ہے۔ جسے آٹھ روپیہ کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اِدارہ

معیار کی کسوٹی پر

من کے منکے

کرشن موہن غزل بھی کہتے ہیں نظم بھی رباعی بھی اور قطعہ بھی لیکن شعرگوئی میں انکا مخصوص مزاج ہر جگہ نمایاں رہتا ہے۔ ان کے کلام میں عشق کی مختلف "رنگینیاں" بکھری پڑی ہیں۔ ان رنگینیوں کی اہم صفت عشق کی وہ اضطراری کیفیت ہے جو انھیں عشق کے کسی خاص مرکز پر رُکنے نہیں دیتی اور اسی لئے وہ ان تمام روایتوں سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جنھیں روزِ ازل سے عشق کی مرکزیت حاصل رہی ہے۔ روایات سے بغاوت کا جذبہ کرشن موہن کی رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے۔ لیکن اس بغاوت میں غدر کے مقابلے شعور و فکر کارفرما نظر آتے ہیں۔ اسی لئے ان کی بغاوت پھیکی اور غیر مؤثر نہیں بنتی بلکہ وہ عشق کی "ظاہری نفاست" پر ضرب کاری لگاتے ہیں تو ان کا شعور ان کا وہاں تک ساتھ دیتا ہے جہاں عشق کی اضطراری صورتیں نت نئے رنگوں میں انکے سامنے اُبھرتی چلی جاتی ہیں اور جن میں گم ہو کر وہ ان سارے حقائق کا ذکر انتہائی بے تکلفی سے کرنے لگتے ہیں جنھیں عشق کے داخلی کرب کو سمجھے بغیر نہیں پڑھا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ حقائق ان کے اشعار میں ڈھلتے ہیں تو ان کی بے باکی پر ان کے بیشتر قارئین تعجب کا اظہار کرنے لگتے ہیں لیکن اصلیت یہ ہے کہ ان کا یہ اضطراری عمل جسے روایت شکنی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، نگاہ و قلب کے لئے ایسے سکون کا سبب بھی ہوتا ہے جس میں نشاطِ غم کو اولیت حاصل ہوتی ہے۔

"من کے منکے" (منتخب اشعار کا تازہ مجموعہ) میں شامل بیشتر اشعار اسی نشاطِ غم کی عظمت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں کرشن موہن کا رویہ نہ تو قطعی جدیدیت کی نمائندگی کرتا ہے اور نہ قدیم روایات کے وہ قائل ہیں بلکہ استدلال اور میانہ روی پر مبنی انکا شعور انہیں حد سے تجاوز نہیں کرنے دیتا۔ اسی لئے ان کے عشق کی "ظاہری نفاست" اور دکھاوے کی "طہارت" کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اور وہ عشق کے اندرونی کرب کا علاج تلاش کرنے میں تکلفات کے سارے پردوں کو ہٹا کر "صاف صاف" باتیں کرنے لگتے ہیں جنھیں سنکر ان کا قاری عالمِ استعجاب میں انکی شاعری کے قبالت

ستھرے حصے کو "جنسی بے راہ روی" سے تعبیر کرکے انکے اضطراری عمل سے منحرف ہو جاتا ہے لیکن کرشن موہن اپنے اس اضطراری عمل کو تیز تر کرنے میں دراصل عشق کے اس جمالیاتی پہلو پر اپنی نگاہیں مرکوز رکھتے ہیں جس میں ساری کائنات حُسن و تجمل کا مرقع بن جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کرشن موہن اس کائنات کو "بے لباس" دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے ہاتھ "کھردرے" نہیں ہیں اور نہ ان کے اضطراری عمل میں "جلد بازی" کو کوئی دخل ہے اسی لئے بے لباسی کے باوجود کائنات کی طہارت اور تجمل مجروح نہیں ہوتے بلکہ کرشن موہن کا معتدل رویہ انھیں اور بھی نکھار دیتا ہے۔ عشق کی ظاہری نفاست کے دلدادہ اس رویہ کو ناواقفیت کی بنا پر قبول کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں اسی لئے ان کے اور کرشن موہن کے درمیان اسی مقام سے کشمکش کی ابتدا ہو جاتی ہے لیکن کرشن موہن شکستگی کے احساس کو نزدیک نہیں آنے دیتے اور انکا یہی عمل باقی کے الفاظ میں انھیں [illegible] بنا دیتا ہے جو ابدی قدروں اور لازوال حقیقتوں کے اندر جھانکنے پر انھیں مجبور کر دیتا ہے۔ داخلی حقائق کی یہ چمک کرشن موہن کی نگاہوں میں ایسی روشنی پیدا کر دیتی ہے کہ جب وہ کائنات پر پڑتی ہیں تو اسے بھی چمکا دیتی ہیں جسے دیکھنے والی عام نگاہیں خیرہ ہوکر تعجب و تذبذب کا شکار ہو جاتی ہیں۔ لیکن کرشن موہن اس چمک کو عشق کے جمالیاتی پہلو سے تعبیر کرکے کائنات کی بے لباسی پر مسرور ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہی بے لباسی ابدی قدروں اور لازوال حقیقتوں کی عکاسی کرتی ہے۔ جس میں نشاطِ غم کی ساری کیفیات بھی موجود ہوتی ہیں "من کے منکے" میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں چند ملاحظہ ہوں ؎

جب سے اپنا لیا ہے غم نے مجھے ✤ غم بھی اک کیفیت خوشی کی ہے

ملا ہے ہمیں عشق کا سوزِ پنہاں ✤ سلگتے سلگتے دھواں ہو گئے ہیں

مرے اضطرابِ دروں کا سبب ہے ✤ تمنا کی رفعت ارادے کی پستی

ہر ایک رنگ میں ہے وفورِ نشاطِ رنگ ✤ نازاں ہے رقص تیرے بدن کے سہاگ پر

کتنی بے کیف کٹ رہی ہے حیات ✤ ایک مدت سے دل اُداس نہیں

کرشن موہن نے اُردو شاعری کو جس رویے سے نزدیک کیا اس میں انکے ذہن کی وہی گونج صاف صاف سُنائی دیتی ہے جس میں باقی نے اشارہ کرتے

ہوئے لکھا ہے "کرشن موہن کی شاعری پورے وجود کی شاعری ہے۔ انکے یہاں کوئی موضوع شجرِ ممنوعہ نہیں حسن سے وابستگی محض احساسی سطح پر نہیں بلکہ اس میں گوشت پوست اور اس کے لمس سے سیراب ہونے کی آرزو بھی شامل ہے اس جذبے کے اظہار میں صحت مند فیفیاتی کا عنصر ہیں پھیکا نہیں پڑتا۔"

کرشن موہن گوشت پوست اور اس کے لمس کے سلسلے میں محض حسن سے وابستگی "ایک ہی محدود نہیں رہے بلکہ پورے وجود کی تلاش ہر، انسانی نفسیات کی کشمکش اور ناکامیٔ شوق تک بھی پہنچے ہیں وان کی سوچ کے پھیلاؤ کو نہ تو محدود ہونے دیتا ہے نہ یک رُخ ہی۔ لیکن یہ بھی صداقت ہے کہ کرشن موہن اِس کشمکش اور ناکامی کے سباب حسن سے وابستگی میں تلاش کرتے وقت بڑے جذباتی بن جاتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ؎

ہے نغمہ وسرود کی دنیا کو احتیاج ۔۔ دُنیا بہت حزیں ہے غزل ابتدا کرو
کیسا جگ ہے جس میں ایک لمس کو ترسے ۔۔ تخییل ایک ترحم ہے احساس ایک چوٹ
ہے اور تڑپتا ہے لست ایک سپنا ہے ۔۔ دیکھ کے جسکو راحت ہو جائے جسکو ڈر آئے
گفتگو میں ہیں محو تو رہیں دلشاد ۔۔ جو اپنے حال پہ سوچیں اُداس ہو جائیں

کرشن موہن بعض صورتوں میں ذہنی لذت کو تبدیل کرنے کے لئے ایسے شعر بھی کہہ جاتے ہیں ؎

جو کوئی پیار جتائے تو کوئی شعر نہ ہو ۔۔ داشتہ ناز دکھائے تو غزل ہو جائے
وی کی سخت و سرد طبیعت کو جان کر ۔۔ جی چاہتا ہے اپنی کوئی داشتہ بھی ہو
آپ غیروں کے پاس رہتے ہیں ۔۔ اس لئے ہم اُداس رہتے ہیں
تمنا ہے ایک ڈھیٹ کو ۔۔ کرے کائیں کائیں۔ کائیں مکرر

[illegible] یہ مثالیں کرشن موہن [illegible] شاعری کی نمایاں [illegible] ہیں اور وہ جب یہ کہتے ہیں ؎

تمہاری شاعری میں کرشن موہن ۔۔ فقط افسانۂ رخسار و لب ہے

تو کم از کم مجھ جیسے انسانوں کو تعجب ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان کی شاعری میں افسانۂ "لب و رخسار" کی گرمی محض روائتی انداز میں ہرا نہیں ہوتی بلکہ اس میں عشق کی وہ اضطراری کیفیت ملتی ہے جو جذبات کو جامد و ساکت نہیں ہونے دیتی اور ذہنِ انساں کو نشاط غم کے اس پہلو سے رُوشناس کراتی ہے جو زندگی کی تسکین کے لئے ناگزیر ہے۔

کرشن موہن کی شاعری میں "پیامِ عمل اور رنگ خرد" کو تلاش کرنا بے سود ہے جس کا اعتراف انھوں نے خود کیا ہے ؎

نہ اس میں کوئی پیامِ عمل نہ رنگ خرد ۔۔ فقیہہ شہر مری شاعری سے بدظن ہے

کتابت و طباعت میں وہ بات نہیں جو انکی سابقہ کتب کا طرۂ امتیاز رہی ہے پھر بھی سرورق کے حسن نے اس کمی کو بڑی حد تک پورا کر دیا ہے ۳ روپیہ کے عوض یہ کتاب مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کیجا سکتی ہے۔

کچھ نثر میں بھی

آنند نرائن ملاّ کا شمار ان مجاہدین میں ہوتا ہے جنھوں نے اُردو کے آئینی حقوق کی خاطر انتہائی بے لوث طریقِ کار اختیار کرکے اپنی صفائیٔ قلب اور طہارتِ نظر کا ثبوت دیا ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملاّ صاحب نے اپنی زندگی کے بڑی قیمتی لمحات اُردو کے تحفظ اور ارتقا کے لئے وقف کرکے عملی میدان میں جس تیز رفتاری کا ثبوت دیا وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے انھوں نے اُردو کی ترویج و ارتقا کے سلسلے میں نہ صرف اپنی ذکاوت و بیدار مغزی ہی کا ثبوت دیا ہے بلکہ اُن کا قلم اُردو کے آئینی حقوق کے حصول کی خاطر کبھی سست رفتار نہیں ہوا جس کی عکاسی ان کی تازہ تصنیف "کچھ نثر میں بھی" میں مل جاتی ہے جسکے مطالعے سے ان کے تبحرِ علمی کے ساتھ ساتھ انکے فکری تعمق کو بھی پرکھا جاسکتا ہے۔

"کچھ نثر میں بھی" ملاّ صاحب کے دس ریڈیائی ٹاکس تین خطبات۔ ایک منظوم آپرا (پس منظر) انسانی حقوق کے بنیادی تحفظ سے متعلق دو مقالے دو دیباچے، خواجہ آتش کی حیات پر مبنی ایک ڈرامہ اور ایک ادبی مضمون کا مجموعہ ہے۔

ان تمام تصنیفات کے مطالعہ کے بعد اس بات کا آسانی سے پتا چلایا جاسکتا ہے کہ ملاّ صاحب انتہائی تیز اور صاحب ناقدانہ شعور کے مالک ہیں۔ انکی ریڈیائی ٹاکس میں اکثر و بیشتر مقامات پر ان کے مذکورہ شعور کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ وہ کسی ادبی پہلو پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے وقت تجزیاتی عمل کو مقدم نہیں سمجھتے بلکہ واقعاتی انداز میں اس پہلو کے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اس سلسلے میں ان کی ان ٹاکس کو پیش کیا جاسکتا ہے جو انھوں نے سرشار اور چکبست کے متعلق تحریر کی ہیں۔ جن میں انھوں نے مذکورہ دونوں حضرات کے فن اور انکی شخصیت سے متعلق تمام حقائق کا بھرپور جائزہ لیکر ان سے کارآمد نتائج نکالے ہیں۔ اپنی دیگر ٹاکس میں انھوں نے مختلف اہم مراکز پر اُردو کی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے اسکی خصوصیات کے تواریخی اور جغرافیائی پہلوؤں پر خاصے مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

ان کا ناقدانہ شعور (جو انتہائی معتدل ہے) اس دیباچے میں نظر آتا ہے جو انھوں نے سردار جعفری کے مجموعۂ کلام "پیرہنِ شرر" پر لکھا ہے جس میں انھوں نے زندگی اور ادب کے لامتناہی سلسلے پر بڑے سلجھے ہوئے انداز میں روشنی ڈال کر ژرف نگاہی کا ثبوت دیا ہے۔

اُردو کے مستقبل کے بارے میں انھوں نے جن حقائق کی جانب کھل کر اشارے کئے ہیں انھیں انکے خطبات (اُردو کانفرنس سہ لسانی کمیشن، جامعہ) میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جن میں ملا صاحب نے اُردو کے ارتقا کے سلسلے میں کئے جانے والے کھوکھلے دعووں سے سخت اختلاف کر کے عملی میدان میں آنے اور خلوص بے انتہا کا اظہار کرنے کی دعوت دی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

"کوئی شخص جو اُردو کا سوال اُٹھاتا ہے اسکو پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ خود اُردو کیلئے کیا کر رہا ہے۔ جو مریض خود صحت یاب ہونا نہیں چاہتا اسکو کوئی طبیب اچھا نہیں کر سکتا۔ آپ بھی تو اپنے عمل سے اپنے مطالبے میں جان پیدا کیجئے" (صفحہ ۲۶۰)

"آئینی محاذ پر ہمارا کام ہے کہ ہم مرکزی حکومت نیز ریاستی حکومتوں کی توجہ اپنے بنیادی حقوق کی پامالی کی طرف برابر دلاتے رہیں۔۔۔ جیسے ہی کسی حق کی پامالی ہو فوراً اس کیخلاف آواز بلند کرنا چاہیئے کیونکہ جس حق تلفی کو کوئی تھوڑی دیر کے لئے برداشت کر لیتا ہے اس حق کا پھر حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔" (صفحہ ۲۵۲)

ملا صاحب تشدد کے قائل نہیں۔ اور نہ اپنے حقوق کے حصول کے سلسلے میں وہ بنیادی باتوں کو نظر انداز کر کے انتہاپسندی کو پسند کرتے ہیں اسی لئے انکی تحریروں اور تقریروں میں میانہ روی اور اعتدال پسندی نمایاں طور پر نظر آتی ہے جس کی جھلکیاں ان کے ناقدانہ رویے میں بھی مل جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے تنقیدی مضامین میں کسی خاص رویے یا نظریے کی چھاپ نہیں لگ پاتی۔ بلکہ وہ ان تمام حقائق کو قبول کر لیتے ہیں جن میں زندگی اور کائنات رقصاں نظر آئے چاہے اسکا رخ کچھ بھی ہو۔ اور کسی بھی تحریک، نظریہ یا احساس سے ان کا تعلق ہو۔

کاش ملا صاحب کا وہ نثری سرمایہ تلف نہ ہوا ہوتا جس کا ذکر انھوں نے "۴۷ سال" میں کیا ہے۔ پھر بھی ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ موصوف موجودہ شعری و ادبی تحرکات اور انکے بدلتے ہوئے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈال کر اپنی نثری قوتوں سے ادب کے تشنہ پہلوؤں کو سرسبز و شاداب کرتے رہیں گے۔

"کچھ نثر میں بھی"۔ کتابت کی اغلاط سے پاک ہے ۲۷۲ صفحات کی یہ کتاب صرف سولہ روپے میں مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

زہرِ حیات

اُردو کی ایک حساس اور باشعور شاعرہ زاہدہ زیدی کا پہلا مجموعۂ کلام ہے جس میں ۳۰ نظمیں ۹ غزلیں اور ایک قطعہ شامل ہے۔

زاہدہ زیدی کی شاعری کی ابتدا ۱۹۵۳ء سے ہوئی اور ان کا پہلا مجموعہ ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ ان ۲۱ برسوں میں انھوں نے جو کچھ کہا وہ اس طویل مدت کے پیشِ نظر بہت مختصر ہے۔ لیکن ان کا یہ اختصار ہی ان کے مزاجی ٹھہراؤ اور فکر و شعور کے عمق کا ثبوت بن گیا ہے۔ جس میں "زود گوئی" کی بیجا طوالت معلوم نہیں ہوتی۔

زاہدہ زیدی اس نسل سے تعلق رکھتی ہیں جس نے اپنی سوچ کے پھیلاؤ کو حالاتِ زمانہ اور مسائلِ حیات پر پوری طرح محیط کرنے کی کوشش کی ہے یہی سبب ہے کہ انکے یہاں بعض ایسے نئے گوشہ ہائے فکر نظر آتے ہیں جن کا تعلق زندگی کے سرسری مطالعہ یا فکر و نظر کی سطحیت سے نہیں بلکہ ان میں کائنات ایک نئے زاویے کے ساتھ پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

زاہدہ زیدی کا تعلق اس نسل سے بھی ہے جس نے اپنی ذات کو پہچاننے کا سفر ہنوز مکمل نہیں کیا ہے اور جو اس سلسلے میں کسی حد تک تذبذب اور بے یقینی کے تحت ہنگامہ ہائے حیات میں گم اپنے ٹوٹے اور بکھرے ہوئے "میں" کو تلاش کرنے میں مصروف ہے۔ اسی لئے زہرِ حیات کی بیشتر نظمیں اسی تلاش کی عکاسی نظر آتی ہیں۔ جن میں زاہدہ زیدی زندگی کی خلش کو اختیار کر کے اضطرا اور بے چینی کا اظہار اس طرح کرنے لگتی ہیں جیسے دیکھ کر محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ بھی عرفانِ ذات کا سفر کرتے ہوئے اپنے ٹوٹے ہوئے اور منتشر "میں" کو سمیٹنے کی کوششوں میں چند حقائق تک پہنچ جانا چاہتی ہیں۔ لیکن بیشتر نظموں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی محرومیوں کا جذبہ ان کے "میں" کی کرچیوں کو سمیٹنے میں انھیں شدید کرب میں گرفتار کر دیتا ہے۔ ہر چند انھیں قدم قدم پر یہ احساس بھی رہتا ہے کہ ان کا "میں" واقفِ ہر حادثۂ عالم بھی ہے اور حسنِ افکار کے بحرِ زخار میں قطرۂ مضطرب ہونے کے باوجود خود میں سمندر کی توانائی رکھتا ہے اس سلسلے میں انکی نظم "حکایاتِ گریزاں" کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح زاہدہ کو اپنے وجود کے ساتھ اسکا کوئی ہمشکل چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے جسے وہ ایک پل بھی نہ تو نگاہوں سے دور ہی رکھنا چاہتی ہیں اور

نہ اس کی یاد کو ذہن کے گوشوں سے نکال دینا ہی انھیں منظور ہے اس لئے کہ وہ ان کی نگاہوں میں ایک ایسے احساس کو بیدار رکھنے کا ذریعہ ہے۔ جسکے سہارے زاہدہ حقائق کے سنگین اور کرب آمیز پہلوؤں سے نجات حاصل کرسکتی ہیں۔ نظم "تم وہ نقطہ ہو" اس جذبے کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔

زاہدہ کی شاعری کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ حادثات و حالات کی سختی سے واقف ہونے کے بعد جب اپنے وجود کو ان کے سبب سایوں میں گھرا ہوا پاتی ہیں تو ان کے ذہن و فکر میں تذبذب اور کشمکش کے متواتر عمل کے ساتھ ہی ایک عجیب سا خوف پیدا ہو جاتا ہے جس کا اظہار وہ اس طرح کرنے لگتی ہیں۔

ہر طرف گونجتی انجان صداؤں میں
نہ کھو جائے کہیں نغمۂ روح
کہیں بے ربطیٔ ماحول میں
ہر حسین خواب
ہر اک شوق کی پرواز کو
تاریکیٔ شب ڈھانپ نہ لے
اور ہر جذبۂ رنگیں کو
ڈس نہ لے کہیں
رنگینیٔ تنہائی کا سانپ
گل نہ ہو جائیں کہیں
زیست کے ایوان میں
افکار کی لرزاں شمعیں
سرد ہو جائیں نہ دیرینہ وفاؤں کے چراغ　　(نظم "اندھیرا")

لیکن باوجود "اندھیرا" ہونے کے زاہدہ وفاؤں کے چراغ کو سرد نہیں ہونے دیتیں اس سے ان کا خوف و تذبذب کے عالم میں حوصلہ مند ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ وہ وجود کے بکھراؤ کے باوجود انھیں زندگی کے حقائق کی تلاش اکساتی رہتی ہے جسکے نتیجے میں "تجربہ" اور "تنہائی" جیسی پرسعی تخلیقیں جنم لیتی ہیں۔ ہر چند انھیں محسوس ہوتا رہتا ہے کہ انسانی وجود شکستگی کے احساس سے بہت قریب ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بعض صورتوں میں آگہی کی شعلگی انسانی تصور و خاکستر بھی کر دیتی ہے لیکن زاہدہ اس احساس کے نزدیک پہنچنے کے بعد بھی مکمل طور پر قنوطیت کا شکار نہیں ہوتیں اور اپنی فکر و حسی شعور کو زندگی کی محرومیوں سے بچا کر ان میں زندگی کی ہلکی ہلکی مٹھاس اور وفاؤں کی تازگی کے نقوش بھی کسی حد تک شامل کر دیتی ہیں۔ مثلاً ان کی نظمیں "آؤ" "ایک شام" "صفحہ ۱۰۹" "دیوانِ خاص" "چٹانوں کے بدن" (پہلا حصہ) کا مطالعہ اس سلسلے میں کیا جاسکتا ہے۔

زاہدہ زیدی کا سماجی شعور بڑا دمکتا اور تابناک ہے۔ وہ سماجی نابرابری پر بھرپور طنز کرکے اسکی تبدیلیوں کے امکانات پر غور کرتی ہے اس سلسلے میں ان کا رویہ محض کھوکھلے نعرہ بازی کا شکار نہیں ہو جاتا بلکہ وہ فکر و شعور اور تعقل و ادراک کے سہارے اس سلسلے کو دراز کرتی ہیں جسکی بھرپور جھلکیاں ان کی نظموں "لاشوں کا سوداگر" "چٹانوں کے بدن" "بازیچۂ اطفال" اور "بند کمرہ" میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

"زہرِ حیات" میں چند ذاتی نظمیں بھی شامل ہیں جن سے زاہدہ زیدی کا ذہنی کرب پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے اس مجموعے کی غزلوں کے بیشتر اشعار فکر و فن کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

زاہدہ فنی رکھ رکھاؤ کا حتی الامکان خیال رکھتی ہیں (بقیہ صفحہ ۲۷ پر)

بنکروں کی خوشحالی

جمیل بستوی
دودھارا

یہ نظم ۸ جنوری ۱۹۷۶ء کو بنکروں کی نمائش کے افتتاح کے موقع پر پڑھی گئی جسکی صدارت ڈسٹرکٹ جج ضلع بستی نے فرمائی تھی نظم بہت پسند کی گئی۔ جج صاحب موصوف نے اپنی افتتاحی تقریر میں نظم مذکورہ بہت سراہا۔ جمیل

خوشی کے دیئے آج بنکر جلائیں　　خزانے مسرت کے بھر کر دکھائیں
کٹھن تھا یہ بالو کا بھارت میں اپنے　　ہنر کے لئے لوگ چرخا چلائیں
کریں خوب خوش رنگ تیار کپڑے　　انھیں سے نمائش کی زینت بڑھائیں
اسی وقت امت پہ بھارت کریگا　　بدیشوں میں جب مال اپنا کھپائیں
یہ صنعت ترقی کی منزل کو چھولے　　یہ بنکر اگر اس کی بنسی بجائیں
رہا چشم نرگس یہ سارا زمانہ　　سنیں اندرا نے تمہاری صدائیں
ارادہ حکومت کا ہے بنکروں کو　　جہاں تک ہو مقدور اونچا اٹھائیں
یہ صنعت ہے بالو کی خواہش کا حصہ　　ترقی کی منزل پہ اس کو لگائیں
سنہرا یہ موقع جو ہم کو ملا ہے　　اسے اپنے دل سے نہ ہرگز بھلائیں
جہاں تک ہو ممکن کریں اس کو حاصل　　خدا جانے یہ دن پھر آئیں نہ آئیں
تمہیں فکر خود اپنی کرنی ہے پیہم　　کہاں تک تمہیں راستہ ہم دکھائیں
جمیل اب ہماری تمنا ہے آخر　　یہ بنکر پھلیں پھولیں پھر مسکرائیں

نایاب اور مشہور اُردو کتابیں منگائیے

کلیات اقبال کا مسری ایڈیشن (آفسٹ)		۳۰/-
اقبال۔ شاعر اور فلسفی	سید وقار عظیم	۱۲/-
بانگ درا (فوٹو آفسٹ)	اقبال	۱۰/-
ضرب کلیم	"	۷/۵۰
بال جبریل	"	۷/۵۰
ارمغان حجاز	"	۴/۵۰
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۲/-
اُردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۲۰/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطراف غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/-
غزل اور مطالعہ غزل	عبادت بریلوی	۲۰/-
جدید شاعری	" "	۲۵/-
ارمغان علی گڑھ	خلیق نظامی	۲۰/-
اُردو مثنوی کا ارتقاء	عبدالقادر سروری	۶/-
تصورات اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
اُردو زبان اور اسالیب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعہ سرسید احمد خاں	عبدالحق	۵/-
اُردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستہ مضامین انشاپردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۹۵
نمائندہ مختصر افسانے	ڈاکٹر طاہر فاروقی	۳/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبدالشکور	۲/۰۰
اُردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/-
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۲/-
فیروز اللغات (جیبی ایڈیشن)		۶/۵۰
انتخاب مضامین سرسید	آل احمد سرور	۲/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری	وحید قریشی	۲/۵۰
شرح جاوید نامہ (جلد اول)	محمد سلیم چشتی	۲۰/-
" " (" دوم)	"	۲۰/-

ضیاء شرح نظیمی	مرتبہ علی جواد زیدی	۲۱/-
تنقید سے تحقیق تک	عنوان چشتی	۱۵/-
اقبال کے خطوط	ڈاکٹر منظر عباس نقوی	۱۸/-
پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	ڈاکٹر شمیم نکہت	۱۸/-
مقدمہ تاریخ زبان اُردو	ڈاکٹر مسعود حسن	۱۰/-
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۱۰/-
ادب اور زندگی	اظہر پرویز	۶/-
اُردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	۷/۵۰
یادوں کے سائے	پدم شری ممتاز مرزا	۲۰/-
مترجم مثنوی مولانائے روم دفتر اول	قاضی سجاد حسین	۲۰/-
مترجم مثنوی مولانائے روم دفتر دوم	قاضی سجاد حسین	۱۹/-
مترجم دیوان حافظ	قاضی سجاد حسین	۳۰/-
ناقابل فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	۲۰/-
جذبات مشرق	" "	۱۵/-
یادوں کی بارات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
فرہنگ آصفیہ (چار حصے مکمل)		۱۵۰/-
انگلش اُردو ڈکشنری	مولوی عبدالحق	۵۰/-
اُردو انگلش ڈکشنری	" "	۴۰/-
ابتدائی علم عروض	سبحان انجم طہ گانوی	۱/-
گلبن کا ہندوستانی مسلمان نمبر		۲۰/-
اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعراء کا حصہ	[illegible]	۱۵/-
شرح دیوان غالب	بیخود موہانی	[illegible]
برق تبسم	تبسم علی پوری	[illegible]
سحر نغمہ	ساغر ہوشیار پوری	۱۰/-
نقد نظر	مختار احمد مانی	[illegible]
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/-
مغربی ادب کے معمار	اے۔ جے۔ ابراہیم	[illegible]
آئینہ	حیرت بدایونی	[illegible]
اوراق زندگی	بسمل سعیدی ٹونکی	۱۲/-

دفتر شاہراہ ہند فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نیو دہلی ۱۱۰۰۰۲

March—76 Phone : 278880 Regd. No. D-(D) 370
THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

شانِ ہند

APRIL—1976

WARSI BAREILVI

Re. 1.25

TAUNSVI

SAIFI SIRONJI

YUSUF NASEEM
QASMI SIRONJ

IMTIAZ ANJU
BHOPAL

سال اجراء ۱۹۳۸ رجسٹرڈ نمبر ڈی ۷۰۳ (D) رجسٹرڈ نمبر جو جسٹرار نیوز پیپر

فون نمبر ۲۷۸۸۸

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی قیمت سالانہ دس روپے قیمت فی پرچہ سوا روپیہ

جلد ۳۷ اپریل ۱۹۷۶ء شمارہ ۴

فہرست

ودیا پرکاش سرور تونسوی ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے لاہوری پریس جامع مسجد بازار دہلی سے چھپوایا اور فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی سے شائع کیا سرور قی الیس ایم پرنٹرز دریا گنج میں چھپا

ہر دلعزیز انسان | **شاعرِ جادو بیان** | **اُردو کا عاشق**

قومی یک جہتی کا خواہاں | **انسانیت کا پیکر** | **شرافت کا نمونہ** | **مذہبی تعصب کا دشمن**

ہر غمزدہ کا ہمدرد | **ہر ضرورتمند کی حاجت روائی کیلئے کوشاں** | **مشاعروں کا رُوحِ رواں**

غرضیکہ انسانی پیکر میں واقعی انسان۔ اپنے جدِ امجد گورو نانک دیوجی مہاراج کی تعلیمات کا مظہر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

کو ایک ارمغانِ عقیدت و خراجِ محبت

کنور صاحب کے عزیزوں، رفیقوں، دوستوں، مداحوں اور عقیدت مندوں کیلئے ایک گرانقدر ہدیہ، عزیزوں کی یگانگت، دوستوں کی محبت، صحافیوں کے جذبات، عام ملنے جلنے والوں کے تاثرات، بزرگوں کے خیالات، نجی زندگی کے کوائف و حالات اور کنور صاحب کی شاعری کے انتخابات سے لطف اندوز ہونے کیلئے

شانِ ہند کا شائع ہونے والا

جشنِ سحر نمبر

ضرور پڑھیئے

جو عنقریب ہی دہلی میں منائے جانے والے جشنِ سحر کے مبارک موقع پر شائع ہو رہا ہے جو یقیناً دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگاری اضافہ ہوگا۔ چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر جو بیس۲۴ صفحات آرٹ پیپر پر کنور صاحب کی مختلف تصاویر سے مزیّن آپ اپنی نظیر ہوگا۔

قیمت دس روپیہ۔ شانِ ہند کے مستقل خریداروں سے چھ روپے علاوہ محصولڈاک جبکہ اس شمارہ پر دس روپیہ فی پرچہ اصل اخراجات ہوں گے مشتہرین کی خدمت میں التماس ہے کہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا۔ لہٰذا اس یادگاری خاص نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہوگا۔

اُجرتِ اشتہارات:۔ عام سالم صفحہ اڑھائی صدروپیہ۔ نصف ۱۲۵ روپیہ۔ سرورق کا اندرونی صفحہ ۲ پانچ صدروپیہ۔ سرورق کا تیسرا صفحہ چار صد روپیہ اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں سات صدروپے۔

جشنِ سحر نمبر میں آپ بھی لکھیئے۔ جشنِ سحر نمبر کو اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ دینے کے لئے مطلوبہ کاپیاں ریزرو کرا لیجئے۔ جشنِ سحر نمبر میں اپنا اشتہار دیجئے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے ہر عقیدت مند کو جشنِ سحر نمبر کی اطلاع دیجئے۔ مزید تفصیلات کے لئے لکھئے:۔

ماہنامہ دفتر شانِ ہند، فلیٹ ۳، انصاری مارکیٹ، دریا گنج، نیو دہلی ۱۱۰۰۰۲

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھیئے

- اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گردو پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے۔
- ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں تو پھر اُن جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنھیں ہم سب استعمال کرتے ہیں؟
- ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبوں اور درحقیقت ان تمام جگہوں کو جہاں بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گردو پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

ریلوے نے صفائی مہم شروع کی ہے جسکے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں۔ اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلہ میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں رہے۔ اس طرح اسٹیشن اور منسلکہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ صرف آپ کی خدمت کیلئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھیئے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے اِدھر اُدھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے آپ کا یہ معمولی سا کام نہیں آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے اسے صاف شفاف رکھئے

ناردرن ریلوے

مقدمہ کمال امروہوی بنام رحمٰن نیّر ایڈیٹر "روبی" دہلی میں ایڈیٹر "روبی" کے معافی نامے کی مصدقہ عدالتی نقل

بعدالت جناب میٹروپولیٹن مجسٹریٹ

۱۲ ویں عدالت، اسپلینیڈ۔ بمبئی

مقدمہ نمبر ۹/ایس ۱۹۷۵ء

کمال امروہوی ـــــــ مدعی

بنام

رحمٰن نیّر ـــــــ ملزم

میں رحمٰن نیّر مقدمہ نمبر ۹/ایس ۱۹۷۵ء کا ملزم، جو آپ کی معزز عدالت میں زیرِ سماعت ہے یہ بیان دیتا ہوں کہ میں "روبی" رسالہ کا ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر ہوں۔

میں قبول کرتا ہوں کہ میرے رسالہ "روبی" میں یکم اپریل ۱۹۷۲ء سے لے کر آج تک شری کمال امروہوی، مینا کماری، اُن کے خاندان یا کاروباری سرگرمیوں سے متعلق جو بھی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ وہ ایسی اطلاعات پر مبنی تھے جو غلط اور گمراہ کن پائی گئی ہیں۔

ان مضامین میں جو الزامات لگائے گئے ہیں انکو بلا شرط واپس لیتا ہوں۔ اور شری کمال امروہوی سے معافی کا خواستگار ہوں میں اس بیان کے ذریعے شری کمال امروہوی کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ شری کمال امروہوی، مینا کماری، انکے خاندان، کاروباری سرگرمیوں کے متعلق کوئی توہین آمیز مواد یا مضمون شائع نہیں کروں گا۔

مدعی، ملزم کی طرف سے دیئے گئے اس معافی نامہ کو قبول کرتا ہے۔ اور اس کے پیشِ نظر وہ اب اس مقدمہ کو جاری نہیں رکھنا چاہتا۔ اور اپنی شکایت واپس لیتا ہے۔ مدعی یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ اس معافی نامہ کے پیشِ نظر وہ ملزم کے خلاف دیوانی عدالت میں بھی کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔

دستخط مدعی

دستخط ملزم

بمبئی ۱۵ ستمبر ۱۹۷۵ء

فائیل اِنٹرڈ پی۔ڈی۔ایس ۱۵-۹-۱۹۷۵ء

اصل مطابق نقل

دستخط

میٹروپولیٹن مجسٹریٹ

۱۲ ویں عدالت۔ اسپلینیڈ بمبئی



مقدمہ کمال امروہوی بنام رحمٰن نیر ایڈیٹر "روبی" دہلی میں ایڈیٹر "روبی" کے معافی نامے کی مصدقہ عدالتی نقل

بعدالت جناب میٹروپولیٹن مجسٹریٹ

۲۰ ویں عدالت، اسپلینیڈ، بمبئی

مقدمہ نمبر ۹/ایس سنہ ۱۹۷۵ء

کمال امروہوی ــــــ مُدعی

بنام

رحمٰن نیّر ــــــ ملزم

حضور والا۔

ملزم یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ اس معافی نامہ کو جو اس نے اس مقدمہ سے متعلق آج پیشِ عدالت کیا ہے۔ اپنے "روبی" میگزین کے آیندہ شمارے اور بعد ازاں شائع ہونے والے شمارے میں شروع کے دس صفحات کے اندر اندر باقاعدہ حاشیہ لگا کر شائع کرے گا۔

مُدعی کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اس معافی نامہ کا متن اپنے اخراجات پر اپنی مرضی سے کسی بھی رسالے یا اخبار میں شائع کرا سکتا ہے۔

دستخط ملزم

دستخط مُدعی

بمبئی ۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۷۵ء

فائیل انٹرڈ پی۔ ڈی۔ ایس۔ ۱۵۔ ۹۔ ۱۹۷۵ء

اصل مطابق نقل

دستخط

میٹروپولیٹن مجسٹریٹ

۲۰ ویں عدالت۔ اسپلینیڈ۔ بمبئی



افکار و واقعات

مُدیر

وسیم بریلوی کی اُردو دشمنی

پچھلے دنوں بریلی میں انجمن جمعیتہ المسلمین کے زیرِ اہتمام ایک کُل ہند مشاعرہ منعقد ہوا جس کی مفصل روداد جناب وارثی بریلوی ایم۔اے نے قلمبند کی ہے اور شانِ ہند کی اسی اشاعت میں شائع کی جارہی ہے۔ اس مشاعرہ کو جناب ڈاکٹر سلیم بریلوی نے جن مشکلات پر قابو پاکر ایک مثالی مشاعرہ بنایا اس کی داد نہ دینا کفرِ ادب ہے۔ اور جناب وسیم بریلوی نے جن بھونڈے طریقوں سے اس مشاعرہ کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی اُس پر اظہارِ نفرت کرنا عین ثواب ہے۔

وسیم صاحب نے اس مشاعرے کو ناکام بنانے کیلئے جو جو [illegible] چالیں چلیں اگر انکو تفصیل سے بیان کیا جائے تو شانِ ہند کے کم از کم آٹھ صفحات درکار ہوں گے اور ایسی ذلیل انسان کیلئے صفحات ضائع کرنا خود قارئین کرام سے ناانصافی ہوگی۔ وسیم صاحب کی یہ اُردو کش ناکام کوششیں محض ذاتی وقار کی خاطر تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ بریلی میں اُن کے سوا کوئی اور بھی ایسا مشاعرہ کراسکے کہ جس کی یاد مدتوں باقی رہے۔ جبکہ وسیم کا مشاعرہ اُن اعلانات کا حامل نہ ہوسکا تھا جو کہ وسیم صاحب نے فرمائے تھے۔ اور ڈاکٹر سلیم بریلوی کا مشاعرہ اُن کے اعلانات کے مطابق ہوا چنانچہ اسے وسیم صاحب نے اپنی ذاتی شکست سمجھا اور اس مشاعرہ کو ناکام کرنے کے لئے انھوں نے جو جو غیر ادبی اور غیر شاعرانہ حرکتیں کی ہیں اُن کی تفصیل ہمارے پاس ڈاکٹر سلیم کی تحریر میں موجود ہے جسے ہم شائع نہ کرتے ہوئے محض یہ کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں کہ اگر وسیم جیسے شعرا بھی اُردو کے اس انحطاطی دور میں اُردو کش سرگرمیاں جاری رکھ سکتے ہیں تو یہ اُردو کے لئے زوال ہی ہے۔ اب وہ زمانہ گیا کہ اپنے ذاتی وقار یا ذاتی مفاد کے لئے اُردو کش حرکات کی آڑ میں شکار کھیلا جائے۔

اُردو کی بقاء و حیات میں دلچسپی لینے والے حضرات کے لئے تو یہ خبر یقیناً مسرت کی لہر دوڑا دینے کی کہ جناب ڈاکٹر سلیم صاحب بریلی میں ایک مثالی کُل ہند مشاعرہ کرارہے ہیں۔ اس مشاعرہ میں ہندوستان کے ہر صوبے سے دو دو نمائندہ اُردو شعراء کا انتخاب کیا جارہا ہے اور بہت جلد تاریخ کا اعلان کیا جارہا ہے اس مشاعرہ کے لئے "شانِ ہند" کا پورا پورا تعاون ڈاکٹر سلیم کو حاصل ہوگا اور ایڈیٹر شانِ ہند خود اس مشاعرہ کی روداد قلمبند کریں گے مفصل اعلان آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

کمال امروہوی بنام رحمٰن نیّر ایڈیٹر "رُوبی"

شانِ ہند کی اسی اشاعت کے صفحہ نمبر ۵ پر اُس معافی نامہ کی درخواست و معافی نامہ کی شرائط کی مصدقہ نقول شائع کی جارہی ہیں جو کہ ماہنامہ "رُوبی" کے ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر جناب رحمٰن نیّر نے بمبئی کی عدالت میں جناب کمال امروہوی بینا کماری یا کمال صاحب کے کاروبار کے خلاف لگائے گئے بے بنیاد الزامات کی اشاعت کے سلسلے میں یہ معافی نامہ عدالتِ متعلقہ میں پیش کیا تھا اخلاق۔ صحافت، شرافت، اور انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ رحمٰن نیّر صاحب اپنے تحریر کردہ معافی نامہ کی شرائط پوری کریں۔ اس میں اُن کے کردار کی بلندی ہی ثابت ہوگی نا کہ پستی۔

"شانِ ہند" کا ہندی رسم الخط میں اجراء

ہندی ہماری قومی زبان ہے لہذا اِس سے فرار ناممکن ہے۔ اُردو کی اب [illegible] ہوچکی ہے جس کی وجہ سے اُردو کے ادبی رسائل کی اشاعت جاری رہنا روز بروز ناممکن ہوتا جارہا ہے کیونکہ اُردو پڑھنے والی موجودہ نسل ختم ہوتی جارہی ہے اور نئی پود کے لئے اُردو پڑھنے کے امکانات روشن نظر نہیں آتے۔ جب تک [illegible] اسکولوں سے اُردو کی تعلیم جاری نہ کی جائے گی اُردو کو

پھلنا پھولنا ناممکن ہے۔ اُردو کے لئے جو سرِدست کوششیں ہو رہی ہیں وہ ایسی ہیں کہ اس کی شاخوں اور پتّوں پر تو پانی کا چھڑکاؤ کیا جا رہا ہے۔ مگر اس کی جڑیں آہستہ آہستہ سوکھتی چلی جا رہی ہیں۔ اس لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ "شانِ ہند" اُردو کے ساتھ ساتھ شانِ ہند ہندی ماہنامہ بھی جاری کیا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے ضروری مسائل حل کئے جا رہے ہیں۔ اشاعتِ آئندہ میں اعلان کیا جائے گا کہ شانِ ہند کی ہندی میں اشاعت کس ماہ سے شروع کی جا رہی ہے۔

جشنِ تبسّم علی پوری

ہفت روزہ "روشنی" سونی پت کے مالک اور ایڈیٹر جناب تبسّم علی پوری جو نامور صحافی اور مُلک کے صفِ اوّل کے شاعر ہیں کے مجموعۂ کلام "برق تبسّم" پر اُتر پردیش اُردو اکادمی کی طرف سے ایوارڈ دیئے جانے اور تبسّم صاحب کے نئے مجموعۂ کلام "عزمِ جواں" جس میں ان کا قومی یک جہتی، وزیرِاعظم کے بیس نکاتی اقتصادی پروگرام۔ سنجے گاندھی کے چار نکاتی پروگرام کے سلسلے میں کلام شائع کیا گیا ہے کی رسمِ اجرا کے موقع پر سونی پت میں ۲۴ اور ۲۵ اپریل کو جشنِ تبسّم علی پوری منایا گیا۔ جشنِ تبسّم کے ساتھ ساتھ ہی وزیرِاعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کی وضاحت اور اسے صدق دلی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئی ہیں ان کو بیان کرنے کے لئے تقاریر ہوئیں۔

جناب دین دیال صاحب چیئرمین صدر بلاک کانگریس کمیٹی سونی پت نے تبسّم صاحب کے اعزاز میں لنچ دیا جس میں شہر کے رؤسا اور عمائدین نے شرکت فرمائی۔ ینگ مین ایسوسی ایشن کی طرف سے شاستری ریڈنگ روم میں تبسّم صاحب کو عصرانہ دیا گیا۔ جس میں عمائدینِ شہر کے علاوہ ہریانہ سرکار کے وزیر مال شری چرنجی لال شرما و۔ سونی پت کے ڈپٹی کمشنر چودھری رام نارائن سنگھ۔ سونی پت کی سیشن جج۔ ہریانہ کے ڈی۔ آئی۔ جی پولیس اور سونی پت کے ولبھ۔ کپتان نیز دیگر حکام نے شمولیت کی۔ رات کو میلے [illegible] پارک میں عمائدینِ شہر نے قوالی کا [illegible]

اور پھر طوفانِ باد و باراں کے باعث ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں لیڈیز قوالی کا پروگرام نہایت کامیاب رہا۔

دوسرے دن ۲۵ اپریل کو جین ودیا مندر میں ایک بہت بڑی تقریب میں ہریانہ کی وزیر شریمتی شاردا رانی اور ہریانہ کے وزیر مال پنڈت چرنجی لال شرما۔ چودھری سلطان سنگھ ایم۔ پی۔ چودھری راجندر سنگھ صدر ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی معززینِ شہر اور حکامِ ضلع نے شرکت کی۔ جس میں تبسّم صاحب کی کتاب "عزمِ جواں" کو ریلیز کیا گیا۔ اور انھیں مبارکباد دی گئی۔ شری مہاویر جین مجاہدِ آزادی و صدر کوآپریٹو بنک نے تبسّم صاحب کو سپاسنامہ کشمیری دوشالہ اور ناریل پیش کیا۔ اور نہایت موزوں انداز میں تبسّم صاحب کی خدمات کو سراہا۔ وزرا حضرات نے تبسّم صاحب کو اُن کی قومی ادبی۔ علمی اور صحافی خدمات پر مبارکباد دی اور عوام سے اپیل کی وہ وزیرِاعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام اور سنجے گاندھی صاحب کے چار نکاتی پروگرام کو صدق دلی سے کامیاب بنانے میں ساتھ دیں۔ ادارہ "شانِ ہند" بھی تبسّم صاحب کو ان کے اس جشن پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔



حمل گرانا جائز ہے

کن حالتوں میں؟

بعض اوقات حمل گرانا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔
جب حمل کا جاری رہنا عورت کی زندگی کے لئے خطرہ بن جائے یا اس سے اس کی جسمانی یا ذہنی صحت کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو،

جب اس بات کا خطرہ ہو کہ پیدا ہونے والے بچے کی نشو و نما میں کوئی شدید جسمانی یا ذہنی نقص رہ جائیگا،
جب حمل عصمت دری کے نتیجے کے طور پر ہوا ہو،
جب معاشی و سماجی حالت دراصل ایسی ہو یا مستقبل قریب میں ایسی حالت پیدا ہونے کا امکان ہو، جس سے ماں کی صحت کو نقصان پہنچ سکتا ہو،
جب حمل روکنے کے کسی طریقے کے ناکامیاب ہو جانے سے حمل ٹھہر گیا ہو،
پہلے بارہ ہفتوں میں حمل آسانی سے گرایا جاسکتا ہے۔



مفت مشورے کے لئے نزدیک ترین سرکاری ہسپتال میں جائیں

انجمن جمعیۃ المسلمین بریلی کا کُل ہند مشاعرہ

وارثی بریلوی ایم۔اے

شعرائے کرام جو شریکِ مشاعرہ تھے :۔

چندر پرکاش جوہر۔ چاند بدایونی۔ فرقان احمد عزم۔ عشق کمال۔ حسرت جے پوری۔ ہلال رامپوری۔ حق کانپوری۔ جمیلہ بانو دہلوی۔ جاں نثار اختر۔ کمال ہاشمی۔ تماشا بریلوی۔ بیکش بدایونی۔ مشیر جھنجھانوی۔ ماہ لقا راجے۔ پروفیسر شہباز صدیقی۔ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ قاری غلام محی الدین خان خطیب۔ رازؔ الہ آبادی ایم ٹی۔

مہمانانِ خصوصی :۔

جناب ہیم وتی نندن بہوگنا سابق وزیر اعلیٰ اُتر پردیش۔ موسیقارِ اعظم شہنشاہ موسیقی محترم جناب نوشاد صاحب۔

ملک کی وہ عظیم سیاسی اور غیر سیاسی ہستیاں جو مشاعرہ میں شریک نہ ہو سکیں لیکن بذریعہ پیغامات مشاعرہ کی کامیابی کیلئے دعاگو رہیں۔

عزت مآب عالیجناب محترم فخر الدین علی احمد صاحب صدر جمہوریۂ ہند۔ ہندوستان کی مایۂ ناز خاتونِ اوّل محترمہ بیگم عابدہ احمد صاحبہ۔ محترم ضیاء الرحمٰن صاحب انصاری نائب وزیر صنعت و رسد عامہ حکومتِ ہند۔ محترم جناب اکبر علی خاں صاحب بہادر صاحب گورنر اڑیسہ۔ محترم جناب ایف۔ ایچ محسن نائب وزیر داخلہ حکومتِ ہند۔ محترم جناب محمود بٹ صاحب چیف سکریٹری اُتر پردیش۔ محترم جناب ایس۔ ایم۔ ایچ برنی سکریٹری انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ حکومتِ ہند۔ محترم شیخ زید بن سلطان النہیان صدر ابو ظبی و متحدہ عرب امارات۔

کارپنٹری اسکول بریلی کے وسیع ہال میں انجمن جمعیۃ المسلمین بریلی کی جانب سے ایک آل انڈیا مشاعرہ کا اہتمام ہو رہا ہے لیکن بریلی کا ماحول یہ بتا رہا ہے کہ بریلی کے ایک گروپ کو بریلی میں ایک اتنا بڑا تاریخی مشاعرہ گراں گذر رہا ہے۔ چونکہ میرے کانوں میں برابر یہ آوازیں آ رہی ہیں کہ مشاعرہ نہیں ہوگا۔ یہ سب دھوکا اور فراڈ ہے۔ حد یہ ہے کہ مشاعرہ کے چیئرمین ارکانِ مشاعرہ اور انجمن کے جنرل سکریٹری جناب ڈاکٹر سلیم کے اپنے دوستوں اور انجمن کے ممبران نے بھی انکا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر شخص سوچ میں ڈوبا ہوا ہے کہ آیا اتنے بڑے مشاعرہ کا جو اعلان کیا گیا ہے وہ حقیقت بھی بن سکے گا یا نہیں۔ بریلی کے اس عظیم اور تاریخی مشاعرہ کا جو بار ڈاکٹر سلیم صاحب نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا ہے اس کے لئے وہ قابلِ داد ہی نہیں بلکہ قابلِ صد فخر ہیں۔ ان کی یہ جرأت و حوصلہ اور مسلسل جد و جہد اردو ادب کے لئے ایک ناقابلِ فراموش قربانی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ مشاعرہ کے لئے ہال دلہن کی طرح سجایا جا رہا ہے اور اب ہر طرف سے صدائے مرحبا آ رہی ہے۔ بریلی کا ہر فرد مشاعرہ میں شریک ہونے کا خواہشمند نظر آ رہا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آج یہاں رامپور۔ مراد آباد۔ شاہجہانپور۔ علیگڑھ۔ بدایوں۔ پیلی بھیت اور نینی تال وغیرہ اضلاع سے بھی لوگ جوق در جوق چلے آ رہے ہیں۔ مشاعرہ میں داخلہ بذریعہ پاس ہے۔ نیز پولیس کا بھی معقول و بہترین انتظام ہے جس کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی بد نظمی پیدا ہونے کا امکان نظر نہیں آتا۔ اس انتظامیہ کے لئے قابلِ فخر ہیں جناب محمود بٹ صاحب چیف سکریٹری اُتر پردیش اور جناب میجر جنرل شابیگ سنگھ صاحب جی۔ او۔ سی۔ یو پی ایریا بریلی۔

۱۲ر فروری ۱۹۷۶ء۔ رات کے آٹھ بج رہے ہیں۔ مشاعرہ ہونے میں ابھی تقریباً دو گھنٹے باقی ہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ کارپنٹری اسکول کے مین گیٹ سے تقریباً ایک فرلانگ تک سول لائنس کی وسیع و عریض سڑک پر لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم ہے کہ میرا ہال تک پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آ رہا ہے۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک ایمبیسیڈر کار آئی۔ میں نے پلٹ کر اس میں دیکھا تو ڈاکٹر سلیم اگلی سیٹ پر نظر آئے۔ انہوں نے آواز دی اور انہوں نے فوری مجھے اسی گاڑی میں بٹھا لیا اور آج میں اس ہال تک پہنچا جو آج باقاعدہ منظر بنا ہوا تھا۔ میری نظر ہال میں بیٹھے ہوئے ان ہزاروں پر پڑ رہی ہے جو مشاعرہ سننے کے لئے بیتاب و مضطرب نظر آ رہے ہیں۔ ابھی مشاعرہ شروع ہونے میں تھوڑی دیر ہے ...

ہال کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ میرے سامنے وہ اہلِ ذوق حضرات بھی ہیں جو اسٹیج کے سامنے فرش پر بیٹھنے کو ترجیح دے رہے ہیں اور ہر فرد زرق برق لباس میں ملبوس نظر آرہا ہے۔ خواتین بھی خاصی تعداد میں دکھائی دے رہی ہیں۔

ساڑھے نو بجے ہیں سلیم صاحب مائیک پر تشریف لائے ہیں اور صدارت کے لئے مہمانِ خصوصی جناب ہیم وتی نندن بھوگنا سابق وزیرِ اعلیٰ اتر پردیش کا اعلان فرما رہے ہیں۔ صدر صاحب موصوف کی تصویریں لی جارہی ہیں اور جناب صدر سامعین سے اس طرح مخاطب ہیں:۔

"یہ بات کچھ مناسب سی نہیں لگتی کہ بڑے بڑے شعرائے ادب جو یہاں شمعِ محفل بنے ہوئے ہیں اُن کی موجودگی میں مجھے صدارت کی انجام دہی کے لئے منتخب کیا گیا ہے جس کے لئے میں ڈاکٹر سلیم صاحب کا مشکور و ممنون ہوں۔ مجھے اس بات سے مسرت ہوئی کہ اُردو مشاعرہ کا اہتمام روہیلکھنڈ کی راجدھانی بریلی میں اسکے تاریخی اور تہذیبی سلسلے کو ملحوظ کر کیا گیا ہے۔ اُردو زبان اپنی وسعت نظری میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ ہمارا تمدن کوئی چھوٹا سا دریا نہیں بلکہ ایک سمندر ہے اسمیں مختلف زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں مگر اُردو کو یہ مقام حاصل ہے کہ یہ ہر ہندوستانی کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُسے دبائے بغیر رہا نہیں جاتا۔ آپ نے مزید فرمایا۔ اُتر پردیش میں اُردو کو دبانے کی کوشش کی گئی اور ہندوستان کے الگ الگ صوبوں میں بھی اُردو کو دبانے کی کوشش کی گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن ہوا کیا یہ عجیب شے ہے وہ جو کسی شاعر نے عشق کے سلسلے میں کہا تھا "جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے" لیکن یہ اُردو بھی ایک ایسی شے ہے جو دبائے نہ دبے اور اٹھائے نہ اُٹھے۔ جتنا مارا گیا اردو رسالے اُتنے بڑھتے گئے روز مرہ کے نکلنے والے اخبارات کی تعداد بڑھتی گئی۔ تقریر کے دوران جناب صدر کا نہایت گرمجوشی کے ساتھ تالیوں سے ہر جملہ پر خیر مقدم کیا جارہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ بد قسمتی سے جب ہندوستان کو مجبوراً تقسیم ہونا پڑا تو کچھ تنگ نظر لوگوں نے اُسے (اُردو کو) بھی اپنے ساتھ پاکستان لیجانے کی کوشش کی۔ بیچاری اُردو ہماری بیٹی پرائے گھر اس طرح گئی ہے اور ایسی مشکل میں پھنسی ہوئی ہے کہ پاکستان میں بھی اسے چین نہیں۔ پہلے بنگلہ اس سے لڑی اب سندھی اس سے لڑنا چاہتی ہے۔ پختو نی لڑنا چاہتی ہے۔ اور تو اور پنجابی بھی لڑنا چاہتی ہے۔ ماشاء اللہ بھلا پنجابی سے کیا تعلق اُردو سے لڑائی کا۔ لیکن لڑنے کے لئے تیار ہے۔ پنجاب کے لوگوں کو اپنی پنجابی سے بڑا پریم ہے اور اُردو ایسی خادم ہے کہ ایک بار ہندوستان میں پنجابی اور ہندی میں جھگڑا ہوا تو لڑائی ان کی ہوتی رہی اور جنگ یہ سرکتی رہی۔ جنگِ آزادی کے زمانہ میں ہندوستان کے شاعروں نے بڑا اثر ہمارے نوجوانوں پر ڈالا لیکن آج بھی جوش ملیح آبادی کا ایسٹ انڈیا کمپنی کے چند فرزندان کے نام شاعر کا پیغام یاد آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں اور آج جب یاد آتی ہے اُس زمانہ کی۔ جب اُردو کے شاعر ملک کے نوجوانوں کو اپنے دیش پر قربان ہونے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے تھے ؎

در و دیوار پہ حسرت کی نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

پھر دلوں میں طاقت پیدا ہوتی تھی اِسی قوت و طاقت کو پیدا کرنیوالی زبان کی جو خدمت ہندوستان کو کرنی چاہیئے اسکا سلسلہ کچھ معنوں میں شروع ہوا ہے۔ دیر آید درست آید۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ سلسلہ شروع ہوا اور میرا یقین ہے کہ آئندہ آنے والے زمانہ میں یہ سلسلہ اور مضبوط ہوگا...... میں اُمید کرتا ہوں کہ اس طرح کے مشاعروں سے نئی زندگی، نئی روشنی اور نئی امید کو طاقت ملے گی اور آپ صاحبان کے اس کام سے زندگی کو نیا بھروسہ منزلوں کی طرف آگے بڑھنے کے لئے پیروں کو اور طاقت اور انسانیت کو قائم کرنے کی کوشش میں لگانا جو پوری طرح سے لگا ہوا ہے اسکو پوری مدد ملے گی۔ ایک بار پھر یہ عزت آپ نے مجھے دی ہے جس کا میں قطعی حقدار نہیں تھا اس کے لئے میں بہت بہت آپکا اور سب صاحبان کا شکریہ ادا کیا چاہتا ہوں۔ جے ہند"

صدرِ مشاعرہ جناب ہیم وتی نندن بھوگنا کی اس خوبصورت و حسین تقریر کے بعد جناب ڈاکٹر سلیم شہنشاہ موسیقی جناب نوشاد صاحب کو دعوت دے رہے ہیں" اب میں اپنے محترم بزرگ جناب نوشاد صاحب سے گذارش کروں گا کہ وہ مائک پر تشریف لائیں اور مشاعرہ کا باضابطہ طور پر افتتاح فرمائیں" اب نوشاد صاحب آپکے سامنے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں" میں آپ سب حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے بڑی عزت بخشی۔ شعر و ادب کا میدان میرا میدان نہیں ہے لیکن موسیقی اور شاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے اسلئے میں حاضر ہو گیا میں ڈاکٹر سلیم صاحب کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے مجھے اتنے بڑے اور تاریخی مشاعرہ

میں دعوت دی اور مجھے یہ عزت بخشی اور اہلِ بریلی کا شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے مجھے نوازا۔ ساتھ ہی میں جنرل صاحب کا بھی بہت مشکور ہوں کہ آپ نے بڑی مہمان نوازی کی۔ مجھے خوشی ہے کہ اس عظیم الشان مشاعرہ میں ایسی شخصیتیں بھی تشریف رکھتی ہیں جو مُلک کی تعمیرِ نو میں اور ہندوستان کی فلاح و بہبود میں اپنا مقام آپ رکھتی ہیں۔ ہم اُن بہادروں پر ناز کرتے ہیں جنھوں نے اپنی قربانیاں دیکر مُلک کو آزاد کرایا اور اس کو عزت بخشی۔ اب میں مشاعرہ کی کارروائی کرنے کو کہونگا اور یہ بھی کہونگا کہ آپ حضرات مشاعرہ نہایت ہی پُرسکون اور خوبصورت ماحول میں سُنیں جس سے کہ میں بھی آپکو کچھ سُنا سکوں۔"

نوشاد صاحب تالیوں کی جھنکار میں مائک سے رخصت ہورہے ہیں اور انکی جگہ ڈاکٹر سلیم مائک پر نظر آ گئے ہیں اور ڈاکٹر صاحب مشاعرہ کی نظامت جناب حسن کمال صاحب ایڈیٹر اُردو بلٹز کو سونپتے ہوئے مائک چھوڑ رہے ہیں اور اب مائک سنبھال لیا ہے ہمارے عزیز صحافی اور خوب رُو نوجوان حسن کمال نے۔ حسن کمال صاحب مشاعرہ کی بسم اللہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں "اس سے پہلے کہ میں مشاعرہ شروع کروں میری یہ خواہش ہے کہ اس عظیم الشان مشاعرہ کا آغاز [illegible] کی جائے [illegible] آواز سے ہو تاکہ دوسری آوازوں کو [illegible] لہٰذا میں [illegible] کروں گا محترمہ [illegible] سے کہ وہ آئیں اور اپنا [illegible] سامعین کو سنائیں:۔

محترمہ [illegible] غزل سرا ہیں ۔

مذاقِ لطف [illegible] شہر میں نہ گاؤں میں
[illegible] شناس دوستی نہ شہر میں نہ گاؤں میں

آپ کو داد مل رہی ہے اور آپ پُرسوز آواز میں غزل سنا رہی ہیں ۔

قدم قدم پہ دیر ہیں۔ قدم قدم پہ ہیں حرم
شعورِ عشق و بندگی نہ شہر میں نہ گاؤں میں
یہ پورنما کی رات کو ہوا تو [illegible] کیا ہوا
بکھر رہی ہے چاندنی نہ شہر میں نہ گاؤں میں

[illegible] تالیوں میں گھری ہوئی نہایت کامیابی سے مشاعرہ کا آغاز کر کے مائک چھوڑ رہی ہیں اور اب دلوت [illegible] دیکھا رہی ہے بزرگ شاعر جناب فرقان احمد عزّم کو۔ آئیے اور آپ کے [illegible] ملاحظہ فرمائیے۔ آپ فرماتے ہیں "شاعرِ خود و [illegible] میری [illegible] ہندوستان کے ایک ایسے شاعر سے ہے جو شاعر کم اور اداکار زیادہ ملاحظہ فرمائیے۔

موتن کا تاؤ میر کا لڑکا کہو انہیں
غالب کا باپ ذوق کا چچا کہو انہیں
نیچا بڑی سی بات ہے اُونچا کہو انہیں
برقِ ادب کے بلب کا کھمبا کہو انہیں
لُچا کہو انہیں نہ لفنگا کہو انہیں
ہر ایک عہدیدار کا چچا کہو انہیں
جغرافیہ کا علم ہے جا گیر آپ کی
اُردو زباں کے مُلک کا نقشہ کہو انہیں

عزّم صاحب کے ہر شعر کا زبردست تالیوں سے خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی میں نے سُنا کہ سامعین میں سے ایک آواز آئی "بیٹھ جاو" عزّم صاحب فوری جواب دیتے ہیں "چپ رہو"۔ عزّم صاحب کے ان اشعار کے بارے میں ڈائس پر بیٹھے حضرات کانا پھوسی کر رہے ہیں کیا خوب بریلی کے مشہور شاعر اور مترنم اداکار کے بارے میں کس خوبصورتی سے عزّم صاحب نے تصویر پیش کی ہے۔ عزّم صاحب تالیوں کے بیچ [illegible]

اب حسن کمال صاحب ہندوستان کے مشہور و معروف ادیب و شاعر اور صدر شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی جناب پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کو دعوتِ سخن دے رہے ہیں ڈاکٹر ظہیر صاحب اپنے مخصوص انداز میں سامعین کو محظوظ فرما رہے ہیں ۔

ماتھی ہمت ہار [illegible] دنیا کر تو ہی پتوار بلند
عزم کے آگے طوفاں کیا شے کشتی سے کب دھار بلند

آپ نے اس شعر پر سامعین سے جی بھر کر داد حاصل کی سامعین داد دیتے رہے اور اسی طرح فرماتے رہے ۔

میرے گھر [illegible] خوشی کی آئے بھلا کیسے آئے
میرے گھر کا آنگن چھوٹا اور پیچھے دیوار بلند
فن محدود نہیں ہے یارو رنگوں اور [illegible] میں
دل کے [illegible] ہوتا ہے فنکار بلند
[illegible] میں [illegible] خون کیا [illegible]
میرے چمن کا حال نہ پوچھو پھولوں [illegible] بلند

عشرت فانی تیری خاطر کون بڑھائے دست سوال
ہم تو بہت حساس طبیعت روشن دل افکار بلند

ہائے رے قسمت کی محرومی دریا سے بھی پیاسے آئے
اپنا دامن خالی خالی داتا کی سرکار بلند

کام سے بڑھ کر نام کی قیمت دل سے زیادہ جیب کی قدر
جیسے اس چوپٹ نگری میں مسجد سے مینار بلند

چاند کی دنیا اوج ثریا ہے تو بشر کی زد میں ظہیر
سچ پوچھو تو اپنی نظر میں سب سے فراز دار بلند

ظہیر صاحب داد سے اپنی جھولیاں بھرے فخر کے ساتھ واپس ہو رہے ہیں اور اب حسن کمال صاحب زحمت دے رہے ہیں نوجوان اور خوش گلو شاعر حق کانپوری کو۔ لیجئے حق صاحب اپنے خوبصورت اور مخصوص ترنم میں آپ کے درمیان ترانے چھیڑ رہے ہیں ؎

بربادیٔ پیہم کا سبب یاد نہیں ہے ✽ یہ بات کبھی یاد تھی اب یاد نہیں ہے
وہ پہلی نظر وہ پہلی ملاقات کا عالم ✽ کچھ کچھ تو مجھے یاد ہے سب یاد نہیں ہے

حق صاحب داد حاصل کرتے ہوئے راز صاحب اور کمال صاحب کو مخاطب کر رہے ہیں کہ توجہ چاہوں گا ؎

ہم سے کبھی پیمانِ محبت بھی ہوا تھا ✽ کیا یاد دلائیں تمہیں جب یاد نہیں ہے

خوب خوب داد حاصل کر رہے ہیں ؎

کیا پوچھتے ہو دوستو روداد محبت ✽ بس لٹ گیا۔ لٹنے کا سبب یاد نہیں ہے
نظروں میں رخ جاناں سے شانے نہیں سجتی ✽ دیوانہ ہوں دیوانہ ادب یاد نہیں ہے

اس شعر پر سامعین جیسے تھام لیتے ہیں اور داد دیتے ہوئے مکرر ارشاد کی صدائیں بلند کرتے ہیں۔ ہال بری طرح واہ واہ سے گونج رہا ہے۔ شعر کئی کئی بار پڑھوایا جا رہا ہے۔ سامعین کی واہ واہ کا شور ختم نہیں ہوتا۔ اب مقطع پیش کرتے ہیں ؎

حق پھر طرفِ منزلِ محبوب چلے ہو
کانٹوں سے بھری راہِ طلب یاد نہیں ہے

واہ واہ کے شور و غل اور تالیوں کی جھنکار میں حق صاحب پلٹ رہے ہیں اور ابھی ہال تالیوں اور واہ واہ سے گونج ہی رہا ہے کہ حسن صاحب ہمارا شاعر سلیم لکھنوی کو خود خوش آمدید کہتے ہیں۔ سلیم صاحب کا استقبال بھی گونج اور ... تالیوں سے کیا جا رہا ہے۔ سلیم صاحب نہایت

پُر وقار انداز سے لحنِ داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

ظالم نے جب بھی ڈالی غمِ عام کی طرح
تڑپا زمانہ مرغِ تہِ دام کی طرح

وہ چشمِ مے فروش بہر بندۂ عشق کو
گلچیں ہے مست بادۂ گلفام کی طرح

دل میں تلاشِ منزلِ جاناں لئے ہوئے
گردش میں ہوں میں گردشِ ایام کی طرح

سلیم صاحب نے گردش کا ایسا تذکرہ کیا کہ واقعی مشاعرہ گاہ دو منٹ کے لئے گردش میں ہی آگئی۔ پاس نہ ملنے کی وجہ سے جو لوگ شریک مشاعرہ نہ ہو سکے میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ امنڈتے ہوئے دریا کی طرح ہال میں داخل ہو رہے ہیں پولیس ان کو روکنے کی نہایت ہی مہذب انداز میں کوشش کر رہی ہے اور آخر دو منٹ کی اس مسلسل جدوجہد نے مجمع پر قابو پا ہی لیا اور جو لوگ پاس نہ ملنے کی وجہ سے باہر ہزاروں کی تعداد میں سرگرداں تھے اور جو مین گیٹ توڑ کر اندر داخل ہو چکے تھے وہ بھی اپنی اپنی جگہ لے کر ہال کے ارد گرد کھڑے ہو چکے ہیں اور اب سلیم صاحب پھر اپنے اسی انداز میں غزل سرا ہیں۔ لیکن وہ اپنی اس غزل کو جسے پڑھ رہے تھے گردش میں چھوڑ کر دوسری غزل سنا رہے ہیں ؎

جس رند پہ محفل میں ساقی کی نظر جائے
مستی میں دو عالم سے وہ کیوں نہ گذر جائے

اس پر انہیں اچھی داد مل رہی ہے ؎

ناکام سیاست سے ارباب بہاراں کی
شیرازۂ گلستاں کا شاید نہ بکھر جائے

میں دور حسینوں سے اس واسطے رہتا ہوں
زخم دل افسردہ پھر سے نہ ابھر جائے

اس شعر پر سلیم صاحب خوب خوب داد لے رہے ہیں واہ واہ کی آواز سے ہال گونج رہا ہے ؎

پائندہ و تابندہ ہو وہ سلیم آخر
سنگِ درِ جاناں پر سر رکھ کے جو مر جائے

آپ تالیوں کی گڑگڑاہٹ میں اپنی جگہ پر واپس آ رہے ہیں اور اب ناظم مشاعرہ حسن کمال صاحب خود ہی اپنے آپ کو سامعین کے سامنے پیش

کر رہے ہیں سامعین نے حسن صاحب کا استقبال تالیوں کی جھنکار میں کیا۔ آپ بڑے ہی اچھے انداز میں فرماتے ہیں ؎

زندگی پائی ہے اک شیشہ ستمگر کی طرح
ہم پریشاں ہیں غریبوں کے مقدر کی طرح

حسن صاحب کو داد کا سلسلہ مطلع ہی سے شروع ہو گیا ہے اور آپ داد واہ کی صداؤں میں غزل سرا ہیں آپ بار بار مطلع پیش کر رہے ہیں اور برابر داد مل رہی ہے ؎

روز جی اٹھتے ہیں سورج کی کرن کے ہمراہ
اور مر جاتے ہیں ہر شام سمندر کی طرح

اپنا تن کرب و بلا بن کے جلا ہے برسوں
ہم بھی پیاسے ہیں بہت آلِ پیمبر کی طرح

لوگ ہائے ہائے اور واہ واہ کی صداؤں سے ہر شعر کا خیر مقدم کر رہے ہیں اور آپ اسی طرح سے سامعین کو محظوظ کرنے میں محو ہیں ؎

ہم نے چاہا تھا کہ ہم اپنی طرح سے جی لیں
ہم پہ الزام برسنے لگے پتھر کی طرح

اس شعر پر داد کی انتہا ہو رہی ہے شعر کو بار بار پڑھوایا جا رہا ہے ؎

اب کوئی رام نہیں غم کا دھنش جو توڑے
زندگی روتی ہے سیتا کے سوئمبر کی طرح

ادب نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور حسن صاحب اپنی دلکش اور بصورت زلفیں بکھیرے جھوم جھوم کر اسی دلکشی اور فیاضی سے عطا کر رہے ہیں ؎

جانے رستوں میں کہاں اسکو گنوا آئے حسن
ایک نقشہ سا لگا ہوں میں جو تھا گھر کی طرح

حسن صاحب تالیوں کے بے ہنگم شور میں خوب خوب کامرانی پا رہے ہیں اپنی جگہ واپس آ کر انھوں نے حضرت بیکس بدایونی سے درخواست کی ہے کہ وہ آئیں اور اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمائیں ؎

ذہنوں کے تغیر کا سبب سوچ رہے ہیں
جو پینے کو کہتا تھا وہ اب سوچ رہے ہیں

مطلع ہی سے شروع ہوئی ہے اور آپ نہایت متانت سے فرما رہے ہیں ؎

مانگے سے تو دشنام بھی دیتا نہیں کوئی
اس بات کو اب اہلِ طلب سوچ رہے ہیں

برگشتہ ہیں کیوں حلقہ بگوشانِ محبت
بیٹھے ہوئے وہ مہر بہ لب سوچ رہے ہیں

آپ کے بعد اب زحمتِ سخن دی جا رہی ہے مولانا راز الہ آبادی کو ایک قہقہہ فضا میں بلند ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ راز صاحب مشرع بزرگ بن گئے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں ؎

اب تو دل سنبھل گیا ان پری جمالوں میں
ہم الجھ گئے اتنا آپ کے خیالوں میں

تنگدل ابھی شامل ہیں آج ظرف والوں میں
بلا کر رکھئے گا بوتلوں کو تالوں میں!!

یہ مانا کہ راز صاحب کے ترنم میں اب وہ حسن نہیں رہا ہے۔ لیکن باوجود اس کے آپ اپنی روایت کو نبھا رہے ہیں اور داد کا شور کم ہوتے ہی آپ ہنسنا شروع کر دیتے ہیں ؎

کیا اسی کو کہتے ہیں انقلاب سے زمانہ
شیخ جی بھی شامل ہیں آج پینے والوں میں

داد ہڑبونگ کا رخ اختیار کر رہی ہے اور آپ مقطع نہایت ہی فیاضی سے عنایت فرما رہے ہیں ؎

عمر جتنی بڑھتی ہے دل جوان ہوتا ہے

راز صاحب فرما رہے ہیں۔ کھینئے بھول گیا جی۔ یہ آپ کے کام کی چیز ہے ؎

عمر جتنی بڑھتی ہے دل جوان ہوتا ہے
راز یہ حسین غزلیں ان سفید بالوں میں

سامعین میں پیچھے سے داد کے ساتھ واہ واہ سے ملی ہوئی ایک آواز آتی ہے "ہائے" اور اس مقطع پر داد نے تمام قیود توڑ دی ہیں اور راز صاحب خوب خوب داد لئے ہوئے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور حسن صاحب چاند بدایونی کو دعوتِ شعر و نغمہ دے رہے ہیں۔ چاند بدایونی اپنے مزاج سے بھرپور اشعار کی بارش کر رہے ہیں ؎

دھتورے! —

دھتورے ہی ... تمام سابقہ ریکارڈ ٹوٹ جاتے ہیں اس پر سونے پہ سہاگا یہ کہ جناب چاند صاحب چاروں طرف گھوم گھوم کر سامعین سے داد حاصل کر رہے ہیں واہ واہ کا شور و غل جب تھمتا ہے تو آپ عطا کرتے ہیں ؎ دھتورے صحن میں اگائے جائیں گے
اور ایک روز بھیجے گلاب گھونسے پر

چاند صاحب طبیعت سے داد حاصل کر رہے ہیں اور لوگ جھوم جھوم کر داد دے رہے ہیں۔ آپ کے بعد حسن کمال صاحب ایک کمسن اور اُبھرتی ہوئی گلوکارہ جسے ثانیٔ لتا کہنا بجا نہ ہوگا محترمہ شمیم نیّر شرما کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں اور آپ اپنی پُرکیف و دلکش اور سوز سے بھری ہوئی آواز میں یوں محفلِ شعر و سخن میں غزل سرا ہیں ؎

خود ہی ڈوب جائیں گے کوئی راز پانے تک
نشتروں کو آنے دو زخم کے دہانے تک

مطلع ہی سے واہ واہ اور ہائے ہائے کی فلک شگاف صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور جیسے ہی آپ پڑھنا شروع کرتی ہیں محفل پر سناٹا سا چھا جاتا ہے اور ہر شعر کے بعد داد کا وہی عالم ہے ؎

وادیٔ تعلق میں دُور تک اندھیرا ہے
تم یہیں کھڑے رہنا میرے لوٹ آنے تک
میری خامشی میں بھی ایک بات ہوتی ہے
میری بات پہنچا دے اے لتا زمانے تک

تالیوں اور واہ واہ کے بے ہنگم شور سے ہال بُری طرح گونج رہا ہے اور چاروں طرف سے ... کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں لیکن وقت کی کمی اور شعرا کی زیادتی کے باعث شرما اپنے مقام پر واپس آ رہی ہیں۔ آپ کے بعد زحمتِ سخن دی گئی ہے جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری کو۔ آپ فرماتے ہیں ؎

فضائے لالہ و گل پر بہاروں کا بھروسہ کیا
نظر میں حسن پیدا کر نظاروں کا بھروسہ کیا

واہ جی واہ کر آپ چل دیئے۔ اب زحمتِ سخن دی جا رہی ہے نوجوان شاعر جناب کمال جائسی کانپوری کو۔ آپ مائک پر آ گئے ہیں اور پہلے ایک لکچر عطا فرما رہے ہیں: "داروغہ جی! یہ انتظام ذرا ٹھیک رکھئے۔ یہ جو لوگ کھڑے ہیں ان کو بٹھا دیجئے اور پیچھے والے لوگوں سے میری گزارش ہے کہ وہ ذرا توجہ کریں اور پانچ منٹ کے لئے خاموشی اختیار کر لیں"۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے لکچر کا کچھ اثر ہوا ہے اور آپ نے اب غزل پر بھی لکچر دینا شروع کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں غزل ایک ایسی نازک صنف ہے شاعری میں اور غزل ایک ایسی شے ہے مشاعرہ میں جو آپ دیکھ سکتے ہیں محسوس کر سکتے ہیں لیکن چھو نہیں سکتے۔ میں غزل کی زبان میں آپ حضرات کے دلوں کی ترجمانی میں شعر پیش کر رہا ہوں ملاحظہ فرمایئے ؎

منزلِ درد سے قافلے عشق کے آنسوؤں کے سہارے گزر جائیں گے
آپ شمعِ تبسم نہ روشن کریں روشنی پا کے پروانے مر جائیں گے

پروانے تو جلا کرتے ہیں مگر کمال صاحب نے قافیہ سے تنگ آ کر شاید گھبرا کر "جل جائیں گے" کو "مر جائیں گے" فرما دیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ شاعر ہیں صاحب انہیں حق ہے ؎

تیری محفل سے ہم تو چلے جائیں گے اپنی بربادیوں کے فسانے
ذکرِ اہلِ وفا ہوگا جب بھی کبھی بے وفاؤں کے چہرے اُتر جائیں گے

داد اور واہ واہ کا شور و غوغا۔ پتہ نہیں کہ کیا فرما رہے ہیں شاعر صاحب اور کیا کہہ رہے ہیں سامعین حضرات۔ عجیب ہنگامہ ہے ؎

عشق کے پاؤں ہیں اور نئی رہ گذر زندگی کے تقاضے ہیں پیشِ نظر
ہاں اجازت کبھی دی اگر آپ نے سایۂ زلف میں ہم ٹھہر جائیں گے

کمال جائسی صاحب محفل کو ہڑبونگ سے بدل کر تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں۔ اب حسن کمال صاحب محترمہ جمیلہ بانو دہلوی کو اس طرح یاد فرما رہے ہیں۔ "میں آپ کو صرف اتنا بتا دوں کہ دہلی ہمارے ساتھ ایک ... خوبصورت کلاسیکل غزل آئی ہے ... پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔" محترمہ جمیلہ ... ہمارے اکثر مشاعروں اور غزل سے نہایت پُروقار انداز ... غزل سرا ہیں ؎

کہیں ... کارواں کی طرح
لبوں پہ حرفِ تمنا رہا زباں کی طرح

داد مطلع ہی سے ہنگامے کا روپ دھار رہی ہے اور آپ اسی حالِ ترنم سے بے حال کر رہی ہیں ؎

فسانۂ غمِ دل کہہ رہا تھا کوئی مگر
زمانہ منتظر رہا صرف داستاں کی طرح

آہ اور واہ کا ایک ہنگامہ ہے۔ شعر کئی کئی بار پڑھایا جا رہا ہے ؎

بہت قریب سے دیکھا ہے زندگی تجھ کو
ہزار رنگ بدلتی ہے آسماں کی طرح

داد کا ہنگامہ۔ شعر بار بار پڑھے جانے کا شور ... کی آواز میں بھی ذرا مائک کے قریب پہنچ گیا ہوں ؎

ہر ایک سمت جو تنکے چمن میں بکھرے ہیں
کہیں یہ ہی میرا مسکن تھا آشیاں کی طرح

نہ جانے کونسا لمحہ تلاش میں ہے مری
جمیلہ دل بھی بہت چپ ہے اب یاں کی طرح

بالو بیگم واہ واہ ۔ ہائے میرا دل چلا۔ اور تالیوں کے بیچ شور
نے کو گر ماکر کامراں جا رہی ہیں اور حسن کمال صاحب اس عالم
و سرور کو بدلنے کیلئے فلمی دنیا کے مشہور گیت کار جناب حسرت
ری سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ آئیں اور سامعین کو اپنے کلام
ظوظ فرمائیں۔ آپ کا نام آتے ہی چند منٹ کیلئے تالیوں کے
ست شور سے ہال گونج اٹھتا ہے اور آپ اپنے اس استقبال کو
غزل سنانے سے پہلے سامعین کا شکریہ ادا فرماتے ہیں۔ بعدہٗ تین
ات بریلی کی تعریف میں اور متواتر دو غزلیں سامعین کے مسلسل
ر پر عطا فرما رہے ہیں۔ جناب حسرت جے پوری سے

کے دربار تک پہونچا دیا ٭ آستانِ یار تک پہونچا دیا
بریلی آ گیا ہوں دوستو ٭ پیار نے دلدار تک پہونچا دیا

دیا اسے جذبۂ الفت شکریہ ٭ آخرش سرکار تک پہونچا دیا
ہت کنعاں بریلی بن گئی ٭ مصر کے بازار تک پہونچا دیا

ہمارے پاس الفاظ نہیں جو داد کا تذکرہ کر سکیں۔ داد دی جا رہی ہے
ش رہی ہے اور حسرت صاحب جھوم جھوم کر سامعین کی نذر کر رہے
۔ اب آپ غزل سماعت فرمائیں ؎

عشق جب ایک طرف ہو تو صدا دیتا ہے
عشق جب دونوں طرف ہو تو مزا دیتا ہے

اے نمک پاش تری سانولی صورت کی قسم
دل کا ہر زخم تجھے دل سے دعا دیتا ہے

اپنے ماتھے پہ یہ بندیا کی چمک رہنے دو
یہ ستارہ مجھے منزل کا پتا دیتا ہے

شعر پر ایک ہنگامہ بپا ہے۔ چونکہ اتفاق سے ڈائس کے بالکل سامنے
محترمہ صوفہ پر تشریف رکھتی ہیں جن کے ماتھے پہ بندیا چمک رہی
ور نہ جانے نہ معلوم کس پریشانی کا شکار ہے۔ اور اس پہ جناب حسرت
ر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں اور بار بار فرما رہے ہیں۔
معین کی داد سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حسرت صاحب اس شعر کو
تے رہیں اور یہ داد دیتے رہیں۔

آگ میں آگ لگاتا ہے سلگتے دل کو
جب بھی ملتا ہے تو دامن سے ہوا دیتا ہے

میں کسی جام کا محتاج نہیں ہوں حسرت
میرا ساقی مجھے آنکھوں سے پلا دیتا ہے

ایک شور ہے۔ ایک اور۔ ایک اور ۔ ونس مور۔ حسرت اپنی جگہ پہونچ جاتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سامعین انہیں دوبارہ سنے بغیر خاموشی اختیار نہیں کرینگے۔ اور ہوا بھی وہی حسرت صاحب کو دوبارہ سے اپنی جگہ چھوڑ کر مائک پر آنا پڑا۔ اور اب وہ دوسری غزل عطا فرما رہے ہیں غزل سے پہلے آپ فرماتے ہیں بہت بہت شکریہ۔ حوصلہ افزائی کا محبت کا۔ پیار کا۔ میں کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ بہرحال کچھ قطعات اور غزل پیش کر رہا ہوں۔

قطعہ:۔ اُن سے ہر روز ملاقات ہوا کرتی ہے
کتنی پُر کیف میری رات ہوا کرتی ہے
اُن کی آنکھیں بھی محبت کی زباں رکھتی ہیں
حضور! بات کرتے نہیں اور بات ہوا کرتی ہے

اس کے بعد دو قطعات اور نذر کئے اور پھر یہ غزل ارشاد فرمائی ہے ؎

آنسو بھی نہیں ٹپکے رونے کو تو روئے ہیں
ہم نے تو یہی موتی پلکوں میں پروئے ہیں

شعر ملاحظہ ہو:؎

ہجر یار کے بادل بھی نکلے ہیں کفن جیسے
بجلی کی چمک نے بھی نشتر سے چبھوئے ہیں

یہ کیسی بہاریں ہیں بتلاؤ چمن والو!
غنچوں کی طرف دیکھو دامن کو بھگوئے ہیں

لڑ بھڑ کے سفینے تو موجوں سے نکل آئے
انساں کی شرارت نے ساحل پہ ڈبوئے ہیں

جب سے انھیں دیکھا ہے حیرت کا وہ عالم ہے
احساس نہیں ہوتا جاگے ہیں کہ سوئے ہیں

ساقی ترے ہاتھوں نے وہ رنگ دکھائے ہیں
انگور کے پانی میں شعلے بھی سموئے ہیں

سو کروٹیں لے لی ہیں دیکھو تو زمانے نے
لیکن مرے ہمدم تو منہ ڈھانپ کے سوئے ہیں

آتنا تو کوئی پوچھے۔ اس جانِ تمنا سے

حسرت سے کے خیالوں میں کس واسطے کھوئے ہیں

حسرت صاحب داد و تحسین کا نذرانہ وتحفہ لئے شمع محفل ہی نہیں جانِ محفل بن کر واپس آرہے ہیں اور اب آپ کے بعد زحمت سخن دی گئی ہے مشیر جھنجھانوی کو۔ فرماتے ہیں ؎

ایک حلقہ ہر برس بڑھتا گیا زنجیر کا

اور ہم آزاد ہونے کی دعا کرتے رہے

اور اب آپ کے سامنے آرہے ہیں ہلاکی رام پوری۔ لوگ آپ کو دیکھ کر ہی محظوظ ہو رہے ہیں ؎

آج کل فرصت میں ہو شیطان سے میں نے کہا

اس طرح کے مزاحیہ قطعات فرما کر آپ داد و تحسین لئے واپس ہوئے ہیں۔ اور اب اردو ادب میں ہندوستان جس پر فخر کرتا ہے میری مراد ہے اختر ہند جناب جاں نثار اختر سے لیجئے زہرہ جمالوں کی بھیڑ میں اختر مانند اختر چمک رہا ہے۔ آپ نے بھی سامعین کے بے حد اصرار پر متواتر دو غزلیں پیش کیں۔ پہلی غزل اس طرح ہے ؎

ہر ایک روح میں اک غم چھپا لگے ہے مجھے

یہ زندگی تو کوئی بد دعا لگے ہے مجھے

اور دوسری غزل اس طرح ؎

ہم سے بھاگا نہ کرو دور غزالوں کی طرح

ہم نے چاہا ہے تمہیں چاہنے والوں کی طرح

آپ نے بے حد داد و تحسین سامعین سے حاصل کی ہے جسے ہم لکھنے سے قاصر ہیں۔ آپ اختر مشاعرہ ہی نہیں بلکہ اتنی داد حاصل کی ہے کہ متاعِ مشاعرہ ثابت ہوئے ہیں۔

اب ہم تھام کے بیٹھو مری باری آئی

اور لیجئے اب ناظم مشاعرہ اعلان کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے ہر دلعزیز اور دلوں پر حکومت کرنے والا راج شہنشاہِ موسیقی۔ موسیقارِ اعظم نوشاد صاحب آپ کے سامنے آرہے ہیں۔ آپ کا استقبال صرف تالیوں ... تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ لوگ اپنی سیٹ ... سے ... چکے ہیں کہ ہم کسی نہ کسی طرح اپنے اس محبوب ... اور ہر دلعزیز موسیقار کے شہنشاہ کو ایک نظر ہی دیکھ لیں جس کی دھیمی ... میں اپنے ... مجبور کر دیتی ہیں۔ ہنگامہ اتنا دیر رہا

روپ اختیار کر چکا تھا کہ نوشاد صاحب کو نہایت خاموشی کے عالم میں بیٹھے ... مائک کے سامنے پانچ چھ منٹ تک خاموش کھڑا رہنا پڑا۔ اب کہیں جا کر سامعین کے ہوش ٹھکانے آئے ہیں اور وہ بُت بنے محوِ حیرت ہیں۔ اور ہال میں ایک سناٹا سا چھایا ہوا ہے۔ لیجئے اب نوشاد صاحب اپنے خوبصورت انداز میں چند اشعار عطا فرما رہے ہیں (میں یہ بھی بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ نوشاد صاحب صرف موسیقار ہی نہیں بلکہ بہترین شاعر بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی سب سے بڑی خوبی "انسان" ہونا ہے "عظیم انسان") ؎

ابھی سازِ دل میں ترانے بہت ہیں

ابھی زندگی کے بہانے بہت ہیں

یہ دنیا حقیقت کی قائل نہیں ہے

فسانے سناؤ فسانے بہت ہیں

مرا اک نشیمن جلا بھی تو کیا ہے

چمن میں ابھی آشیانے بہت ہیں

درِ غیر پر بھیک مانگو نہ فن کی

جب اپنے ہی گھر میں خزانے بہت ہیں

ترے در کے باہر ہی دنیا پڑی ہے

کہیں جا رہیں گے ٹھکانے بہت ہیں

آپ کی اس کامیاب و خوبصورت حسین و دلکش اور مطابق حالات و زمانہ غزل پر مطلع سے آخر تک داد و تحسین کا وہ شور رہا اور ونس مور کی صداؤں سے ہال اس طرح گونجتا رہا جس سے ثابت ہوا کہ آپ جانِ مشاعرہ بن گئے۔

اس طرح آپ کے ساتھ ہی یہ عظیم الشان تاریخی مشاعرہ شگفتہ و لاجواب پرسکون محفلِ شعر و سخن ڈونیچے نہایت کامیابی کے ساتھ پایۂ اختتام تک پہنچی جس کی کامیابی کا سہرا عزیزم ڈاکٹر وسیم اور حسن انتظام کا سہرا یو۔پی کے ... سکریٹری جناب محمود دبٹے صاحب۔ اور ... کے جی۔ اور ... جنرل شا بیگ سنگھ ... کے سر رہا۔

خدا حافظ



ہرچرن چاولہ (اوسلو ناروے)

ریت، سمندر اور جھاگ

محترمی سرور صاحب آداب! پچھلے دنوں میں نے افسانہ "ریت، سمندر اور جھاگ" مکمل کیا ہے شانِ ہند کیلئے بھیج رہا ہوں افسانے میں کچھ نئے پن کی جھلک آگئی ہے پھر بھی سمجھ میں آجاتا ہے اس لئے امید ہے آپ اسے پسند فرمائیں گے۔ آپ کا ہرچرن چاولہ

IA/60F STUDENT BYEN KRINGSJA OSLO -8 (NORWAY)

یہ کہانی جو میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں اس کے چار کردار ہیں اسلئے آپکے پہلے ان سے تعارف ہو جائے۔ پھر آپ کو کہانی سمجھنے میں مدد ملے گی۔ پہلا کردار میں ہوں جو بہت سیدھا آدمی ہوں۔ چرخے کے تکلے میں کوئی خم ہو تو ہو مگر مجھ میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں چونکہ زمانہ سیدھے پن سے چالیس پچاس سال آگے بڑھ گیا ہے۔ اسلئے میں جسمانی طور پر جوان ہوتے ہوئے بھی ذہنی طور پر بوڑھا ہوں۔ چونکہ آج کل تمام کام ٹیڑھی انگلیوں سے ہی سرانجام پاتے ہیں اور میری انگلیاں بالکل سیدھی ہیں اسلئے میرے تمام کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ دوستیاں بھی میری چند روزہ ہوتی ہیں پھر آپ ہی اپنی موت مر جاتی ہیں۔ دو لکیریں سیدھی ہوں تو ساتھ بھی چلتی ہیں۔ کہیں کہیں مل بھی جاتی ہیں۔ مگر ایک ٹیڑھی لکیر دوسری سیدھی لکیر کے ساتھ ملتے ہی اس کی کمر میں انگلی چبھوتی ہے اور چونکہ انگلی کی چبھن میرے بس کی بات نہیں اس لئے میں ہی دوستی کے معاملے میں پیچھے ہٹ جاتا ہوں۔ باہر کی بات تو خیر دوسری ہے گھر میں بھی میری بیوی سے میری نہیں بنتی۔ مجبوراً سماج کے بندھن میں بندھے ہم ایک چھت کے نیچے رہ ضرور رہے ہیں مگر ہم ایک دوسرے سے اتنے ہی دور ہیں جتنے مشرق اور مغرب۔

دوسرا کردار میری بیوی ہے چونکہ میں اس کا اچھا دوست یا ساتھی نہیں بن سکا اس لئے اس نے میرے ہی سیدھے پن سے ایک ٹیڑھا پن اخذ کر لیا ہے۔ شاید دھوپ کا تصور ہی سائے سے ہے۔ میرے ہی گھر میں اس نے ایک دوست بھی تلاش کر لیا ہے جس سے وہ میرے سامنے ہنستی ہے باتیں کرتی ہے اور اس کے ساتھ سوتی بھی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے پیار میں اس نے مجھے بالکل نظر انداز کرنا شروع کر دیا ہے۔

اندر باہر ہر جگہ تنہائی ایک آگ کے چکر کی طرح میرے ارد گرد گھومتی رہتی ہے۔ مجھے تنہائی نے چکر کے علاوہ میں بالکل تنہا ہوں۔ اٹھارہ سال کی تنہائی کی راکھ سے میرے اندر سے ایک افسانہ نگار ابھرا ہے شاید یہ لوگ ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔ میری کہانیاں ہر رسالہ خوشی خوشی چھاپنے کو تیار ہے مگر معاوضہ دینے کو بالکل تیار نہیں۔ وجہ وہی میرا سیدھا پن ہی ہے۔ ورنہ بڑے بڑے ٹیڑھے میڑھے لکھنے والے بھی آجکل اپنی ہر تحریر کا اس کے کھرے دام وصول کر رہے ہیں۔

اٹھارہ سال جو میری بیوی کا دوست اب بالکل گبرو جوان ہو گیا ہے یہ میرا بیٹا سنتوش ہے۔ چونکہ میری بیوی نے اسے میری ہواؤں سے بچا کے رکھ کر پالا ہے اسلئے ہم دونوں ریلوے کی پٹریوں کی طرح سلیپروں کے ایک ہی پل پر متوازی چل رہے ہیں۔ ہمارا ملاپ کہیں بھی ممکن نہیں۔

اپنی تنہائیوں سے گھبرا کر میں نے ایک کتا پال لیا ہے کیونکہ یہ جانور ٹیڑھے اور سیدھے پن کی سوچوں سے بہت بالا ہے اس لئے میری اور اس کی خوب نبھنے لگی ہے۔ میں جب دفتر کی ویرانیوں سے نکل کر شہر کے ہولناک شور سے گزرتا شام کو گھر لوٹتا ہوں تو وہ بڑی گرم جوشی سے میرا سواگت کرتا ہے گوں گوں کرتا وہ میرے پاؤں میں لوٹ جاتا ہے۔ جیسے میری دن بھر کی خیر خبر کا تذکرہ کر رہا ہو۔ اس کی عمر اب تین سال ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی ایک ہول اچانک سا میرے دل پر لہرا جاتا ہے۔ اگر وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلا گیا تو میں کہاں جاؤں گا اسلئے میں اس کو ہمیشہ باندھ کر ہی رکھتا ہوں کبھی کبھی باہر گھمانا ہو تو ساتھ لے کر جاتا ہوں۔ کبھی زنجیر اس کے گلے سے نکالتا بھی ہوں تو اسے اپنی نظروں سے دور نہیں جانے دیتا۔ ایک دن میں نے اسے تھوڑی دیر کے لئے آزاد کیا ہی تھا کہ وہ میری بے دھیانی میں میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے اسے بہت تلاش کیا۔ آخر وہ مجھے ایک گلی کے موڑ پر ایک آوارہ کتیا سے راز و نیاز کی باتیں کرتا مل ہی گیا۔ میں نے اسے ڈانٹ کر کہا "مجھے میری آوازدی کی"!

اس نے پھر میری طرف دیکھا۔ گھٹتا کے کان میں [illegible] اور میرے [illegible] آیا [illegible] سے بہت جھاڑ پلائی اور دونوں کی [illegible]

گھو پتے پر بہت شرمندہ کیا۔ تو وہ خوشامد پر اُتر آیا اور میرے پاؤں میں لوٹ لوٹ کر آنکھیں چاٹنے لگا۔ میں نے غصے سے کہا۔ جا بے شرم حرامی!

وہ اُٹھا اور اپنے قد سے اور چھوٹا ہو کر ہوتے ہوتے گھر کی طرف چل پڑا۔ ایک دن پھر جب میں ایک دوکان پر ایک سال کہنہ میں گم ہو گیا تو پھر وہ میری نظر بچا کر غائب ہو گیا میں نے سوچا وہ گھر چلا گیا ہو گا اُسے ڈھونڈتا میں گھر کی طرف چلا تو پھر اُسی گلی کے موڑ پر وہ میرے ساتھ شامل ہو گیا آنکھیں نیچی کئے وہ میرے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ میری خاموش شکایت پر شرمندہ سا مگر میری نظریں بچا کر مڑ مڑ کر اُس گلی کی طرف دیکھنے پر مجبور بھی۔۔۔ اب میں نے اُسے آزاد کرنا ہی چھوڑ دیا۔ ایک دو بار اُس نے شکایت بھری نظروں سے میری جانب دیکھا، اور پھر میری خوشی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

شاید آگ اُدھر بھی اتنی تیزی سے سلگ اُٹھی تھی ایک دن وہ کتیا ہمارے گھر آ گئی۔ دونوں پھر پیار و محبت میں ڈوب گئے مگر میری بیوی کی اُن پر نظر پڑ گئی۔ وہ کتیا پر اس طرح لپکا جیسے اُسے پھاڑ ہی تو ڈالے گا۔ بیچ وہ اسے چیر ہی ڈالتا اگر وہ بھاگ نہ جاتی۔

میری بیوی کا دو ... اب اکیس سال جوان ہو چکا ہے۔ ہمارے ... کی طرح ... زندگی ... تو ... ہیں ... ابھی تک زندگی کی سیج کا تاکا ... دوں ... کہ میرے گھر کا کتا بھی اپنے حصے کا پیار ... زیادہ خوش اسلوبی سے نبھا رہا ہے۔ یہ میری شکست خوردگی پر ایک تازیانہ ہے جس نے مجھے شرمندہ کر دیا ہے۔

ایک شام ... نکل کر میں سیدھا ہی ایک ... اب ... گیا۔ اُس دن میرا دل بہت دُکھی تھا۔ ... نے ... آوارہ کتیا کو اپنی گلی سے گزرتے دیکھ لیا تھا ... پینے کی وجہ سے میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں ... سامنے ... لوگ مجھے اُٹھا کر ... ... نوجوان لڑکے ... ... جانتا ...

ہم بہت دیر قریب بیٹھ کر بھی دور ہیں۔ وہ شراب کی ندی کے اُس کنارے میں اِس کنارے۔ بھلا کنارے بھی کہیں ملے ہیں۔

رات پھر ایک آدمی جو میری مستی کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر مجھ سے دوستی کرنا چاہتا تھا ایک چمکیلے ڈبے میں مجھے ڈال کر میرے گھر چھوڑ گیا۔ میری مدہوش آنکھیں بس یہی کچھ دیکھ سکیں کہ وہ چمکیلا ڈبہ مجھے نیچے اُنڈیل کر یوں لڑھکا اور دور بھاگتا چلا گیا جیسے ابشار کے دہانے پر دھرا ہو۔ میں لڑکھڑاتا گرتا پڑتا گھر کے دروازے کی طرف بڑھا۔ قریب تھا کہ میں گر پڑتا کہ دو بانہوں نے مجھے گھیرے میں لے کر دروازے تک پہنچا دیا۔ جب میں نے دروازہ تھام لیا تو میں نے سہارا دینے والے کو بسیار کوشش پہچاننے کی ہمت کی وہ شراب خانے والا نوجوان چھوکرا تھا۔ مجھے چھوڑ کر وہ یہ کہتا آگے بڑھ گیا۔ ادھر میرا گھر ہے۔ مگر میرا باپ سامنے سے گھر میں داخل ہوتا ہے اس لئے میں اس کی نظریں بچا کر پچھلی گلی سے گھر میں جایا کرتا ہوں۔

بہت دیر ادھر اُدھر گرتے پڑتے اور لڑکھڑانے کے بعد جب اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا تو مجھے گھر کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا محسوس ہوا۔ پھر ایک پرچھائیں میری بند ہوتی آنکھوں کے آگے لہرائی۔ مگر دوسرے لمحہ یہ مجھے اپنے ہی دل کا وہم محسوس ہوا اور لپک کر ... کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے اپنے وہم کو گالی دی۔ حرام ... ... میرے گھر کے دروازے پر ... آیا ... ... کی لڑکی چلی ... یہ شخص ... آمد ہوا ... ... سے ... ...

... ... ساتھ ... ... گے۔

... میری ... اس کی طرف دیکھنے لگا۔ میری آنکھوں ... کوئی ... پاپر وہ مڑنے ہی لگا تھا کہ میرا کتا ... میں۔ ... وہ ... ... ہوا باہر آیا اور ... ... ہو گیا۔ پھر وہ ... ... اٹھا کر ... کرنے لگا۔ ... ... تھی۔

... ... رہا تھا ... ... میری ... بیٹیاں ... ...

دیجئے گا؟

کار کا دروازہ کھلا اور دوسرے لمحہ میرا بیٹا اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا میرے کان میں یہ آواز آئی۔ میرے بیٹے نے کہہ رہا تھا "دوستی تو ہم عمروں سے ہی اچھی لگتی ہے"۔ مگر خیر...

اب میرے بیٹے کی دوستی اُس شخص کی بیٹی سے ہو چکی ہے۔ دوستی تو ہم عمروں میں ہی بھلی لگتی ہے نا شاید شادی بھی ہو چکی ہو کیونکہ اب زیادہ تر وہ اُن ہی کے گھر میں رہنے لگا ہے۔ میرے گھر میں تنہا رہنے والا میں بھی اب تنہا نہیں کیونکہ میرے کتے نے اپنا عشق نیا کر لیا اور میری طرح ... بڑھنے والی خود غرضی دوستی کے چکر میں پڑ کر پریشان بھی نہ کر سکے میری اور اپنی دوستی مضبوط کر دی ہے۔ اس چمکیلے شخص کو بھی کوئی اور دوست ضرور مل گیا ہو گا کیونکہ دنیا جہاں پر جانے والے بڑھے بوڑھے آدمیوں سے بھری پڑی ہے۔

میرے گھر کی چار دیواری میں تنہائی کا ایک احساس جو میں نے رات بھر چھوڑا ہے سے میری ... کر رہا ہے ... دوستی ... تھا دوستی تو ہم عمروں میں ہی ... ہے نا ... یا پھر ... بعض اوقات خیال بھی ہم عمروں میں ایک بہت بڑا تضاد ڈال دیتے ہیں۔

غزل

شیخ شفیق دلگیر (سری نگر)

اُن کو اپنا بنائیں گے کیسے
دل کی دنیا بسائیں گے کیسے

راستے میں ہزاروں کانٹے ہیں
وہ مرے پاس آئیں گے کیسے

راستے میں دیارِ یار بھی ہے
دار پر لوگ جائیں گے کیسے

مکرِ احباب کے ہیں مارے ہوئے
ہم فریبِ وفا کھائیں گے کیسے

اُن کے جلووں میں گم ہوئے دلگیر
دل کو قابو میں لائیں گے کیسے

غزل

محمد مبین نغمہ کھام گانوی

آج کہنی ہے اک غزل تازہ
کھٹکھٹائیں گے دل کا دروازہ

اپنی صورت کے آئینے ہم ہیں
کون کستا ہے کس پہ آوازہ

اب نیا ... میں لیا ...
منتشر ہو گیا ہے شیرازہ

اک ... ہوئی نگاہ مری
تیرے رخسار پہ ملے غازہ

جھلملاتے ہوئے ستاروں سے
ہو چلا ہے سحر کا اندازہ

اپنی ... کی عمر بھر نغمہ
ہم بھگتتے رہے ہیں خمیازہ

عظیم صدیقی

ہر غلط کو صحیح کہتے ہیں

اس وقت میرے سامنے ایک ہونہار نوجوان کا مضمون ہے۔ ابھی کچھ دن ہوئے ایک کتاب مؤلفہ شیام منوہر لال جگر بریلوی نظر سے گزری جو شاید مضمون نگار نے بھی دیکھی ہو $\frac{۲۲×۱۸}{۱۶}$ کتابی صورت کے کل ۵۰ صفحات ہیں ۴۷ اغلاط کی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے اور اس اغلاط نامہ ... جو گنہ اغلاط اور باقی ہیں۔ یہ حال تو اس کتاب کی کتابت اور تصحیح کا ہے اور نام ہے "صحتِ زبان"۔ رہا سوال نفس مضمون کا اس کے لئے مجھے جگر پر کوئی اچھا نہیں اس نے کند چھری سے زبان و ادب کو ذبح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جتنا اس کی معلومات کا دائرہ تھا اتنا ہی وہ کر سکتا تھا۔ اور کیا۔

اس مضمون میں ایک نامور ادیب اور شاعر کی تحریر کے حوالے کئی جگہ دیئے ہیں۔ کہیں ان کی رائے سے اتفاق کیا ہے کہیں اختلاف لیکن مجھے ان کی رائے سے اتفاق ہے نہ اختلاف۔ کیونکہ جیسے پنڈت کیفی اور شیام موہن لال ہیں۔ ویسے ہی وہ بھی ہیں۔ کہ انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ "میں عربی نہیں جانتا" اس سے ظاہر ہے کہ ان کی رائے کتنی وقیع ہو سکتی ہے۔

فاضل مؤلفان غلط العام و عوام نے اردو ادب کی تعمیر میں جتنی کوشش کی اتنی ہی صاحب مضمون نے اسے مسمار کرنے کی کوشش فرمائی۔

سب سے پہلے متروکات کے سلسلے میں میری نظر سے خواجہ عشرت لکھنوی کی کتاب "اصلاح زبان اردو" گزری ممکن ہے اس سے بیشتر اس قسم کی اور تالیفات بھی ہوں، یاس عظیم آبادی نے اس کی تردید فرمانا شروع کی۔ لیکن وہ نہ کتابی شکل میں آئی اور نہ اس کی کسی نے پرواہ کی۔

صاحب مضمون نے ایک ایک ... کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ... کہ حرف روی ہم مخرج متشابہ حروف سے بدل جائے تو اس کو عیب نہ سمجھنا چاہئے۔ یعنی خاص کا قافیہ پاس اور لذیذ کا ... مان لینا چاہیے۔ پنڈت کیفی نے جہاز کا قافیہ لحاظ لکھا ہے۔ انشا نے کہا تھا نہ بر تیغ کو بُرقا بنا لو۔

میں عرض کرتا ہوں کہ کیا س خواص، اثاث یا محاذ، جہاز بیاض، لحاظ ہم قافیہ کر لئے جائیں تو حیثیت روی جو بُنیاد قافیہ ہے کیا ہوگا؟ یوں کہیے کہ حرف روی ختم ہو کر تمام آئینِ قوافی درہم برہم ہو جائے گا۔ جن بزرگوں نے اصولِ قافیہ قائم کئے تھے کیا وہ سب عقل سے خارج تھے۔

قافیے کے حروف عرب میں نو تھے فارس میں تاسیس و دخیل کو خارج کر دیا۔ لیکن حرفِ قید بڑھا دیا۔ اس طرح کُل پانچ حروف قافیہ ہوئے (ردف، ردف زائد۔ قید۔ روی۔ وصل) باقی ردیف میں شمار کئے قافیے کا کوئی حرف بدل سکتا ہے نہ کوئی حرکت لیکن صاحب مضمون نے قواعد کے خلاف فتویٰ دیدیا کہ صوتی اعتبار سے صحیح مان لینا چاہیے مثلاً ؎

اِستری کا پُرش سے ہوتا ہے بیاہ
عورتوں سے مرد کرتا ہے نکاح

بیاہ اور نکاح کے قوافی پر غور کیجئے۔ جو بالکل غلط ہیں لیکن صاحب مضمون کے صوتی اعتبار سے تو صحیح ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم بخشا ہے۔ تو اس کی نعمت کا جائز فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ادب کی ترقی میں حصہ لینا چاہیے۔ نہ کہ بر عکس اس کے ہر غلط کو منطقی دلیلوں سے صحیح ثابت کر کے آنے والی نسلوں کو گمراہ کرنا۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ کسی کو، کسی زبان کے کسی لفظ کو بگاڑنے کا کیا حق ہے۔ اُمرت کا قافیہ میّت۔ دھوبن کا قافیہ معدِن بھن بھن، دِن، ابھاگن۔ سہاگن کرنا چاہیے اور مورت کا قافیہ بُت ہونا چاہیے۔ دیکھیے ؎

تھا جنھیں اعتقاد اُمرت پر ✽ رو رہے تھے وہ میری میّت پر
خوف کھائیں حساب کے دن کا ✽ ہنس کے پوچھیں حال ابھاگن کا
مجھ سے غزلوں کی کہتی ہے بھن بھن ✽ کپڑے سلمیٰ کے لائی ہے دھوبن
نوجواں ہو حسیں سہاگن ہو ✽ بے بہا جو ہیروں کی معدِن ہو
دیکھے شعروں کے جو ٹُٹے وہ بُت ✽ خود نمائی کی کاشت میں ہیں جو مُحت
چوری کھلنے میں بنتے ہیں کیا مُت ✽ پنستِ شیطاں کے نام اُچھلا شت

ر عطرِ چمپیا کی تعریف میں جواہر کا قافیہ ماہر کے ساتھ دکھایا ہے

یہ کہتا ہے نکہتوں کا ماہر ٭ ہیں اک چمپیا میں سو جواہر

ت مثلوں میں پندرہ اشعار کی غزل کہی جو تین بحروں اور چار
زنوں پر مشتمل ہے۔ اور طُرّہ یہ کہ کہیں کوئی سِوا اُردو کا حروف
ت ساقط نہیں ہونے دیا۔ اس کا مطلع ہے ؎

جب نہیں سنتا کوئی آہ و فغاں
فائدہ کیا جو کوئی کھولے زباں

(دیکھئے اَرسما چار میرٹھ دسمبر ۱۹...ء)

ر پھر بارہ اشعار کی غزل کہی۔ جو ۱۲ اوزان اور بارہ بحروں پر مشتمل
ہے جن میں ۵ وہ بحریں ہیں جن میں اُردو کی کوئی غزل نہیں۔ اس کا
مطلع ہے ۔

جو نارِ سقر سے رندڈرے ٭ وہ حورِ جناں کا دم نہ بھرے
وہ شیخ ہی کو سجدہ کرے ٭ وہ میکدے ہی کے در پہ مرے

... س مضمون میں کسی کی تعریف یا تنقیص منظور نہیں۔ مدعا یہ ہے
حضرت عشق آبادی موجد قلندر ضرور ہیں۔ لیکن مسلم نہیں۔ ایک
مسلم کا تحفظ زبان و تعبیرات میں قابلِ رشک کارنامہ کیا ہے
سبق کا باعث نہیں؟

ان کا ایک مضمون "[illegible] رباعی نگار" لکھنؤ اور ماہوار دہلی
میں شائع ہوا۔ اُستاد رودکی سے آج تک اوزانِ رباعی میں کوئی
ایک وزن کا اضافہ نہ کر سکا۔ موصوف نے [illegible] کے ارکان کی
دونوں شرطوں کو سامنے رکھ کر بارہ [illegible] بڑھا دیئے۔ اور
انکسار سے کہ اگر میری تجویز غلط ہے۔ تو [illegible]
ورنہ خود سمجھ کر میری حوصلہ افزائی سے گریز

حضرت فرماتے ہیں کہ میرے استاد نے جو [illegible]
یا استعمال فرمائے ہیں۔ وہ اُنھیں [illegible] ... ...
اپنی حدوں میں رہنا چاہیے۔ یوں تو ایسے الفاظ کی طویل
فہرست ہے۔ لیکن میں یہاں چند مثالیں پیش کر کے [illegible] دکھانا
چاہتا ہوں کہ جہاں موصوف اُستاد [illegible] ان ہیں یہ فرماتے ہیں؎

شاگرد کو واسطے [illegible] ٭ [illegible] ہے سحر [illegible] لکھنے [illegible] کا

... وہ ادب کی حد سے [illegible]
... اُستاد اور شاگرد کے اشعار پیش کرتا ہوں فیصلہ [illegible]

چھوڑتا ہوں اور اس جسارت کا معذرت خواہ بھی ہوں۔

خیریت
زُلفیں کھولی گئی تھیں آج بڑے دعوے سے
خیریت تھی کہ عزیز آپ کا وحشی نہ ہوا

میری بیتی لے گئے گنگا بجر بنگال آ گئی !!
دُشمنوں سے پوچھتے ہیں اب خیریت مری

حضرت
اُٹھے وہ طور کے پردے گرے وہ حضرت موسیٰ
اثر تم نے بھی دیکھا کچھ تبسم ہائے پنہاں کا

مار ڈالا دیوی افکار نے ؎ حضرت دلبر (افسانہ)
اور حضرت سحر کے اشعار نے

وگرنہ
منّت کشِ اثر نہ ہوئی شکر ہے دعا
بڑھتا وگرنہ شوق دلِ بے حجاب کا

ورنہ
ہیں بسبطِ عشق قائم یہ زمین و آسماں
... اُڑ جائے یہ میری آہ سے بنکر دھواں

درجہ
اپنی حد سے سوزِ دل اب بڑھ گیا
آخری درجہ تھا پارہ چڑھ گیا

درجہ
[illegible] زرا [illegible]
درجہ عشق کا [illegible]

[illegible]
طبقہ خاک سے [illegible] نکلا
[illegible] گورِ غریباں نکلا

[illegible]
بتکدہ پر لات [illegible] چل دیا سوئے حرم
خیر [illegible] کا بھولا سر شام آ گیا

نظروں
نظروں نے دیکھی [illegible] کی اک قدر کشش
[illegible] تب کوئی محفل میں رہ گیا

نظریں
حائل وہ جہاں پہ ہیں نظریں
ہم تک آتی ہیں عرش سے خبریں

کیفیت
ہوگئی مستوں پہ طاری آج دوہری کیفیت
تھیں بغل میں اَنکھڑیاں ساقی کی ساغر کا جواب

کیفیت
کس کی ہے تحریر یہ نقد ریہ دیکھ
دیکھ کیفیت نہ کر تو آئینہ میں دیکھ

مایوس
مایوس اب ہوئے دلِ جذب آفریں سے ہم
کرو گے شاد کبھی بولیں گے تلخ زباں سے ہم

ناامید
دم دلاسے ہیں فقط اسے شوقِ دید
زندگی سے ہو چکا ہوں ناامید

دکھلائیں
دکھلائیں معجزے دلِ جذب آفریں سے ہم
کہہ دو تو آسماں کو ملا دیں زمیں سے ہم

دکھائیں
جو پردہ اٹھا کر وہ جلوہ دکھائیں
تو ارض و سما دونوں ٹکرا نہ جائیں

دستِ مسیحا
تھی رگِ برقِ جہندہ نبضِ بیمارِ فراق
دیکھتے ہی دیکھتے دستِ مسیحا جل گیا

مسیح
تو مزبلے کو سمجھتا ہے کس طرح فردوس
کہاں سموم نجاست کہاں نسیم مسیح

جبکہ
دیر میں عمر بسر کیوں نہ کریں ہم زاہد
آستینوں میں نہاں جبکہ صنم رکھتے ہیں

کہ جب
ہم نے اُن سے کہا کہ نہ جائیں؟
مسکرا کر کہا کہ جب جائیں

مبتلا
خاک کیوں انساں رہا ہے مبتلا
تھا کبھی دل پا [illegible] یاد تو کر

مبتلا
آئینہ دیکھنے والے ذرا تو [illegible]
تھا ہمارا عشق [illegible]

جو کہ
ایسے سے کیا امید تسلی کی ہو بھلا
سنتا ہو جو کہ گریۂ بے اختیار پر

جو
جو وجودِ جنت و دوزخ کے قائل ہی نہیں
وہ بھی کہتے ہیں کہ ہے کشمیر فردوسِ بریں

رسم (مذکر)
سب ساکنانِ شہرِ خموشاں خموش ہیں
یہ رسم اک نیا ہے یہاں جو کہیں نہیں

رسم (مونث)
شان تو جب تھی حق پرستی کی
ان بتوں سے نہ رسم رکھنا تھی

جناب
چھیڑا ہے ملتِ عیسا کا مبحث بادہ نوشوں میں
جنابِ شیخ آپ اس بزم میں بیکار بیٹھے ہیں

جناب (غیر افصح)
ابھر آتے ہیں موجوں کے تھپیڑوں سے حباب اکثر
غزل دل کی بنا کر اپنی پڑھتے ہیں جنابِ اختر

ہدیہ
ہدیہ دو دل کا آفتاب روزِ محشر کو عزیز
میرے زخمِ دل سے جو چاہا ہے [illegible]

ہدیہ
وہ ہدیہ کیا کسی کو دے جو خود محتاج ہو
گو لقب ہر مالکِ ایران تخت و تاج ہو

ہات
آج کل تیار ان کا ہات ہے
دل اُڑا دینا بھی کوئی بات ہے

ہاتھ
نفسِ امّارہ ہمارے ساتھ ہے
فیصلہ تمہارا رب کے ہاتھ ہے

دنیادی
نہیں اذکارِ دنیادی سے فرصت
عزیز اس شاعری میں نام کیا ہو

دنیوی
مارکٹ الادنیوی انکار نے
اور حضرت سحر کے اشعار نے

خجالت　دیکھوں گا میں بھی جو عمدہ طاقتِ نظر
موسیٰ کی طرح مجھ کو خجالت ہی کیوں نہ ہو

خجلت　یوسف جمیل ہوں گے یہ مانا مگر صبیح
پھر کس لئے ہے یہ خجلت تم تو ہو ملیح

گرمی　ساری حرارتوں کا ہے مرکز یہ داغِ دل
گرمیٔ آفتاب قیامت ہی کیوں نہ ہو

گرمی　کچھ گرمیٔ حسن آتشِ الفت سے نہیں کم
آ آگ میں اور آگ لگانے کے لئے آ

آرام آنا　سکوں ہو کس جگہ میرے ای سیماب فطرت کو
جہاں بجلی تڑپتی ہے وہاں آرام آتا ہے

آرام ہونا　ترے اعجاز کے قرباں کہ دنیا ہو گئی ہے
نہیں تو زہر دینے سے کہیں آرام ہوتا ہے

پچھلے سے　شاید کہ رو رہا ہے کوئی ناتمام [illegible]
پچھلے سے آ رہی ہے آب آوازِ دور کی

پچھلے پہر　بے چین ہو کے کہتے ہیں کیا سو گیا مریض
پچھلے پہر سے شور سلاسل نہیں رہا

[illegible] تقطیع ہے جس کا
پہلا حرف [illegible] سور اور دوسرا [illegible] مضموم ہے۔ دیکھئے کس طرح نظم کرتے ہیں

یہ رت یہ عالم یہ بہاریں [illegible]
[illegible] شباب دشمن اٹھائیں [illegible]

چاندنی کے بھنور نہیں نہانے چاند کے [illegible] آجا
فعلُ فعولن فعلُ فعولن فعلُ فعولن فعلن

آپ نے [illegible] کا شعر متلاشی کی مثال میں دیا ہے میر تقی میر
کا [illegible] دیکھئے

[illegible] جائے
[illegible] ہے۔ اور [illegible]
[illegible] بالکل غلط

ہے۔ اس سلسلے میں اہلِ فارس تو کیا اہلِ عرب ہی کیوں نہ ہوں ہر مسلم کھلے الفاظ میں کہے گا کہ وہ کون ہے جو کلام اللہ کا نام بگاڑنا چاہتے ہیں (یہ خود معبودِ حقیقی کی زبان کا لفظ ہے) جس کتاب کی [illegible] اور اسکے ایک ایک لفظ کیا ہر ہر حرکت کی حفاظت ہمارا ایمان ہے اور جسکے خلاف آواز بلند کرنیوالوں کی زبانیں بند کرنے میں ہم نے اپنی جانوں کی بھی پروانہ کی آج کوئی صاحب مُطرّاز ہیں کہ یہ لفظ مقرّس ہے اور بغیر مد الف کے بالکل صحیح لیکن فارس میں حرف قاف ہی نہیں۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہزاروں داد و تحسین کے مستحق وہ غیر مسلم ہیں جو زبان دادبی کی تعمیر میں کسی مسلم سے پیچھے نہیں۔ اگر لفظ مایوس یعنی ناامید از روئے قواعد عربی صحیح نہیں۔ تو کیا یہ لفظ عشق آبادی صاحب کے کلام میں دکھا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ضرورتِ شعری کا حیلہ صرف وہ لوگ تراشتے ہیں جنھیں یا تو علم نہیں یا اپنی خطا پر پردہ ڈالنے کیلئے استادوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ غلط بہر حال غلط ہے۔ خواہ متقدمین سے ہو یا منتہی سے۔ ہاں لفظ قرآن بروزن گمان [illegible] یا توریہ کیلئے منا [illegible] ہے تاکہ مخاطب شر سے باز رہے۔

جن حضرات نے تعمیر زبان [illegible] کیلئے ازالۃ الاغلاط غلط العام مزیل الاغلاط۔ قاموس الاغلاط [illegible] وغیرہ کتابیں متعدد مستند لغات چھان کر تکمیل کیں جو در [illegible] اہلِ لغات ہی کا سرمایہ ہے کیا صاحبِ مضمون کے خیال [illegible] نے جھک ماری ہے؟ اور جو صاحب مضمون فرمائیں وہ حرف آخر مان لیا جائے۔ حضرت وحی کے الفاظ میں بھی تخریب فرما رہے ہیں بھلا انھیں عربی کے الفاظ بگاڑ کر استعمال کرنے کا فتویٰ دینے کا کیا حق ہے؟

کہیں شاعر ایسے لفظ [illegible] استعمال کر جاتا ہے جو فصاحت [illegible] پر سخت گراں ہوتے ہیں۔ مثلاً

وہ [illegible] خبر نہیں [illegible] ہائے ہائے کرو

یہاں خبر بمعنی خبردار [illegible] شعراء اس طرح خبر کا استعمال نہیں کرتے شعر میں خبردار [illegible] سکتا تھا لیکن غیاث میں خبر کے معنی خبردار بھی لکھے ہیں۔

مضمون نگار نے [illegible] مضمون بجوش تخریب تحریر کیا ہے اگر وہ اس جوش کو تعمیر ادب کے لئے وقف کرتے تو آنے والی نسل [illegible] ممنون ہوتی۔

(بقیہ صفحہ ۲۵ پر)

درجہ حرارت ناپنے کے لئے

سیلسیس اسکیل استعمال کریں

بھارت میں اب یہی اسکیل قانونی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔
(فارن ہائٹ کا استعمال متروک ہو چکا ہے)

جسم کا عام درجہ حرارت: 37° سی
بہت تیز بخار: 40° سی



عارف جلال ایم۔ اے (اندور)

۱۴ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو نصر اُو پور ضلع نماڑ میں پیدائش کے بعد چند سال آرام سے گزرے لیکن والدِ محترم کی عدم شفقت نے زندگی کی ساری لطافت مجھ سے چھین لی اپنی والدہ اور دو بہنوں کے ساتھ ہزار دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کیا۔ سوتیلی والدہ کے سلوک نے فاقوں تک پہنچا دیا۔ درجہ ہشتم کے بعد معمولی معمولی مزدوری بھی کرنی پڑی۔ اور اپنے فرضِ منصبی کی تکمیل کے لئے وہ سب کچھ کیا جو ایک محنت کش اور راہِ مستقیم پر چلنے والے انسان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اپنی والدہ مرحومہ کی خدمت سے ایک پل غافل نہیں رہا جنکی دعائیں میرے لئے مشعلِ راہ بنتی رہیں اور مجھے قدم قدم پر حوصلہ نصیب ہوتا رہا کہ میں حالات کی سختیوں سے نبرد آزما ہوتا رہوں۔ اپنی والدہ مرحومہ کی دعاؤں سے ۱۹۴۸ء میں مدرس ہو گیا اور اسی سال رشتۂ ازدواجی کی مضبوط کڑیوں میں جکڑ دیا گیا میری رفیقۂ حیات نے بھی دشواریوں کا سامنا کرنے اور بلند ہمت رہنے کیلئے وہ سب کچھ کیا جو ایک نیک اور وفا شعار بیوی کا فرض ہوتا ہے۔ اپنے تعلیمی سلسلہ کو میں جاری نہیں رکھ سکتا تھا اگر میری شریکِ حیات شب و روز محنت کر کے میرے امتحانات کی فیس بچا بچا کر نہیں رکھتیں۔ ایم اے (تواریخ) تک میں نے جو تعلیم پائی اس میں میری بیوی کا تعاون ہر حال میں شامل رہا۔ اِندنوں اندور سے قریب ایک سکول میں صدر مدرس کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

شاعری کی ابتدا ۱۹۵۲ء میں کی۔ ابتدا میں اپنے کلام پر احباب سے مشورہ کرتا رہا۔ ازاں بعد ۱۹۶۰ء میں قبلہ پروفیسر نشور واحدی صاحب کو اپنی چند غزلیں دکھائیں۔ میں آج تک انھیں اپنا استاد تسلیم کرتا ہوں۔ میں جدید رجحانات ادب کا قائل ہوں اور تجربے کو شعور کی تکمیل کے لئے لازمی سمجھتا ہوں۔

غزل میری پسندیدہ صنف ہے۔ میری غزل کے چند اشعار احتظ فرمایئے۔

اُس سے بھی دل زباں کے گِلے ترلئے ہلا
ہر چیز کے جواب میں جو شر لئے ہلا

ظاہر میں جب لباس فقط خوشگوار تھا
اس وقت بھی میں اپنے عزیزوں پہ بار تھا

چند اشعار اور ملاحظہ فرمایئے:

میرے خلوص نے مجھے تقسیم کر دیا
دریا تھا میں کبھی تو کبھی آبشار تھا

حال سے اُلجھا کئے وہ فکرِ مستقبل سے ہم
وہ تو منزل پہ رہے ہاں بڑھ گئے منزل سے ہم

خالی گھروں کو دیکھ کے جاں ہی نکل گئی
تشنہ لبی جو ہوئی سبیلوں کو دیکھ کر

نفرت سے اس نے حلق لگا کر لباس میں ٭ شربت پلا دیا ہے شکستہ گلاس میں
حرص و ہوس کی دھوپ کڑی جب بھی ٭ شعلے اُٹھا کے پی لئے صحرا پیاس میں

یہ طوق و سلاسل زنجیریں ناکام ہیں ساری تدبیریں
صیاد ہے تیرا دور وہی یہ بات نہیں ہم مانیں گے
صحرا سے گزرنے والوں کے منزل بھی نظر کے ساتھ رہی
ناکام رہی آشفتہ سری یہ بات نہیں ہم مانیں گے

اُلجھ کے رہ گیا انسان جتنا سمجھا ہے ٭ یہ دل عجیب سا صحرا عمیق دریا ہے
خلوص بیت تھا مٹھی میں بند تھا شاید ٭ کسی نے ہاتھ ملایا خلوص بکھرا ہے

بقیہ صفحہ ۲۳

آپ نے ہر جگہ "بہ" تحفیف۔ بہ بجائے معروف وغیرہ لکھا ہے یعنی "بہ" کو الگ لکھا ہے لیکن آج عشرت لکھنوی قواعدِ تاریخ گوئی کے تحت فرماتے ہیں کہ بعض شعراء جو مادہ کے مصرع میں بہ جنت اور بہ فردوس کو الگ الگ لکھتے ہیں یہ اصولِ رسم الخط کے خلاف ہے بجنت بفردوس لکھنا چاہیے یعنی تاریخ گوئی میں بھی دو ن ں اجازت نہیں دیتے۔ ہاں جب اچھلے کے معنی میں بہ استعمال ہو تو الگ لکھنا واجب ہے۔ مثلا

شعر می گویم بہ از آبِ حیات (مولوی معنوی)

باقی آئندہ

جناب کلیم سرونجی

امتیاز انجم

سید امتیاز علی نام تخلص انجم سید سراج علی صاحب مرحوم کے چشم و چراغ ۱۵ اگست ۱۹۳۹ء کو محلہ پاترا پری گھاٹ بھوپال میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمری میں ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے مجبوراً پی۔ ڈبلیو۔ ڈی ورکشاپ میں ملازمت اختیار کرنی پڑی، اس زمانے ایک نذر دا سطی نائٹ اسکول نالے ورکشاپ ہی پر قائم تھا اس کو محترم جناب یاسط صاحب ادیبی اور محترم قبلہ صبا صاحب قریشی چلاتے تھے۔ اسی اسکول میں ملازمت کے ساتھ تعلیمی سلسلہ بھی جاری رکھا اور ادیب، ادیب ماہر امتحانات پاس کئے۔

انجم کو شعر گوئی کا شوق بچپن ہی سے تھا، اسکول کے ماحول اور اساتذہ کی ہمت افزائی نے مزید تقویت پہنچائی تو مشق سخن کی جانب زیادہ توجہ دینے لگے اور مقامی و غیر مقامی خاص و عام مشاعروں میں بھی شرکت کرنے لگے اور محترم صبا قریشی کی شاگردی اختیار کی۔ اب تک کئی ریڈیائی مشاعروں میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ نیز تمثیل ٹو۔ پی جو کمپنی کے انعامی مشاعرے میں انعام بھی حاصل کر چکے ہیں۔

انجم کی تخلیقات ہند و پاک کے اکثر روزناموں اور رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ "رنگ و نکہت" مرتبہ نور محمد قمر "تشنہ افکار" مرتبہ افسر صبائی اور "نہرو کی آواز" مرتبہ مصطفیٰ صبائی و فقیر نیازی میں بھی شائع ہو چکے ہیں ۱۹۶۵-۶۶ء میں ایک ماہنامہ آذر بھوپال کے نائب مدیر رہے ہیں۔ اور بھوپال کی مشہور اور بہت پرانی انجمن بزم ... میں متفرق اوقات میں خازن، جنرل سکریٹری اور نائب صدر کے فرائض بھی انجام دیئے۔

انجم ایک جواں خوش فکر و خوش گلو۔ نہایت خلیق سنجیدہ ملنسار شاعر ہیں۔ مشاعروں میں ترنم سے پڑھتے ہیں۔ پڑھنے کا انداز نہایت دلکش اور سادہ ہے۔ غرض بہت اچھا کہتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ ان کے کلام میں وہ سب کچھ ملتا ہے جو ایک صاف و ستھرے ذوق کے شاعر میں ہونا چاہیئے۔ آپ بی۔ ایچ۔ ای۔ ایل میں ۱۹۶۵ء سے کرین آپریٹر کی حیثیت سے ملازم ہیں۔

غزل

جنبشِ چشمِ کرم سے کوئی پیغام تو دو
صبحِ رنگیں نہ سہی درد کی اک شام تو دو

تم مجھے دو کہ نہ دو میری وفاؤں کا صلہ
میری شوریدہ سری کا کوئی انعام تو دو

خود سے منسوب کر دیا نہ کرو تم لیکن
میرے افسانے کو کچھ نام تو دو

میری خاموش پرستش کے صلے ہی میں سہی
حرم و دیر نہ دو کوچۂ اصنام تو دو

سادہ دل سادہ نظر کہہ کے نہ بھولو ہرگز
ساغرِ عیش نہ دو درد کا اک جام تو دو

چشمِ رنگیں کے اشاروں کو سمجھ سکتا ہوں
میرے معیار کے قابل کوئی پیغام تو دو

جیب و داماں ہیں ابھی حسرت و ارماں ہیں ابھی
اپنے انجم کو محبت میں کوئی کام تو دو

غزل

ترا الم ترا غم بھی ہے سرخوشی کی طرح
رلا رہا ہے سوزِ وفا سوزِ سرمدی کی طرح

سکون ملنے لگا ہے تری فاقت سے
دلِ حزیں مجھے دھوکا نہ دے کسی کی طرح

کبھی خرد نے کیا چاک دل کے دامن کو
کبھی جنوں نے سنوارا ہے آدمی کی طرح

ہزار خواہشیں دل میں تڑپ کے ڈوب گئیں
مجھے جب آپ نے دیکھا ہے اجنبی کی طرح

قریب رہتے ہوئے آپ خود ستاتے تھے
اور اب فراق ستاتا ہے آپ ہی کی طرح

یہ میری شومیٔ قسمت تو دیکھیے انجم
بھٹک رہا ہوں وطن ہی میں اجنبی کی طرح

غزل

میکشی نظروں سے کر ساقی کا دیوانہ نہ بن
شیشہ و مے سے گزر جا نقشِ میخانہ نہ بن

بے نیازانہ رہنا تیری عادت ہی سہی
مجھ سے دل سے میرے غم سے اتنا بیگانہ نہ بن

دیدۂ پرنم سے کر اپنی وفائیں آشکار
خونِ دل جس میں چھلکے ایسا پیمانہ نہ بن

اک سراب دل نشیں ہے یہ جہانِ رنگ و بو
اس جہاں میں کھو کے تو دیوانہ نہ بن

جادۂ الفت میں اب سودائیاں پیدا کر
اے دلِ مجبور کسی کا بن تو دیوانہ نہ بن

میں گزرگاہِ وفا میں ایک افسانہ سہی
تو حقیقت ہے میری تو افسانہ نہ بن

عشق کی رعنائیاں انجم سمجھنا ہے اگر
عکسِ دل بن کر ابھر جا عکسِ ... نہ بن

سیفی سرونجی

۱۹۵۲ء میں سرونج کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تعلیم گھریلو پائی شعر و شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا کچھ گھریلو الجھنوں کی وجہ سے تعلیم مکمل نہ ہو سکی لیکن پھر بھی میں مایوس نہیں ہوا اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اب بھی اسی کوشش میں رہتا ہوں کہ کچھ حاصل ہو جائے ۱۹۶۹ء سے شعر کہنا شروع کیا اور اپنے ذوق کی تسکین کیلئے مقامی مشاعروں میں شرکت کرنے لگا میری غزلیں اکثر رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں شرفِ تلمذ جناب منور زبیری سے حاصل ہے اور فنِ عروض کی تکمیل جناب اسمٰعیل ذبیح صاحب سے کر رہا ہوں اردو کی خدمت اپنا فرض عین سمجھتا ہوں اور اسی جذبہ کے تحت میں نے یہاں ایک لائبریری کھول رکھی ہے۔ اپنا زیادہ وقت مطالعہ میں گزارتا ہوں۔

سامنے میرے اک آفتاب آ گیا | یا اٹھا کر وہ رخ سے نقاب آ گیا

کتنے روشن [illegible] | جب تم ترے [illegible] آ گیا
امتحاں شوق سے آپ لے لیجئے | بیٹھئے دل ہی میں لے کر کتاب آ گیا
اس طرح وہ تصور میں آیا مرے | یاد بھولا ہوا جیسے [illegible] آ گیا
کیا لکھیگا تو سیفی ہوا یا دیکھ | خط کا تیرے اگر کچھ جواب آ گیا

ہم جیسے کہاں تجھ کو طلبگار [illegible] گے | تو جان بھی مانگے گا تو تیار ملیں گے
ہمدرد ملیں گے نہ کہیں یار ملیں گے | پیسے لے کبھی تم کو طلبگار ملیں گے
اس دور میں جتنے ہیں غمخوار ملیں گے | ہر وقت لئے ہاتھ میں تلوار ملیں گے
ہیں حرص و ہوس کے یہاں بیمار ہوئے لوگ | بے لوث تو اس دور میں دو چار ملیں گے
دیکھوگے اگر غور سے صحرائے جنوں میں | میرے ہی بنے ہوئے شہکار ملیں گے
جو ایک اشارے پہ ترے جان ہی دیدیں | اب ایسے کہاں تجھ کو وفادار ملیں گے
ذکرِ الفت [illegible] | آئیں [illegible]

آج یہ بات ہے آخری آخری
زندگی تو نے کچھ دیا ہے مجھے | ہر جگہ تو نے رسوا کیا ہے مجھے
اب ترا ساتھ ہے آخری آخری
راز کی بات اب میرا کہنا نہیں | ہجر میں اب ترے میں رہوں گا نہیں
دوستو رات ہے آخری آخری
پھر نہ کہنا کبھی مجھ سے تم دوستو | وقت ہے تم یہ دامن [illegible] تھام لو
یہ ملاقات ہے آخری آخری

یوسف نسیم قاسمی

۱۹۱۶ء میں سرونج میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم ریاض المدارس سرونج میں پائی۔ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوا۔ بعد ازاں الہ آباد یونیورسٹی سے "مولوی عالم" اور جامعہ اردو علی گڑھ سے "ادیب کامل" کی اسناد حاصل کیں ۱۹۴۶ء سے محکمہ تعلیمات میں اسسٹنٹ اور ہیڈ ماسٹر رہ کر اکتوبر ۷۵ء میں پنشن پر سبکدوش ہوا۔

ذوقِ شاعری فطری ہے فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کرتا ہوں۔ چند سال سے شعر گوئی کی طرف رجحان بڑھ گیا ہے میرا کلام مختلف رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

لے انتخاب

ہم سفر جتنے تھے سرگرم سفر رہے | ہم مگر بھی رہ زیست پہ چلتے ہی رہے
روشنی [illegible] پا نہ سکا انساں کا شعور | رنگ تہذیب و تمدن کے بدلتے ہی رہے
تھا غم کی شدت [illegible] اپنا وجود | ہر نفس شمع کی مانند پگھلتے ہی رہے
کتنی گھٹتی ہوئی آہیں لبوں تک نہ پہنچیں | کتنے آنسو تھے جو پلکوں پہ مچلتے ہی رہے
گو وقت نے گردشِ دوراں نے بچایا پہلو | ہم سے بچ بچ کے حوادث بھی نکلتے ہی رہے
آرزو [illegible] رہے [illegible] پسند | میرے افکار مگر شعر میں ڈھلتے ہی رہے

اپنی فطرت سے ہیں مجبور جو اپنے ہیں نسیم
یہ تو دشمن ہی کہے شعر اگلتے ہی رہے

باطل سے وہی برسرپیکار ملیں گے | جو رازِ حقیقت سے خبردار ملیں گے
وہ لوگ جو مست مئے پندار ملیں گے | بدنام سر کوچہ و بازار ملیں گے
[illegible] اپنے ہی پرستار ملیں گے | خود اپنے ہی ماحول سے بیزار ملیں گے
[illegible] تعلق کا تصور | جو خواہشِ گل ہو تو فقط خار ملیں گے
گرداب سے بچتا ہوا نکلا تو سفینہ | لیکن ابھی طوفان [illegible] ملیں گے
[illegible] ہیں شب غم کے اندھیرے | اے صبح طرب کیا ترے انوار ملیں گے
آتے ہیں [illegible] بڑے شوق سے ایسے | ہم ان سے ملاقات کو تیار ملیں گے

ہنستے ہوئے چہروں میں نسیم آج بھی اکثر
برباد تمنا، جگر افگار ملیں گے



نئی سمتیں

ترتیب کار
عزیز اندوری

" شان ہند " کے اس شمارے سے ایک نئے سلسلے کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ ادب کے اس ناگزیر رجحان کی مقبولیت سے انکار ممکن نہیں امید کہ قارئین اس " سمت " کو بھی پسند فرمائیں گے۔ نیز اہلِ قلم اپنی تازہ ترین تخلیقات سے نوازیں گے۔ (ادارہ)

ترائیلے

مختار شمیم شعبۂ اردو۔ گورنمنٹ گرلس کالج موتی طویلہ اندور

لفظ بکھرے تو سلگ اٹھے کا خوابِ معنی
سطحِ احساس پہ اب برف جمائے رہیے
ورقِ سادہ پہ لکھیے نہ حسابِ معنی
ایک اک حرف کی تقدیر سرابِ معنی
جذبہ و شوق کو ناکام بنائے رہیے
لفظ بکھرے تو سلگ اٹھے گا خوابِ معنی
سطحِ احساس پہ اب برف جمائے رہیے

تنزل

وحید پرواز۔ گورنمنٹ پریس۔ ملہار پلٹن بس اسٹینڈ (اندور)

اور پھر ایسا ہوا
جسم بھی اُس کی گلی میں کھو گیا
کھڑکیوں کا درد دروازے کی آنکھوں سے کھلا
ڈال پر بیٹھی ہوئی تتلی کا رنگ
پھول کی خوشبو سے جا کر مل گیا

اور پھر ایسا ہوا
عمر کی ماری چمیلی رو پڑی
آم کی شاخوں پہ بیٹھی زندگی
دھوپ نے دیکھا تو نیچے گر پڑی

بشکریہ آل انڈیا ریڈیو (اندور)

غزل

از:- ابراہیم اشک
وینس پریس ۲۳۶ کملا مارکیٹ نئی دہلی

لُٹ گئے جن کے دل گھروں جیسے
اب وہ لگتے ہیں مقبروں جیسے

بات کیا ہے نہ جانے اب گھر میں
لوگ رہتے ہیں بے گھروں جیسے

بستیاں ہیں کہ پربتوں کا دیس
سب کے چہرے ہیں پتھروں جیسے

آسمانوں کو تکتے رہتے ہیں
سب پڑے ہیں کٹے پروں جیسے

اُن کی باتیں ہیں دیوتاؤں سی
ڈولتے ہیں جو سر پھروں جیسے

کیسے جنگل میں گھر گیا ہوں میں
پھول لگتے ہیں پتھروں جیسے

اشک ہم دیکھنے کی چیز ہوئے
جب سے اُجڑے ہیں کھنڈروں جیسے

غزل

سطوت رسول
ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری جامعہ نگر نئی دہلی

یادوں کے چہرے کتنے پریشاں سے لگے
تم بھی لگے نگر میں کچھ انجاں سے لگے

کل شب تمہاری بزم میں تھے درمیاں رقیب
پہچاننے کے بعد بھی انجان سے لگے

لہرا رہی تھی دیر سے اک موجۂ خیال
کاغذ کی ناؤ میں کئی طغیان سے لگے

ہر ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے لوگ
سب آشنا مجھے یہاں حیران سے لگے

پتھر چلاؤ، اب کے برس رُت عجیب ہے
پھیلا دو راستوں کو، یہ ویران سے لگے؟

سطوت یہ دھوپ چھاؤں یہ قربت یہ فاصلے
لمحوں کے بوجھ عمر یہ نادان سے لگے

اُردو شاعری میں نقوشِ زنداں

"ڈاکٹر کشور سلطان۔ شعبۂ اُردو گرلز پوسٹ گریجویٹ کالج مومن تلو نیہ (اندور)

انسان جس کی رگوں میں فطری طور پہ آزادی کا احساس تیزی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ صدیوں سے آزادی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ قدم قدم پر وہ قید و بند طوق و سلاسل اور دار و رسن کی صعوبتوں کا شکار ہوتا آیا ہے اور نجات کا نور اس کے قید کی آہنی سلاخوں کے باہر نیلگوں آسمان کی لے کراں وسعتوں میں غبار کی طرح جھلملاتا ہوا دکھائی دیتا ہے مگر دسترس سے دور ——!!

دائمی احساس غلامی کا مارا ہوا انسان غموں سے آزاد ہو کر خوشی کے گیت تو گاتا ہے۔ مگر اس کے گیتوں میں غلامی سے نجات کا جذبہ کبھی انفرادی آزادی کی گونج بن کر ابھرتا ہے تو کبھی اجتماعی غلامی کی یہ جد و جہد رہتی دنیا تک بھی قائم رہتی ہے۔

دنیا کی ہر زبان کی شاعری میں ہمیں آزادی کی جد و جہد اور غلامی سے نجات کے زمزمے ملیں گے۔ فارسی شاعری کے تتبع میں اُردو کی ابتدائی شاعری میں بھی حسن کی اسیری، زلف کی قید اور قفس و بلبل کے استعاروں کو موضوع بنا کر شعرا نے اپنی بے بسی اور مجبوری کا دُکھڑا رویا ہے۔ عوام کی زبان میں اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کرنے والے صوفی شعرا نے زندگی کو قید سے تعبیر کیا اور جسم کو زنداں کا نام دیا ہے۔ اور اس سے نجات کو حقیقی آزادی سے موسوم کیا ہے۔ فارسی شاعری میں مولانا رُوم نے اپنی مثنوی کی بنیاد اسی تصور پر رکھی ہے اور پوری مثنوی میں یہ تمثیل قائم رکھی ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

صوفیائے کرام کے یہاں تو یہ تراکیب محض استعارے کے طور پر استعمال ہوتی تھیں لیکن بعد کے شعرا نے ان کو مجازی رنگ دے دیا۔ اس طرح مختلف تراکیب وجود میں آئیں۔ جیسے اسیرِ زلف، گرفتارِ بلا، اسیرِ قفس، صید و صیاد، دام و دوام وغیرہ یہ سب ایسی ہی اصطلاحیں ہیں جن میں "نقوشِ زنداں" کا مجازی عکس نمایاں ہوتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ستم ہوا ہے اسیروں پہ اس قدر صیاد
چمن چمن کہیں بلبل کی اب صدا بھی نہیں (سودا)
بار رہا ہم اس چمن میں اگر آشیاں تو کیا
ہے گل میں آب و رنگ وفا کی تو بو نہیں (سودا)

اب کی بہت ہے شورِ بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو
اپنی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں دھومیں ہم کو مچانے دو (میر)

[illegible] زنداں سے نکلا تیرا سودائی کا
داغ ہی دل میں رہا لالۂ صحرائی کا (آتش)
ممکن نہیں نجات اسیرانِ عشق کو
یہ قید وہ نہیں کہ جو زنداں سے دور ہو (آتش)
جو دیکھتے تری زنجیرِ زلف کا عالم
اسیر ہونے کی آزاد آرزو کرتے (آتش)

اسیرِ پنجۂ عہدِ شباب کر کے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے (مضطر)

قفس میں مجھ سے رُودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو (غالب)

لیکن جہاں سے اُردو شاعری میں قید و بند، ظلم و ستم، ظلمت زنداں، زنجیر و قفس کا مفہوم حقیقی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے وہ ہماری سیاسی غلامی کا دور ہے جو مغلوں کے زوال کے بعد

شروع ہوتا ہے جب ایسٹ انڈیا کمپنی مکمل طور پر اقتدار میں آکر پورے ملک کو اپنا محکوم بنا چکی تھی اور اس کے ظلم و ستم اور حد سے تجاوز کی ہوئی نا انصافیوں کے خلاف ہر ہندوستانی کے دل میں بغاوت کا جذبہ پرورش پا رہا تھا۔ شہنشاہ شاہ عالم کی بے دستی و پائی نے اکثر شعراء کو متاثر کیا جن میں کمال نے اس طرح احتجاج کیا ہے۔

اسی سے سمجھو رہا سلطنت میں کیا رتبہ
ہو جبکہ محل سراؤں میں گورا دلی کا پہرا
نہ شاہ ہیں نہ وزیر اب فرنگی ہیں مختار

انھیں احساسات کا ردِ عمل اس طرح رونما ہوا کہ ۹ مئی ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے میرٹھ میں بغاوت کا علم اٹھا کر قومی جنگ کا آغاز کیا جسکو انگریزوں نے غدر کا نام دے کر اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش۔ لیکن حقیقت میں یہ انقلاب تھا جسنے پورے ملک میں پھیل کر کمپنی کی حکومت کے سامنے زندگی اور موت کا سوال کھڑا کر دیا جس کو کچلنے کیلئے انگریزوں نے نہایت انسانیت سوز مظالم اور بدترین اخلاقی جرائم کا ارتکاب کیا۔ اس کے ساتھ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اس بغاوت کے پیچھے نہ کوئی نظام تھا نہ کوئی تحریک، نہ کوئی واضح منزلِ مقصود، پھر بھی یہ قومی آزادی کی پہلی جنگ تھی جس کو ہندوستانی عوام ہار گئے لیکن اس جنگ نے سارے ملک کو اس سرے سے اس سرے تک بیدار کر دیا "صیاد" کے ظلم و ستم کی کھلی تصویر لوگوں کے سامنے آگئی اور انھیں اپنے پاؤں کی زنجیروں کی جھنکار صاف طور پر سنائی دینے لگی۔ واجد علی شاہ اختر نے خود اپنی مثنوی "حزنِ اختر" میں انگریزوں کے ہاتھوں اپنی گرفتاری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ہوئے بند در قید خانے کے جب
کھولا کیا دو گزرا ستم اور غضب
کوئی رنج زنداں میں ایسا نہیں
جو ... کو پہنچا نہیں
وہ آ ... جب ... ہے
... زنداں ... ہے

کہ یہ بے گنہ قید میں ہے تباہ
شب و روز زنداں میں کرتا ہے آہ

اسی طرح بہادر شاہ ظفر نے "قیدِ فرنگ" کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں یوں بیان کیا ہے ؎

کوئی بلا ہے خانۂ زنداں یہ آسماں
چھٹنا محال اس سے ہے جبتک ہے تن میں جاں

بہادر شاہ ظفر پر جو کچھ مظالم انگریزوں نے ڈھائے ہیں وہ کسی ہندوستانی سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارا تاجدار شاعر ظفر کس یاس و حسرت سے کہتا ہے ؎

کیا طائرِ اسیر وہ پرواز کر سکے
جس میں نہ اتنا دم ہو کہ آواز کر سکے

اس دور کے سب سے بڑے شاعر مرزا غالب کے اشعار میں زنداں کے نقوش اس طرح واضح ہوئے ؎

چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے
گھر بنا ہے نمونۂ زنداں

اسی طرح منیر شکوہ آبادی جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں کالے پانی کی سزا پائی اپنی نظم "داغِ غم" میں لکھتے ہیں ؎

بھیڑیوں سے بچ گئے جو چند یوسف اے فلک
خانماں برباد اسیرِ بند و زنداں ہو تو کیا

منیر شکوہ آبادی کے علاوہ اس دور کے بہت سے شعراء نے ۱۸۵۷ء کی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان میں مفتی صدرالدین آزردہ۔ قاضی فضل حسین خاں افسردہ۔ محمد علی تشنہ، ظہیر دہلوی، حکیم آغا خاں عیش قابلِ ذکر ہیں انھوں نے اپنے عزیزوں دوستوں کی کہیں تاریخ وفات کہیں مرثیے لکھے۔ مصیبتیں بیان کیں اور دردِ دل شہر آشوب، فغانِ دہلی، انقلابِ دہلی، نوحۂ دہلی، داستانِ دہلی، ہنگامۂ دار و گیر، گنجِ شہیداں وغیرہ کے عنوانات سے اپنے احساسِ غلامی کو اجاگر کر کے غیر شعوری طور پر ایک لائحۂ عمل تیار کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اردو میں ایک نیا موڑ ابھرنے لگا۔ وہ تھا قوم پرستی اور وطن پرستی کا ... جس کا ... آزاد، حالی اور شبلی وغیرہ کے یہاں ہوتا ہے ... یا ... ساتھی! ابھی کے یہاں جو بات ...

درجہ رکھتی ہے وہ ہے غلامی کا احساس جس سے نجات کے لئے یہ لوگ اپنے انداز سے جدّوجہد کرتے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ دونوں کے یہاں انقلابی لب و لہجہ اور باغیانہ جوش و خروش کا فقدان ہے لیکن بہتر زندگی کی خواہش اور حالات کو سازگار بنانے کی تمنا دھڑکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اسی دور میں جنھیں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان میں اکبر الہ آبادی۔ محمد حسین آزاد۔ اسمٰعیل میرٹھی شبلی نعمانی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اسی دوران محض اصلاح کی تحریک نے آزادی کے خیال کی تقویت حاصل کی۔ اکبر الہ آبادی چکبست، حسرت موہانی ظفر علی خاں اور تلوک چند مرحوم جیسے شعراء نے قوم پرستی اور حب الوطنی کو نیا جوش اور ولولہ عطا کیا۔

اب چوں کہ لوح و قلم اور خونِ دل سے کام لیا ہی جانے لگا تھا۔ مگر جذبات و احساسات کے اظہار کے لئے استعاروں کی آڑ لینا پڑتی تھی۔ حسرت موہانی کو چکّی کی مشقّت بھی گوارا تھی ؎

ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقّت بھی
کیا طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

کچھ اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔ تلوک چند محروم کہتے ہیں۔

بیڑیاں بدلی نظر آتی ہیں دیوانوں کی
توڑ ڈالیں گے یہ دیوار کو زندانوں کی

اور ——

پھول ہو جائے گا چھاتی پہ جو پتھر ہوگا
قید خانہ جسے کہتے ہیں وہی گھر ہوگا

محمد علی جوہر کہتے ہیں ——

یا الٰہی طوقِ لعنت ہو نہ گردن میں نہاں
غم نہیں گر یاں ہمارے پاؤں میں زنجیر ہے

جوش کی بلند آواز گونجتی ہے ——

جھکا وہ فرقِ آسماں اٹھی وہ تیغِ بے نیام
ہم اپنے ملک و قوم کو رکھیں گے کیا صد اغلام
جوانیوں کو سرد و منجمد ہوا بھی نہیں
زماں پہ مہر [illegible] ہے تو کیا کرو کہ خدا ہے

[illegible] کہہ کر [illegible] ایک حلقہ زنجیر [illegible]

آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں۔ وطن آزاد ہوا۔ مگر اس کامیابی کے باوجود انسانی فطرت کا تنوع اسے احساس دلا رہا ہے کہ یہ آزادی بھی غلامی کا ایک بوجھ نہ بن جائے۔ اسی لئے جس منزل کے لئے وہ سرگرداں تھا ابھی تک اس کے قدم وہاں نہیں پہنچے مگر بقول جاں نثار اختر غم کے شعلے کو ابھی اور فزوں ہونا ہے۔

آزاد ہندوستان کا آزاد شاعر اب بھی بعض سماجی برائیوں کا اسیر ہے اور وہ اپنے سماج اپنے ملک کو تعصب، غبار، فرقہ داریت اور لسانی جھگڑوں وغیرہ کی زنجیروں سے آزاد کرانے میں سرگرم ہے۔

غرض یہ کہ شاعر نے ہر حال میں آزادی کا دم بھر کے اس خیال کی تفسیر کی ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ لیکن وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ (بشکریہ آل انڈیا ریڈیو اندور)

غزل

ساغر پالم پوری

دردِ بڑھ کے جو کبھی حد سے گزر جائیگا
کتنے ارمانوں کا شیرازہ بکھر جائیگا

چاہیے گمنام جزیرے پہ سفینہ رکھو
دور تک اُسکے تعاقب میں بھنور جائیگا

نہ کرو یاد مگر ملنے کا وعدہ تو کرو
اس طرح دامنِ اُمید تو بھر جائیگا

جس سے خائف ہیں بیچارے معلوم نہیں
ایک دن اپنے ہی سائے سے وہ ڈر جائیگا

حسرت و یاس کے عالم میں یہی ہے سوہم
تو مرے پاس نہ آیا تو کدھر جائیگا

آرزوؤں کے نشیمن کو جلانے والے
یاد رکھ لے یہ دھواں تیرے ہی گھر جائیگا

ڈال دے جام میں تو عکس تعلی ساقی
پینے والوں کا مقدر تو سنور جائیگا

مل گیا اسمیں مرے دل کا لہو تو ساغر
اور بھی رنگ بہاروں کا نکھر جائیگا

عزیز اندوری

معیار کی کسوٹی پر

میر انیسؔ سے تعارف:-

بیگم صالحہ عابد حسین کا نام انیسؔ پر تفصیل سے کام کرنیوالوں کی فہرست میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ موصوفہ نے اُردو مرثیہ اور خصوصاً میر انیسؔ کی مرثیہ نگاری پر کئی مختصر مضامین لکھے ہیں ان میں سے چند مضامین کو کتابی شکل میں شائع کر کے انھوں نے اس کمی کو کسی حد تک پورا کرنے کی کوشش کی ہے جو انیسؔ کے کلام پر عدم توجہی کی وجہ سے اہلِ قلم کے لئے شکایت کا باعث بنی رہی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انیسؔ نے اپنی شعری استعداد اور فکری تعمق کو جس انداز سے پیش کیا ہے اُردو شاعری کا سرمایہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی جانب بھرپور طریقے سے توجہ نہیں دی گئی اور انیسؔ پر بجز چند کتب کے کوئی لائق تسلی یا مبسوط کام نہ ہو سکا۔ ان میں سے چند کتب تو لاحاصل مباحث کی شکل اختیار کر گئیں جسکی شکایت صالحہ عابد حسین نے اپنی کتاب میں کرتے ہوئے لکھا ہے "ان کا مرتبہ اور مقام پوری طرح جاننے کے لئے ابھی اسکی بہت ضرورت ہے کہ انیسؔ پر بے تعصبی اور غیر جانبداری سے کام لیا جائے۔"

"میر انیسؔ سے تعارف" میں بیگم صالحہ نے اس شکایت کو کسی حد تک دور کرنے کی کوشش کی ہے اور اختصار سے کام لینے کے باوجود مراثیِ انیسؔ کے بعض انتہائی اہم پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے مضامین "کلام انیسؔ میں ہندوستانی تہذیب" اور "مراثی انیسؔ میں خاندانی زندگی کی جھلکیاں" بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

بیگم صالحہ عابد حسین نے اس خیال کو رد کیا ہے جس کے تحت انیسؔ پر یہ اعتراض کیا جاتا رہا ہے کہ انھوں نے عرب کے سادہ مزاج مجاہدوں کو جن کا تہذیبی پس منظر بھی بیحد سادہ اور بدوی تھا ہندوستانی انداز رنگ کر واقعاتِ کربلا کی غلط تصویریں پیش کی ہیں..... نیز خواتینِ اہلِ بیت کی تہذیب رہن سہن اور بول چال ہندوستانی رنگ میں رنگ جاتی ہے جو حقیقت اور اصلیت سے کوسوں دور ہے اور تاریخی غلطیوں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انھوں نے اس اعتراض کو بھی رد کیا ہے جو مراثی انیسؔ پر کیا جاتا رہا ہے کہ انھوں نے اپنے مرثیوں میں جن حسین اور دلفریب مناظر کا ذکر کیا ہے وہ عرب کی پہاڑیوں اور صحرا میں کہاں پائے جاتے ہیں؟ نیز یہ کہ انیسؔ اس سلسلے میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔

مصنفہ نے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ

"شاعر ہر وقت حقیقت نگاری پر تلا ہی رہتا ہے یہ انیسؔ کی خامی نہیں سوچی سمجھی کوشش ہے کہ وہ ان آفاقی کرداروں کو مقامی پس منظر میں دکھا کر اپنے سامعین کے دل سے اور زیادہ قریب کرنا چاہتا ہے اسی طرح شاعر جب صبح یا رات کی منظر کشی کرتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہر وقت وہ یہ بات پیش نظر رکھے کہ یہ صحرائے عرب ہے اسکی شاعرانہ خلاقی جب زور پر ہوتی ہے تو یہ چیزیں فروعی رہ جاتی ہیں لیکن ایک بات اور بھی ہے جس کی طرف کم لوگوں نے دھیان دیا ہے کہ ریگستان میں جہاں نخلستان ہوتے ہیں ان کی سرسبزی اور شادابی اور حسن فطرت لاجواب ہوتا ہے عراق کا وہ علاقہ جسے دریائے دجلہ اور فرات سیراب کرتے ہیں ایسا ہی نخلستان ہے اور کربلا کا میدان وہیں واقع تھا اس لئے اگر انیسؔ وہاں صبح کی منظر کشی میں گلشن و جنگل و باغ کے دلکش مناظر کی عکاسی کرتے ہیں تو کوئی بہت دور از کار بات نہیں۔"

مصنفہ کا ارشاد بجا لیکن جس نخلستان کا انھوں نے ذکر کیا ہے انیسؔ نے اپنے مراثی میں منظر کشی کرتے وقت صرف انھیں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان سے تجاوز بھی کیا ہے۔ مگر جیسا کہ مصنفہ کا خیال ہے کہ شاعر کی شاعرانہ خلاقی جب زور پر ہوتی ہے تو یہ چیزیں فروعی رہ جاتی ہیں۔ غالباً اسی لئے انیسؔ صحرائے عرب سے گزر کر گلشنِ لکھنؤ تک پہونچ جاتے ہیں اور اگر مصنفہ کے اس خیال سے اتفاق کر لیا جائے کہ "یہ انیسؔ کی خامی نہیں سوچی سمجھی کوشش ہے کہ وہ ان آفاقی کرداروں کو مقامی رنگ کے پس منظر میں دکھا کر اپنے سامعین کے دل سے اور زیادہ قریب کرنا چاہتا ہے" تو پھر "شاعر کا ہر وقت حقیقت نگاری پر ہی تلا رہتا ہے" معلوم؟

بیگم صالحہ نے مراثی انیسؔ کو محض جذباتی انداز میں پڑھ لیے

اور انھیں شکر آلنسو بہادینے والے سے بھی سخت اختلاف کرکے ان میں مضمر ان پہلوؤں کو تلاش کرنے پر زور دیا ہے جن سے "صبر و استقلال راضی برضا رہنے اور ثابت قدمی کی تعلیم اور خدا کے حکم پر سر جھکانے کا درس ملتا ہے" نیز ان مراثی میں موجود اخلاقی قدروں کی پیروی کرنے پر توجہ مبذول کرائی ہے۔

انیسؔ کے قادر الکلام ہونے میں کسی کو شبہ نہیں بیگم صالحہ عابد نے اس پہلو کو بھی کافی مدلل انداز میں پیش کیا ہے لیکن زبان و بیان کے معاملے میں بعض بعض جگہ انھیں مثالوں کو دہرادیا ہے جنھیں شبلی موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ میں پیش کرچکے ہیں۔ مثلاً شبنم اور اوس کے استعمال میں انیسؔ کی مہارت یا پھر دبیرؔ و انیسؔ کے ان دو مصرعوں کا موازنہ جن میں دونوں شعرا نے ایک ہی موضوع کو دہرایا ہے۔ وہ مصرعے اس طرح ہیں:۔

ع فرمایا "میں حسین علیہ السلام ہوں" — دبیرؔ
ع مولا نے سر جھکا کے کہا "میں حسین ہوں" — انیسؔ

لیکن اس کے باوجود مصنفہ نے انیسؔ کی قادر الکلامی منظر کشی کے ساتھ ساتھ اپنے ان مختصر مضامین میں بہت سے ایسے پہلوؤں کو بھی ابھارا ہے جن کا تعلق انسان کی نفسیات اس کے اخلاق اور اس کے معاشرتی مذہبی سلسلے سے بڑا گہرا ہوتا ہے۔

کتابت و طباعت اور سرورق نفیس اور دلآویز ہے۔ ۱۸۰ صفحات کی یہ کتاب ۷ روپے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے

پیش دستی

اردو شاعری میں طنز و ظرافت کو اس واسطے اہمیت حاصل رہی ہے کہ اس کے ذریعے شاعر جہاں اپنا کام نکال لینا چاہتا ہے وہیں وہ اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتا جس کے ذریعے اجتماعی یا انفرادی اصلاح مقصود ہو۔ اصلاحی نقطۂ نگاہ سے بھی ایسی شاعری بڑی اہمیت رکھتی ہے لیکن اس کے لئے سنجیدہ رویّے اور شگفتہ لہجے کی شرط لازمی ہے۔ شاعر اپنے سماج اور اس کی مضحکہ خیز یا بے جان روایتوں پر طنز کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح کا بھی طالب ہوتا ہے جس کے لئے اُسے ان تمام پہلوؤں اور روایتوں پر گہری نظر رکھنی پڑتی ہے جو سارے سماج کے لئے نہ صرف مضر بلکہ زہر ہلاہل بن جاتی ہیں۔ گویا شاعر کے احساسات ایسے زہریلے اثرات کے لئے تریاق بن جاتے ہیں اور سماج کو ایک بڑے وبال سے نجات دلانے پر شاعر کو اُکساتے رہتے ہیں اسے تصنع، فریب، ریا، کذب، ظلم و تشدد، استبداد اور جبر سے بیزار ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کیونکہ شاعر جہاں احساساتِ دلفریب کا دلدادہ ہوتا ہے وہیں وہ سماجی حالات کو پرکھنے میں بھی بیداری کا ثبوت دیتا ہے یہ بات الگ ہے کہ وہ اپنے ثبوت کے لئے مختلف النوع رویّوں کو پسند کرتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو میں طنز و مزاح کے سلسلے میں DIRECT رویّے کو دہ صرف پسند ہی کیا جاتا رہا ہے بلکہ اس سے براہ راست متاثر ہونے والی بھی کئی مثالیں مل جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری سماجی حالات کا محاصرہ کرتے وقت DIRECT رویّے کی شکل میں قابلِ قبول سمجھی گئی ہے۔

اعجاز وارثی بھی اسی رویّے کے قائل ہیں اسی لئے ان کے مجموعے میں ان موضوعات پر براہ راست "حملے" ملتے ہیں جو سماج کی بے جان روایتوں اور ظلم و تشدد یا مکر و فریب کی "دلآویزی" سے متعلق ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا یہ خیال ہے کہ طنز کو ایک طرح کی تنقید اور قسم کا عمل جراحی کہا گیا ہے۔ تنقید بھی اس سخت نوع معاشرے کی خامیوں اور بد قوارگیوں کو علی الاعلان سامنے لاتی ہے۔ سوسائٹی کے ناسوروں کو کریدتی ہے اور پٹیوں کو ادھیڑ کر متعفن زخموں کو نمایاں کرتی ہے اس تنقید میں ظاہری ہمدردی کے لب و لہجہ سے عمداً احتراز کیا جاتا ہے" بڑی حد تک ان کے مزاجی رویّے کو ظاہر کرتا ہے نیز اس کی روشنی میں ان کے کلام کو پڑھنے میں آسانی بھی ہو جاتی ہے۔ کلام اعجاز کو سماجی خامیوں کی گرفت کرنے اور سوسائٹی کے ناسوروں کو کریدنے والا "معجزنما" پہلو تو کہا جاسکتا ہے۔ بطور خاص ان پہلوؤں کے مطالعہ کے بعد ذہن شدید تاثرات کو قبول کرتا ہے جن میں انھوں نے بناوٹی چہروں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کتاب کے بڑے حصہ کو شعرا کی (خاص طور سے متشاعر اور خود نمائی کے قائل) "بے نقابی" کے لئے وقف کرکے ایک ہی موضوع کو جس طرح بار بار دہرایا گیا ہے اُس سے طبیعت اکتا سی گئی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے "تماشے" بیشتر مشاعروں میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک ہمارے تفریح پسند سامعین اور ادب نواز زندہ ہیں ان میں کمی نہیں آسکتی پھر بھی اتنا تو ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اعجاز وارثی جس موضوع کو چھوتے ہیں

اس کے تمام اچھے اور برے پہلوؤں کو پیش کرتے وقت وہ اس حد تک ضرور کامیاب ہو جاتے ہیں جس کی طرف فکر تونسوی نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے "وہ روزمرّہ زندگی کا دوغلا پن، مکاریاں، ناہمگی اور ملمع بازی دیکھتے ہیں جو ان کے جسم و رُوح میں بسی ہوئی تہذیبی قدروں سے ٹکراتی ہیں تو جہاں اعجاز وارثی صاحب کو مضحکہ خیز لگتی ہیں وہاں ان کی سوچ میں ایک کرب بھی پیدا کر دیتی ہے اور مسکراہٹ اور آنسو ان کے اشعار میں بیک وقت جنم لیتے ہیں"۔

"پیش دستی" میں شامل بعض نظمیں اپنے موضوعات کی وجہ سے بڑی کار آمد اور مؤثر ہیں خاص طور سے ان میں موجود نئی اصطلاحیں شاعر کی فکری عمق کا ثبوت بہم پہونچاتی ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے۔

عود و عنبر کی مہک میں پڑھنے والوں کا ہجوم
حلقۂ دہقاں میں جیسے پیر جی کی حاضرات } (جشن مشاعرہ)

ٹنگی تھی اس طرح سیل باٹم "انکل سیم" کی کمانی پر
کہ جیسے کوئی تنقیدی مقالہ دَورِ حاضر پر } (ڈیٹرائٹ کی انتخابی مہم)

دشمنانِ ملک سے سرکار کچھ کہتی نہیں
نام کی ندی ہے یہ بارش میں بھی بہتی نہیں } (ریچھ ہوں کا مستقبل؟)

فخر سے استادِ غزاں کل یہ فرمانے لگے
میرے شاگردوں کی شہرت آسماں پر چڑھ گئی
سنتے ہیں اک شاعرِ خوش فکر نے پھبتی کہی
روپیہ روپیہ ہی رہا اور ریزگاری بڑھ گئی } (روپیہ اور ریزگاری)

اعجاز وارثی کی بیشتر نظموں میں ان کے لہجہ کی وہ بے ساختگی بھی ملتی ہے جو طنز و ظرافت کے لئے ناگزیر ہے۔ ان کے اسی لہجہ نے ان کی ذہنی پختگی نے بھی کئی نمایاں پہلوؤں کو ان کی نظموں میں شامل کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس میں بڑی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ اگر مندرجہ ذیل مصرعوں کے خط کشیدہ الفاظ و تراکیب پر نظرِ ثانی کر لی جائے تو بہتر ہے۔

ع محفلِ شعر میں "حرکت" کا اشارہ ہوگی۔
ع "راشی و کورٹ" کا دھندہ پیشۂ اوّل ہے آج

کتابت و طباعت مناسب ہے۔ چھ روپے کے عوض یہ کتاب مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

حامد اللہ افسر حیات و کارنامے

اختر یزدانی محسن نے اردو کے ایک ایسے شاعر و ادیب کی زندگی اور ان کے شعری و ادبی کارناموں کا جائزہ لیا ہے جنھوں نے اوائل عمری سے شعر و ادب کے صالح اور قدیم روایتوں کو اختیار کر کے چند کارہائے نمایاں ضرور انجام دیئے ہیں۔

حامد اللہ افسر نے جہاں شعر و ادب کے بعض سنجیدہ پہلوؤں کی جانب توجہ دی وہیں بچوں کی نفسیات اور مسائل پر بھی انھوں نے جس سنجیدگی سے لکھا ان کے ہم عصروں میں شاید ہی کوئی دوسرا ایسی مثال قائم کر سکا ہو۔ اس سلسلے میں جو موضوعات ان کے دائرے خیال میں آئے انھیں بھرپور شعری قالب میں ڈھالنے میں وہ پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی شعری و ادبی استعداد اور فکری استحکام کے ارتقائی عمل کا اختر یزدانی محسن نے پوری طرح جائزہ لیا ہے مصنف نے مرحوم کے ابتدائی حالات اور شعر و ادب سے ان کی دلچسپی کے تعلق سے جس قدر واقعات لکھے ہیں ان سے ان کے شعری و ادبی شغف کا پتا چلتا ہے۔

یوں تو افسر مرحوم کو عام طور پر "بچوں کا افسر" کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انھوں نے جس طرح سنجیدگی کے ساتھ شعر و ادب کے دوسرے اہم پہلوؤں کی جانب توجہ دی اس کا اندازہ اس کتاب میں شامل ان کی ۲۳ تصانیف کی فہرست سے بھی لگایا جا سکتا ہے جن کا مصنف نے تجزیہ کر کے ان کی ادبی اہمیت کو تسلیم کرایا ہے۔ اختر یزدانی محسن نے ان میں سے بیشتر مضامین کا تجزیہ کرتے وقت مرحوم کے نظریۂ شعر و ادب اور تنقیدی شعور پر بھی خاصی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اس سلسلے میں انھوں نے صائب الرائے حضرات کے اقتباسات کو بھی شامل کیا ہے جو افسر مرحوم کی ادبی و شعری حیثیت کو واضح کرتے ہیں لیکن بعض بعض صورتوں میں اقتباسات کی تفصیل مصنف کی رائے پر مسلط ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی مثالیں بہت کم ہیں۔

مرحوم کے نجی حالات کے مقابلے میں شعری و ادبی کارناموں پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے پھر بھی انکے زندگی کے جس قدر حالات درج کئے گئے ہیں ان سے مرحوم کی ذہنی تربیت، مزاجی کیفیت اور نظریۂ شعر و ادب بڑی حد تک آشنا ہوا جا سکتا ہے۔ نیز جن کے ذریعے بعض ایسے پہلو بھی ابھر کر سامنے آئے ہیں جو مرحوم پر مزید تفصیل سے تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے ابتدائی زینہ بن سکتے ہیں۔

کتابت وطباعت مناسب ہے۔ دوسو صفحات کی یہ کتاب آٹھ روپے کے عوض مکتبہ شاہراہ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے

شامِ میکدہ

شامِ میکدہ دلیس راج یکتا کے کلام کا مجموعہ ہے جس میں تقریباً ۲۵ غزلیں ۲۶ نظمیں ۱۲۵ قطعات و رباعیات ۲۲ متفرق اشعار اور طنز و مزاح کے تحت ۹ مزاحیہ اور طنزیہ غزلیں شامل ہیں ۲۸۳ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یکتا شعر و ادب کے ان موضوعات اور شکلوں کو برتنے کے قائل ہیں جن کا تعلق قدیم شعری روایتوں سے رہا ہے اسکا سبب غالباً یہی ہے کہ موصوف نے جس شعری ماحول میں آنکھیں کھولیں اس میں ان شعرا کا "بول بالا" تھا جو بڑی حد تک شعری روایتوں کے صالح پہلوؤں کے قائل تھے ان شعراء کی قربت اور صحبت میں یکتا کی ذہنی تربیت اور ادبی نشوونما ہوا۔ حاجی لق لق۔ مجید لاہوری۔ احسان دانش، سالک، الطاف مشہدی، عبدالحمید عدم اور اختر شیرانی کی قربت نے ان کے میلان طبع اور فطری ذوق کو ایسی شعری روایتوں سے نزدیک تر کر دیا جو مذکورہ شعرا کے کلام کی اہمیت تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ "شامِ میکدہ" میں ایک طرف اختر شیرانی کا رومانی لہجہ نظر آتا ہے تو دوسری طرف احسان دانش کے نکھرے ہوئے سماجی شعور کے نشانات بھی ملتے ہیں اگر اس میں کلام عدم کے کیف سرور اور رندی و مستی کا نکھار نظر آتا ہے تو دوسری جانب مجید لاہوری اور حاجی لق لق کے چبھتے ہوئے طنزیہ لہجہ کو بھی اس میں دیکھا جا سکتا ہے۔

دلیس راج یکتا نے اپنی بیشتر نظموں کو حسن فطرت کا عکاس بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کی اکثر نظموں کا لہجہ شگفتہ و رومانی ہے مثلاً گھاٹ والی رات "گنگا کے کنارے" اے دیش سے آنے والے بتا۔ کا رومانی لہجہ کافی حد تک متاثر کرتا ہے۔ چند نظمیں جیسے "ایک غریب ناکام عاشق کا خط اپنی محبوبہ کے نام" نوجوانان کالج سے خطاب "پڑوسی ڈائریکٹ" نظمیں ہیں ان کے ساتھ بعض نظمیں وطنیت و اخلاقیات پر مبنی ہیں لیکن دراصل یکتا یہی ان نظموں میں کسی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں جنکا لہجہ رومانی ہے ہر چند ان کا سیاسی اور سماجی شعور بھی خود میں ہلکی ہلکی آنچ ضرور رکھتا ہے لیکن اس کی رفتار اسقدر تیز نہیں ہو پاتی کہ اسے سماج کو تبدیل کرنے والی صحیح سمت سے تعبیر کیا جا سکے۔ البتہ وہ سماج کے منتشر اور ناہموار حالات پر طنز کرتے وقت ٹھکانے کی باتیں کرنے کا شعور رکھتے ہیں مثلاً

چور بازاری کے صدقے زر پرستی کے نثار ۔ منڈیوں سے زلیست کا سامان چوری ہو گیا
جینا پڑیگا اور بھی اے دل مضطر ۔ اب زہر بھی بازار میں اچھا نہیں ملتا
نہ کوئی پوچھنے والا نہ کوئی ٹوکنے والا ۔ ہر اک لیڈر بنا پھرتا ہے راجہ خان ما

اردو شاعری میں طنز و مزاح کا جو معیار و مزاج ہے یکتا کے بعض اشعار اسے چھو کر ضرور گزرتے ہیں۔

یکتا کی غزلوں میں ان شعری روایات کی عکاسی ملتی ہے جنھیں اب بھی ایک مخصوص طبقہ پوری طرح پسند کرتا ہے۔ ان کی غزلوں میں کہیں کہیں ایسے چونکا دینے والے اشعار بھی نظر آتے ہیں ؎

کیا بات ہے تو پیرِ جمالِ نظر آشوب ۔ عریاں تو ہے لیکن اسے عریاں نہیں دیکھا
قائلِ تقدیر ہے ہر بے مراد ۔ صبر گویا بے بسی کا نام ہے
بس اتنی بات پہ دنیا مجھے دیوانہ کہتی ہے ۔ کبھی تنہائی میں دو باتیں کر لیتا ہوں حسیں دل سے

موجوں کی کشمکش میں ذرا زندگی تو تھی
الیٰ عاقبت پسند کنارہ نکلو کیا کروں

لب جو وہ میری غزل لکھے ہیں ۔ کہ موج دریا سے موتی اچھالے

یکتا کی شاعری میں ایسے اشعار جا بجا نظر آتے ہیں جن میں تقسیم ہند کی کرب ناکی بڑے واضح انداز میں موجود ہے اسی لئے یکتا بار بار اپنے اس ذہنی کرب کا اظہار بڑے موثر انداز میں کرتے ہیں چند مثالیں دیکھیے

تھا ہیں در خور وطن شاید ۔ جو وطن بھی چھوڑ دیا تو نے
اے ساکنانِ گوجرانوالہ علیٰ خیر ۔ اس سرزمین پاک کے پالے ہوئے ہیں ہم

قدم قدم پہ محبت نے پاؤں روکے تھے!
وطن کو چھوڑ کے آنا کوئی مذاق نہیں

یکتا دیارِ غیر میں ہو قدر کس طرح ۔ اپنے ہی جب وطن سے نکالے ہوئے ہیں ہم

کاش انتخاب کلام کے معاملہ میں ذرا سختی سے کام لیا جاتا۔ تو "شامِ میکدہ" میں ایسے مصرعے یا اشعار نظر نہیں آتے۔

ع کرتے بھی ہیں اگر تو بڑی بے رخی کے ساتھ

جس ترے غم کو چھپاتے رہے غم خوروں سے

کسی کی عنایت سے اپنا بنا لو ۔ تجھے آج توفیق دی ہے خدا نے
تمہاری اداؤں سے مسحور ہو کر ۔ تجھے پیار کرتے ہیں مجبور ہو کر

"شامِ میکدہ" میں بعض شعرا کے مشہور مصرعے معمولی سی تحفیف

کے ساتھ نظر آتے ہیں مثلاً حسرت موہانی کا یہ مصرعہ ع مٹتا ہے تو مٹ جائے کوئی ان کی بلا سے ۔

اس طرح موجود ہے ۔ ع کوئی برباد ہو اُن کی بلا سے

داغ کا یہ مصرعہ "جو دیا اے خدا دیا تو نے" کو اس طرح کی معمولی ردوبدل کے بعد اپنا لیا ہے ع مجھ کو جو کچھ دیا دیا تو نے

اور شاد عظیم آبادی کا یہ مصرع "بڑی مشکل سے منوایا گیا ہوں" ہلکی سی تخفیف کے بعد اس طرح موجود ہے ع بڑی مشکل سے سمجھایا گیا ہوں ۔

دیس راج یکتا کی زود گوئی سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن کاش موصوف ذرا سی توجہ کرتے اور مندرجہ بالا مصرعے شامل ذکر تے تو "شامِ میکدے" کا مطالعہ کرتے وقت نظر ان پہلوؤں میں الجھتی نہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ۔ بلکہ اس مجموعہ میں شامل عمدہ پہلوؤں سے کچھ اور بھی بہتر شکل میں لطف اندوز ہو سکتی ۔

یہ کتاب آٹھ روپیہ کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے ۔

اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک کی ایک جھلک

سید منظور الحسن برکاتی لکچرار دارالعلوم خلیلیہ ٹونک نے اِس کتابچے میں یہ مطالبہ کیا ہے کہ اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک کو راجستھان بھر میں علوم شرقیہ کی حفاظت و ترقی کا مرکز بنایا جائے ۔ اپنے اِس مطالبہ کے سلسلہ میں موصوف نے انسٹی ٹیوٹ میں موجود قلمی نوادرات و مخطوطات (جن کی تعداد تقریباً چار ہزار ہے) قلمی اور نادر الوجود کتب (جن کی تعداد تقریباً تین چار ہزار ہے) کا ذکر کرتے ہوئے اس کی ادبی اور علمی اہمیت کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔ نیز اس انسٹی ٹیوٹ کی ابتدا سے لیکر آج تک کی ادبی و علمی خدمات کا اجمالی جائزہ لیا ہے اور ان تمام فرماں روائے ٹونک کی جدوجہد اور علمی ذوق کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جنھوں نے اپنی مساعی اور توجہ سے اس ادارے کو علمی اور ادبی سرمائے سے مالا مال کیا ۔

اسی کے ساتھ برکاتی صاحب نے ان معتبر و مستند شخصیتوں کے تاثرات کو بھی اس کتابچے میں شامل کیا ہے جنھوں نے اس ادارے میں پہنچکر اور وہاں موجود نوادرات کو دیکھ کر اس کی اہمیت وقتاً فوقتاً کیا ۔

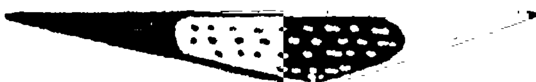
اِس کتابچے میں اہلِ علم و ادب کے اس مطالبے کو دہرایا گیا ہے جو اس ادارے کو راجستھان کے علوم مشرقیہ (اُردو ۔ فارسی اور عربی مخطوطات) کے مرکز میں تبدیل کرنے کے سلسلے میں حکومت سے بار بار کیا گیا ہے ۔ اس سلسلے میں ان اربابِ علم و اقتدار کے تاثرات کو بھی شائع کیا گیا ہے جنھوں نے نہ صرف اس ادارے کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف ہی کیا ہے بلکہ اسے علوم شرقیہ کے مرکز بنائے جانے کے سلسلے میں کی جانے والی ہر کوشش کو کامیاب کرنے میں اپنی خدمات پیش کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے ۔

اُمید کہ اس کتابچے میں پیش کئے مطالبہ کو حقائق پر مبنی سمجھتے ہوئے اربابِ اقتدار جلد ہی کوئی عملی قدم ضرور اٹھائینگے تاکہ علم و ادب کا وہ خزانہ جسے سخت محنت و جانفشانی کے بعد یکجا کیا گیا ہے نہ صرف اور بہتر طریقے سے محفوظ ہی رہ سکے بلکہ علم و ادب کے دلدادہ اس سے مزید استفادہ بھی کر سکیں ۔

غزل

جمشید علی فیضانی

ذہن میں آئی اُلٹی سیدھی باتوں سے رشتہ توڑا
آج نہایت بے دردی سے ہم نے اپنا سر پھوڑا
شہر کی اِن اُجلی سڑکوں پر چپکیلے قدموں کی دوڑ
نادانستہ اکثر ہم بھی تیز چلے ــــ تھوڑا تھوڑا
پیلی پیلی آنکھیں ہے کر چاند نکل آیا چھت پر
نیند سے بھاری کچھ پلکوں میں پھوٹ گیا غم کا پھوڑا
تیز ہوا بھی غیر مقفل دروازہ نہ کھول سکی
شاید سوچ رہی ہے کن کن قدموں نے رستہ چھوڑا
اب میرے کمرے میں صرف اُداسی رہتی ہے
مردہ آنکھیں، پیلا چہرہ، تن پر زخموں کا جوڑا



مَن لہٗ مکتوب الیہ

ذانشکدہ

علمی محلہ، آرہ (بہار) ۳؍مارچ ۱۹۷۶ء

کرم گستر محترم جناب سرور تونسوی صاحب زاد لطفہٗ

عقیدت و محبت!

کل کی ڈاک سے "شانِ ہند" کا جشنِ جمہوریت نمبر (جنوری ۱۹۷۶ء) موصول ہوا، یاد فرمائی و ذرہ نوازی کا شکریہ، ادبی رسالوں کی اس کساد بازاری میں غیر متوقع طور پر اتنا ادبی اور معیاری پرچہ کا دستیاب ہونا یقیناً قابلِ صد ستائش ہے ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند مکمل شمارہ پوری دلچسپی اور توجہ سے پڑھ ڈالا۔ بیشک شانِ ہند ادب کا بے لاگ اور بیباک ترجمان ہے۔ میری نارسائی کہ "افکار و واقعات" کی پہلی دو قسطیں پڑھنے سے محروم رہا مگر یہ تیسری قسط پڑھ کر بیحد متاثر ہوا۔ زبان و ادب میں ایمانداری برتنا اتنا ہی اہم ہے جتنا زندگی کے دوسرے شعبوں میں ...... "سن تو سہی"..... از گوپال متل میں تحریک میں پڑھ چکا تھا۔ اس بار قندِ مکرر کا لطف آیا۔

خیال انگیز نظموں کے ساتھ ساتھ دو دو مشاعروں کی رپورٹنگ کافی دلچسپ رہی۔ حکیم جوہر شاہ وارثی بہرائچی کی شخصیت اور ان کے استادانہ کلام کا نمونہ پرچے کی زینت ہے۔

آمدم بر سرِ مطلب، اس شمارے میں سب سے زیادہ میں جس مضمون سے محظوظ ہوا وہ فاضل مصنف جناب اے عظیم صدیقی کا تحقیقاتی مضمون "خط غلط، املا غلط، ہجا غلط، انشا غلط" ہے۔ موصوف نے اسمیں بڑی کاوشِ فن کا ثبوت دیا ہے اور محنت کی ہے۔ ادارہ نے اس مضمون کو جناب رشید حسن خاں کی نذر کرکے مقالے کی بیجا اہمیت کو اور بھی روشن کر دیا ہے۔ عظیم صدیقی صاحب سے اس مضمون میں ایک جگہ سہو و لغزش ہو گیا ہے جس کی نشاندہی میں ضروری سمجھتا ہوں، یہ ایک خاص علمی معاملہ ہے۔ لہٰذا امید ہے کہ موصوف کچھ خیال نہ فرمائینگے

صفحہ ۱۹ پر ذال ہوز کی جگہ دال ابجد لکھنے کی شعری مثالیں دیتے ہوئے موصوف نے ایک بات جو یہ لکھ دی کہ

"مرزا اسد اللہ خاں نے شیطان کو فرشتہ لکھ مارا ہے

کیوں آج بھی ذلیل کہ کل تک تھی پسند ۔ گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں"

اس کا موقع تھا نہ محل، اور یہ قطعی غلط ہے کہ اسد اللہ خاں (غالب) نے "شیطان کو فرشتہ لکھ مارا" ایک محولہ شعر میں "شیخ نجد" کے الفاظ نے شاید موصوف کا ذہن اس طرف پھیر دیا یہ صحیح ہے کہ "شیخ نجد" کا لقب شیطان ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مگر غالب کے اس شعر میں گستاخیٔ فرشتہ کو شیطان لعین کی گستاخی سمجھنا بالکل غلط ہوگا۔ کیونکہ غالب نے یہاں پر جس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ "شیطان کا آدم کو سجدہ کرنے سے انکار" نہیں ہے بلکہ وہ قرآنی مکالمہ ہے جو تحقیق آدم سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ اور ملائکۂ مقربین کے درمیان ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو سورۂ البقرہ شریف کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ:۔

"وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" البقرہ

لفظی ترجمہ:۔ (اور جب کہا پروردگار تیرے نے واسطے فرشتوں کے تحقیق میں پیدا کرنے والا ہوں بیچ زمین کے نائب، کہا انھوں نے کیا بناتا ہے بیچ اس کے اس شخص کو کہ فساد کرے بیچ اس کے اور ڈالے گا لہو اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں ساتھ تعریف تیری کے اور پاکی بیان کرتے ہیں واسطے تیرے کہا تحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)

خدائے قدوس سے یہ سن کر کہ وہ زمین پر اپنا نائب پیدا کرنے والا ہے۔ ملائکہ نے خدا سے کہا کیا تو اس کو پیدا کر رہا ہے جو زمین پر فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ یہی در اصل نائبِ خدا (آدمی) کی شان میں فرشتوں کی گستاخی تھی جس پر خالقِ کل نے ڈانٹ دیا فرمایا "تحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" فرشتے یہ ڈانٹ سن کر چپ ہو گئے اور انہیں اپنی اوقات معلوم ہو گئی۔

بہرحال عظیم صدیقی صاحب کا مضمون بیحد مفید کارآمد اور معلوماتی ہے۔ میں انھیں انکی کامیاب محنت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

علامہ تمر عشق آبادی کا میں دیرینہ معترف و معتقد ہوں تبصرے

کا حصہ خاصا جاندار اور وقیع ہے۔ موصوف اور جناب عزیز اندوری نے علمی اور متوازن تبصرے رقم فرمائے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تبصرہ تنقید سے زیادہ کتاب کا ہمدردانہ تعارف ہوتا ہے۔ تنقید کا میدان الگ ہے اور تبصرے کی راہ جُدا۔ میں اپنی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" کی دو جلدیں بھجوا رہا ہوں امید کہ حضرت ملاّم عشق آبادی ہی اس پر تبصرہ فرمائیں گے۔

شعر و سخن کا ذوق ورثا میں ملا ہے لہذا اپنی دو غزلیں ارسال ہیں۔ نذر شانِ ہند گر قبول افتد زہے عزو شرف۔ خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔

عقیدت گزار برق حقی عنہ

۵

محترمی ڈاکٹر برق صاحب تسلیم و نیاز

آپ کا نامہ نظر نواز ہوا۔ اس قدر افزائی و ذرہ نوازی کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔ میرے مضمون میں غالب یا اس کی شاعری زیر بحث نہیں بلکہ اردو زبان کی ترکیب لفظی ہے۔

جہاں تک سورۃ بقرہ کے اس حصہ کا تعلق ہے اس میں لفظ "ملائکۃ" موجود ہے جو ملک کی جمع ہے اور غالب نے فرشتہ (واحد) استعمال کیا ہے۔ اگر ایسا ہی تھا تو غالب صاحب کو "گستاخی ملائکہ اپنی جناب میں" لکھنا چاہئے تھا۔

شیطان کو فرشتہ لکھنا کچھ غالب پر ہی منحصر نہیں مجھے حیدر آبادی کی رباعی کے دو مصرع یاد ہیں

آدم کو نہ سجدہ کیا جب رب نے کہا
لعنت وہ عزازیل فرشتہ ہے لعین

یگانہ چنگیزی نے بھی اسی طرح ایک شعر میں شیطان کو فرشتہ لکھا ہے جو اس وقت میرے ذہن میں نہیں۔

شیطان کا نام چونکہ عزازیل بروزن جبرئیل، اسرافیل، میکائیل ہے اس لئے یہ غلط فہمی ممکن ہے۔

عظیم صدیقی۔ ۹ مارچ ۷۶ء

پوری یونیورسٹی
اٹلانٹا (جرمنی) - ۲۸-۳-۷۶

محترم سرور صاحب

آپ کے ماہنامہ "ہمارے ہیں اردو کی پکار" کی اپیل پڑھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ ساتھ ہی اس خط کو لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ اردو کی ترقی کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور لوگوں کو اس بات کا احساس دلا رہے ہیں کہ اردو نہ تو مسلمانوں کی زبان ہے اور نہ ہی پاکستان کی اصل میں اردو ہندوستان کی زبان ہے۔ اس زبان کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی اور ہندوستان کی سب سے میٹھی اور نفیس زبانوں میں ہے۔ میرا خیال ہے ہندوستان میں زیادہ لوگ اردو بولتے ہیں اور اس زبان کو ہندی کا نام دیتے ہیں۔ اس میں قصور اردو زبان میں کتابیں لکھنے والوں کا ہی ہے ہندی کو چاہنے والے ہندی کو دن دن سنسکرت میں بدلتے جا رہے ہیں۔ اردو کو چاہنے والے اس زبان کو روز بروز فارسی میں بدلتے جا رہے ہیں۔ اردو کے لئے یہ بہت بہتری کا موقعہ ہے۔ اگر اردو کے ادیب ہندوستان میں اردو کی ترقی دیکھنا چاہتے ہیں تو اردو کو لوگوں کی روزمرہ کی بولی والی زبان بنائیں ہندی کے اور دوسری زبانوں کے الفاظ اردو میں شامل کریں۔ اگر ابھی اردو کے ادیب فارسی کے مشکل مشکل الفاظ کو خیرباد کہہ کر لوگوں کی بولتے والی زبان میں اپنے جذبات کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیں تو لوگ ہندی کو چھوڑ کر اردو کی طرف خود بخود کھنچے آئیں گے اور کچھ برسوں میں اردو لوگوں کی زبان بن جائے گی اس وقت آپ کو یہ لکھنا نہیں پڑے گا کہ "اردو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ اگر مجھے زندہ رکھنا ہے تو اپنے بچوں کو اردو پڑھانے کی کوشش کیجئے....."

آپ کا خیر اندیش
سوہن لال منوچہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
علی گڑھ

محترمی سرور صاحب تسلیم

سورج کے تماشائی پر تبصرہ پڑھا۔ یہ تبصرہ مستغنی عن التوصیف ہے۔ کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر علاّم کی نگاہ نقد نہ پڑی ہو۔ آخر کار یہ فکرہ بھی بے انتہا حق گوئی پر مبنی ہے کہ "ان اوصاف کے باوجود کتاب کی قیمت بہت زیادہ ہے۔" اس شوخیٔ تحریر کا کیا کہنا۔

تمز آفاقی

THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

ماہنامہ

شانِ ہند

دہلی

MAY—1976

Editor :
SARWAR TAUNSVI



Dr. S. H. Afzal 'BASTVI'

Re. 1-00

رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R/N 646/57

رجسٹرڈ نمبر ڈی (D) 370

سالِ اجراء ۱۹۳۸ء

ٹیلیفون ۲۷۸...



ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی — قیمت سالانہ دس روپے (Rs 15/-) — فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۲۷ — مئی ۱۹۷۶ء — شمارہ ۵

فہرست

آپ کے نام ضروری گذارشات

۱۔ جس ڈاک خانہ سے آپ کو رسالہ شانِ ہند یا آپ کے دوسرے خطوط وغیرہ ڈلیور ہوتے ہیں۔ اُس کا پن کوڈ PIN CODE نمبر لکھئے۔ اگر آپ کو معلوم نہ ہو تو اپنے ڈاک خانہ سے دریافت کر لیجئے۔ یہ کام آپ پہلی فرصت میں انجام دیجئے۔

۲۔ جب بھی آپ دفتر شانِ ہند کو خط لکھتے تو اپنا خریداری نمبر ضرور لکھئے جو رسالے کے ریپر پر آپ کے پتہ کے اوپر درج ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے خط کا جواب آپ کو فوری طور پر ملے تو اپنا خریداری نمبر ضرور لکھئے۔

۳۔ اب دفتر شانِ ہند سے آپ کے کسی ایسے خط کا جواب نہیں دیا جائے گا جب تک کہ آپ نے جواب کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا لفافہ وغیرہ نہ بھجوایا ہوگا۔ امید ہے کہ آپ ان ضروری گذارشات پر دھیان دیں گے۔

(ادارہ)

باہتمام ودیا پرکاش سرور ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر لاہور پریس جامع مسجد اردو بازار دہلی میں چھپا اور دفتر شانِ ہند ظہیر شہ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع ہوا۔ سرورق ایم بی پرنٹرز دریا گنج دہلی میں چھپا

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

کو

ادارہ شانِ ہند کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات، یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین۔
چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہے۔
قیمت دس روپے
مستقل خریداروں کے لیے چھ روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

مرتبین: سرور تونسوی، عزیز اندوری

افکار و واقعات

ڈاکٹر شنکر دیال شرما کی حق گوئی

حکومتِ ہند کے وزیرِ مواصلات ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے جشنِ ممتاز مرزا میں تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ حال ہی میں جب وہ عراق اور مصر تشریف لے گئے تو عراق کے وزیرِ مواصلات سے جب ان کی بات چیت ہوئی تو انھوں نے بات چیت کا آغاز انگریزی زبان میں کیا مترجم عربی میں ترجمہ کر کے عراقی وزیر مواصلات سے ڈاکٹر صاحب کا مافی الضمیر بیان کرتا اور وہ عربی زبان میں جواب دیتے جسے مترجم انگریزی میں ڈاکٹر صاحب سے بیان کرتا۔

ڈاکٹر شرما نے فرمایا کہ عراقی وزیر مواصلات فارن لینگویجز کے ماہر تھے اور وہ میری انگریزی بات چیت کا ایک ایک لفظ نہایت اچھی طرح سے سمجھ رہے تھے مگر کیا مجال ہے کہ انھوں نے بھولے سے بھی انگریزی کا ایک لفظ اپنی زبان سے نکالا ہو اور وہ آخر تک عربی ہی میں سلسلۂ گفت و شنید جاری رکھے رہے۔ ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے بتایا کہ انھیں عراقی وزیرِ مواصلات کی اس عربی پرستی پر رشک آیا اور انھوں نے محسوس کیا کہ انھیں بھی ہندوستانی (اردو) میں بات چیت کرنی چاہیے تھی لہٰذا دوسرے دن انھوں نے اپنے مترجم (جو کہ اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے) سے کہا کہ کیا یہ بہتر نہ رہے گا کہ میں بھی ہندوستانی زبان میں بات چیت کروں اس پر اس مترجم نے ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیا کہ اب اگر آپ ہندوستانی زبان میں بات چیت کریں گے تو وہ ایک دکھاوا ہو جائے گا یا تو آپ شروع سے ہندوستانی زبان میں سلسلۂ گفتگو شروع کرتے اب چونکہ آپ انگریزی زبان میں بات چیت شروع کر چکے ہیں تو اب انگریزی زبان کو ہی چلنے دیجیے۔

ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے تجزیہ انداز میں کہا کہ آئندہ وہ ایسی غلطی نہیں کریں گے اور جب بھی وہ کسی دوسرے ملک میں جائیں گے تو ہندوستانی زبان میں ہی بات چیت کریں گے تاکہ انگریزی کو ترک کرنے کی طرف عملی قدم اٹھایا جا سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے سامعین سے بھی کہا کہ اب ہمیں انگریزی زبان سے پیچھا چھڑانے کی دلی کوشش کرنی چاہیے۔

ڈاکٹر شرما کی اس حق گوئی پر انہیں مبارکباد دی جانی چاہیے کہ انھوں نے ایک بہت ضروری بات کی طرف دھیان دلایا ہے۔ ہمارے خیال میں تو حکومتِ ہند کو یہ ہدایات جاری کرنی چاہئیں کہ جب بھی کوئی ہندوستانی وفد یا ہندوستانی وزیر سرکاری دورے پر کسی دوسرے ملک میں جائے تو وہاں بات چیت ہندوستانی زبان میں ہی کرے اور وفد کے ارکان یا وزراء حضرات کو ہندوستانی زبان بولتے ہوئے شرم نہیں آنی چاہیے بلکہ انگریزی (جو کہ غیر ملکی زبان ہے) بولتے ہوئے ندامت کا احساس ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر شرما نے فرمایا کہ عراق میں اس موقع پر انھیں مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد آئی کہ وہ انگریزی زبان کو کروڑوں ہندوستانیوں سے بہتر جانتے ہوئے بھی کرپس مشن سے بات چیت کرتے وقت یا دوسرے مواقع پر غیر ملکی سربراہوں سے بات چیت کرتے وقت انھوں نے انگریزی کا ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالا۔

ڈاکٹر شرما نے اپنی تقریر کو نہایت رواں دواں سلیس اردو میں جاری رکھتے ہوئے "اردو" زبان سے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا وہ یقیناً حوصلہ افزا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ عراق اور مصر میں انھوں نے یہ بچشم خود دیکھا اور محسوس کیا کہ ان ملکوں میں بھی اردو مقبول ہے ان ممالک میں جب بھی کوئی ہندوستانی فلم دکھائی جاتی ہے تو وہ مہینوں

چلتی ہے جب تک کہ سرکاری طور پر اسے نہ ہٹایا جائے ڈاکٹر شرما نے فرمایا کہ سکندریہ جاتے وقت ان کے ایک ہم سفر نے انہیں بتایا کہ یہاں پر ہندوستانی فلموں کے گانے عوام گنگناتے ہیں اور اس ہمسفر نے (جو کہ ایک عالم فاضل تھے) ہندوستانی فلموں کے کئی گیتوں کے اشعار بھی سُنائے جس پر ڈاکٹر صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ ان اشعار کا مطلب بھی سمجھتے ہیں تو اس رفیقِ سفر نے بتایا کہ تھوڑا تھوڑا سا مگر مطلب کو ایک طرف رکھئے یہ ہمیں اچھے لگتے ہیں۔

ڈاکٹر شرما نے اردو سے متعلق حکومت کی پالیسی پر بھی کچھ روشنی ڈالی اور فرمایا کہ ہماری وزیرِ اعظم صاحبہ اردو کے لئے فراخدلانہ رویہ رکھتی ہیں اور اردو پڑھنے والوں کے لئے ہر قسم کی سہولیات اور مراعات دینے سے ہماری وزیر اعظم صاحبہ کسی طور بھی پیچھے نہیں ہٹتی ہیں۔

جشنِ ممتاز مرزا پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شرما نے فرمایا کہ جب مجھ سے اس تقریب میں شرکت کے لئے کہا گیا تو میں نے فوراً وعدہ کر لیا مگر بعد میں سوچا کہ میں سیاسی آدمی ہوں اور اس خالص ادبی تقریب میں میری بہ نسبت کسی سرکردہ ادیب کو ہی مہمان خصوصی ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے پھر سوچا کہ کسی بھی ملک کے ترقی یافتہ ہونے کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ وہاں کے ادیبوں کے ساتھ حکومت کا سلوک کیا ہے اور وہاں کے ادیب کس حال میں ہیں۔ لہٰذا میں اس تقریب میں شریک ہونا اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتا ہوں

ڈاکٹر صاحب نے محترمہ ممتاز مرزا صاحبہ کو اُن کی ادبی خدمات کے سلسلے میں حکومتِ ہند کی طرف سے پدم شری کا اعزاز حاصل ہونے پر دلی مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ وہ یہ اُمید رکھتے ہیں کہ ہم سب پھر اکٹھے ہوں گے جب ممتاز مرزا صاحبہ کو پدم وبھوشن کا اعزاز ملے گا۔ ڈاکٹر شرما نے جشنِ ممتاز مرزا کی طرف سے فراہم کیا ہوا پانچ ہزار روپیہ کا چیک بھی محترمہ ممتاز مرزا کو پیش کیا۔

عکسِ آئینے کے

جناب ہرچرن چاولہ مشترکہ پنجاب کے صفِ اول کے افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا سب سے پہلا افسانہ ماہنامہ "نقوش" لاہور میں شائع ہوا تھا۔ حال ہی میں ماہنامہ شانِ ہند کے زیرِ اہتمام ان کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ "عکس آئینے کے" بہت اچھے انداز میں شائع کیا گیا ہے جس پر اس سال اتر پردیش اردو اکاڈمی نے ایوارڈ دیا ہے۔ "عکس آئینے کے" واحد افسانوی مجموعہ ہے جس پر اکاڈمی مذکورہ نے ایوارڈ دیا ہے لہٰذا اس اعزاز پر ادارہ شانِ ہند جناب چاولہ صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔ "عکس آئینے کے" ایک انفرادیت لئے ہوئے افسانوی مجموعہ ہے کہ جس کے مطالعہ سے قاری یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ہرچرن چاولہ کا افسانوی طرزِ نگارش جدا گانہ ہے اور ان تمام افسانوں میں ہماری اپنی روزمرہ کی زندگی کی داستان ہی معلوم دیتی ہے۔ آپ کی ذاتی لائبریری میں اس افسانوی مجموعہ کی موجودگی آپ کی خوش ذوقی کا ثبوت ہوگی۔

کلیاتِ مائل

گزشتہ بیس سال سے سُننے میں آ رہا تھا کہ راجستھان ساہتیہ اکاڈمی (سنگم) اودے پور حضرت مرزا محمد تقی بیگ مائل دہلوی (مرحوم) کی کلیات شائع کر رہی ہے۔ مگر نہ معلوم اس کام کا مہورت کس بُری ساعت میں ہوا تھا کہ یہ کلیات شائع ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ بھلا ہو جناب راجندر شرما ڈائرکٹر راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کا کہ جب سے وہ ڈائرکٹر ہوئے ہیں اکاڈمی مذکورہ نے اردو کتب کی اشاعت کی طرف اپنی ذمہ داری سنبھالنے کا بھرپور ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ چاند نرائن سکسینہ کا مجموعہ کلام کرنیں اور فضل المتین صاحب کا مجموعہ "کلام" کی اشاعت کے بعد "کلیاتِ مائل" کے حصہ اول کی اشاعت کا سہرا بھی جناب راجندر شرما کے سر بندھا ہے۔

ایک مدت ہوئی کہ مرحوم مولانا احترام الدین شاغل عثمانی نے حضرت مائل کے پورے کلام کو ترتیب دیا اور

اس کام میں اُن کے کئی سال لگے۔ یہ مسودہ شاغل صاحب صبا صاحب اور پنڈت اوتار نرائن بہادر نے اشاعت کی غرض سے اکاڈمی کو پیش کیا۔ مگر افسوس کہ مولوی احترام الدین شاغل کی زندگی میں یہ کلیات شائع نہ ہو سکی۔ تاہم راجندر شرما نے جس اہتمام سے اور نیشنل اکاڈمی دہلی نے جس بانکپن سے اس کلیات کو شائع کیا ہے اس سے مرحوم شاغل صاحب کی روح بھی وجد کر اٹھی ہوگی۔ راجستھان ساہتیہ اکاڈمی (سنگم) اودے پور اور اس کے ڈائرکٹر جناب راجندر شرما یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں کہ جن کی مساعی جمیلہ کے باعث کلیاتِ مائل کا حصہ اول شائع ہوا ہے ۲۲×۱۸ سائز کے ۸۰۰ صفحات کے اس حصۂ اول میں مائل صاحب کی غزلیات ہی شائع ہوئی ہیں نہ معلوم کن وجوہ کے باعث یہ ضروری سمجھا گیا کہ مائل صاحب کا پورا کلام ہی شائع کیا جائے حالانکہ اگر یہ کلام قدرے انتخاب کے بعد شائع کیا جاتا تو جہاں کلیات کے حصہ اول کی ضخامت کم ہو جاتی وہاں اس کلیات میں بھرتی کے اشعار نظر نہ آتے جو مولانا مائل کے شعری مقام کو مجروح کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

دوسری بات جو بہت بُری طرح کھٹکتی ہے وہ ہے کتاب کی قیمت تہتر روپے پچاس پیسے۔ ۷۳٫۵۰ روپے اس دور میں جب کہ اردو داں طبقہ کافی حد تک مالی پریشانیوں میں مبتلا ہے وہ اس قدر گراں قیمت کلیات کو خریدنے کی قطعاً سکت نہیں رکھتا۔ اس کتاب کے لئے کاغذ حکومتِ ہند نے رعایتی نرخ پر دیا ہے اس کے باوجود نہ معلوم کتاب کی قیمت اس قدر زیادہ رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ تاہم اس کلیات کی اشاعت راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کا ایک ایسا سنہری کارنامہ ہے جسے اردو زبان کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔

وسیم بریلوی کا نخرہ

انجمن دوستانِ ادب پٹھان کوٹ کے جنرل سیکریٹری ستیہ پال راہی صاحب ہر سال پٹھان کوٹ میں ایک کل ہند مشاعرہ کراتے ہیں اور یہ مشاعرہ پنجاب میں ہونے والے مشاعروں میں ایک انفرادیت کا حامل ہوتا ہے اور اس مشاعرہ میں ملک بھر کے مشہور شعراء شرکت کرنا اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتے ہیں بلکہ زور شور سے سفارش کرانے کے بعد بعض شعراء اس مشاعرہ میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

جناب راہی صاحب اپنے مکتوبِ گرامی میں فرماتے ہیں۔

"محترم سرور صاحب آداب۔ گزشتہ روایات کے مطابق انجمن دوستانِ ادب کی جانب سے ۲۴ اپریل کو کل ہند مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا جس کی رسمِ افتتاح پنجاب کے وزیر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی اور سیر و سیاحت نے ادا کی۔ اس مشاعرہ میں پدم شری بیکل اتساہی، نازش پرتاب گڑھی، رشید قریشی اور جناب نور اندوری نے شرکت فرمائی۔ پنجاب کے شعراء کی فہرست الگ ہے۔ ہم پنجابی اردو کی خدمت دل و جان سے کرتے ہیں اور دوسری طرف کچھ شاعر محض چند ٹکوں کے لئے بک جاتے ہیں اور منتظمین مشاعرہ کی پوزیشن خراب کرتے ہیں۔

وسیم بریلوی، جگر مرادآبادی اور محترمہ برکھا رانی جنہوں نے ہمارے مشاعرہ میں شرکت کی تحریری منظوری دے رکھی تھی اور ان کے منہ مانگے معاوضے بھی طے ہو چکے تھے۔ وسیم بریلوی کا ایک خط مشاعرہ کے دو دن بعد ملا کہ انہیں پٹھان کوٹ سے انجمن دوستانِ ادب کی طرف سے تار موصول ہوا تھا کہ مشاعرہ ملتوی ہو گیا ہے۔ جس پر ہم نے پٹھان کوٹ کے تار گھر سے سارا ریکارڈ نکلوایا تو پتا چلا کہ پٹھان کوٹ سے وسیم صاحب کو کوئی تار گیا ہی نہیں۔ انہیں لکھا گیا کہ وہ تار ہمیں بھجوائیے۔ مگر متعدد یاددہانی کے باوجود اُن کا کوئی جواب ہی نہیں آیا۔ جگر صاحب ۲۴ اپریل کو مرادآباد سے پٹھان کوٹ کے لئے برتھ ریزرو کرا چکے تھے لیکن آئے نہیں۔ معلوم ہوا کہ عین وقت کسی دوسرے مشاعرہ میں زیادہ فیس ملنے پر چلے گئے۔ محترمہ برکھا رانی کا ۲۳ اپریل کی شام کو تار ملا کہ ان کے والد سخت علیل ہیں حالانکہ بعد میں پتہ چلا کہ آپ نے اسی روز آسنسول میں مشاعرہ پڑھا کیونکہ انہیں بھی وہاں پٹھان کوٹ کی نسبت زیادہ فیس ملی۔

پٹھان کوٹ ایک چھوٹا سا شہر ہے جہاں کوئی انڈسٹری ہے اور نہ ہی حکومت کوئی امداد دیتی ہے۔ پھر بھی ہم محض ادب کی خاطر ہر سال ایک بہت ہی اچھا مشاعرہ کراتے ہیں اور اُردو کے نام پر روٹی کمانے والے پیشہ ور شاعر ہیں کہ ہمیں دھوکہ دیتے ہیں۔ ایسے شعرا کے لئے کوئی ضابطہ بننا چاہیئے اور اس قسم کے فریب کار شاعروں کا بائیکاٹ کیا جانا چاہیئے تاکہ دوسرے شعرا ان کی راہ پر نہ چلیں۔"

وسیم بریلوی، آنند مرادآبادی اور برکھا رانی تینوں نے اپنی بساط کے مطابق جھوٹ سے کام لیا مگر وسیم بریلوی کا جھوٹ سب سے زیادہ بھونڈا اور دھوکہ کی آنچ لئے ہوئے ہے جبکہ یہ صاحب طالب علموں کو پڑھاتے ہیں اور کسی طرح اپنی ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے۔ وہ اُستاد اپنے طالب علموں کو کیا پڑھائے گا۔ جو خود جھوٹ فریب اور غلط بیانی کو اپنا شیوہ بناتا ہو۔ آنند مرادآبادی نے جھوٹ بولتے ہوئے کوئی اچھی مثال قائم نہیں کی رہی برکھا رانی تو یہ بیچاری نہ تو شاعرہ ہیں اور نہ شاعری اس کے پاس سے ہو کر گزری ہے کچھ دنوں سے چند لڑکیاں شاعرات کے روپ میں مشاعروں میں آنا شروع ہوئی ہیں جن میں سے اکثر اردو پڑھ لکھ بھی نہیں سکتی ہیں اور لوگوں نے انہیں کو شعر پر بٹھانے کی بجائے [illegible]ات بنا رکھا ہے اس پردے میں ان لڑکیوں کو مشاعروں میں شرکت کے باعث شہر بہ شہر اچھے لوگوں سے قریبی واسطہ پڑتا ہے جن میں سے کچھ حضرات صاحب نظر بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا مشاعرے کے معاوضہ کے ساتھ ساتھ دوسری آمدنی بھی ہو جاتی ہے اور ان لڑکیوں کو شاعرات بنانے والے اُستاد جی بھی کبھی کبھار افطاری سے فیض یاب ہو جاتے ہیں۔ ویسے راہی صاحب، برکھا رانی جیسی شاعرات کو "محترمہ" ایسے احترامی القاب سے مت نوازا کیجئے۔ اگر ہم لوگوں نے انہیں بھی محترمہ لکھنا شروع کر دیا تو پھر اپنی ماں۔ بہن اور معزز خواتین کو کس القاب سے یاد کریں گے راہی صاحب جب آپ ایسے با خلوص اور اُردو کی خدمت کا دلی جذبہ رکھنے والے منتظمین برکھا رانی جیسی غیر شاعرہ کو شاعرہ کے طور پر منہ مانگا معاوضہ دیکر بلائیں گے تو پھر انہیں حق پہنچتا ہے کہ وہ جو بھی غیر شاعرانہ رویہ اپنائیں کیونکہ یہ غیر شاعرہ لڑکیاں اپنی تھوڑی بہت خوبصورتی اور گلے کی کاریگری کے باعث یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ جب حسن و جمال باقیست کس مفلس نمی ماند۔ (جب تک دُنیا میں بے وقوف موجود ہیں کوئی مفلس نہیں رہ سکتا) ان موڈرن اور ریفائینڈ قسم کی طوائف؟ شاعرات کو منتظمین مشاعرہ نے ہی سر پر چڑھا رکھا ہے اگر منتظمین مشاعرہ ان غیر شاعرات کے حسن اور آواز پر لٹو ہونا چھوڑ دیں تو پھر ان فریب کار شاعرات کی جگہ مشاعروں کی اسٹیج کی بجائے کوئی اور ہی ہوگی۔

راہی صاحب آپ ذرا سی تکلیف اٹھائیے اور تینوں جھوٹے اور مکار دشمنانِ شاعری کے خلاف پٹھان کوٹ کی عدالت میں عہد شکنی اور وعدہ خلافی نیز ہرجانہ کا مقدمہ دائر کر دیجئے اور انہیں جب پٹھان کوٹ کی عدالت میں کچھ دنوں چکر لگانے پڑیں گے تو پھر یہ کسی بھی منتظم مشاعرہ سے دھوکا نہیں کریں گے۔ اس کے بغیر ان لوگوں کے لئے کوئی اور شافی علاج ہے ہی نہیں

ملک زادہ منظور اور ناظر خیامی کی عہد شکنی اور وعدہ خلافی

ابھی جناب ستیہ پال راہی کے مکتوب گرامی کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ ہندوستان اسٹیل لمیٹڈ رانچی سے جناب نصیر افسر صاحب کنوینر مشاعرہ کا حسب ذیل خط موصول ہوا۔

"قابلِ احترام سرور صاحب آداب! اُمید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا اس بار جناب ملک زادہ منظور احمد و ناظر خیامی صاحبان کی دھوکہ دہی کے سبب مشاعرہ کچھ پھیکا رہ گیا۔ کیا عرض کروں ان دو حضرات نے مجھ کو کتنا رسوا کیا۔ پیشگی ہم لوگوں سے لے کر اور منظوری نامہ دیکر جناب ملک زادہ اسی تاریخ کو بیکارو اور ناظر خیامی نے بیکل نائیٹ کانپور کے مشاعروں میں شرکت کرنا بہتر سمجھا اور اپنے منظوری ناموں اور وصول کردہ پیشگی رقم کا ذرا بھی خیال نہیں کیا اگر ملک زادہ جیسے باوقار افسر کو ایسا کرنا ہی تھا تو وہ کچھ پہلے اپنا منظوری نامہ رد کر سکتے تھے

اور پیشگی رقم واپس کر سکتے تھے تو بھی کوئی اور انتظام کر لیتا۔ اناؤنسر کے فرائض کسی حد تک جناب حفیظ بنارسی نے نبھائے لیکن وہ بات ان میں کہاں سے آتی جو مخصوص پیشہ ور اناؤنسروں میں ہے۔ جناب نور اندوری نے بڑے ڈرامائی انداز میں مشاعرے میں شرکت کی۔ مقرب صاحب کو لکھا تھا مگر وہ چھٹی نہ ملنے کے باعث نہ آسکے۔ جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر نے شعری بھوپالی اور طارق بدایونی صاحبان کے نام تحریر کئے تھے۔ جناب شعری بھوپالی تو تشریف لائے لیکن جناب طارق بدایونی نے چار سو روپیہ کی پیش کش پر مزید دو سو روپیہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر ٹیکس کی فرمائش کی۔ یعنی کنور صاحب نے اُن کی سفارش کی ہے اس لئے انہیں دو صد روپیہ اور دیا جائے۔ جسے ہم اپنے مخصوص بجٹ کے تحت منظور نہ کر سکے شعری بھوپالی تشریف لائے اور ۱۶ر مئی تک رانچی رہ گئے کیونکہ ۱۵ مئی کو ایک اور کل ہند مشاعرہ ہیوی انجینئرنگ کارپوریشن لمیٹڈ رانچی میں منعقد کیا گیا جو بے حد کامیاب ترین مشاعرہ تھا۔ اس مشاعرہ میں طارق بدایونی بھی جناب کرشن بہاری نور لکھنوی کے ہمراہ مشاعرہ کے دوسرے دور میں شریک ہو گئے جبکہ فہرست میں دونوں کے نام نہیں تھے اسے بھی ڈرامائی حیثیت کا نام دے سکتے ہیں۔"

جناب نصیر افسر صاحب اپنے تازہ ترین مکتوب میں اطلاع دیتے ہیں کہ "جناب ملک زادہ منظور اور ناظر خیامی پر مقدمہ دائر کرنے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اور ان کے نام نوٹس بھی جاری کئے جا چکے ہیں۔ ان کی عدم شرکت سے ہمارے اور ہماری کمپنی کے وقار کو شدید نقصان پہنچا ہے۔"

جناب نصیر افسر صاحب کے دونوں خطوط پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ نصیر افسر صاحب اور ان کی کمپنی کے افسران اپنے ارادے پر سختی سے عمل کریں۔ اور بہتر یہ کہ یہ مقدمہ ضرور دائر کریں تاکہ اس مقدمہ کے فیصلہ کے دور رس نتائج سے دو نمبر شاعروں کے کان کھڑے ہو سکیں گے اور شعرا یا غیر شعرا حضرات وعدہ اور اعتماد شکنی کے مرتکب نہ ہو سکیں۔ ویسے نصیر صاحب اور دوسرے

منتظمین مشاعرہ کی اطلاع کے لئے یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ طارق بدایونی کی شاعری کا حدود اربعہ بعض ان کی غلمانی شکل صورت اور کسی حد تک لحن داودی تک ہی محدود ہے اور یہ دونوں صفات عوام میں مقبولیت دلانے کی ضامن ضرور ہیں مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لحن داودی یا اچھی شکل و شباہت رکھنے والے شعرا یا شاعرات کی خاصی تعداد شاعری کی ابجد سے بھی واقف نہیں خواہ ان کی سفارش کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کریں یا کوئی اور سخن فہم یا موسیقی کا دلدادہ۔

عقیل صاحب کی ادب پرستی

اردو کے ملک گیر شہرت یافتہ بزرگ شاعر جناب الحاج نصیر فتحپوری کے فرزند ارجمند جناب عقیل صاحب جو کہ خود بھی ایک اچھے شاعر اور اردو ادب کے سرپرست ہیں کئی سالوں میں متحدہ عرب امارات میں مقیم ہیں۔ خدا نے عقیل صاحب کو اپنی تمام نعمتوں سے نواز رکھا ہے اور وہ "شان ہند" کو پنپتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہیں شان ہند کا ۳۲ صفحات پر شائع ہونا کچھ اکھرا اور وہ اس لئے کہ ان کم صفحات میں جو مضامین شائع ہوتے ہیں وہ اُن کے ذوق کی سیری کے لئے ناکافی ہیں۔ لہٰذا انھوں نے شان ہند میں آٹھ صفحات کے اضافہ کے لئے ایک ہزار روپیہ (ایک سال کے لئے) شانِ ہند کو بھجوایا ہے جس پر ہم نے اپریل ۱۹۷۰ء کے شمارہ میں آٹھ صفحات کا اضافہ شروع کر بھی دیا تھا اور شان ہند کو نیوز پرنٹ کاغذ کی بجائے سفید کاغذ پر چھاپنا شروع کر دیا۔ مگر راقم الحروف کی طویل اور تشویشناک علالت کے باعث شان ہند کی اشاعت میں التوا ہونا شروع ہو گیا۔ اب مئی تا جولائی کے شمارے حسب سابق ۳۲، ۳۲ صفحات پر ہی شائع کئے جائیں گے۔ اس کے بعد عقیل صاحب کے عطیہ کے مطابق شان ہند میں آٹھ صفحات کا اضافہ کیا جائیگا۔ اور یہ آٹھ صفحات "گوشۂ عقیل" کے طور پر شائع ہوا کریں گے۔ ان مخصوص آٹھ صفحات میں ایسا بہترین ادبی مواد پیش کیا جائیگا جسے آپ پسند فرمائیں گے۔



کریمی الاحسانی

مشاعرہ یادِ آلم مظفر نگر

حکیم جوہر وارثی ۔ فنا کانپوری ۔ راز الہ آبادی ۔ مشیر جھنجھانوی ۔ بلال رضوی ۔ مضطر اندوری ۔ آفتاب لکھنوی
سودہ حیات ۔ شمیم جے پوری ۔ طارق بدایونی ۔ مظفر رزمی ۔ شاہد نوحی ۔ تسلیم کھتولوی ۔ ہوش نعمانی ۔ صبیحہ ملیح ۔

دیکھئے یہ مظفر نگر (یو۔پی) کی ایک معروف ترین اسٹرک جی۔ٹی روڈ ہے۔ جو دہلی سے رڑکی ۔ ہردوار ۔ دہرہ دون تک جاتی ہے ٹھہریئے کالا کھالہ پار کا پل ہے اس پل سے مشرق کی طرف پلٹ جائیے ۔ یہ اسلامیہ انٹر کالج ۔ ڈی۔ اے۔ وی انٹر کالج آریہ سماج بلڈنگ اور عظمت باغ ہے اور ذرا آگے بڑھئے ۔

ذرا سی دیر بھی رکنا نہ رہروانِ وفا
ذرا سی دیر بڑا فاصلہ بڑھاتی ہے

یہ رضا علی خاں سادات ہوسٹل ہے آج اس کا دروازہ برقی بلبوں سے جگمگا رہا ہے اور بڑی ڈور تک رنگ برنگی سنہری جھالروں سے آراستہ مزین کیا گیا ہے۔ سامنے ایک عظیم پنڈال بنا ہوا ہے جس میں برقی ٹیوب لائٹ اور روشنی کی ایک جلوہ گری ہے۔ آیئے۔ اس پنڈال میں میرے ساتھ آپ بھی چل کر ایک عظیم مشاعرہ سنیئے۔ یہ برفیلی رات ۔۔۔ آپ اس برفیلی رات میں کہاں جائیں گے اور کس کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور اگر

سوال سُن کے کسی نے جواب تک نہ دیا
تری گلی میں ہر اک بے زباں لگے ہے مجھے

تا جمالی کی شکوہ سرا زبان میں یہ کہنا پڑ جائے۔

یہ ۲۹ر نومبر ۷۵ء کی برفیلی رات ہے۔ انجمن فروغ اردو مظفر نگر کے زیرِ اہتمام مرحوم مولانا آلم مظفر نگری کی یاد میں ایک شستہ اور سنجیدہ محفل شعر و سخن ترتیب دی گئی ہے جس کی صدارت جناب ضیاء الرحمٰن انصاری ڈپٹی نائب وزیر صنعت فرما رہے ہیں۔ مسٹر شاہد رضا ایڈووکیٹ اس مشاعرہ کے کنوینر ہیں۔ ایک بات بڑی طرح سے کھٹک رہی ہے کہ مرحوم مولانا کے شاگردوں نے اس مشاعرہ میں کیوں حصہ نہیں لیا ۔۔۔؟ اگر ان کو خدا نے اس کی توفیق نہیں دی تھی تو کیا ان کی یاد میں کئے گئے مشاعرہ میں وہ حضرات شرکت نہیں کر سکتے تھے۔ تعجب ہے کہ ان کا نام لسٹ تک میں نظر نہیں آیا اور نہ ہی مشاعرہ میں انھوں نے اپنے اسکول کی نمائندگی کی۔ کیا ستم ہے کہ شاگردانِ آلم نے اس مشاعرہ میں پڑھنے تک سے گریز کیا۔ یہ کیا مقصود تھا ۔۔۔؟ یا پھر مشاعرہ کمیٹی نے ان کو پوچھا تک نہیں ہے۔ بہرحال ان کی عدم موجودگی قابلِ افسوس ہے۔

مظفر رزمی مولانا آلم کے بارے میں مختصر تعارف فرما کر پروفیسر مظفر نوید سے درخواست مقالہ کر رہے ہیں۔ نوید صاحب نے نہایت مختصر اور جامع مقالہ مولانا آلم کے حالاتِ زندگی کے بارے میں سنایا آیئے آپ بھی ان کے بارے میں کچھ اپنی معلومات میں اضافہ کیجئے:۔

محمد اسحاق خاں آلم سیمابی ایک باکمال شاعر، بے مثال ادیب، بلند پایہ عالم اور مشہور ماہرِ نجوم تھے۔ آلم صاحب کے جدِ اعلیٰ حسین خاں موضع سپاڑہ ضلع مظفر نگر سے ترک سکونت کر کے مظفر نگر میں بود و باش اختیار کر لی تھی وہ ایک بزرگ سید تاج علی سے بیعت تھے اور ان پر تصوف کا رنگ چھایا ہوا تھا۔ آلم صاحب کے والد بزرگوار بھی صوفی مشرب انسان تھے آلم صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اس کے بعد میرٹھ میں قیام فرما کر مولوی صفدر علی سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی بعد ازاں مرحوم نے پنجاب اور الہ آباد یونیورسٹیوں سے علوم مشرقیہ کے اعلیٰ امتحانات پاس کئے۔ اور مظفر نگر کے ایس۔ڈی کالج میں اردو فارسی کے معلم ہو گئے پھر سنہ ۱۹۳۶ء سے اسلامیہ انٹر کالج مظفر نگر میں معلمی کے عہدے پر فائز ہوئے اور اسی کالج سے سنہ ۵۸ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ مولانا سیماب اکبر آبادی کے شاگرد تھے۔ آپ کے چار مجموعے سلسبیل۔ کوثر و تسنیم۔ سدرہ و طوبیٰ۔ جوئے گل شائع ہو چکے ہیں۔ دو مثنویاں آہنگِ سرمدی اور معرکۂ کربلا بھی شائع کرائیں۔ بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ بھی کیا۔ آلم صاحب کا آخری عمر میں سرکار سے وظیفہ بھی ملنے لگا تھا جو تادمِ حیات ملتا رہا۔ آپ کا یہ کارنامہ انتہائی قابلِ تعریف ہے کہ آپ نے رسول خدا صلعم کا زائچہ تیار کر کے یہ ثابت کیا تھا کہ کامل

قبول مسلم سچے نبی اور خاتم النبیین ہیں ۸ ۱؍ مئی ۶۹ء بروز چہار شنبہ کو آپ کا انتقال ہوا۔

نوید صاحب کا یہ مقالہ نہایت سکون سے سنا گیا۔ رزمی صاحب حکیم جوہر ورانی قبلہ سے درخواست کر رہے ہیں کہ آیئے قبلہ اس مشاعرہ کا افتتاح فرمایئے۔ محترم جوہر صاحب مائک پر آ کر دلکشی سے فرما رہے ہیں ؎

نوید خلد بریں ہے کرم محمدؐ کا ٭ مسرتوں کا ہے پیغام غم محمدؐ کا
اک ہم نے چھوڑ دی دنیا اسی مسرت میں ٭ کہ مل گیا ہمیں نقش قدم محمدؐ کا

قبلہ جوہر صاحب جا رہے ہیں اور رزمی صاحب نجم مظفر نگری کو زحمت سخن دے رہے ہیں۔ نجم صاحب یوں دلکشی سے غزل سرا ہیں ؎

دیکھئے دربدر کی ٹھوکروں میں کتنی آنکھوں کے تارے ملیں گے
جہاں جب ایک ٹکڑے کی خاطر ان گنت ماہ پارے ملیں گے

یہ جہاں ایک گنبد نما ہے گونجتی ہے وہی جو صدا ہے
جو کسی کا سہارا بنے گا اس سے آ کر سہارے ملیں گے

ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھو کھیل سمجھو نہ اس زندگی کو
صرف عزم و عمل کی بدولت منزلوں کے اشارے ملیں گے

خامشی میری طوفاں بھری ہے قہقہوں میں اداسی چھپی ہے
ذرا کھرچ دل کی کرید تو اس میں آرزو کے شرارے ملیں گے

نجم صاحب خوب خوب داد لوٹتے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور رزمی صاحب دعوت سخن دے رہے ہیں حکیم گنگوہی کو۔ جناب گنگوہی صاحب عادت خاصہ دلکش ترنم سے گا رہے ہیں ؎

ہزاروں پردوں میں حسن فطرت چھپا ہے لیکن چھپا نہیں ہے
نگاہ سے ماورا ہی ہو وہ شعور سے ماورا نہیں ہے

یہ مژدۂ بہار کیا سنا دو ارباب گلستاں کو!!
اگر ہے دست طلب میں جنبش خزاں کے دامن میں کیا نہیں ہے

داد بھی شباب پر ہے اور آپ اسی انداز سے الاپ رہے ہیں ؎

ہماری آہ و فغاں کو سن کر یہ اہل محفل برا نہ مانیں
ہم اپنی قسمت کو رو رہے ہیں کسی سے شکوہ گلا نہیں ہے

گنگوہی صاحب نہایت کامیاب پلٹ رہے ہیں۔ دیکھئے تو محترم شیخ بالو محمد رفیق قریشی صاحب تشریف لا کر ایک کرسی پر رونق افروز ہو گئے ہیں۔ بالو جی کلام شاعروں کے لئے غنیمت ہے اس قدر مصروفیات کے باوجود شاعروں میں اپنا وقت دے بیٹھتے ہیں۔ وہ دیکھئے رزمی صاحب مشہور ترنم اور غزل گو شاعر ہوش نعمانی رامپوری کو دعوت سخن دے رہے ہیں۔ ہوش صاحب یوں محفل کو چونکانے چلے ہیں ؎

تشریح خاقانی و ظہوری ٭ تفسیر زندگیٔ عرفی
اشعار الم میں ہوش پنہاں ٭ فردوسی و انوری و سعدی

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

آج وہ دن ہے باعث زینت یار دکھیں اچھا لگا ہیں
جیسے ٹکڑے کل بکیں گے بیک سیلر بازاروں میں

داد کا ایک دھماکہ ہوا ہے اور آپ غزل سرا ہیں ؎

تم سے یہ عہد ہے کہ غم دل سنائیں گے
ہنستے رہو گے آنکھ میں آنسو نہ آئیں گے

بخشے کوئی ہمیں بھی جو اک دن کی سلطنت
ہم بھی کسی کے پیار کا سکہ چلائیں گے

دنیا کو اپنے حسن پہ کس درجہ ناز ہے
دنیا کو ایک دن تری محفل میں لائیں گے

ہر رنج دل پہ سہہ کے جو روکے ہیں آنکھ میں
ان موتیوں سے آپ کا دامن سجائیں گے

صندل سا ہاتھ ماتھے پہ سر خم۔ نظر جھکی
آداب یوں کرو گے تو ہم مر نہ جائیں گے

پھر داد ہے کہ کچھ نہ پوچھئے اور تاج صاحب فرما رہے ہیں کس طرح سے اس پہ انکے احباب تاج صاحب کو بھی داد دے رہے ہیں اسی ہنسی مذاق میں ہوش صاحب مقطع عنایت کر رہے ہیں ؎

اے ہوش آج پوچھ رہے ہیں جو دل کا حال
کل وہ رفیق ہی ترے پرزے اڑائیں گے

ہوش صاحب پہلی بار محفل کو گرما کر تالیوں کی جھنکار میں خوش حال جا رہے ہیں اور رزمی صاحب جناب منیر صاحب کو مائک سونپ کر اپنی جگہ گئے ہیں۔ منیر صاحب کرشن لال گرامی کو رنگ محفل بدلنے کے لئے زحمت سخن دے رہے ہیں لیکن کرشن صاحب روداد سنا کر چلتے بنے۔ آئیے اب آپ شاداب میرٹھی سے یہ غزل سنئے ؎

کر کے اظہار محبت بڑی رسوائی ہوئی
جب کبھی دیکھو وہ نظر ملتی ہے شرمائی ہوئی

داد مطلع ہی سے شباب پر ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

رازِ دل کہہ کے میں اس طرح کھڑا ہوں خاموش
ہو بہو جیسے کوئی لاش ہو کفنائی ہوئی

لاش پڑی رہتی ہے ـــــ ایک آواز ـــــ اور آپ فرما رہے ہیں ؎
ہائے اس دور کے انسان کی قسمت شاداب
زندگی پھرتی ہو جس دور میں گھبرائی ہوئی

شاداب صاحب داد سمیٹے جا رہے ہیں اور بشیر صاحب مشہور مترنم شاعر مظفر رزمی کو بنا رہے ہیں رزمی صاحب یوں دلکشی سے غزل سرا ہیں ؎
ہم تو دریا میں کوئی راہ بنا ہی لیں گے
آپ پتھر ہیں بتا دیں کہ کدھر جائیں گے

آہ اور واہ کے ہنگامے میں ارشاد ہوا ہے ؎
وہ پکاریں گے اگر خود تو ٹھہر جاؤں گا
ورنہ خوددار مسافر ہوں گزر جاؤں گا
میں ہوں خود اپنے خیالات کا اک عکس حسیں
آئینہ خانے سے نکلا تو کدھر جاؤں گا
مجھ کو اُلجھا ہوا رہنے دو مقدر کی طرح
میں تری زلف نہیں ہوں جو سنور جاؤں گا

داد کا سابقہ ریکارڈ بھی جھوم رہا ہے یہ شور خوشگوار کم ہوا تو رزمی صاحب اسی جان لیوا ترنم سے سحر کر رہے ہیں ؎
عصرِ نو اپنی کتابوں میں چھپا لے ورنہ
میں خیالات کی مانند بکھر جاؤں گا

رزمی صاحب تالیوں کی جھنکار میں نہایت تمکنت سے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور اب بشیر صاحب ساحل دہلوی کو یاد فرما رہے ہیں ؎
زلف میں ٹانک لو مندر میں سجا لو مجھ کو
اس سے پہلے کہ بکھر جاؤں اٹھا لو مجھ کو

ہائے ہائے کی ایک طرف آواز بلند ہوتی اس پر ایک قہقہہ نے جنم لیا اور آپ فرما رہے ہیں ؎
اب اگر ٹوٹ گیا ہوں تو شکایت کیسی
میں نہ کہتا تھا کہ نہ اب [illegible] مجھ کو

ساحل صاحب جا رہے ہیں اور اب آ رہی ہیں تالیوں کی جھنکار میں ایک کمسن شاعرہ صبیحہ علیگڑھی نہایت دلکشی سے جم کر سنا رہی ہیں ؎
دُور تک اُڑنے لگی آگ مرے آشیانے کی
تم کو اب بھی کچھ اپنا گھر بچانے کی

مطلع نہایت دلکش اور جاندار ہے۔ ترنم بھی ماشاءاللہ شعلہ سا لپک رہا ہے اس پر سامعین باذوق لہٰذا داد کا عالم نہ پوچھئے اور میں سوچ رہا تھا مگر واقعی صبیحہ اتنے اچھے شعر کہتی ہے تو کیا کہنا خدا نظرِ بد سے بچائے دیکھا تو اسی سحرکاری سے سامعین کو مسحور کرنے کی ٹھان رہی ہیں ؎
آپ کو مبارک ہو عشرتیں زمانے کی
ہم نے پائی ہے دولت درد کے خزانے کی
صرف لب تک آئی تھیں کچھ دبی دبی آہیں
اور ہوئی سزا تجویز دار پر چڑھانے کی

پھر داد شباب پر ہے اور آپ مقطع عنایت کر رہی ہیں ؎
کیا خبر تھی اے سنبل جب بہار آئے گی
بھول جائینگے طرز مسکرانے کی

صبیحہ صاحبہ ایک گیت اور سنا کر تالیوں کے شور میں جا رہی ہیں اور بشیر صاحب ذائقہ بدلنے کے لئے ہلال رضوی رامپوری کو دعوتِ طنز و مزاح دے رہے ہیں۔ ہلال صاحب فرما رہے ہیں ؎
تیسری بیوی جو کی میں نے تو والد نے کہا
خوش رہو ں مر، ذوقِ شوہری ٹھنڈا نہ ہو
سائنس کے بولے ترقی یافتہ اس دور میں
جتنی چاہو مرغیاں پالو مگر انڈا نہ ہو

شور و غل کم ہوا تو ارشاد ہوا ؎
پیٹ بھر جائے گا گو دام میں غلہ ہوگا
اب تو جو سال بھی آئے گا وہ اچھا ہوگا
اس میں کچھ شک تو نہیں لیکن یہ بلی جیسے
چر گئے قوم کی کھیتی تو پھر کیسا ہوگا

ہلال صاحب محفل کو قہقہہ زار بنا کر جا رہے ہیں اور بشیر صاحب پروفیسر مظفر نوید سے درخواست کلام کر رہے ہیں۔ نوید صاحب ایک شگفتہ غزل میر کے رنگ میں چھیڑ رہے ہیں سماعت فرمایئے ؎
دیر و حرم کے جھگڑوں سے یوں ہی اکتاتے ہے
فرزانوں کی بھیڑ میں جیسے دیوانہ اکتاتے ہے

داد و داد سے بے نیاز عنایت کر رہے ہیں ؎
مجھ سے بہتر تو کیا جانے کیوں مجھے کھائے ہے
ناحق جو مجبور ہو وہ دانستہ ٹھوکر کھائے ہے

کوئی کسی کا دوست نہ دشمن اپنے عمل کا پھل ہے یہاں
گیہوں بوئے گیہوں پائے جو بوئے جو پائے ہے
روز ہمیشہ رہنے کی تدبیر بھی کرتی ہے لیکن
اور یہ دنیا کہتی ہے یہ دنیا ایک سرائے ہے

تویدؔ صاحب خوب خوب داد لوٹ کر واپس پلٹ رہے ہیں مشیر صاحب مشہور مترنم شاعر مضطرؔ اندوری کو دعوت موسیقی دے رہے ہیں مضطرؔ صاحب کسی اور ہی عالم میں مائک پر آگریوں لہرا رہے ہیں ؎

آج اگر راس بھی آجائے تو ہوتا کیا ہے ✽ کل بدل جائیگی دنیا کا بھروسا کیا ہے
دل تو اس شوخ ستمگر نے کبھی کا چھینا ✽ پھر مرے سینے میں دن رات جگر ٹھا کیا ہے

داد شباب پر ہے اور آپ دلکشی سے محفل کو گرما رہے ہیں ؎

تو یہ کہتا ہے کہ وہ گھر میں نہیں ہیں قاصد ✽ چاند پھر پس پردہ یہ چمکتا کیا ہے
ہم نہ ہونگے تو میخانہ اجڑ جائے گا ✽ ساقیٔ میکدہ تو ہمکو سمجھتا کیا ہے

مضطرؔ کا ایک دانت گر گیا ہے جس کو وہ اُٹھا کر اس کی جگہ فٹ کر رہے ہیں اور نواب عارف صاحب فرما رہے ہیں ؏

شعر پڑھتے ہوئے منہ سے یہ نکلتا کیا ہے

دیکھا تو اسی ہنسی مذاق میں آپ مقطع سنا رہے ہیں ؎

سب یہ کہتے ہیں کہ مینوش ہے مضطرؔ لیکن
دیکھتا کوئی نہیں ہے کہ یہ پیتا کیا ہے

مضطرؔ تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور مشیر صاحب رنگ محفل بدلنے کے لئے آفتاب لکھنوی کو دعوت قہقہہ دے رہے ہیں اور آپ رواں دواں سنا رہے ہیں سماعت فرمایئے ؎

مرنے کے بعد قبر پہ میری وہ بیٹھ کر ✽ افسانہ لکھ رہی ہیں دل بے قرار کا
میں ڈر رہا ہوں انکی محبت کے بوجھ سے ✽ تختہ لچک کے ٹوٹ نہ جائے مزار کا

ہائے اور شور و غل کم ہوا تو ارشاد ہوا ہے ؎

بھرے ڈبے میں ٹی۔ سی نے فقط مجھ سے ٹکٹ مانگا
کہا میں نے کہ تم بے حد بکٹ معلوم ہوتے ہو
ٹکٹ حاضر ہے لیکن مجھ اکیلے پر یہ شک کیسا
نظر سے کھو پڑی سے دل سے بے معلوم ہوتے ہو
یہ سنکر مجھ سے ٹی۔ سی نے کہا سنگین لہجہ میں
بڑے گستاخ بے حد ایڈیٹ معلوم ہوتے ہو
تمہاری شکل ہی قدرت نے کچھ ایسی بنائی ہے
ٹکٹ رکھتے ہوئے بھی بے ٹکٹ معلوم ہوتے ہو

ادھر آفتاب صاحب نے پنڈال میں ہر ٹولی کو جھنجوڑ دیا ہے اور ادھر گیٹ پر ایک ہجوم اندر آنے کے لئے ڈٹا کھڑا ہے پیچھا اس ہنگامہ کو فرو کرنے کے لئے مشیر صاحب راز الہ آبادی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں۔ راز صاحب یوں لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

ابتو دل نہیں لگتا ان پری جمالوں میں ✽ ہم الجھ گئے کتنے آپ کے خیالوں میں
لوگ آگئے آخر رہنما کی چالوں میں ✽ خوف تھا اندھیروں کا کٹ گئے اجالوں میں

داد اور تالیوں کا ایک دھماکہ ہوا ہے قدرے سکوت کے بعد ارشاد ہوا ہے ؎

میں نے اپنے لٹنے کا ان سے جب سبب پوچھا ✽ وہ جواب کیا دیتے کھو گئے خیالوں میں
ان چھپے لباسوں کی کیوں ہنسی اڑاتے ہو ✽ کوئی اہل دل ہوگا ان خراب حالوں میں

پھر آہ اور واہ کا ایک ریلا سا آیا ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

عمر جتنی بڑھتی ہے دل جوان ہوتا ہے
رازؔ یہ حسین غزلیں ان سفید بالوں میں

رازؔ صاحب شاداں جا رہے ہیں ادھر مشیر صاحب خوبرو خوش گلو خوش فکر جواں شاعر طارق بدایونی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں۔ طارق صاحب نہایت سلیقے اور جوان ترنم سے غزل سرا ہیں ؎

اس طرح مرے دل میں تیرا غم مچلتا ہے
جیسے کوئی بستر پر کروٹیں بدلتا ہے

کیا وہی غزلیں رہ گئی ہیں —— ایک آواز —— اور آپ ٹنی اَن سنی کرتے ہوئے الاپ رہے ہیں ؎

جانے کس کا رہتا ہے انتظار آنکھوں کو ✽ کوئی میری پلکوں پر رات بھر مچلتا ہے

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

رات کتنا ہی کرے اپنی فصیلوں کو بلند ✽ دھوپ اتریگی تو آنگن میں اُجالا ہوگا
اپنی آنکھوں کے سوالوں میں بچا لو آنسو ✽ ان بتوں کا بھی کوئی پوجنے والا ہوگا
اک جھلک غم کی مرے نام پہ آئی ہوگی ✽ یوں تو چہرے کو بہت اس نے سنبھالا ہوگا

طارقؔ صاحب خوب خوب داد لوٹتے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور رازؔ صاحب فرما رہے ہیں ؏

میرا جیسا نہ کوئی چاہنے والا ہوگا

اور مشیر صاحب درخواست کلام کر رہے ہیں مسعود حیات صاحب سے حیات صاحب نہایت سنجیدگی سے غزل سرا ہیں ؎

مانا کہ ہم کرم کے سزاوار بھی نہیں
دل کو کسی کے عشق کا آزار بھی نہیں
گزری ہے زندگی ترے دامن کی چھاؤں میں
سمجھا ہے اضمیر بھی بیدار ہو سکے

لیکن جہاں میں ہم ساوفادار بھی نہیں
ہم ایسی زندگی کے طلبگار بھی نہیں
کیا غم جو آج سایۂ دیوار بھی نہیں
اب شاعروں کے لب پہ دعا بھی نہیں

عیش و طرب میں جان چھڑکتے تھے سب حیاتؔ
حالِ تباہ میں کوئی غم خوار بھی نہیں

حیاتؔ صاحبہ خوب خوب داد و تحسین پاکر جا رہی ہیں اور مشیرؔ صاحب مظفر نگر کے گوشہ نشین اور استاد شاعر نوحیؔ سے درخواست کلام کر رہے ہیں۔ قبلہ شاہد صاحب تبرکاً عطا کر رہے ہیں ؎

ہوس کو عشق سمجھا رہا ہے ٭ اجالوں کو اندھیرا کھا رہا ہے
ہزاروں مشعلیں جلتے ہوئے بھی ٭ نظر کیوں راستہ کم آ رہا ہے

قبلہ شاہد صاحب گلو خلاصی کر کے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور مشیرؔ صاحب نہایت پُر وقار انداز سے تازہ غزل عنایت کر رہے ہیں سنیئے ؎

جان پر بنتی رہی لیکن وفا کرتے رہے ٭ زندگی بھر زندگی کا قرض ادا کرتے رہے
حوصلہ مندوں نے بڑھ کر چھین لی تیغِ ستم ٭ پست ہمت سر جھکا کر التجا کرتے رہے

داد نے ایک ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ کئی بار دہرا کر عطا کر رہے ہیں ؎

زندگی کی نازبرداری کوئی آسان تھی ٭ موجِ تیز و تند کو موجِ صبا کرتے رہے
روزنِ زنداں سے دنیا کے مناظر دیکھ کر ٭ اپنی تنہائی پہ ہم شکرِ خدا کرتے رہے
ایک حلقہ ہر برس بڑھتا گیا زنجیر کا ٭ اور ہم آزاد ہونے کی دعا کرتے رہے

پھر داد نقطۂ عروج سے ہوا ہے اور آپ محفل کو گرما رہے ہیں ؎

ہو سکا پھر نہ آشفتہ مزاجی کا علاج ٭ پتھروں کو حسن دے کر ہم خدا کرتے رہے
اس سے بڑھ کر اور کیا حسنِ یقیں ہوگا مشیرؔ ٭ اس کی رحمت کے سہارے ہم خطا کرتے رہے

قبلہ مشیرؔ صاحب تالیوں کی جھنکار میں محفل کو لوٹ کر اپنی جگہ آکر مشہور مترنم شاعر شمیمؔ جے پوری کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ شمیمؔ صاحب یوں جوان ترنم سے غزل سرا ہیں ؎

صبا کہتا ہے میرا نام لے کر ٭ کب آؤ گے وہ صبح و شام لے کر
اٹھے ہیں اہلِ مستی جام لے کر ٭ جوابِ گردشِ ایّام لے کر

داد کا عالم نہ پوچھئے اور آپ بھی جھوم کر فرما رہے ہیں ؎

مجھے ہر منزلِ غم ہے گوارا ٭ گزر جاؤں گا تیرا نام لے کر
فروغِ عصیاں نہ جینے دیگا ساقی ٭ پلائے جا خدا کا نام لے کر
طوافِ بتکدہ کو جا رہا ہوں ٭ حرم سے جامۂ احرام لے کر
جو ساقی سے ملی واعظ کو دیدی ٭ مذاقِ تشنگی سے کام لے کر

شمیمؔ صاحب تالیوں کی جھنکار میں پلٹ رہے ہیں اور مشیرؔ صاحب درخواستِ کلام بلاغت نظام کر رہے ہیں محترم حکیم جوہرؔ وارثی قبلہ سے محترم جوہرؔ صاحب اس پیرانہ سالی میں جوان ترنم سے محفل کو گرمانے چلے ہیں ؎

دل بضد ہے کہ رہوں زلفِ پریشاں کے قریب ٭ سن لیا ہوگا وہ جلتے ہیں گریباں کے قریب

داد اس مطلع کا حق ہے لہٰذا داد کا ایک ریلا آیا ہے اور آپ کئی بار دہرا کر عطا کر رہے ہیں ؎

آج ایسو ہیں کچھ اس طرح ہواؤ کر بہار ٭ ہاتھ رک رک گئے جا جا کے گریباں کے قریب
ہوش رہتا تو ہر اک ذرہ پہ سجدہ کرتا ٭ دل ہی بس میں نہ رہا کوچۂ جاناں کے قریب
دل کو غم دیکے رہو پہلوئے دل میں تم بھی ٭ میزباں جچتا ہے ساتھ میں مہماں کے قریب

قبلہ جوہرؔ صاحب خوب خوب داد و تحسین پاکر کامراں لوٹ رہے ہیں اور مشیرؔ صاحب شانِ غزل فناؔ کانپوری کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ فناؔ صاحب محفل کا جائزہ لے کر غزل سرا ہیں ؎

دو گھونٹ کا اے ساقی الزام نہیں لونگا ٭ میں تشنہ لبی دے کر اک جام نہیں لونگا
اظہارِ تمنا میں توہینِ تمنا ہے ٭ تم خود ہی سمجھ جاؤ میں نام نہیں لونگا
اے اہلِ چمن رکھ لو یہ تحفۂ گل اپنا ٭ مجھ کو مرا حق دے دو انعام نہیں لونگا
بے ترشا ہوا پتھر کافی ہے پرستش کو ٭ پھینکے ہوئے کعبہ کے اصنام نہیں لونگا
میں راہ کے سایوں سے خیراتِ سکوں کیوں لوں ٭ منزل سے بھی مانگے کا آرام نہیں لونگا

قبلہ فناؔ صاحب محفل کو گرما کر تالیوں کی جھنکار میں مائک سے جدا ہوئے ہیں اور آپ کے ساتھ ہی اس کامیاب سلاجواب اور یادگاری مشاعرہ کا پہلا دور سوا دو بجے ختم ہو رہا ہے۔ دوسرا دور تقریباً ۴ بجے تک جاری رہا جو نہایت کامیابی سے چلا اور خوب خوب شعرا ہی کو نہیں محترم صدر صاحب کو بھی سنا گیا۔

اس مشاعرہ کے سلسلے میں جہاں ضلع کے وکلاء، ڈاکٹر صاحبان، اسلامیہ انٹر کالج کے اساتذہ کرام اور طلباء عزیز نے دلچسپی لی اور تعاون فرمایا وہاں جناب شاہد رضا ایڈوکیٹ کنوینر مشاعرہ تھا اور جناب نجم مظفر نگری نے اس مشاعرہ کو ہر ممکن طریقے سے شب و روز جد و جہد فرما کر کامیاب بنایا۔ لائقِ صد مبارکباد ہیں۔ انجمن فروغِ اردو کے ارکان کہ جن کی سعیٔ پیہم سے نمائش کے مشاعرہ کی طرح ایک اچھا اور شاندار مشاعرہ ضلع کے سامعین کو نصیب ہوا۔ اچھا خدا حافظ!

ٹونک کا ایک قدیم تاریخی مشاعرہ

از سید منظور الحسن برکاتی لکچرار
دار العلوم خلیلیہ ٹونک

یہ مشاعرہ آج سے سو سال پہلے منعقد ہوا تھا

(محرم ۱۲۹۰ھ)

یہ آج سے پورے ایک سو سال پہلے کی بات ہے۔ ٹونک کے چوتھے فرماں روا امین الدولہ نواب ابراہیم علی خاں خلیلؔ مرحوم کا عہدِ حکومت تھا۔ ریاست ٹونک کو قائم ہوئے ۵۶ برس اور نواب ابراہیم علی خاں کو حکمرانی کرتے ہوئے صرف چند برس گزرے تھے۔ ٹونک میں علم و فن اور شعر و ادب کی بہت سی مسندیں بچھی ہوئی تھیں۔ رام پور، دہلی، لکھنؤ اور دوسرے شہروں کے کثیر تعداد میں علمی ادبی خاندان یہاں کی قدردانی علم و ادب کا شہرہ سن کر یہاں آکر آباد ہو چکے تھے۔ اور خوش حالی و فارغ البالی کی زندگی گزار رہے تھے۔ نواب ابراہیم علی خاں ایک اولو العزم اور صاحبِ حشمت حکمراں ہونے کے ساتھ ساتھ پیشرو حکمرانوں کی طرح قدردانِ علم و فن تھے شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ خود بھی بڑے قادر الکلام شگفتہ بیان سخنور تھے خلیلؔ تخلص تھا۔ اسد لکھنویؒ۔ بسملؔ خیر آبادیؒ۔ مضطرؔ خیر آبادیؒ، اور ظہیرؔ و انورؔ دہلوی جیسے مشاہیر اساتذۂ سخن اُن کے دربار سے وابستہ تھے۔ بسملؔ خیر آبادی اسدؔ لکھنوی، اور مضطرؔ خیر آبادی کو مشیرِ سخن ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا رات دن شعر و سخن اور مشاعروں کی محفلیں گرم رہتی تھیں۔ نئی نئی اور سنگلاخ سے سنگلاخ زمینوں میں شعراء داد سخن دیتے تھے خود نواب صاحب کے درباری مشاعروں کیلئے شعرا کو مصرعہائے طرح دیئے جاتے تھے۔ اور دربار میں ہر ماہ کبھی پندرھویں روز بڑے اہتمام سے مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔

ٹونک میں اُردو کا ایک بڑا اچھا مطبع تھا۔ مولوی غالب علی خاں، منشی عبد الغفار خاں خوشنویس و منتظم مطبع کے مہتمم تھے۔ آئے دن کتابیں چھپتی رہتی تھیں اور بڑی صاف اور عمدہ طباعت ہوتی تھی، یہ مطبع "مطبع محمدی" کے نام سے موسوم تھا۔ نواب محمد علی خاں تیسرے حکمراں ریاست کے عہدِ حکومت میں ۱۸۶۱ء میں قائم ہوا تھا، مطبع نول کشور لکھنؤ سے خریدا گیا تھا۔

درباری مشاعروں میں شریک شعرا کا کلام "گلدستۂ بہار" کے نام سے ہر ماہ کتابی صورت میں شائع ہوتا رہتا تھا، منشی ممتاز علی جو خود صاحبِ دیوان اور قادر الکلام شاعر تھے وہ اس ماہنامہ کے مرتب تھے۔

نواب صاحب کے ذوقِ شعر و سخن کی وجہ ان کے خاندان اور شہر میں بھی شعر و شاعری کا چرچا تھا۔ درباری مشاعروں کے علاوہ نواب صاحب کے خاندان کے اربابِ اقتدار علم دوست اور شعر و ادب سے ذوق رکھنے والے رئیس زادوں کے یہاں بھی آئے دن محافلِ شعر و سخن اور مجالسِ شعر و ادب منعقد ہوا کرتی تھیں۔

صاحبزادہ عبد الکریم خاں ابنِ نواب امیر الدولہ اور ان کے فرزندان صاحبزادہ حامد خاں و محمد سعید خاں قدردانیٔ شعر و سخن میں دوسرے خاندان سے ممتاز تھے۔ عبد الکریم خاں شاعر بھی تھے اور فداؔ تخلص تھا اسی طرح محمد سعید خاں سعیدؔ تخلص رکھتے تھے۔ اس خاندان کو مجالسِ مشاعرہ کے انعقاد سے بڑی دلچسپی تھی۔ ہر ہفتہ مشاعرہ ہوتا تھا اور ہر مشاعرہ کے لئے دو دو مصرعہائے طرح دئے جاتے تھے۔

حسنِ اتفاق سے ان کے عہد کے کچھ طرحی مشاعروں کی غزلیں پرانے ذخیرے سے دستیاب ہوئی ہیں آج کی صحبت میں ان میں سے ایک مشاعرے کی طرحی غزلوں کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کرنے کی عزت حاصل کر رہے ہیں۔

یہ مشاعرہ آج سے پورے ایک سو پانچ سال پہلے، محرم الحرام ۱۲۹۰ھ منعقد ہوا تھا۔ وہ دور بڑا مہذب اور شائستہ دور تھا، اُس دور میں شاعروں کی محفلیں پورے آداب و احترام سے منعقد ہوتی تھیں۔ داد میں صرف سخن سنج، سخن شناس ہی حصہ لیتے تھے۔ داد دینے کا طریقہ اور انداز بھی بڑا مہذب اور سنجیدہ ہوتا تھا۔ مجالس میں ایسے لوگوں کو زیادہ تر مدعو کیا جاتا تھا شعرا سخن شناس سامعین کا اور سخن فہم سامعین، سخن گو شعرا کا ہر اعتبار سے پاس و لحاظ رکھتے تھے۔

یہ مشاعرہ بھی بڑے شائستہ انداز میں ہوا تھا اس میں جن شعرا نے طرحی غزلیں پڑھی تھیں ان کے اسما یہ ہیں۔

مرزا اشہبار آغا، غلام احمد خاں احمدیؔ۔ عبد الواحد خاں بر تمکین، بشیرؔ، مفلسؔ، صمصامؔ، پنڈت دیبی پرشاد حرکتؔ، پنڈت برہمچاری، گندھی زاہدؔ، رفتیؔ، محمد عبد الکریم خاں رخشاںؔ، عبد اللہ خاں قفسؔ، سید غلام حسین سیدؔ، سید محمد عثمان شائقؔ، شوقؔ، مولانا غضنفر علی خاں غضنفرؔ،

فائق۔ خاں بہادر خاں عاجز۔ علی مردان۔

مصرعہائے طرح تھے (۱) رہیں نالے نہ کیوں جاری مری اس چشمِ پرنم سے
(۲) بجائے نور ہے آتش عیاں ماہِ محرم سے

ذیل میں اس مشاعرہ کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے ہر شاعر کا ایک مطلع اور مقطع درج ہے اس انتخاب سے مقصد یہ ہے کہ اس دور کا رنگ شاعری سامنے آئے اور ان شعرا کا نام اور کلام تاریخ میں محفوظ رہ جائے۔

---

(۱) مرزا شہباز بیگ آغا

محبِ مصطفےٰ کو حضرتِ شبیر کے غم سے ؛ بجائے نور ہے آتش عیاں ماہِ محرم سے
سراپا صورتِ غم ہوں الٰہی کس کے ماتم سے ؛ کہ روزِ عید فرماں ہے سوا ماہِ محرم سے
ہمارا سینہ وہ آتشکدہ ہے جس سے اے آغاؔ ؛ ہمیشہ الحذر کہتی یہاں نارِ جہنم سے

(۲) غلام احمد خاں احمدیؔ

وہ کب مفلس ہے جو جلتا ہے نارِ الفتِ غم سے ؛ کہ ہرگز داغِ سودا کم نہیں دینار و درہم سے
دماغِ سادہ رُویاں میں تعلّی بڑھتی جاتی ہے ؛ خوشامد ہو نہیں سکتی زیادہ احمدیؔ ہم سے

(۳) اُمّیؔ

ہے ہم سے غم غلط غم کا ہمارا غم غلط غم سے ؛ عجب ہی الٹا پیدا ہوا ہے غم سے اور ہم سے
محبت آل کی کہتے ہیں جن کو کام ہے اُمّیؔ ؛ شفیع المذنبین پاک صلی اللہ وسلم سے

(۴) بشیرؔ

نہائی ہے شفق خونِ جگر میں کس کے ماتم سے ؛ عزا برپا کیا ہے کیوں ماہِ محرم سے
بشیرؔ اب چپ رہو اپنا کلیجہ منہ کو آتا ہے ؛ سنا تک بھی نہیں جاتا غمِ آلِ عبا ہم سے

(۵) عبدالواحد خاں برجیسؔ

تم کیا تیری سنتے ہیں شکایت جن و آدم سے ؛ نہیں چھوڑا کسی کو تو نے خالی درد و غم سے
ہوا ہے قتل بے باعث کوئی تو جس کے ماتم سے ؛ بجائے نور ہے آتش عیاں ماہِ محرم سے
دکھا دے کیوں نہ جوہر چشم برجیسؔ اہلِ عالم میں ؛ کہ اوس کی موت آنکھوں کی ملی ہیں چشمِ پرنم سے

(۶)۔ حریقؔ۔ ان کا نام پنڈت دیبی پرشاد تھا۔ یہ اردو فارسی میں اچھی استعداد رکھتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف بھی۔ ان کے دادا بانی ریاست نواب امیر الدولہ کے ساتھ زمانۂ جنگ سے وابستہ تھے۔ ان کے دادا کے خسر بخشی دولت رائے نواب صاحب کے میر منشی لشکر تھے۔ ان کے والد منشی چھمن لال تھے۔ جو نواب زادہ عبدالکریم خاں کی سرکار میں منشی و کامدار تھے حریقؔ کو بچپن ہی سے شعر و شاعری سے ذوق تھا۔ انھوں نے پہلی غزل نواب زادہ احمد علی خاں رونقؔ کے یہاں پڑھی تھی۔ مصرع طرح تھا ع

کچھ بنی بن آتی نہیں کیا کیجئے

حریقؔ نے صاحبزادہ صاحب کی تجویز پر "حریق تخلص" اختیار کیا تھا بعد میں اپنے والد کے کہنے سے "بشاش" اختیار کیا۔ یہ دونوں تخلص ان کو پسند تھے۔ اور دونوں ہی میں شعر کہا کرتے تھے۔

ہوں نگے مبتلائے عشق دنیا میں کوئی ہم سے ؛ ہمارا بال بال الجھا ہوا ہے زلفِ پُرخم سے
جہاں میں ربط ہے غم کو ہمیں سے اور ہمیں غم سے ؛ کہ ماہِ عید بھی ہم کو نہیں ہے کم محرم سے
جلو لب خاک ڈالو آتشِ دل پر حریقؔ اب تو ؛ جلا جاتا ہے عالم اب تمہارے آتشیں دم سے

(۷) محمد عبدالحکیم رخشاں

بہے ہیں کتنے دریا رفتہ رفتہ چشمِ پرنم سے ؛ کئی ناسور سینے میں کئے اپنے سوزِ غم سے
رواں ہے جب تلک تن میں رخشاںؔ کی تمنا ہے ؛ ولیکن نہ آیا داں لب ہے حسینؑ کے غم سے

(۸) زاہدؔ۔ پنڈت برہمچاری پرم کند جی سکینہ ۱۸۷۳ء میں ٹونک تشریف لائے اور صاحبزادہ حامد خاں صاحب مرحوم کی ادب پرور سرکار سے وابستہ ہو گئے اس دور کے سب ہی مشاعروں میں شریک ہوتے تھے اور طرح میں غزلیں پڑھا کرتے تھے۔

عنادل گریہ سے فکر ہوں یا اور حشر کے غم سے ؛ ہے امید شفاعت سرورِ اولادِ آدم سے
کہے مگر ورد اس رشکِ قمر کے نام کو زاہدؔ ؛ بنیں شمس و قمر دونوں حبیبی تسبیح کے شمسے

(۹)۔ سیدؔ۔ سید غلام حسین چابک سوار تھے۔

شہیدانِ بلا کا خون چمکا جوشِ ماتم سے ؛ بجائے نور ہے آتش عیاں ماہِ محرم سے
وہ اپنا پیشوا ہے کہہ کے اے سیدؔ سکیں ؛ جسے بخشا خدا نے فخر ابراہیم و آدم سے

(۱۰) سید محمد عثمان مشتاقؔ۔ سید نور الہدیٰ بخشی ریاست کے فرزند تھے۔ ابتدا نائب بخشی کے عہدہ پر فائز ہوئے والد کے انتقال کے بعد بخشی ریاست مقرر ہوئے۔ مجاہدِ اعظم حضرت سید احمد شہیدؒ سے نسبی و خاندانی تعلق تھا۔

بیاں لطفِ وصالِ یار کیونکر ہو سکے ہم سے ؛ شبِ خلوت کا پوچھے حال کوئی مشکل ہم سے

یہ جب شانِ شیدا افق سے ابھر نکلا ہے ÷ اٹھا کر جس گھڑی پردے سے نکلی وہ پری پیکر تو ہم

(۱۱) شوق ۔ لالہ جیون رام ولد تن سکھ رائے نام تھا۔

خفا جانے مکدر ہو گئے بے وجہ کیوں ہم سے ÷ بگڑ کر منہ بناتے ہیں بگڑتے ہیں یہ ہم سے ہم سے
پڑا عکس مے جسدم کو بید مدام چاتاں پر ÷ کہیں فرزوں نہ ہوئے وہ حسن میں کہیں شوق نیم

(۱۲) صمصام

حقیقت تو یہ ہے گر پوچھتے ہو ہمدم ÷ خوشی اچھی نہیں معلوم ہوتی یار کے غم سے
وہی ان خوب بیچے جب یہ لقاکچہ آپ سے ہم ÷ نہ غم آگاہ تھا ہم سے نہ ہم آگاہ تھے غم سے
شہ کونین سے ہے عرض یہ صمصام عاجز کی ÷ نجات عاصی کو ہو عقبیٰ سے اور نار جہنم سے

(۱۳) علی مردان خاں

یہ امید شفاعت ہم کو ایک ایسے معظم سے ÷ ہوئے ہیں دو جہاں پیدا جس کے فیضِ مقدم سے
جو شن لیوے علی مردان تم پیلے و شال اپنا ÷ ترن بے حال میں جان آجائے مجنوں کی کے غم سے

(۱۴) غضنفر

مولانا غضنفر علی خاں نام، علامہ تحف علی خاں ہجروی کے فرزند، خود بھی فارسی و عربی کے بڑے عالم اور دوسری زبانوں پر قادر، عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کیا کرتے تھے ان کے فرزند مولانا نظیر حسن سخا اور مولانا امیر حسن سُہا بھی ماہرِ فن شاعر اور عربی فارسی کے عالم تھے۔

سلامی طاقتا ہے میرا آتش غم سے ÷ بجائے نورِ آتش ہے عیاں ماہِ محرم سے
بروزِ حشر کہ اللہ اکبر ایک اس فرد کا میں بھی ÷ غضنفر کا خدا ہے صاحب بیت معظم سے

(۱۵) فائق

قدم زینہ پہ رکھا آپ نے جب عرشِ اعظم سے ÷ فرشتوں نے پئے دھو دھو کے پاؤں آپ کے زمزم سے
جو کوئی چاہے فائق سلطنت میں منصبِ اعلیٰ ÷ تو سیکھے ترک لذت حضرتِ ابراہیم ادہم سے

(۱۶) فرقتی

خدا جانے فلک روتا ہے کس کی آج ماتم سے ÷ کہ گریاں دیدۂ انجم ہے پیہم اشکِ شبنم سے
کرو اے فرقتی در پر اسی کے جبہ فرسائی ÷ بامیدِ شفاعت جس کے تم بیٹھے ہو بے غم سے

(۱۷) ققنس

عبد اللہ خاں نام تھا، مزاحیہ شاعری کرتے تھے۔ صاحبزادہ حامد خاں کی سرکار سے وابستہ تھے۔ اُن کے قدما میں شمار ہوتا تھا۔

مریضِ عشق ہیں اچھے نہ ہونگے ابنِ مریم سے ÷ مزاج اپنا مکدر ہے نہ سودا ہے نہ بلغم سے
ہوائے گلشنِ عالم بدلی ہے کہ اے ققنس ÷ بجائے سرو قمری کو ہوا ہے عشق شبنم سے

(۱۸) عاجز

رہیں نالے نہ کیوں جاری مری اس چشم پرنم سے ÷ بجائے نورِ آتش ہے عیاں ماہِ محرم سے
ہو عاجز دیدیا تُو نے برا و یار سر اپنا ÷ فنا ہو خاک ہو کر نہ کر تو ذرہ تجسم سے

---

(۱۹) کلامی

مولانا عبد الرزاق کلامی بڑے قادر الکلام شاعر عربی، فارسی کے عالم، مصنف صمصام الاسلام (ترجمہ منظوم فتوح الشام امام واقدی) کلامی نے بڑی قادر الکلامی اور جوش و جذبۂ دلی کے ساتھ عربی فتوح الشام کو پچیس ہزار شعروں میں اُردو میں نظم کیا یہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہمشیر زادہ منشی سید حمید الدین کے پوتے اور ان کے حقیقی بھائی سید عبد الرحمٰن کے نواسے تھے۔ والد کا نام محمد سعید تھا۔ شاعری میں مولوی الٰہی بخش نازش سے تلمیذ تھے۔

مطلع نہیں پڑھا گیا اس لئے چھوڑ دیا گیا۔

نہیں کہتے کبھی ہم شعر جب سے ایسے کہتے ہیں ÷ مخالف سے کوئی کہہ سکے وہ فن سیکھ لے ہم سے
وہ طوفاں ہو حبابوں کی طرح تیریں فلک اُس پر ÷ کلامی گر بہیں آنسو ہماری چشم پرنم سے

(۲۰) مُفلسؔ

ہوا خورشید جل کر آگ کا شعلہ نہ سے ÷ بجائے نور ہے آتش عیاں ماہِ محرم سے
خداوندا مٹا نام و نشاں ظالم کا دنیا سے ÷ اُڑا دے ظالموں کو ایکدم میں توپ اور بم سے

نوٹ :۔ ان میں سے جن شعرا کے حالات دستیاب ہو گئے ان کا مختصر تعارف درج کر دیا گیا ہے۔ بقیہ کے حالات کی تحقیق و تلاش جاری ہے۔

۱۸ جنوری ۱۹۷۶ء ۱۵ محرم ۱۳۹۶ھ

سید منظور الحسن برکاتی

لکچرار دار العلوم خلیلیہ ٹونک

عظیم صدیقی

ہر غلط کو صحیح کہتے ہیں

دوسری قسط

رسالہ المعجم فی اشعار العجم میں لکھا ہے ۔ صحت زبان یا درستی
[illegible] کے لئے اساتذہ سلف نے دس عیب جائز رکھے ہیں ۔
(۱) وصل (۲) قطع (۳) تخفیف (۴) تشدید (۵) قصر
(۶) مد (۷) اسکان (۸) تحریک (۹) منع صرف (۱۰) [illegible]
تسلیم کرتے ہوئے کہ ہم صحیح سے گریز کر رہے ہیں ۔ ان جواز کو عدول از [illegible]
[illegible] تحت پیش کیا ہے ۔ اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیا ہے [illegible]
مختصر مثالیں پیش کرتا ہوں (۱) وصل اصل لفظ میں کوئی حرف بڑھا
لیا ۔ مثلاً

رنگ رنگ میں الف بڑھا کر ۔ رنگا رنگ بنا لیا
" " " ب " رنگ برنگ "
[illegible] " الف " جنجال "
[illegible] " " " نعالع "
[illegible] " " " [illegible] "
[illegible] " " " [illegible] "
[illegible] " " " [illegible] "
[illegible] " ی " پایان "
[illegible] " " " زینہار "
[illegible] " " " [illegible] "
[illegible] " [illegible]
[illegible] " [illegible]
[illegible] " [illegible]
[illegible]
رشتہ رنگ وغیرہ [illegible] [illegible]

[illegible] ایک دھواں [illegible]
[illegible] گھر سے [illegible] نکلا — [illegible] عظیم آبادی

عشق یک بار کے دیکھ لیا
قلطی یار یا [illegible] — پروانہ

تحریر تاریخ [illegible] وقت وداع
ہو مکمل دعا کا [illegible] مصرع — [illegible]

[illegible] وصل [illegible] ملاحظہ ہوں ۔

آتشہ میں [illegible] بڑھا کر آتش [illegible] بنا لیا
پروا " " " پرواہ "
کلاس " " گلاس "

آتش ہو گا [illegible] پھر [illegible] گا
چند روز [illegible] یہ کالی دنیا
اپنے گلاس [illegible] کرنے کے حاضر
[illegible]
[illegible] کوئی حرف کم کر دینا
[illegible] کم کر کے [illegible] بنا لیا
ام غیلان " " تشدید میم کم کر کے مغیلاں بنا لیا
دختر رز " " کم کر کے دخت رز بنا لیا
آب خور " " " آبخورہ بنایا
[illegible] " الف [illegible] "
ابوبکر " " " بوبکر "
[illegible] " " " [illegible] "
[illegible] " " " [illegible] "
[illegible] " الف و [illegible] کم کر کے [illegible] بنایا
[illegible] " " " [illegible] "
[illegible] " " " [illegible] "
[illegible] " الف " پیمبر "
[illegible] " ب " پشتارہ "
[illegible] " ت " دبستان "

تابار	سے	الف	کم کرکے	تبار	بنایا
نیش تر	″	ے	″	نشتر	″
کاہکشاں	″	الف	″	کہکشاں	″
کاہربا	″	ہ	″	کہربا	″
افسوں	″	″	″	فسوں	″
افسردہ	″	″	″	فسردہ	″
خارور	″	ر	″	خاور	″
دادور	″	د	″	داور	″
ازدحام	″	د	″	ازحام	″
آب زقہ	″	ا	″	آبزقہ	″
[illegible]	″	[illegible]	″	گہر	″
پیغام	″	غ	″	پیام	″
بوستاں	″	و	″	بستاں	″
واژگوں	″	گ	″	واژوں	″
ہوشیار	″	و	″	ہشیار	″
شورآبہ	″	آ	″	شوربہ	″
مورچھال	″	الف	″	مورچل	″
سیاہ	″	الف	″	سیہ	″
پیکر	″	ر	″	پیک	″

اب چند مثالیں قطع معیوب کی دیکھئے

دستخط	سے	ت	کم کرکے	دسخط	بنایا
مہاراج	″	الف	″	مہراج	″
دیوانہ	″	ی	″	دوانہ	″
بیچارہ	″	ے	″	بچارہ	″
شاہجہاں	″	الف	″	شہجہاں	″
کوتوال	″	و	″	کتوال	″
دیوتا	″	ی	″	دوتا	″

یہ عرضیاں حضور کی پہنچیں ہیں صبح و شام
دسخط جو ہو کے آئے کوئی سوا ای کا نام

اک خطاب لوٹے سپہ سالار علی جاہ کو ∴ ...شاہ... کی الفت جس سے
دشمنوں سے شیری کا ہم ہم کہے یوں کہنے لگا ∴ ...لنکو بھی یا رب تو نے انساں کر
داغ ہے تاباں علیہ الرحمۃ کا چھاتی پر تیر ∴ جو خواب اطو سے لاہم سے کبھی تھا آشنا
شہجہانی پادشہ بیگم ہیں ∴ قمر ∴ سو ہے یہی آہ جو قید فرش فلک پر
کس طرح شہر کا ہو یہ ملک ∴ شیدی کا فورسا جو ہو کتوال

یوں ہی۔ قمر بی کو ...ہیں بھی کہتیں۔ بولنا فصیح ہے۔ لیکن آپ ہی آپی یا آپی لکھنا غلط ہے۔

(۳) تخفیف۔ کسی لفظ کے حرف مشدد کو مخفف کرنا۔ عربی میں جو دو حرفی لفظ مشدد الآخر ہوتا ہے۔ وہ اردو اور فارسی میں بحالت انفراد بغیر تشدید ہو جاتا ہے اور اضافت کی حالت میں دونوں طرح دیکھا گیا ہے ؎

چارہ گر تدبیر دردِ عشق پیچھے سوچنا
خطِ رد تو پہلے بالائے خطِ تقدیر کھینچ		امیر مینائی

شعر میں لفظِ خط مشدد و مخفف دونوں طرح آیا ہے لیکن فصحا بغیر تشدید لکھتے ہیں۔

برِّ اعظم اور حجِّ اکبر میں تخفیف ناجائز ہے۔ لیکن بحر و بر اور بڑے حج میں تشدید ناجائز ہے۔

ع ہند اس طرح برِّ اعظم ہے
ع بحر و بر پر جو راج کرتے ہیں

ضدّ، حدّ، صفّ، حلّ، مدّ، حقّ عربی میں مشدد ہیں۔ اردو میں فصحا مخفف استعمال کرتے ہیں ؎

وہ بڑھ گئی اب حد سے چراغِ شبِ غم کی
اُ جنبش دامن سے بڑھ جانے کے لئے آ		سحر عشق آبادی

حد ہستی بہت کچھ نیستی سے کھینچ لایا ہوں
بلا دو لنگا میں اک دن دیکھنا منزل کو منزل سے		صفی لکھنوی

نظّارہ اور نظارہ فصحا دونوں طرح لکھتے ہیں ؎

کیا وہی جلوہ تھا اُس کا جو نظر آیا تمھیں ؟
کیا یہی آنکھیں تھیں جن سے ہم نے نظّارہ کیا		سحر عشق آبادی

ع ہم اُن حسین نظاروں کو پیار کرتے ہیں		″

لیکن کیفیّت۔ نشّہ۔ کفّارہ بغیر تشدید ناجائز ہیں

اپنی فرحت کے دن اے یار چلے آتے ہیں
کیفیّت پر گل و گلزار چلے آتے ہیں

شراب غنچۂ گل سے صبا ہی مست نہیں
نشے میں لیتی ہے ہر شاخ سبز انگڑائی

بتا ساقی کفارہ کیا ہے کیش مے پرستی میں
قسم پیر مغاں کی جھوٹ کھا سکتا ہوں مستی میں

(۴) تشدید :- حرف مخفف کو مشدد کر دینا مثلاً۔ تیہ۔ زرّیں، اُلفت، رکھتے وغیرہ۔ زر فارسی ہے۔ لیکن زرّین کی رہ مشدد مستعمل ہے۔ ع

ترے کا ذرّیں بہاریں لوٹتی ہیں قاصدوں کے دامن پر

لیکن کتاں کو کتّاں، سن وطن کو سن وطن [illegible] غیرہ کو غیّرہ۔ دسو کو دسّو۔ ندی کو ندّی۔ ردی کو ردّی لکھنا غلط ہے

ایک ہی جلوۂ مہر میں ہوا سو ٹکڑے
جامۂ صبر جسے کہتے ہیں کتّاں ہوتا

سخی کوتاہ دار العلم ہو ہوں قوم کے نازاں
جو اکر اس کا ایک ملک در مکنون ہے و گن کیش

اگرچہ وہ بے فکر و غسور ہے
ولے پرورش سب کی [illegible] ہے

دسّو کو پیار کرکے [illegible] گیا
آیا [illegible] تھا

اس طرح چھایا ہے حسن تیرہ و شام
ندّی لبن پہ کھنچ گئی تصویر شام

صنوبا ہیں جو رکھتے ہیں در عزّو قدر پہ
ابجد کا قفل قاعدۂ ابّ و جد سے ہیں

اُب (بمعنی باپ) عربی ہے اور اس لفظ کا دوسرا حرف مشدد نہیں اور شاعر نے غلط لکھا ہے ابّ جد (باپ دادا) شاعر غلط سمجھا کہ ب کی ب مشدد ہے۔

(۵) قصر :- الف ممدودہ کو مقصورہ بنانا۔ مثلاً

تہ آور کو تناور، دل آور کو دلاور، دست آور کو دستاور، گل آب کو گلاب، حُب آب کو حباب، شر آب کو شراب، مرغ آبی کو مرغابی، ام چور کو امچور وغیرہ

بس آشنا فقط ہے ذات و صفات میں باہم
ہو باد و مہر میں یا باد حباب میں ہے

اسی طرح آب نورد کو ابنورد۔ جلے آباں کو جیلاں ہی آنتہ کو بیاند

آب بر کو ابر۔ لیکن آفتابہ کو افتابہ۔ آتمہ کو اتمہ۔ قرآن کو قران نظم کرنا صحیح نہیں ہے

کہا اس نے کہ بھر کے آفتابا ٭ مجھ کی جا شوروم میں لکھا
اٹھ پھر اضطراب دوا ہے ٭ ملے ہے یاں کہ مرغ بسمل

ع گر آوے شیخ پیمن کے جامہ قران کا

(۶) مد :- الف مقصورہ کو ممدودہ کرنا مثلاً

اہرمن۔ آہرمن دونوں طرح جائز ہے۔ لیکن ابریشم آب ریشم یا ارافی کو آرافی۔ اساس کو آساس کہنا غلط ہے۔ اسی طرح انگریزی کو آنگریزی کہنا صحیح نہیں ہے

[illegible] فارسی [illegible] انگریزی و اردو
عروض و قافیہ [illegible] باہر

فارسی میں آچار اور اردو میں اچار دونوں [illegible]

میرے دل و سینے پر [illegible] کہا ٭ [illegible] پار دونوں کو
پھاول بے لگے [illegible]

(۷) اسکان :- [illegible]

گنہگار کو گنہگار [illegible] صاحب دل کو [illegible] جائز ہے۔ لیکن نظریں کو نظریں [illegible]

جلوہ دکھا کر وہ چھپے ہیں جہاں
سو نظریں سو نظریں ہیں وہاں
(مفتعلن مفتعلن فاعلن)

[illegible]
[illegible]

لیکن قسمیں، بمعنی سوگند، صدقہ۔ عقلمند۔ ارنی۔ زحمت [illegible] حرکت۔ شعرا۔ فقراء کے متحرک حرفوں کو ساکن کرنا غلط ہے۔ مثلاً

مجھ کو سوگند اپنے گھر بھر کی ٭ جھوٹی [illegible]
رنج مہر و مہ اس نے نمایاں کیا ٭ کہاں وہ جیسے کو حیراں کیا
داغ کھل اُن سے اپنے [illegible] ٭ بزم قمر کے [illegible]
اب تو اللہ کرو [illegible] ٭ [illegible]

[illegible]
گر آوے شیخ پیمن کے جامہ قران کا

پیمن کی [illegible] ہے میر صاحب نے ساکن [illegible]

اس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوتے
گر ہم سبک حرکت قابل سے ہوتے

کیا ان میں وہ آنسو جو آنکھوں سے نکلیں
نکلے برستے ٹکڑے اب دل کے کٹ کر

لفظ برستے کی رشتوں سے جانا چاہیئے۔ شعر میں ساکن غلط استعمال کی ہے۔

(۷) تحریک: حرف ساکن کو متحرک کرنا۔ مثلاً طرف کو طرح دو ذیلی حرف جانا ہے۔

بہر بار یہ منشا کس اور ذرا کا اجتناب
کس طرح بتاؤں اپنے دل کو میں پریشاں ہے — سحر عشق آبادی

ہر طرف ہیں تو آپ ہی جہان کے مالک
یہ یاد رہے پھر کوئی مرنے نہ اٹھے گا — عزیز لکھنوی

لیکن یہ دو مصرعوں میں طرف کے حرف دوم کو متحرک نظم کرنا یا بولنا صحیح نہیں ہے

شرط صحیح ہے کہ کا رہنے دیکھو اس کو
ذبح سے پہلے قضا سے نہ ڈرا دو اس کو

تو تو کہتا تھا نہیں تجھ بن مجھے آرام نہیں
اب جدائی میں مری کیوں نکر صبر پیدا ہو

بسم اللہ لکھ کے لغت کا اس پر کب حضر
بعد از خدا بزرگ تو ئی قصہ مختصر

قرض دار کی سنتا نہ وہ کہیں
وہ بہرا نہیں پھر بھی سنتا نہیں

میں عصمت سے بیس کرتا ہوں
عمر میری ہے ساڑھے بارہ برس

(۸) منع صرف: قاعدہ صرف کے خلاف لفظ گھڑنا۔ دو مصدروں میں تو قاعدہ صرف کے خلاف عام تغیر ہو گیا ہے۔ کرنا اور جانا میں۔

کرنا مصدر سے کرا امر ہوا۔ اس کی ماضی کرا ہونا چاہیئے تھی لیکن فصحا نے حالت تذکیر کیا اور بحالت تانیث کی اور صورت جمع مذکر کئے اور بصورت جمع مونث کیں بولتے اور نظم کرتے ہیں مثلاً

طور پر موسیٰ پہ کیا تھا تماشا کیا

آپ بھی رسوا ہوئے اس کو بھی رسوا کیا — سحر عشق آبادی

زباں زد ہے حقیقت طور کی اور ابن عمراں کی
ہمارا شکر کیا ہو گا اگر اس نے بھی ہاں کی — سحر عشق آبادی

جانا مصدر سے جا امر ہوا اور ماضی بھی لیکن فصحا گیا۔ گئی۔ گئے۔ گئیں بولتے ہیں اور یہی فصیح ہے ع

دل گیا۔ جان گئی پھر بھی امیدیں نہ گئیں

اس کے علاوہ مصدر عام مذکر ہے۔ اس لئے یائے معروف سے بدلنا قواعد صرف کے خلاف ہے لیکن اہل دہلی روٹی کھانا تھی کی جگہ روٹی کھانی تھی بولتے ہیں۔ کہنا مصدر (متعدی) ہے لوگوں نے اس کا متعدی بہ دو مفعول سے خلاف قاعدہ صرف کہنا بنا لیا۔ مگر فصحا کہوانا بولتے ہیں کہ صحیح ہے۔ دوسری بات یہ کہ اسے متعدی بہوں کے معنی پر بولتے ہیں مثلاً وہ جو نواب نواب کہلاتے ہیں۔ یہ کہلاتے بالکل غلط ہے۔ اس طرح بولنا چاہیئے وہ جو نواب نواب کہے جاتے ہیں۔ غلط مثال دیکھئے

وہ جو کہلاتے ہیں جمال جمال
دیکھا ہے ہیں انہیں کا کمال

بیگمات ظفر ہی کیا روئیں
روتی پھرتی رہی رعایا بھی

رعیت کی جمع رعایا ہے لیکن اردو میں واحد استعمال کی جاتی ہے۔ اس طرح حور جمع ہے حوراء کی لیکن ادبا بطور واحد لکھتے اور بولتے ہیں۔

دل کیوں مچل نہ جائے وہ حور کا سا جلوا
کچھ شوخ بھی تو ہے فطرت نے خود نوارا

اب کچھ غلط مثالیں دیکھئے

جب نظر میر کی صورت آئی
میں نے سمجھا کہ قیامت آئی

سمجھنا فعل لازم ہے۔ یہاں علامت فاعل "نے" غیر ضروری ہے وغیرہ

جو خوبیاں کہ چاہیں وہ سب حصول تھیں

یہاں حاصل کی جگہ حصول خلاف قاعدہ ہے اسی طرح دفعی کی جگہ دفع کرنا

کنڈلی تلے دیکھ ہوئے کاٹا نہ ہنس تیرا برا ہو
ہزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے
ہمارے عندیہ میں تو ہے خبیث و پلیت

عندی کی جگہ عندیہ اور پلید کی پلیت غلط ہیں۔

زبان کاٹیں مری یا مجھے اسیر کریں
مرے خیال کو بیڑی پہنا نہیں سکتے

خدا کسی کو بھی یہ خواب بد نہ دکھلائے
قفس کے سامنے جلتا آشیاں اپنا

دکھلائے تو قواعد عربی سے درست نہیں [illegible] ہے۔

اور وہ میں [illegible] بھی نور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

[illegible] کی جگہ [illegible] ہونا چاہیے۔

قبضہ کئے ٹھہرا ہے پہ رہت سایہ یزداں
اہرمن کی [illegible] سایہ قیصر

وکٹوریہ کے لئے [illegible] چاہئے تھا قیصر غلط ہے

[illegible] مرداں [illegible]
[illegible] فرعون [illegible]

دھرتے سر کو ترا تو یہ حیران دیکھا
تفکر کے عالم میں غلطاں دیکھا

فرعون انجیر [illegible] غلط [illegible]

آئے دے وقت [illegible] مجھے [illegible]
ٹھیرتا ہے سر [illegible] کوئی [illegible]

[illegible] کی جگہ اغیار [illegible] اغیار [illegible] اور لفظ [illegible]
درست ہے۔ [illegible] احتراز چاہیئے۔

منع [illegible] قواعد نحو کے خلاف لکھنا

یگانے کی نہیں [illegible] کوئی بات [illegible] اگر [illegible]
شب [illegible]

عقیدت کا [illegible] شریعت کا [illegible]
طریقت [illegible] حقیقت کا [illegible]

عقیدت کا خضر یا طریق [illegible] چار [illegible]
مراسر قواعد نحو کے خلاف ہے۔

بزم [illegible] طیش تمنا [illegible] رنگ
[illegible] دام [illegible]

بزم قدح [illegible] کان [illegible]

[illegible]

تمنائے [illegible] یہی شیخ [illegible]

[illegible]
پیاسے ہیں [illegible] خنجر نہیں [illegible]

آب خنجر دم خنجر صحیح ہے [illegible] دم خنجر غلط ہے۔

داستانیں نگاہوں کی [illegible] اپنی حسرت [illegible]
[illegible]

[illegible] توجہ [illegible] بات [illegible]

غلط [illegible] غلطی [illegible] اس [illegible] فت
دی۔ اس سے اچھی [illegible]

[illegible] ایک بیاض اور [illegible] پہلا شعر [illegible]
تمہاری [illegible] کا ہے [illegible]
سوائے اس کے نہیں [illegible] کوئی بھی [illegible] کا
سوا [illegible] کے اور [illegible] کی اضافت [illegible] ہیں۔

ہم [illegible]
[illegible]

اشاش فارسی ہے [illegible] ہے اس کو اضافت دینا غلط ہے۔

[illegible] مقابل پائی
[illegible] دمِ بسمل پائی

دم قتل کی جگہ دم بسمل [illegible] ہے
زبردست [illegible]

[illegible]

مالک [illegible] اضافت کم کرنا بھی [illegible]

پیدا کیا [illegible]
[illegible]

[illegible] غلط اضافت ہے [illegible] صحیح ہے [illegible]
اور سابق [illegible] صحیح [illegible]
[illegible] خیال [illegible] کی
پر کچھ روشنی ڈالوں [illegible]

[illegible]

نگار۔ ایم۔ اے

چِتا

رات کی تاریکی چاروں طرف پھیل چکی تھی ہر طرف خاموشی کا عالم تھا۔ وہ پوری بستی غریبوں کی ہی معلوم ہوتی تھی غربت بھی تو ایسا ہی ہے جو انسان کو تنہائیوں کے غاروں میں دھکیلتا چلا جاتا ہے۔ [illegible] اندھیرے میں ڈوبی وہ سیاہ رات تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی کتے کے بھونکنے کی آواز فضا کو چیرتی چلی جاتی اور پھر وہی سناٹا چھا جاتا۔

کچی زمین پر کچی دیواریں ان پر پڑی گھاس پھوس اور چھپر کی چھتیں نہ جانے کتنے غریبوں کو اپنے سائے میں چھپائے ہوئے تھیں۔ [illegible] کسی کی مدھم سسکی نے [illegible] میں درد گھول دیا۔ دور بہت دور ایک جھونپڑی میں میلے کچیلے کپڑوں میں بیٹھی گھٹنوں پر سر رکھے [illegible] ہلکی ہلکی سسکیاں لے رہی تھی آنسو اس کے گالوں پر جم سے رہے تھے جو چراغ کی مدھم سی روشنی میں موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ دھیرے دھیرے سسکیاں بلند ہوتی گئیں۔

پا۔۔۔۔۔ پا۔۔۔۔۔ پا لی۔۔۔۔۔۔

کسی کی ہچکیاں [illegible] کی مدھم [illegible]

افسردہ چہرے [illegible]

میرا پیارا زندگی [illegible]

غلط [illegible]

جیسے [illegible] ہوا اور پھر سیاہ رات [illegible]

[illegible]

[illegible]

ایک ڈبیہ نکال لائی اور کھول کر زمین پر الٹ دی۔ پیسے ادھر ادھر بکھر گئے۔ دس پیسے تیس پیسے تیس چالیس پچاس۔ ایک روپیہ۔ دو روپیہ۔ تین۔ چار۔ چار نہیں پورے چار روپیوں کو ہتھیلیوں میں لیکر خوش خوش ماں۔ او ماں۔ ارے [illegible] اس نے دونوں ہاتھوں سے ماں کو پکڑ کر ہلایا [illegible] [illegible] دیکھ کتنے سارے پیسے [illegible] [illegible] [illegible] ابھی سو جا [illegible] پیسے [illegible] [illegible] اور ماں [illegible] [illegible] آنکھوں [illegible] [illegible] اپنے [illegible] سے نکالیا۔

کیا؟؟۔۔۔۔۔۔۔ بولنے دس روپیہ؟؟۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] روپیہ [illegible] بجلی نے پھر [illegible] دس روپیہ ہاں ہاں پورے [illegible] روپیہ [illegible] کا نداز [illegible] ہوئے کہا اور دوا وُں کا بنڈل اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ [illegible]۔۔۔۔۔۔ لیکن میرے پاس تو اتنے روپے نہیں۔ دکاندار نے بڑبڑاتے ہوئے ایک ہی جھٹکے میں بجلی کے ہاتھ سے [illegible] بنڈل [illegible] ایک طرف پھینک دیا۔

بجلی کی آنکھیں پُر نم ہو گئیں۔ وہ تھکے تھکے پاؤں سے ہارے ہوئے جواری کی طرح واپس چل پڑی۔

دن بھر بستی میں ماری ماری پھری کہ شاید کوئی مدد کرے شاید کوئی اُدھار ہی دیدے۔ مگر کوئی کام نہ بنا [illegible] [illegible] ہوتی جا رہی تھی۔ پیسے [illegible] کر کے بجلی نے ماں کو تھوڑا سا دودھ پلایا۔ اور باقی پیسے بچا کر رکھ لئے۔ یہ سوچ کر کہ پھر ماں کے کام آئیں گے۔ خود بھوکی ہی لیٹ رہی۔ اچانک اسے شومی یاد آ گئی۔ شومو اس بستی [illegible] تھا۔ بجلی کی جوانی پر دل و جان سے فدا تھا۔ حقیقت میں بجلی بھی [illegible] [illegible] سے کم نہ تھی۔

[illegible]

جائے۔ بجلی دوڑی دوڑی شومو کے پاس گئی جو شام ہو جانے کی وجہ سے خوانچہ سمیٹ رہا تھا۔

کیا بات ہے؟ چاٹ کھائے گی؟

بجلی نے نہیں میں گردن ہلا دی۔

تو پھر کیا بات ہے؟ آج بڑی بھولی بنی ہے بولتی بھی نہیں۔ شومو نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

ماں بیمار ہے بہت...... بجلی آبدیدہ ہو گئی۔

تو کسی ڈاکٹر کو دکھا دے۔

تو مجھے کچھ روپیہ اُدھار دیدے ماں کی دوا لا دونگی۔ ماں کے اچھے ہوتے ہی میں واپس کر جاؤں گی۔

اُدھار؟؟ اری پگلی یہ سب تو تیرا ہی ہے۔ اری کتنے روپیہ لیگی۔

بس دس روپیہ دیدے بلا بہت جلدی دیدے۔ پھر بجلی نے شومو کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

شومو نے دس روپیہ دیدیئے۔

ماں...... او ماں...... لے دوا پی لے...... بجلی نے میلی چادر ماں کے چہرے سے سرکائی۔ اور دوا منہ میں ڈالنے لگی لیکایک اس کی چیخ نکل پڑی ....

ماں.... بجلی چیختی ہوئی ماں کے اوپر گر پڑی۔ غربت کی سیاہ رات میں اندھیرے غاروں میں اس کی روح کھو چکی تھی۔ بجلی بلا کی وہ پھوٹ پھوٹ کر ماں سے لپٹ کر روتی رہی۔

ماں کی ارتھی شعلوں کی نذر ہو گئی۔ بجلی اتنی بڑی اور اتنی ظالم دنیا میں تنہا رہ گئی دھیرے دھیرے شمشان خالی ہوتا گیا۔ بجلی اب بھی وہاں بیٹھی ارتھی سے اٹھتے آخری شعلوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا جی چاہتا خود کو اسی چتا کی آگ میں ہمیشہ کے لئے بھسم کردے۔

بجلی...... شومو نے دھیرے سے اسے پکارا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ بجلی نے شومو کا ہاتھ جھٹک دیا اور منہ پھیر لیا۔

بجلی۔ چل گھر چل رات ہو چکی ہے۔

میں نہیں جاؤں گی۔ گھر میں بیراگ ہے۔ یہاں میری ماں ہے اس کی جلتی ہوئی چتا ہے سلگتی ہوئی ہڈیاں ہیں وہ پھر سے نہ ملیں گی۔

رو نہیں بجلی۔ چل میرے ساتھ چل گھر چل۔ شومو نے پھر اسی کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

اب تیری ماں کی چتا میں کھڑا ہوں۔ تو میری وجہ سے گھر چل میں تجھ سے بیاہ کروں گا۔ میں تجھ سے پیار کرتا ہوں۔ میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں میں تجھ سے بیاہ کروں گا۔

بجلی نے اپنی پُرنم آنکھوں سے شومو کی طرف دیکھا۔ جہاں اسے پیار کا ایک گہرا سمندر نظر آیا۔ چل۔ پھر دونوں ماں کا آشیرواد لیکے

ڈیڑھ ماہ بعد بھگوان کے سامنے جا کر دونوں نے ایک دوسرے کو مالائیں پہنا دیں۔

بجلی کی زندگی میں پھر بہار آ گئی۔ وہ دھیرے دھیرے ماں کا غم بھولتی گئی۔ پیار کی پھہار نے ہر غم دھو ڈالا۔ خوشیاں نے سرے سے دونوں کا استقبال کرنے لگیں۔ لیکن زیادہ دن تک وہ خوشیوں کو اپنا ساتھی نہ بنا سکے۔ زندگی میں ویرانیاں آ گئیں۔ وہی پھر اندھیرے سائے پھر ان کے ارد گرد منڈلانے لگے۔ غربت نے پھر انہیں گھیر لیا۔ مسکراتے چہرے پھر گہن میں آ گئے۔ شومو پر شدید فالج کا اثر ہوا۔ اس کا آدھا جسم بیکار ہو گیا جو کچھ جمع پونجی تھی وہ اس کے علاج میں ختم ہو گئی۔ شومو کو آج وہی شام یاد آئی جب.... اسی شام کو بجلی اس کے پاس پہنچی تھی۔

شومو نے بجلی کو اپنے قریب بٹھایا۔ اسے اپنی محبت کی دہائی دی مگر وہ آواز بے جان تھی۔ اس کی آواز لرز رہی تھی۔

بجلی؟ ....

ہوں.........

میری بیماری سے مجبور اور پریشان ہو کر تم کوئی غلط قدم نہ اٹھانا بجلی سسکیاں لیتی ہوئی شومو سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اور پھر ایک دن غربت نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ شومو بیماری کی تاب نہ لا کر اس دنیا سے چل بسا۔

بجلی تڑپ اٹھی...... شومو...... شومو...... وہ دیوانہ وار شومو کو پکارتی رہی۔ ابھی اس کی آگ کی لپٹیں تیز ہوتی جا رہی تھیں بجلی کی دردناک چیخ سے شمشان بھی کانپ اٹھا دل لرز گئے۔

نہیں شومو نہیں...... جب میں تمہارے لئے کوئی غلط قدم نہ اٹھا سکی تو اپنے لئے کیا قدم اٹھاؤں گی۔ اور پھر لپک۔ جھپکتے ہی وہ دہکتی چتا میں کود پڑی۔

کہانی ہے یہ فضل بستوی کی

از۔ عاطر صدیقی بستوی، پنڈت پور

آپ کا نام صغیر حسن، تخلص افضل، مرز بوم برگد ہی تحصیل ڈومریاگنج ضلع بستی ہے۔ برادر محترم حضرت مولانا محمد مصطفیٰ صاحب کی ترغیب سے مختلف مدارس میں اردو، ہندی، انگریزی اور عربی کی تعلیم [illegible] کی۔ [illegible] برس کی عمر میں پانڈے کی ٹیچنگ [illegible] [illegible] ہندی کی ٹریننگ کی غرض سے چلے گئے۔ تقریباً چار سال بعد انکے ماموں سید ادریس احمد صاحب ہاشمی نے [illegible] لکھنؤ بلا لیا۔ پھر قسمت کبھی یجا کر کے اسپتال میں ملازمت دلا دی سنہ ۱۹۶۸ء میں پرائیویٹ [illegible] [illegible] [illegible] سے پی۔ ایم۔ پی کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا سنہ ۱۹۷۲ء میں [illegible] حادثہ پیش آیا موٹر سائیکل سے [illegible] [illegible] جا رہے تھے سامنے سے گزرتی ٹرک ٹکرا گئی۔ زخمی ہوگئے۔ بیہوشی چھا گئی۔ ٹرک والے نے [illegible] اسپتال [illegible] حالت نازک تھی۔ مایوسی چھا گئی بدقسمتی تمام معروف ومتعارف [illegible] اسپتال [illegible] [illegible] کے ماہرین کی [illegible] زندگی ہوں نے کرم فرمائی [illegible] [illegible] [illegible] پہلو کی [illegible] [illegible] [illegible] عالی [illegible] [illegible] [illegible] زیر علاج، [illegible] قادر مطلق کے حکم سے صحت [illegible] [illegible] حاصل [illegible] [illegible] کا شکر ادا کیا [illegible] ہسپتال [illegible] [illegible] [illegible] ادبی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کی محبت [illegible] شفقت [illegible] [illegible] اب ذوق نے قدر افزائی کی۔ [illegible] [illegible] [illegible] صاحب [illegible] [illegible] موصوف کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ضلع [illegible] [illegible] کے روح رواں [illegible] [illegible] پہنچاتے ہوئے [illegible] [illegible] [illegible] عبدالرؤف صاحب [illegible] بستوی ایم۔ اے [illegible] [illegible] [illegible] قربان ہیں۔ یہ مجموعہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کا اہتمام کر کے ادب نواز ہستیوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ معیار سخن کے لئے سخن فہم حضرات کی خدمت میں حسب ذیل نمونۂ کلام بادب پیش کیا ہے

غزل

تمنا ہے آنکھوں میں تم کو بسا ؤں
تو ہنستا زرا میں جو آنسو بہاؤں

جو میں حادثہ زندگی کا سناؤں
نکل آئینگے پتھروں کے بھی آنسو

تو ہر رند کو متقی میں بنا ڈوں
پئیں شام کو صبح کو کر یں توبہ

حسیں گلشن دہر پہ قربان جاؤں
بگولے زخم دوں [illegible] کھلا کر

وہی حاصل زندگانی ہے افضل
اسے میں بھلا دوں تو کیسے بھلا ؤں

غزل

حالت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کی
لیے چلو وطن سے باتیں [illegible] وطن [illegible]
خورشید ماہ وانجم [illegible] نظر میں لاؤں
دل [illegible] [illegible] [illegible] شعر و سخن کی
[illegible] کا نام [illegible] کوئی [illegible] جہاں میں
[illegible] [illegible] [illegible] جذبات [illegible] کی
کانٹے گلاب کے بھی [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] عجیب دیکھی [illegible] [illegible] کی
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جلیاں [illegible]
کرتا ہیں [illegible] [illegible] [illegible] کی
پوچھ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فیصلہ دیکھو
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہیں یہ [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] موتیوں کا
افضل عجب نرالی دکان ہے سخن کی

رباعیات

(ڈاکٹر تفتہ زولانا دارکی)

(۱)

ماحول میں سناٹا نظر میں سنسان
مبہم سی تمنا کے جگر میں پیکان
اے تفتہ مری زیست بھی ہے زیست کوئی
ہر سانس سے اٹھتا ہے فغاں کا طوفان

(۲)

میں ہوں اپنے شوق ہی کا زندانی
کب میں نے کہیں خاکِ بیاباں چھانی
محبوس ہوں افکار میں اپنے اس طور
ہو بند کسی حوض میں جیسے پانی

(۳)

اس دل کے لیے نغمہ فشانی کیا ہے
اک گوشت کے ٹکڑے کی کہانی کیا ہے
صدمے کی ذرا چوٹ لگی ٹوٹ گیا
اے تفتہ شیشے کی کہانی کیا ہے

(۴)

ہستی کے طلسمات کا یہ رازِ قدیم
نا کھول سکے اس کو نہ دانا نہ حکیم
اے فکرِ رسا سر نہ کھپا اور ادھر
اعداد نکالے گی نہ اس کے تقویم

قطعات

(۱)

اس کو آتے ہیں ان گنت حربے
ہر طریقے سے کام لیتی ہے
روپ لاکھوں بدل کے اے تفتہ
زندگی انتقام لیتی ہے

(۲)

غرقِ کیف و خمار رہتی ہے
مثلِ فصلِ بہار رہتی ہے
زندگی لاکھ پُر نشاط سہی
موت سے ہم کنار رہتی ہے

(۳)

تیری فطرت بھی خوب ہے اے زیست
خوب ہے تیری کج ادائی بھی
تجھ کو جس نے بھی عمر بھر پوجا
تو نے اس سے ہی بے وفائی کی

(۴)

ہر قدم پر ہیں عیش کے ساماں
ہر قدم پر ہیں سیکڑوں جنجال
کتنی سیدھی ہے زندگی لیکن
کتنا ٹیڑھا ہے زندگی کا سوال

روی بھاردواج

لہریں

پوجتا ہے جو بشر وگیان کو
آرزو و حسرت وارمان کو
روک سکتے ہو اگر تو روک لو
کون سا وگیان ہے جو روک دے
بول اٹھینگے گڑے مُردے حضور
اتنی جرأت کس میں ہو سکتی ہے دوست
اس جہاں کے جمگھٹوں میں روز و شب
آنسوؤں کی ہر چھلکتی دھار سے
زندگی کے پھول تو مرجھا گئے
کردیا جس نے معطر دل مرا

کیوں پڑھے وہ گیتا و قرآن کو
کون روکے زیست کے بحران کو
وقت کے بڑھتے ہوئے طوفان کو
زیست کے ڈھلتے ہوئے طوفان کو
کیوں کریدو دل کے قبرستان کو
جو کبھی ٹالے ترے فرمان کو
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں انسان کو
سینچ لیں گے ہم دلِ ویران کو
کیوں لئے پھرتے ہو اب گلدان کو
ڈھونڈتا پھرتا ہوں اس مسکان کو

اے روی سائنس کے اس دور میں
کون پوجے گا ترے بھگوان کو

کس لئے شکوہ کریں ہم کاتبِ تقدیر سے
مدتوں پہلے بکھرا تھا رنگ جس تصویر میں
خنک سردیہ نہ پوچھو وادیٔ احساس میں
حسن کی کلیوں کی خوشبو رچ گئی ہے ذہن میں
خواب کے سنسار میں کیوں گھوکریں کھاتا ہے دل
کیا ہمیں اسکے دین و ایمان قوم و مذہب ذات پات
گردشِ دوراں بتا کھیلے گی کب تک اس طرح
واعظِ ناداں بتا سائنس کے اس دور میں

دن بدل سکتے ہیں جب انسان کی تدبیر سے
دل کو بہلاتا ہوں میں دن رات اس تصویر سے
پھول کتنے کھل رہے ہیں درد کی تاثیر سے
کون اب ڈرتا ہے اپنے نام کی تشہیر سے
جب تو واقف ہی نہیں خواب کی تعبیر سے
پوچھ تو لینے دو مجھ کو اک بتِ بے پیر سے
تو مرے دل کے چمن کی ہر نئی تصویر سے
کیا کوئی محظوظ ہوگا وعظ سے تقریر سے

گردشوں کا روپ مجھ کو کیا ڈرائے گا روی
عمر بھر کھیلا ہوں میں تو وقت کی تصویر سے

عزیز اندوری

معیار کی ۔۔ ٹی پر

مجلہ علم و آگہی (کراچی) خصوصی شمارہ

برصغیر ہند و پاک کے ان علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کا تفصیلی تعارف اِس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ ان کے ذریعے ان ساری ذہنی تحریکات اور علمی جدوجہد کا پتہ چلتا ہے جنھیں "ماضی کا شاندار کارنامہ" کہا جا سکتا ہے۔

ماضی کے "نقوش" کو تلاش کرنا اور انھیں تابناک و تازہ بنانا لائقِ مبارک ہے۔ اس لئے بھی کہ ہم آج جن "روشن سطروں" تک پہنچے ہیں انکا سلسلہ کسی نہ کسی طرح ماضی کے نقوش سے ضرور جا ملتا ہے۔ اس لحاظ سے گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے اساتذہ اور طلبا نے مجلہ علم آگہی کے خصوصی شمارے میں علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کا تفصیلی تعارف کراکے قابلِ تعریف قدم اٹھایا ہے۔ ان تمام تعلیمی۔ علمی، تحقیقی، ادبی، تاریخی اور قومی اداروں پر اہلِ فکر و نظر نے تنقیدی نقطۂ نگاہ سے بھی روشنی ڈالی ہے جنھیں علم و ادب کی "تواریخی دستاویز" ہی کہا جائے گا۔ ان کے لیے شعوری اور فکری بیداری کے تمام اہم پہلوؤں کو بھی اہلِ قلم نے ابھار کر اس دور کا علم اور آگہی کے ثبوت فراہم کئے ہیں۔

اس مجلہ میں شامل تقریباً تمام مضامین میں "مشرقی مزاج" کی واضح تصاویر ملتی ہیں اور اُن سیاسی، علمی و تواریخی اسباب پر مدلل اور معلوماتی انداز میں روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔ جو مشرق و مغرب کے درمیان حدِ فاصل کی طرح اہلِ ہند کے دل و دماغ میں ابھرتے رہے خاص طور سے اُس دور کے مدبر اور مفکر مسلمانوں کے ساتھ ہی عام مسلمان کے ان تاثرات کو بھی ان اداروں اور تحریکوں میں دیکھا جا سکتا ہے جو مغربی زندگی سے گریز کرتے ہوئے بھی "سحر کے" اور تعاقبی پہلوؤں سے پوری طرح دامن کش نہ ہو سکے۔ ان مضامین میں اُن تواریخی عوامل پر بھی بھرپور بحث کی گئی ہے جنھیں انگریزوں کی "سیاسی حکمت" اور "علمی تبلیغ" سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ مغلیہ دور کے انحطاط کے بعد مشرقی تہذیب و علوم کی حفاظت کے لئے جو بھی قدم اٹھائے گئے ان میں سلطنت برطانیہ کا دخل کسی نہ کسی صورت ضرور رہا اور جن کے ذریعہ مشرقی اثرات کو کم کرکے مغربیت کو مقدم کرنے میں ان [illegible]

میں مدرسہ عالیہ کلکتہ اور دہلی کالج دہلی کے قیام سال سے انگریزوں کی دلچسپی اور ان کے بنیادی مقاصد پر امیر الاسلام اور پروفیسر شفقت رضوی نے جس طرح روشنی ڈالی ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُس دور میں علمی اور ادبی اداروں میں مشرق و مغرب کے درمیان کس طرح کی کشمکش جاری تھی یا پھر فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے قیام کا سیاسی پس منظر بھی اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ لارڈ ویلزلی اُس آنے والے زمانے کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ جب سلطنت برطانیہ کا پرچم سارے ہندوستان میں لہرانے والا تھا اسی لئے اس نے کمپنی کے انگریز ملازمین کو ہندوستانی زبانوں سے دلچسپی لینے کا ایک ذریعہ تلاش کرنا چاہا اور اسی لئے اس نے جنرل کونسل کی مخالفت کے باوجود فورٹ ولیم کالج کے قیام میں پوری طرح دلچسپی لی۔ جس کی طرف امیر الاسلام نے اشارہ کرتے ہوئے اپنے مضمون "فورٹ ولیم کالج کلکتہ" میں لکھا ہے "وہ (ویلزلی) جانتا تھا کہ کمپنی کو ایک نہ ایک دن ہندوستان کا نظم و نسق سنبھالنا ہے جس کے لئے کمپنی کے ملازمین کا ہندوستانی زبان سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر اس نے اپنے ذہن میں ایک کالج کے منصوبے کا بنیادی خاکہ ترتیب دیا۔ اور جنرل کونسل کو اپنے منصوبے سے زبانی مطلع کیا۔ ویلزلی ہندوستان میں برطانوی مفاد کو تقویت پہنچانا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا تھا اور اس کے لئے کالج کے قیام کو ناگزیر سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے مجلس [illegible] کی منظوری حاصل کئے بغیر اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔" (صفحہ ۲۴۷-۲۴۸)

اِن مضامین میں مجموعی طور پر انگریزوں کی دلچسپی اور مشرقی مفکرین کی [illegible] چلنے والی کشمکش کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

اسی کے ساتھ ان اداروں اور تحریکوں پر بھی خاصی تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے جو علمی اور ادبی نقطۂ نگاہ کے ساتھ ہی ہندوستانیوں (خاص طور سے مسلمانوں) [illegible] سیاسی بیداری کو عام کرنے کے مقصد سے [illegible] آئے اور مشرقی تہذیب و مشرقی اثرات کی حفاظت کیلئے [illegible] [illegible] تواریخی اہمیت۔ ادبی [illegible] [illegible] روشنی ڈالی گئی ہے ان کے [illegible] ان کی علمی اور ادبی سطح [illegible] [illegible]

... مسلمانوں کو مغرب زدگی سے بچانے کے لئے کس کس طرح کوششیں کیں۔

بعض ایسی تحریکات اور اداروں کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے جن کے ذریعہ "علوم جدید" کو اختیار کرنے پر زور دیا گیا۔ اُن مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے جو ان تحریکات یا اداروں کے ذریعہ پھیلائے گئے جیسے مدرسۃ العلوم علیگڑھ یا انجمن اشاعت مفیدہ پنجاب (انجمن پنجاب) اور جن کے ذریعہ علوم جدید کے حصول کے ابتدائی تحریکات پر خاصی بحث کی گئی ہے۔

ان تعلیمی اداروں کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے جن میں قدیم طرز تعلیم کے ساتھ ہی جدید تعلیم کے طریقوں کو اختیار کیا گیا۔ لیکن ان سارے اداروں میں مشرقی طرز فکر کے جن پہلوؤں کو اولیت حاصل رہی ان کی اہمیت کو پوری طرح اُبھارا گیا ہے۔ اور ان پہلوؤں کی افادیت اور عظمت کو تسلیم کیا گیا ہے، جو مشرقی تہذیب وعلوم کے لئے ناگزیر تھے اس سلسلہ میں اسلامیہ کالج پشاور، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن)، جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) وغیرہ کا مطالعہ اِن دلائل کو مضبوط کرتا ہے۔

تعلیمی اور علمی اداروں کے ساتھ ان اداروں کی تفصیلات پر بھی نمایاں روشنی ڈالی گئی ہے جن کے ذریعہ تحقیقی گوشوں کو اُبھارا گیا ان تحقیقی عوامل میں قدیم اور جدید ہر دو طرز فکر پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اور ان پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے جن میں تحقیق وتلاش کی عظمت مضمر تھی۔ مثال کے طور پر۔ سائنٹفک سوسائٹی علیگڑھ۔ دار المصنفین اعظم گڑھ۔ ندوۃ المصنفین دہلی۔ انجمن اسلام بمبئی چند قدیم سائنسی ادارے، ادارہ دائرۃ معارف اسلامیہ لاہور وغیرہ کی تحقیقی خدمات کے سارے پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسی طرح ان اداروں کی تفصیلات بھی فراہم کی گئی ہے جن کے ذریعہ اُردو کے تہذیبی اور ثقافتی پہلوؤں کو روبہ ارتقا کرنے کی جدو جہد کی گئی اس کی نشر واشاعت کے سلسلے میں اٹھائے گئے۔ لائق مبارکباد اقدام کو سراہا گیا ہے۔ جیسے انجمن ترقی اُردو۔ ادارہ ادبیات اُردو حیدر آباد دکن۔ مجلس ترقی ادب لاہور۔ مرکزی اُردو بورڈ لاہور۔ ترقی اُردو بورڈ کراچی وغیرہ کے ذریعہ اُردو کی علمی وادبی کتب کی نشر واشاعت جس [illegible] پر کی گئی اس کا اعتراف کرتے ہوئے یہ اُردو کے تحفظ کے سلسلے کا ایک اہم قدم قرار دیا گیا ہے اور ان تمام تفصیلات کو فراہم کیا گیا ہے جن کے ذریعہ مجاہدین اُردو ...

کی لگن اور محنت ظاہر ہوتی ہے۔

اِن ادبی تحریکات کا ذکر بھی اس مجلہ میں کافی تفصیلات سے کیا گیا ہے جن کے ذریعہ چند علمی اور ادبی نظریات کو باقاعدہ اُبھارا گیا۔ نیز ان کے ذریعہ سماجی، سیاسی یا فطری عناصر کو ادب کا ایک ضروری حصہ قرار دیا گیا انجمن ترقی پسند مصنفین کا ذکر اس کے سارے پس منظر کے ساتھ موجود ہے اس کی مقبولیت اور انتہا پسندی پر بھی کافی دلیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے حلقۂ ارباب ذوق کی تشکیل کے اسباب اپنے سارے پس منظر کے ساتھ موجود ہیں حلقۂ ارباب ذوق کی کشمکش سے اُبھرنے والے ادب کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اُسے صرف کراچی، لاہور وغیرہ تک محدود کر دیا گیا ہے جبکہ اس کے ذریعہ سلام مچھلی شہری، انیس، ابن نگم اور پرکاش چندر وغیرہ نے لکھنؤ میں بھی نمایاں کام کئے۔ غالباً ایک سہ ماہی رسالہ "ہمارا ادب" اور کمال احمد صدیقی کی نظموں کا مجموعہ "بادبان" بھی حلقۂ ارباب ذوق لکھنؤ کے زیر اہتمام شائع کیا گیا۔

اس مجلہ میں ان سوسائٹیوں، بک سینٹرز اور اکیڈمیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے ہندوستانی ادب کے تحفظ اور نشر واشاعت کیلئے نمایاں کام کئے۔ بعض اہم ادبی کتب کی اشاعت کی اور ہندوستانی ادب کی صحیح تاریخ مرتب کرنے میں دلچسپی لی۔ کاش اس سلسلے میں ان ہندوستانی اکیڈمیوں اور اداروں کا ذکر بھی کیا جاتا جن کے ذریعہ موجودہ دور میں نہ صرف مستحق ادبا وشعرا کے تخلیقات کی اشاعت میں معاونت ہی کی جا رہی ہے بلکہ ان پر انعام دے کر ان ادبا وشعرا کی مالی امداد سے بھی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔

اسی کے ساتھ ہی حکومتِ ہند اور حکومتِ پاکستان کے اس اقدام کی تفصیلات کا ذکر بھی اگر اس مجلہ میں کر دیا جاتا تو بہتر تھا جن کے ذریعہ وہ لائق ذکر شعرا وادبا کے اعزاز میں اضافہ کرتی رہی ہیں اور ان کی تخلیقی صلاحیت اور قوت کو تیز تر کرنے کے وسائل پیدا کرتی رہی ہیں۔

مجلہ کا پیش لفظ اور مقدمہ بھی خاصے معلومات کی چیزیں ہیں۔

مجموعی طور پر گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے اس مجلہ کو ایسی دستاویز کہا جا سکتا ہے جو علمی، ادبی، تعلیمی اور کسی حد تک تاریخی سیاسی اور سماجی تحریکات اور واقعات کی تحقیق کرنے والوں کے لئے بطور "حوالہ" کام آ سکے گی۔

کے ساتھ وہ اپنے کلام کی اشاعت سے بھی غافل نہیں رہتے ان کا کلام چند ادبی رسائل میں بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ ان کے اسی جذبے نے تیرنیم کش کی اشاعت کی طرف متوجہ کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ شاعر کو مشاعروں میں مقبول ہوتا دیکھ کر ان کے بارے میں کچھ بھی سوچا جائے لیکن تیرنیم کش کے مطالعے کے بعد ان کے شعوری ارتقا اور فکری اپچ کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں زندگی کے کچھ گہرے نقوش بھی مل جاتے ہیں اور افکارِ جمیل کے انمٹ تاثرات بھی جو انکے اندازِ فکر کا عکس بنکر قاری کو اپنی جانب متوجہ بھی کرتے ہیں اور جن سے ان کے طبیعت کے خلوص اور زندگی کے تجربات کا عرفان ہوتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ شاعر زندگی کے تلخ ترین گوشوں کی تلاش میں بہت دُور تک جاتے ہیں۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ انکی نگاہ زندگی کی سطحی پہلوؤں پر تھم کر رہ جاتی ہو اور وہ زندگی کے نئے احساس کو تجربات کا نام دے کر اپنی فکر کو مزین کرتے ہوں بلکہ اکثر مقامات پر ان کے ذہن و دل میں وہ لہریں ضرور اٹھتی ہیں جو انھیں زندگی کے عمق کا پتہ دے سکیں وہ زندگی کے اس نقیب کی طرح بھی اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتے جو تلخ ترین احساسات اور شدید حسیاتی شعور میں مبتلا ہو کر زندگی کا عرفان کرتا ہے۔ ان کی نگاہ "چو مکھی" ہے جو تلخیوں کو چھونے کے باوجود جمالیاتی احساسات سے پھوٹنے والی کرنوں میں بھی گم ہو جانا چاہتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ تیرنیم کش کا مطالعہ دل میں ایک لطیف سی خلش پیدا کرتا ہے جیسے شاعر کا سلیس سا اندازِ بیان بڑی دیر تک قائم رکھتا ہے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے ؎

زمیں حدیقۂ گل ہے فضا ہے برق شرار ❖ قفس کہیں کہ اسے آشیاں نہیں معلوم

دل پائمالِ عہدِ ہوس ہو کے رہ گیا ❖ اس پھول نے تو رنگِ بہاراں بھی کھو دیا

پھر اک بار الفاظ پر غور کر لو ❖ یہ کیا کہہ رہے ہو کہ ہم یاد آئے

رازِ دل اُن سے آخرش نہ چھپا ❖ باتوں باتوں میں آنکھ بھر آئی

دل برباد سے کرتے ہیں جشنِ جبیر ❖ اسی ویرانے میں اک شہر تمہارا نوں کا

[illegible] ❖ وہ آئینے نہیں دیکھو۔ جو چُور ہو گئے ہیں

اس فسانے [illegible] اٹھتا ہوا پردہ ❖ جب آئے [illegible] پیار کو [illegible]

[illegible] کسی سے کوئی حرف آ نہ سکیں ❖ زمانے کے لاکھوں ستم یاد! ——

تیرنیم کش کی غزلوں میں شاعر کے اس مزاج کو بخوبی پرکھا جا سکتا ہے جسے اردو شاعری کا لطیف مزاج کہا گیا تھا [illegible] ذہن اس لطافت [illegible] [illegible] [illegible] چھپا [illegible] وہ [illegible] [illegible]

روشنی ذہنی تاریکی کو کبھی کبھی چمکا بھی دیتی ہے۔

کتاب کی طباعت اور کتابت مناسب ہے۔ سرورق خوبصورت ہے۔ ۱۷۶ صفحات کی اس کتاب کی قیمت صرف تین روپیہ ہے جو کافی مناسب ہے اور جسے مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

یادوں کے گلاب

اردو شاعری میں وطنی اور قومی جذبے کے اظہار نے (موضوعاتی طور پر) اس کے دامن کو وسیع کیا ہے۔ ہرچند اس قسم کی شاعری ایک مخصوص مزاج اور بڑی حد تک بیانیہ انداز کی عکاسی کرتی ہے۔ لیکن اس کی تاریخی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جن شعرائے وطنیت اور قومیت کے اعلیٰ شعور کو اپنا کر اپنی شاعری میں پیش کیا ہے انھوں نے یقینی طور پر قوم و وطن کی تاریخی اہمیت اور اسکے تمام روشن پہلوؤں کو دو بالا کرنے کی خدمت انجام دی ہے اس طرح ادب و شعر میں موجود تاریخی حادثات و واقعات کی اہمیت بھی مسلم ہو جاتی ہے۔ تاریخی واقعات و حادثات کو شعر و ادب کے کاندھوں پر تو سوار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس اصلیت کو بھی آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بعض تاریخی واقعات اور شخصیات نے شعر و ادب کی زندہ اور ترقی پسند روایتوں کو اس حد تک متاثر بھی کیا ہے کہ ان کا ذکر کئے بغیر شعر و ادب کی شکلوں کو مکمل قرار دینا بھی (بعض صورتوں میں) ممکن نہیں ہو سکتا۔ یہ بحث الگ ہے کہ مذکورہ واقعات و شخصیات کے بارے میں کئے گئے اظہار کا طریقہ اصلاحی ہو یا بیانیہ۔ چونکہ عام طور پر ان پہلوؤں کا تعلق وقت، حالات اور زندگی سے براہِ راست ہوتا ہے اس لئے عام طور پر ان کے اظہار کے لئے بیانیہ انداز کو اختیار کئے بغیر کام نہیں چلتا پھر بھی بعض شعرا جو تاریخی موضوعات کو ادبی شکل میں ڈھال لینے پر قادر ہوتے ہیں ان کا وہ کلام جو وطنیت و قومیت کے تصور سے لبریز ہوتا ہے ادبی حیثیت سے بھی اپنی انفرادیت کو نہ صرف باقی رکھتا ہے بلکہ جن جن موضوعات پر قلم اٹھاتا ہے انھیں اپنے اندازِ بیان سے زندہ و جاوید بھی کر دیتا ہے۔

سلمان عباسی کی بیشتر نظمیں باوجود تاریخی تلمیحوں اور حقائق کی عکاسی کرنے کے ادبی [illegible] سے بھی اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں جن میں ان کے شعور کی پختگی بھی موجود ہے اور وطنیت و قومیت کے ساتھ ساتھ انسانیت کی [illegible] [illegible]

[illegible]

شعرا اظہارِ خیال کر چکے ہیں۔ مثال کے طور پر "یادوں کے گلاب" میں عید کے دن، دیوالی، برسات، پیامِ عید، چل چل رے نوجوان، آزادی، جنگِ کشمیر، لکھنؤ، خواجہ چشتی، گرو نانک، رہبرِ انسانیت (مہاتما گاندھی) ابو الکلام آزاد، جوہر (مولانا محمد علی جوہر) جمِ جاوید (پنڈت نہرو کی موت) وغیرہ ایسے ہی موضوعات ہیں۔ لیکن سلمان عباسی نے ان موضوعات کو جس نئے انداز سے برتا ہے اس نے بڑی حد تک ان میں انفرادیت پیدا کر دی ہے اور بقول مرحوم سید احتشام حسین۔

"یہ بڑی بات ہے کہ سلمان عباسی نے چند افراد اور واقعات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ان کے صحت مند، خوشگوار جمہوری اور ترقی پسند پہلوؤں ہی پر زور دیا ہے اور اس طرح ان اخلاقی امن پسندانہ جذبات کی ترجمانی کی ہے جنکو زیادہ سے زیادہ لوگ سراہیں گے۔"

اسی لئے ان عام موضوعات کو برتتے وقت سلمان عباسی نے ایسی شعوری کاوش سے کام ضرور لیا ہے جس نے ان کی آواز میں کم از کم اتنی جان پیدا کر دی جو قومیت و وطنیت کے زندہ تصور سے اہلِ وطن کے دلوں کو گرما سکے۔

مذکورہ موضوعات کے علاوہ انھوں نے بعض ایسے واقعات و موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے جو موجودہ عہد کی تاریخی اہمیت پر مبنی ہیں۔ مثلاً سنہ مرحد اس پار، پناہ گزیں، ڈھاکہ، وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جن کا تعلق مخصوص تواریخی واقعات (یا حادثات) سے بڑا گہرا رہا ہے۔

یادوں کے گلاب میں بعض ایسی نظمیں بھی شامل ہیں جو کسی خاص رجحان (یا تحریک) کی عکاسی کرتی ہیں۔ جیسے بچت یوجنا، جے جوان، قومی یکجہتی، جے کسان وغیرہ۔ الا یہ کہ ان نظموں میں بعض جگہ سلمان عباسی کا لہجہ خالص تشہیر کا انداز اختیار کر لیتا ہے لیکن ان رجحانات (یا تحریکات) کے تقاضوں کے پیشِ نظر ان کا یہ لہجہ ناگوار نہیں گزرتا۔

مجموعی طور پر سلمان عباسی کا یہ مجموعۂ کلام ان کے تازہ ذہن اور حساس دل کی اس خوشبو کو دنیائے شعر و ادب میں بکھیرنے کی کامیاب کوشش ہے جو قومیت و وطنیت کے تصور کو مستحکم کرنے کے لئے لازمی ہے۔

کتاب کا سرورق، کتابت و طباعت لائقِ ستائش ہے جسے مکتبہ شانِ ہند سے بھی دس روپیہ کے عوض حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اُردو کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے اردو نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے اس صنفِ سخن کی اہمیت و مقبولیت پر انتہائی جانفشانی سے توجہ دے کر نعت گوئی کے تاریخی ارتقا کو پیش کیا ہے اور پیغمبرِ آخر رسولِ مقبول کی حیاتِ طیبہ کے ان تمام پہلوؤں کو نعتیہ کلام کے ذریعہ یکجا کر دیا ہے جن کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے خود کئی جگہ قرآنِ کریم میں کھل کر ارشاد فرمائے ہیں۔

ڈاکٹر برق نے نعتیہ کلام کے اعلیٰ ترین نمونے یکجا کر کے اس صنفِ سخن کی مذہبی اہمیت پر بھی خاصی بحث کی ہے۔ عربی و فارسی کے مستند شعراء کے نعتیہ کلام کے نمونوں کو جس طرح انھوں نے اس کتاب میں پیش کیا ہے اسکے پیشِ نظر ان کے وسیع مطالعہ کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

اُردو شاعری کے ابتدائی دور میں نعت گوئی کی جانب جس طرح توجہ دی گئی اس کے نمونے بھی ڈاکٹر برق نے پیش کئے ہیں۔ لیکن "کدم راؤ، پدم راؤ" کے نعتیہ اشعار کو اُردو کے اشعار تسلیم کرنے میں موصوف نے جس تامل کا اظہار فرمایا ہے وہ محلِ نظر ہے اس لئے کہ اس عہد تک اور خاص طور سے مصنف "کدم راؤ پدم راؤ" کے نزدیک اُردو (یا ہندوی) زبان کا مستند انداز وہی تھا جسے انھوں نے برتا ہے۔

شمالی ہند میں نعت گوئی کی مقبولیت کا سہرا دوسری اصناف سخن کی طرح "ولی کی آمد" کو ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ شمالی ہند کے بیشتر اور بیدار مغز شعراء "ولی کے رنگِ سخن" سے کافی حد تک متاثر ہوئے تھے اور ولی کی آمد کو فالِ نیک سمجھ رہے تھے۔ لیکن ولی کی شمالی ہند میں دوبارہ آمد (۱۷۲۲ء) مشکوک ہی ہے اور اس کا کوئی مستند ثبوت نہیں ملتا کہ ولی دوبارہ شمالی ہند پہنچے تھے۔ بہرحال اُردو کی نعتیہ شاعری کے صاف اور نکھرے ہوئے انداز کو ولی اور ان کے بعد کے عہد کے شعرا سے منسوب کیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں ڈاکٹر برق نے تمام تر تفصیلات کو یکجا کر کے اُردو نعت گوئی کے ارتقائی شکل کو موجودہ دور تک (حمیق حنفی تک) بڑے حسن و خوبی سے پہنچایا ہے۔ موصوف نے تمام اہم شعراء کی نعت گوئی کا تجزیہ بھی کیا ہے لیکن حفیظ جالندھری کے مقابلے میں دوسرے شعراء کی نعت گوئی کو جس انداز سے بیان کیا ہے اس سے تھوڑا سا اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ حفیظ نے نعت گوئی کے شعوری عمل کو جس انداز میں پیش کیا ہے اس پر تفصیل سے لکھے جانے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر برق نے غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی (یا اعترافِ عظمتِ رسول اللہ) کی مثالیں یکجا کر کے ان کے گہرے عقیدے کا اعتراف کیا ہے۔ اسی طرح موصوف نے اُردو کی نعت گو شاعرات کے نمونہ ہائے کلام بھی اس کتاب میں پیش کئے ہیں۔

غرض اُردو نعت گوئی پر ڈاکٹر برق کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں نعت گوئی کی فنی اہمیت کے ساتھ ساتھ مذہبی عظمت کے نقوش مل جاتے ہیں۔

کتابت و طباعت مناسب ہے۔ سرورق سادہ مگر جاذب نظر ہے۔ پانچ روپیہ کے عوض یہ کتاب مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

فلسفیٔ غالب

دیوانِ غالب کو الہامی کتاب کہہ کر عبدالرحمٰن بجنوری نے غالب کے "افکارِ نو" کو پرکھنے کے لئے جس طرح دروازۂ ذہن کو وا کیا۔ اس کے نتیجے کے طور پر غالب کی عظمت کو تسلیم کرنے والوں کا ایک ایسا کارواں تیار ہوا جس نے غالب کی شاعرانہ اہمیت کے اُن سارے پہلوؤں کی چھان بین کی جنہیں غالب نے پہلی بار انتہائی گہرے تدبر کے ساتھ پیش کیا تھا۔ اس پس منظر کو بھی تلاش کیا گیا جو غالب کے ذہنی تحرک اور نظریاتِ زیست کا سبب بنا تھا۔ اس سلسلے میں اُردو کے بیدار مغز اور ذہین نقادوں اور محققوں نے اس پس منظر کو تلاش کرنے کی کامیاب کوشش کی جس کا تعلق غالب کے تحرکِ شعری اور نظریۂ زیست سے رہا ہے۔

احمد رضا صاحب کی تصنیف "فلسفیٔ غالب" کو اس سلسلے کی کڑی کہا جا سکتا ہے۔ جس میں مصنف نے تحقیق و تلاش کے بعد غالب کے تدبر اور اُن نظریات و تحریکات کے تعلق کو ظاہر کیا ہے جو تاریخی، سماجی یا مذہبی پس منظر میں ناقابلِ تردید رہے ہیں۔ ان کا تجزیہ مصنف نے بڑے مدلل انداز میں کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس پس منظر نے غالب کے تصورات و افکار کو نہ صرف جلا ہی بخشی بلکہ اُن میں ایسا تعمق بھی پیدا کیا جس سے اُردو شاعری اس وقت تک تقریباً محروم تھی۔ مثال کے طور پر غالب کی شاعری میں خدا کا فلسفیانہ تصور یا مسئلۂ جبر و اختیار یا "دامِ خیال" یا نظامِ عالمِ حیات اور تصورِ حُسنِ خود بین کے سلسلے میں جو تصورات ملتے ہیں ان میں حقیقت پسندی کے ساتھ ساتھ فکر کا تعمق بھی موجود ہے۔ احمد رضا صاحب نے اِن پہلوؤں کی نشاندہی کرتے وقت اس پس منظر کو نظرانداز نہیں کیا ہے جس کی روشنی ان پہلوؤں کو چمکاتی رہی پھر سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف اس کی نشاندہی کرتے وقت غالب کے ذہنی ارتقا اور فکری تعمق کو جہاں پیشِ نظر رکھتے ہیں وہیں اس کے اس پہلو سے بھی اختلاف کرتے ہیں جس کے تحت غالب بعض مرتبہ حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ فلسفی کے نئے مضامین میں ایسے ہی پہلوؤں پر خاصے مدلل انداز میں بحث کی گئی ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف محض غالب نوازی (عام روایت کے مطابق) کر کے ایک کتاب کے مصنف کہے جانے کے سلسلے کو دراز کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

غالب کی شاعری میں جس فلسفے یا نظریے کی عکاسی ملتی ہے مصنف اس کا ذکر کرتے وقت ان مفکروں کے افکار کی بنیادوں کو نظرانداز بھی نہیں کرتے بلکہ انتہائی وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ جس سے ان کی معلوماتی اور تحقیقی قوتوں کا پتہ چلتا ہے۔ چند مثالیں دیکھئے۔

"مارکس ہیلیس (۱۲۱ - ۱۸۰ء) نے کہا ہے۔ فی الحقیقت ہمارے تجربات میں کوئی چیز بُری نہیں ہے۔ محض عوام کا یقین اسے ایسا بنا دیتا ہے دنیا اچھی ہے۔ کیونکہ اس کا نظم و ضبط قوانین قدرت کے مطابق ہے تمام واقعات قدرتی اعمال کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی ذاتی اخلاقی بُرائی یا بھلی قدر و قیمت نہیں ہے نہ کوئی چیز بُری ہے نہ کوئی چیز اچھی ہے بلکہ خیال اسے اچھا یا بُرا بنا دیتا ہے۔ ہمیں اپنے قیاس اور تنگ نظری سے اذیت پہنچتی ہے۔

اس فلسفے کو غالب نے کمالِ حُسن و خوبی کے ساتھ اس شعر میں بیان کیا ہے

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

"اپی کیورس اور دیگر فلاسفہ کا قول ہے کہ آدمی کا مقصدِ حیات حصولِ مسرت ہے اس مقصد کے پیشِ نظر حکما اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بشر کو لازم ہے کہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرے چنانچہ غالب فرماتے ہیں۔"

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے

یہ اور اسی قسم کی بہت سی مثالیں "فلسفیٔ غالب" میں موجود ہیں۔ لیکن یہ کہنا یا سمجھنا کہ غالب کے پیشِ نظر وہ تمام تر فلسفے یا نظریے موجود تھے جن کے تاثرات ان کی شاعری میں ملتے ہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ غالب نے ان نظریوں یا فلسفوں کو براہِ راست نہ تو پڑھا اور نہ ان سے اثر ہی قبول کیا۔ اس لحاظ سے اگر کلامِ غالب میں ان کے نقوش ملتے ہیں تو اسے تقلیدی عمل نہیں بلکہ فکر کی گہرائی سے منسوب کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

احمد رضا صاحب نے جہاں دنیا کے مشاہیر مفکروں کے اندازِ فکر پر بحث کی ہے اور ان کا اطلاق کلامِ غالب پر کیا ہے وہیں انھوں نے غالب کی اس اندازِ فکر پر بھی خاصے مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے

جسے صرف غالب ہی کے نام سے وابستہ کیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غالب کے اس اندازِ فکر میں نہ صرف گہرائی اور عمق ہی موجود ہے بلکہ وہ اُردو شاعری کے لئے اچھوتی اور جدید بھی ہے جو غالب کے فلسفیانہ ذہن کا واضح ثبوت بن گئی ہے۔

بہرحال "فلسفیِ غالب" میں پہلی بار احمد رضا صاحب نے کلامِ غالب کے ان پہلوؤں کو ابھارنے کی مربوط اور مبسوط کوشش کی ہے جو غالب کے فلسفیانہ ذہن کو سمجھنے میں مددگار و معاون ثابت ہو سکے گا۔

کتابت کی غلطیاں اکھرتی ہیں۔ البتہ طباعت مناسب ہے۔

چھ روپے کے عوض یہ کتاب مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

طبِ قدیم میں دوسرے علوم کی آمیزش

کوثر چاند پوری صاحب نے اس کتابچہ میں علمِ طب کی قدیم و جدید صورتوں کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے دوسرے علوم سے اس کا موازنہ کیا ہے اور اس غلط رویے کی پُرزور انداز میں تردید کی ہے جس کے تحت علمِ طب کو دوسرے علوم جیسے منطق، الٰہیات، فلسفہ اور طبیعیات سے نزدیک کر دیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں کوثر صاحب کی یہ رائے بڑا وزن رکھتی ہے کہ علمِ طب میں فلسفہ و منطق کے مباحث کو اگر شامل کرنے پر زور دیا جاتا ہے تو اسے مشکل اور پیچیدہ ہونے سے نہیں بچایا جا سکتا اور اس طرح جدید اور ترقی یافتہ شکلوں کے امکانات سے اُسے محروم ہی رہنا پڑے گا۔ کوثر صاحب نے ان تمام حالات کا جائزہ لیتے ہوئے طب کے طلبا کو اس خطرناک، پیچیدہ اور مشکل راستوں سے گریز کرنے کا مشورہ دیا ہے اور ان ارتقائی حالتوں کی تفصیل بیان کی ہے جنھوں نے علمِ طب کو مندرجہ بالا علوم کی آمیزش سے دور رکھنے پر زور دیا۔

کوثر صاحب نے علمِ طب کا مفصل اور تاریخی تجزیہ کرتے ہوئے قدیم و جدید حوالہ جات سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ علمِ طب میں دوسرے علوم کی شمولیت اور امتزاج نہ تو ضروری ہے اور نہ اس سے کسی اچھے فائدے یا ارتقا کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے قدیم فلسفہ اور جدید سائنس کا نہ صرف موازنہ ہی کیا ہے بلکہ علمِ طب اور دوسرے علوم کے فرق کو سامنے رکھ کر ان کے امتزاج کو بڑی حد تک خطرناک اور دشوار بھی بتایا ہے جس کی وجہ سے علمِ طب کے ارتقائی عمل میں رکاوٹیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ کوثر صاحب نے قدیم مشاہیر کے علاوہ ساتھ جدید نظریۂ فکر رکھنے والے جیّد صاف ذہن اطبا اور مصنفین کے اقوال اور آرا کو شامل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر موجودہ طب کو قدیم علمی روایات تک محدود رکھنے پر زور دیا جاتا ہے تو ایسا ہر قدم علمِ طب کو محدود اور دشوار بنا دے گا اور اس ترقی یافتہ زمانے میں اس کی مقبولیت مشکوک اور ناممکن ہو جائے گی۔

اس سلسلے میں موصوف کا خیال ہے

"ماضی قریب میں یہ کوشش کی جا چکی ہے کہ طب کی تعلیم میں مشکلات حائل نہ کی جائیں۔ فن کو حشو و زوائد سے پاک کر دیا جائے۔ دوسرے علوم کے مسائل طویل مباحث کو طب میں داخل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طالبانِ فن کی توجہ اصل مقصد پر مرکوز نہ رہ سکے گی۔ موجودہ دور میں ضرورت ہے کہ آدمی جلد سے جلد اس منزل پر پہنچ جائے جہاں معیشت و معاشرت کے دروازے کھلتے ہیں۔ اس کے پاس اتنا وقت اور قوتِ عمل نہیں کہ فلسفہ و منطق کی بحثوں میں الجھا رہے اور زندگی کے تیز رو دھارے کا ساتھ نہ دے سکے۔ دوسرے علوم کی جو اصطلاحات فن میں شامل ہیں انھیں مبادیات کے طور پر ذہن نشین کرایا جا سکتا ہے۔"

کوثر صاحب نے علمِ طب کے ساتھ ساتھ معاشرتی، اقتصادی، تاریخی اور سائنسی ارتقا کی بتدریج شکلوں کو بھی سامنے رکھا ہے اور ان سب کی اہمیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ لیکن علمِ طب کو ان قدیم روایتوں سے بچانے پر بھی زور دیا ہے جو موجودہ زمانے میں بے جان اور بے کیف ہیں۔

یہ کتابچہ علمِ طب کے سلسلے میں مفید معلومات پیش کرتا ہے۔ جسے دو روپے کے عوض مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

May—76 Phone : 278880 Regd. No. D-(E) 3?
THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002.
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

JUNE—1976





e. 1-00

Editor :
SARWAR T

سال اجراء ۱۹۳۸ — رجسٹر نمبر دی ۳۷. — رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپرز ۱۱۴۱/۵۷

فون نمبر ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی ـ قیمت سالانہ دس روپیہ ـ فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۷ — جون ۱۹۷۶ء — شمارہ ۶

فہرست

وہ پیارے کاغذ سرور ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے لاہور پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر دفتر شانِ ہند فلیٹ نمبر ۶ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع کیا۔ سرورق ایم ایس پرنٹرز دریا گنج دہلی میں چھپا

ضروری اطلاع: اب آپ کو دفتر شانِ ہند سے آپ کے خطوط کا جواب تب ہی موصول ہوگا اگر آپ نے جواب کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجا ہے۔ اس لئے جب بھی دفتر شانِ ہند کو خط لکھئے تو اس امر کا خاص خیال رکھئے

ادارہ

مشتاق شبنم

غزل

یہ میرے بس میں کہاں ہے کہ بھول جاؤں اسے
میں جو بھی عہد کروں عمر بھر نبھاؤں اسے

وہ خود بھی ایک غزل ہے شگفتہ و رنگین،
میں سوچتا ہوں کہ کیسے غزل سناؤں اسے

قریب آئے تو میں روح میں بساؤں اسے
جو میری ذات کے درپے رہا بنامِ خلوص

ملے تو پیار سے پھر بھی گلے لگاؤں اسے
سنا ہے عشق بھی چھپتا نہیں بصورتِ مشک

تمہیں کہو کہ میں پھر کس طرح چھپاؤں اسے
جسے ہے ناز بہت اپنے حسن پر شبنم

مری یہ ضد ہے ذرا آئینہ دکھاؤں اسے



کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

کو ادارہ "شان ہند" کا خراج عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات، یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا

قیمت:۔ دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین:۔ سرور تونسوی، عزیز اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیش نظر "جشن سحر نمبر" ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا۔ اس لئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہے

اُجرتِ اشتہار:۔ عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے۔ نصف صفحہ ۱۵۰ روپے۔ سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے۔ سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے۔ اور سرورق کا آخری صفحہ ... رنگ میں ایک ہزار روپے

مزید تفصیلات کے لئے لکھیے

ماہنامہ شانِ ہند، فلیٹ نمبر ۸، انصاری مارکیٹ، دریا گنج نئی دہلی ۲

قوم پھر ہمت سے آگے بڑھنے لگی ہے

1975 - 76ء

دستکاروں اور مزدوروں کو امداد

- ہتھ کرگھوں پر تیار کپڑے کے جمع شدہ ذخیرے کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے 47½ لاکھ روپے کی رقم فراہم کی گئی۔
- ہتھ کرگھے کی صنعت کی ترقی اور اسے نئی زندگی دینے کے لئے 13 اختیاری منصوبے اور برآمد کو فروغ دینے کے لئے 20 مراکز زیر تشکیل ہیں۔
- "جنتا" کپڑے کی کوالٹی اور دستیابی میں سدھار ہوا ہے۔ جولائی 1975ء سے اب تک کپڑے کی پرچون سپلائی کے مراکز کی تعداد بڑھ کر 69,964 ہو گئی ہے۔ ان میں سے 80 فیصد مراکز دیہی علاقوں میں ہیں۔
- ملک بھر میں سڑکوں کے راستے ضروری اشیا کی نقل و حمل کو آسان بنانے کے لئے 1912 سے زیادہ قومی پرمٹ جاری کئے گئے۔
- صنعتوں میں مزدوروں کی شرکت کو قابل عمل بنانے کے لئے 617 سے زیادہ اداروں، جن میں مرکزی پبلک سیکٹر کے 97 ادارے بھی شامل ہیں۔ میں شاپ کونسلوں، اور مشترکہ کونسلوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔

DAVP 76/92

ایمرجنسی کے بعد دلی کی نمایاں کامیابیاں

قیمتوں میں کمی | بڑھتی ہوئی قیمتوں میں کمی آئی۔ شرح مہنگائی صفر کے نشان سے بھی نیچے آگئی۔ اشیائے ضروریہ کی تقسیم کا شاندار نظام لاگو۔ شہری اور دیہی علاقوں میں ۴۵۳ کوآپریٹیوں اور ۲۱ ہزار سستے داموں والی دکانوں کے توسط سے سستے کپڑے کی فروخت۔

بےگھر لوگوں کیلئے گھر۔ بےزمین لوگوں کیلئے زمین | ۱۳۶۴ ایکڑ زراعتی زمین۔ ۸۳۵۸ ہریجن اور غریب بےزمین کسانوں میں تقسیم۔ ۸۰۰۰ رہائشی پلاٹ غریب اور بےگھر ہریجنوں میں تقسیم۔ ہریجنوں کو مکان بنانے کے لئے ۱۸ لاکھ روپے کی مالی امداد۔

اپرنٹس شپ اسکیم | مقررہ تعداد ۳۵۰۰ کے مقابلے میں ۳۵۲۵ نوجوانوں کو مختلف صنعتوں میں بطور اپرنٹس لگایا گیا۔

سماج دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے | بدعنوان بیوپاریوں کے خلاف ۲۲۵۹ چھاپے ٹیکس چوری کے ۶ کروڑ روپے کے بیوپاری سودے کا پتہ لگایا گیا۔ جمع خوروں، منافع خوروں وغیرہ کیخلاف ۱۴ ہزار چھاپے مارے گئے۔

طلبہ کو راحت | ۸۵۳ اسکولوں میں کتاب بنک۔ پنسل کاپیاں وغیرہ سستے داموں پر۔ طلبہ ہوسٹلوں میں سستا کھانا۔ اسکولوں میں ۲۰ نکاتی سدھار پروگرام۔ پرائمری اسکولوں کے تمام بچوں کو مفت درسی کتابیں۔ غریب طلبہ کو اسکولی وردی مفت دینے کی اسکیم پر ۸ لاکھ روپے کا صرفہ۔

پیداوار بڑھی | ۶۰۰ صنعتی شیڈوں کی تعمیر۔ چھوٹے چھوٹے صنعتی یونٹوں کو ۵.۳۶ کروڑ روپے کے قرضے۔ سبزی کی کاشت کا رقبہ ۲۰.۱۶ ہزار ہیکٹر (۷۲-۱۹۷۱) سے بڑھ کر ۲.۱۹ ہیکٹر (۷۶-۱۹۷۵) کثیر مقاصد والی فصلوں کے رقبہ کاشت میں اضافہ۔ حاشیائی کسان و مزدور ترقیات ایجنسی کے توسط سے غریب کسانوں کی بھرپور امداد۔

صاف و خوبصورت دلی | شہری علاقے میں صاف ستھرا ماحول، جامع مسجد کے علاقے کی نئی ترقی۔ سبزی منڈی کی آزادپور میں منتقلی۔ ۲۰۰۰ منظور شدہ صنعتوں کی منظور شدہ علاقے میں منتقلی۔ ۵۰ ہزار پلاٹوں اور عام سہولتوں کے ساتھ ۲۰ نئی کالونیوں کی آبادکاری۔ غریب اور کمزور طبقے کے لوگوں کیلئے بہتر زندگی اور روزگار کے نئے مواقع۔

دیہی ترقی | ۵۰ دیہات میں صفائی، نشہ بندی اور خاندانی منصوبہ بندی کا وسیع پروگرام۔ ۷۷-۱۹۷۶ کے پہلے تین مہینوں میں ہی لاگو۔ ۷۷-۱۹۷۶ کے آخر تک دلی کے سبھی گاؤوں میں اس پروگرام کی توسیع۔

دلی خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیموں میں سب سے آگے | افزائش نسل والی عمر گروپ کے ۱۴.۳ فیصد جوڑوں نے مانع حمل چیزوں کا استعمال کرکے ملک بھر میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے جب کہ پورے ملک میں اس کا اوسط ۱۶.۱ فیصد رہی ہے۔

ہم پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی کی موثر قیادت میں شاہراہ ترقی پر آگے بڑھ رہے ہیں۔

آئیے! ہم اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھول کر دیش کی راجدھانی۔ دلی کی شان بڑھانے کے لئے مل جل کر کام کریں۔

جاری کردہ:۔ محکمۂ اطلاعات و اشاعت، دلی انتظامیہ دلی

افکار و واقعات

چور متشاعر... مادر پدر آزاد

چیمسفورڈ کلب نئی دہلی کے ایک ہند و پاک مشاعرہ میں حضرت حفیظ جالندھری۔ مولانا عبدالمجید سالک سید جعفری جالب۔ زہرہ نگاہ۔ اور دیگر کئی پاکستانی و ہندوستانی شعراء کرام کی موجودگی میں۔ دلیر شیرانی نے ایک غزل پڑھی اور اتنی داد پائی کہ شاید اس کی سات پشتوں میں بھی اتنی داد کسی کو نہ ملی ہو۔ بشرطیکہ اس کی سات پشتوں میں کوئی شاعر ہو۔ اس مشاعرہ کا آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا حال مدیر شان ہند نے لکھا اور یہ رُوداد ماہنامہ شان ہند میں شائع ہوئی۔ ان دنوں جناب بدیع الزماں صاحب خاور بٹالوی دفتر شان ہند سے متعلق تھے۔ انھوں نے جب مشاعرہ کی یہ رُوداد پڑھی تو فرمانے لگے سرور صاحب دلیر شیرانی نے جو غزل اس مشاعرہ میں پڑھی ہے وہ تو حضرت اعجاز صدیقی مدیر شاعر کی ہے۔ اور کئی سال ہوئے شاعر میں شائع ہو چکی ہے۔ کیونکہ شاعر ہمارے یہاں تبادلہ میں آتا ہے۔ اور اس کی مکمل فائیل موجود تھی دوسرے دن خاور صاحب نے دلیر شیرانی والی غزل۔ شاعر میں مطبوعہ ڈھونڈ نکالی اور دلیر شیرانی کی اس دلیرانہ چوری پر شان ہند کے اگلے شمارہ میں اس قدر لعن طعن کی گئی کہ اگر دلیر شیرانی میں ذرا بھی خاندانی شرافت ہوتی تو وہ اگر خودکشی نہ کر سکتے تو کم از کم شاعری کی چوری سے توبہ کر لیتے۔ (مگر خدا کے فضل سے ان کا یہ دھندا پہلے سے بھی زیادہ زور و شور سے جاری ہے)

ان دنوں حضرت جگر مرادآبادی (مرحوم)، دہلی میں ہی مقیم تھے۔ ایڈیٹر شان ہند ہر شام کو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ شان ہند کا شمارہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انھوں نے دلیر شیرانی کی شعری چوری کا واقعہ پڑھا تو فرمانے لگے سرور صاحب ایک بات یاد رکھئے گا کہ جو بھی کوئی متشاعر کسی دوسرے شاعر کا کلام چوری کرے گا وہ یقیناً مادر پدر آزاد ہوگا۔ یا تو اس کی ماں حرام کار ہوگی یا پھر اس کا باپ اِدھر اُدھر کی خاک چھاننے والا ہوگا۔ کیونکہ جنسی چوری ایسے حضرات کے خمیر میں ہوتی ہے اور جنسیات کا شمار شئی لطیف میں ہوتا ہے اس لئے ایسے اشخاص کسی شئی لطیف مثلاً شاعری یا افسانے خوبصورتی کی ہی چوری کریں گے۔ حال ہی میں اُردو کے مشہور اور کثیر الاشاعت ماہنامہ "شمع" ماہ جون میں کسی جاوید غیاث نے پاکستان کے مشہور شاعر حضرت احسان دانش کی ایک مشہور نظم اپنے نام سے چھپوائی ہے۔ جس پر دفتر شان ہند میں درجنوں خطوط موصول ہوئے ہیں کہ جاوید غیاث ایسے چور متشاعروں کا کچھ علاج ہونا چاہیئے مدیر شان ہند ایسے لوگوں کا علاج کرنے سے قاصر ہے کیونکہ حضرت جگر مرادآبادی کی رائے کے بعد تو ایسے حضرات کی اس قسم کی غیر شاعرانہ روش کو نظر انداز کرنا ہی ہوگا۔ ہاں اگر ایسے حضرات میں "غیرت" کا شائبہ ہو تو حضرت جگر مرحوم کی رائے گرامی پڑھنے کے بعد انہیں اس چوری سے توبہ کر لینی چاہیئے۔

دماغی ورزش

دماغی ورزش کے اس وقت تک جتنے جوابات آئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ عروض کے ساتھ علم قافیہ کا بھی فقدان ہو گیا لہٰذا ابھی ایک ماہ اور انتظار کیا جائے گا۔

حضرت علام عشق آبادی نے قسم کھائی ہے کہ جو شاعر دماغی ورزش کا صحیح جواب نہ دے سکے گا وہ اس کے کلام پر تبصرہ نہ فرمائیں گے۔

مبارک باد

جناب محمد مبین نغمہ کھام گانوی حال مقیم (سورت) کی شادی خانہ آبادی فرزانہ پالو سے پچھلے دنوں کھام گانوں میں بڑی سادگی مگر پُر لطف انداز میں ہوئی تھی۔ سورت۔ بڑودہ اور دیگر کئی مقامات سے نغمہ صاحب کے احباب اور رشتہ تشریف لائے تھے نیز کھام گانوں کے معززین نے شریک ہوکر اس مبارک موقع پر دُلہا، دُلہن کو دُعائیں اور نغمہ صاحب کے والد صاحب کو مبارکباد پیش کی — نغمہ صاحب کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر مدیر شان ہند علالت کے باعث شریک نہ ہوسکا مگر سرور تونسوی کی دلی دُعا ہے کہ نغمہ اور فرزانہ کی جوڑی ہر طرح خوش و خرم رہے۔

جناب رام کشور ویاس

حکومت راجستھان نے جناب رام کشور ویاس صاحب سپیکر راجستھان اسمبلی کو ساہتیہ اکاڈمی (سنگم کی) اُودے پور کا چیرمین مقرر کیا ہے۔ جناب رام کشور ویاس صاحب اپنے ہر فرض منصبی کو آج تک نہایت ذمہ داری دیانت داری اور جانفشانی سے انجام دیتے رہے ہیں اس لئے یہ امر یقینی ہے کہ ان کی سربراہی میں راجستھان ساہتیہ اکاڈمی اب پہلے کی نسبت زیادہ تیز رفتاری سے اپنے فرائض انجام دیگی۔ ویسے تو جب سے جناب راجندر شرما صاحب بحیثیت ڈائریکٹر اس اکاڈمی میں تشریف لائے ہیں اکاڈمی کی کایا پلٹ گئی ہے۔ مگر اب جناب رام کشور ویاس کی سربراہی میں یہ اکاڈمی اور بھی بہتر انداز میں کام کرے گی اور خصوصیت سے اُردو کو نظر انداز نہ کرے گی۔

جشنِ خطیب

جناب دیوان رگھوناتھ صاحب خطیب سرحدی (بریلی) کا جشن پچھلے دنوں لکھنؤ میں نہایت اچھے ڈھنگ سے منایا گیا جس میں اُردو ہندی۔ پنجابی اور پشتو زبان میں مقررین نے خطیب صاحب کی ادبی خدمات کا ذکر فرمایا۔ خطیب صاحب صوبہ سرحد (پاکستان) کے رہنے والے ہیں لیکن [illegible] انہیں لکھنؤ میں ملی ہے۔ یوپی کی اکثر مسلم جماعتیں انہیں اپنے ہاں سیرت النبی شہادت حسین اور دیگر اسلامی تقاریب میں تقریر کے لئے مدعو کرتی ہیں۔ اور جہاں آپ ایک اچھے شاعر اور نثر نگار ہیں وہاں آپ خدمتِ خلق کے لئے ہر وقت جان تک حاضر کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ جشنِ خطیب کی مفصل کارروائی شان ہند میں بہت جلد "گوشۂ خطیب" کے تحت مع تصاویر شائع کی جا رہی ہے۔ مشہور افسانہ نگار جناب رام لال صاحب نے جشنِ خطیب کی کارروائی کو قلمبند کیا ہے۔

دلاور فگار کی اکڑ اور جون ایلیا کی انکساری

پچھلے دنوں پاکستان سے دو شاعر دلاور فگار اور جون ایلیا ہندوستان تشریف لائے۔ یہ دونوں شاعر ہندوستان سے ہی پاکستان گئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ایک عرصہ کے بعد پاکستانی شعراء یہاں تشریف لائے تھے۔ اس لئے جہاں جہاں بھی یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے ان کا بہت اچھا دلی استقبال ہوا۔ اور عوام نے انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔ جون ایلیا نے اپنی خاندانی شرافت اور انسانیت نیز انکساری سے ہر ملنے والے کا دل جیت لیا مگر دلاور فگار نے ہر جگہ اکڑ فوں اور غیریت دکھائی۔ جیسے کہ وہ اس دھرتی کے رہنے والے ہی نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دلاور فگار کے اعزاز میں ان کے آبائی مقام بدایوں میں ایک مشاعرے کا انتظام کیا گیا تو دلاور صاحب نے فرمایا کہ وہ پانچ صد روپیہ معاوضہ لینے پر ہی اس مشاعرہ میں شریک ہوسکتے ہیں۔

دلاور فگار ایڈیٹر شان ہند کے کرمفرما ہیں جب وہ ہندوستان میں تھے تو بھی اور اب ان کے پاکستان چلے جانے پر بھی ان تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا۔

مگر دلاور صاحب نے اپنے اس دورۂ ہندوستان میں کچھ اچھے اثرات عوام کے دلوں پر نہیں چھوڑے۔ وہ محبت پسند اور کم گو تو پہلے ہی سے ہیں مگر یہاں کے فرائض و حقوق سے وہ جس قدر پہلے بیگانہ تھے پاکستان جانے کے بعد یہاں کی اس عادت میں جو پختگی آئی ہے وہ کچھ خوشگوار نہیں ہے۔ جس قدر وہ اپنے آپ کو اچھا اور منفرد شاعر سمجھتے ہیں کاش وہ اس کا دسواں حصہ ہی اپنے آپ کو اچھا انسان سمجھتے تو ان کے بارے میں ہندوستان کے عوام کو ایسی شکایت نہ ہوتی۔

جشنِ سحر نمبر

عالیجناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کی خدمت میں شانِ ہند کا نذرانۂ عقیدت "جشنِ سحر نمبر" انشاء اللہ نومبر یا دسمبر ۱۹۷۶ء میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس وقت دو خوشنویس دن رات جشنِ سحر نمبر کی کتابت کر رہے ہیں۔ جس قدر مضامین موصول ہو چکے ہیں انھیں جناب عزیز اندوری نے ترتیب دیا ہے۔ جناب سحر کے کلام کا انتخاب بھی اس نمبر میں شریک کیا جا رہا ہے۔

کیا ستم ظریفی ہے کہ جناب کنور صاحب کے بہت ہی نزدیک رہنے والے احباب یا ہر وقت ان سے فائدہ اٹھانے والوں میں سے کسی ایک نے بھی کنور صاحب کے بارے میں ایک سطر بھی نہیں لکھی۔ ان کے مقابلہ میں وہ حضرات جو کنور صاحب کی شہرت، شخصیت اور خاندانی شرافت و انسانیت کے باعث ان سے متاثر ہیں انھوں نے بہترین مضامین لکھے ہیں۔ کئی حضرات نے تو درجنوں یاددہانی کرانے کے باوجود مضمون تو کیا خط کا جواب تک نہیں بھجوایا۔ تاہم جشنِ سحر نمبر خدا نے چاہا تو آپ ان کا نظیر ہوگا۔ خدا نے چاہا تو ستمبر کے شمارے میں اس سلسلے میں تفصیلی اعلان کیا جائے گا۔

بقیہ صفحہ ۱۶

عوام کے بے حد اصرار پر آپ ایک اور نظم سنانے مائک پر واپس آ گئی ہیں۔ آپ کے [illegible] آپ کا مجموعۂ کلام ہے جسے دیکھ کر اور آپ کی نظموں سے متاثر ہو کر ایک صاحب نے بڑی جوشیلی آواز میں کہا ہے ... آپ تو پوری کتاب سنا دیجئے ... اس پر ایک ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا ہے۔ بہرحال آپ ایک نظم بعنوان "کوئی دریچہ کھولو" سنا رہی ہیں۔ اس نظم پر بھی ہال میں [illegible] ایک سیلاب امڈ آیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

ذہن کی چاہ بیداری میں اسیر\
ہانپتے کانپتے تشنہ الفاظ\
ان کہے ششدر و حیران الفاظ\
سرد ہونٹوں سے پھسلتے ہوئے بے جان الفاظ\
جن میں گھٹتا ہے دم — کوئی دریچہ کھولو\
کوئی کھوئی ہوئی ساعت\
کوئی بھٹکا ہوا بے شعور خیال\
کوئی صورت کوئی نام کوئی تشنہ ترسیل پیام\
کوئی خوابوں کا کنوارا منظر\
کوئی ہو رنگِ سحر\
کسی زنجیر کی جھنکار\
کہیں ریت میں دھنستے ہوئے لفظوں کی پکار\
بادِ صحرا و سموم\
کچھ تو آئے کہ دیوارِ تعقل ٹوٹے\
کوئے نیزہ کہ بڑھے جس کے سینے میں شگاف\
جس میں گھٹتا ہے دم کوئی دریچہ کھولو۔

ساجدہ زیدی کی نظموں کے تاثرات نے مشاعرہ کے اختتام کو خوشگوار بنا دیا ہے۔

اس وقت رات کے ۲ بج چکے ہیں۔ [illegible] کی جانب سے سامعین اور شاعرات [illegible] ایک [illegible] ہے [illegible] دیا گیا [illegible]

قوم پھر ہمت سے آگے بڑھنے لگی ہے
1975-76ء

پیداوار اور کارکردگی میں اضافہ

- معیشت میں ترقی کی شرح 5.5 فیصد رہی جب کہ 75-1974ء میں یہ صرف 0.2 فیصد تھی۔
- صنعتی پیداوار میں 4.5 فیصد اضافہ ہوا جب کہ 75-1974ء میں یہ صرف 2.5 فیصد تھا۔
- اناج کی پیداوار 11.40 کروڑ ٹن تک پہنچ جانے کی توقع ہے۔
- پبلک سیکٹر اداروں کی مجموعی پیداوار میں تقریباً 36 فیصد اضافہ ہوا۔
- ریلوں اور ڈاک و تار کے محکموں میں وقت کی پابندی، مستعدی اور لوگوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے اور ان کی بہتر خدمات انجام دینے کے کام میں نمایاں اصلاح۔

DAVP 76/93

مشاعرۂ شاعرات

اردو سروس آل انڈیا ریڈیو۔ دہلی

عزیز اندوری

آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس کے ذمہ دار اراکین، شعراء و ادبا کے نوازنے اور انھیں ان کا حق دینے کی جانب متوجہ رہے ہیں ان کی مخلصانہ کوششوں اور جذبۂ ادب نوازی سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن بعض صورتوں میں ہزاروں روپیہ صرف کرنے کے باوجود اگر کسی پروگرام کا بڑا حصہ بے لطفی اور بدمزگی کی نذر ہو جائے تو اسے کیا کہا جائے گا۔

بے لطفی اور بدمزگی کا ایسا ہی ایک منظر اس مشاعرے میں دیکھنے کو ملا۔ جو ۶ مارچ ۷۶ء کی شام کو ۷ بجے ایوان غالب میں منعقد کیا گیا تھا۔ اور جس میں ملک کے چاروں سمتوں کی شاعرات نے حصہ لیا تھا لیکن مختلف سمتوں سے ابھرنے والے شعری رنگوں نے ہال میں موجود تقریباً ۲-۱/۲ ہزار اہل ذوق کو بہت کم اپنی زبان (داد دینے کی خاطر) کھولنے کا موقع دیا۔

عموماً مشاعرے میں چند شعراء (یا شاعرات بھی) تمام اسی خیال کے پیش نظر پڑھتے ہیں کہ سامعین اس کے "جادوگری حسن" پر پھڑک اٹھیں گے۔ لیکن اس زمانہ ناکامی کی بہت سی تصاویر اس مشاعرے میں دیکھنے کو ملیں۔ بلکہ اس کے برعکس اس کلام کو [illegible] ناپسند کیا گیا۔ جیسے عام طور پر مشاعرے [illegible] کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ اور پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ سارا کلام تحت اللفظ پڑھا گیا جبکہ [illegible] کا جادو بیشتر اوقات سامعین [illegible] لیجاتا ہے۔

مختصر سی تمہید صرف اس لئے پیش کی گئی کہ میرے ذہن میں شاعرات کی فہرست دیکھنے کے بعد اس کی کامیابی کا جو رخ ابھرا تھا وہ قدرے بدلا ہوا نظر آیا۔

خیر میں عزیزم ابراہیم اشک کے ساتھ تقریباً پونے سات بجے جب ایوان غالب پہنچا تو دروازے پر قیصر قلندر صاحب اور [illegible] رضوی صاحب کو آل انڈیا ریڈیو کی جانب سے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے پایا۔ ان حضرات سے سلام علیک کے بعد جب ہال میں داخل ہوا تو وہاں محمود ہاشمی صاحب سے ملاقات ہوئی لیکن اس وقت تک اسّی فیصدی نشستیں خالی تھیں۔ رفتہ رفتہ سامعین کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ ریڈیو کے ملازمین اور ذمہ داران انتہائی خوش سلیقگی سے آنے والے مہمانوں کے استقبال میں مصروف رہے۔ اگلی صفوں میں چند نشستیں معزز مہمانوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہیں۔

شاعرات اسٹیج پر پہنچ چکی ہیں۔ ٹھیک ۷ بجکر دس منٹ پر شمیم عصمت نے مائیک پر پہنچ کر آداب کیا ہے [illegible] سامعین کا استقبال کرتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا ہے [illegible] وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
آپ [illegible] ہی ہیں کہ اردو کے بیشتر شعراء نے عورت [illegible] شاعری کا پسندیدہ موضوع بنا کر پیش

لیا ہے وہ کبھی ماں کے روپ میں تو کبھی بیٹی کی شکل میں تو کبھی بیوی کی صورت میں تو کبھی محبوبہ کے تصور میں نظر آئی ہے۔ اب یہ کرشمہ رونما ہو چکا ہے کہ اردو شاعری میں ابھرنے والا عنصر شاعرہ کے کردار میں ابھرا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ شاعری خود شاعری کرنے لگی ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ نے اس مشاعرے میں شرکت کرنے والی شاعرات کے نام پڑھ کر سنائے ہیں جو اس طرح ہیں۔ نسیم مخموری، مسعودہ حیات، عزیز النساء صبا حیدر آبادی، جمیلہ بانو، عزیز بانو داراب سیدہ فرحت، ذکیہ سلطانہ نیر، شاہ جہاں بانو یاد دہلوی حسینی سرور، اور ساجدہ زیدی۔ آپ مزید بتا رہی ہیں کہ ساحرہ قزلباش اور بیگم ممتاز مرزا کا انتظار ہے تو لیجئے شمع التماس سب سے پہلے محترمہ نسیم مخموری کے سامنے ہے۔

نسیم مخموری مائیک کی طرف جا رہی ہیں۔ آپ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہتی تھیں لیکن پتا نہیں کس لئے آپ نے ارادہ بدل دیا ہے اور بیٹھ کر اپنا کلام مناسب ترنم کے ساتھ سنانا شروع کیا ہے ابھی آپ نے مطلع کا پہلا مصرعہ ہی پڑھا تھا کہ معلوم ہوا مائیک میں کچھ گڑبڑ ہے اس لئے اسے ٹھیک کیا گیا ہے۔ اور اب سنئے وہ مطلع جس پر ہلکی سی داد ملی ہے

مہکتی شب کے دریچے میں خواب جیسا تھا
ملوں تو تجھ بچھڑنا عذاب تھا

مطلع کے بعد ایک شعر اور اسی انداز کا پڑھا ہے یعنی اس پر بھی کہیں کہیں سے داد ملی ہے۔
سنئے اب نسیم مخموری ایک ایسا شعر پڑھ رہی ہیں جس پر کافی داد ملی ہے اور اسے دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔

ورق ورق ہوئے پھرتے تھے تیرے کوچے میں
ہمارا حال شکستہ کتاب جیسا تھا

ادھر یاد دہلوی جھومتے ہوئے انداز میں اس شعر پر داد دے رہے ہیں۔ اور میرے آگے بیٹھے ایک بزرگ (جو سفید ریش ہیں) ہاتھ اٹھا اٹھا کر اپنی پسند کا اظہار کر رہے ہیں

وہ شخص جس کو خزاں لے گئی بہاروں سے
...... کبھی چمن میں شگفتہ گلاب جیسا تھا
وہ دور رہ کے بھی اکثر قریب لگتا ہے
وہ زندگی کے سفر میں سراب جیسا تھا

ان معمولی شعروں پر بھی نسیم مخموری کو خاصی داد ملی ہے۔ ایک شعر اور سنانے کے بعد آپ مقطع سنا رہی ہیں۔

اسے خبر بھی نہیں کون جل رہا ہے نسیم
زمیں سے دور کوئی آفتاب جیسا تھا

شاید یہ بات پہلے سے طے ہو چکی تھی کہ ہر شاعرہ سے دو دو غزلیں سنی جائیں گی سو نئے نسیم مخموری ایک اور غزل سنا رہی ہیں۔ جس کا مطلع ہے۔

ور ذ کا ذرہ ہے رسوائی کی رسوائی ہے
پھر ترے شہر کی جانب ترا سودائی ہے

مطلع کے بعد دو شعر اور پڑھے ہیں۔ جن پر معمولی داد ملی ہے اور اب سنئے ایک ایسا شعر جس پر بے حد داد ملی ہے اور اسے دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔

ٹوٹ جائیں گے ابھی اتنا تغافل تو نہ کر
ہم نے شیشوں سے بکھرنے کی ادا پائی ہے

نسیم مخموری مناسب داد پا کر اپنی جگہ واپس آگئی ہیں۔ اور اب اعلان کیا گیا ہے کہ ساحرہ قزلباش اسٹیج پر آ چکی ہیں۔ جن کا تعارف کراتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ شاعری اور ساحری کا باہمی رشتہ ہے۔ اس قول کی صداقت کے لئے سنئے ساحرہ قزلباش سے ان کا کلام۔ ساحرہ کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جس نے دنیائے موسیقی میں کئی نسلوں سے اپنا

وقار بنا رکھا ہے۔ میرا مطلب ہے ڈاکٹر خاکمان سے اس لئے آپ کے ترنم میں جاذبیت اور دلکشی کا ہونا لازمی ہے۔ اسی کے ساتھ آپ امیر آغا قزلباش کی اہلیہ بھی ہیں اور چونکہ امیر آغا نے جدید رجحانات شعری کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کی ہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ کے اشعار میں نکھرا ہوا انداز پایا جانا ضروری ہے۔ بہرحال ساحرہ مائیک پر پہنچ چکی ہیں لیکن انھوں نے غالباً اسی خیال کے پیش نظر ہلکے پھلکے اشعار سنانے شروع کر دیئے ہیں کہ مشاعرے میں عام طور پر سامعین کا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے اور عموماً ایسے مجمع میں ہلکے پھلکے اشعار بھی اپنا جادو دکھا جاتے ہیں۔ لیکن شکر ہے کہ ساحرہ کو بہت جلد یہ احساس ہو گیا اور انھوں نے پہلی غزل کے صرف چار شعر سنانے کے بعد دوسری غزل کافی سنبھلے ہوئے انداز میں شروع کی ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

ہم یوں تمام عمر رہے زندگی کے ساتھ
جیسے ہر ایک غم ہو گوارا خوشی کے ساتھ

اس مطلع کو پسند کیا گیا ہے اور اس پر خاصی داد بھی ملی ہے۔

سنیئے ساحرہ اگلا شعر پڑھ رہی ہیں۔

کوئی نہیں جو حرف صداقت ادا کرے
دنیا نے وہ سلوک کیا ہے کسی کے ساتھ

اس شعر سے سامعین کافی متاثر ہوئے ہیں اور اسے دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔

ساحرہ کے ایک اور شعر نے سامعین کو چونکا دیا ہے۔ اور آپ کو مناسب داد مل رہی ہے۔ شعر سنیئے۔

ظلمت میں روشنی کی کرن ڈھونڈنے لگے
اہل خرد بھی ہیں مری دیوانگی کے ساتھ

اور اب آپ کی غزل کا مقطع بھی سن لیجئے۔

اے ساحرہ کچھ ایسے گریزاں ہے زندگی
ہم جیسے چل رہے ہوں کسی اجنبی کے ساتھ

ساحرہ اپنی جگہ واپس پہنچ چکی ہیں اور اب اناؤنسر ساحرہ کے ذریعہ پڑھی گئی غزلوں میں سے سب سے کامیاب شعر کو دہرا رہی ہیں۔

کوئی نہیں جو حرف صداقت ادا کرے
دنیا نے وہ سلوک کیا ہے کسی کے ساتھ

اور اسی کے ساتھ شمیم عصمت کو بھی محسوس ہو رہا ہے کہ شاعرات کا یہ مشاعرہ توقع کے خلاف فلک شگاف داد سے محروم ہے۔ نہ تو اسٹیج سے اور نہ ہال کے کسی گوشے سے داد کا "ریلا" امنڈ رہا ہے۔ اسی لیے آپ نے اناؤنسمنٹ میں جان پیدا کرنے کی غرض سے شاعرات کے تعارف کے لئے نیا طریقہ اختیار کیا ہے تاکہ مشاعرے میں اور گرمی پیدا ہو سکے۔

سنئے آپ فرما رہی ہیں۔ سحر دمخار کے معنی ایک دائرے میں حیات کے بھی لئے جاتے ہیں۔ اور حیات کا خیال آتے ہی وسیع الخیالی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے تو اب دعوت غزل سرائی محترمہ مسعودہ حیات کو دی جاتی ہے۔ مسعودہ حیات مائیک پر پہنچ چکی ہیں اور کہہ رہی ہیں۔ "غزل پیش ہے مطلع ملاحظہ فرمایئے۔"

مناسب ترنم میں آپ نے یہ مطلع پڑھا ہے

کہیں کہیں جو اجالا دکھائی دیتا ہے
ہمارے خون کا سایا دکھائی دیتا ہے

اناؤنسر کے الفاظ اپنا کچھ اثر دکھا رہے ہیں۔ اسی لئے مسعودہ حیات کا یہ مطلع توجہ سے سنا گیا ہے اور اس پر خاص داد بھی دی گئی ہے

سنئے آپ فرما رہی ہیں۔

ہمارا آج بھی احساس ہے اگر ان کو
تو کیوں یہ درد اکیلا دکھائی دیتا ہے

اس شعر پر ہال میں بیٹھے بعض اہل ذوق چونکے
ہیں اور انھوں نے اپنی نشستوں سے ہلکی سی کروٹ
بدلتے ہوئے اس شعر کو پسند کیا ہے
ایک معمولی شعر پڑھنے کے بعد مسعودہ فرمارہی ہیں
"ایک شعر ملاحظہ کیجئے جو موجودہ حالات کی عکاسی
کرے گا

کسی کو بوئے وفا ہی یہ کہہ رہی ہے لوگو!
چمن تو سارا لہکتا دکھائی دیتا ہے

اور واقعی اس شعر نے ہال اور اسٹیج کو بیدار کردیا
ہے۔ اس مشاعرے میں پہلی بار بہت کھل کر اس شعر پر
داد دی گئی ہے۔
لیجئے آپ کی اس غزل کا مقطع بھی سن لیجئے جس
پر بھی داد ملی ہے۔

کسی کے عشق میں دل جل چکا حیات مگر
نظر کو اب بھی دھواں سا دکھائی دیتا ہے

آپ نے اب دوسری غزل شروع کی ہے۔ لیکن
صرف مندرجہ ذیل اشعار ہی سامعین کو چونکانے کا
باعث بنے ہیں

گذری ہے زندگی تری دامن کی چھاؤں میں
کیسا غم جو آج سایۂ دیوار بھی نہیں ...
ہم آج خود ہی دور کریں دل کی تیرگی
آساں نہیں یہ کام تو دشوار بھی نہیں

اور اب دہلی کی باہر کی شاعرات کا نمبر ہے۔ یعنی
مہمان شاعرات کی باری ہے۔ سب سے پہلے شمیم
عصمت کی نگاہ اٹھتی ہے دکن کی جانب۔ اس سلسلہ
میں آپ فرمارہی ہیں۔ اس جرم کی تعزیر دیا چوتھی
شاعرہ جن کا تعلق دہلی سے بھی بڑے تاریخی مرکز یعنی
دکن سے ہے۔ اپنا کلام سنانے آرہی ہیں۔ اور وہ
ہیں محترمہ عزیز النساء صاحبہ حیدرآبادی۔ دہلی
سے بڑے تاریخی مرکز سے تعلق رکھنے والی اس شاعرہ
کے بارے میں یہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ آبادیوں کی

بڑی فریبی پیامبر ہیں"
.... اور صبا دل کی باتیں سنانے میں کسی حد تک
گریز سے کام لے رہی ہیں۔ کم از کم ان کے مندرجہ ذیل
اشعار سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔

پھر کوئی تازہ غزل سناؤں کیسے
آپ کو آپ کی تصویر دکھاؤں کیسے
لفظ مجبور ہیں اظہار حقیقت کے لئے
مجھ پہ جو کچھ بھی گزرتی ہے سناؤں کیسے

مجھ سے آگے بیٹھی ایک محترمہ فرمارہی ہیں۔ ہمیں
آپ سے ہمدردی ہے۔ خیر کوشش کیجئے کچھ سنانے کی۔
بہرحال صبا کو داد مل رہی ہے۔ اب وہ تین اشعار بھی
سن لیجئے جنھیں عوام کی فرمائش اور پسند پر صبا نے
دوبارہ پڑھا ہے

عمر گذری ہے محبت کے حسیں دکھوں میں
اتنی یادوں کو بھلا دل سے بھلاؤں کیسے!
دل کے ہر زخم سے آتی ہے وفا کی خوشبو
زخم چھپ جائیں گے خوشبو کو چھپاؤں کیسے
مسکرا دیتی ہے شب غم طنز کرے گی مجھ پر
میں سر شام چراغوں کو بجھاؤں کیسے؟

صبا کی پہلی غزل کی طرح ان کی دوسری غزل
کے اشعار وہ جادو نہیں جگا سکے۔ پھر بھی دو تین
شعر سن لیجئے۔

یہ نہ سمجھو کہ پریشاں ہیں غم دوراں سے
وقت سے آنکھ ملانا بھی ہمیں آتا ہے
یوں تو خوشبو سے بھی کچھ عار نہیں ہے لیکن
غم کو سینے سے لگانا بھی ہمیں آتا ہے۔
غیرت عشق کی رسوائی کا ڈر ہے ورنہ
آپ روٹھیں تو منانا بھی ہمیں آتا ہے

لیجئے ایک بار پھر شمیم عصمت ادبی تاریخ کے
اوراق پارینہ کو الٹتے ہوئے اس مشاعرے کی اسپرٹ
کو باقی رکھنے کی کوشش میں فرمارہی ہیں۔

دیوتاؤں اور مرکزی ان کا پیمانہ تصور ٹوٹ گیا ہے۔ اسی
ہم دیکھتے ہیں کہ دلی سے میرٹھ کی سرزمین کا فاصلہ اب دور
ہے۔ اس کا اندازہ جمیلہ بانو کی غزل سن کر بخوبی ہو سکے گا
جمیلہ مائیک پر آ چکی ہیں اور محسن داؤدی جیسا انداز
بیان کر کے غزل کا مطلع سنایا ہے۔ لیکن پتا نہیں کس لئے صرف
اشعار ہی سنانے پر اکتفا کیا ہے۔ دو اشعار آپ
سن لیجئے ؎

نظر شعورِ بشر دیکھتے رہے
عالم تمام زیر و زبر دیکھتے رہے
تم نے بارہا ہمیں آگاہ بھی کیا
ہم پھر بھی تیری راہ گزر دیکھتے رہے

اور اب انھوں نے دوسری غزل چھیڑی ہے۔ اسی بیچ
حضرات ہال سے باہر جا رہے ہیں۔ پہلی غزل کے مقابلہ
اس غزل کے بعض اشعار نے سامعین کو کچھ لگایا ہے
اشعار سن لیجئے

غم حیات کی صہبا میں کتنی مستی ہے
بقدر ظرف یہ تھکی ہے اور مستی ہے
نظر نظر مہ و انجم نفس نفس خوشبو
تیرے خیال کی بستی عجیب بستی ہے
کہاں ہے کوئی خریدار فکر و فن لے دوست
یہاں تو لاؤ وہ جنس ہنر جو سستی ہو
چلیں تو دل کو سنبھالے ہوئے چلیں ہم تم
یہ شہر شیشہ نہیں پتھروں کی بستی ہے

اور اب لیجئے شمیم عصمت کی توجہ ایک ایسی شاعرہ کی
ہوئی ہے جن کے کلام میں بقول ان کے گومتی کی سیرابی
رہی ہے۔

سنئے عزیز بانو دارا ب وفا لکھنوی تحت اللفظ چند
اشعار سنا رہی ہیں جن پر ہر طرف سے (پہلی بار) داد
کا ریلا سا امنڈ آیا ہے۔ ہال کے وہ حصے جو اب تک
خاموش اور ساکت تھے واہ واہ کی آواز سے گونجتے نظر
رہے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ؎

نہ جانے کتنی مدت ہو گئے ہیں جسموں کے غاروں میں
کہ ہم سب اجنبی ہیں اپنے خوابوں کے دیاروں میں
نکلتے ہی گھروں سے ہم کو راہیں گھیر لیتی ہیں
جہاں جائیں ہمارے پہرے رہتے ہیں حصاروں میں

اور سنئے۔

بہا کر لے گیا سڑکوں سے اک سیلاب سارے بت
نہیں باقی بچے ہیں صرف اپنی یادگاروں میں...
ہماری بے بسی شہروں کی دیواروں پہ چپکی ہے
ہمیں ڈھونڈے گی کل دنیا پرانے اشتہاروں میں
عجائب گھر میں جا بیٹھے آدمی محفوظ ہوں اب تک
ہم ایسے لوگ، تو شامل ہیں پتلوں کی قطاروں میں

اور آخری شعر بھی سن لیجئے

ہم اپنے خال و خط کھو کر بھی اس امید پر خوش ہیں
کہ ہم کو زندگی ڈھالے گی اپنے شاہکاروں میں

وفا صاحبہ نے دوسری غزل سنانی شروع کی ہے
لیکن اس غزل کے ہر شعر پر اس قدر داد نہیں ملی ہے جبکہ
پہلی غزل پر انہیں ملی تھی۔ پھر بھی اس غزل کے بھی چند اشعار
سن لیجئے۔

نکل پڑے نہ کہیں اپنی آڑ سے کوئی
تمام عمر کا پیمانہ توڑ دے کوئی
ہٹا نظر سے تو بستی کی روح پر تھی بچھا
ملا تھا گھومتا جنگل میں دن ڈھلے کوئی
گنوا کے عمر بسایا تھا شہر خوابوں کا
سمیٹ لے گیا اس کے بھی راستے کوئی
میں پھوٹ پھوٹ کے روتا رہا باہر اندر
بکھیرتا رہا بے ربط قہقہے کوئی

اگر یہ کہا جائے تو شاید بجا نہ ہوگا کہ وفا صاحبہ مشاعرہ
میں ایک نئی روح دوڑا کر اپنی جگہ واپس آگئی ہیں۔ اور اب
آواز دی جا رہی ہے علی گڑھ سے تشریف لائی محترمہ سیدہ
فرحت کو۔
موصوفہ انتہائی تیزی کے ساتھ اپنا کلام سنا رہی ہیں

آپ کی دونوں غزلوں کے چند اشعار نوٹ کر پایا ہوں داد کے بارے میں کیا عرض کروں مشاعرے میں پڑھنے اور سامعین کو اپنے اشعار سنانے کا ایک خاص ڈھنگ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض شعراء اور شاعرات اس قدر ماہر ہوتے ہیں کہ ان کے پڑھنے کا انداز ہی ان کے اشعار کی تفسیر بن جاتا ہے۔ لیکن بعض حضرات و خواتین سے بعض مرتبہ چوک ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اکثر مواقع بیان کا اچھا خاصہ کلام سامعین کو متاثر نہیں کرتا۔ یہی کچھ فرحت صاحبہ کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ پھر بھی آپ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ اور اپنی پسند کے مطابق داد دیجئے

درد جگر کا کوہ یہاں لا چارہ ساز ہے
انسان خود غرض ہے خدا بے نیاز ہے

عقل و خرد کی ہوتی رہیں موشگافیاں
رازِ حیات آج بھی سربستہ راز ہے

جنونِ عشق کا حاصل جو بے خودی نہ رہے
نوائے شوق میں روحِ سرمدی نہ رہے

ہم اہلِ عشق جلائیں اگر نہ دل کے چراغ
کہیں جہاں میں محبت کی روشنی نہ رہے

ہم اپنے خون سے کشتِ حیات سینچیں گے
بلا سے اس میں سہی اپنی زندگی نہ رہے

نئی بہار کا پیغام لائے تازہ ہوا
خزاں نصیب یہ گلزارِ زندگی نہ رہے

چراغ سے یونہی جلتے رہیں چراغ سدا
اجالا پھیلتا جائے یہ تیرگی نہ رہے

لیکن سچ پوچھئے تو وفا صاحبہ کے اشعار کا جادو سامعین کے ذہنوں کو اس تیزی سے متاثر کر گیا ہے کہ اسے … محترمہ ذکیہ سلطانہ نیّر کی غزل اور ایک نظم باوجود پراثر ہونے کے نہیں توڑ پائی ہے۔ ہندوستان کی ترقی یافتہ پہلوؤں کو جس انداز سے پیش کیا گیا ہے انہیں بے حد سنجیدگی اور غور کے ساتھ قبول کیا جا رہا ہے پہلے غزل کے چند اشعار اور پھر بے عنوان نظم (اس لئے کہ محترمہ نیّر نے نظم کا عنوان بتایا ہی نہیں) ملاحظہ کیجئے۔

گلشن میں شاخ شاخ چراغاں ہے آج کل
ہر پھول ایک شمع فروزاں ہے آج کل

موجوں میں بند شورشِ طوفاں ہے آج کل
گرداب کشتیوں کا نگہباں ہے آج کل

جن کھیتوں پہ ابر کا سایا نہ تھا کبھی
اُن کھیتوں میں ابر خراماں ہے آج کل

خورشیدِ نو کے پرتوِ انوار پاش سے
ذروں میں ماہتاب خنداں ہے آج کل

اقدامِ حق کی فتح مسلسل کو دیکھ کر
کچھ اعتبارِ عالمِ امکاں ہے آج کل

نیّر کسی سے اب نہ رکے گا یہ کارواں
ہر گام انقلاب درخشاں ہے آج کل

جو دل ایک ہے تو جہان ایک ہے
بہار ایک ہے گلستاں ایک
چمن ایک ہے آشیاں ایک ہے
جو سوچو تو دردِ نہاں ایک
سنو تو ہر اک داستاں ایک ہے
کہیں ہیں گلاب اور کہیں یاسمن
کہیں نسترن ہے کہیں ہے نستر
الگ ہے ہر اک پھول کا بانکپن
جدا ہے ہر اک پھول کا پیرہن
مگر پھر بھی یہ گلستاں ایک ہے
زمیں ایک ہے ایک ہے اپنا گگن
ہے ایک آشیاں ایک اپنا ؟
ہے سمتوں سے آزاد اپنا وطن
کہاں کا شمال اور کہاں کا
بہر سمت ہندوستان ایک ہے

[illegible] خود بھی ذکیہ نیّر صاحبہ کا کلام سن کر اپنے [illegible] کا اظہار اس طرح کر رہی ہیں کہ ان کے کلام میں ملک خوشگوار حالات کے ساتھ ہی آگے بڑھتے ہوئے ق

کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔ آپ اسی مناسبت سے یادؔ دہلوی صاحبہ کا تعارف کراتے ہوئے فرما رہی ہیں یہ آئیے اب یادؔ کے کلام میں دھڑکتے ہوئے دل کی آواز سنئے

یادؔ صاحبہ اپنی جگہ سے سرکتی ہوئی مائیک تک پہنچی ہیں ایک عجیب انداز بے نیازی کے ساتھ غزل کا مطلع سنایا ہے

ہم نے مانا کہ دنیا میں تم کو چاند سورج ستارے ملیں گے
غم سے خالی مگر کون ہوگا سب کے سب غم کے مارے ملیں گے

یادؔ صاحبہ کی بھاری بھر کم آواز سے سارا ہال گونج رہا ہے۔ لیکن مطلع پر آپ کو اسی قدر گونجتی ہوئی داد نہیں مل سکی ہے۔ البتہ اس شعر نے کافی لوگوں کو چونکا دیا ہے سُنئے۔ ؎

میرے مالک تری رحمتوں کی انتہا ہو بھی جائے تو کیا ہے
اہلِ عالم تو اہلِ ہوس ہیں اپنے دامن پسارے ملیں گے

لیکن اس کے بعد دو اشعار پھر اسی انداز کے پڑھے ہیں جن پر کہیں کہیں سے ہلکی ہلکی داد ملی ہے۔ ہاں مقطع نے کچھ لوگوں کو واہ واہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ؎

آرزوؤں کی ان بستیوں میں یادؔ ہم اس لئے مطمئن ہیں
ٹوٹ جائے گا جب اک سہارا جانے کتنے سہارے ملیں گے

اس سے قبل کہ یادؔ صاحبہ دوسری غزل شروع کریں ہال کے بائیں حصے سے ایک آواز آئی ہے "غزل چھوٹی بحر میں سنائیے"۔ پتا نہیں بحر کی اس "قید" سے ان صاحب کا کیا مقصد ہے۔؟ خیر یادؔ صاحبہ فرما رہی ہیں۔ غزل کا مطلع سنئے۔ ؎

پوچھتا کون ہے راس آئے گی دنیا کب تک
دیکھنا یہ ہے ستم ڈھائے گی دنیا کب تک

اور..... ہر طرف خاموشی سی ہے۔ لیکن ٹھہرئیے، یادؔ صاحبہ نے وہ شعر بھی سنایا ہے جس نے ہال کے سکوت کو توڑ دیا ہے یعنی شعر کو دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔

سُن لیا کرتے ہیں یہ سوچ کے افسانۂ غم
ایک ہی بات کو دہرائے گی دنیا کب تک

اور اب سُنئے، ایسا شعر جس پر داد کا وہ عالم تو نہیں

ذرے ذرے سے چلے ہیں گل و گلزار لیے ہم یاد خود تڑپ ... تڑپائے گی دنیا کب تک

ہے جو پہلے شعر پر تھا لیکن اسے بھی پسند کیا گیا ہے۔ ؎

ہم خود اک روز طلسمِ شبِ غم توڑ دیں گے
وعدۂ صبح سے بہلائے گی دنیا کب تک؟

لیکن یادؔ صاحبہ کے مندرجہ ذیل شعر اور مقطع نے پھر خاموشی کے منظر کو پیش کر دیا ہے۔

سچ بتا میرے خیالات کے مالک مجھ کو
میرے ہر خواب میں ڈھل جائیگی دنیا کب تک؟

اور لیجئے ایکبار پھر اناؤنسر صاحبہ سمتوں کا تعین کرتے ہوئے جنوب و مشرق یعنی دھار وار سے آئی ہوئی شاعرہ حسنیؔ سرور کو دعوت غزل سرائی دے رہی ہیں۔

سرور صاحبہ نے بڑے دلکش اور پرکشش ترنم سے غزل کا مطلع پڑھا ہے۔ سنئے۔

شام کے ساتھ جلا دل میں دیا آہستہ
بجھ نہ جائے کہیں اے بادِ صبا آہستہ

لیکن داد حسب توقع نہیں مل پائی ہے۔ آپ اپنا اگلا شعر سُنا رہی ہیں۔ ؎

زخم ہی زخم ہے سر تا بقدم جسم مرا

اس مصرعے پر آپ کو داد مل رہی ہے اور اس داد کا جواب آداب کر کے دے رہی ہیں۔ بہر حال شعر سُنئے

زخم ہی زخم ہے سر تا بقدم جسم مرا، ٹوٹ جاؤں نہ کہیں دستِ ہوا آہستہ

اور اب سنئے

بعد مدت کے ابھی ان کو لگی ہے غم کی ...
کوئی نوحہ کوئی نغمہ کہ صدا آہستہ

لیکن آپ کا یہ شعر ہال کی خاموشی کو نہیں توڑ سکا ہے۔!

اگلا شعر سُنئے، جس پر خاصی داد ملی ہے۔ اور اسے دوبارہ پڑھوایا گیا ہے ؎

ٹوٹ جائیں نہ کہیں زخمِ جگر کے ٹانکے
اے مسیحا فدا تکمیلِ وفا آہستہ

اور اب حسنیؔ سرور اپنی دوسری غزل کے چند اشعار سنا رہی ہیں۔ آپ حضرات سارے اشعار سن لیجئے اور داد کا اندازہ خود لگا لیجئے۔ ؎

جو اجنبی تھے وہ اپنوں سے بڑھ کے لگتے ہیں
نہ جانے پیار کا کیسا عجیب رشتا ہے
جو روشنی سی آتی ہے گوشۂ دل میں
ضرور آج شعورِ حیات جاگا ہے
چھپا کے رکھا ہے پردوں میں زخمِ دل اپنا
صبا کی چھیڑ پہ غنچہ کا دل لرزتا ہے
تری نگاہ میں یہ جو کرن سی کانپتی ہے
دیارِ دل میں یہ کیسا چراغ جلتا ہے
بجا ہے جرم کے شکوے زباں پہ آئے تھے
کسے ہے فکر کہ اس جرم کی سزا کیا ہے
ہم اپنے غم کی بھی تکمیل کر نہ پائیں گے
کہ درد آج بھی کچھ ناتواں سا لگتا ہے
غبارِ راہ کی صورت بکھر نہ جاؤ کہیں
وہ دیکھو دور سے طوفان سا لپکتا ہے
وہ ایک درد چراغِ سفر بنا حسنیٰ
قدم قدم پہ وگرنہ بہت اندھیرا ہے

حسنیٰ سر در قدم قدم کو قدم قدم بڑھ رہی ہیں۔ اس پر چند حضرات جو غالباً دکھنی لہجہ کی "مجبوری" سے پوری طرح واقف نہیں متعجب ہو کر ان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

بہرحال اب اس مشاعرہ کی آخری شاعرہ کی باری ہے اور وہ ہیں محترمہ ساجدہ زیدی۔ آپ بقول انا قسطاس دور کی نفسیات کو شعر کی قالب میں ڈھالنے پر قادر ہیں۔ ساجدہ زیدی کا تالیاں بجا کر استقبال کیا جا رہا ہے۔ آپ فرما رہی ہیں۔ دو مختصر نظمیں آپ حضرات کو سنا رہی ہوں۔ پہلی نظم کا عنوان ہے "بھٹکتی روح" ملاحظہ کیجئے۔ سہ

بہت عرصہ ہوا ایک نیم جان مدھم سی چنگاری سے ہم نے
دہکتا جگمگاتا سا اک عجب شعلہ جلایا تھا
کہ جس کی آنچ سے پتھر پگھل جاتے تھے......
کہ جس کی لو جلا دیتی تھی [illegible] وں کا سیاہ دامن
کہ گرم آتش کا سمندر سرو یخ بستہ وہ شعلہ جل بجھا کب کا
اب اس کی راکھ بھی شاید
کہیں راہوں کے ذروں میں بکھر کر کھو گئی ہوگی۔
لیکن
وہ چنگاری
سنا ہے اب بھی غموں کے کھنڈر میں
گاہے گاہے جھلملا اٹھتی ہے راتوں کی سیاہی میں
بھٹکتی روح ہو جیسے صدیوں سے آوارہ

نظم کے ختم ہونے پر سامعین نے اپنی پسند کا اظہار تالیاں بجا کر کیا ہے۔ سنئے! اب ساجدہ صاحبہ اپنی دوسری نظم سنا رہی ہیں۔ آپ کے پڑھنے کا انداز بڑا ہی دلکش ہے ٹھہر ٹھہر کر ہر مصرعہ کو اس انداز سے پڑھتی ہیں کہ وہ اپنی تفسیر آپ بن جاتا ہے۔ بہرحال نظم سنئے۔

میں نے ڈھونڈا تھا تمہیں — لمحوں کے سیاہ خانے سے
سرمگیں رات کا لرزیدہ ستارہ جیسے
عمر جس کی ہو بس اک شب کی پریشاں نظری
تم نے دیکھا ہے مجھے ایام کے چٹخے ہوئے آئینے میں
"ایام کے چٹخے ہوئے آئینہ" پر کافی داد دی گئی ہے
شمع خود سوختہ کی طرح پگھلتے ہوئے لمحہ لمحہ
برقِ پا وقت کی ہر موج ہے
خاشاک میں یہ شام و سحر یہ مہ و سال
کوئی لرزیدہ ستارہ ہو کہ شمع سوزاں
چند زخموں کے سوا ان کی سوغات ہے کیا؟
اک تلاشِ موہوم
اور بے چین نگاہوں کی مکافات ہے کیا؟
برقِ پا وقت کی موج ہے
سیماب سے اصنام ترشتے ہیں کہاں
حلقہ در حلقہ حبابوں کی سی زنجیریں ہیں
کیا کسی خواب کے چہرے سے اٹھانے کوئی سنگین حقیقت
کونسی برق صفت لمحے کا دامن تھامے
کس لئے کھوتے ہوئے وقت کا ماتم کرے
ماتم کہ ہر فرد ابھی ہنسنا مرغوب بھی ہے۔ دیر ہو رہی ہے
ساجدہ زیدی صاحب واپس جانا چاہتی ہیں۔

باقی صفحہ

مفتوں کوٹوی

"قصرِ سخن" کی غزلیاتی جدولیں

کچھ برسوں پہلے کی بات ہے۔ کسی ریڈیو اسٹیشن سے ایک مشاعرہ نشر ہو رہا تھا اس کے کسی شاعر کا یہ شعر مجھے بہت پسند آیا۔ اس مشاعرہ کے سامعین نے بھی اسے دو تین دفعہ پڑھوایا تھا ؎

اس شخص میں ضرور کوئی خاص بات ہے
جو شخص ہر مقام پہ تنہا دکھائی دے

شعر جہاں صفت سہلِ ممتنع کا حامل ہے۔ وہاں خود معنویت بھی رکھتا ہے۔ خاص بات جس سے وہ شخص ہر مقام پر تنہا دکھائی دیتا ہے اس کی پست ترین صفت بھی ہو سکتی ہے اور اس کا اعلیٰ ترین اخلاق بھی۔ یا تو وہ اس شعر کے مطابق ہو ؎

وہی ہے تلخ کلامی وہی جبیں پہ ہے بل
کبھی وہ ہم سے ملے بھی ہیں آدمی کی طرح

یعنی جس سے بات، اس نے شکایت ضرور کی۔ والا معاملہ ہو تو ایسا شخص بھی کسی کارواں، کسی محفل، اور کسی جماعت یا حلقہ میں جذب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ اپنے کمالات و صفات میں منفرد و یگانہ ہو۔ اس کا اخلاق گوارا اور اس کا لب و لہجہ دل آرا ہو تو ایسا شخص بھی ہر انجمن اور ہر گروہ میں امتیازی مقام کا مالک ہو گا۔ اس غزل کے دیگر اشعار بھی پسندیدہ تھے۔ لیکن یہ شعر خاص صورت میں یاد رہ گیا۔ شاعر کا نام ریڈیو پر میں سن نہیں سکا یا میری گرفت میں نہ آ سکا۔ بہرحال یہ شعر مجھے یاد رہا اور اس کے مصنف قابل قدر شاعر کی تلاش تھی۔ اب جب "قصرِ سخن" جناب قیصر اندوری کا شعری مجموعہ مجھے دستیاب ہوا تو گویا گمشدہ خزانہ ہاتھ آ گیا۔ یہ غزل جناب قیصر ہی کی ہے۔ موصوف نے اس غزل میں انسان کی مشاقی سے حالات حاضرہ کی چابکدستی کے ساتھ عکاسی کی ہے کہ اس خاص بات کی وجہ سے وہ "تنہا" دکھائی دیتے ہیں۔ یعنی انفرادی اور امتیازی مقام پر — غزل ملاحظہ ہو ؎

تم کو نئے لباس میں دنیا دکھائی دے
ہر آدمی۔ ہمیں تو برہنہ دکھائی دے

ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں نے جس قسم کا لباس ان دنوں اختیار کر رکھا ہے۔ اور لباس میں جو وضع قبول کر رکھی ہے وہ ہر متین و مہذب، سمجھدار اور بالغ نظر کی نگاہ میں قابل اعتراض ہے۔ شاعر لباس کی اسی وضع و قطع پر معترض ہے لباس جو ستر پوشی اور پردہ داری کے کام کی چیز ہے اگر اپنی ان صفات سے عاری ہو تو وہ لباس کیوں نہ قابل اعتراض ہو گا ؎

اتنی بلند اپنی نگاہوں کو کیجئے
قطرہ بھی آپ دیکھیں تو دریا دکھائی دے

اس شعر کے ذریعہ شاعر کشادہ نظری اور وسیع القلبی کے ساتھ ہر شئے کو عمیق نگاہوں سے دیکھنے کی تلقین کر رہا ہے ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار یعنی ہر ذرہ اپنی جگہ آفتاب ہے صرف نگاہ ہونی چاہئے وہ نگاہ جس کی تعریف اقبال نے اس طرح کی ہے ؎

قلندریم و کرامات ما جہاں بینی است
ز ما "نگاہ" طلب، کیمیا چہ می جوئی ؟

بہتر اپنی آنکھ کا پہلے وہ دیکھ لیں ۔۔ اوروں کی آنکھ میں جنہیں تنکا دکھائی دے

انسان کی نظر اپنے معائب پر کم پڑتی ہے۔ بلکہ نہیں پڑتی۔ ہاں وہ دوسروں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی میں بڑا سرگرم اور مستغرق رہتا ہے۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؎

قسمت میں اس کی روشنی جتنی بھی ہو سکے
دریا کے پاس جو کوئی پیاسا دکھائی دے

واقعی محرومی و نامرادی کی حد بھی ہے! وہ شخص ہزار بار ترس کھانے کے قابل ہے جو قریب دریا بھی تشنہ رہے۔ ملکی و وطنی لحاظ سے ایسے ہزارہا بدنصیب آج بھی موجود ہیں جنھیں آزادی کا کوئی لطف حاصل نہ ہو سکا۔ ہاں شاید اب ان کی قسمت کھل سکے۔

اندھیرا یہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے ہم نشیں
سورج کی روشنی میں اندھیرا دکھائی دے

سابقہ شعر سے یہ شعر ملا کر پڑھئے یا اس غزل کے مطلع سے اس کا رشتہ جوڑ لیجئے یا موجودہ تہذیب و تعلیم پر نظر ڈال لیجئے آپ کو اس شعر کی صداقت و عظمت کا پتہ چل جائیگا۔

جو بڑھ کے جام چھین لے ساقی کے ہاتھ سے
تشنہ لبوں میں کوئی تو ایسا دکھائی دے

جہاں شیوہ اپنوں ہی اپنوں کو تقسیم ہو۔ وہ نظام ملکی ہو یا نظام میکدہ۔ جرأت و جسارت ظاہر کئے بغیر، اور خود شناسی و خود اعتمادی سے کام لئے بغیر کوئی بھی اپنے حقوق حاصل نہیں کر سکتا۔ تشنہ لبوں میں اگر کوئی ایسا نہ ہوگا۔ تو ساقی کی غیر منصفانہ تقسیم متواتر جاری رہے گی۔ اور اسے اس دھاندلی سے کوئی روک نہیں سکے گا۔

مقطع اس غزل کا یوں ارشاد ہوا ہے۔

قیصر تم اس کو آدمی کہنا نہ بھول کر
اک ورحس کے چہرہ پہ چہرا دکھائی دے

یہ ہماری سوسائٹی کے منافقوں اور بگلا بھگتوں پر بہترین طنز ہے۔ ایسے لوگ نہ آدمی ہیں نہ انھیں آدمی کہنا چاہئے۔ بے چہرگی کا حامل ہونا یا دو چہرے رکھنا۔ جدید غزل کی اصطلاح و علامت ہے جسے اظہار مدعا کے لئے قیصر صاحب نے قبول کر لیا ہے ایک اور مطلع بھی اسی قسم کا ہے سہ

چہرہ سیاہ اور ہے چہرہ لگا ہوا
ہے کوئی خود غرض ترے دل میں چھپا ہوا

جناب قیصر بالعموم غزل کی روایات قدیم کے پاسدار ہیں لیکن انھوں نے مراعات زمانہ اور مقتضیات وقت سے غفلت نہیں برتی ہے اور اپنی غزل میں وہ تمام صالح اقدار بھی سمولی ہیں جنھیں حالات و ضروریات کے تحت قبول کرنا ناگزیر تھا۔ لیکن اس اخذ و قبول میں ان کی بالغ نظری نے غزل کی لطافت و نفاست اور ترنم و تحمل کو مجروح نہیں ہونے دیا ہے۔ غزل کی موجودہ علامت و اصطلاح اتنی وسعت رکھتی ہے کہ اگر کہنے کا سلیقہ ہو تو سب کچھ کہا جا سکتا ہے پھر انھوں نے نئی اصطلاح بھی قبول کر لی ہے مثلاً بے چہرگی یا دو چہرگی۔ تاہم غزل کے مزاج و آہنگ کا اس سلسلے میں ضرور خیال رکھا گیا ہے۔

ان کی غزل میں ایسے بہت سے اشعار ہیں جن میں دنیا کے حالات حاضرہ بالخصوص اپنے ملک و وطن کے ماحول کی عکاسی دیکھی گئی ہے لیکن غزل کی رمزیت و ایمائیت ان میں برقرار ہے اور غزل ہی کی مخصوص اصطلاحوں میں اظہار مدعا کیا گیا ہے۔

نہ پہنچا قافلہ امن و اماں کا اپنی منزل پر
نہ جانے آج تک کتنے امیر کارواں بدلے

چشم گلچیں میں خار ہیں ہم لوگ ۔ پھر بھی جان بہار ہیں ہم لوگ
باغباں اتنا خوف کھاتا ہے ۔ جیسے برق و شرار ہیں ہم لوگ
ہائے اہل چمن کا طرز سلوک ۔ پھول ہو کر بھی خار ہیں ہم لوگ
کل بھی خون جگر پلایا تھا! ۔ آج بھی جان نثار ہیں ہم لوگ
بات پر اپنی مٹ گئے قیصر ۔ پھر بھی بے اعتبار ہیں ہم لوگ

دیکھو اسے کہتے ہیں نیرنگ زمانہ قیصر
باوفا جتنے تھے غدار نظر آتے ہیں

محافظ جب چمن کے ہم نہیں ہیں اے چمن والو!
یہ زخم بجلیوں کی کون ہے سینہ سپر دیکھو
ہمارے دل کی رگ رگ میں وفاداری کا جذبہ ہے
یقین آتا نہیں تم کو تو سینہ چیر کر دیکھو

کچھ ان ہی لغزشوں سے قطع نظر۔ قیصر سخن کے مطالعہ ظاہر ہے کہ غزل کے معاملہ میں قیصر صاحب کار آگہانہ بصیرت رکھتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ سہ

اہلِ نظر سے دوستو، چھپتی ہے کوئی بات کیا
مسئلۂ حیات کیا فلسفۂ ممات کیا

فلسفۂ ممات کا ذکر اس وقت چھوڑ دیجئے۔ لیکن مطالعہ کے دوسرے جزو ـ مسئلہ حیات کے لحاظ سے انھوں نے حیات و کائنات کے مسائل غزل میں بڑے مخلصانہ و بے باکانہ انداز میں بیان کئے ہیں۔ ان کا دعویٰ بھی ہے ؎

میرے ہر ایک لفظ سے رازِ حیات ہے عیاں
جس کو شعور ہی نہ ہو سمجھے گا میری بات کیا

اب ہم ذرا ان کی بات سمجھنے کی کوشش کریں ان کا ارشاد ہے ؎

اس طرح کھل کے ہنس نہیں سکتے چمن میں پھول
بنیادِ گلستاں میں جو میرا لہو نہ ہو

جو نہالِ چمن کے عقدے پر ۔ کون سینہ فگار ہوتا ہے
یہ جو موقع پرست ہیں ان کا ۔ وقت پر وردگار ہوتا ہے
جب بھی شمشیرِ جبر اٹھتی ہے ۔ پہلے ہم پر ہی وار ہوتا ہے

گلستاں پر تصدق آشیاں تک کر دیا میں نے
سمجھتے ہیں مگر غدار اہلِ گلستاں مجھ کو

انھیں نئی بہار اور دورِ نو سے بڑی شکایت ہے۔ کچھ شکایت تو آپ کو "دکھائی دے" والی غزل میں دکھائی دے سکی۔ کچھ شکایت یہاں سن لیجئے ؎

سکوں کی آج بھی صورت نظر نہیں آتی
ہے دورِ نو میں اجالا بھی تیرگی کی طرح
نئی بہار نے کیسے یہ گل کھلائے ہیں
نہیں ہے کوئی چمن میں کلی۔ کلی کی طرح

دیوارِ زیست پر کہیں سبزہ کہیں ہے خار
اس دورِ نو بہار کے احساں ہیں بہت

شاعر اگر دورِ نو بہار پہ نکتہ چینیاں کر کے اپنا کام ختم سمجھ لیتا۔ تو یہ عظمتِ شاعرانہ کے منافی بات ہوتی

زخموں کو کریدنے سے کیا حاصل اگر ان پر مرہم نہ رکھا جائے شاعر، محدود نظریوں اور مخصوص عقیدوں کی ترجمانی نہیں کرتا۔ اس کی نگاہ آفاقی ہوتی ہے بقول اقبال ؎

یہ پورب یہ پچھم، چکوروں کی دنیا
میرا نیلگوں آسماں بے کرانہ

اس کی پرواز ہمہ رو و ہمہ سو ہوتی ہے ؎

دریاست کہ صحرا است نہ پایاں و بہ ماست،

چنانچہ قیصر صاحب نے جور فوگری اور چارہ گری زمانہ کے زخموں اور وقت کی جراحتوں کے لئے تجویز کی ہے ؎ وہ آج بھی اسی طرح ضروری اور کارآمد عمل دکھائی دیتی ہے جس طرح اس وقت وہ موثر و مفید تھی جب اسے تجویز کیا گیا تھا اور یہی شے شاعر کی رفعت و عظمت اور بزرگی و بلندی کی نشاں دہی کرتی ہے ان کا ارشاد ہے ؎

دنیا کو رنگ و نور کے سانچوں میں ڈھال دوں
چلنے لگے زمانہ جو میرے سجھاؤ پر

کچھ سجھاؤ دیکھئے۔ آپ کو یقین آ جائے گا کہ جب بھی زمانہ یا دورِ نو بہاراں اپنی اصلاح و درستی کی طرف متوجہ ہوگا یہ سجھاؤ اسے نیر بہ ہدف معلوم ہوں گے۔ ان میں کچھ کرنے کے کام ہیں۔ کچھ نہ کرنے کے۔ آپ اپنی بالغ نظری سے انھیں منتخب کر لیجئے ؎

اس آدمی کو سونپ دو دنیا کا کاروبار
جس آدمی کے دل میں کوئی آرزو نہ ہو

یہ غرض مندیاں ہی تو ہیں جو جان و بالِ ملک و وطن اور وبالِ دنیا و دین جاتی ہیں۔ خلوص و صداقت سے مسائلِ حیات عقدہ ہائے کائنات کو سلجھایا جائے تو یقیناً مفید اثرات اور شیریں ثمرات حاصل ہو کر رہیں۔

دوسرا سنہرا مشورہ ؎

سنوارنا ہے اگر تم کو گلشنِ ہستی ۔ تو پہلے کانٹوں میں پھولوں کو نکالو گر

[illegible]

جب بھی حوادث سامنے آئے ، ہم نے لیا ہے اپنا سہارا

انگلیاں میری خطاؤں پہ اٹھانے والو ، اپنا منہ ڈال کے دیکھو تو گریباں اپنا

جب اپنے جیب و داماں میں الجھے ہوں دستِ حرص
افلاس دبے کسی کا جنازہ اٹھائے کون ؟

اے ناخدا ۔ خدا کے لئے مطمئن نہ ہو ۔ دریا کی خامشی کا اشارہ کچھ اور ہے

کسی کی چار دن کی زندگی سو کام کرتی ہے
کسی کی سو برس کی زندگی سے کچھ نہیں ہوتا

"قصرِ سخن"، جناب قیصر اندوری کا شعری مجموعہ ہے جو ۱۹۷۳ء میں منصۂ شہود پہ آیا ہے قیصر صاحب کہنہ مشق شاعر ہیں اس میں انھوں نے اپنا پرانا اور نیا کلام شامل کر دیا ہے کیونکہ بقول ان کے — "تخلیقی قوتوں کو وقت کی پابندیوں میں قید کرنا بے سود ہے"۔ نیز "ماضی سے رشتہ جوڑے بغیر حال و مستقبل کی جڑوں کو مضبوط کرنا میرے نزدیک بے سود ہے"۔ — عزیز اندوری — صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ — "انھوں نے (یعنی قیصر صاحب نے) حالات و واقعات کی تبدیلیوں اور تقاضوں کو شعوری طور پر جس طرح محسوس کیا وہ ان کے کلام کی ذہنی، فکری، فنی اور تجرباتی گہرائی کی غمازی کرتا ہے"۔ قیصر صاحب کا خود اعتمادی سے بھرپور یہ مقطع اخیر میں درج کرنا کافی ہوگا ؎

ہاتھ نبضِ وقت پر رکھ کر میں کہتا ہوں غزل
کیا کرے گا کوئی قیصرؔ شاعری ، میری طرح

غزل

از ڈاکٹر تفتہ اٹلانٹا (امریکہ)

پیار جب درد کی راہوں سے گزر جاتا ہے
آئینۂ زیست کا کچھ اور سنور جاتا ہے

کون کہتا ہے کہ یہ بڑھ کے ٹھہر جاتا ہے
ایک بار آ کے بھلا دردِ جگر جاتا ہے؟

رُوحِ زندہ ہے تو احساس ہے زندہ جاوید
رُوح مُردہ ہے تو احساس بھی مر جاتا ہے

تُو وہ نٹ کھٹ ہے کہ رگ رگ میں شرارت جس کی
تو وہ چھلیا ہے جو دل لیکے مُکر جاتا ہے

جب بھی آتا ہے تری شوخ نگاہی کا خیال
ایک نشتر سا مرے دل میں اُتر جاتا ہے

جذبۂ عشق سے قائم ہے سرُورِ ہستی
نشۂ بادہ تو پیتے ہی اُتر جاتا ہے

راہِ ہستی میں ہیں ایسی بھی منازل کہ جہاں
قافلہ وقت کی گردش کا ٹھہر جاتا ہے

ضربِ غم موجبِ تکلیف تو ہوتی ہے ضرور
رُوئے احساس مگر اور نکھر جاتا ہے

آہ یہ جلتے ہوئے چاند ستارے تفتہ
دُور تک سوزِ محبت کا اثر جاتا ہے

آدھی عورت

سردری ریاض
"علی کو ٹ مئو ناتھ بھنجن دیوبی"

اس بے وفا پر لعنت! جس نے میرے پیار کو ٹھکرایا۔ وہ جہاں بھی ہو جس حال میں ہو میری بددعائیں اس تک پہونچیں اور اس پر لعنت اس کے سائے پر لعنت ......!!"

یہ ہیں وہ الفاظ جو میرے عزیز ترین دوست جمال کے منہ سے نکلے تھے اس واقعہ کو پانچ برس بیت گئے۔ لیکن یہ الفاظ شاید مجھے ساری زندگی نہ بھول سکیں گے۔ میں جب بھی تنہائی میں ہوتا ہوں جمال کے بدنصیبی اور نامرادی مجھے ڈسنے لگتی ہے — مجھے کسی پل چین نصیب نہیں ہوتا۔ میں خود اس لڑکی پر لعنتیں بھیجنے لگتا ہوں جس نے جمال کی زندگی کو درہم برہم کرکے رکھ دیا ہے۔

پروین اس کی کلاس فیلو تھی اونچے گھرانے کی اکلوتی لڑکی ناز و نعم میں پلی ہوئی۔ مجسم حسن، شاخِ گل کی طرح لچکتی بل کھاتی اپنی فیئٹ سے اتر کر شانِ دلربائی کے ساتھ جب کلاس میں داخل ہوتی تو کلاس میں چند لمحوں کے لئے خاموشی اور سکوت چھا جاتا۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے جمال کے بغل میں جا کر بیٹھ جاتی۔ بمشکل دو گھنٹہ کالج اٹنڈ کرتی اور پھر جمال کو لے کر باہر نکل جاتی۔ وہ جہاں جاتی اس کے ساتھ جمال ضرور ہوتا۔ یہاں تک کہ کسی دن جمال کالج نہ آتا تو پروین کالج چھوڑ دیتی اور نہ جانے کن جذبات کے تحت اس کے کوارٹر پر پہونچ جاتی۔ آہستہ آہستہ جمال کے دل میں محبت پروان چڑھنے لگی۔ وہ بے حد مسرور رہنے لگا کیونکہ پروین اسے مل چکی تھی۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ پروین جیسی لڑکی اس کی ہو سکتی ہے۔ دن گذرتے رہے ماہ و سال گذرتے رہے یہاں تک کہ جمال کی پڑھائی بھی ختم ہو گئی .....

گھر جانے سے دو روز پہلے اس نے ہمت کرکے وہ بات کہہ دی جسے کئی بار وہ کہتے کہتے رہ گیا تھا۔

پروین یہ صندلی ہاتھ مجھے دے دو!

جمال تمہیں یہ بات کہتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ تم نے اپنی بساط تو دیکھی ہوتی۔ کسی کے ساتھ ہنس کے بات کر لینا یا قدم بہ قدم، گھنٹہ دو گھنٹہ ساتھ گھوم لینے کو محبت نہیں کہتے اور نہ ہی اس کا مطلب شادی ہوتا ہے۔" پروین کمرے سے جا چکی تھی اور جمال خلاؤں میں اس طرح گھور رہا تھا جیسے آسمان کی پہنائیوں میں کچھ ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔

ایک مدت گذری لیکن جمال کے دل سے پروین کے کہے ہوئے وہ الفاظ نہ مٹ سکے۔ پروین کی بے وفائی نے جمال کے دل پر ایسا کاری زخم لگایا ہے کہ وہ شادی کے نام سے چیخ پڑتا ہے —!

ماں کہتی کہتی ہار گئی باپ سمجھاتے سمجھاتے دنیا سے سدھار گئے۔ میں نے بھی لاکھ سمجھانے کی کوشش کی۔ ماں جیسی ہستی کا دل دکھانے اور ایک بے وفا کے لئے عروسِ زندگی کو بیوہ بنا دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ لیکن وہ کسی کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں۔ اس کے دل پر نہ جانے کیسا زخم ہے جو پانچ سال کے بعد بھی ہرا ہے —!

۱۲ مارچ کی رات کو میں اپنی شریک حیات کے ہمراہ ایک میوزیکل پروگرام "سہانی شام" دیکھنے جا رہا تھا کہ راستہ میں پوسٹ مین نے مجھے ایک ٹیلیگرام دیا — میں خوش اور مسرت سے اتنا پاگل ہو گیا کہ اپنی بیوی کو کس کے دبوچ لیا۔ لوگ ہماری طرف دیکھنے لگے۔ بیوی کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں اس کے سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے — میرے ہاتھ سے ٹیلیگرام لے کر دیکھا اور مسکرا کر رہ گئی۔

لکھا تھا — ماں کو ہو جانے دو اور تمہیں بھابی اس لئے لڑکی پسند کرلی ہے۔!

جمال

اگلے دن میں نے جمال کو خط لکھا اور اپنی دوستی کا واسطہ دیا کہ وہ اس لڑکی کے متعلق پوری تفصیل مجھے لکھے ۔ کئی دنوں تک میں اس کے جواب کے لئے بے حد پریشان رہا۔ خدا خدا کرکے ساتویں دن مجھے جمال کا ایک افسانہ نما خط ملا

"ڈیر فضیل سلامت رہو ـــــ

تین ماہ پہلے آفس جاتے وقت "علی کمپاونڈ" کے سامنے والے فلیٹ کی چھت پر ایک حنائی ہاتھ سلام کے لئے اٹھا لیکن میں اسے اپنے لئے نہ سمجھ کر آگے بڑھ گیا ۔ لیکن اگلے دن سڑک کے کنارے پر تھرا ورڈھے ایک لڑکی نے پھر مجھے سلام کرکے متوجہ کیا۔ میں فوراً سمجھ گیا۔ یہ وہی لڑکی ہے جس نے کل چھت سے مجھے سلام کیا تھا۔ لیکن میں اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکا اور آگے بڑھ گیا ۔ ایک عرصہ تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ وہ ہر روز اسی وقت میرے ساتھ ہو جاتی اور تھوڑی دور چل کر ڈگری کالج چلی جاتی ۔ رفتہ رفتہ میرے دل میں آرزوئیں کروٹیں لینے لگیں کئی بار جی چاہا کچھ بات کر دوں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ شاید گلاب پر نگاہ جاتے ہی خیال اس کی خوبصورتی اور نزاکت کا نہیں ۔ اس کے کانٹوں کا آنے لگتا ہے ۔ بہت دنوں تک میں اسی الجھن اور پریشانی میں الجھا رہا ۔ ایک دن سوچا آج ضرور سکوت کا طلسم توڑ دوں گا اور اس کے خیالات معلوم کروں گا ـــ" اگلے روز یہ سوچ کر میں اس کے بالکل قریب پہونچ گیا لیکن میرا دل ایک انجانے خوف سے لرزنے لگا۔ زبان گنگ ہو گئی اور میں آگے بڑھ گیا ـــ مجھے محسوس ہوا اس کے بھی لب تھرتھراتے ہیں۔ لیکن کھلتے نہیں ۔ کئی ماہ تک یہی سلسلہ جاری رہا کام کاج میں میرا دل نہیں لگتا ۔ خیالات میرا پیچھا کرتے رہتے ۔ ایک دن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اسے ایک خط لکھا ۔

جانِ من ـــ خلوص کی کلیاں عقیدت کے پھول!

میں تمہارا نام نہیں جانتا اور شاید تم بھی میرے نام سے ناآشنا ہو گی ۔ تمہارا ہر روز راستہ میں ملنا اور سلام کے لئے ہاتھ اٹھانا میرے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا کرتا ہے ۔ جس کے نتیجے میں میرے دل میں محبت کی چنگاری بھڑک اٹھی ہے ۔ لیکن تمہارے اور میرے درمیان ایک خلیج ہے خاموشی کی خلیج .... آج میں اس خلیج کو عبور کرکے سکوت کا طلسم توڑ رہا ہوں مجھے امید ہے تم اسے میری گستاخی نہ سمجھ ۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ میں نے آج تک تمہیں دیکھا نہیں اور دل دے بیٹھا ۔ حالانکہ محبت کی دنیا میں ایسی مثالیں بہت کم ہوں گی ۔ لیلیٰ مجنوں ، شیریں فرہاد ، وامق عذرا ، سوہنی مہیوال ، رومیو اور جولیٹ دنیا کے ان سبھی محبت کرنے والوں نے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھا تھا ۔ ساتھ ساتھ رہے اور انھیں ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا ۔ لیکن ہماری محبت ایک انوکھی محبت ہے میں تم سے یہ نہ کہوں گا کہ تم بھی مجھے دید کا شرف بخشو لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس راہ پر چلتے چلتے کہیں میرا ساتھ نہ چھوڑ دینا ورنہ شاید میں زندہ نہ رہ سکوں گا ـــ!

ڈیر فضیل اس خط کے جواب میں اس لڑکی نے جو کچھ لکھا تھا وہ بھی بھیج رہا ہوں تاکہ تمہیں یقین آجائے ۔

میرے ...... سدا خوش رہو!

تمہارا خط پا کر میں پاگل اور دیوانی سی ہو گئی ہوں ۔ اب تک اسے کئی بار پڑھ چکی ہوں اور ابھی نہ جانے کتنی بار پڑھوں گی ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تمہیں کیا لکھوں ـــ شاید بہت کچھ لکھنا چاہتی ہوں لیکن الفاظ نہیں ملتے یا مجھے ہی شرم آتی ہے ـــ!!

پرتبھا

جمال کا خط اور اس کا جواب پڑھنے کے بعد میں اگلے روز اس کے گھر پہونچ گیا ۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی ماں نے مجھے گلے سے لگا لیا ۔ فرطِ جذبات سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ کافی رات تک جمال اس لڑکی کے بارے میں مجھے بتاتا رہا ۔ صبح جمال کے ساتھ ساتھ اس کی آفس تک میں بھی گیا ۔ تھوڑی ہی دور جانے کے بعد جمال نے مجھے ایک سیاہ برقعے کی طرف اشارہ کیا ۔ جس کا مجھے بے چینی سے انتظار تھا ۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح ایک جھلک دیکھ لوں لیکن بر

اپنی اس کوشش میں ناکام رہا اور اس کے پیروں میں الجھ کر رہ گیا۔ غضب کے گورے پاؤں تھا۔ یہ پاؤں خدا جانے کہاں کہاں پھرتے ہوں گے۔ یہ پاؤں جمال پر کیا کیا قیامت نہ ڈھاتے ہوں گے اور نہ جانے کس کس کے دل کو تڑپاتے ہوں گے۔ میں خیالات کی روپہلی چاندنی میں نہ جانے کب تک بھٹکتا رہتا کہ جمال نے یکایک مجھے زور سے دھکا دیا اور میرے خیالات و تصورات کی لڑی ٹوٹ کر بکھر گئی ———
اگر وہ مجھے دھکا نہ دیتا تو میں یقیناً اگلے ہی پل تیز رفتار بس کے نیچے آجاتا ———

میں ہر روز جمال کے ہمراہ اس کے آفس تک جاتا کبھی تو اس چاند جیسے چہرے کا رخ اپنی طرف ہوگا کبھی تو یہ پردے کی دیوار ہٹے گی لیکن ہر روز وہی مایوسی اور ناامیدی لئے گھر لوٹ جاتا۔ یکایک اس لڑکی کا کالج جانا بند ہوگیا اور ملاقات کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی ادھر جمال اُداس اُداس سا رہنے لگا — میری سمجھ میں کچھ نہ آتا کیا کروں کیا نہ کروں جمال کی حالت مجھ سے دیکھی نہ جاتی بے شمار خط لکھ ڈالے لیکن کسی کا جواب بھی نہ ملا۔

یکایک میری نظروں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور کالج کا زمانہ پردۂ فلم کی طرح میری نظروں کے سامنے گھومنے لگا
یہ دنیا بھی کتنی بے درد ہے ذرا اس وقت کوئی جمال کے دل سے پوچھے کہ کیا گزری ہوگی اس کے دل پر!

لیکن یہ شاید کوئی نئی بات نہیں۔ دنیا نے نہ جانے ایسے کتنے تماشے دیکھے اور دکھائے ہوں گے اور نہ جانے آئندہ کتنے دیکھے اور دکھلائے گی۔

صبح جمال بے حد اُداس اور غمگین بیٹھا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے وہ آسمان کی بلندیوں میں اس لڑکی کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

یکایک پوسٹ مین کی آواز سے اس کے خیالات کی پازیب ٹوٹ کر بکھر گئی اس نے خط لے کر بہت بے تابی سے چاک کیا اور پڑھنے لگا — !

جمال!

میں جانتی ہوں دنیا میں انسان کی راحت اور سکون کے لئے ایک ہی چیز پیدا ہوئی ہے اور وہ ہی محبت ہے۔
لیکن یہ میرے نصیب میں کہاں ؟

نہ جانے کس جذبے کے تحت میں تھوڑی دیر کے لئے تمہاری طرف کھینچ گئی تھی۔ آج جب میں نے تمہارے مستقبل کے بارے میں سوچا تو میرے قدم ڈگمگانے لگے۔ مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی اور میرا وجود مجھے خود ڈسنے لگا۔
میں اپنی قسمت کی سیاہی تمہارے خوبصورت چہرے پر تھوپنا نہیں چاہتی۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری زندگی میں کبھی وہ دن بھی آئے جب مجھے دیکھتے ہی تمہارے دل میں نفرت اور حقارت کے شعلے بھڑک اٹھیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم مجھے بھول جاؤ —!!

شاید اب میرے برقعہ اوڑھنے کی وجہ سمجھ گئے ہوگے۔

بد نصیب — پربھا

اگلے روز پربھا کے خط کے جواب میں جمال نے لکھا۔

مری ذردس!

تم جیسی بھی ہو مجھے پسند ہو خواہ کسی وجہ سے تم برقعہ اوڑھتی ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔

تم اگر میرے اور اپنے درمیان مذہب کی دیوار سے ڈرتی ہو تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں میں اس دیوار کو گرا دوں گا اور میں جمال سے جے کشن بن کر تمہیں اپنی بنا لوں گا بس تم ہاں کر دو —!!

تمہاری رضا کا منتظر — جمال "

چند دنوں کے بعد جمال کو پربھا کا خط ملا —

" جمال!

میرے اور تمہارے درمیان جن مسائل اور مذہبی کی دیوار حائل ہے جو خلیج حائل ہے اسے پاٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے اگر تم نے اس خلیج کو پار کرنے کی کوشش کی تو یقین جانو اس کے خوفناک لہروں میں ڈوب جاؤ گے!

" جمال! حقیقت بے حد تلخ ہوتی ہے برداشت نہ کر سکو گے۔ تم نے حقیقت اور سچائی جاننے کے لئے قسم دی ہے

تو سنو —
میں شکل و صورت سے ایسی بد قسمت لڑکی ہوں کہ شاید قدرت نے آج تک ایسی بد صورت اور عجیب الخلقت لڑکی نہ پیدا کی ہوگی — میری زندگی ایک ناسور ہے! یقین جانو میں تمہیں وہ خوشیاں نہ دے سکوں گی تم جن کا خواب دیکھ رہے ہو —
دنیا کا کوئی مرد مجھے اپنی جیون ساتھی نہیں بنا سکتا تم تو ہزاروں میں ایک ہو بھلا تم یہ کیسے برداشت کر سکتے ہو کہ تم ایک ایسی لڑکی کو اپنی جیون ساتھی بنا لو جو کمر سے اوپر مرد ہے اور کمر سے نیچے عورت! یقین جانو میں عورت تو ہوں لیکن آدھی! میرے چہرے پر تمہیں وہ سارے نشانات ملیں گے جو مرد کے چہرے پر ہوا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے میرے نقاب اوڑھنے کی —" نہیں — یہ کبھی نہیں ہو سکتا —— !!"
اور جاگ کے منہ سے ایک طویل چیخ نکل گئی —
"تم بھا !!"

غزل

(طرفہ قریشی)

بس اک غم ہی مرے حصّے میں صبح و شام آتا ہے
سنبھل اے دل لبوں پر آج کس کا نام آتا ہے

اٹھاتا ہے کسی کا بارِ غم کب کوئی دنیا میں
بُرے وقتوں میں اپنا دل ہی اپنے کام آتا ہے

اُجالے سے کوئی نسبت ہو مجھ تیرہ قسمت کو
مرے دل کو جلانے کیوں چراغِ شام آتا ہے

مآلِ سعیٔ اخفائے محبّت! وائے ناکامی
نکل جاتے ہیں آنسو جب تمہارا نام آتا ہے

جو تو مختارِ کُل ہے تو مجھے مختارِ عجز کر دے
مری مجبوریوں سے تیرے سر الزام آتا ہے

ترے ہوتے ہوئے یہ نقصِ نظمِ میکدہ ساقی!
اِدھر کمبخت جب آتا ہے خالی جام آتا ہے

محبّت انتہائے جذب کی حالت کو چھو آئی
براہِ راست اب تو دوست کا پیغام آتا ہے

مبارک ہو تمہیں یہ منصبِ معراجِ رُسوائی
ہمارے نام سے پہلے تمہارا نام آتا ہے

بٹھاتا ہے زمانہ سر پہ، دیتا ہے جگہ دل میں
یہ رفعت اس کی ہے جو دوسروں کے کام آتا ہے

انھیں میں بے نیاز اپنے سے طرفہ کس طرح سمجھوں
سُنا ہے اکثر اُنکے لب پہ میرا نام آتا ہے

تجھے کچھ اور بھی اے گردشِ ایام آتا ہے
محبت کرنے والوں پر بڑا الزام آتا ہے

اُردو کی پکار!

حضرات:- حکومت کی طرف سے اُردو کی نشو ونما کے لئے مختلف سرگرمیاں دکھائی جا رہی ہیں۔ مثلاً اُردو اکاڈمیوں کی قائمی اُردو مصنفین کو نقد انعامات وغیرہ وغیرہ اس کے علاوہ اُردو کتب کی خریداری کے لئے لائبریریوں کو مالی امداد بھی دی جا رہی ہے۔ نیز ایسے اُردو مصنفین جو اپنی تصانیف شائع کرنے کی مالی سکت نہیں رکھتے کو اپنی تصانیف شائع کرنے کیلئے جزوی مالی امداد بھی دی جا رہی ہے مگر ان سب باتوں کے باوجود جب تک اسکولوں میں اُردو کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ ہو گا۔ اُردو ترقی کی منزل پر تیزی سے گامزن نہ ہو سکیگی اس لئے اُردو اکیڈمیاں اگر اپنے اپنے صوبوں میں اس کے لئے بھی کوشاں ہوں تو اُردو کے حق میں اچھا ہوگا۔ جہاں تک ہو سکے اُردو سے محبت رکھنے والے محلے کے بچوں کو مفت پڑھائیں۔

اُردو پکار پکار کہہ رہی ہے کہ اگر مجھے زندہ رکھنا ہے تو اپنے بچوں کو اُردو پڑھانے کے لئے کوشش کیجئے اپنے ہاں کی سرکاری اور غیر سرکاری لائبریریوں کو مجبور کیجئے کہ وہ اُردو کی اچھی کتابیں منگائیں۔ کالجوں کے اُردو پروفیسر اپنے کالج کی لائبریریوں میں اُردو کی کتابیں منگانے کیلئے کوشش فرمائیں۔ یاد رکھیے جب اُردو پڑھنے والے ہی نہیں ہونگے تو ان کتابوں کو کون پڑھیگا جن پر اُردو اکاڈمیاں انعام دیتی ہیں۔

ذیل میں ہم کچھ ایسی اُردو کی بہترین کتابوں کی فہرست دے رہے ہیں جو ہر لائبریری میں ہونی ضروری ہیں۔ آپ اپنی ذاتی لائبریریوں کے لئے بھی اپنی پسند کی کتابیں منگائیں۔ لائبریریوں کو لائبریری کمیشن دیا جاتا ہے اُردو کی پاکستانی بہترین مطبوعات کے شائقین ہم سے خط وکتابت کریں۔ ہم ان کی پسندیدہ پاکستانی اُردو ادب فراہم کرنے کا انتظام کرنے کی کوشش کرینگے

(ادارہ)

تلیقی ...	وزیر آغا	۱۲/-
اردو شاعری کا مزاج	"	۳۰/-
آب حیات	محمد حسین آزاد تلخیص احتشام حسین	۶/۵۰
کچھ نثر میں بھی	آنند نرائن ملّا	۲۶/-
میر انیس سے تعارف	صالحہ عابد حسین	۷/-
لکھنؤ کی لسانی خدمات	ڈاکٹر حامد اللہ انصاری	۱۶/-
تصورات اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
کلیات اقبال	صدی ایڈیشن	۳۰/-
غالب اور شاہان تیموریہ	ڈاکٹر خلیق انجم	۹/۵۰
تلاش میر	نثار احمد فاروقی	۱۱/-
اردو املا	رشید حسن خاں	۳۶/-
اردو کیسے لکھیں	"	۴/-
مصحفی اور ان کا کلام	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	۶/-
غالب اپنے ہمعصر وغیرہ	ظفر ادیب	۱۰/-
گفت و شنید	"	۶/-
لکھنؤ کی زبان	محمد باقر شمس لکھنوی	۶/-
اردو شاعری میں سانیٹ	حنیف کیفی	۱۸/-
مغربی ادب کے معمار	اے محمد ابراہیم	۱۲/-
ناقابل فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	۲۰/-
جذبات مشرق	"	۱۵/-
اردو شاعری کے انتخاب میں اردو شعراء کا حصہ	سرلا استوا	۱۵/-
شرح دیوان غالب	بے خود موہانی	۱۵/-
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
ناسخ	ڈاکٹر شبیہ الحسن	۲۰/-
ارمغان ادب	اخلاق حسین	۱۱/-
جواہرات انیس	حصہ اول	۱۵/-
"	حصہ دوم	۱۲/-
لکھنؤ کا دبستان شاعری	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	۲۵/-
تذکرہ اردو مرثیہ	سید علی عباس حسینی	۱۰/-
اقبال نامہ جہانگیری	مرزا محمد	۷/۵۰
تحقیقی نوادر	ڈاکٹر اکبر حیدری	۳۵/-

ریاض خیرآبادی	مہر الحق	۱۲/-
اردو ادب کی تاریخ	"	۷/۵۰
عرش و فرش	جوش ملیح آبادی	[illegible]
فکر و نشاط	" " "	۵/-
دہلی کے اردو مخطوطات	صلاح الدین	۱۲/-
مطالعۂ داغ	سید محمد علی زیدی	۲۴/-
تفہیم غالب	ڈاکٹر مسعود حسن رضوی	۹/-
روح انیس	" " "	۹/-
نگارشات ادیب	" " "	۹/-
ہماری شاعری	" " "	۷/۵۰
لکھنؤ کا شاہی اسٹیج	" " "	۱۲/-
لکھنؤ کا عوامی اسٹیج	" " "	۱۲/-
آئینۂ سخن فہمی	" " "	۵/-
رزم نامۂ انیس	" " "	۷/-
اندر سبھا	امانت لکھنوی	۲/۵۰
مسرت سے بصیرت تک	آل احمد سرور	۱۲/۵۰
تجزیے	گیان چند جین	۱۳/۵۰
خواتین کربلا کلام انیس کے آئینے میں	صالحہ عابد حسین	۱۴/-
اردو ڈرامے کی تاریخ و تنقید	عشرت رحمانی	۱۵/-
اردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/-
فسانۂ آزاد	تلخیص ڈاکٹر قمر رئیس	۸/۵۰ (طلبائی)
اردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	۷/۵۰
آج کا اردو ادب	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	۱۲/-
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/-
غزل اور مطالعۂ غزل	" " "	۲۰/-
جدید شاعری	" " "	۲۵/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطراف غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/-
سرسید ایک تعارف	پروفیسر خلیق احمد نظامی	۱/۲۵
انتخاب مضامین سرسید	آل احمد سرور	۲/۵۰
مطالعۂ سرسید احمد خاں	عبدالحق	۵/-

اردو انشیہ	سید ظہیر الدین مدنی	۵/۵۰
اردو زبان و ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
اردو مثنوی کا ارتقا	عبدالقادر سروری	۶/-
اردو مرثیہ	سید سفارش حسین	۶/-
پردیسی کے خطوط	مجنوں گورکھپوری	۲/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبدالشکور	۳/۵۰
تنقید کیا ہے	آل احمد سرور	۷/۷۵
انتخاب مضامین شبلی	رشید حسن خاں	۱۰/- (طلبہ ایڈیشن)
امراؤ جان ادا	ڈاکٹر محمد حسن	۷/۵۰ (" ")
تحقیقی مطالعہ حالی	ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی	۱/۵۰
تحقیقی مطالعہ انیس	" " "	۱/۵۰
دلی کا یادگار شاہی مشاعرہ	فرحت اللہ بیگ	۱/۵۰
نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی	"	۱/۷۵
یادوں کے سایے	بیگم ممتاز مرزا	۲۷/-
نمائندہ مختصر افسانے	محمد طاہر فاروقی	۳/۷۵
داستان رانی	انشاء اللہ خاں انشاء	۱/۵۰
مجموعۂ نظم حالی	ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی	۲/۹۵
انتخاب مثنویات اردو	مغیث الدین فریدی	۳/۵۰
مثنوی گلزار نسیم	ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی	۳/-
افادات سلیم	ڈاکٹر خلیق انجم	۷/۵۰ (طلبہ ایڈیشن)
انتخاب ولی	ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	۳/۵۰ (")
انتخاب میر	ڈاکٹر محمد حسن	۵/- (")
موازنہ انیس و دبیر	(شبلی) رشید حسن خاں	۵/- (")
مقدمہ شعر و شاعری	(حالی) " "	۵/- (")
قصہ حاتم طائی	اطہر پرویز	۵/۵۰ (")
اردو کی قدیم داستانیں	ایم حبیب خاں	۸/-
فلسفی غالب	احمد رضا	۶/-
منتخب قومی شاعری	سردار جعفری	۴/-
اردو ادب کی ایک صدی	ڈاکٹر سید عبداللہ	۷/-
مقامات اقبال	" "	۷/۵۰
تلاش و توازن	ڈاکٹر قمر رئیس	۷/۵۰
غزل اور متغزلین	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	۸/-
لکھنؤ کا دبستان شاعری	" "	۲۵/-
شرح بال جبریل	یوسف سلیم چشتی	۱۲/-
شرح بانگ درا	" "	۲۴/-
شرح غالب	" "	۲۴/-
جاوید نامہ مع شرح	" "	۴۰/-
مطالب بانگ درا	غلام رسول مہر	۱۰/-
مطالب بال جبریل	" " "	۸/-
دیوان حالی مع شرح	مجیب احمد	۲۰/-
ادب کا مطالعہ	اطہر پرویز	۱۰/-
ادب اور زندگی	" "	۸/-
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۱۱/-
یادگار غالب	مولانا حالی	۴/۵۰
اردو کے کلاسیکی شعراء حصہ اول	ایم حبیب خاں	۸/-
" " " حصہ دوم	" " "	۹/-
" " " حصہ سوم	" " "	۹/-
جدید غزل	رشید احمد صدیقی	۴/۵۰
تنقید سے تحقیق تک	ڈاکٹر عنوان چشتی	۱۵/-
تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	۱۲/-
تاریخ تعارف اردو	شجاعت علی سندیلوی	۵/-
مختصر تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر اعجاز حسین مرحوم	۱۲/-
حالی کا سیاسی شعور	معین احسن جذبی	۴/۵۰
ادب میں سوانح نگاری کا ارتقا	الطاف فاطمہ	۱۲/۵۰
اردو میں ڈرامہ نگاری	سید بادشاہ	۸/-
اردو تنقید پر ایک نظر	کلیم الدین احمد	۷/۵۰
تنقیدی نقوش	ڈاکٹر عبدالقیوم	۵/-
اردو کے اسالیب بیان	محی الدین قادری زور	۳/-
ملا وجہی کے انشائیے	ملا وجہی	۸/-
اردو ناول نگاری	سہیل بخاری	۹/-
آب حیات کے لطیفے	محمد حسین آزاد	۵/-
تاریخ مرثیہ گوئی	حامد حسن قادری	[illegible]

اقبال [illegible] حیات و شاعری	محمد عدیل عباسی	۶/-
اردو ناول کا ارتقا	مجتبیٰ حسین	۱۲/-
تاریخ زبان اردو	شمس الدین قادری	۷/۵۰
انارکلی	امتیاز علی تاج	۴/-
غالب نما	سید مرتضیٰ بلگرامی	۴/-
تنقیدی اشارے	آلِ احمد سرور	۵/-
میزانِ سخن	علامہ اخلاق دہلوی	۱/-
روح بلاغت	" " "	۱/-
فن شاعری	" " "	۳/-
شمیم بلاغت	" " "	۱/-
قدیم ادبی تنقید	ڈاکٹر وہاب اشرفی	۵/-
تقابلی مطالعے	عطا کاکوروی	۴/-
مطالعہ حسرت	" "	۴/-
ترقی پسند ادب ایک جائزہ	ہنسراج رہبر	۶/-
سرشار رتن ناتھ کی نظر میں	پریم پال اشک	۳/-
ادبی تنقید کے اصول	اشفاق محمد خاں	۳/۵۰
اردو زبان و عورت	وحیدہ نسیم	۳/۲۵
شرح دیوان غالب	حسرت موہانی	۵/-
تاریخ، تنقید ادبیاتِ اردو	حامد حسن قادری	۴/-
گئودان	پریم چند	۱۳/-
نئی نظم کا سفر	ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی	۱۲/۵۰
اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر محمود الٰہی	۱۴/-
آشفتہ بیانی میری	رشید احمد صدیقی	۵/-
ہم نفسانِ رفتہ	" " "	۴/۵۰
قلم کا مزدور (پریم چند)	مدن گوپال	۵/-
پریم چند کے خطوط	"	۷/۵۰
کیفیہ	پنڈت برجموہن کیفی	۱۴/-
اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے	ڈاکٹر عنوان چشتی	۱۴/-
کلاسیکی مغربی تنقید	ڈاکٹر محمد یٰسین	۶/-
چند ہم عصر	عبد الحق	۵/-
تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۱۲/-

کلام سودا	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۸/-
انگریزی ادب کی مختصر تاریخ	محمد یٰسین	۱۲/-
فرانسیسی ادب	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	۱۴/-
گلکرسٹ اور اس کا عہد	محمد عتیق صدیقی	۱۰/-
حالی کی ایک جھلک	صالحہ عابد حسین	۲/-
خواجہ میر درد تصوف اور شاعری	ڈاکٹر وحید اختر	۲۰/-
محمد رفیع سودا	ڈاکٹر خلیق انجم	۱۵/-
شوپنہار	مجنوں گورکھپوری	۳/-
تاریخ جمالیات	"	۴/-
تلمیحات اشاراتِ اقبال	ڈاکٹر اکبر حسین قریشی	۱۵/-
محاسن کلام غالب	عبد الرحمٰن بجنوری	۲/-
ریختی کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر خلیل صدیقی	۲۰/-
غالبیات کے چند مباحث	ابو محمد سحر	۶/-
اردو میں قصیدہ نگاری	" "	۷/-
فانی کی شاعری	ظہیر احمد صدیقی	۵/۵۰
پنجاب میں اردو	محمود شیرانی	۱۰/-
اردو انشائیہ	سید صفی مرتضیٰ	۴/۵۰
اردو غزل کے ۵۰ سال	ڈاکٹر عبد الاحد خاں	۹/-
اردو شاعری میں منظر نگاری	ڈاکٹر سلام سندیلوی	۱۲/-
اردو شاعری میں نرگسیت	" " "	۲۵/-
ادب کا تنقیدی مطالعہ	" " "	۱۴/-
غالب کی شاعری کا نفسیاتی مطالعہ	" " "	۱۲/-
اردو رباعیات	" " "	۱۴/-
غالبیات	عبد القوی دسنوی	۷/-
مشکلات غالب	نیاز فتحپوری	۳/-
تلمیحات	محمود نیازی	۹/-
نگارستان	نیاز فتحپوری	[illegible]
دو ادبی سکول	علی جواد زیدی	[illegible]
اصناف ادب کا ارتقا	سید صفی مرتضیٰ	۲/[illegible]
سب رس	ملا وجہی (عبد الحق)	۱۰/-
باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضیٰ	۴/-

…ات انیس	میر مہدی حسین	۹/-
…رشق	عطیہ نشاط	۱/۵۰
…کا دریا	قرۃ العین حیدر	۲۰/-
…ینکے ناولوں میں نسوانی کردار	عطیہ نشاط	۱۰/-
…امہ روایت اور تجربہ	" "	۲۰/-
…ر اور ادبی تنقید	" "	۱۲/-
…عابد حسین بحیثیت ناول نگار	نزہت فاطمہ	۵/-
…رسودا	ڈاکٹر شارب ردولوی	۹/-
…اسلام اقبال کی نظر میں	ڈاکٹر غلام عمر خاں	۵/-
…زبان کا مذہبی ورثہ	قیوم صادق	۳/-
…ن کا تصور عشق	ڈاکٹر غلام عمر خاں	۴/-
…نات حیدری		۱۲/-
…اور میریات	صفدر	۱۵/-
…ید ہندی شاعری	ڈاکٹر فضل امام	۷/۵۰
…دستانی تہذیب اور اردو	شبنم سبحانی	۴/-
…ادب آزادی کے بعد	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۷/۵۰
…دلیہ ماضی و حال	رشید احمد صدیقی	۳/-
…ح غالب	آل احمد سرور	۸/-
…غالب	" "	۸/-
…ل کے خطوط	منظر عباس نقوی	۱۸/-
…ب کا فن	اسلوب احمد انصاری	۲/-
…ہ الدین سلیم	منظر عباس نقوی	۹/-
…ء غفلت	ڈاکٹر عابد حسین	۲/-
…ت صبا	فیض احمد فیض	۴/-
…ت تنہا	" "	۸/-
…ان نامہ	[illegible]	۹/-
…ات جگر	جگر مرادآبادی	۹/-
…ر طور	" "	۷/-
…ن گل	" "	۸/-
…م اصغر	اصغر گونڈوی	۳/۵۰
…ب اور زندگی	مجنوں گورکھپوری	۸/-

انتخاب نظیر اکبرآبادی	رشید حسن خاں	۵/- (مکتبہ …)
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور (اطہر پرویز)	۱۵/۵۰
طنزیات و مضحکات	رشید احمد صدیقی	۱۰/۵۰
پچھلی رات	فراق گورکھپوری	۸/-
دلی و دکن	ظہیر الدین مدنی	۵/-
جانے والوں کی یاد آتی ہے	صالحہ عابد حسین	۱۸/-
یہ ہے مرا ہندوستاں	خضر برنی	۱۰/-
اردو اور قومی ایکتا	قیوم خضر	۱۰/-
مختصر افسانے کا فنی تجزیہ	ڈاکٹر فردوس فاطمہ نصیر	۱۵/-
سرسید کی صحافت	اصغر عباس	۱۱/- (عام ایڈیشن)
اردو فکشن کی وضاحتی فہرست	فاطمہ راجہ	۸/۵۰
بازگشت	کبیر احمد جائسی	۱۱/-
لاہور کا جو ذکر کیا	گوپال متل	۶/-
اردو الفاظ شماری	حسن الدین احمد	۸۵/-
گلدستہ مضامین و انشاء پردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۷۵
اردو کے بہترین ۱۳ افسانے	ڈاکٹر اطہر پرویز	
لسانی مطالعہ	گیان چند	۱۲/۵۰
باغ و بہار	رشید حسن خاں	۶/۵۰
اردو کی کہانی	احتشام حسین	۲/۵۰
اردو صرف و نحو	مولوی عبدالحق	۴/۷۵
ہمارے نثر نگار	سید صفی مرتضیٰ	۲/۵۰
آزمائش (ڈرامہ)	پروفیسر مجیب	۲/-
بہشت نظر	رتن پنڈوری	۱۱/-
دانش و بینش	کوثر چاندپوری	۱۴/-
آواز کی صلیب	"	۱۲/-
پتھر کا گلاب	"	۴/-
جوہر آئینہ	طالب کاشمیری	۱۴/-
۲۳ برس	دت بھارتی	۱۰/-
خطبات آزاد	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۷/-
ترجمان القرآن جلد اول	"	[illegible]
" جلد دوم	"	[illegible]

ترجمان القرآن جلد سوم	مولانا ابوالکلام آزاد	۲۲/-
ترجمان القرآن جلد چہارم	"	۲۲/-
عربوں کی تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقا	محمود الحسن	۱۶/-
اقبال اور مغربی مفکرین	جگن ناتھ آزاد	۱۶/۵۰
مہاکوی انیس	صالحہ عابد حسین	۱۵/-
ایوانِ غزل	جیلانی بانو	۱۶/-
آرزو	سراج انور	۱۲/-
فکرو ریاض	علی جواد زیدی	۱۲/-
ذکرِ غالب	مالک رام	۱۵/-
پتھر کا شہزادہ	صغرا مہدی	۴/-
راستے اور کھڑکیاں	انور خاں	۵/-
بوند اور سمندر	مترجم رضیہ سجاد ظہیر	۲۶/۷۵
ہندی کے ایک بابی ڈرامے	" ڈاکٹر محمد حسن	۱۲/۵۰
راگ درباری	" راشد سہسوانی	۱۵/۵۰
آبادی	" مخمور جالندھری	۲/۲۵
پنڈت وشنو دگمبر	" ش قدوائی	۲/۲۵
عظیم ہانی	" ڈاکٹر پربھا تاسرن	۶/۲۵
قاضی نذر اسلام	" عرش ملسیانی	۲/۲۵
کچھوا اور خرگوش	ڈاکٹر ذاکر حسین	بلا جلد ۱/- مجلد ۲/-
کبیر	مترجم ایم۔ کے درانی	۲/۵۰
گاندھی کا ہندوستان	کشرت جیہ ودت نیشنل گاندھی صدی سب کمیٹی	۲/۲۵
گرو نانک	مترجم مخمور جالندھری	۳/-
مٹتی مٹتی تصویریں	" رضیہ سجاد ظہیر	۵/-
تاش کے محل	" زینت ساجدہ	۵/۵۰
سفینۂ خون	" رتن سنگھ	۸/-
گرو گوبند سنگھ	" مخمور جالندھری	۲/-
زندگی ایک ناٹک	" کشور سلطانہ	۱۰/-
رنجیت سنگھ	" مخمور جالندھری	۲/۷۵
جدوجہد آزادی	" غلام ربانی تاباں	۵/۵۰
بنگلہ لوک	" عرش ملسیانی	۵/۲۵
شاعر	پربھاکر ماچوے	۸/۷۵

موت سے آگے	محمود سروش	۱/۷۵
آدمی کے روپ	سہیل عظیم آبادی	۲/-
اکبر	رضیہ سجاد ظہیر	۱/۵۰
طبعیات کے بنیادی تصورات	مترجم احمد وکیل	۵/-
تاریخ فلسفۂ اسلام	" ڈاکٹر سید عابد حسین	۱/۵۰
تاریخ تمدن ہند	پروفیسر محمد مجیب	۱/-
تاریخ فلسفہ سیاست	" "	۱/-
ہمارا قدیم سماج	سید سخی حسن	۱/-
تاریخ تعلیم ہند	مترجم مسعود الحق	۱۰/-
انقلاب ۱۸۵۷ء	مرتبہ پی۔ سی جوشی	۱/۷۵
لسانی مطالعے	ڈاکٹر گیان چند جین	۲/۵۰
جدید ہندوستان میں ذات پات	مترجم شہباز حسین	۱۰/-
دیدۂ حیراں	ڈاکٹر مظفر حنفی	۱/-
کلیات شاد عارفی		۱/-
تیکھی غزلیں		۱/-
حریر خامہ		۱/-
دیپک راگ		۱/-
شاد عارفی کی غزلیں		۱/-
دو غنڈے		۱/-
پانی کی زبان		۴/-
شوخیِ تحریر		۲/-
برگ و بار	کنول انبالوی	۲/-
گلستانِ ہزار رنگ	بہاء الدین	۱/-
لاہور کا جو ذکر کیا	گوپال متل	۱/-
کلیات اختر شیرانی	"	۱/-
صحرا میں اذان	"	۱/-
شیرازہ	محمود سعیدی / پریم گوپال متل	۲/-
اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے		۴/-
تنقید سے تحقیق تک		۱/-
نیم باز (شاعری)		۲/-
عکس و شخص		۱/-

ہندوستان کا وسطی دور		۴/۵۰
خرد شناسی	مرتبین ظ انصاری، ابوالفیض سحر	۱۶/۵۰
حیدر علی	مترجم اقتدار حسین صدیقی	۱۶/-
ہندوستانی معیشت	مترجم محمد خلیق	۳۶/۷۵
ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں	" قمر الدین	۱۸/۲۵
سورٹھو [illegible] پانی	" مظہر الحق علوی	۱۳/-
لہرو [illegible] آواز	" راج نرائن راز	۱۹/۵۰
چک ویر راجندر	" راشد سہسوانی	۲۲/۵۰
چک درباری	" " "	۱۵/۵۰
جدوجہد آزادی میں مجلس قانون ساز کا رول	مترجم غلام ربانی تاباں	۱۲/۵۰
آب حیات	تلخیص پروفیسر احتشام حسین	۶/۷۵
قومی شاعری	مرتبہ علی سردار جعفری	۴/-
چار دیواری میں	مترجم ظفر ادیب	۷/۷۵
فاطمہ کی بکری اور لاچیپن کی ساتھی	" اظہر پرویز	۵/۷۵
گنگا جل کے پنکھ	" رضیہ سجاد ظہیر	۶/۷۵
برہمن لڑکی	" اگرسین نارنگ	۷/-
ملیالم افسانے	" " "	۸/۷۵
تامل افسانے	" حسرت سہروردی	۸/-
ہندی افسانے	" اگرسین نارنگ	۹/-
پنجابی افسانے	" مخمور جالندھری	۶/-
اردو افسانے	" " "	۱۶/-
جدید اردو تنقید اصول و نظریات	ڈاکٹر شارب ردولوی	۲۰/-
خطوط وقار الملک	[illegible]ق احمد	۲۵/-
[illegible] حالی	ظفر ادیب	۹/-
اسرار اقبال	تحسین رضوی	۱۱/-
رازدانِ حیات	اسلم ہندی	۱۰/-
ابر و باد	پیام فتحپوری	۴/-
رشید احمد صدیقی (سوانح)	مالک رام	۱۴/-
ایک قطرۂ خون	عصمت چغتائی	۳۰/-
نئے تنقیدی جائزے	خوشحال زیدی	۱۶/۵۰
کلیات مصحفی حصہ سوم	مرتبہ حفیظ عباسی	۲۶/-

امیر خسرو	شیخ سلیم احمد	۴۰/-
مخدوم علی مہائمی	عبدالرحمٰن	۱۶/-
اردو کے تیرہ افسانے	اظہر پرویز	۱۰/-
مجلۂ علوم اسلامیہ	محمد اقبال انصاری	۱۰/-
اونچی سوسائٹی	شہناز تبسم بی اے	۱۲/-
سرود جاوداں	بیکل اتساہی	۵/-
ریگِ سیاہ	ذکاء الدین شایاں	۵/-
اردو غزل	ڈاکٹر یوسف حسین	۲۶/-
شہیدانِ آزادی (تاریخ آزادیٔ ہند)	ڈاکٹر چوپڑہ	۲۴/-
مجموعۂ نغز	حکیم قدرت اللہ قاسم	۵۰/-
لہو رنگ	جلیل الٰہ آبادی	۵/-
حیرت کدہ	شائق	۵/-
کاروان خیالوں کے	نوبہار صابر	۶/-
جلوۂ صد رنگ	شمس	۴/-
آبلے	مدہوش بلگرامی	۴/-
سلگتے پھول ڈھلکتے آنسو	ڈاکٹر بابا کھنہ راجے	۱۰/-
وطن (اردو)	فیاض گوالیاری	۷/-
وطن (ہندی)	" "	۳/۶۰
ناقابل فراموش	دیوان سنگھ مفتون	۱۵/-
جذباتِ مشرق	" " "	۱۵/-
تروینی (ناقابل فراموش کا ہندی ایڈیشن)	" "	۱۲/-
بادہ و جام	شارق میرٹھی	۲/۵۰
رعنائیاں	رعنا جگی	۲/-
لہو صورت خاکے	شرف کمالی	۳/-
متاعِ نظر	نظر برنی	۳/-
مغربی ادب کے معمار	اے محمد ابراہیم	۱۲/-
بابُ السماء	نامی نادری	۲/۵۰
ابتدائی علم عروض	سبحان انجم	۱/-
شمیم سخن	ساحر سیالکوٹی	۳/-
سوزِ جگر	جگر جالندھری	۳/-
نسیم بہار	نسیم نوشہروی	۴/-

بھیاں دعاں	رتن ناتھ سرشار	۳/-
ڈریکیا	مفتون	۴/-
خواب تماشا	کمار پاشی	۴/-
۱۹۷۶ء کی منتخب شاعری	پریم شل	۳/-
معجون نشاط	نواب حیدر حشم	۸/-
انگریزی ادب کی مختصر تاریخ	ڈاکٹر محمد یسین	۱۲/-
اخلاقی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسین	۴/۵۰
سوگوار یاد	رحم علی الہاشمی	۲/۲۵
مقالات حالی	حالی	۵/-
یادگار نظر	مرتب جگر بریلوی	۶/-
انتخاب شرح دیوان مومن	حامد حسن قادری	۷/-
مرقع افغان	ابرار حسین فاروقی	۳/۲۵
محاسن کلام غالب	عبدالرحمٰن بجنوری	۱/-
مطالعہ حضرت غمگین	محمد یونس خالدی	۳/-
مذہب اور دھرم	مہاتما گاندھی	۴/-
تذکرہ گلشن سخن	مسعود حسین رضوی	۸/-
دیپک کی کہانی	عبدالبصیر خاں	۲/-
شکنتلا	قدسیہ زیدی	۲/-
تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۱۲/-
عکس آئینے کے	ہرچرن چاولہ	۸/-
گنجہائے گراں مایہ	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۱۲/-
آشفتہ بیانی میری	" " "	۵/-
ہم نفسان رفتہ	" " "	۶/۵۰
تجزیے	ڈاکٹر گیان چند	۱۳/-
وہ صورتیں الٰہی	مالک رام	۱۰/-
تذکرہ معاصرین	"	۱۶/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۹/-
لکھنؤ کی زبان	محمد باقر شمس لکھنوی	۶/-

بیربتیر کی کہانی	اندرجیت	۴/-
اناجوں کا بادشاہ	"	۳/۵۰
ایٹم کی کہانی	"	۲/-
میرا بھائی	ادیب اعظم برہمانند دت	۴/-
اہل سیف	"	۵/-
خواب و بیداری	... سبزواری	۳/-
حسن عرفاں	... نظر	۱/-
سونے کبوتر ہوشیار سانپ	طالب شاہ آبادی	۱/۵۰
عکس حیات	حمید قیصر	۳/-
تذکرۂ آزاد	آزاد	۳/-
دیوان ذوق	محمد ابراہیم ذوق	۷/-
خواب نئے	ظفر ادیب	۹/-
چاند کا زخم	شمس فرخ آبادی	۲/-
آیات قرآنی	رضا کوثری	۱/-
کرنیں	روپ بھاردواج	۶/-
کرن	راج کرن پرشاد	۱/-
شخصیت تنقید ...	فرمان فتحپوری	۷/۵۰
تنقید و تشخیص	ارشد مرحوم	۵/۵۰

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تفسیر

ترجمان القرآن

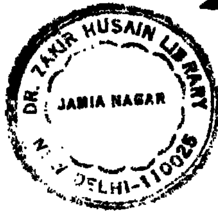
کا حصہ اول ایک عرصہ سے نایاب تھا۔ اب یہ حصہ بھی دستیاب ہے۔ لہٰذا چاروں حصص مکمل طلب فرما کر اس غیر فانی تفسیر کو اپنی لائبریری میں رکھئے۔ ہدیہ ہر حصہ بائیس روپیہ چاروں حصص مکمل اٹھاسی روپیہ۔

ملنے کا پتہ۔ دفتر شان ہند۔ فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002.
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

Only Title Printed at M S. Printers, Darya Ganj, New Delhi-2.

شانِ ہند دہلی



JULY—1976



Janab Krishn Mohan

Editor :
SARWAR TAUNSVI

Rs. 1-25

Janab Akbar Jai Puri (Sri Nager)

سال اجرا ۱۹۳۸ء | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۳۷۰ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R.N. 644/57

فون نمبر:- ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر:- سرور تونسوی قیمت سالانہ دس روپے فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۸	جولائی ۱۹۷۶ء	شمارہ ۷

فہرس

ضروری اطلاع:- اب آپ کو دفتر شانِ ہند سے آپکے خط کا جواب تب ہی موصول ہوگا۔ اگر آپ نے جواب کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھجوایا ہے۔ اس لئے جب بھی دفتر شانِ ہند کو خط لکھئے تو اس امر کا خاص خیال رکھئے:- (ادارہ)

[illegible] سرور ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے لاہوری پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر دفتر شانِ ہند فلیٹ ۲۱ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی سے شائع کیا۔ [illegible] ایم اسلم پرنٹرس دریا گنج دہلی میں چھپا

غزل
ماہر تلہری

وہ پھول جس پہ زیادہ نکھار ہوتا ہے
کسی کے دستِ ہوس کا شکار ہوتا ہے

کوئی ہو دیکھنے والا تو ایک اک چہرہ
خود اپنے عہد کا آئینہ دار ہوتا ہے

تمام زخموں کی قیمت سب آنسوؤں کا بدل
بس ایک خندۂ بے اختیار ہوتا ہے

وہ زخم کھائے ہیں سورج کی تیز کرنوں کے
ہوا کا لمس بھی اب ناگوار ہوتا ہے

لہولہان افق کی صلیب پر سورج
تمام شہر کا آئینہ دار ہوتا ہے

[illegible] کی کوشش کے تک کا ماہر
ہوتا ہے وہ بڑا پیچ دار ہوتا ہے

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو

ادارہ "شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحرؔ نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات، یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

قیمت : دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین :۔ سرورؔ تونسوی ، عزیزؔ اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر "جشنِ سحر نمبر" ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا اسلئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہے۔

اُجرتِ اشتہار۔ عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے، نصف صفحہ ۱۵۰ روپے سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے، سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے۔

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے

ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲

افکار و واقعات

مشہور شعرا کے ناخلف بیٹے

ابوالفصاحت پنڈت لبھورام جوشؔ (مرحوم) کے واحد فرزند جناب پنڈت بالمکند عرشؔ ملسیانی اور جناب تلوک چند محرومؔ (مرحوم) کے واحد فرزند جناب جگن ناتھ آزادؔ خدا کے فضل و کرم سے بڑے اچھے مرتبے پر رہے اور چار ہندسوں میں تنخواہیں پائیں (جگن ناتھ آزاد اب بھی ڈپٹی پرنسپل انفارمیشن بیورو سرینگر ہیں) مگر جب حکومتِ ہند کی طرف سے حضرت محرومؔ و حضرت جوشؔ ملسیانی کو ادبی وظیفے ملنے شروع ہوئے تو ان حلفیہ بیانات پر کہ ہمارا ذریعہ معاش کوئی بھی نہیں ہے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں ان دونوں مقتدر شعرائے کرام نے یہ حلفی بیان داخل کئے کہ ان کے بیٹے ان کے اخراجاتِ زندگی کے کفیل نہیں ہو رہے لہٰذا انھیں سرکاری طور پر زندگی گذارنے کے لئے ان کی ادبی خدمات کے صلے میں وظائف دیئے جائیں۔

ایڈیٹر شان ہند نے اس وقت بھی ایک ادارتی نوٹ میں لکھا تھا کہ جناب عرشؔ ملسیانی اور جناب آزادؔ کے لئے یہ باعثِ ندامت ہے کہ ان دونوں حضرات کے والدِ محترم یہ بیانِ حلفی دیں کہ ان کا ذریعہ معاش کوئی نہیں۔ جبکہ اس وقت عرشؔ صاحب اور آزادؔ صاحب ایک ایک ہزار روپیہ سے زائد تنخواہ وصول کر رہے تھے اور مشاعروں سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ علیحدہ تھی۔ چونکہ حکومت سے روپیہ مل رہا تھا اس لئے یہ دونوں حضرات اس ندامت کو شیرِ مادر سمجھ کر پی گئے۔ مگر ذوقِ سلیم رکھنے والوں نے یہ برملا کہا کہ جناب عرشؔ اور جناب آزادؔ کی یہ ناخلفی ہے۔

حال ہی میں جناب جان نثار اخترؔ صاحب کے انتقالِ پُرملال پر ان کی بیگم صاحبہ کو محترمہ وزیر اعظم صاحبہ ہند اور جناب وزیر اعلیٰ نے دس دس ہزار روپیہ کی امداد دی ہے۔ جس پر ہم آررو دان کو محترمہ وزیر اعظم صاحبہ اور وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کا ممنون ہونا چاہئے کہ مرحوم جان نثار اخترؔ کے بچوں کی تعلیم اور ان کی بیوہ کی مدد کے لئے یہ امداد دی۔ مگر یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ جان نثار اخترؔ صاحب کے ایک بیٹے جاوید صاحب اس وقت لاکھوں میں کھیل رہے ہیں اور ان کے دوسرے بیٹے امریکہ میں خوب کما رہے ہیں۔ کیا جان نثار اخترؔ ایسے غیرت مند شاعر کے بیٹوں کے لئے یہ ندامت کا باعث نہیں کہ وہ انتہائی خوشحال ہوتے ہوئے اپنی سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کی کفالت کے لئے کچھ نہ کر سکیں اور ان کی ماں اور بھائیوں کو سرکاری مدد قبول کرنی پڑے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جاوید جو ایک ایک فلمی کہانی کا چھ ہندسوں میں معاوضہ لے رہے ہیں محترمہ وزیر اعظم صاحبہ اور مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کا شکریہ ادا کرتے اور کہتے کہ یہ روپیہ دوسرے ضرورت مندوں کو دیا جائے یا بہار، یوپی وغیرہ کے سیلاب زدہ لوگوں کو بھجوا دیا جائے۔ کیونکہ ان کے پاس خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے اور وہ خود اپنی ماں اور بھائیوں کی بہتر انداز میں خدمت کر سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں بھی ناخلفی اپنا رنگ دکھائے بغیر نہ رہ سکی۔ کاش کہ ایسے مشہور شعرا کے بیٹوں کی …

دماغی ورزش

ماہ مارچ ۱۹۷۶ء کے شان ہند میں دماغی ورزش نمبر ۹ پچاس روپے کا انعام رکھا گیا تھا۔ اس سلسلے میں اس وقت تک جتنے جوابات آئے ہیں وہ سب کے سب غلط ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر ورزش کے ساتھ … کا بھی فقدان ہو گیا۔ مدیر شان ہند کوشش کر رہا ہے کہ حضرت علامہ عرشؔ آبادی دماغی ورزش … فرمائیں تاکہ قارئین شان ہند اندازہ لگا سکیں کہ شان ہند کس حد تک … دماغی ورزش کے سلسلے میں صحیح رہنمائی کر رہا ہے۔

موجودہ دَور کے مشاعرے

غیر شاعروں، غیر اُردو دانوں، غیر شاعرہ مستورات اور گلے بازوں کی آماجگاہ بن کر رہ گئے ہیں

جناب ڈاکٹر خضر عنبر آبادی نے کوروالا مدھیہ پردیش سے ایک طویل خط مدیر شانِ ہند کے نام لکھا ہے۔ جس کے کچھ اقتباس حسب ذیل ہیں۔

۱- آج کل ایسے غیر شاعر غیر اُردو دان شاعر بنے پھرتے ہیں جو کسی بھی شعر کا مطلب نہیں بتا سکتے مگر وہ جو کلام مشاعروں میں سناتے ہیں وہ بہت اچھا ہوتا ہے۔

۲- اکثر اساتذہ یا اچھا کہنے والے شعرا جن کو مشاعروں میں بُلایا نہیں جاتا وہ گلے باز متشاعروں کو جن میں سے اکثریت ایسے متشاعروں کی ہوتی ہے جو اپنے دستخط بھی مشکل سے کر سکتے ہیں اپنا کلام دے دیتے ہیں تاکہ یہ گلے باز متشاعر ان کے اچھے اچھے غیر مترنم شعرا پر چھا جائیں جس سے ان اساتذہ یا اچھا کہنے والوں کو ذہنی سکون ملتا ہے کہ ان کا کہا ہوا کلام عوام میں مقبول ہوا۔

۳- صرف یہی نہیں بلکہ یہ اساتذہ اور اچھا کہنے والے شعرا منتظمین مشاعرہ سے سفارش کر کے گلے باز متشاعروں کو مدعو کراتے ہیں۔

۴- منتظمین مشاعرہ یا مشاعرہ کمیٹیوں کے ارکان بھی اب عموماً کلام کی اچھائی کو نظر میں نہیں رکھتے اور نہ ہی قابل قدر شاعروں کو انتخاب کرتے ہیں۔ بلکہ گا کر پڑھنے والوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور یہی حال سامعین کا ہے کہ وہ مترنم شعرا (جن میں سے اکثریت متشاعروں کی ہے) کو پسند کرتے ہیں۔

۵- مذکورہ بالا حیثیت کے شعراء یا شاعرات چونکہ آداب بزم اور وقار شاعر سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے وہ مشاعرہ کی اسٹیج کو تھیٹر کا اسٹیج سمجھتے ہیں اور جتنا اچھا وہ عزت جانتے ہیں سامعین کو خوش کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔ اس لئے اب بزم مشاعرہ کو عام تفریح گاہ یا تماش بینوں کا اجتماع سمجھا جانے لگا ہے۔

۶- یہ بھی دیکھنے میں اور سننے میں آیا ہے کہ کہیں کہیں مشاعروں میں سامعین نے ہاتھ اٹھانا بھی شروع کر دی ہے جسے شعرا نے بھی قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔ یعنی شاعر کو مثل قوال یا طوائف غزل پڑھنے میں روپیہ دینے کا چلن شروع ہو گیا ہے۔ غرض یہ کہ سامعین اور خود شعرا بزم مشاعرہ کو اب رقص و سرود کی محفل بناتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے فرضی شعرا یا سارق شعرا (گلے بازوں) کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے شعرا کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

شاعر اور قوال برابر   فرق نہیں ہے بال برابر
شاعری اور خطہ میں بھالو   گلوکار مرغی دال برابر

۷- آج کا شاعر سامعین کا محتاج ہے جو تعداد ہے اور نہ ہی با وقار ہے پھر سوسائٹی گلے بازی کے ہونے پر شاعر بنا چاہیے اور یہ تمام تر ذمہ داری ایسے شعرا پر عائد ہوتی ہے جو اپنی شہرت کے لئے [illegible] اور انہیں مشاعروں میں [illegible] کوشش فرما رہے ہیں۔

۸- غیر طرحی مشاعرے ادب کی خدمت یا اردو کی خدمت [illegible]

شعرا تک اپنی پرانی بھلی چنگی غزلیں جو بیسیوں مرتبہ کی سنی یا پڑھی ہوئی ہوتی ہیں سنا دیتے ہیں۔ اب [illegible]
جب شعرا نئی غزل کہتے ہی نہیں - اور پرانی غزلوں سے کام چلا لیتے [illegible]
شاعروں نے بڑھا بڑھا کے آگا دیا کس کلام آیا۔ ایک با ... [illegible]
معاوضہ [illegible] یا ادب [illegible] ہے [illegible]
میں معیاری شاعروں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

۹- ہر جگہ باز شاعر خواہ شاعری اس سے کوسوں دور ہو کر نکل جاتی ہو - [illegible]
ہو یا نہ - عروض سے نابلد ہو - مگر ہر بڑے مشاعرے میں بلایا جاتا ہے جن سے اکثر [illegible]
ہوئے اس قدر پی لیتے ہیں کہ جسے ہضم کرنا ان کم ظرفوں کے بس کی بات نہیں ہوتی - اور یہ [illegible]
منتظمین مشاعرہ نیز آس پاس بیٹھے ہوئے شعرا کے لئے عذاب جان ہی نہیں بن جاتے بلکہ بعض اوقات [illegible]
ہیں اگر اسٹیج سے انھیں ہٹا بھی دیا جائے تو مشاعرہ گاہ کے آس پاس [illegible]
ادبی محفل کے قابل ہو سکتے ہیں اور کیا ایسے لوگوں کے اجتماع کو بزم مشاعرہ کہنا درست ہے۔ اور کیا [illegible]
پر [illegible] کو ذلیل کرنا نہیں اور ایسے شراب نوشوں کو شراب پلا کر یہ کہنا کہ یہ خدمت ادب ہے - کیا [illegible]
روپیہ دینے والوں کے ساتھ دھوکا نہیں ہے۔

ڈاکٹر خنجر صاحب کے طویل خط کے کچھ حصوں کے اقتباس آپ ملاحظہ فرما چکے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خط میں [illegible]
کی ان بدعتوں کے تدارک کے لئے کچھ علاج بھی تجویز فرمایا ہے - یہ نسخہ بھی مختصر الفاظ میں [illegible]۔

۱- مشاعرے طرحی کئے جائیں بے شک دوسرے دور میں غیر طرحی کلام سنا جائے - مگر مشاعرے میں [illegible]
پر کلام سنائیں تاکہ شعرا نئی غزلیں کہیں اور اس طرح سے ادب میں اضافہ ہو۔

۲- شعرا کو منہ مانگا معاوضہ نہ دیا جائے ان کے قیام و طعام کا خاطر خواہ بہترین انتظام [illegible] چاہئے۔ اور [illegible]
بھی دیا جائے۔

۳- کسی شاعر کو مشاعرہ میں شراب پی کر آنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے - اس سے شعرا میں شراب نوشی کی [illegible]

۴- مشکوک شعرا کو [illegible] کے بعد غزل پڑھنے کی اجازت دی جائے - [illegible]
ان کے بعد ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ بے شک اس سے مشاعرے کچھ پھیکے پھیکے [illegible]
شعرا کو خود اپنا صحیح مقام معلوم ہوگا - ایسے مشاعروں کا مقصد حقیقتاً ادب کی خدمت ہوگا - اور ایسی محفلیں [illegible]
واقعی ادبی اور شعری محفلیں کہلانے کی مستحق ہوں گی - مشکوک شعرا کے بارے میں ڈاکٹر صاحب [illegible]
مشاعرے میں شریک ہونے والے شعرائے کرام کے ایک کاغذ پر دستخط [illegible]
لہٰذا ایسے شعرا سے باتوں باتوں میں کسی شعر کے مطلب پر بحث کرنے یا عروض کے کسی اصول سے [illegible]
از خود سمجھ میں آ جائے گا۔

جناب ڈاکٹر خنجر صاحب کی واقفیت کے لئے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ انھوں نے [illegible]
نشان دہی فرمائی ہے - الاّ ما شاء اللہ سے بحث شاید ہند کے متعدد شعرا میں [illegible] ہے - مگر [illegible]
دن دونی اضافہ ہوتا جا رہا ہے - اور ان تمام بدعتوں کے ذمہ دار یہی مشاعرہ کمیٹیوں کے ارکان [illegible]
خنجر صاحب اب شاعروں اور شاعرات کے انتخاب میں ایک نہایت خطرناک [illegible]

کہ منتظمین مشاعرہ میں سے شاطر قسم کے لوگ ان شاعرات کو بلانے کے لئے لبضد ہوتے ہیں جن سے انھیں راہ و رسم بڑھانے کی امید ہوتی ہے اور یہ راہ و رسم ناجائز تعلقات تک جا پہنچتی ہے۔ یار لوگوں نے اس قسم کی شاعرات کو بڑے بڑے مقصد حاصل کرنے کے لئے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور لطف اور کچھ نامور اور مشہور شعرا نے یہ چلن اختیار کر لیا ہے کہ منتظمین مشاعرہ کو مجبور کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ ان کی پسندیدہ شاعرہ (جو دراصل اپنی طوائفیت کو شاعرہ کے پردہ میں چھپائے ہوئی ہوتی ہے) کو بھی مدعو کیا جائے ورنہ وہ دعوت نامہ منظور نہیں کریں گے۔ لہٰذا مشاعرہ کے بعد یہ نامور شاعر اور ان کی پسندیدہ شاعرہ جو گل افشانیاں کرتے ہیں وہ ناقابلِ بیان اور ناقابلِ اشاعت ہیں

مگر ان سب باتوں کے باوجود ان تمام بدعتوں کا تدارک منتظمین مشاعرہ ہی کر سکتے ہیں۔ شان ہند کی ماہ مئی کی اشاعت میں صاف لفظوں میں لکھا گیا کہ طارق بدایونی شاعر نہیں ہیں۔ محض گلے اور غلافی صورت کی بدولت وہ مشاعروں میں مقبولیت پاتے ہیں اس کے باوجود آج ہی کی ڈاک میں جناب جوہر باسودوی جو کہ شان ہند کے دیرینہ کرمفرما ہیں لکھتے ہیں کہ باسودہ کے مشاعرے کے سلسلہ میں تشنا الغاں، جگنو تاباں اور طارق بدایونی کے پتے درکار ہیں اگر زحمت نہ ہو تو ان حضرات کے پتے ارسال فرمائیں۔ ع۔
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے۔

جب منتظمین دیدہ دانستہ گلے باز شاعروں کو لوٹ دینے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں تو مدیر شان ہند یا آپ کیا کر سکیں گے۔

اگر آپ اُردو پڑھ سکتے ہیں؟

تو حسب ذیل کتابیں ضرور پڑھیئے ـ ناپسند آنے پر واپسی کی شرط

۱ـ ترجمان القرآن :ـ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تفسیرِ قرآن چار جلدوں میں ـ اس تفسیر کی جلد اول ایک عرصہ سے نایاب تھی ـ
ب چھپ گئی ہے ـ قیمت فی جلد بائیس روپے چاروں جلدیں ـ ٥٥ ـ ٨٨ روپے

ـ غبارِ خاطر :ـ مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی وہ تصنیف جو اپنی نظیر آپ ہے ـ ایک عرصہ سے اس کا اصل ایڈیشن نایاب تھا ـ
ب حکومتِ ہند کے اہتمام میں شائع ہوئی ہے ـ قیمت پندرہ روپیہ :

ـ خطباتِ آزاد :ـ مولانا ابوالکلام آزاد کے خطبات کا مجموعہ قیمت ۱۸ روپیہ

۴ـ یادوں کے سائے :ـ مادام نشری محترم ممتاز مرزا کا تازہ ترین مجموعہ کلام قیمت بیس روپیہ ـ

ـ ناقابلِ فراموش :ـ سردار دیوان سنگھ مفتوں ایڈیٹر ریاست (مرحوم) کا زندہ جاوید شاہکار قیمت بیس روپیہ

۶ـ جذباتِ مشرق :ـ سردار دیوان سنگھ مفتوں ایڈیٹر ریاست (مرحوم) کی ادبی و شعری تالیف جو دنیائے ادب میں یقیناً ایک بیش
بہا اضافہ ہے ـ قیمت اٹھارہ روپیہ :ـ

۷ـ یادوں کی برات :ـ حضرت جوش ملیح آبادی کی خودنوشت سوانح عمری ـ جو پاکستان میں چھپی ـ اور وہاں ضبط کر لی گئی ـ ہندستانی
ایڈیشن ۲۵ روپے ـ

۱ـ ۳۳ برس :ـ مشہور افسانہ نویس دت بھارتی کی خودنوشت سوانح حیات افسانوی رنگ میں دت صاحب نے اپنی سوانح عمری لکھ
یا زورِ قلم کے وہ شاہکار پیش کئے ہیں جو ان کے افسانوں اور ناولوں میں نہیں ملتے ـ قیمت دس روپیہ ـ

ـ عکس آئینے کے :ـ ہرچرن چاولہ کے افسانوں کا مجموعہ ہے جسے پڑھ کر آپ کو منشی پریم چند کے دیہاتی ماحول سے متعلق افسانوں اور
سعادت حسن منٹو کے طرزِ نگارش کی یاد آنے لگے گی ـ

ـ سحرِ نغمہ :ـ حضرتِ ساحر ہوشیارپوری کا مجموعۂ کلام جو لطافت کے تمام پہلوؤں سے مزین ہے ـ قیمت دس روپے

۱ـ بہشتِ نظر :ـ حضرتِ رتن پنڈوروی کا مجموعۂ کلام ـ اگر آپ شاعر ہیں تو یہ مجموعہ ضرور پڑھیئے قیمت پندرہ روپے

۱۱ـ آئینہ :ـ حضرتِ حیرت بدایونی مرحوم کا مجموعۂ کلام ـ سحر رنگ جیسا ہی ـ قیمت پندرہ روپیہ ـ

۱۲ـ پہلا پتھر :ـ جناب کاہر تلہری کا مجموعۂ کلام اس دور کے شاعروں میں سے ایک معقول شاعر کا معقول مجموعۂ کلام : قیمت ۹ روپے

۱۳ـ کوئے ملامت :ـ کرشن موہن کا تازہ ترین مجموعہ جتنا کلام نفیس ویسا ہی مجموعہ بھی ہر لحاظ سے نفیس ـ قیمت ۱۰ روپے ـ

۱۵ـ گیان مارگ کی نظمیں :ـ کرشن موہن کا مجموعۂ کلام جو مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے ـ قیمت دس روپے ـ

۱۶ـ دلی جو ایک شہر تھا :ـ ایک ایسی کتاب جو اپنی نظیر آپ ہے ـ آپ اسے پڑھنے کے بعد یقیناً داد دیں گے ـ قیمت پانچ روپے

۱۷ـ رعنائیاں :ـ جناب برج لال جی رعنا کا مجموعۂ کلام ـ ایک قابل قدر مجموعہ قیمت دس روپے

۱۸ـ ترزینی :ـ سردار دیوان سنگھ مفتوں کے عظیم شاہکار "ناقابل فراموش" کا ہندی ترجمہ قیمت پندرہ روپے

دفتر ماہنامہ شانِ ہند ـ فلیٹ ۵ انصاری مارکیٹ ـ دریاگنج ـ نئی دہلی

اگر کنبہ چھوٹا ہو تو والدین ہر بچے پر زیادہ توجہ دے سکتے ہیں اور اسے زندگی کی زیادہ سہولتیں مہیا کر سکتے ہیں۔ اس سے ملک کو بھی بحیثیت مجموعی اپنے وسائل کے بہتر استعمال کا موقع ملتا ہے۔

فیملی پلاننگ ہماری قومی ترقی کے پروگرام کا ایک لازمی جزو ہے اور ہم نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

اندرا گاندھی

کوثر الاحسانی

مشاعرہ اسلامیہ انٹر کالج سہارنپور

وسیم بریلوی۔ کیف بھوپالی۔ عالم فتحپوری۔ اختر نظمی گوالیاری۔ ناظر جیاجی۔ بشیر بدر۔ نور لکھنوی۔ اجمل سلطانپوری۔ حق کانپوری۔ ہلال سیوہاروی۔ مسعودہ حیات۔ ایاز جھانسوی۔ ظفر رزمی۔ کمال جانسی۔ محسودہ ناز لکھنوی

یہ وہ مشاعرہ ہے جسے پوسٹر میں تاریخی آل انڈیا مشاعرہ لکھا گیا

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس کے پوسٹر میں ۲۵ شعراء کے نام دیئے گئے اور شرکت کی صرف ۱۲ نے۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جہاں سامعین نے نہایت بردباری اور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جسے اس برفیلی رات میں کامران اور کامیاب کرانے کے لئے شہر ہی سے نہیں بلکہ دور دراز علاقوں سے اردو دوستوں نے سفر کیا۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس پر تقریباً ۱۵ ہزار روپے خرچ کئے گئے۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ سہارنپور کی تاریخ میں ایک عرصہ کے بعد واقعی کامیاب مشاعرہ ہوا

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ مقامی شعراء کو نظرانداز کرکے ایک مثال قائم کی۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس کے پنڈال پر ایر کنڈیشنڈ کا گمان ہوتا رہا۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جن حضرات نے سردی کی وجہ سے شرکت نہیں کی، وہ پچھتائے۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس کو وسیم بریلوی نے پونے چار بجے تک بڑے مدبرانہ انداز سے چلایا۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس کے لئے شہر کی سڑکوں پر بانس کے کھڑے کرکے بورڈ لٹکائے گئے

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس میں دو دیڑھی رئیسوں نے نہایت خاکساری اور مہمان نوازی کا ثبوت پیش کرکے بتلایا کہ امراء بھی مخلص ہوتے ہیں اور مسٹر محمود حسن شاہ اور نوابزادہ منصور علی خاں کیلاش پوری مجسم ہو بنے رہے۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس میں آپ کے کوثری الاحسانی کو مدعو نہیں کیا گیا اور یہ دریافت کرنے پر کہ کوثری صاحب ترنم سے پڑھتے ہیں کہ نہیں۔ تحت سے پڑھنے کی وجہ سے نظرانداز کر دیا گیا لیکن سہارنپور کے کرم فرماؤں اور دوستوں کے پیہم اصرار پر حاضری دی گئی یہ الگ بات ہے کہ مشاعرہ کمیٹی کے تمام ارکان نہایت خلوص سے پیش آئے۔

آیئے اب مشاعرہ کے دیگر حالات بھی ملاحظہ فرمایئے

۱۹ رجنوری ۱۹۷۶ء کی ریخ بستہ اور برفیلی رات ہے اور ۹½ بج چکے ہیں۔ افتتاح کے لئے جناب چودہری شفقت جنگ ایم ایل اے سے درخواست کی جا رہی ہے کہ آپ مائک پر تشریف لے آئیں۔ بیٹھ جانے کے بعد سے آپ کو لادر دیا گیا ہے اور ساتھ ہی صدارت کے لئے جناب سردار رام چرن سنگھ صاحب انکم ٹیکس آفیسر کا نام نامی پیش کیا جا رہا ہے اسی طرح سرداری کو گلے کے پھولوں سے لاد دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی سرپرست حضرات کی تصاویر بھی لے لی گئی ہیں۔ اس مشاعرہ کا پنڈال چونکہ اسلامیہ انٹر کالج کے وسیع میدان میں تنا یا گیا ہے۔ اس قدر وسیع اور شاندار ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں مجھے بتلایا گیا کہ پنڈال میں حد بندی کی وجہ سے فلاں گیلری میں وہ حضرات جو مخصوص ہیں فلاں رقم ادا کی اور فلاں گیلری میں فلاں رقم دینے والے۔ اسی طرح سلپ کے کرسیوں کا انتظام تھا۔ یہ تمام انتظامات قابل تعریف اور رونق دیدنی تھے۔ نہایت سلیقے سے کرسیاں

اور فرش اور روشنی کا انتظام کیا گیا ہے۔ مسٹر رشید صدیقی، کنوینر خاص
بزم نے ایک مختصر خطبہ پڑھا جس میں بانی اسلامیہ انٹر سوسائٹی کا بھی ذکر نہایت
خلوص اور احترام سے کیا گیا ہے جو نہی پنڈال جہاں اپنے لڑکے سے متعلق کہا
اور عزیزم عبدالحمید وسیم اور شعرائے کرام کے ہمراہ خصوصی گیٹ سے پہنچا
تو سب سے پہلی کرسیوں پر جو نظر آئے تو وہ تھے محترم مائیکر شیخ محمد رفیق صاحب
ان سے سلام اور دعا کے بعد دیر تک باتیں کرتا اور اسی دوران کوثر
کے جھاکوں نے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ یہ گویا مشاعرہ کی بسم اللہ کے لئے
مانے گئے تھے۔ چونکہ عمر قریشی تشریف لانے سے [illegible] زادہ منظور احمد نبی
محترم کنور مہندر سنگھ بیدی سحر صاحب شریک ہوسکے۔ لہذا پروفیسر وسیم
بریلوی نہایت اعتماد کے ساتھ اس مشاعرہ کو چلانے کے لئے مالک بن کر
شعرائے کرام کا تعارف [illegible] کیرانہ کے ایک ابھرتے ہوئے نوجوان محترم
شاعر کوثر زیدی کو دعوت سخن دے رہے ہیں۔ کوثر صاحب یوں سامعین
کی تشنگی دور کرنے چلے ہیں۔ ؎

ہر زخم لالہ زار ہے اور میں اداس ہوں
منظر نہ بہار ہے اور میں اداس ہوں

کوثر صاحب کا مطلع بہت [illegible] ان کی طرز ادائیگی اور ترنم ہونے
پر [illegible] اور مختلف [illegible] سے بیٹھے ہوئے سامعین کی داد کا عالم نہ پوچھئے
کوثر صاحب اس دل کشی سے جم کر سنا رہے ہیں ؎

میں نے تمام عمر کیا جس کا انتظار
آج اس کو انتظار ہے اور میں اداس ہوں
ساقی کی چشم مست بھی ہے محو التفات
موسم بھی خوشگوار ہے اور میں اداس ہوں

کوثر صاحب نے مشاعرہ کا آغاز نہایت دل کش ترنم سے کیا
آپ خوب خوب داد لوٹے چلے جا رہے ہیں اور وسیم صاحب فرما رہے ہیں کہ
اب میں جس شاعر کو دعوت سخن دے رہا ہوں [illegible] میں کہتا
[illegible] اردو پڑھنے کے بعد اردو میں شاعری کرنے سے میری
[illegible] سنائیں۔
[illegible] جس
کی وجہ سے مشاعرہ [illegible]

[illegible]

اور شاداب عنایت کر رہے ہیں۔ ؎

جنونِ شوق میں یہ بھی مقام آیا ہے نظر جھکا کے کسی کا سلام آیا ہے
بڑے مزے میں کٹی ہیں سیاہ راتیں بھی کہ مزاج پوچھنے ماہِ تمام آیا ہے
طلوع ہے بھی ساقی کی بے نیازی کی ہمارے پاس تکلف سے جام آیا ہے

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

وہ زر گری کی ہوس ہو کہ مفلسی یا اللہ سدا خلوص ہی انسان کے کام آیا ہے

شاداب صاحب خوب خوب داد پاکر اپنی جگہ آرہے ہیں۔ دیکھا تو لحاظ
ناز انصاری صاحب ایڈیٹر الجمعیۃ تشریف لا رہے ہیں۔ ناز صاحب
آج پہلی بار کسی مشاعرہ میں پاکر حیرانی سی ہوئی۔ حج کے بعد ناز صاحب
ماشاء اللہ متشرع نظر آتے ہیں۔ لیجئے حق کانپوری یوں سج دھج اور
بانکپن سے غزل سرا ہیں۔ ؎

بربادیٔ پیہم کا سبب کا یاد نہیں ہے یہ بات کبھی یاد تھی اب یاد نہیں ہے

[illegible] کسی ہر لوٹ کا گماں ہوتا ہے۔ پنڈال میں ایک [illegible] سی بکھر گئی ہے اور
آپ [illegible] بار دہرا کر اسی جان لیوا ترنم سے محفل کو بے حال کرنے کی سعی
کر رہے ہیں ؎

اس پہلی نظر پہلی ملاقات کا عالم! کچھ کچھ تو مجھے یاد ہے سب یاد نہیں ہے
کیا پوچھتے ہو دستور رہ و رسم محبت بس لٹ گئے لٹنے کا سبب یاد نہیں ہے

پھر داد دینے والوں پر سرشاری ہے اور آپ یوں جم کر سحر کر رہے ہیں ؎

نظریں رخِ جاناں سے ہٹانے نہیں پاتیں
دیوانہ ہوں دیوانہ ادب یاد نہیں ہے
حق پھر طرف منزل محبوب چلے ہو
کانٹوں سے بھری راہ طلب یاد نہیں ہے

حق صاحب پنڈال کو گرما کر تالیوں کی جھنکار میں کامراں جا رہے ہیں
اور جناب [illegible] بی صاحب [illegible] تشریف [illegible] کر شعرائے کرام کے
مجموعہ ہی میں بیٹھ گئے ہیں۔ آپ کو بھی یاد رہے [illegible] ادھر وسیم
صاحب پنجاب کے بزرگ اور استاد شاعر سردار کرپال سنگھ بیدار سے
درخواست کلام کر رہے ہیں۔ بیدار صاحب رباعیات کے بعد غزل
عطا کر رہے ہیں۔ ؎

جنونِ عشق کی ہنگامہ آرائی نہیں جاتی
بکھر جانے کی قسمت ہے تو رسوائی نہیں جاتی

جوانی آج بھی لیکن وہی ہے بانکپن ان کا
بکھرا لیتا ہے اپنی کی خطا پہ لیسا ہی نہیں جاتی

ہر چند کہ آپ ترنم سے نہیں پڑھ رہے ہیں مگر آپ کو ہر شعر پر داد دی جا رہی ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

یہ کیا مور د و جہاں کے تذکرے میں حضرت واعظ
جوانی دور کی باتوں سے بہلائی نہیں جاتی

بھرپور شباب پر ہے اور آپ عنایت کر رہے ہیں ؎

مرا حسن طبیعت خود ہی پر رشک کرتا ہے
محبت ان کے دور میں بھی دل کی رعنائی نہیں جاتی

بیدار صاحب کو داد حسن سے نوازا گیا اور وسیم صاحب اجمل سلطان پوری کو دعوت موسیقی دے رہے ہیں۔ اجمل صاحب غزل سرا ہیں

ہمیں سکوں ہی نہیں کیا کریں کدھر جائیں
ہمارے بس میں تو یہ بھی نہیں کہ مر جائیں

داد نقد فوج سے سواہے اور میں سوچ رہا ہوں اجمل صاحب کو بھی یار لوگ بیکل اتساہی کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اب گلے کی شہنائی میں وہ بات کہاں اور بیکل صاحب اب بھی اسی بانکپن سے لہراتے ہیں۔ دیکھا تو فرما رہے ہیں ؎

زباں بھی کھولیں تو انجام کار کیا ہو گا وہ کم سے کم نگاہوں سے کام کر جائیں
وہ بیکل ہوکہ ہو حرم قفس ہی قفس پہ کہیں نجات کی صورت نہیں کدھر جائیں
اس انداز میں اب رہگذار ہیں چشم براہ نظر کے ایک نظر دیکھ لیں گذر جائیں
چراغ بادہ کی صورت تیز کیجئے اجمل یہ ظلمات کے پروانے جل کے مر جائیں

اجمل صاحب تان محل سنا کر تالیوں کے شور میں مائک سے کم ہی اٹھ رہے ہیں اور وسیم صاحب شاعر خرابات ناظر خیامی کو یاد فرما رہے ہیں۔ ناظر صاحب عالم بدمیا میں مائک پر کیا آئے کہ آپ کی ہیئت کذائی پر کچھ دیر پنڈال میں قہقہوں اور فرمائشوں کا دورہ پڑا اور سب آپ سے سنی کرتے ہوئے فرما رہے ہیں ؎

پڑھ کے غزل میں پیام غزل ابتو طرح سے مطالع آتا ہے انجام غزل
ہوں کی بولی کی جگہ لفظ بھی غلط! جا بجا ایسے بھی ملتے ہیں تہ دام غزل

مرے کو دیرتک تلقین فرماتے رہے جو جی مائک سے جدا ہونے کو جھوٹے ۔ دوسر ۔ جو بڑا یا نظر دوالا منور تشکو نے مائک پر قبضا کر کے ناظر صاحب کو جانے نہ دیا

اور ہر دو حضرات نے سو سو روپے کا ایک ایک نوٹ ناظر صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور جرنیل شاہجہاں پوری فرما رہے ہیں واہ کیسا ہی مگر وہ ہی لیکن وہ شعر کہتا ہے۔ ابھی تک پنڈال میں واہ واہ ہو رہا ہے اور شور و غل ہے۔ اسی عالم میں وسیم صاحب محمود ناز لکھنوی کو اس ہنگامہ کو رد کرنے کے لئے دعوت سخن دے رہے ہیں۔ ناز صاحب یوں دلکش سے ایک حسین غزل چھیڑ رہے ہیں ؎

یاد محبوب سے دل اپنا بسا رکھا ہے ہم نے ایک الگ کعبہ بنا رکھا ہے
ان حسین آنکھوں کی گردش ہی نے آئی ہو ورنہ ساقی ترے میخانہ میں کیا رکھا ہے

داد کا شور کم ہو تو ارشاد ہوتا ہے ؎

آنکھیں کچھ چاہتی ہیں دل کی تمنا کچھ ہے مجھکو دیوانوں نے دیوانہ بنا رکھا ہے
روز و شب لوگ عیادت کو چلے آتے ہیں میری خاموشی نے طوفان اٹھا رکھا ہے

ناز صاحب داد کی جھولیاں بھرے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور وسیم صاحب کمال جائسی کو زحمت سخن دے رہے ہیں۔ کمال صاحب فرما رہے ہیں ؎

غم کی رات آ رہی ہے تو آنے بھی دو اب کے دیوانے کچھ کام کر جائیں گے
خون دل سے جلائیں گے شمع وفا تیرگی کے نشیمن بکھر جائیں گے
تیری محفل سے ہم تو چلے جائیں گے اپنی بربادیوں کے فسانے لئے
ذکر اہل وفا ہو گا جب بھی بیوفاؤں کے چہرے اتر جائیں گے

کمال صاحب کی تصویر لی گئی ہے اور آپ کامران پلٹ رہے ہیں۔ ادھر وسیم صاحب کسی پیم اسلم امروہوی کو یاد فرما رہے ہیں۔ اسلم صاحب فرما رہے ہیں ؎

مجبوری حالات غزل بیچ رہا ہوں انمول خیالوں کے کنول بیچ رہا ہوں
احساس کی اینٹوں سے جو تعمیر کیا ہے ہے کوئی خریدار محل بیچ رہا ہوں

اسلم صاحب نے ایک غزل اپنے ترنم سے چھیڑی ہے کہ کام دے گیا مگر آپ تحت سے پڑھتے تو کامیاب رہتے آپ جا رہے ہیں اور وسیم صاحب نہایت بانکپن سے غزل سرا ہیں ؎

پیار کی پیاس کسی طرح نکلتی بھی نہیں
خواہ ہاٹل نے دحیر تو علق بھی نہیں
تیرے ٹھٹے ہوئے اشکوں کا خدا ہی حافظ
یہ امانت اب آنکھوں سے سنبھلتی ہی نہیں
کب سے ایک وعدہ وفا ہونے کی امید لئے
ایسی اٹھی راہ پہ بیٹھا ہوں جو چلتی ہی نہیں
ان کے جاں باز بھی دل نے اسرار کئے
بجھ پہ پیاسا کوئی آتے کبھی پر

وسیم صاحب داد تحسین پاکر اپنی جگہ آگئے مشہور غزل گو شاعر کرشن بہاری نور لکھنوی سے درخواست کلام کر رہے ہیں نور صاحب نہایت پروقار انداز سے عنایت کر رہے ہیں ؎

ادھورے خوابوں سے اکتا کے جس کو چھوڑ دیا
شکن نصیب وہ بستر مری تلاش میں ہے

میں ایک قطرہ ہوں میرا الگ وجود تو ہے
ہوا کرے جو سمندر مری تلاش میں ہے

وہ ایک سایہ ہے اپنا ہو یا پرایا ہو
جنم جنم سے برابر مری تلاش میں ہے

میں جس کے ہاتھ میں اک پھول دیکھ آیا ہوں
اسی کا ہاتھ کا پتھر مری تلاش میں ہے

نور صاحب کے تحت پر ہزاروں ترنم قربان۔ آپ کو وہ داد دی گئی کہ
ع کچھ اور پوچھئے یہ حقیقت نہ پوچھئے

نور صاحب تالیوں کی جھنکار میں جا رہے ہیں اور وسیم صاحب آگہی کی نگری کے درویش صفت مصلی بردوش شاعر عالم فتحپوری کو زحمت سخن دے رہے ہیں۔ عالم صاحب کی تصویر لی گئی ہے اور آپ قلندرانہ شان سے فرما رہے ہیں ؎

مجھ سے تم نظریں ملاؤ، تغافل ہی سہی ظرف میرا آزماؤ امتحاں ہی سہی
میرا ابھی تو کھل رہے ہیں شاخ پر کانٹوں کے پاؤں تم ہمارے پاس آؤ احتیاطاً ہی سہی

آہ اور آہ کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

اہل دل جتنے ملے خانہ خرابوں میں ملے
فیض گذرے جو سمندر کے سرابوں میں ملے

یعنی خوابیدہ ہوں شہروں میں غزل کے لشکر
ایسے سوئے ہوئے طوفان حبابوں میں ملے

عالم صاحب تالیوں کے جھنکار میں جا رہے ہیں اور وسیم صاحب ثنا الفاظ میں تعارف فرماکر مظفر رزمی کیرانوی کو دعوت سخن دے رہے ہیں رزمی صاحب بڑے بانکپن سے محفل کو لوٹتے چلے ہیں

وہ ہیں کہ بس جلال میں خنجر اٹھا لئے ہم ہیں کہ احترام [illegible] گردن جھکائے ہیں
گلشن میں روشنی کے طریقے بھی [illegible]
ہوئی ابھی نگرانیاں [illegible]
رہے ہیں ؎

تنہا وہ میکدہ میں [illegible] ساقیا کچھ اور تشنہ لب کی تشنگی [illegible]
پردیس میں کوئی بھی شناسا نہ جب ملا تیرے شہر کی گلی کے بہت یاد آئے ہیں

فیض صاحب فرما رہے ہیں رزمی صاحب بہت اچھا کہنے لگے ہیں رزمی صاحب کی تصویر لی گئی ہے اور میں مرحوم ناصر کاظمی کے مطلع سے لطف اندوز ہو رہا ہوں سنئے ؎

کچھ یادگار شہر ستمگر ہی لے چلیں
آئے ہیں اس گلی میں تو پتھر ہی لے چلیں

رزمی صاحب تالیوں کی جھنکار میں شاداں جا رہے ہیں اور وسیم صاحب درخواست کلام کر رہے ہیں۔ پروفیسر اختر نظمی کو [illegible] ہے۔ کئی برس ہوئے برادرم رزمی صاحب نے اختر صاحب کا ایک شعر ؎

شہنائیوں کے شور میں دم توڑتا ہوا
ایک گیت جا رہا ہے کسی اور گاؤں میں

سنایا تھا اختر صاحب سے ملاقات اور سننے کا بڑا اشتیاق تھا آج ان کو سن کر بڑی مسرت ہوئی خوب کہتے اور پڑھتے ہیں آئیے سماعت فرمائیے ؎

کب لوگوں نے الفاظ کے پتھر نہیں پھینکے وہ خط بھی مگر اس نے جلا کر نہیں پھینکے
ٹھہرے ہوئے پانی میں اشارہ تو کیا تھا کچھ سوچ کے میں نے بھی کنکر نہیں پھینکے
کیا [illegible] ہے اس نے مری تصویر کے ٹکڑے تو گھر ہی میں چھپا کے ہیں باہر نہیں پھینکے

داد کا عالم نہ پوچھئے یہ شور خوشگوار کم ہوا تو آپ یوں [illegible] یہ قول رہے ہیں ؎

ایک مٹھی کلیوں کا تبسم بھی نظر کیوں میں نے تو کبھی پھول مسل کر نہیں دیکھے
دروازے کے شیشے بھی بدلوائیے نظمی لوگوں نے ابھی ہاتھ کے پتھر نہیں پھینکے

نظمی صاحب پنڈال میں نغمگی بکھیر کر تالیوں کی جھنکار میں [illegible] ہیں ادھر ایس پی صاحب بھی جا رہے ہیں اور وسیم صاحب ہلال سیوہاروی کو بلا رہے ہیں ہلال صاحب کا تالیوں سے استقبال کیا جا رہا ہے۔ آپ ایک طویل نظم ایمرجنسی سنا کر داد تحسین پاکر جا رہے ہیں۔ بزم کو گرمانے کے لئے ڈاکٹر بشیر بدر صاحب تالیوں کی جھنکار میں آگئے ہیں ؎

قیامت کے خوابوں میں منظر ملے ہر خیاباں کھلے سر بہ سر ملے
شکستہ مکانات ٹوٹے ہوئے جہاں گئے اپنے ہی گھر ملے
سمندر کے جیسی ہوئی موج میں ہمیشہ مجھے ریت کے گھر ملے
تتلیاں نے اجاڑے ہیں لاکھوں چمن اسے سرخ پھولوں کی چادر ملے

ند صاحب داد و تحسین پاکر اپنی جگہ آرہے ہیں اور راہی شہابی ایک
دیل نظم جو کہ اکثر و بیشتر مشاعروں میں سناتے ہیں سنا کر چلے گئے اور وسیم
صاحب مشہور غزل گو اور خوش ترنم شاعر ایاز جھانسوی کو دعوت سخن
دے رہے ہیں۔ ایاز صاحب یوں بانکپن سے غزل سرا ہیں ؎

ہم کیا ملے کہ پھیلے ہوئے غم سمٹ گئے
صدیوں کے فاصلے تھے جو لمحوں میں کٹ گئے

شیشے بنے تو چور ہوئے پتھروں سے ہم
پتھر بنے تو ہر کسی رستے سے ہٹ گئے

کس کس کے ناز اٹھائے کس کس کو حق جتائے
مشہور کیا ہوئے کہ زمانے میں بٹ گئے

ہمت نہیں رہی کہ اٹھیں اور بڑھ چلیں
سائے ہیں اس درخت کے ہم کتنے گھٹ گئے

ایاز صاحب کے ہر شعر پر خوب خوب داد دی گئی۔ آپ نہایت خوش
خوش پلٹ رہے ہیں اور وسیم صاحب دوسرے بند تحریکات اور
مشہور شاعر کیف بھوپالی سے درخواست کلام کر رہے ہیں۔ کیف صاحب
مائک پر کیا آئے کہ فرمائشوں کا ایک شور ہے ادھر کیمرہ والا بھی حرکت
میں آیا ہے اور کیف صاحب اپنی دھن میں مگن ایک غزل
چھیڑ رہے ہیں ؎

آج محبت میں دل پہ حکمرانی ہے — دل تمہیں مرا گویا ان کی راجدھانی ہے
شاید ان کے دامن پر کچھ دیر رک گئی تھیں — آج میرے اشکوں کا رنگ زعفرانی ہے
ہم کو [illegible] — عشق کرنے والوں نے کب کہاں یہ مانی ہے
[illegible] — آندھیاں بھی چلیں بجلیاں بھی [illegible]

کیف ہم کو دنیا نے کیا سے کیا بنا ڈالا
[illegible] تیرے منہ پہ زنگ نہ پانی ہے

کیف صاحب کئی غزلیں سنا کر تالیوں کے بیچ ہجوم خود میں جھومتے
رہے ہیں اور وسیم سے درخواست کر رہے ہیں بسمل شاہجہانپوری
سے قبلہ بسمل صاحب شاہانہ شکن ترنم سے عنایت کر رہے ہیں ؎

گلشن ہند پہ رحمت کی گھٹا چھائی ہے
نگہِ شاہد کونین تماشائی ہے
جشن جمہوریت جمہور منانے کے لئے
خلد سے روحِ شہنشاہ ظفر آئی ہے

پنڈال میں جو تھے مصروف پہ جو تھال سا آیا ہے کئی بار دہرا کر ایک طویل
نظم سنا کر شاداں جا رہے ہیں۔ آپ کی تصویر لینے کے لئے فوٹو گرافر نے
لپکا تو آپ نے اس کو سختی سے منع کر دیا ہے۔ تصویر لینے نہیں دی آپ کے
ساتھ ہی اس یادگاری اور کامیاب مشاعرہ کا پہلا دور تین بجے ختم ہوا
ہے دوسرا دور تقریباً پونے چار تک جاری رہا

اس مشاعرہ کو کامیاب بنانے میں جہاں مسٹر رشید احمد صدیقی
عزیز الرحمن قریشی۔ محمد نعیم زیدی پرنسپل اساتذہ کرام اور طلباء اسلامیہ
انٹر کالج نے نہایت جد و جہد فرمائی وہاں مسٹر مسعود حسن شاہ صاحب
اور نوابزادہ منصور علی خاں کیلاش پوری نے ہر طرح کا تعاون فرمایا۔
اسی طرح شہر کے اردو نواز دوستوں سرکاری ملازمین اور حکام
نے بھی ہر طرح سے مدد فرمائی جو لائق صد تحسین اور قابل مبارکباد
ہیں۔ اب مجھے بھی اجازت دیجئے انشاءاللہ زندگی لال قلعہ وغیرہ کے
مشاعرے خدمتِ عالیہ میں پیش کروں گا۔

خدا حافظ

بقیہ اکبر جے پوری۔ فن اور شخصیت

اکبر کے سرمایۂ ادب میں ابھی کچھ آفتاب طلوع کے انتظار میں ہیں، جنہیں
کچھ اس طرح ترتیب کیا جاسکتا ہے

شمع سوزاں۔ مجموعۂ کلام — نقد قتیل۔ ڈرامہ
اختر تاباں — منظوم تاریخی ڈرامہ — خون کی تحریر۔ ڈرامہ
بے گناہوں کی بستی۔ منظوم ڈرامہ — فکر و خیال۔ ادبی اور
تنقیدی مضامین

اس کے علاوہ متعدد مختصر افسانے ملک بھر کے ادبی
جرائد میں شائع ہو چکے ہیں، اکبر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں
میں [illegible] کی حیثیت سے مستقل کام کرتے
رہے، ایک اور کام جو اکبر کے ادبی لوح عمل پر ہمیشہ کے لئے
ثبت رہے گا، یہ ہے، کہ انہوں نے ترقی اردو بورڈ کے
ایماء پر سرکاری محکموں اور عدالتوں میں رائج بائیس ہزار
قانونی اور دفتری اصطلاحات کو مع انگریزی مترادفات کے
جمع کیا ہے

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی
کے
بیس نکاتی اقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کے دلدل سے نکل سکتا ہے اور ہم ڈسپلن سے قومی کریکٹر کو بلند کر سکتے ہیں آیئے ہم سب مل کر وزیر اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں

دیال سنگھ کالج

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلباء کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یکجہتی، اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اراکین منتظمہ کمیٹی
دیال سنگھ کالج
ہریانہ

غزل

(جناب ثاقب زیروی)

لوگ تو ہر چند بہکاتے رہے
یاد جو آتے تھے۔ یاد آتے رہے

یار لوگوں نے خدا کو جا لیا
ہم بتوں سے خوف ہی کھاتے رہے

ابتدا سے انتہا تک ہی سفر
ہم یونہی منزل کا غم کھاتے رہے

زندگی کانٹوں کی صورت ہو گئی
پھول کھلتے اور مرجھاتے رہے

ہم نے کشتی ناخدا کو سونپ دی
اہلِ دل ساحل پہ گھبراتے رہے

ریت کی دیوار ہے یہ زندگی
ہم انہیں وہ ہم کو سمجھاتے رہے

نام انسانوں ہی کے زندہ رہے
آدمی آتے رہے جاتے رہے

ہوں گی ہم آہنگ کب یہ دھڑکنیں
وسوسے لختِ جگر کھاتے رہے

محتسب نے اس طرح مانگا حساب
سب کے سب محشر میں شرماتے رہے

خواب بکھرے اور ٹوٹے سلسلے
نیند کے جھونکے ستم ڈھاتے رہے

ٹمٹما کر بجھ گئے روشن چراغ
رات کے ساتھی سبھی جاتے رہے

غم کی صورت کو وہ ترسے عمر بھر
ہم وفا کے گیت ہی گاتے رہے

کار فرما غم تھا میرا اس قدر
داستاں میری وہ دہراتے رہے

وہ تو ثاقب غیر سے اپنے ہی تھے
عمر بھر جو ہم سے کتراتے رہے

اللہ شوق دے تو کتابیں پڑھا کرو

اور

آپ کا یہ شوق راجدھانی کی مقبول ترین

عوامی لائبریری

دیال سنگھ پبلک لائبریری

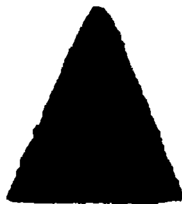
میں

پورا ہو سکتا ہے جہاں اردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی کی ہزارہا کتابیں ہر موضوع پر آپ کے ذوقِ مطالعہ کی سیری کے لئے موجود ہیں اور بغیر کسی نقد معاوضہ کے آپ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک اپنی پسند کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اردو، ہندی اور انگلش کے مشہور روزنامے، ہفت روزے اور ماہنامے بھی لائبریری میں منگائے جاتے ہیں۔

دیال سنگھ پبلک لائبریری

ٹرسٹ سوسائٹی

راؤز ایونیو۔ نیو دہلی



اتوار اور دوسری تعطیلات کے روز لائبریری بند رہتی ہے

اکبر جے پوری۔ فن اور شخصیت

جناب رشید نازکی

(رشید نازکی ایم۔ اے)

اکبر جے پوری پچھلے تیس بتیس برس سے زمزمہ سنج ہیں ان کی ولادت جے پور میں ہوئی ہے اور شعور و شعر دونوں یہی احول سے حاصل کئے ہیں۔ کشمیر جنت نظیر ان کا آبائی وطن تو ہے لیکن طبعاً وہ اس ماحول میں پرائے بھی ہیں اور غریب الدیار بھی۔ اُن کے عادات و اطوار اور اُن کی نشست و برخاست اور اُن کی حدیث دلبری کی روایتیں سب کی سب کشمیر سے زیادہ بیرون کشمیر کی اُردو آمیز فضا کی پیداوار ہیں۔

بے نیازانہ وارفتاریاں اور بے دلانہ انداز زیست اکبر کی زندگی کے دو ایسے پہلو ہیں جنہوں نے اکبر کو خلوص کے نام پر ہزار بار قربان کیا، اور لاکھوں بار صلیب دار کے سایوں میں کھڑا کیا۔ اگر معصوم گناہوں کی دنیا حرص و آز میں کوئی قدر و منزلت ہے تو اکبر ایک چلتا پھرتا افسانہ اور ایک جیتا جاگتا اسطور رہے۔ اکبر کے ثواب آگیں گناہوں نے نہ معلوم کتنے بے نام و نمود لوگوں کی زندگیاں سنوار دیں، کتنے اُجڑے گھروں کی آبادی کا سامان کیا اور اس سعی اخلاص مآب میں اکبر کی اپنی زندگی کچھ اس طرح اُجڑ گئی، کہ شاید اس چمن میں دوبارہ بہار آنے کا کوئی خطرہ اور خدشہ نہیں۔ اکبر گھاؤ کھاتے رہے اور جیتے رہے اور خلوص کی نیرنگیوں کے کمین گاہوں سے اُن پر اس طرح وار ہوتے رہے، کہ بالکل اس شعر کی منہ بولتی تصویر بن گئے ۔

[illegible] قلب عشق گھائل ہوا آخر بھرم !
ہو گیا طوفان کو دست ناخدا سمجھا تھا میں

مرا ماننا ہے کہ اسی طرح کے انسان اور ایسی زندگی کے گناہگار نہ سب سے بڑی سوغات ہے۔ اسی لئے اکبر کا سارا کلام غم کے زبردست سایوں اور حزن و ملال سے ابر مطیر سے مالامال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر کے کلام میں جدت کے بجائے قدامت کی ایسی چھاپ ہے کہ انہیں آج کل کے شاعر کی حیثیت میں پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ در اصل اکبر کی شاعری کا مطالعہ اُن کے وجود کے عینی حالات اور اُن کے ماحول کے پس منظر میں کیا جانا چاہئے۔ اگر ایسا کیا جائے تو الفاظ اپنے معانی بدل دیں گے تشبیہ و استعارات قدامت کے ہزاروں پردوں سے بھی جدت فکر کی نشاندہی کرتی تصویروں کی نقاب کشائی کریں گے، اور ہم دیکھ پائیں گے، کہ زندگی کے [illegible] اکبر کو ہر بار دلبری فکر کے ساتھ کیوں داخل ہونا پڑتا ہے ۔

یہ جان کر سر اپنا ہم نے تو جھکایا ہے
بس آپ کے در سے ہی چھلکے گی یہ پیشانی

لیکن ابنائے روزگار کی ستم رانیوں اور طغیانی حیات تباہ کاریوں نے دوسرے ہی لمحہ شاعر کو یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ ۔

اب وصل کے وعدوں پر ہر اک یاس چھائی ہے
چھائی ہے محبت پر اک غم ہے ویرانی !

اور وہ آخر واقعات کے اسی منطقی نتیجے پر پہنچے، کہ ۔

اُجڑا ہی کیا آخر بن کے چمن اپنا !
آیا ر کیا جیتا [illegible]

غزل کے ان اشعار کی زبان اور [illegible] روایتی نظر آئے، لیکن ان [illegible] واقعات کے فسانے اور فسانوں کے واقعات [illegible] اور دلی کرب [illegible] مرکزہ ہیں جو اکبر کی زندگی [illegible]

حادثے سے جاقہ بچنے کی تگ و دو میں مصروف رہے ہیں۔ بحر مسلسل کی ان ناکامیوں اور نا تمامیوں کے طفیل اکبر کی زندگی کی شعلہ سامانیاں محرومیوں کی اوٹ میں ابھریں، چمکیں اور کھو گئیں ؎

جانے اکبر شامِ ہجراں کی ستم آرائیاں
خود بخود گھر کا چراغ زیرِ داماں ہو گیا

اکبر کی غزلوں میں کہیں کہیں اکثر جذبات کے خدوخال ابھرتے میں قنوطیت کی ایک گہری چھاپ یہاں بھی اکبر کا دامن تھام لیتی ہے، وہ غم کے جشن منانے کے قائل رہے ہیں۔ انہیں اسی کا سب سے بڑا غم ہے کہ ؎

اکبر نے اساتذہ کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور اس کا اثر اکبر کے کلام پر جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، بہت زیادہ پڑا ہے۔ اس اثر نے اکبر کی زبان کی حد تک ان کی چھان پھٹک کا قائل تو کیا ہے لیکن خیال کی نیرنگیوں کو اس حد تک اسیر کیا ہے کہ کہیں کہیں ان کے کلام پر کہانت کی چھاپ ناقابلِ برداشت حد تک نظر آنے لگتی ہے۔ ؎

خالِ رخ دیکھ کے صاحب ایماں نہ رہا
کون تھا جو کہ انہیں دیکھ کے حیراں نہ رہا

لیکن پھر اس کہانت کے کسی صحرا میں کہیں کہیں فکر و ہنر کے قافلے، ایسے چشموں پر بھی ٹھہرتے نظر آتے ہیں ؎

اُن کو آشفتہ مزاجوں کی خبر کیا ہو گی!
جن کا گیسو بھی کسی وقت پریشاں نہ رہا

یا پھر ؎

آرزو خاک ہوئی، خاک بھی دیکھی نہ گئی
دل کے اس دشت میں شعلہ کوئی طوفاں نہ رہا

غم آگین فضاؤں کی تاریکیوں سے کبھی اچانک امید اور حوصلے کی کلیاں بھی چمک اٹھتی ہیں اور اکبر پکار اٹھتے ہیں ؎

جاں بلب ہوں جلوہ گاہِ ناز میں دیوانہ وار
پھر بقدر آزمانے کی تمنا دل میں ہے

غزلوں (اس) کا۔ اور وسیع سامان ماحول سے نکل کر اکبر نظموں کی دنیا میں بہت آگے بڑھے ہیں۔ اکبر کا جاذبہ انداز اُن کی زبان شناسی اور حسنِ نظر نے کچھ ایسے گوشے تلاش کئے ہیں اور یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اکبر اپنے ماحول کے مطابق نظم کی دنیا میں "تعدد طرف" جھک اٹھے ہیں۔ ایسی نظموں میں "تجدید عہد شہیدانِ وطن کی یاد میں" "قائدِ کشمیر [illegible] کی یاد میں" اور دوسری نظموں کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔

زندان کی شب جناب اکبر کی ایک دلگداز اور پُر اثر نظم ہے۔ اکبر کب کیوں اور کس طرح زنداں میں ہوئے، اس کا تذکرہ کرو تو میں اس کے سوانح نگاروں کیلئے چھوڑ رہا ہوں، لیکن اتنا کہہ دینا ضروری جان لوں گا کہ وہ اسیر ہوئے اور تختہ مشق بنے ان سے وہی سلوک کیا جو حضرت غالب سے ہوا تھا۔ ایسے بے درد اور بے مہر ماحول میں بڑے بڑوں کی ردائے صبر چاک ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں اکبر کے آنسوؤں کے جشنِ چراغاں میں جو بات دیدنی ہے وہ اُن کی صداقت شعاری [illegible] بے گناہی اور حق و عدل کے میزان پر یقینِ محکم کی شہادت ہے۔ انہیں یقین ہے کہ بارہا بساطِ عالم پر مکر و فریب کے توسل سے بے گناہوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی ہے اور زمانے روزگار کی چیرہ بازیوں نے اپنے اعمالِ بد کو حسنِ عمل کا نام دینے کے فتوے صادر کئے اور کرائے ہیں، لیکن وقت کی تلوار نے ظالموں کی چیرہ دستیوں کو کاٹ کر رکھ دیا ہے، اور بے گناہوں اور مظلوموں کی داستانوں کو دور دور تک پھیلا دیا ہے ؎

مجھ سے بچھڑے ہوئے احباب کو [illegible]!
میرے اسلاف کی فراوانی کی خبر تو ہوگی
آج شب میری طرح وہ بھی تڑپتے ہوں گے
آج شب میری طرف اُن کی نظر تو ہوگی
جانے کس حال میں ہیں میرے بچھڑے ہوئے
اے میرے چاند کبھی اُن کی خبر تو ہوگی

تک وہ ادب کی یہ جل ترنگ تھی تو تھی ہے لیکن دوسرے عالم شاعری کی رگوں کا منجمد خون سیماب بن کر تڑپنے لگتا ہے اُن میں توانائی اور مقاومت کے آتش فشاں پھوٹ پڑتے ہیں اور اُن کے ذہن کے تمام آرکی ٹائپس، ماضی کے اساطیر اور روایات کا ایک بھرپور مستانہ انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔ ؎

تو نے دیکھا ہے صداقت کے [illegible] داروں کو
حق پرستی کے سبب طوق و سلاسل میں اسیر
بے گناہی پہ سنا ہے کہ یہی تھا جرم اُن کا
[illegible] کرتے تھے اک دعوۂ منیر
کیا عجب ہے تجھے یہ دیکھ کے حیرانی ہو
خلق ہم جنس پہ انسان کی دروالبے شمشیر

شاعر یہ کہتے ہوئے سراپا استفہام بن جاتے ہیں ؎

تابکے اہلِ ستم ظلم و ستم توڑیں گے
خونِ انصاف کریں گے [illegible] کب تک؟
بے خطاؤں کیلئے دار و رسن کی تعزیر
آخر انسان پہ بیداد رہے گی کب تک؟
دور کب ہوگی [illegible] ظلمت
عدل کا چاند دھندلکوں میں رہے گا کب تک؟

آخر یہاں بھی ایقان کی فروزاں قندیلیں اس شب تاریک کی سحر کا پتہ دیتی ہیں اور شاعر تھپکیاں دے دے کر سمجھاتی ہیں کہ ہر شب کا انجام سحر ہے۔ [illegible] آفتاب [illegible] طلوع ہو کر ہی رہتا ہے اور اس عقیدے کے بعد تاریکیوں کے سمندر سے [illegible] فطرت کا مخزن پھوٹنے لگتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ مسخر کردہ جاتا ہے اور تقدیرِ خوب و زشت کو پلٹنے کا کام شروع کرتی ہے۔ ؎

خاک ہو جائے گا اک روز یہ تیرہ ماحول
سطحِ آفاق پہ کرنوں کا بھنور ابھرے گا
ڈوب جائیں گے شبِ غم کے یہ بوجھل سائے
مطلعِ وقت پہ خورشیدِ سحر ابھرے گا
صبح کے ساتھ بدل جائے گا ہر نقشِ کہن
اور انسان بانداز دگر ابھرے گا

اکبر کی ایسی نظموں میں رواں دواں بیانیہ انداز کے زبان اور الفاظ کی طبیعت پر بے پناہ قابو کا پتہ دیتی ہیں۔ یہ وقت نہیں کہ اکبر کی دیگر نظموں کے پس منظر اور ذہنی ماحول کا جائزہ لیا جائے، کیونکہ اس صورت میں تعارفی مضمون تجزیاتی مقالے میں بدل جائے گا۔ لیکن "ہجریہ" صنف کا شعر، اکبر کی [illegible] فارسی کلام کے کچھ اشعار بلا تجزیہ پیش کرنے کو جی چاہتا ہے ؎

نخلِ طوبیٰ [illegible] از شاخِ چنارِ [illegible]
[illegible] سدرہ [illegible]
منفعل رضوان [illegible] باغبانِ [illegible]
بس خجل غلمان ز حسنِ پردہ دارِ [illegible]
طعنہ زن بر کاخِ کسریٰ خاکِ [illegible]
خندہ زن بر چرخ [illegible] سبزہ زارِ [illegible]

اکبر کے کلام میں "سلام" اور "نعت" کا ایک معتد بہ حصہ ہے۔ اکبر کی اس صنف شاعری میں ان کے خلوص و عقیدت کی شمع فروزاں ہر جگہ جلوہ گر نظر آرہی ہے۔ اکبر کے ہاں خالص اعتقاد کے [illegible] نہیں، بلکہ شعور و [illegible] دونوں کی جلوہ گری ہے۔ مثلاً کچھ شعر عرض کر رہا ہوں۔ ؎

اے سرفروشِ ملت، جاں دادۂ طریقت
اک درسِ زندگی ہے [illegible] شہادت
اے رہبرِ معظم اے قائدِ سیاست
قرآنِ حریت ہے تیری کتابِ سیرت
ڈوبی ہوئی لہو میں تیرے عمل کی [illegible]
اسلام کے چمن کی تازہ بہارِ [illegible]

اکبر [illegible] نے باوصف [illegible] نصیب حیات کے ایک بھرپور [illegible] زندگی گزاری ہے انھوں نے کشمیر میں پہلی بار سنہ [illegible] میں [illegible] کالج کا افتتاح کیا۔ سنہ [illegible] سے لیکر سنہ [illegible] تک

وہ کل ہند انجمن ترقی اردو کی ریاستی شاخ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس دوران انہوں نے کشمیر کے دور دراز علاقوں کی اردو شناسی اور اس زبان کی ترویج کے لئے کافی جدوجہد کی۔ پچیس ادبی جلسے منعقد کئے۔ اور انکی کارروائیاں کتابچوں میں شائع کرکے ہزاروں و بیرون ریاست کے اردو داں طبقے کی توجہ اپنی جفاکشی اور محنت طلبی کے ساتھ اس زبان کی ترویج و اشاعت کی طرف مبذول کی۔ اور ریاستی شاخ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت میں آپ نے علی گڑھ کی انجمن اور دہلی کی کل ہند اردو کانفرنسوں میں کشمیر کی نمائندگی کی۔ آزادی کے بعد کے صحیح واقعات اور اردو کی تدریجی ترقی کی رفتار سے کانفرنس کو مطلع کیا۔ ۱۹۶۲ء سے ریاست کی پہلی شری بھدر شاہ پر چار سمتی کے ساتھ تال میل قائم کیا اور تقریباً آٹھ سو مسلم طلباء اور طالبات کو رضاکارانہ طور پر ہندی سکھائی۔ ۱۹۶۳ء سے ریاست میں جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کا مرکز قائم کیا اور اس ادارہ سے کر یونیورسٹیوں سے تسلیم کرایا۔ اس طرح اردو اور ہندی دونوں زبانوں کو شانہ بشانہ ترقی کرنے اور آگے بڑھانے کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

اکبر کی صحافتی زندگی بڑی طویل ہے، چند نشانات یوں ہیں۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز ریاست کے نامور صحافی ہیں۔ ۱۹۴۷ء تک وہ کشمیر میں اپنے ذاتی اخبار ہمدرد کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت میں پڑھے لکھے آدمی کے محبوب صحافی کی حیثیت سے مشہور تھے۔ ہمدرد کے ان دنوں ہفتے وار ادبی ایڈیشن بھی شائع ہوا کرتے تھے اور اکبر اس ایڈیشن میں برابر کام کرتے رہے۔ یہ اخبار ۱۹۴۷ء بند ہوگیا اور بزاز صاحب کشمیر سے دہلی چلے گئے۔ اکبر صاحب اس کے بعد ہفت روزہ صداقت کے ساتھ [illegible] اس کی ادارت [illegible] قطع نظر

آپ ہفتہ وار حقیقت سے متعلق ہوئے اور چار سال اس کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس دوران ایک مذہبی اور ادبی جریدہ "الارشاد" کی نظامت کا کام بھی کرتے رہے۔ ان مسلسل تعلقوں کے علاوہ آپ روزنامہ نیا سنسار، روزنامہ زمیندار، سہ روزہ دیش اور دوسرے متفرق اخباروں سے وقتی طور پر متعلق رہے۔

تصنیف و تالیف کے میدانوں میں بھی اکبر خاصے سرگرم ہیں۔

میں مختصراً ان کے قلم کی اعجاز نگاریوں کی فہرست کا تذکرہ کروں گا۔

رہبر مضمون نگاری:۔ بچوں کی خاطر ایک نہایت مفید اور معتبر کتابچہ۔

رہنمائے اردو:۔ زبان اردو کے صرف و نحو، فن بلاغت اور انشا پر ایک دلآویز تصنیف،

فن تعلیم ۱:۔ زبان اردو پر ایک مستند کتاب،

جہان شکستہ:۔ اکبر کی نظموں، غزلوں اور سلام، نوحوں اور نعتوں کا مجموعہ۔

رہبر ہندی:۔ ہندی زبان کی بنیادی جان پہچان،

تراجم:۔ اس ضمن میں یونیسکو کی طرف سے شائع شدہ سائنس، تعلیمی نفسیات کی کتابوں کا اردو ترجمہ اکبر کا جاری کر رہے۔ ان تمام کتابوں کو محکمہ تعلیم ریاست جموں و کشمیر نے سرکاری اداروں کی لائبریریوں کیلئے منظور کیا ہے۔

ترتیب و اشاعت:۔ اخبار السادات:۔ مورخ کشمیر مولوی محمد شاہ مرحوم کی تاریخ کی ترتیب و تدوین،

شاعرات اور اقبال:۔ مرحومہ شہزادی کلثوم [illegible] اکبر کے مقالات کی ترتیب و اشاعت،

معرکۂ کربلا:۔ " " " " " "

صبح حرم:۔ " " " " " "

یادگار کلثوم:۔ " " " " " "

(باقی [illegible] پر)

اُردو کا ہمہ جہت شاعر کرشن موہن

(گنپت سہائے سری واستو۔ ایم۔ اے)

یہ امر مسلّم ہے کہ کسی زبان پر کسی خاص فرقہ یا مذہب کی اجارہ داری نہیں ہوتی۔ ہر زبان فرقہ وارانہ اور جغرافیائی حدود اور قیود سے آزاد ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اردو کو محض اہلِ اسلام کی زبان سمجھنا اور کہنا سراسر غلطی ہے۔ اس شستہ و شگفتہ زبان پر غیر مسلمین کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ مسلمانوں کا۔ جب ہم عہدِ حاضر کے چوٹی کے اردو شعراء پر نظر ڈالتے ہیں تو متعدد باکمال اور قادر الکلام شعراء ہندوؤں میں بھی پاتے ہیں۔ مثلاً فراق گورکھپوری، تلوک چند محروم، جوش ملسیانی، پنڈت آنند نرائن ملّا، ہری چند اختر اور کرشن موہن وغیرہ۔ شعراء خواہ ہندو ہوں یا مسلمان مذہبی قیود اور فرقہ وارانہ تنگ نظری سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اسی لئے کسی شاعر کو ہندو یا مسلمان کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ شعراء بھی زبان کی طرح مذہب، زمانہ اور جغرافیائی حدود سے آزاد ہوتے ہیں۔

اس مقالہ میں راقم الحروف کا مقصد اردو کے منفرد اور ہمہ ساز شاعر جناب کرشن موہن کی شاعری اور شخصیت پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ہے۔ دنیائے ادب اردو میں آپ شہرتِ عام و بقائے دوام کا مرتبہ حاصل کر چکے ہیں۔ سپہرِ سخن کے مہرِ نیم روز نوشہ اسد اللہ خاں غالب کی طرح اردو کی گھسی پٹی راہ کو ترک کر کے اپنے لئے ایک الگ تنہا اور روحانی ڈگر نکال کر اعتماد کے ساتھ اس پر گامزن ہونا اور دوسرے لوگوں کو اس ڈگر پر قدم بڑھانے کے لئے راغب کرنا کرشن موہن کی ایک خصوصیت ہے۔ غزل میں اردو کے ساتھ ہندی الفاظ کی آمیزش، نظم میں سجع و تنوع اور ہیئت میں نئے نئے خوشگوار تجربے ان کی مخصوص ادبی خدمات ہیں جو اردو ادب میں اہم اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

سوانح حیات: اس قادر الکلام اور باکمال شاعر کی ولادت ۲۸ نومبر ۱۹۲۲ء کو علامہ اقبال، اسد ملتانی اور فیض احمد فیض کی جنم بھومی سیالکوٹ میں ہوئی۔ چنانچہ سیالکوٹ کی نسبت سے آپ فخریہ فرماتے ہیں ؎

میں جس دھرتی کا بیٹا ہوں، یہ سپوتوں کی دھرتی ہے
پیدا اس دھرتی سے ہوئے ہیں فیض کئی، اقبال کئی

—

تو ایک شوخ باب تھا میرے شباب کا
اے مرکزِ فضیلت و فن اے سیالکوٹ

آپ کے پدرِ گرامی جناب گنپت رائے شاکر (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) ایک خوش کلام شاعر ہیں۔ چنانچہ آپ کو شاعری سے رغبت انہیں کے زیرِ اثر ہوئی۔ جناب شاکر کے دو شعر جو آپ کو بہت پسند ہیں یہ ہیں ؎

بیچنے والے لئے پھرتے ہیں دل ہاتھوں میں
ایک بازار لگا ہے تری دیوار کے پاس
شوقِ دیدار تو لے چلتا ہے سو بار مگر
ناتوانی مجھے گرا دیتی در یار کے پاس

جناب کرشن موہن نے بی۔ اے (آنرز ان انگلش اینڈ پرشین) کا امتحان مرے کالج سیالکوٹ اور ایم۔ اے (انگلش) کا امتحان گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ اردو، فارسی اور انگریزی رسالوں اور کتب کا مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ فارسی، اردو، انگریزی و فلسفہ ان کے مرغوب مضامین تھے۔ فارسی اور اردو میں ہمیشہ اور انگریزی و فلسفہ میں اکثر اول آیا کرتے تھے۔ شعر گوئی اور تنقیدی مضامین لکھنے کا شوق طالب علمی کے زمانے میں ہی پیدا ہو گیا۔ مرے کالج میگزین کے ایڈیٹر اور سیالکوٹ کی بزمِ ادب کے عہدہ دار بھی رہے۔ گو وہ انہیں دنوں تھے۔ لاہور میں حلقۂ اربابِ ذوق کے

ایک معتمد رکن تھے۔

تقسیم ہند کے بعد ایک سال تک کرنال میں ریفیوجی افسر کے فرائض انجام دئے۔ اس کے بعد آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ کے سب ایڈیٹر رہے۔ پھر پریس انفارمیشن بیورو نئی دہلی میں جرنلسٹ کی حیثیت سے کچھ دنوں کام کیا۔ ۱۹۵۰ء میں انکم ٹیکس ڈپارٹمنٹ میں انکم ٹیکس آفیسر مقرر کئے گئے۔ بعد ازاں ترقی کر کے انڈین ریونیو سروس میں منتخب ہو گئے۔ ادبی ماحول کے باعث آپ کو دہلی سے بہت رغبت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

جی چاہتا ہے عمر ہماری یہیں گذرے
گرویدہ کیا ہے ہمیں دہلی کے نگر نے

۱۹۶۱ء میں آپ بزم ادب ہماچل شملہ کے صدر تھے اور ان دنوں دہلی رائٹرس ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔ دسمبر ۱۹۶۹ء میں آپ آل انڈیا ہندی اردو سنگم لکھنؤ کے تکلم ایوارڈ (۷۰-۱۹۶۹ء) سے نوازے گئے۔ اپنے ادبی شاہکار "شیرازۂ مژگاں" (مجموعہ نظمیات) پر آپ نے ۱۹۶۷ء میں اتر پردیش سرکار کی اردو اکاڈمی سے ایک ہزار روپیہ کا انعام حاصل کیا۔ بعد ازاں "گیان مارگ کی نظمیں" اور "غزال" پر بھی آپ کو گراں قدر انعامات ملے۔

شعری تخلیقات (اردو میں)

۱ - غزال (مجموعہ غزلیات) مطبوعہ جنوری ۱۹۶۵ء
۲ - شیرازۂ مژگاں، مطبوعہ جنوری [illegible]
۳ - کونپل کونپل (مجموعہ منتخب نظمیات، غزلیات، رباعیات اور قطعات) مطبوعہ ۱۹۶۹ء۔ اسٹار پاکٹ سیریز۔
۴ - بیراگی بھونرا (مجموعہ قطعات) مطبوعہ ۱۹۶۷ء۔ اسٹار پاکٹ سیریز۔
۵ - تماشائی (منتخب نظمیات۔ غزلیات اور قطعات) اسٹار پاکٹ سیریز۔
۶ - نغمۂ شبنم، (۷) نگاہِ ناز (۸) دلِ ناداں
۹ - آہنگ وطن (۱۰) گیان مارگ کی نظمیں مطبوعہ دسمبر [illegible]

ہندی کاویہ میں

۱ - روپ درشن ۲ - سوروپ میری کامنا کی ۳ - پیاس میری کلپنا کی

کرشن موہن کی نظمیں

شیرازۂ مژگاں :- لمبی تختی کے ۱۶۰ صفحات پر مشتمل "شیرازۂ مژگاں" آپ کی جدید رنگ کی ۸۷ آزاد نظموں اور ۲۴۳ مختصر نظموں کا ایک خیال افروز مجموعہ ہے۔ یہ تمام نظمیں ادبی رنگ کی ہیں۔ یوں تو سبھی نظمیں دلآویز اور فکر انگیز ہیں مگر ان میں گھر ڈھلے، پتھروں کا نگر، آن دی روڈ، خوشبو کی طرح آوارہ، وابستہ لمحوں کا دریا، تشنگی، گودھول، گالیاں، بجا فرد، ادب ساز، [illegible]، دلالی، ریستوران، ہیولا، کلنک، [illegible]، کھوٹے الفاظ کا چکر، غالب، فراق، میرا جی، [illegible] لاجواب نظمیں ہیں۔

جناب کرشن موہن کی نظموں میں ان کی انفرادیت اور علم و فضل کی چھاپ ہوتی ہے۔ ان کی نظمیں آج کل اکثر شعراء کی نظم گوئی کے عیوب سے پاک ہوتی ہیں، چونکہ ترقی پسندی اور جدیدیت کے نام پر آج کل نثری اور آزاد نظمیں اور بے کیف غزلیں لکھنا آسان ہو گیا ہے۔ اس لئے نام نہاد شعراء کی تعداد حد اد و شمار سے باہر ہے۔ شعراء کی آزاد نظموں کا نہ تو کوئی عنوان ہوتا ہے اور نہ کوئی واضح مفہوم۔ ان کی اکثر نظمیں مبہم اور غیر مربوط ہوتی ہیں۔ ان کی کسی نظم کو پڑھ کر یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ شاعر نے کس خیال اور مضمون کو شعری جامہ پہنایا ہے۔

چونکہ جناب کرشن موہن کی نظموں کا موضوع عموماً ادبی ہوتا ہے اس لئے وہ عرفان و آگہی کی حامل ہوتی ہیں۔ انھوں نے اکثر اچھوتے اور جدید موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی نظموں میں مضامین کی جدت، فکر کی بلندی اور احساسات و جذبات کی [illegible] ہوتی ہے۔ دلکش اسلوب بیان کے ساتھ ساتھ الفاظ کی شوکت

منتہا کی جستجو، زبان کی صفائی و روانی اور بیان و مواد کی ندرت ہے۔ ہر نظم ادبی فنون کا ایک مرقع معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے فرسودہ اور پٹے ہوئے عنوانات پر نظم لکھنے سے احتراز کیا ہے اور نظم نگاری میں جدت و ندرت لا کر نظم کے حسن کو نکھارا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہے کرشن موہن یہ قابل قدر باعث ناز کام اپنا
غزل کو ہم نے نئی زبان دی تو نظم کے حسن کو نکھارا

کرشن موہن کی نظموں سے یہ صاف عیاں ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی قابلیت، اعلیٰ ذہانت و ذکاوت اور وسیع علم کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے مسائل اور طرز معاشرت کا گہرا مطالعہ اور مناظر فطرت کا بغور مشاہدہ ایک فلسفی کے نقطۂ نظر سے کیا ہے۔ ان کی نظموں کے عنوانات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کے توسن فکر کی جولانیوں سے کرۂ ارض کا کوئی گوشہ اچھوتا نہیں بچا ہے۔

اردو کے عام شعراء کے مقابلے میں کرشن موہن کی شاعری روایتی و رسمی استادوں کی کوہ گرانی کی ممنون نہیں۔ انھوں نے اپنے ذوق سلیم ہی کو اپنا ہادی و رہبر بنا رکھا ہے۔ یہ امر ان کے وہبی شاعر ہونے کی بین دلیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

قطعہ

اے ملک یہ جذبۂ فطری کچھ اور چیز
ہے اس کا انحصار خدا کے کرم پر
مجھ کو غرور ہے کہ مرید فلاں ہے تو
نازاں ہوں میں تمھارے ذوق سلیم پر

یہ بھی ان کی ندرت ہے کہ انھوں نے اپنا ادبی نام یا تخلص بھی اردو کے عام شعراء کے روایتی مذاق سے ہٹ کر "کرشن موہن" اختیار کیا ہے۔

انتخاب نظمیات

مجموعہ "نو گل" سے آپ کی چند منتخب نظموں کے کچھ دلآویز ٹکڑے ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ "سانپ" ایک نہایت دلکش نظم ہے جس میں شاعر کے تخیل کی نزاکت و شوخی کا طلسم ہے۔ اس کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو

سانپ نہ زہریلے ہوتے تو
چنچل دوشیزائیں ان کو اپنے گلے کا ہار بناتیں
رومانی راتوں میں اپنے ساتھ سلاتیں
کالے من کے کالے بھنورے
ورنہ حسینائیں البیلی
کرتیں یہ بھی اک اٹکھیلی
ڈال کے اپنی سحر آگیں آنکھوں میں کجرے
پہنا کرتیں بالوں میں کالوں کے گجرے
سانپ کی لہرائی بل کھاتی چالوں میں وہ دلکش مستی ہے
جو خاموش ندی کی لہروں میں بستی ہے
اس کے جسم کی لہر پہ مرتی ہے دنیا کی ہر رقاصہ
اس کا اک اک انگ ہے مجسم رنگ و نغمہ
جتنا خوش گل اتنا قاتل
جان حسن ہے زہر ہلاہل

ہپی

ایک نہایت دلچسپ نظم ہے جس کے پڑھنے سے ہپیوں کے حلیہ اور عادات و اطوار کی ہو بہو تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔

راہرو، بے نیاد منزل زیست
ذہن و دل میں خیال الجھے ہوئے
رخ پہ خوابوں کے جال الجھے ہوئے
ناتراشیدہ بال ہم الجھے ہوئے
روز و شب ان کی مہربانی ہے
کیفوں پر سستے ریستورانوں پر
نام کھدوا کے اپنا رانوں پر
پھیلے بکھرے ہوئے ہیں شانوں پر
ایک ہی جامہ جاگتے سوتے
اپنے ہی آپ میں سمائے ہوئے
بکھرے داماں سمائے ہوئے
کتنے دن ہو گئے نہائے ہوئے
سے چہرے پہ ابھری ہوئی داڑھیاں

رات دن گھومتا دیار دیار
ٹھیکے اور جھگیاں کنار کنار
نے کوئی کام، نے کوئی افکار
گفتنی یا جانے، بطیب کرتے
اب ہیں ملبوس ریشمی مالوں کے
میلی بغلوں میں گچھے بالوں کے
کیا ہیں منظر تیرے نیبالوں کے

جناب فراق گورکھپوری پر کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ غلط شعر بھی کہتے ہیں اور ان کے اشعار عروض کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے۔ وہ غزل کی روایت کی پروا نہ کرکے بدعت کے شائق ہیں۔ ان کی زبان بھی اکثر نامانوس اور غزل کی طبع نازک کے لئے بوجھل ہوتی ہے۔

جناب فراق گورکھپوری پر کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ غلط شعر بھی کہتے ہیں۔ اور ان کے اشعار عروض کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے۔ وہ غزل کی روایت کی پروا نہ کرکے بدعت کے شائق ہیں۔ ان کی زبان بھی اکثر نامانوس اور غزل کی طبع نازک کے لئے بوجھل ہوتی ہے۔ جناب کرشن موہن نے ایسے بدمذاق ناقدوں کو اس نظم میں جناب فراق کی تائید میں منہ توڑ جواب دیا ہے۔ اس نظم اور اسی طرز کی ایک دوسری پابند نظم "غالب" میں شاعر نے اپنی قادر الکلامی، جودتِ طبع اور گوہر افشانی کے جوہر کھل کر دکھائے ہیں۔ پوری نظم ملاحظہ ہو۔

یہ کہتا تھا اک ناقدِ بدمذاق
غلط شعر کہتے رہے ہیں فراق
نہیں جادۂ راست سے اتفاق
بہکی بہکی ردی سے بہت انطباق
ہوا ہے کئی بار یہ … کر دی ہے زبانِ غزل کو طلاق
روایت کو رکھا ہے بالائے طاق
بغاوت سے ہے اتفاق و وفاق
رہے بے نیاز قیود و عروض
چلے بر خلاف سیاق و سباق
لگائی وہ بدعت کی ضرب شدید
کہ ہوتی گئی طاقتِ شعر طاق
زباں اجنبی ہے تو بیاں … اشعار بھی ہر گز نہیں اتفاق
عجب ان ادیبوں کا ہوگا نصیب
ستم دیکھو ہم روپ کا ہو گیا ہے فراق

قدیر سخن ماہرِ علم و فن
یہ جرم خود اک کار رہا
مگر جان پایا نہیں آج تک
قواعد اور اشعار کا
عدول روایت پہ چلتا رہا
تو دکھاتا رہا تعب
کہ ایسا مصرع غلط ہی سہی
کہیں جس طرح سے
اسی آرزو میں تڑپتا رہا
تو رہا عمر بھر دل میں یہ
جو ہو بند [illegible] صرف و نحو
تو وہ جانے کا کیا نفوذ
جنوں کی فضا بے حد و بیکراں
خرد کے ہیں محدود طاق و رواق

کھردرے پتھروں کا نگر

اس دلچسپ نظم میں چاند کی طبعی ساخت سے شاعر کی شباہت قائم کرکے ان کی دلی کیفیات پر شاعرانہ نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ بخوفِ طوالت ٹکڑا ملاحظہ ہو۔

دور سے ہے حسین کس قدر
کھردرے پتھروں کے نگر تم ہیں، چاند کے سنگ دل کس قدر ہیں حسیں
تیرہ باطن ہیں درخشاں جبیں
ان کا درد دکھ بھی کم نہیں

تجدیدِ تقبیل کے قتیل

اس پر لطف نظم میں آپ نے آج کل کے علم سے بہرہ نام نہاد شعراء کی مہمل اور مبہم نظم نگاری پر طنز کیا ہے۔ بخوفِ طوالت محض کچھ حصہ ملاحظہ ہو۔

جو منہ میں آئے بک دینا
اور خراجِ تحسین لینا
اُچھلے ہو کر خود کو کنول کہتے ہو
مہمل مصرعوں کو احساس کا ابلا کہتے
صحت طبیعت ہو کر تم کنول بن بیٹھے
کیسے کر بھی صندل بن بیٹھے
دیکھے پیسے ہو کر بھی تم

بے چارہ ناقد … سمجھتا … خود کو …

سمجھے ہو خود کو ایسا مومن
شعروں میں کمی ہے جاتوں کا سا اکھڑا پن
محدود نظریں جو تھے بھکاری
آج بنے بازار سیاست میں ہر شے کے بھاری بیوپاری

شیرازۂ مژگاں

طویل نظموں کے علاوہ اپنے دامن میں تیس مختصر نظموں کا بھی ایک نظر نواز گلدستہ لئے ہوئے ہے۔ بخوف طوالت دو مختصر نظمیں ملاحظہ ہوں۔

گرانی

رہی جو یونہی گرانی کی یورش پیہم
تو بیس تیس برس کے بعد ہوگا یہ عالم
فقیر لوگ یہاں
بجائے پیسوں کے سو سو کے نوٹ مانگیں گے
صدا یہ آئے گی "اک سو کا نوٹ" دے بابا

منجمد طوفان

اس مختصر نظم میں تشبیہات کی جدت و ندرت قابل غور ہے۔

شوخ سینے کا ابھار
اس طرح سمٹا ہے چولی میں کہ جیسے کوئی باغی مان جائے اپنی ہار
جیسے بیل مست کی آنکھوں پہ ہو پٹی بندھی
جیسے کوئی موجۂ سرکش تلاطم در کنار
دفعتاً پائے قرار

قطعات

بیراگی بھونرا

۹۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جناب کرشن موہن کی غزلیات، مختصر نظموں اور ۴۴ قطعات کا ایک نظر نواز مجموعہ ہے۔ قطعات میں عموماً ادبی و عشقیہ، شاعرانہ اور زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کی عکاسی دلکش پیرائے کے ساتھ کی گئی ہے۔ چند منتخب قطعے ملاحظہ ہوں۔

(۱)

معاشی اب زہر بنتی جا رہی ہے
محبت اب قہر بنتی جا رہی ہے
دلوں پر جم گئی اب گرد کدورت
یہ بستی شہر بنتی جا رہی ہے

(۲)

جگر ہے کہ سر ٹکرا رہا ہے
ان میں تنگ کوئی دو آہنگ
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کریں کیا
جدید اشعار کا ہم دم گھٹ گیا

(۳)

دل شکن تھی کاوش شام فراق
جانفزا ہے تابش صبح وصال
روپ نکھرا ہے ترا یوں بعد غسل
دھوپ نکلے جیسے بعد برشگال

زوجہ و داشتہ کے فرق شگفتہ انداز میں کس خوبی سے آپ بیان کرتے ہیں۔

(۴)

صحبت بے کیف زوجہ روز و شب
گاہے گاہے لطف و کیف داشتہ
دھرم پتنی سادہ بھوجن بے مزہ
داشتہ اک پر تکلف ناشتہ

(۵)

وجاہت کا تمنائی ہوں چاہت کا جہیتا ہوں
[illegible] سے عشق کا پیغام لیتا ہوں
حسینان جہاں [illegible] کرتا ہوں [illegible] کو
دل دیوانہ و مستانہ کا نذرانہ [illegible]

(۶)

[illegible] بیٹھے [illegible] نظارہ کو
ایک [illegible] نقش دل رہا ہے
[illegible]
[illegible] دل [illegible] ہے

کرشن موہن کی غزلیات

غزل [illegible] کرشن موہن کی غزلیات کا مجموعہ [illegible]

جنوری ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ منظر نواز کتاب لمبی تختی کے ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے

کرشن موہن جدید شاعری کے سربرآوردہ مجاہد اور نقیب تصور کئے جاتے ہیں۔ انھوں نے نظم، قطعہ، رباعی اور غزل یکساں چابکدستی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے اور نہ صرف نظم کو نثری خشکی و افسردگی سے بچالیا ہے بلکہ مجموعہ غزل کے حسن کو بھی تازگی و رعنائی بخشی ہے۔ انھوں نے اس کے لباس کہنہ کو اتار کر اُسے نئے جاذبِ نظر جامہ میں پیش کیا ہے۔ تہذیب و تمدن کے بدلتے ہوئے ماحول کے زیر اثر انھوں نے غزل کو نئے موڑ دئے ہیں اور اُسے نئے سانچوں میں ڈھال کر اس کے حسن کو نکھارا ہے۔ غزل کے روایتی اور رسمی حدود کو توڑ کر اس کے میدان کی نہ صرف توسیع کی بلکہ اسے لامحدود قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

قطعہ

ہماری جدت نہیں ہے محدود نظم ہی تک
ہر ایک صنفِ سخن کو اپنے نشاں دئے ہیں
غزل کے موضوع میں بھی توسیع کی ہے ہم نے
غزل کی ہیئت میں بھی نئے تجربے کئے ہیں

اردو کے مایہ ناز شاعر اور نقاد جناب فراق گورکھپوری آپ کی معرکتہ الآرا تخلیق "غزال" پر اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

"غزال" کرشن موہن کی تازہ غزلوں کا مجموعہ ہے۔ ان کے کئی مجموعے منظرِ عام پر آکر توجہ اور دلچسپی کا باعث بن چکے ہیں۔ کرشن موہن کی مشقِ سخن ایک مسلم حقیقت ہے۔ ان کو اپنے خیالات اور محسوسات کے اظہار پر قدرت حاصل ہے۔ . . . غزل کی شاعری نہایت رنگا رنگ ہے۔ جو اس کے نئے رنگوں کے پھول گلستانِ غزل میں کھل چکے ہیں وہاں نئے رنگ کا اضافہ بھی، تو اپنے لئے جواز کا دعویٰ کر سکتا ہے اور قابلِ قدر ہے۔ کرشن موہن اپنی غزلوں میں کثیف ہندی کے بجائے سے اپنے الفاظ بھی شامل کر رہے ہیں جو روایتی لغتِ غزل سے مختلف ہیں۔ یہ الفاظ ایک تازہ فضا کو جنم دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے مجموعہ "غزال" اردو غزل کا ایک نیا تجربہ ہے اس سے لوگ یقیناً محظوظ ہوں گے۔

اردو کے ایک دوسرے مقتدر شاعر و ادیب آنند نرائن ملا "غزال" کے متعلق لکھتے ہیں "غزال" کرشن موہن کا ساتواں مجموعہ شعر ہے۔ آج کرشن موہن اپنی شاعری کے نقطہ عروج پر پہنچ چکا ہے اور اب اس کے کلام کے مطالعہ سے ان کی مخصوص انفرادیت کی جھلک ملتی ہے۔ کرشن موہن نے اس مجموعہ میں غزل کو خالی نئی صورت اور نیا لباس ہی نہیں دیا ہے۔ نئی زبان، نئی ادائیں اور نیا مزاج بھی دیا ہے۔ کبھی نئے فنی تجربے کے بارے میں آپ کی رائے صرف اپنے ذوق کے سہارے ہی دی جا سکتی ہے۔ ممکن ہے جو ادبا ان کی کمی پیشی کے تجربے کئے گئے ہیں ان میں سے کچھ غزل کا مستقل جزو بن کر قبول نہ کر سکے لیکن ان غزلوں کی زبان یقیناً اردو زبان کے دامن کو وسیع سے وسیع تر بناتی چلی جاتی ہے"

کرشن موہن نے مضامینِ حسن و عشق، اسندی دھرم کا تصوف و عرفان اور مضامینِ زندگی کے ساتھ ساتھ رامائن، گیتا اور اپنشد وغیرہ کے دوہوں اور اشلوکوں کے مفہوم و سائنسی ترقیات کے ذکر کو بھی غزل میں سمو کر اس صنف کی توسیع کی ہے۔ غزل ان کے یہاں ایک ہمہ گیر صنف بن گئی ہے۔ غزل کے مضامین میں تنوع، اشعار میں ہندی الفاظ کی آمیزش اور غزل کی ہیئت میں نئے تجربے ان کی جدت پسندی کے مظہر ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے ؎

یہ نیا رنگ، نئی سوچ، نئی لوچ لچک
روشِ عام سے بالکل ہے جدا فن اپنا
کرشن موہن ہمیں کیوں فکر ہو اپنے فن کی
خود بنا لے گا جگہ اپنی نیا پن اپنا

ان کے لحاظ سے کرشن موہن کی غزلیں چار قسم کی ہیں :-

(۱) بیشتر غزلیں ایسی ہیں جن میں فصیح اردو زبان نیز الفاظ و تراکیب کا مناسب استعمال کیا گیا ہے۔ ان میں ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں

کچھ غزلیں ایسی ہیں جن میں خالص بھاشا کی عام فہم
زبان استعمال کی گئی ہے۔ ان غزلوں کے ذریعہ
آپ نے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح ہندی بھاشا میں بھی
غزل کامیابی کے ساتھ لکھی جا سکتی ہے
آپ کی بیشتر غزلوں میں متعدد اشعار ایسے پائے جاتے
ہیں جن میں اردو، فارسی الفاظ کے ساتھ ٹھیٹ ہندی
کے نرم اور شیریں الفاظ کی آمیزش اس خوبی سے کی گئی
ہے کہ اس سے شاعر کے فنکارانہ کمال کا اظہار ہوتا
رہتا ہے۔ اردو اور ہندی زبان کے خوان سے
یہ موتی اور نگینے آپ نے چنے ہیں کہ جس خوبی سے
انہیں پرویا ہے اس کی داد دیے بغیر نہیں بنتی ہے۔ گنگا
جمنی زبان کی شیرینی و رعنائی کے ساتھ ساتھ مضمون
کی نزاکت، تخیل اور جذبات کی عکاسی بھی قابل
تحسین ہے۔

کھردری غزلیں جن میں زبان و بیان کے کھردرے
پن کے ذریعے روزمرہ کے حقائق کی ترجمانی بڑے
دلفریب انداز بیان میں کی گئی ہے۔
غرضیکہ کرشن موہن کی شاعرانہ زبان اردو اور
ہندی زبانوں کے دلفریب سنگم کا عملی نمونہ ہے جس
کی تقلید اگر اردو اور ہندی کے دیگر شعراء خلوص
دل سے کریں تو [illegible] قومی یکجہتی
کے جذبے کو یقیناً تقویت پہنچے گی۔ آپ اپنے
کلام کی اس خصوصیت کی طرف یوں اشارہ
کرتے ہیں

خالص ہندی کا رس، فارسی شوکت بھی
[illegible] رنگ نئے ہیں کرشن موہن تیرے

خالص اردو [illegible] ہیں [illegible] غزلیں محاسن زبان
اور اسلوب بیان کے لحاظ سے بہت خوب ہوتی ہیں۔
الفاظ کی تکرار اور ترکیب کی بندش سے حسن زبان
[illegible] [illegible] [illegible] جاتا ہے۔ حالانکہ کرشن موہن انگریزی زبان

کے رومانی شاعر کیٹس کی طرح فطری طور پر بڑے حسن پرست واقع
ہیں پھر بھی محبوب کے حسن و جمال اور دیدار و وصال کی رنگین
عکاسی کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں یاس و حسرت اور درد و
فرقت کے جانگداز مرقعے بھی کثرت سے ملتے ہیں
آپ نے جہاں غزل کے موضوعات میں توسیع کر کے
اس میں تنوع اور ہمہ گیری پیدا کی ہے اس کی ہیئت میں بھی نئے
نئے تجربے کئے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-
"غزل کی بیت ہنوز قافیہ و ردیف کی پابند ہے
ردیف غزل کے پاؤں میں ایک گراں زنجیر ہے،
اگر ردیف میں قافیہ جلوہ گر ہو جائے تو آزادی
کی طرف ایک نئی راہ نکل آئے گی۔ اور تنوع
بھی پیدا ہو گا۔ میں ایجاد بندہ کو صنعت قافیہ
در ردیف کا نام دے رہا ہوں۔ آپ کی اس
قسم کی غزلیات کے چند شعر ملاحظہ ہوں

[illegible]

آغوشِ [illegible] کیف و کمال ہے
مٹ گئی ہیں فاصلوں کی بستیاں
اب یہ زمین اور فلک ہم جوان نہیں
منزل بنی ہیں چاند ستاروں کی بستیاں
میں نے تمام رات گذاری ہے جاگ کر
تڑپا کیا ہوں ہجر کی جدائی کی آگ پر
من کا مندروں میں ہے ایک گھر ایسا
تن جوگ دھار بیٹھا ہے [illegible] کر
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] بھاگ کر

ایک غزل میں ایک اور تجربہ کیا ہے [illegible] غزل کا [illegible]
[illegible] [illegible] ایک [illegible] [illegible]

اس سے غزل کے [illegible] میں ایک خوشگوار تغیر پیدا کیا ہے۔ اس قسم کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

چلی نہیں کا مزہ [illegible] لوٹ تو آئی ہی ووش [illegible] ہی جس سے ملائے ہونٹ
اتنی بھی مستی تو اچھی نہیں [illegible] ہے ساغر [illegible] ہاتھ سے جائے نہ چھوٹ

غزل کے مندرجہ ذیل اشعار [illegible] اولیٰ میں دو رکن

بحر وزن فعلن کم ہیں :-

کیا آنے کو ابھی بہت ہی پر جوش نہیں
تجھ کو ہوش شاید ہے ہوش اپنا مجھ کو تو اپنا ہوش نہیں

[illegible] میں ہے سنگھرش اپنا [illegible] اپنا
[illegible] دھرتی کی آغوش نہیں

ایک غزل کے مندرجہ ذیل اشعار کے مصرعہ ثانی میں ایک رکن

بحر وزن فاعلاتن کم ہے :-

[illegible] کے [illegible] سے کر رکھا ہے تنگ
[illegible] آنکھ ہی تو ہیں ہستی کا رنگ
ایک [illegible] سے نیا [illegible] نام [illegible] ننگ
اب میرے دل میں نہیں کوئی امنگ
[illegible] کیوں [illegible] کر سب [illegible]
کون [illegible] دل [illegible] مہنگ

مندرجہ بالا اشعار سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ غزل کے

[illegible]
[illegible] جا سکتی [illegible] ہے ریاست [illegible]
[illegible]
[illegible] اشعار [illegible] کے تیرے

میں جس کی زبان [illegible] ہندی [illegible] اردو [illegible]
[illegible] کر الفاظ کی خوشگوار [illegible] ہے

[illegible] نہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] پیا ہے

[illegible]

وقت ایک [illegible] میں مگن — [illegible] نے جلن کا [illegible]
یاس کا داس ہے اداس دل — ہم سمجھے تھے آس [illegible]
چھا گئی ہیں گھٹائیں ساون کی — گا ساتھی ہیں پریم بندھن [illegible]
پیاس رہتا ہے تیرے درشن کی — بیکل دیکھ میں سے [illegible] کی
تیری آنکھوں ڈال دیتی ہیں — دور رہوں سب اداسی کی
لب پہ رہتا ہے نام ساجن کا — دل میں رہتا ہے یاد ساجن کی
تیرے ہونٹوں میں اس محبت کا — تیرے میخوں میں جو بنا پھول کی
اب انھیں کس طرح منائیں ہم — ہو کوئی وجہ بھی ان بن کی
مقبرے کا دیا اداس اداس — جیسے جلتی ہو آس برہن کی

وہ من سے شستہ سماں — جو آشنائے دیکھتا ہو

[illegible] گھٹا [illegible] آسو گھنگھو آئے ہیں !
[illegible] سے زیادہ لانے ہیں [illegible] سے زیادہ سہانے ہیں

یہ ہونٹ رسیلے چمکیلے کومل کومل چنچل چنچل
مستی میں ڈبو دینے والے رنگین مدرا کے پیالے ہیں

مندرجہ ذیل اشعار کرشن موہن کی بعض اردو زبان میں لکھی ہوئی غزلوں سے منتخب کئے گئے ہیں۔ ان میں محاسن زبان و معنی کے ساتھ ساتھ یاس و فرقت کے درد انگیز مرقعے جا بجا ملتے ہیں۔ آپ نے اکثر اشعار میں محبوب کی فرقت سے عشق و محبت اور درد و فرقت کا اظہار کیا ہے جو غزل کا ایک نہایت خوشگوار اور اہم پہلو ہے اور جس کا فقدان اردو غزل میں شدت سے محسوس کیا جاتا ہے۔ اردو کے دیگر شعراء کو بھی اس جانب خاص توجہ دینی چاہیے۔

[illegible] میں [illegible] — [illegible]
[illegible] — مجھ کو [illegible]
[illegible] — [illegible] دل [illegible]
تمام فراق [illegible] گویا [illegible] — [illegible]
[illegible] — دیتا ہے ایک [illegible]
میرا [illegible] — [illegible] خیال [illegible]
[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

صبح ہے ختم کر سیجئے یہ تمام رات — سوئے ہیں تھکی نیند انھیں بیدار کیا کریں
میں لمبے کی آنکھیں بس جگا — آزاد ہو کے تیرے گرفتار کیا کریں
مولتی ہے آس کہ ساجن نے بھیجی پاتی — جب من ہی ہو اداس تو سنگار کیا کریں
دے کے ایک دل تھا ہمارا سو گئے — یہ بھی ہوا اب ان کا طرفدار کیا کریں

یوں بند قوم تقویٰ بیچا مگر — پوچھا جائیں جب گفتائیں تو میخوار کیا کریں

"بدن" کی ردیف یا قافیہ میں شاعر نے تین چار نہایت حسین اور رنگین غزلیں لکھی ہیں۔ چند منتخب شعر ملاحظہ ہوں :-

شام وصال خوش خوش چہکتا ہوا بدن — بعدِ شب وصال نکھرتا ہوا بدن
اک انگ چند کرنوں کا رکھتا ردیپ رنگ — جلووں کو سلسلے بکھرتا ہوا بدن
تارہا سرور لپٹنے کا بار بار — سردی کی رات میں نہ ٹھٹھرتا ہوا بدن
دیتا ہے اہلِ شوق کے دل کو سنگار میں — ہر آن رنگِ نو میں سنورتا ہوا بدن

پاکے حکم یہ جلتے ہوئے بدن دیکھئے — ہوس کی آگ میں جلتے ہوئے بدن دیکھئے
بن کے ناچ، ندا دیم کے تماشے میں نظر نواز مچلتے ہوئے بدن دیکھئے
سپردِ خاک ہوا جل کے حسن تقویٰ جو — پہ سنور کے نکلتے ہوئے بدن دیکھئے

کتنا صبیح کتنا سجل ہے بدن ترا — نکھرا ہوا حسین کنول ہے بدن ترا
میرے جنونِ عشق کی تصویر مرمریں — جذباتِ دل کا تاج محل ہے بدن ترا
ہر زرے بدن کا تصور ہے جلوہ گر — جیسے کہ میری روح میں حل ہے بدن ترا
ہر اک انگ اک شعرِ دل نواز — چھپی ہوئی لطیف غزل ہے بدن ترا
دم میں وہ عشرتِ لمسِ جمیل ہے — کہتے ہیں جو فریبِ عمل ہے بدن ترا
سینہ سنگ رہا ہے ترے تقاضے میں — مطلوبِ آرزو واصل ہے بدن ترا

اچھوتے اور مشکل ردیف و قافیہ میں ایک غزل کے مندرجہ منتخب اشعار کرشن موہن کی ذہانت و کاوش کا اظہار کرتے ہیں۔ :-

تو آخر مقصود ہوس ہے، مجھ سے عشق نہ کیوں کر
اے حسنِ شوخ، ہرجائی تیری نیت ہے کیونکر

دل کا پہلا رنگ ہے جی اس کو بھائے ہر جائے
ناز نہ کرے کیونکر اب جی راہزن نے کیونکر
حسن میں اب وہ جادو بھی نہیں اہل اداں جاگ گئے ہیں
بیچو قلعیں شوریدہ سر مشکل کو وہ کئے کیونکر
اپنے پاس، تو من کا دھن کچھ جتنا بھی چاہو لے لو
ہم ٹھہرے جوگی بیراگی در در ہو اپنے کئے کیونکر
مایا نے من کو گھیر مایا، ہر دم ہے یہ فکر مجھے
خواہش اپنا جال بچھائے، جلے حرص کیونکر

ایک غزل کے مندرجہ ذیل اشعار میں نزاکتِ تخیل، لطافتِ بیان اور ندرتِ تشبیہ و استعارہ کے ساتھ ساتھ اردو اور ہندی الفاظ کی آمیزش اس خوبی سے کی گئی ہے کہ شاعر کے فنکارانہ کمال کی داد دینے ہی بنتی ہے :-

گلوں میں گونجتی ہیں تری شوخ نوائیاں — جلی جھلی جوانی جھلکتی ہے تالیاں
سب لیے میرے دل پہ تمناؤں کا ہجوم — تخت کرے جیسے کیریں البیلی بالیاں
رقصاں ہیں یہ کلی رنگیں ہیں دن — پھرا رے کالے کالے حسین گیسو والیاں
جیون کا رس بھی ان میں حسن کا عکس ہے — یہ ہونٹ آنکھیں کی دل آویز پیالیاں
یوں تیری تام پلکیں ہیں گھور سایہ فگن — جیسے جھکی ہوں پھولوں پہ سبز ڈالیاں
ہوگا طلوع کب مرا سورج مرا نصیب — میری سیہ کی یہ لیاں چھائی ہیں کالیاں

عشق جعفر ہے موسم رنگیں ہیں سیر گاہیں
دل چاہتا ہے ہم بھی اک دن کو چاہیں
یہ کالے کالے گیسو، یہ گورے گورے عارض
یہ گول گول بانہیں، یہ پُر فسوں نگاہیں
سمٹی ہوئی ہیں ان میں چاہت کی ایک دنیا
اک مرمریں شبستاں تیری گداز بانہیں
اہلِ جہاں سے چھپکے راتوں کو چپکے چپکے
لیتا رہا ہوں اکثر ان کی اچھوتی پناہیں
گوہرِ مقصود کا ملنا بہت مشکل سہی، دل میں لگن ہے اک بار جو ہو تو

ع1 اس شعر میں عشق اور اس میں قربت کا اظہار محبوب کی جانب سے کیا گیا ہے۔ اردو غزل میں اس قسم کے اشعار کی مثالیں کم ملتی ہیں۔

کیوں نہ دادِ عاشقی دیں کیوں نہ لطفِ زیست لیں
کیوں نہ ہم بھی جی بھر کے جی لیں آخر اِک دن مرنا تو ہے

مرہمِ تسکین تیری یاد کو چھپا دیا ہے، آج ترا غم سوا ہے آج دل کی کیفیت
یہی کیا حسن مطلب ہے، یہ بھی کیا تماشا ہے کوئی جو دخشندہ اختر اور کوئی تیرہ بخت
جمالِ خودنما کو تا بکے رکھو گے پردے میں
یہ سوزِ عشق کے مانند عریاں ہے

کرشن موہن کے کلام کا ایک سرسری مطالعہ بھی یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ ان میں ندرت اور جدت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اعلیٰ علمی قابلیت اور فاضلانہ لیاقت کے ساتھ ساتھ الفاظ بیان پر انہیں حاکمانہ قدرت حاصل ہے۔ بالکی کے شہرۂ آفاق کمالات معجزِ بیان چند اگر بالکی کے جادوگر کہے جاتے ہیں، تو دنیائے ادب میں کرشن موہن اپنی غیر معمولی قادر الکلامی کی بنا پر ساحرِ الفاظ و معانی کہے جانے کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ غزل میں اردو کے ساتھ ہندی الفاظ کی آمیزش ایک اہم اور خوشگوار تحریک ہے جس کے آپ مرشد و مجاہد کہے جا سکتے ہیں۔

دنیائے ادب میں اپنی یادگار اور بقا سے متعلق آپ نے مندرجہ ذیل دو شعروں میں بجا فرمایا ہے ؎

اس میری سنسار میں کچھ دن پیار کا اک اوتار آیا تھا
جس کے ہر سو مدھ بھرے رس میں گیان کی گنگا بہتی تھی
جس کا تن تھا مورت بھوگی جس کا من تھا رہتا جوگی
اک البیلا شاعر جس کو دنیا برسوں یاد کرے گی

غزل

(کوکب گھر ونڈوی)

ہم خوب سمجھتے ہیں فسوں گرتری سازش
کیوں آج ہوا ہم پہ کرم گستر نوازش

ہوتی ہے کو ہوتی پرسشِ احوالِ طبیعت
افسوس ہوئی تجھ سے نہ توفیقِ گزارش

ہر ظلم جہاں ہنس کے اٹھا قلبِ گریزاں
کم ظرف ہوا کرتے ہیں آمادۂ نالش

یاران وساطت سے بھی نکلا نہ مرا کام
ان کا بھی ہے سر پہ مرے احسانِ سفارش

اے حکم قضا دم تو ذرا لے کہ وہ یوسف!
بیٹھا ہے کئے زلفِ پریشاں سرِ بالش

پھر تشنہ رہے کوئی تو وہ اس کا مقدر!
یاد و وفا میں بہتا ہو جو دریائے نوازش

خوش ہونے لگا حسن بھی اربابِ ہوس پر
اف عشق کہیں کام نہ آئے تری دانش

سنوری نہ مگر صورتِ تصویرِ تمنا
ہر چند فراہم ہوئے سامانِ نگارش

میں آشنا شکیبا ہوا اس سرد روش پر
باقی نہ رہی دل میں کسی لطف کی خواہش

گذرے نہ گراں خاطرِ معصوم پہ اُن کے
اور وہم سے کرتا نہیں میں تصویر کیارش

کوکب تری حیرانئ فطرت کی ہے کیا بات
ذلت ہے نہ ذلت جسے نازش ہے نہ نازش

قوم پھر ہمت سے آگے بڑھنے لگی ہے

۱۹۷۶-۱۹۷۵

بہتر ڈسپلن کی طرف

● ڈسپلن اور وقت کی پابندی میں نمایاں سدھار۔

★

● سرکاری اور پرائیویٹ تنظیموں میں کام جلدی نمٹایا جا رہا ہے

★

● لوگوں میں زیادہ ذمہ داری و خلوص سے کام کرنے کا احساس۔

★

● ایک دوسرے سے مل کر قومی ترقی کیلئے کام کرنے کے جذبے کو تقویت ملی ہے۔

★

قوم پھر ہمت سے آگے بڑھنے کو ہے

۷۶-۱۹۷۵ء

صارفین کا تحفظ

- پرچون کی دوکانوں پر اشیاء کی قیمتوں کی فہرستیں لگائے جانے سے قیمتوں میں استحکام پیدا ہوا اور کمزور طبقوں کے افراد کے لئے اشیاء کی فراہمی برقرار رکھی گئی



- چیزوں کو ایک ریاست سے دوسری ریاست میں لانے لے جانے پر پابندیاں نرم کرنے سے تقسیم کے سرکاری نظام کی کارکردگی میں نمایاں بہتری - اس مقصد کے لئے صارفین کے کواپریٹو اداروں کا تعاون حاصل کیا گیا



- صارفین کے استعمال کی ضروری چیزیں تیار کرنے والی کچھ اہم صنعتوں میں "سول سیلنگ ایجنسی" کا سسٹم ختم کر دیا گیا ہے



- دلّی میں کواپریٹو اداروں اور دیگر منظور شدہ ایجنسیوں کے ذریعہ اشیاء کی منصفانہ تقسیم کے لئے نئی اسکیم نے دوسرے علاقوں کے لئے رہنمائی کا کام کیا ہے۔ کوچین، کوئمبٹور، درگاپور اور نینی تال میں ایسے ہی انتظامات کئے گئے۔

★

dav p 76/152

July—76 Phone : 2/8880 Regd. No. D-(D) 370
THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

Only Title Printed at M. S. Printers, Darya Ganj, New Delhi-110002



شانِ ہند دہلی



'rime Minister of India 'INDIRA GANDHI'



Janab Sanjay Gandhi

August—76



Editor :
SARWAR TAUNSVI

Dr. Ghias "Arif" Karimnagri

Manohar Gurgaon

سال اجرا ۱۹۳۸ء — رجسٹرڈ نمبر ڈی ۔ ۳۷ — رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپرز R.N. 6441/57

فون نمبر ۲۷۸۸۸۰

آزادی ایڈیشن

ماہنامہ شان ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی — سالانہ دس روپیہ : فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۷ — اگست ۱۹۷۶ء — شمارہ ۸

فہرس

پیاپرکاش سوامی ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے لاہوری پرنٹنگ پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر دفتر شان ہند [illegible] دریا گنج نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۲ سے شائع کیا ۔ سرورق ایم ۔ ایس پرنٹرس دریا گنج دہلی میں چھپا

عظمت ہندوستاں — مختلف اشعار

جناب منوہر لال منوہر گوڑ گاؤں

بڑھ رہا ہے کس قدر تیزی سے اپنا کارواں
تک رہا ہے چشم حیرت سے سارا جہاں
موج سے گرداب سے ہرگز نہ گھبرائیں گے ہم
اس تلاطم سے سفینہ پار لے جائیں گے ہم

ہے یہ آزادی ہمارے دل کی راحت ہمدلا
اس سے اپنے ملک نے پائی ہے عزت ہمدلا
یہ شہیدان وطن کی ہے امانت ہمدلا
اس سے دھوکا ہے امانت میں خیانت ہمدلا
اس سے کر کے بیوفائی بے وفا ہو جاؤ گے
پھر پرانے درد سر میں مبتلا ہو جاؤ گے

دل لگا دو جاں لگا دو ملک کی تعمیر میں
رنگ بھر دو خوشنما سا اس کی ہر تصویر میں
آسماں کو چھو لے اتنا بڑھے تو قیر میں
لطف پھر آئے گا ہم کو خواب کی تعبیر میں

آئیے! اپنے بچوں کے مستقبل کو روشن بنائیں

ہمارے ملک میں فیملی پلاننگ کا پروگرام عوامی فلاح و بہبود کے وسیع تر پروگرام کا لازمی جزو ہے۔ بلکہ فیملی پلاننگ پروگرام شروع کرنے کا مقصد ہی عوامی فلاح و بہبود ہے۔ کنبے کو چھوٹا رکھنے کی ضرورت پر اس لئے نہیں زور دیا جا رہا کہ ہمیں بچّے پسند نہیں بلکہ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ ہر بچّے کو زندگی میں ترقی کرنے کے بہترین مواقع ملیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو ایک بہتر دُنیا ورثے میں دیں۔ ہر ماں باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے اور ہماری منصوبہ بند ترقی کا بھی یہی مقصد ہے

—————— اندرا گاندھی



حمل گرانا جائز ہے کن حالتوں میں؟

بعض اوقات حمل گرانا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔

جب حمل کا جاری رہنا عورت کی زندگی کے لئے خطرہ بن جائے یا اس سے اس کی جسمانی یا ذہنی صحت کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو،



جب اس بات کا خطرہ ہو کہ پیدا ہونے والے بچے کی نشوونما میں کوئی شدید جسمانی یا ذہنی نقص رہ جائیگا،

جب حمل عصمت دری کے نتیجے کے طور پر ہوا ہو،

جب معاشی و سماجی حالت دراصل ایسی ہو یا مستقبل قریب میں ایسی حالت پیدا ہونے کا امکان ہو، جس سے ماں کی صحت کو نقصان پہنچ سکتا ہو،

جب حمل روکنے کے کسی طریقے کے ناکامیاب ہو جانے سے حمل ٹھہر گیا ہو،

پہلے بارہ ہفتوں میں حمل آسانی سے گرایا جا سکتا ہے۔

مفت مشورے کے لئے نزدیک ترین سرکاری ہسپتال میں جائیں۔

افکار و واقعات

پی۔ ایچ۔ ڈی بدستِ طفلاں

حال ہی میں ڈاکٹر فردوس فاطمہ نصیر صاحبہ صدر شعبۂ اُردو
یاآباد یونیورسٹی کو اُن کے تھیسس "مختصر افسانے کا فنی تجزیہ" پر
بہار یونیورسٹی نے ڈی۔ لٹ کی ڈگری عطا فرمائی ہے اور اس
یسس کو حکومت ہند کے یونیورسٹی گرانٹ کمیشن نے کتابی شکل
بیاشائع کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ پوری کتاب چوری کی ہے اور مختلف
ناموں سے سرقہ کر کے تھیسس لکھا گیا ہے۔ (اس کتاب پر مفصل
مون شانِ ہند کی اشاعتِ آئندہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔)

اس سے قبل علی گڑھ یونیورسٹی کے رضی الدین صدیقی تدوین
یاتِ نظیر تھیسس پر پی۔ ایچ۔ ڈی حاصل کر چکے ہیں۔ اور
ریقی صاحب کو ڈگری دینے کے فوراً بعد جب علی گڑھ یونیورسٹی کے
ہ دار ارکان کو مصنف کی حماقتوں کا علم ہوا تو حکم دیا گیا کہ یہ
یسس کتابی شکل میں شائع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس
ن میں مصنف کی صرف ایک حماقت ہی سے آپ اندازہ لگا
لتے ہیں کہ کیسے کیسے لوگوں کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں دی
تی ہیں اور ڈگریاں دینے والے کس قدر غیر ذمہ داری سے
پنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی سے کام لیتے ہیں۔ کہا
تا ہے کہ جناب خلیل الرحمٰن اعظمی نے ازراہِ مذاق رضی الدین
دیقی سے کہہ دیا کہ نظیر کا بنجارا نامہ جو ان کی کلیات میں موجود
ہے وہ در اصل ان کا نہیں ہے۔ اور میں نے بڑی تحقیق سے
مل بنجارا نامہ کی کھوج کی ہے جو میں آپ کو دے رہا ہوں
د اپنے تھیسس میں اسے دے کر اپنی ریسرچ کی دھاک
ائیے۔ اور اعظمی صاحب نے حضرت فراق گورکھپوری کا لکھا
ا بنجارا نامہ صدیقی صاحب کو دے دیا جو انھوں نے اپنی
تحقیق کے طور پر اپنے تھیسس میں اس نوٹ کے ساتھ دیا کہ کلیاتِ
نظیر میں جو بنجارا نامہ ہے وہ نظیر کا نہیں ملکہ ناشرین نے کسی اور
کے بنجارے نامے کو نظیر کے نام سے دے دیا ہے۔ بڑی تحقیق
کے بعد وہ نظیر کا اصل بنجارا نامہ دے رہے ہیں۔

ان دو واقعات سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پی۔
ایچ۔ ڈی۔ اور ڈی۔ لٹ۔ ایسی قابلِ احترام ڈگریاں اب
"بدستِ طفلاں" ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم جناب
نور الحسن صاحب وزیر تعلیم حکومت ہند سے گزارش کریں گے
کہ وہ مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں یونیورسٹی گرانٹ کمیشن اور
بہار یونیورسٹی و علی گڑھ یونیورسٹی کے متعلقہ ارکان سے باز
پرس کریں کہ ایسی غیر ذمہ داری سے کیوں کام لیا جا رہا ہے۔
اگر ہماری یونیورسٹیوں میں کام کرنے والے حضرات اسی
طرح اپنی نالائقی اور جاہلانہ پن کا مظاہرہ کرتے رہے تو
تعلیمی معیار جو پہلے ہی کافی حد تک گر چکا ہے اور بھی گر جائیگا۔

مادر پدر آزاد جے چند پریم

مظفر گڑھ (پاکستان) کے ملک گیر شہرت کے شاعر حضرت
کشفی ملتانی کی ایک غزل اتنی مشہور ہے کہ اُردو شاعری سے
ذرا سا بھی مس رکھنے والے ہر با ذوق کو اس غزل کا کوئی
نہ کوئی شعر یاد ہوگا۔ آئیے آپ بھی اس زندۂ جاوید غزل
کے کچھ اشعار سے لطف اٹھائیے۔

شورِ عالم میں ہے سحاب سحاب
ساقیا، ساقیا، شراب شراب
آبِ زمزم سے ہے کو کیا نسبت
پانی پانی ہے اور شراب شراب

رند بخشے گئے قیامت میں ؛ شیخ کہتا رہا حساب، حساب
جام گرنے لگا تو بہکا شیخ ؛ تھامنا، تھامنا کتاب، کتاب
اک وہی مست باخبر نکلا ؛ جس کو کہتے تھے سب خراب خراب
مجھ سے وجہ گناہ جب پوچھی ؛ سر جھکا کر کہا شباب شباب

راقم الحروف نے ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک یہ غزل سینکڑوں بار حضرت کشفی کی زبان سے سنی۔ بلکہ اس زمانہ میں ملتان سے شائع ہونے والے ہفتہ وار شان ہند میں یہ غزل متعدد بار مشاعروں کی روداد میں بھی چھپ چکی ہے۔ مگر کیا غضب ہے کہ یہی غزل ماہنامہ شمع میں کچھ عرصہ ہوا جے چند پریم کے نام سے شائع ہوئی۔ جناب آزاد بہاولپوری جو اس وقت میرٹھ چھاؤنی کے سٹیٹ بنک آف انڈیا میں ایک افسر ہیں اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

"شان ہند کے شمارے میں چور متشاعروں کی کارستانیاں پڑھ کر حیرانی ہوئی کہ ان مادر پدر آزاد متشاعروں کو کیسے ہمت ہوتی ہے کہ احسان دانش اور دیگر مشاہیر شعرا کا کلام اپنے نام سے رسائل میں چھپواتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ملتان میں ایک بزرگ شاعر کشفی ملتانی تھے (بفضل خدا اب بھی حیات ہیں) ان کی ایک مشہور غزل ہے شور عالم میں ہے سحاب سحاب، ساقیا ساقیا شراب شراب جو میں اپنے زمانہ طالب علمی میں ان کی زبان سے بارہا سن چکا ہوں یہی غزل "شمع" میں کسی شاعر جے چند پریم کے نام سے شائع ہوئی۔ جس پر میں نے مدیر شمع کو اس چوری کی اطلاع دی مگر وہ بھی کچھ نہ کر سکے۔

جناب آزاد صاحب بہاولپوری کی خدمت میں گذارش ہے کہ یہ جے چند پریم خود ملتان کے رہنے والے ہیں اور آج کل غالباً کانپور میں مقیم ہیں۔ پریم صاحب خود ایڈیٹر شان ہند کی موجودگی میں یہ غزل کشفی صاحب کی زبان سے مرحوم لالہ بالکشن صاحب بترہ آبر کی کوٹھی پر بارہا سن چکے ہیں۔ اگر پریم صاحب میں اتنی جرأت ہے کہ وہ کشفی صاحب کی یہ غزل اپنے نام سے "شمع" میں شائع کرا چکے ہیں تو پھر اس کا یہ صاف مطلب ہے کہ وہ بیانگِ دہل کہہ رہے ہیں کہ جے چند پریم مادر پدر آزاد چور متشاعر ہے۔ اور آزاد صاحب

اگر کوئی صاحب اپنے آپ کو حرامی کہلوانے پر تیار ہو تو ہم اور آپ بھلا کیا کر سکتے ہیں اور اس میں شمع والوں کا کیا قصور۔

بلاتبصرہ

محترمہ ممتاز مرزا (پدم شری) نے اپنے مکتوب گرامی میں ان منتظمین مشاعرہ کے کردار پر مدیر شان ہند کو کچھ روشنی ڈالنے کی دعوت دی ہے جو محض طلب زر کے لئے یا کسی دوسرے ناپسندیدہ مقصد کے اپنے مشاعروں کو کامیاب کرنے کے لئے مشاعرے میں مدعو شعرا کرام میں ان شعرا و شاعرات کے نام بھی لکھ دیتے ہیں جنہیں منتظمین مدعو تو کرتے نہیں مگر روپیہ بٹورنے کے لئے ان کے ناموں کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ ہم محترمہ ممتاز مرزا صاحبہ کا یہ مکتوب گرامی بغیر کسی تبصرہ کے شائع کر رہے ہیں۔

محترم سرور بھائی، آداب!

شان ہند کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ جشن ممتاز کی مفصل کارروائی شائع کرنے کے لئے دلی شکریہ قبول کیجئے۔ میری جانب سے بھی اور مرزا جی کی بھی۔ اسی شمارے میں کچھ شعرا کی بدعہدی اور پیشگی روپیہ لے کر مشاعرے میں شرکت نہ کرنے کے بارے میں کسی نے لکھا ہے۔ میں آپ سے قطعی متفق ہوں کہ اس قسم کے رویہ کی شدت سے مذمت کی جائے اور ایسے لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے لیکن اس کے ساتھ ہی ان منتظمین مشاعرہ کے بارے میں کیا فرمائیں گے جو حضرات ایک شاعر کو مشاعرے میں شرکت کی دعوت تک نہیں دیتے لیکن اس کا نام دعوتی رقعوں اور اشتہاروں تک میں شائع کر دیتے ہیں؟ میرے ساتھ بارہا ایسا ہوا ہے کہ مختلف جگہوں سے (خود دہلی میں بھی) مجھے اطلاعیں ملی ہیں کہ آپ مشاعرے میں کیوں نہیں آئیں آپ کا نام تو دعوتی کارڈ میں لکھا ہوا تھا۔ کیا اس طرح میرے نام اور میری شہرت کو صدمہ نہیں پہنچا؟ عام پبلک تو یہی خیال کرے گی میں نے منتظمین کو دھوکا دیا اور وعدہ کر کے شریک نہ ہوئی۔ پچھلے اپریل میں پانی پت میں مولانا حالی کی یاد میں مشاعرہ تھا اس میں یہی کچھ ہوا ابھی حال میں خود دہلی میں ایک عظیم الشان سیمینار اور مشاعرہ ایوان غالب میں منعقد ہوا۔ جن ان حضرات نے

مجھے بلایا ضرور تھا لیکن میں نے اپنی منظوری نہیں دی تھی لہٰذا انہیں میرا نام استعمال کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ لطیفہ یہ کہ دوسرے دن دہلی کے ایک موقر اردو روزنامہ نے خبر دی کہ شرکت کرنے والے شعراء میں بیگم ممتاز مرزا بھی شامل تھیں۔ لیکن پانی پت والوں نے تو سرے سے مجھے بلایا ہی نہ تھا۔ یہ اور ایسے کتنے ہی واقعات تو خود میرے ساتھ پیش آئے ہیں میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ دوسرے شعراء حضرات کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا ہوگا۔ یہ تو عام بات ہے۔ ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان پوری، اختر الایمان، سردار جعفری۔ ا گئے تاکہ مشاعرہ کامیاب ہوسکے۔ لیکن آپ ہی بتلائیے۔ یہ کہاں تک مناسب ہے کہ اس طرح شعراء کے نام بدنام کیا جائے۔ لکھنؤ میں نازش اور ساحر ہوشیارپوری کے سلسلے میں جو مشاعرہ جون میں ہوا تاباں کے ساتھ اس میں بھی گذری کہ ان کا نام دعوت ناموں پر بھی چھپا ہوا تھا حالانکہ وہ شروع میں ہی انکار لکھ چکے تھے۔ میرا مطلب ہے اس سلسلے میں بالکل کچھ نہ کچھ ہونا چاہیئے۔ کیا آپ ہم شعراء کو اجازت دیئے کہ منتظمین کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں ہم؟ گستاخی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ بھابی کی خدمت میں آداب۔

خیر طلب آپ کی — ممتاز مرزا۔

راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کی مخالفت

کچھ دنوں سے راجستھان ساہتیہ اکاڈمی اُدے پور کی مخالفت باشکایتی خطوط اخبارات میں نظر سے گذر رہے ہیں۔ اگر یہ مخالفت ٹھوس بنیاد پر ہوتی تو شانِ ہند اور مدیر شانِ ہند دونوں راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کے کارکنان سے باز پرس کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ صحیح وقت پر صحیح کام کے لئے جس قدر بہتر ڈھنگ سے راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کی مخالفت شانِ ہند اور مدیر شانِ ہند نے کی اس کا تذکرہ بھی ان وقتی مخالفوں کے بس کی بات نہیں ہے۔

اکاڈمی کا سہ ماہی آرگن "نخلستان" جس قدر بہتر انداز میں باشاعت پذیر ہے اس سے پہلے کبھی اسے ایسی نفاست نصیب نہ ہوئی تھی یہ دوسری بات ہے کہ اس کی مخالفت میں لکھنے والوں کے مضامین یا نظمیں "نخلستان" کی حالیہ اشاعتوں میں نہیں دی گئی ہیں اگر ایسا نہ ہوتا اور ان مخالفوں کو نظموں یا مضامین کے معاوضہ میں کچھ روپیہ مل جاتا تو یہی بجائے مخالفت کے یہی حضرات "نخلستان" اور اکاڈمی کے سربراہوں کی تعریف کرتے۔

"کلیاتِ مائل" ایسی ضخیم کلیات کا شائع ہونا فی الواقع اردو شعری ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے مگر اس کا کیا علاج کہ مخالفت برائے مخالفت کرنے والوں کو کلیاتِ مائل بھی اس ناپاک ارادے سے باز نہ رکھ سکی کہ وہ کم از کم جھوٹ تو نہ لکھیں۔

جناب رام کشور ویاس صاحب سپیکر راجستھان اسمبلی کی اردو نوازی اور اردو سے محبت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے لہٰذا ان کی چیئرمین شپ اور ڈاکٹر راجندر شرما صاحب ڈائریکٹر ایسی ذمہ دار شخصیت کی موجودگی میں اگر کوئی یہ شک بھی کرتا ہے کہ اکاڈمی میں اردو کے حقوق محفوظ نہیں ہیں تو وہ نہ صرف خود غلط فہمی کا شکار ہے بلکہ اپنی ذاتی اغراض کے پورا نہ ہونے کے باعث دوسروں کو بھی غلط فہمی میں ڈال دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

اردو کے ہر بہی خواہ کو راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کا ممنونِ احسان ہونا چاہیئے کہ اس نے کلیاتِ مائل ایسی ضخیم کلیات اس دور میں شائع کی ہے جب کہ کوئی دوسرا پبلشر اس کا حوصلہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اکاڈمی کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر راجندر شرما کو چاہیئے کہ وہ اس قسم کی مخالفانہ تحریروں کو محض ناکام ادیبوں اور شاعروں کی محرومِ اغراض کا مرثیہ سمجھا کریں۔ اور اپنے پروگرام کی تکمیل میں کوشاں رہیں۔

شاہد اعظمی ایم۔ اے کون؟

"مالک رام اور اردو تحقیق" نامی ایک کتاب جو جشنِ مالک کا ایک جیتا جاگتا شاہکار ہے پچھلے دنوں شائع ہوئی تھی جس کے مولف کوئی شاہد اعظمی ایم۔ اے ہیں ہزار پتہ لگانے پر بھی یہ پتہ نہ چل سکا تھا کہ یہ شاہد اعظمی ایم اے کون صاحب

ہیں ۔ مئو ناتھ بھنجن کے کچھ حضرات سے بات چیت کرتے ہوئے یہ پتہ چلا کہ جناب ڈاکٹر نورالحسن صاحب جو دلی یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی کے ریڈر ہیں اور مئو ناتھ بھنجن کے ہی رہنے والے ہیں جوانی کے دنوں میں شاعری کیا کرتے تھے اور ان کا تخلص شاہد تھا ۔ چونکہ مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ میں ہے اس لئے شاہد کے ساتھ اعظمی بھی لکھتے تھے

ہم جناب ڈاکٹر نورالحسن صاحب پر کسی قسم کا شک کئے بغیر ان سے دریافت کرنے کا یہ حق رکھتے ہیں کہ کیا اس دشمن اردو کتاب کے مرتب آپ ہی ہیں یا یہ شاہد اعظمی کوئی اور صاحب ہیں ۔ امید ہے کہ اس سلسلے میں جناب ڈاکٹر نورالحسن صاحب کچھ روشنی ڈالیں گے ۔

فرہنگ آصفیہ کی فروختگی پر پھر پابندی

حکومت ہند کی وزارت تعلیم کے ادارے ، اردو ترقی بورڈ نے فرہنگ آصفیہ کی چاروں جلدیں نیشنل اکاڈمی کے زیر اہتمام شائع کرائیں ۔ یہ حقیقت ہے کہ اس ادارہ نے اگر کوئی کام کی کتاب شائع کی تو وہ یہ فرہنگ آصفیہ ہی ہے ۔ یہ فرہنگ بالکل لفظاً اصل فرہنگ آصفیہ کے مطابق شائع کی گئی مگر بعد میں کشمیری لفظ کے معنی "سیر" اعتراض کیا گیا اور یہ معاملہ پارلیمنٹ میں اٹھایا گیا جس پر اس فرہنگ کی فروختگی بند کردی گئی ۔ اور معقول معاوضہ پر کچھ لوگوں سے فرہنگ آصفیہ کی چاروں جلدیں چیک کرائی گئیں اور تمام متنازعہ الفاظ نکال دیئے گئے یا ان کے معنوں کو سیکولر کیا گیا ۔ اس کام میں بھی تقریباً ایک سال سے زائد عرصہ لگ گیا اور خدا خدا کرکے فرہنگ آصفیہ کی فروختگی شروع ہوئی ۔ مگر لیکایک اس فرہنگ کی فروختگی پر پھر اس لئے روک لگا دی گئی کہ وزیر تعلیم کے حکم کے بغیر فروختگی شروع ہوگئی تھی لہذا جب تک تحریری طور پر وزیر تعلیم اس فرہنگ کی فروختگی کی منظوری نہ دیں اس کی فروختگی پر پابندی رہیگی ۔

اردو ترقی بورڈ کے کارکنان نہ معلوم اپنے فرائض کی ادائیگی سے کیوں کوتاہی برت رہے ہیں کیا شاہد صاحب رد دلوی صاحب یا کوئی اور ذمہ دار افسر خود وزیر تعلیم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس امر کی تحریری اجازت نہیں لے سکتا ۔؟

ہم جناب پروفیسر نورالحسن صاحب وزیر تعلیم کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ وہ خود متعلقہ حضرات سے اس فرہنگ کی فروختگی کی منظوری حاصل کرنے والے کاغذات کی فائل طلب فرما کر حکم صادر فرمائیں کہ اس فرہنگ کی فروختگی حسب سابق تاجرانہ کمیشن پر کی جائے ۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس فرہنگ سے فائدہ اٹھا سکیں ۔ وزیر تعلیم کی خدمت میں یہ بھی گذارش ہے کہ اردو ترقی بورڈ نے تاجرانہ کمیشن کم دیا ہے ۔ جس سے اردو ترقی بورڈ کی مطبوعات کی فروختگی پر اثر پڑے گا لہذا حسب سابق تاجرانہ کمیشن کی بھی اجازت دی جائے ۔

کوثر الاحسانی

آل انڈیا مشاعرہ کیرانہ

صوفی زمزم بجنوری ۔ راز الہ آبادی ۔ مشیر جھنجھانوی ۔ زبیر رضوی ۔ شمیم جے پوری
معراج فیض آبادی ۔ تمنا سنبھالی ۔ شوق اثری ۔ مظفر رزمی ۔ کرنل شیوتل بہار

میلہ حضرتاں (کیرانہ) کے سلسلے میں حسبِ روایت امسال ۲۶ جون ۷۶ء کی شب میں ۱۱ بجے ایک آل انڈیا مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ یا جا رہا ہے مجھے گرگ صاحب شاملوی دو شمع روشن کر کے مشاعرہ کا افتتاح فرما رہے ہیں (ذرا دیکھئے تو) ہے جاتی عالم خان میاں و بدبدا یونی کو کہ اپنے اسلاف بزرگوں کی روایت کو زندہ کرتے ہیں۔ جدید بنت ہے گی گریز بنیں ٹی وی ٹیوب لائٹ صوفہ سیٹ ۔ کرسیاں ۔ فرش اور شامیانہ کا انتظام کیا گیا ہے جناب مظفر رزمی صاحب صدارت کے لئے جناب گرگ صاحب ہی کا اسم گرامی پیش کر رہے ہیں جس پر تالیوں سے اظہار خوشنودی کیا جا رہا ہے جناب گرگ صاحب نہایت پُروقار انداز سے فرما رہے ہیں ۔ آپ لوگوں نے مجھے جو عزت دی میں اس کے لئے [illegible] میں شکریہ ادا کر سکوں ۔ ایس ۔ پی صاحب مظفر نگر [illegible] تھے ۔ وہ کسی مجبوری کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔ لہذا آپ حضرات [illegible] کرم مجھ پر فرمایا کہ صدارت کے لئے میرا نام پیش کر دیا تالیوں کے شور میں آپ شعرائے کرام کے جھرمٹ میں بیٹھ گئے اور مظفر رزمی صاحب نظامت کے فرائض ادا کر رہے ہیں ۔ نظامت [illegible] جوہر بجنوری کو کر [illegible] مشاعرہ کی بسم اللہ نعت سے شروع کر رہے ہیں کیونکہ یہ میلہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کے اس قیام شریف کی یاد میں ہوتا آ رہا ہے جو کہ خواجہ صاحب نے [illegible] میں دورہ کرتے ہوئے کیرانہ میں بھی تین دن قیام فرمایا تھا۔ جوہر صاحب نعت شریف پیش کر رہے ہیں سنئے ؎

کہ شمع سے عالم ہے پروانہ محمدؐ کا — جسے دیکھو نظر آتا ہے دیوانہ محمدؐ کا
یہاں تک ہو گیا ہوں میں بھی دیوانہ محمدؐ کا — خدا کا گھر سمجھتا ہوں میں کاشانہ محمدؐ کا
رہے گا حق و دنیا تک یونہی ذکر نبی قائم — قیامت تک نہ ہوگا ختم افسانہ محمدؐ کا
وہ اپنے دشمنوں پر فتح پاتے ہیں محبت سے — ہے طرزِ زندگی اتنا کریمانہ محمدؐ کا
یہ رنگِ نعت اپنا رشکِ صد ایماں ہے اے جوہر
کہ مومن بھی مجھے کہتا ہے دیوانہ محمدؐ کا

جوہر صاحب نہایت خشوع و خضوع سے نعت شریف سنا کر خصوصی داد پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں ۔ آئیے ہم آپ کو محفل غزل میں لے چلیے اور ایک جواں سال شاعر [illegible] یہ غزل سنئے

نظر سے تیر چلا کے [illegible] ڈال گئے — وہ ایک بار مرے دل [illegible]
ملال اتنا مجھے کیوں ہے میرے دل [illegible] — وہ ہوتا [illegible] مجھے آرزو کے [illegible]
ملانے [illegible] آنکھوں [illegible] — تمام رات جگا [illegible] بھول گئے
ملے ہیں ایسے بھی کچھ دوست اس زمانے میں
کہ اپنا کام بنایا [illegible] بھول گئے

اس شعر پر یار لوگ ذرا زیادہ موڈ میں ہیں اور بار بار صاحب کئی بار دہرا کر جا رہے ہیں۔ رزمی صاحب دعوت موسیقی دے رہے ہیں۔ سکندر حیات کیلاش پوری کو ۔ حیات صاحب اپنا فنکارانہ انداز سے غزل چھیڑ رہے ہیں ۔ ؎

موت کو جو لوگ رات کہتے ہیں — کتنی نادان بات کہتے ہیں
روح تو میری مر چکی کب کی — لوگ اب بھی حیات کہتے ہیں

آہ اور واہ کا ایک دھماکہ ہوا ہے اور میں بھی سر پر ہاتھ دھرے رہا ہوں روح تو کسی عالم میں مرتی ہی نہیں۔ اور آپ الفت سے ہوتے لپک رہے ہیں۔ ؎

ہوش و خرد کی قید میں دیوانگی چلی — تھا دیکھو [illegible] میں انسان کی زندگی
ساقی نے جام حرم میں سب کو دئے مگر
میرے لبوں پہ تشنگی دم توڑتی رہی

داد و تحسین کے بیچ زبیر صاحب فرما رہے ہیں اچھا مصرعہ کہا ہے
مصرعے موزوں کیا لیکن ہنر ابھی ہے دیکھا تو ٹکڑے غلطیوں سے بیک
ہے یہیں —

داد و تحسین میں آپ کے مشکور ہے ہر راہ پر کو میرا پتہ پوچھتی ہی
لیلاؤں کے جھرمٹ میں پھر ایک گیت سنا کر داد لوٹے کامران بیٹھے
ہیں اور اس عالم میں ڈاکٹر عبدالحق علی ایک لاجواب نظم سنا کر
داد گیارہ بٹور رہے ہیں اور ریاض صاحب جناب زبیر رضوی
کو مائک سونپ کر اپنی جگہ آ رہے ہیں۔ زبیر صاحب تالیوں کی گونج
میں مائک سنبھال کر ریاض حیدر سہارنپوری کو دعوتِ سخن دے
رہے ہیں۔ ریاض صاحب یوں گلہائے شگفتہ سے منظر بنا رہے ہیں

میں تھک کے بیٹھ گیا ہوں جہاں جہاں بھائی
تو جگنوؤں کو مری سعی رائیگاں بھائی

خوشی سے ہاتھوں میں پتھر اٹھا لئے تم نے
ابھی کھلی بھی نہیں ہے مری زباں بھائی

داد نقطۂ عروج سے سوا ہے ردیف کی خوب خوب تعریف ہو رہی ہے اور آپ نہایت سنجیدگی سے فرما رہے ہیں —

میں چپ رہا ہوں تو اندیشۂ وفا نے کہا
ہے پڑی کیا ہے جو صحرا میں دے اذاں بھائی

کبھی کبھار ادھر آتے بھی ہیں تو غم کے سفیر
یہ تم خلافِ توقع ادھر کہاں بھائی

پھر دوسرے مصرعے پر داد شباب پر ہے اور آپ مقطع سنا رہے ہیں —

ریاض اہلِ محبت پہ تبصرہ نہ کرو
مبادا تم سے نہ ہو جائیں بدگماں بھائی

ریاض صاحب داد لوٹ کر اپنی جگہ اسٹیج سے نیچے جا کر بیٹھ گئے ہیں
آپ [illegible] کی جگہ نہ بھائی ایک صاحب جو [illegible]
[illegible] رہے ہیں [illegible] زبیر صاحب [illegible]
[illegible] کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ کوثر صاحب
نہایت شگفتگی سے ایک غزل چھیڑ رہے ہیں
[illegible]
[illegible]
[illegible]

داد نے بڑھ کر [illegible] لیجئے آپ اسی طرح لپک رہے ہیں —

بڑے شوق سے [illegible] ٹھوکریں لگائے
میں ہوں نشانِ راہِ الفت کسی کی بھی کیا ہے

وہ بچا [illegible] وفا میں کوئی ہم سفر نہیں ہے
ذرا تم قدم قدم پر [illegible] دیجئے
[illegible] میری تشنگی میں گزر
کبھی دل بہک گیا ہے کبھی دل سنبھل گیا ہے

کوثر صاحب محفل کو گرما کر داد وصول کئے جا رہے ہیں اور ڈاکٹر شمیم
محمد علی نشاط وغیرہ مظفر نگر سے ابھی آئے ہیں ڈاکٹر صاحب کا دم
غنیمت ہے آپ قرب و جوار کے مشاعروں کے لئے مصروفیات کے
باوجود وقت نکال ہی لیتے ہیں۔ لیکن آج آپ کے ہمراہ تاج مدنی
نہیں ہیں، یہاں تو دیکھئے زبیر صاحب نہایت مناسب اور موزوں
الفاظ میں تعارف فرما کر درخواستِ غزل کر رہے ہیں معراج فیض
آبادی سے۔ معراج صاحب یوں بانکپن سے غزل سرا ہیں —

نکلا ہے عشق شان سے سہرے لئے ہوئے
ہر بوالہوس ہے ہاتھوں میں پتھر لئے ہوئے
بیٹھے ہیں راہ میں ہم پا شکستہ لوگ
گھر سے چلے تھے ہم سکندر لئے ہوئے

داد کے شور و غل میں معراج صاحب محفل کو یوں بہکانے چلے ہیں —

ہم سفر ملتے ہیں راہوں میں سوالوں کی طرح
ساتھ چلتے ہیں مگر پاؤں کے چھالوں کی طرح

دیکھنے والوں کی تھوڑی سی توجہ کے لئے
ہم کنارے پہ رہے ڈوبنے والوں کی طرح

پھر آہ اور واہ کا ایک غل غبارہ ہے یہ شعر پر خوشگوار [illegible]
ہوا ہے —

روح گھٹتی رہی احساس کے زندانوں میں
جسم بیچے گئے [illegible] شوالوں کی طرح

ہم تو رستے ہوئے [illegible] کا حسین ایک حصہ ہیں
ذکر [illegible] بھی ہے کوئی تو مثالوں کی طرح

دوستو میری کہانی بڑی بے ربط سی ہے
گھر میں بکھرے ہوئے بوسیدہ رسالوں کی طرح

معراج صاحب محفل کو لوٹ کر جا رہے [illegible] ہم تصویریں [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] دے رہے ہیں [illegible]

جونہی مائک پر آئے تو فرمائشوں کا ایک شور ہے اور ماحول [illegible]
[illegible] داؤد [illegible] ایک حسین اور شگفتہ غزل چھیڑ رہے ہیں —

اتنے دل [illegible] تمہاری [illegible] | ہم بکھر گئے کتنے آپ کے خیالوں میں
لوگ آ گئے آخر رقیب کی چالوں میں | [illegible] تھا [illegible] ٹوٹ گئے [illegible] میں
[illegible] شامل آج [illegible] | بند کے رستے [illegible] کو تالوں میں
تم نے یوں تو کہہ کر مجھ کو یاد فرمایا | آج میں اندھیرے سے آ گیا اُجالوں میں
ہم نے اپنے سننے کا [illegible] | وہ جواب کیا دیتے کھو گئے سوالوں میں
عمر کا رشتہ ہے کیسے ساتھ چھوڑے گا | میں تری نگاہ ہوں [illegible] میں
کیا اسی کو کہتے ہیں انقلاب زمانہ | شیخ جی بھی شامل ہیں [illegible] میں
[illegible] عاشقوں [illegible] | مسجدوں سے نکلے تو [illegible] میں
ان کے [illegible] لباسوں [illegible] | کوئی [illegible] دل [illegible] میں

ہاں مگر کوئی سقراط آج کل نہیں ملتا
جھوٹ سچ [illegible]

راز صاحب نے محفل کو خوب [illegible] خوب خوب
جھولیاں بھر بھر کر داد پائی اور تالیوں کے شور میں [illegible] رہے
ہیں۔ محترم مشیر صاحب آج [illegible] میں [illegible] شکست کے
بعد [illegible] کا شکار ہو [illegible] صاحب [illegible] کا
شکار ہونے پر بھی [illegible] کے موڈ میں [illegible] شعر [illegible] جا
رہے ہیں اور میں داد دے رہا ہوں۔ دیکھئے تا راز صاحب
کے اس شعر پر [illegible] سے کیا خوب کہا ہے۔

ہم تو اُن کے عاشق ہیں [illegible] عزیز [illegible] ہیں
شرکت [illegible] ہوتا .... میں

اس قافیہ کی [illegible] بے ساختہ [illegible] دیے گئے اور
ذرا سوچئے تو یہ کیا قافیہ ہے دوسری غزل کے لئے صدر صاحب
درخواست کر رہے ہیں مشیر صاحب فرما رہے ہیں —

صدا آئے شاید راز تیری [illegible] میں
یہ بھی ہو گئے آخر [illegible] میں

راز صاحب دوسری غزل قہقہوں کے شور میں شروع کر رہے ہیں —
[illegible]
[illegible]
[illegible] صاحب فرماتے ہیں —

تو نے کیا سمجھ کے پیار [illegible] دل [illegible]
[illegible] پیار [illegible] میں [illegible] تھا

کھیل ہی کھیلا اس نے لڑکپن سے
جو بھی ملا شیشہ توڑ دیا چھن سے

شیشہ ٹوٹے غُل پڑ جائے
دل ٹوٹے آواز نہ آئے

[illegible] تیسرے شعر کے خالق حفیظ [illegible] ان کا کلام [illegible]
حفیظ صاحب کا نام سن کر [illegible] لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے ہیں اس میں [illegible] کلام
نہیں [illegible] حفیظ صاحب آج [illegible] اپنے دل کش ترنم
میں غزل [illegible] رہے ہیں —

یہ بات [illegible] دل [illegible]
[illegible] ہے مگر [illegible] ہے

مطلع [illegible] حفیظ صاحب [illegible] داد [illegible] سامعین [illegible]
داد کا عالم نہ پوچھئے کسی بار [illegible] اسی [illegible] سے [illegible]
— دنیا کا یہ انداز سمجھ میں نہیں آتا | دیکھے ہے حقارت سے کبھی پیار کرے ہے
[illegible] سانے کا [illegible] نہیں [illegible] ٹوٹ [illegible]
پھر داد [illegible] ایک شعر [illegible]

ڈرتا ہوں اپنے سایہ سے بھی اس لئے کہ آج
ہر شخص دوسرے کا شکاری دکھائی دے

اور حفیظ صاحب [illegible] رہے ہیں —

تقریر سے ممکن ہے [illegible] ممکن
وہ کام جو انسان کا کردار [illegible] ہے
تسلیم اسے کوئی بھی دل سے [illegible] تا
وہ فیصلہ جو جبر کی تلوار کرے ہے

ایسا لگ رہا ہوں کہ اب داد دینے والے [illegible] حال سے [illegible]
ہیں اور حفیظ صاحب [illegible] ہوئے ہیں —

[illegible] ہوں [illegible] دیکھتے ہوئے [illegible]
سب [illegible] خوشامد [illegible]

حفیظ صاحب [illegible]

شاعر کو کبھی ایک سمت سے داد ملتی ہے اور کبھی دو سمت سے لیکن ان کو
چاروں سمت سے داد ملتی ہے نام پوچھنا چاہیں گے تو بتلاتا ہوں آپ ہیں
تمنا جمالی — تمنا صاحب کیا آئے کہ قدردانوں کا لامتناہی سلسلہ
شباب پر ہے میری درخواست پر ایک تازہ غزل عنایت فرما رہے ہیں ؎

بڑی عجیب سی مشکل ہے کیا کیا جائے
مرا رقیب مرا دل ہے کیا کیا جائے

گرگ صاحب فرما رہے ہیں پچھلے سال کی طرح اس سال بھی تمنا صاحب
داد کا یہ خوشگوار ہنگامہ فرو ہوا تو اسی دلربائی سے سحر کر رہے ہیں ؎

چلا ہے جانبِ مقتل کشاں کشاں لیکر　　مرا ہی دل مرا قاتل ہے کیا کیا جائے
حجاب دے چکی ہمت قدم نہیں اٹھتے　　نظر کے سامنے منزل ہے کیا کیا جائے
میں اپنی ذات سے واقف نہ ہو سکا اب تک　　ترا جمال مقابل ہے کیا کیا جائے
وہ شخص جس نے مجھے زندگی عطا کی تھی　　وہ شخص اب مرا قاتل ہے کیا کیا جائے

پھر داد نقطۂ عروج سے سوا ہے اور آپ اسی بانکپن سے محفل کو لوٹ
رہے ہیں ؎

ہر ایک موج کنارے پہ مجھ کو لے آئی　　مرے نصیب میں ساحل کیا کیا جائے
وہی ہجوم تمنا وہی ہجوم الم　　عجیب سی صورتِ محفل ہے کیا کیا جائے

تمنا صاحب محفل میں نغمگی بکھیر کر تالیوں کی جھنکار میں مسکراتے ہوئے پلٹ
رہے ہیں داد دیجئے زبیر صاحب کو کہ تمنا صاحب کے بعد ایک ایسے شاعر
کا انتخاب کر لیا کہ جو اپنی اصل وقت ایسے ہی مترنم شاعر کا تقاضا تھا اور
اور لوٹی قربانی کا بجا بنتا ہے: الگ بات کہ آج ہر شاعر کو سنا جا رہا ہے
آج مشرف عنایت اور خیری صدر ریحان تسرہا سابق ایم۔ ایل۔ اے بھی
غائب ہیں اور شراحتمام علوی بھی زیادہ نہیں جھک رہے ہیں غالباً
عنایت میاں کی کمی محسوس کر رہے ہیں ہاں تو دیکھئے زبیر صاحب قصبہ
کے نہیں بلکہ ملک کے مشہور نوجوان اور خوش گلو شاعر ظفر زیدی
کیرانوی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں۔ رزمی صاحب کا نام سن کر یار لوگ
تالیوں پر اتر آئے ہیں اور رزمی صاحب اس ہنگامہ سے بے نیاز
ہو کر غزل سرا ہیں ؎

اشک پلکوں پہ آجائے میں کہاں تک پیتا　　تیری یادوں کی ترنم ... ہیں
پہلے میں جرأتِ نظارہ تو پیدا کر لوں　　... ہیں
اپنے دامن سے وہ آنسو نہ خشک کریں　　...
جیسے دیوانی کو ...　　... رنگ ہیں

رزمی صاحب نے ہر شعر کچھ ایسا جھوم کر پڑھا ہے اور وہ داد پائی کہ ؎
کچھ اور پوچھئے یہ حقیقت نہ پوچھئے
رزمی صاحب میلہ کے انتظام کے سلسلہ میں اس قدر مصروف رہتے ہیں
ہفتوں انہیں ہوش نہیں آتا خصوصاً مشاعرہ کی راتیں ہیں تو ان کو
ہوش ہی نہیں رہتا پھر بھی وہ اتنا لاجواب کلام سنا جاتے ہیں کہ محفل کو لوٹ
لیتے ہیں۔ خدا انہیں نظرِ بد سے بچائے۔ رزمی صاحب فرما رہے ہیں کہ
زبیر صاحب کسی ضرورت سے ذرا دیر کے لئے جا رہے ہیں اس پر ایک
قہقہہ بلند ہوا ہے اور پھر وصیل انجم کیرانوی کو یاد فرما رہے ہیں انجم
صاحب تمنا اور رزمی کے بعد جم نہ سکے ادھر داد کا دور شروع ہو گیا
ہے جو بھی ان کو سنا گیا ہے آپ بھی سنئے ؎

شعلہ رو تیرا کرم بھی تو شرر باری ہے　　گھر میں بھی برق کا ساماں ہوگا
میں ہوں آئینہ تمہارا دیکھ لے مجھ میں جمال　　آئینہ خانہ میں جا کر تو پشیماں ہوگا

انجم صاحب مناسب داد وصول کر چکے ہیں اور رزمی صاحب درخواست
کر رہے ہیں جلیل علوی ایڈوکیٹ کیرانوی سے۔ جلیل صاحب آج
پھنس گئے ہیں ورنہ اس کارِ بیکاراں سے ذرا دور ہی رہتے ہیں۔
اس کا یہ مطلب نہیں کہ جلیل صاحب اچھا نہیں کہتے یا اچھا نہیں
پڑھتے آپ سماعت فرمائیے گا ؎

وہی راہ تھی حرم کی مجھے اتنا تو بتا دے　　میں جدھر انہیں ملا تھا وہی راستہ گیا ہے
تیرے کارواں میں شاید کوئی راہبر تھا شامل　　وہی لٹ گیا مسافر جو ٹھہر کے دم لیا ہے
مرا حالِ دل نہ پوچھو جو نظر ہے تو دیکھو　　یہ مرا اداس چہرہ مرے دل کا آئینہ ہے

داد نقطۂ عروج سے سوا ہے اور آپ نہایت ... سے فرما رہے ہیں ؎

تیرے غم کی تلخیوں نے مرے حوصلے بڑھائے　　ترا غم رہے سلامت کہ مرا نباہ ہے
کہیں ہم رنگ و بو میں کہیں تیغ آرزو میں　　ترا حسن کیف پرور مجھے ہر جگہ ملا ہے

پھر داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ قطع عنایت
کر رہے ہیں ؎

تری انجمن میں آؤں تو جلیل کیسے آؤں
غمِ عشق راستے میں مرے ساتھ ہو لیا ہے

جلیل صاحب داد و تحسین پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں ادھر رزمی صاحب چند مہ
پر کاشمن جوہر بجنوری کو زحمتِ تکلم دے رہے ہیں۔ جوہر صاحب
پُر خصوصی ترنم سے ایک پرانی غزل چھیڑ رہے ہیں۔ سنئے ؎

جہادِ عشق میں بے زخم کوئی دل نہیں ملتا　　نشاں ملتا ہے قاتل کا مگر قاتل نہیں ملتا
ذرا اس ڈوبنے والے کی ہمت کو تو دیکھے　　کہ ساحل کے قریب آکر بھی ساحل نہیں ملتا
مشیت فیصلہ کرتی ہے خود ہی ظرفِ انسانی پر　　کسی کو غم نہیں ملتا کسی کو دل نہیں ملتا

اس شعر پر داد کا ایک ہنگامہ سر اٹھا رہا ہے اور آپ جھٹکے ہوئے ہیں ــــ

محبت ہے وہ بحرِ بیکراں اے دل جہاں اکثر　　سفینے ڈوب جاتے ہیں مگر ساحل نہیں ملتا
نقاب اٹھتے ہی گم ہو جائیں جو نظریں تجلی میں
انہیں جوہر مذاقِ دید کا حاصل نہیں ملتا

جوہر صاحب اپنی حسین غزل کے جوہر دکھا کر داد وصول کئے جا رہے ہیں اور ندیمی صاحب محترم جان عالم خاں جاوید بدایونی ایگزیکٹیو آفیسر میونسپل بورڈ میرانہ سے مؤدبانہ درخواستِ کلام کر رہے ہیں جاوید صاحب عطا کر رہے ہیں ــــ یہ

کبھی راہِ محبت میں پریشانی نہیں ہوتی　　یہ منزل طے تو ہوتی ہے بآسانی نہیں ہوتی
زمانہ مجھ دل دیا کو مجرمِ الفت سمجھتا ہے
وہ ایسا کون ہے جس سے یہ نادانی نہیں ہوتی

اور واہ واہ کا شور کم ہوا تو ارشاد ہوتا ہے ــــ

راز سینہ میں جب تک رہے راز ہے　　راز داروں کا کوئی بھروسہ نہیں
اے کے سنتے ہیں جو گھر اڑاتے ہیں یہ　　غمگساروں کا کوئی بھروسہ نہیں

داد مطلع ہی سے شباب پر ہے اور آپ اسی طرح باکنکین سے غزل سرا ہیں ــــ

روز و شب کے پیچھے ہیں تاریکیاں　　ہر ترقی پہ تنزلی کی [illegible]
حسن کی چند روزہ بہاریں ہیں یہ　　ان بہاروں کا کوئی بھروسہ نہیں
ڈوب ہی جائے گا ڈوبنا ہے جسے　　جا بجا ساحل [illegible]
زیر طوفاں کی یہ کنارے بھی ہیں　　ان کناروں کا کوئی بھروسہ نہیں

قبلہ جاوید صاحب خوب خوب داد و تحسین پاکر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور زبیر صاحب زحمتِ سخن دے رہے ہیں جناب مشیر جھنجھانوی کو۔ محترم مشیر صاحب بڑے اعتماد کے ساتھ پُر وقار انداز سے عطا کر رہے ہیں ــــ

آنسو سے ٹھہر جاتے ہیں اسیروں کی طرح
منہ ہاتھ لیں میں پریشاں لکیروں کی طرح

حق لیا جاتا ہے مانگا نہیں جاتا یارو
ہاتھ پھیلاؤ نہ مجبور فقیروں کی طرح

دادِ سے نے ہنر لونگ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ اسی متانت سے عنایت کر رہے ہیں۔

مسکراتے ہوئے کو حق تعلق نہ رہا　　شہر آباد میں ویران جزیروں کی طرح
ہم نے آئینِ تمدن کو سنوارا ہے　　دفن ہیں آج کتابوں میں لکیروں کی طرح
ہر نیا خط ہمیں تقسیم کئے دیتا ہے
زندگی اپنی ہے بے جان لکیروں کی طرح

قبلہ مشیر صاحب محفل کو توانائی اور زندگی عطا کرکے شاداں جا رہے ہیں اور زبیر صاحب نہایت موزوں اور مناسب الفاظ میں تعارف فرماکر قبلہ صوفی زمزم بجنوری کو یاد فرما رہے ہیں قبلہ زمزم صاحب اس پیرانہ سالی میں نہایت وارفتگی سے غزل سرا ہیں ــــ

کیسے ہوا دیوانہ کچھ یاد نہیں آتا　　اف اپنا ہی افسانہ کچھ یاد نہیں آیا
کیا اپنے کبھی ساقی کی آنکھوں سے کبھی پی تھی　　اے عمر [illegible] زمانہ کچھ یاد نہیں آتا
مدت سے نظر آتی ہے یاد مجھے لیکن　　اپنا ہی [illegible] کچھ یاد نہیں آتا
گلزارِ تمنا کی [illegible] کا　　کچھ یاد ہے افسانہ کچھ یاد نہیں آتا
زمزم کا پتہ آج کسی سے پوچھو تو وہ کہتے ہیں
ہوگا کوئی دیوانہ کچھ یاد نہیں آتا

قبلہ زمزم صاحب خوب خوب ترنم کے ساتھ سنا کر خوب خوب داد وصول کرکے کامران پلٹ رہے ہیں لیجئے زبیر صاحب کنول خلیل قتیل بہار صاحب کو دعوتِ غزل دے رہے ہیں جناب بہار صاحب نہایت سلجھے اور دلکش ترنم سے عنایت کر رہے ہیں ــــ

در خورِ محفلِ زنداں کسی عنوان نہ ہوا　　شیخ میخانے [illegible] کر بھی تو انساں نہ ہوا
آفتاب اپنے ہی جلوؤں میں پنہاں لیکن　　پیرہن چاک ہے لیکن [illegible] عریاں نہ ہوا
تم نے جب غنچہ سربستہ پہ ڈالی تھی نظر
ہائے اس وقت مرے پاس گریباں نہ ہوا

داد کا عالم نہ پوچھئے میں نے مشیر صاحب سے عرض کیا کہ کبھی ہائے پورے شعر پر بھاری ہوتا ہے اگر شعر سے ہائے الگ کر دیا جائے تو شعر میں وہ لطف اور جان ہی نہیں رہتی۔ دیکھئے خمار صاحب کا یہ مطلع سنا ہے ــــ

لطفِ دوزخ بھی لطفِ جنت بھی
ہائے کیا چیز ہے محبت بھی

بہار صاحب اور خمار صاحب کے دوسرے مصرعہ میں ہائے کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ لیجئے تو بہار صاحب کئی بار پھر اگر اسی دلکشی سے ــــ

فرما رہے ہیں ؎

دل سے ماضی کی حسیں یاد نہ مٹنے پائی
میکدے میں بھی علاجِ غمِ پنہاں نہ ہوا

پھر دوسرے مصرعہ پر شاعرانہ داد دی جا رہی ہے ساتھ ہی آپ کی تصویر بھی لی گئی ہے ارشاد ہوا ہے ؎

زندگی ہم نے سلیقے سے گزاری ہے بہار
دل بھی یہ شدتِ حرماں سے پریشاں نہ ہوا

بہار صاحب خوب خوب لوٹے شاداں اپنی جگہ آ رہے ہیں [illegible] تعارف فرما کر درخواستِ کلام کر رہے ہیں زبیر صاحب ۔ ۔ ۔ زبیر [illegible] اپنے مخصوص ترنم سے ایک حسین شاہکار غزل پیش فرما رہے ہیں ؎

مزہ [illegible] شام ہی سے خود کو یوں محسوس کرتا ہوں
کہ جیسے ایک دیا ہوں [illegible] ہوا کی زد پہ رکھا ہوں

چمکتی دھوپ کو تم اپنے ہی [illegible]
کہ ساری رات پیڑوں کی طرح بارش میں بھیگا ہوں

کوئی ٹوٹا ہوا رشتہ نہ دامن سے الجھ جائے
تمہارے ساتھ پہلی بار بازاروں میں نکلا ہوں

یوں تو داد مطلع ہی سے شاید پڑ رہی ہے لیکن دوسرے مصرعہ پر داد ہنگامہ کا [illegible] لیا ہے اور آپ لہک رہے ہیں ؎

بکس آواز کا بوسہ [illegible] مرے ہونٹوں پہ کانپا ہے
میں [illegible] شب صداؤں کی حلاوت [illegible] ہوں

بچھڑ کے تم سے [illegible] کوئی ساتھ [illegible]
ہجوم رنگ [illegible] وہ رنگ [illegible] اکیلا ہوں

زبیر صاحب محفل کو نغمگی میں ڈبو کر گئے اور ناظم مشاعرہ نالیوں کی گونج میں پلٹ کر اس عالم نغمہ و سرور میں آپ نے کریمی [illegible] کو یاد فرمایا جا رہا ہے میں سمجھتا تھا شاید مجھے بھول گئے ہیں لیکن [illegible] ملاحظہ فرمائیں تھا آپ نے سماعت فرمائیے ؎

ہر طرف رنگِ بہاراں کئی سالوں کے بعد | یوں نکھر جائیں گے رقصاں کئی [illegible]
سر بکف پھر ہیں شیطاں کئی سال کے بعد | سرخرو ہے کا انساں کئی سال کے بعد
اب تعصب کا اندھیرا نہ ہوا [illegible] | ہر [illegible] کئی سال کے بعد
وہ [illegible] بیروں میں [illegible] | [illegible]
ہر طرف امن و اماں اور سکون [illegible] | کوئی [illegible] کئی سال کے بعد

اور اس دورِ بر زباں کار سے کیا چاہتے ہو
لب پہ پھر مصرعِ احسان ہے کئی سال کے بعد

اس تضییعِ اوقات کے لئے معذرت خواہ ہوں آپ نے [illegible] غزل کی محفل میں لوٹ چلیے [illegible] مشہور خوش گو خوش رو خوش پوش جواں سال شاعر شمیم [illegible] لیں آپ داد دیں غزل سرا ہیں ؎

جو ہنس ہنس کے ہر غم کو گوارا کر رہے ہیں | یہ بھی اک غم کا مارا کر رہے

دوسرے مصرعہ پر داد نے شہرتوں کو ختم دیا ہے کئی بار دہرا کر پوری محفل کو معطر بنا رہے ہیں ؎

کنارا ابھی جس کا [illegible] کنارا کرے ہے | مدد اس کی طوفاں کا دھارا کرے ہے
پڑا ہے جو دیوانہ تیری گلی میں | خدا جانے کس کو پکارا کرے ہے

پھر داد دینے والے خصوصاً نوجوان اور سن چلے بے حال ہو چکے ہیں آپ اسی سج دھج سے یوں محفل کو گرما رہے ہیں ؎

خدا اس کے دامن کو خوشیوں سے بھر دے | وہ ظالم جو تجھ سے مارا کرے ہے
تغافل سے جیتی نہیں ہے محبت | تغافل تو اور آشکارا کرے ہے

شمیم اس نے ساحل پہ مجھ کو ڈبویا
جو ڈوبے ہوؤں کو ابھارا کرے ہے

شمیم صاحب محفل کو چونکا کر تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہے اور زبیر صاحب ماسٹر توصیف علوی کیرانوی کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں قبلہ توصیف صاحب حسبِ عادت یہاں وہاں سنا رہے ہیں ؎

تاریکیِ حیات میں کیسے غزل کہوں | اس بے پناہ [illegible] میں کیسے غزل کہوں
دو چار اور گام چلو تم بھی میرے ساتھ | تنہا رہِ حیات میں کیسے غزل کہوں

روشن کرم کہیں ہے نگاہِ کرم کہیں
اس طرزِ التفات میں کیسے غزل کہوں

توصیف صاحب مناسب داد وصول کئے جا رہے ہیں اور زبیر صاحب درخواستِ کلام کر رہے [illegible] استاد شاعر جناب شوق اثری [illegible] سے۔ قبلہ شوق نے توصیف صاحب کو بھی پڑھنے میں پیچھے چھوڑ دیا دو دو ایک سنا کر یہ چلا اور وہ جا میں منہ دیکھتا رہ گیا چلتے آپ سنئے گا ؎

بے شک جو بے خودی کا سمندر نہیں ہوں میں | شاید خود آگہی کو میسر نہیں ہوں میں
اوراقِ ذہن و دل پہ مرا نام دیکھنا | یادوں کسی کتاب کے اندر نہیں ہوں میں

...ذوقی صاحب کو خوب خوب سنا گیا اور خوب خوب داد دی گئی
...کے ساتھ ہی ۱/۲ ۱ بجے اس محفل شعر و سخن کا پہلا دور نہایت
...یابی کے ساتھ ختم ہو رہا ہے پھر دوسرے دور کا مطالبہ ہوتا کہ
...تک مشاعرہ جناب ... پہلا دور ہی ... کامیاب اور ...
...کرہ گیا تو دوسرے دور کی ضرورت ہی کہاں رہی میں نے کئی حضرات
...کہتے ہوئے سنا کہ دوسرا دور نہ ہوا شاید وہ نہیں جانتے کہ پہلی
...کے بعد نماز فجر ہو جاتی ہے پھر دوسرا دور حضرات یہ تو فرمایئے جب
...دو دو وقتیں ... کی گنجائش تو دوسرے دور کی
...کیسی ۔ مجموعی طور پر مشاعرہ نہایت ہی کامیاب اور ...

رہا جناب محترم جاوید بدایونی ۔ چودھری اختر حسن پریذیڈنٹ ...
کیراڈ ۔ جناب مظفر وزیری وغیرہ نے شعرائے کرام کی خوب خوب خاطر مدارات
کی اور ہر طرح سے میزبانی کے فرائض انجام دئے ۔ اس مشاعرہ کو کامیاب
کرانے میں انہی حضرات نے بڑی جدوجہد فرمائی اور کیراڈ کے ساتھین
بھی مستحق مبارکباد ہیں کہ انہوں نے حسب سابق اپنے مشاعرہ کو
آخر تک خوب ڈٹ کر اور جم کر سنا اور شعرائے کرام کو خوب خوب
داد و تحسین سے نوازتے رہے ۔ اچھا خدا حافظ ۔ بہت
جلد حاضر خدمت ہو کر کوئی مشاعرہ پیش کروں گا انشاء اللہ
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

از الاہر سرفروش یزدانی

قول جمیل
(خسرو کے لطائف)

التماس

امیر خسرو کے والد انہیں اور ان کے بھائی کو خواجہ
نظام الدین اولیاؒ کے دولت کدہ پر لے گئے ۔ خسرو دروازے
ہی پر بیٹھ گئے اور فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھا

تو آں شاہے کہ بر ایوان قصرت || کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بر در آمد || بیاید اندروں یا باز گردد

دل میں سوچا اگر خواجہ صاحب دلوں کا حال جانتے ہوں گے
تو اس کا جواب دیں گے نیز اندر آنے کی اجازت مرحمت
فرمائیں گے ۔ ابھی خسرو یہ سوچ ہی رہے تھے کہ خواجہ نے اپنے
... کو بلایا اور کہا، باہر دروازے پر ایک ترک بچہ
... ہے اسے یہ اشعار سنا دو

بیاید اندروں مرد حقیقت || کہ با ما یک نفس ہمراز گردد
اگر ابلہ بود آں مرد نادان || از آں راہے کہ آمد باز گردد

رہائش

خسرو کے استاد ان کو لے کر اپنے دوست کے گھر گئے
... اپنے شاگرد رشید کی خوب تعریف کی خواجہ اعز الدین نے

یار الفاظ مو، بیضہ، تیر، خربزہ کہہ کر خسرو سے فرمائش کی
ایک رباعی موزوں کریں جس میں یہ چار الفاظ آ جائیں۔
خسرو نے چند ہی لمحات ...... کے بعد رباعی پڑھی

ہر موئے کہ در دو زلف آں صنم است
صد بیضۂ عنبریں برآں موئے ضم است
چوں تیر بداں راست دلش زیرا
چوں خربزہ دندانش میانِ شکم است

حسن فیصلہ

خسرو نے "گلستان" کے طرز پر ایک کتاب لکھی اسے پڑھ کر
ان کے مرشد سلطان المشائخ نے خوب تعریف کی نیز کہا گلستان
کا سا حسن و لطافت اس میں نہیں ۔ خسرو یہ سن کر دل شکستہ ہوئے
دوسرے دن پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا
اور بیٹھ گئے ۔

تھوڑی دیر بعد کہا رات خواب میں سرور کائنات حضرت
محمد مصطفےٰ کی زیارت نصیب ہوئی ۔ میں نے دیکھا آپ کے داہنے
شیخ سعدیؒ اور بائیں جانب سلطان المشائخ دست بستہ باادب

کمرے میں اور حضرت محمد کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول ہیں۔ میں نے جو قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب حضرت سعدیؒ کی گلستاں ہے۔

خوبرویانِ ہند

خسرو نے حسنِ بنگال و کشمیر کے ساتھ ساتھ دکن کی سیاہ فام حسیناؤں کو بھی دیکھا تھا۔ ان کے چہروں کی ملاحت آمیز صباحت سے بھی وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ کسی نے ان ہی خوبرویانِ ہند کے سیاہ رنگ پر طنز کیا۔ خسرو کے دل پہ چوٹ لگی تلملا اٹھے اور معترض کو یہ شعر سنا کر خاموش کر دیا۔

ہندوا اے مدعی طعنہ بہ تاریکی مزن
زانکہ اندر ظلمت آبِ حیواں مضمر است

کاغذ کی قیمت

خسرو کی گراں قدر ادبی خدمات کے علاوہ ان کی گوناگوں خوبیوں سے متاثر ہو کر سلاطین نے ان کو انعامات سے خوب نوازا۔ جب کسی نے بادشاہ کے صلہ و ستائش اور داد و دہش کا ان سے ذکر کیا تو نہایت سنجیدگی بلکہ قدرے لاابالی انداز میں کہا میرا سخن بجائے خود ایک گنجینہ ہے اگر کوئی بادشاہ مجھے اس کے صلہ میں فریدوں اور جمشید کا خزانہ بھی عطا کرے تو وہ صرف کاغذ کی قیمت ہو گی میرے کلام کی نہیں۔

گوری سوئے

حضرت امیر خسرو کو اپنے پیر و مرشد سے بڑی محبت تھی۔ جب انہیں ان کے وصال کی خبر معلوم ہوئی تو روتے پیٹتے دہلی پہنچے۔ خانقاہ کے دروازہ پر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا

ایں مکانیست کہ منزل گہِ جاناں بودہ است
راہ آمد شدہ آں سرو خراماں بودہ است

اور جب خواجہ صاحب کے مزار پر پہنچے تو بے تاب ہو کر مزار اقدس سے لپٹ کر پڑھتے رہے

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر اپنے رین بھئی چہوں دیس

انوکھی تشریح

ایک شب سلطان جی اپنے کسی سیاح جہاں فقیر کی طول کلامی سے اکتا کر کبھی انگڑائیاں لیتے اور کبھی جمائیاں۔ گاہے گاہے پہلو بدل کر بیٹھتے تھے۔ آخر نوبت بجی۔ سلطان جی نے خسرو سے کہا یہ کیا بجا ہے۔ خسرو نے کہا حضور! آدھی رات کی نوبت بجی ہے۔ سلطان جی نے فرمایا۔ اس میں کیا آواز آتی ہے۔ خسرو نے کہا

نان کے خوردی خانہ برو نان کے خوردی خانہ برو
خانہ برو خانہ برو نان کے خوردی خانہ برو
ہر کہ بدست تو کردم خانہ برو خانہ برو خانہ برو

خسرو کی اس تشریح سے سبھی لطف اندوز ہوئے اور فقیر نے خدا حافظ کہہ اپنی راہ لی

یومِ جمہوریہ

از کلیم سرونجی

ہائے وہ عہدِ غلامی اُف وہ دَورِ خوں فشاں   قید میں تھا پنجۂ افرنگ کے ہندوستاں
گر رہی تھیں پے بہ پے امن وسکوں پر بجلیاں   اور لبِ بیکس پہ تھی صدائے الاماں

وہ فرنگی دَور تھا یا دَورِ استبداد تھا
جس طرف دیکھو اُدھر خنجر بکف جلاد تھا

کھا رہے تھے گولیوں پر گولیاں اہلِ وطن   مسکرا کر چوم لیتے تھے کہیں دار و رسن
اور جب بھڑکے تھے شعلے انجمن در انجمن   اپنی آزادی کی خاطر باندھ کر سر سے کفن

گھر سے نکلے گولیاں سینوں پہ کھانے کیلئے
دستِ افرنگی سے بھارت کو چھڑانے کے لئے

ایک جانب سرفروشانِ وطن تھے سر بکف   ایک جانب فوجِ افرنگی کھڑی تھی صف بصف
چھن رہے تھے سارے آقاؤں کے جب عز و شرف   پرچمِ ہندوستاں لہرا رہا تھا ہر طرف

اور جب طوقِ غلامی ہو رہا تھا پاش پاش
ہو رہی تھی پیکرِ جور و جفا کی دفن لاش

آگئے تھے جمع ہو کر ایک مرکز پر عوام   جاں بلب تھا عہدِ افرنگی کا فرسودہ نظام
خواجگی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے صبح و شام   ہو رہا تھا ہند میں جمہوریت کا اہتمام

ہو رہا تھا فیصلہ اب حاکم و محکوم کا
خونِ ناحق لا رہا تھا رنگ ہر مظلوم کا

اب نہ وہ صیاد باقی ہے نہ وہ کنجِ قفس   سوئے مغرب چل دئیے مشرق سے سب اہلِ ہوس
متحد ہو کر رہیں اب تو اگر اے ہم نفس   چاند تاروں پر ہماری ہوگی اک دن دسترس

چونکہ صدیوں میں میسر آئے ہیں شادی کے دن!
ہم نے پائے ہیں بڑی مشکل سے آزادی کے دن

دھوم سے خوشیاں مناؤ آج ہے پندرہ اگست   گیت آزادی کے گاؤ آج ہے پندرہ اگست
سب گلی کوچے سجاؤ آج ہے پندرہ اگست   دیپ سب مل کر جلاؤ آج ہے پندرہ اگست

اور ہر غدار کے چہرے کو کر دو بے نقاب
بس نگہِ اندرا جی کے بناؤ کا میاب

اندرا گاندھی

(ڈی) - این ہیرا آمر جالنوی

سورج میں جو چمک ہے، وہ اندرا کے نام کی || تاروں میں جو دمک ہے وہ اندرا کے نام کی
پھولوں میں جو مہک ہے، وہ اندرا کے نام کی || گلشن میں جو مہک ہے وہ اندرا کے نام کی
ہر سمت ہے سکون ہر اک شاد کام ہے
کہتے ہیں جس کو امن وہ اندرا کا نام ہے



اندرا کی زندگی میں سحر کیا ہے شام کیا || یک مشغلہ ہے کھیل ہے دن رات کام کیا
کیا گردشِ نجومِ فلک کا نظام کیا || تقدیر اُس کے ہاتھ ہے اُس کا مقام کیا
منزل جھلک اُٹھی ہے وہ یوں تیز گام ہے
کہتے ہیں جس کو امن وہ اندرا کا نام ہے



اِک اِک کے کام آئی بڑی باوفا بھی ہے || کہنے کو آدمی ہے مگر دیوتا بھی ہے
بحرِ سیاست میں وہ ناخدا بھی ہے || اپنی شکستہ کشتی کا اک آسرا بھی ہے
اُس کے ہی دم سے ہند کا اونچا مقام ہے
کہتے ہیں جس کو امن وہ اندرا کا نام ہے

جوہر بسودی

ہمارا وطن

پیامِ مسرت عروس نظارا | الوکھا انوکھا نرا لا نرالا
کسانوں غریبوں کی عظمت کا تارا | ہوا آج آزاد بھارت ہمارا

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

مرا ملک جنت نشاں بن گیا ہے | محبت کی اک داستاں بن گیا ہے
سپاہی ہر اک نوجواں بن گیا ہے | ترقی میں فخرِ جہاں بن گیا ہے

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

ہمالہ کے پربت امرت دھارے | کہیں ہمت گنگ و جمن کے نظارے
کہیں رقص کرتے ہوئے چاند تارے | وہ صبحِ بنارس کے رنگیں اشارے

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

ہیں نیتا جی سبھاش بھی جاودانی | بھگت سنگھ کی زندہ پائندہ کہانی
فدائے وطن ویر جھانسی کی رانی | جو اہر کی ہے یہاں پاسبانی

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

ترنگا یہ پرچم جو لہرا رہا ہے | غلامی سے آزاد احساس کیا ہے
اسے خون یاپو نے اپنا دیا ہے | ہر اک دل میں بسا سکا سکہ جما ہے

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

یہ موقع ہے اب نہ بخشش جگمگی کا ہو | نہیں کچھ خیال اپنی ہستی کا جواہر
ہر اک نوجوان اپنی بستی جو ہر کا | سہارا ہوا اندرا کی کشتی کا ماہر

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

(جوہر بسودی)

وزیرِ اعظم ہندوستان ۔ شریمتی اندرا گاندھی
کے ۲۰ نکاتی پروگرام کی طرف نوجوانانِ وطن
کی توجہ مبذول کرانے کے لئے !

کشتی کی رفتار کو روکو | یا پھر اس منجدھار کو روکو
شعلوں سے گلزار بچاؤ | دہکی ہوئی انگار کو روکو
شبنم کا دل ٹوٹ نہ جائے | گل کو روکو خار کو روکو

تم ہو آخر ابنِ مریم
جاتے ہوئے بیمار کو روکو

میخانہ بدنام ہو جس سے | ایسے ہر میخوار کو روکو
دل کو تمنا دل سے بچالو | دشمن کے ہر وار کو روکو
آئینِ جمہور کو سمجھو | اپنے غلط کردار کو روکو

جوہر اپنا فرض سمجھ کر
ملک کے اس ادبار کو روکو

(نتیجۂ فکر جوہر بسودی)

بقیہ پندرہ اگست

ہنستے ہوئے چلو کبھی گاتے ہوئے چلو | آؤ قدم قدم سے ملاتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو | جھنڈے کی آن بان دکھاتے ہوئے چلو

جشنِ طرب ہے دھوم مچانے کی موسم ہے

نہرو سبھاش گاندھی و آزاد کا نثار | اک اک ہے دل سے تمام جہاں پر نثار بار
یہ دیس کے امینِ شجاعت کے تاجدار | ہر شخص ان کی یاد میں ہے آج بے قرار

دنیا کے ہیں جو دہ بجانے کا موسم ہے

اسماعیل ذبیح

آزادی

مچل کے ساز بجایا ہے کس نے ساون میں ‖ بھڑک اٹھا جو حسینوں کا حسن چلمن میں
مہک رہے ہیں بہاروں کے پھول دامن میں ‖ اچھل رہے ہیں محبت کے گیت گلشن میں
کدورتیں جو محبت سے ہو گئیں ہیں دور
تمام لوگ مسرت سے ہیں یہاں مسرور

خلوص اور محبت سے دل ہیں سب بیدار ‖ نشاطِ جوشِ مسرت سے ملک ہے سرشار
قدم قدم پہ ترقی کے ہیں یہاں آثار ‖ فدائیانِ محبت کی ہے نئی سرکار
چمک گئی ہے سب کی زندگی اس سے
یہ جشنِ نو ہے پائی ہے روشنی اس سے

خیالِ رفعتِ گوتم سے شادماں ہیں سبھی ‖ پیامِ وحدتِ نانک سے کامراں ہیں سبھی
یہاں امانتِ گاندھی کے پاسباں ہیں سبھی ‖ یہاں سیاستِ نہرو کے رازداں ہیں سبھی
عظیم لائقِ تعظیم ہیں سبھی اس کے
کریم لائقِ تکریم ہیں سبھی اس کے

یہ خاکِ ہند سے پیدا ہوئے کئی رہبر ‖ نثار جان سے ہوتے تھے ان پہ سب قیصر
وہ نکتہ سنجِ سیاست جہاں کے تھے سرور ‖ جہاں میں تیرے نہیں کوئی ان سے اب برتر
خیال و فکر کے سنو ماہتاب چمکے ہیں
اسی زمیں پہ کئی آفتاب چمکے ہیں

وہ فخرِ دہر کہ ہندوستان ہے گاندھی ‖ نظامِ دہر کی اک آن بان ہے گاندھی
شہیدِ عزم ارادے کی جان ہے گاندھی ‖ اہنسا اور محبت کی شان ہے گاندھی
جہاں میں ہند کا باپو سے نام روشن ہے
اسی سے ہند کا سارا نظام روشن ہے

اسی کا ذکر یہاں بار بار ہوتا ہے ‖ اسی کی یاد سے دل بیقرار ہوتا ہے
پیمبروں میں بھی اس کا شمار ہوتا ہے ‖ زمانہ نام پہ اس کے نثار ہوتا ہے
رکھا ہے ہند میں گاندھی نے سنگِ آزادی
اچھل رہا ہے اسی سے یہ رنگِ آزادی

جو رہبرانِ سیاست میں کام کرتے ہیں ‖ وطن کے نام کو روشن مدام کرتے ہیں
دعا پہ ختم ہم اپنا کلام کرتے ہیں ‖ ادب سے اہلِ چمن کو سلام کرتے ہیں
خدا کرے کہ وطن میں یہی نظام رہے
میری دعا ہے درخشاں وطن کا نام رہے

بیس نکتوں کا پروگرام (علامہ گوپی ناتھ امن)

اندرا جی نے دئے ہیں جو ہمیں بیس نکات   انھیں نکتوں سے ملے گی مرے بھارت کو نجات
ہے یہ مقصد کہ غریبی سے ملے سب کو نجات   فرق مٹ جائے جو قائم ہے یہاں طبقات

ہو نئے دور کا آغاز وطن میں اپنے
یعنی اک تازہ بہار آئے چمن میں اپنے

پہلا نکتہ ہے کہ بھارت میں گرانی کم ہو   زندگی کی جو ضرورت ہے ملے وہ سب کو
ایک دانہ جہاں اگتا ہے وہاں پر ہوں دو   اے جوانانِ وطن آگے بڑھو آگے بڑھو

خرچ سرکار کے صیغوں میں بھی کم ہوتا ہے
اس طرح قوم کو آزادِ الم ہونا ہے

کام کچھ لوگ جو کھیتوں میں کیا کرتے ہیں   اوروں کی دی ہوئی اجرت پہ جیا کرتے ہیں
سود پہ قرض مہاجن سے لیا کرتے ہیں   ایک کے بدلے میں وہ دو دو دیا کرتے ہیں

ان کے کھیت اپنے ... زمیں اپنی ہو گھر اپنے ہوں
چاہے کم رقبے میں وہ گھر ہوں مگر اپنے ہوں

سیکڑوں بیگھے پر بار اس کے اک ایسا ہے کسان   اور اک ایسا کہ بس کچھ بسوؤں ہی پر ہے گذران
لیکن ایک سماج اب تو کریں گے نرمان   پست جس میں نہ ہو رقبہ میں کوئی بھی انسان

یوں تو اب دورِ غلامی کا کہاں باقی ہے
اس کا لیکن کہیں ایک آدھ نشاں باقی ہے

ابھی کچھ لوگ غریبی میں جو کرتے ہیں بسر   پاس ان کے نہ زمیں کوئی نہ اپنا کوئی گھر
چاہئے خود کو نہیں وہ اہل دول کا چاکر   مادہ ان میں ترقی کا ہے متوقع ہو اگر

ان کی خودداری کے جذبات کو اکساتا ہے
ان کی بہبود کا راستہ انھیں بتلاتا ہے

یہاں بیگاری کی لعنت جو چلی آتی ہے   پست قوم اس سے کہاں کوئی ابھر پائی ہے
دھوپ گرمی کی دوپہری کی وہ سہہ جاتی ہے   روٹی کھاتی ہے اوجھن سے فقط کھاتی ہے

لوہری لوپی میں دیکھے کوئی حالت کیا ہے
زندگی کیسی ہے اندازِ معیشت کیا ہے

قرض لیتے تھے ضرورت کو جو بیچارے کسان   ان کا قرض ہوا گر کوئی کہیں بے ایمان
اس کی گردن پہ چھری ایک لٹکتی ہر آن   جانے کب ضبط ہو یک وقت ہوں کھیت اور مکان

اُن کو اس قرض سے اب چھٹکارا دلانے
ہوا احساس حکومت کو یہ بیچارہ ہے
کام کرنے کے لئے کھیت پہ جو جاتے تھے   جو بھی دیدیتا تھا مالک وہی پاتے تھے
غرضِ مقصد کی یہ حرمات تھی وہ فرماتے تھے   عرض کرتے بھی تو کیا جبر کی فقط کھاتے تھے
حرمات غرض بڑھی ان میں ہی کیا کم ہے
کہہ تو سکتے ہیں یہ منہ بھر کے کیا کیا غم ہے
لاکھوں بیگھے پڑی تھیں جو زمینیں بیکار   جن میں اب گھاس کا تنکا بھی نہ اُگتا زنہار
اب یہ کوشش ہے کہ کی جائیں کچھ ایسی اذکار   تاکہ بن جائیں وہ کچھ بونے کے قابل اکبار
جب اُپج ہو گی تو پھر ملک بھی شاداں ہو گا
جو بھی اس ملک میں رہتا ہے وہ فرحاں ہو گا
پہلے اک دور تھا انساں کی ضرورت کم تھی   جتنے سامان ضروری تھے وہ حاصل تھے سبھی
پھر جو قلت ہوئی تو بھاپ کی ایجاد ہوئی   ریل اس سے چلی فیکٹری بھی اس سے چلی
آج جس دور میں اس دہر میں ہم رہتے ہیں
برق کا دور اسے اہلِ خرد کہتے ہیں
برقی طاقت کو بڑھائیں پئے بہبودِ وطن   صنعتیں پائیں فروغ اس سے تو ہوں لوگ مگن
ایٹمی دور کا بھی جلد ہی آتا ہے زمن   اس سے اوسر جو ہیں بن جائیں گے سب گلشن
اپنا موقف تو ہے تعمیر ہے تخریب نہیں
ہم کو منظور شکستِ خمِ تہذیب نہیں
کارخانوں کی نہ اس ملک میں پہلے تھی نمود   چرخے اور کرگھے میں مضمر تھی یہاں کی بہبود
ملک میں آ گئی غیروں کی حکومت مردود   اس میں تھا اپنا زیاں جس میں کہ اس کا تھا سود
چرخے کو کرگھے کو اک بار پھر اپنانا ہے
گاندھی جی کا یہی اس ملک سے فرمانا ہے
عام لوگوں کو جو ملتا ہے ملوں کا کپڑا   کچھ دنوں سے نظر آنے لگا ہے گھٹیا سا
اس کو دینا ہے فروغ ایسا کہ بہتر ہو ذرا   غرض یہ بھی کافی ہو نظروں میں نہ ہو وہ بھدا
مل کے کپڑوں کی جگہ اس کا چلن ہو جائے
ملک خوشحال ہو جنتا بھی مگن ہو جائے
شہر میں کتنی زمینیں پڑی ہیں بیکار   جوتنے بونے کی ان کو نہیں پروا زنہار
ہے خیال ایسا کہ قبضہ کرے ان پر سرکار   تاکہ ہلچل سی مچے اہلِ دول میں اکبار
ہوں گی سرکار کے قبضہ میں تو کام آئیں گی
ہر غرض مند کے اغراض کو بر لائیں گی
اونچے اونچے جو نظر آتے ہیں گھر عالی شان   سچ یہ ہے ان کے لئے بیچا گیا ہے انسان

خود غرض ہو گئے کس درجہ جہانگیں اعمال جیسے ان کے لئے مرتا ہے نہ کوئی بھگوان
ان کی بنیاد میں خونِ غربا پائیں گے !
اہلِ دل دیکھ کے اس حال کو شرمائیں گے

چور بازاری پہ کچھ روک لگی تو ہے مگر جا بجا آج بھی ہے اس کا نمودار اثر
پست اقوام کو کس طرح سے حاصل ہو گی نہ ہر قوم کو ہے فکر یہی شام و سحر
وہ جو سرودے کا پروگرام تھا گاندھی دیا
وہ پروگرام تو آچاریہ تلسی نے دیا

لوگ لائسنس تو آسانی سے لے لیتے ہیں بیچ کر ان کو مگر خوب مزے لیتے ہیں
چند سرکاری ملازم میں جو لے لیتے ہیں زندگی بھر کا وہ سامان کٹے لیتے ہیں
سادہ باز ایسا ہے گہرا ہے تعلق اُن کا
قابلِ دید ہے حد درجہ تملق اُن کا

ہیں جو مزدور وہ مجبور رہیں گے کب تک یعنی خودداری سے معذور رہیں گے کب تک
خدمتِ غیر پہ مامور رہیں گے کب تک خارج از حصۂ مقدور رہیں گے کب تک
ان کی قسمت کو بہر حال بدلتا ہوگا
ان کو بھی جادۂ بہبود پہ چلنا ہوگا

٭ ٭ ٭ ٭
٭

پندرہ اگست

نثار گورکھپوری (بیرواچندن پور)

پھر پندرہ اگست منانے کی دھوم ہے بیتے دنوں کی یاد دلانے کی دھوم ہے
عزم و عمل کی راہ دکھانے کی دھوم ہے خوابِ گراں سے سب کو جگانے کی دھوم ہے
اُٹھو کہ آج ہوش میں آنے کی دھوم ہے

ہم کو تھی جس وطن کی ہمیشہ ہی جستجو اسلاف نے بہا دیا جس کے لئے لہو
لے دے کے آج پوری ہوئی دل کی آرزو سر دے کے رکھ لی خوب شہیدوں نے آبرو
دل کی مراد آج بر آنے کی دھوم ہے

جور و ستم کا سیلِ رواں اب نہیں رہا یاس و الم کا نام و نشاں اب نہیں رہا
اغیار کا کسی پہ گماں اب نہیں رہا صحنِ چمن میں خوفِ خزاں اب نہیں رہا
اب گلشنِ حیات سجانے کی دھوم ہے

اب تو رواں دواں ہے محبت کا قافلہ شکوہ کسی کو کچھ نہ کسی سے کوئی گلہ
دل میں کہاں تھا پہلے اخوت کا ولولہ تھا سب کا صرف ایک عداوت سے واسطہ
سب کو گلے سے آج لگانے کی دھوم ہے

تو نے بخشی ہے غریبوں کو اماں

ساجد فتحپوری

شاد باش اے مادرِ ہندوستاں
تو نے بخشی ہے غریبوں کو اماں

کب رہا ہے [illegible] کا بانکپن
جس کے پھولوں سے چمکتا ہے چمن

جشنِ جمہوری کا یہ اعجاز ہے
زندگی کا جس میں پنہاں راز ہے

بے مثالی ہے ہماری ایکتا
غیر رہ جاتا ہے اس کو دیکھتا

یاد ہے گزرا زمانہ آج بھی
اہلِ زر کا مفلسوں پر راج بھی

رہن تھی کل چند سکوں پر زمیں
سود خواروں کا ستم تھا بالیقیں

اک شلوکہ تن پہ تھا بے آستیں
اور تن پوشی کو دھوتی بھی نہیں

اڑتی پھرتی تھیں بغل کی دھجیاں
تھیں کفن کو بھی ترستی ارتھیاں

پست طبقہ حاملِ زنجیر تھا
چلتی پھرتی جیسے اک تصویر تھا

پاؤں ننگے چلتا تھا جو ریت پر
حق نہ تھا اس کا خود اپنے کھیت پر

اب نہیں محتاج ساہوکار کا
آدمی کوئی کسی پریوار کا

پاؤں گا میں اپنی محنت کا صلا
اب مقدر کا نہ ہوگا کچھ گلا

اب نہیں مقروض میں زردار کا
میں ہوں مالک اپنے کاروبار کا

عزم مستحکم ہے ہمت بے مثال
ہے نچھاور تاج کا حسن و جمال

ظلم زرداروں کا سہہ سکتا نہیں
کوئی راون بن کے رہ سکتا نہیں

ذات و مذہب کا نہیں کوئی بھرم
شان سے آباد ہیں دیر و حرم

لہلہاتے کھیت ہیں یہ دیکھ کر
اٹھ نہیں سکتی کسی کی بد نظر

ہاتھ میرے ہل میرا میری زمیں
کوئی ان کو چھین سکتا ہی نہیں

اونچے ہوں گے پست ماندہ اور دبے
تاکہ حق جینے کا ان کو بھی ملے

گاؤں گاؤں جل رہی ہیں بجلیاں
شاد ہیں نل کوپ ہی سے کھیتیاں

یہ ہے لعنت ہم کریں اس سے گریز
دیش میں پھیلی ہے جو رسمِ جہیز

فیملی پلاننگ کا چرچا عام ہے
صرف دو بچوں ہی میں آرام ہے

بچہ بچہ پیکرِ ایثار ہے
بیس نکتوں کا ہی پالن ہار ہے

آئی ہے تبدیلی جو دس سال میں
مٹ نہیں سکتی کسی بھی حال میں

ہو رہی ہے جن سے تعمیرِ حیات
یا خدا پھولیں پھلیں بیسوں نکات

اب ہمالیہ کی حسیں وادی ملی
اب مکمل ہم کو آزادی ملی

دیش میرا میں ہوں ساجد دیش کا
منتظر ہوں دیش کے سندیش کا

ڈاکٹر غیاث عارف ایک مختصر خاکہ

سید علی حسنین نقوی ایم ایس سی (علیگ)

جناب ڈاکٹر سید غیاث الدین احمد المتخلص بہ عارف؛ اب آندھرا پردیش کے ادبی حلقوں میں "ڈاکٹر غیاث عارف" کے نام سے مشہور ہیں آپ کے والد ماجد سید عزیز الدین احمد مرحوم طبیب یونانی تھے۔ فن شعر سے بھی گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ عزیز تخلص فرماتے تھے

یوں تو ڈاکٹر غیاث عارف کا آبائی وطن حیدرآباد (دکن) ہے لیکن آپ ۸ رمئی ۱۹۳۹ء کو نلگنڈہ میں تولد ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم بھی حاصل کی۔ نلگنڈہ سے ۱۹۵۴ء میں "ہائر سیکنڈری سرٹیفکٹ" حاصل کیا۔ پھر حیدرآباد تشریف لے آئے جہاں آپ نے سٹی کالج، سے انٹرمیڈیٹ کیا اور عثمانیہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۷ء میں "بی وی ایس سی اینڈ اے ایچ" کی ڈگری لی۔ جنوری ۱۹۶۸ء سے بحیثیت "وٹرنری اسسٹنٹ سرجن" مختلف سرکاری ہوسپٹلس میں کارگزار رہے ہیں۔ اور ہیڈ کوارٹرس گورنمنٹ وٹرنری ہاسپٹل کریم نگر پر اپنے فرائض منصبی انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر غیاث عارف کی ادب سے دلچسپی کا محرک آپ کے استاد اردو جناب سید وحید اللہ وحید کا پرکشش انداز تعلیم اور آپ کے والد مرحوم کی غیر معمولی ادبی دلچسپیاں تھیں چنانچہ یہ بچپن ہی سے شعر و ادب کی طرف مائل ہو گئے۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ڈاکٹر غیاث عارف کو ادب و حکمت کا ذوق نفیس، ورانتاً ملا ہے جسے ادبی محفلوں اور علمی صحبتوں نے اور چمکا دیا گھر کا ماحول بھی شاعرانہ تھا۔ آئے دن مشاعرے ہوا کرتے تھے جہاں یہ اپنے والد مرحوم کے ہمراہ ہمیشہ شریک ہوا کرتے۔

ابتداً ڈاکٹر غیاث عارف کو اساتذہ سخن کے پسندیدہ اشعار جمع کرنے اور بیت بازی کے لئے نت نئے شعر یاد کرنے کا شوق تھا۔ آپ کا حافظہ بھی خوب ہے۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی ان کا ادبی ذوق بھی بڑھتا گیا۔ جناب نظیر علی عدیل، سعید شہیدی، روحی، احمد سافر قندھاری جیسے ممتاز ادب نواز حضرات کے ساتھ رہتے ہوئے خوب روز شعری ماحول میں پروان چڑھتے رہے۔ ڈاکٹر غیاث عارف نے اپنی پہلی غزل ۱۹۶۳ء میں کہی جسے متذکرہ بالا شعراء نے کافی سراہا۔

جہاں تک استفادہ اور تلمذ کا تعلق ہے ڈاکٹر صاحب نے پہلے پہل اپنے والد ماجد جناب سید عزیز الدین عزیز مرحوم سے ادبی رہنمائی پائی اور پھر جناب نظیر علی عدیل (تلمیذ صفی اورنگ آبادی) سے استفادہ کیا۔ اور اب جب سے کریم نگر تشریف لائے ہیں جناب ریاست علی صاحب صدیقی تاج کریم نگری (ایم۔ اے۔ بی ایڈ عثمانیہ) سے باقاعدہ مشورۂ سخن کیا کرتے ہیں اتفاقاً انہیں جو اساتذہ فن ملے ہیں سب کے سب زبان و بیان کی صفائی اور روانی، کلام پر زور دیتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر غیاث عارف کا کلام بھی صاف ستھرا ہوتا ہے۔ ابتک ڈاکٹر صاحب کو طرحی و غیر طرحی کوئی دس بارہ مشاعروں میں پڑھنے کا موقع ملا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ تقریباً ہر مشاعرے میں آپ داد سخن پاتے ہیں۔ ڈاکٹر غیاث عارف [illegible] پڑھنا پسند کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ خوب پڑھتے ہیں سلیس زبان اور چھوٹی بحریں عارف صاحب کو [illegible]

ڈاکٹر غیاث عارف خاموش طبیعت کے [illegible] اور انسانی نفسیات کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے احساسات اور مشاہدات کو شعر کے آئینہ میں بھی اسی انداز سے منعکس کر دیتے کے قائل [illegible] آپ کے غزل میں بہترین شعر وہ ہے جو سادہ اور

سلیس ہوتے ہوئے بھی سننے والے کے دل پر گہرا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ کی شاعری شوکتِ لفظی سے کہیں زیادہ محسوسات کی شاعری ہے۔ سلیس پیرائے میں معنویت کے چند نمونے دیکھئے۔ سہ

اور بھی آشیاں ہیں گلشن میں : کیوں مرا آشیاں ہی جلتا ہے؟!
مدعا کو وہ منہ پھیر کر ؛ داستاں مختصر ہو گئی
تیری محفل سے اٹھنے کے بعد ؛ کیوں نظر۔ در بدر ہو گئی

آپ کے اسلوب کی سلاست اور چاشنی واقعی بڑی دلچسپ ہے۔ ان کا کلام دیکھنے یا سننے سے کوئی اکتاہٹ قطعی محسوس نہیں ہوتی ـــــ یوں تو خودداری اور شعورِ انا ہر فنکار اور صاحبِ فکر و فہم میں ہوتی ہی ہے لیکن ان مرحلوں پر ڈاکٹر غیاث عارف نے جو تیور اختیار کیا ہے دیکھئے کیسا دلکش ہے۔

کیا جائے ان سے مانگنے لطف و کرم کی بھیک
ہونے لگے ہیں جب متحمل عتاب کے
آزمانا اگر ہو تاب نظر ؛ سامنے بے نقاب آئے کوئی
میرا سر جھک گیا جس جگہ ؛ نام اس کا حرم ہو گیا
مشکلیں منہ چھپاتی پھریں ؛ سوئے منزل قدم جب بڑھے
آشیاں کس لئے بنائے کوئی ؛ برق کے ناز کیوں اٹھائے کوئی!

ڈاکٹر غیاث عارف کے یہاں ان کے اساتذہ کی طرح محبوب کا تصور بھی بڑا شائستہ اور نہایت لطیف ہے

سوچئے ذرا خود بھی دل سے کیسے جائیگی
آپ کی محبت تو دھڑکنوں میں شامل ہے
ہاتھ اٹھایا ہے چارہ سازوں نے
اپنے بیمار کو بچائے "کوئی"
آپ آئے تو بندہ نواز ؛ شام غم کی سحر ہو گئی
تم چلے تو تیری کاہکشاں کے لئے ؛ چاند تارے بھی توڑ لائے کوئی
ہم نے تم سے وہ دور شاید ؛ موت نزدیک تر دیکھتا ہوں
رو دیئے وہ مجھے دیکھ کر ؛ میرا غم ان کا غم ہو گیا
آئیے تو روشنی کے لئے ؛ دل کا اک ایک زخم جلتا ہے
ڈاکٹر عارف طرحی مصارع پر گرہ بھی بڑی چست لگاتے ہیں ملاحظہ فرمائیے شعر کیسے رواں ہو گئے

کتنی یادوں کے جل رہے ہیں چراغ
کتنی یادوں کو بھول جائے کوئی
ہمارا دل جلا کر دیکھ لیجئے ؛ اگر جشنِ چراغاں دیکھنا ہے
ملتا ہے غم تو لعل و گہر دے کے لیجئے
ہے غم بڑی خوشی جو گوارا کرے کوئی
عارف! کہاں وہ رنگ غزل اب جگر کے بعد
" اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے"

اس دور قحط الرجال میں پہلے تو عظیم فنکاروں کا فقدان ہے اور جو کچھ بھی مغتنم ہستیاں ہیں ان کی کا اعتراف یا ان سے اکتساب فیض کا باقاعدہ اور فراخدلانہ اظہار ناپید سا ہے لیکن ڈاکٹر غیاث عارف اس طرح کے اعتراف و اظہار میں کبھی خستِ قلبی کا ثبوت نہیں دیتے چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں :-

آج عارف! بفیض عدیل ؛ شانِ اہل قلم ہو گیا

اس شعر میں تعلی سہی لیکن بہر حال اپنے استاذ محترم کا ذکر بڑے احترام سے کیا گیا ہے۔ اس قسم کی اور مثالیں بھی آپ کے کلام میں ہیں۔ لیکن میں بخوفِ طوالت گریز کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شاعر یا فنکار بقول رشید احمد صدیقی ایک اچھا انسان بھی ہوتا ہے۔ راقم الحروف نے ڈاکٹر غیاث عارف کی شخصیت کے یہ دونوں پہلو دیکھے ہیں۔ دردِ انسانیت، خاموش محبت اور چپکے سے کسی کے لئے ایثار و قربانی کوئی معمولی بات نہیں غیر معمولی چیز ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ایسے فنکاروں کی ہمت افزائی فرمائی جائے تاکہ ہم کہہ سکیں کہ حق بہ حقدار رسید۔

ذیل میں ڈاکٹر غیاث عارف کے چند اور شعر نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ تاکہ کوئی بات بے دلیل نہ رہ جائے اور یہ مختصر سے خاکے کو کوئی "تقریظ محض" نہ گردانے۔

مرے ارماں کو وہ دیکھے نہ دیکھے
مجھے قاتل کا ارماں دیکھنا ہے

....

عشق پہ کیوں ہے ساری تہمت
حسن پہ کیوں الزام نہیں ہے

کوئی اندازہ نہ تھا ہم کو رہِ منزل کا
روشنی سی نظر آئی، تو چلے آئے ہم

شوقِ سفر نے ساتھ بھی چھوڑا، تو کس جگہ
منزل قریب آئی تو میں تھک کے چور تھا

اب احتیاجِ ساغر و مینا نہیں مجھے
آنکھوں سے پی رہا ہوں پیالے شراب کے

واعظ نے مجھ کو قابلِ پرسش سمجھ لیا
میری نظر میں مقصدِ عصیاں کچھ اور تھا

ابھی تو نامکمل ہے نشیمن !!
ابھی سے برق کیوں لہرا رہی ہے

رات وعدہ کی روشن رہی
میری آنکھوں کے دیپک جلے

اب خدا ہی حافظ ہے میرے دل کی دنیا کا
آج ان کی نظروں میں بےرخی سی شامل ہے۔

بقیہ صفحہ سے آگے فرض

امجد! میں نے اپنے سہاگ بھارت کے لئے قربان کر کے فرض پورا کر دیا ہے۔ تم اپنا فرض نہ بھولنا۔ اپنے ملک اور سرحد کی حفاظت کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینا!

آج پھر دشمنوں نے میرے ملک پر اپنے ناپاک حملوں سے مقدس سرزمین کو لہولہان کر دیا ہے۔ باہر طوفانی بارش ہو رہی ہے میں اپنے اپاہج وجود کو اس اداس اداس سے کمرے میں ہمیشہ کے لئے دفن کر دینا چاہتا ہوں۔ طوفانی جھونکوں کا ہولناک شور تڑپتی ہوئی چیخیں بن کر میرے کانوں سے ٹکرا رہا ہے۔ اس بھیانک شور میں تیزی سے ابھرتی ہوئی آواز انجم کی ہے جو میرے کانوں میں پگھلتے ہوئے شیشے کی طرح اترتی جا رہی ہے! امجد اپنا فرض نہ بھولنا اپنے ملک اور سرحد کی حفاظت کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینا۔

یکایک میرے جسم میں ایک لہر اٹھتی ہے اور میں بیساکھی کے سہارے بہت تیزی سے باہر نکل پڑتا ہوں!!

غزل

جناب اشک سنبھلی

آہ و نالہ کسی نغمہ کی صدا ہو جیسے
میرا مرنا کوئی جینے کی ادا ہو جیسے

اس طرح ڈھونڈتا پھرتا ہوں زمانے میں وفا
پھول صحرا میں کوئی ڈھونڈ رہا ہو جیسے

بانٹا جاتا ہے مرا غم تو لگے ہے ایسا
میرا دل مجھ سے کوئی چھین رہا ہو جیسے

اس طرح یاد کسی کی رہ گئی آتے آتے
سانس آتا ہوا سینے میں رکا ہو جیسے

اُف یہ انداز رہِ شوق میں اک ٹھوکر کا
آ کے منزل نے قدم چوم لیا ہو جیسے

یوں مجھے کر گیا مدہوش کوئی آ کے خیال
ان کے ہاتھوں سے ابھی جام پیا ہو جیسے

اتنے نازاں ہیں شگوفوں پہ لہو دے کر کے
کوئی ہم نے یہ بڑا کام کیا ہو جیسے

یوں لگائے ہوئے بیٹھے ہیں کرم کی امید
ہم نے اک بت کو خدا مان لیا ہو جیسے

اس طرح موت کی ہے اشکِ پریشاں کو تلاش
زندگی اپنی کوئی ڈھونڈ رہا ہو جیسے

پہلے مصرعہ میں وہاں تک قائل ہوں جہاں تک شعر کے معنوی اور اسلوبی حسن میں کمی نہ آئے۔ (اشک سنبھلی)

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی

کے

بیس ۲۰ نکاتی اقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کے دلدل نکل سکتا ہے اور ہم ڈسپلن سے ہی قومی کیریکٹر کو بلند کر سکتے ہیں آئیے ہم سب مل کر وزیر اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں۔

دیال سنگھ کالج

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلبا کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یکجہتی اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کیجاتی ہے۔

اراکین منتظمہ کمیٹی

دیال سنگھ کالج کرنال
(ہریانہ)

فرض

سروری ریاض - معرفت علی کو -
مئوناتھ بھنجن - (یو - پی)

کتنی اداس ہے یہ شام! میرے سوکھے ہونٹوں پر صرف ایک نام آکر رُک جاتا ہے میں آگے کچھ نہیں کہہ پاتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں، کس سے کہوں، چپ چاپ بوجھل بوجھل قدموں سے نہیں بیساکھی کے سہارے اپنے کمرے میں چلا آتا ہوں اداس اداس افسردہ! میری پلکیں ہمیشہ کے لئے آنسوؤں سے بھیگ کر رہ گئی ہیں۔ لیکن انجم کے درد کا سرمایہ پھر بھی کوئی مجھ سے نہ چھین سکا۔ مجھے اس گھر سے، اس کمرے سے نفرت ہو گئی ہے۔ یہ اداس اداس سا کمرہ اور اس میں انجم کے انفاس کی خوشبو میری بیکراں سوچوں کے زلزلے، کسی سنسان قبرستان کے سناٹے میں بھٹکتی ہوئی یہ میری روح! سمجھ میں نہیں آتا میں درد کی اس سوغات کو کیسے سنبھالوں اپنی پلکوں پر کانپتے ہوئے ان آنسوؤں کی قیمت کس بازار میں جا کر لگاؤں — لیکن اس میں انجم کا کیا قصور، قصور تو میرا تھا۔ اپنے درد و کرب اور اپنی اپاہج زندگی کا میں ہی ذمہ دار ہوں۔ اس میں کسی کا قصور نہیں۔

وہ میری شادی کی پہلی رات تھی۔ انجم جو میری شریک حیات ہے۔ سرخ جوڑے میں ملبوس پھولوں سے سجی ہوئی مسہری پر بیٹھی بار بار گھونگھٹ کی اوٹ سے اپنی مخمور آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں التجا تھی۔ چاہت تھی۔ بلاوا تھا لیکن اسے یہ کون بتاتا کہ میرا وجود کسی اور کی امانت ہے میری زندگی کا ایک ایک پل ایک ایک لمحہ کسی کے لئے وقف ہے۔ اسے کون بتائے کہ میں نے صرف شادی کی ہے پیار دینے کا وعدہ نہیں کیا۔ میرا پیار تو صرف اپنے ملک اور اس کی سرحد سے ہے۔ جن سے میں والہانہ محبت کرتا ہوں۔

اس دن چند گھنٹوں کی مہلت لے کر میں نے اپنے طیارے کا رُخ اپنے شہر کی طرف موڑ دیا تھا اور شادی کی رسم ختم ہوتے ہی مجھے واپس آنا تھا۔ اس شادی سے میں خوش نہ تھا کیونکہ یہ شادی میری مرضی سے نہیں۔ والدین کی مرضی اور ان کی ضد سے ہوا ہی تھی۔ میرے انکار سے والد صاحب کی عزت پر آنچ آتی۔ سال کی ممتا کو ٹھیس پہونچ رہی تھی مجھے مجبور کیا گیا کہ میری نافرمانبرداری کی آنچ میرے والدین کی عزت کو جھلس دے گی۔ مجھے مجبوراً شادی کے لئے راضی ہونا پڑا — حجلۂ عروسی میں بیٹھی انجم میری آمد کا انتظار کر رہی تھی اور میں اس سے کچھ کہے بغیر اسے چھوڑ کر واپس آگیا تھا۔

سرما کی طویل راتوں میں ایک رات اچانک دشمن کے طیاروں نے ہماری سرحد کے اندر گھس کر حملہ کر دیا اور ایک بار پھر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ میں زخموں سے نڈھال نیم بیہوشی کے عالم میں پڑا زندگی اور موت کی کشمکش میں تڑپ رہا تھا کہ مجھے اپنے زخمی بدن پر کسی اجنبی کے نسوانی ہاتھوں کے لمس کا احساس ہوا — اپنے کھوئے ہوئے ہوش و حواس پا لینے کے بعد میں نے جونہی اپنی آنکھیں کھولیں میں حیران رہ گیا۔ انجم اپنے پورے وجود سے مجھے اس طرح چھپائے ہوئے تھی۔ جیسے کسی نے میرے اوپر چادر تان دی ہو۔ اس کے جسم سے بہتا ہوا خون بندوق کی گولیوں کا نشان دہی کر رہے تھے۔ میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ان میں آنسوؤں کا ایک طوفان آگیا۔ میں نے فرطِ جذبات سے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو جھلملانے لگے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن [illegible] الفاظ اس کے حلق میں کانپ کر رہ جاتے۔ درد کی شدت سے وہ بے حد بے چین اور پریشان معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری اداسی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے جیسے اپنے آپ سے کچھ کہا اور میرے سامنے ہی دم توڑ دیا۔ جلتے ہوئے ہونٹوں سے میں نے صرف اتنا محسوس کیا جیسے وہ کہہ رہی ہو —

باقی صفحہ [illegible] پر

تکمیل کا سال

دلّی کی نمایاں کامیابیاں

قیمتوں میں کمی
بڑھتی ہوئی قیمتوں میں کمی آئی۔ بہ شرح مہنگائی صفر کے نشان سے بھی نیچے آ گئی، اشیائے ضروریہ کی تقسیم کا مثالی نظام لاگو۔ شہری اور دیہی علاقوں میں ۵۴۲ کوآپریٹیو اور ۱۲ ہزار سستے داموں والی دکانوں کے توسط سے کپڑے کی فروخت۔

بے گھر لوگوں کیلئے گھر ۔ بے زمین لوگوں کیلئے زمین
۱۳۶۴ ایکڑ زرعی زمین ۴۵۳۸ ہریجن اور غریب بے زمین گھرانوں میں تقسیم۔ ۸۰۰۰ رہائشی پلاٹ غریب اور بے گھر ہریجنوں میں تقسیم۔ ہریجنوں کو مکان بنانے کے لئے ۱۸ لاکھ روپے کی مالی امداد۔

اپرنٹس شپ اسکیم
مقررہ نشانہ ۳۵۰۰ کے مقابلے میں [illegible]۲۵ نوجوانوں کو مختلف صنعتوں میں بطور اپرنٹس لگایا گیا۔

سماج دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے
بدعنوان بیوپاریوں کے خلاف ۲۵[illegible] چھاپے۔ ٹیکس چوری کے ۲۱ کروڑ روپے کے خفیہ بیوپاری سودوں کا پتہ لگایا گیا، جمع خوروں، ذخیرہ اندوزوں، منافع خوروں وغیرہ کے خلاف ۱۴ ہزار چھاپے مارے گئے۔

طلبہ کو راحت
۸۵۳ اسکولوں میں کتاب بینک قائم، پنسل، کاپیاں وغیرہ سستے داموں پر مہیا، طلبہ ہوسٹلوں میں سستا کھانا دستیاب۔ اسکولوں میں ۱۲ [illegible] پروگرام پر عمل۔ پرائمری اسکولوں کے تمام بچوں کو مفت درسی کتابیں۔ غریب طلبہ کو اسکول کی وردیاں مفت دینے کی اسکیم پر ۸ لاکھ روپے خرچ۔

پیداوار میں اضافہ
۶۰۰ صنعتی شیڈوں کی تعمیر۔ چھوٹے صنعتی یونٹوں کو ۵.۳ کروڑ روپے کے قرضے تقسیم کئے گئے۔ سبزی کی کاشت کا رقبہ ۱۶.۴۰ ہزار ہیکٹر (۱۹۷۲ء) سے بڑھ کر ۱۹.۷۲ ہزار ہیکٹر (۱۹۷۶ء) کثیر مقاصد والی فصلوں کی کاشت کے رقبہ میں اضافہ۔ حاشیائی کسان و مزدور ترقیات ایجنسی کے توسط سے غریب کسانوں کی بھرپور امداد۔

صاف و خوبصورت دلی
شہری علاقے میں صاف ستھرا ماحول، علاقہ جامع مسجد کی نئی ترقی۔ سبزی منڈی کی آزاد پور میں منتقلی۔ ۲۰۰ منظور شدہ صنعتوں کی منظور شدہ علاقے میں منتقلی۔ ۵۰ ہزار پلاٹوں اور تمام سہولتوں کے ساتھ ۲۷ نئی کالونیوں کی آبادکاری۔ غریب اور کمزور طبقے کے لوگوں کے لئے بہتر زندگی اور روزگار کے نئے مواقع۔ دلی کو سرسبز اور شاداب بنانے کے لئے ڈھائی لاکھ روپے محکمہ ترقیات اور ایک لاکھ پودے اسکولوں کے ذریعے لگائے جائیں گے۔

دیہی ترقی
۵۰ دیہات میں صفائی۔ نس بندی اور خاندانی منصوبہ بندی کا وسیع پروگرام ۷۷-۱۹۷۶ سال کے پہلے تین مہینوں میں ہی لاگو۔ سال ۷۷-۱۹۷۶ کے آخر تک دلی کے سبھی گاؤں میں اس پروگرام کی توسیع

دلی خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیموں کے عملدرآمد میں سب سے آگے
افزائشِ نسل والے عمر گروپ کے ۳۴ فیصد جوڑوں نے مانع حمل چیزوں کا استعمال کر کے ملک میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے جبکہ پورے ملک میں یہ اوسط [illegible] ہے۔

ہم پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی کی فعال قیادت میں شاہراہِ ترقی پر آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔
آئیے! ہم اپنے چھوٹے اختلافات کو بھلا کر دیش کی راہ ہموار کریں۔ دلی کی شان بڑھانے کے لئے مل جل کر کام کریں

جاری کردہ:- محکمۂ اطلاعات و اشاعت، دہلی انتظامیہ دلّی

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھیئے

- اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گرد و پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے
- ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں تو پھر ان جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنھیں ہم سب استعمال کرتے ہیں
- ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبوں اور در حقیقت ان تمام جگہوں کو جہاں بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گرد و پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

ریلوے نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں۔ اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم زیادہ صفائی کے لیے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلہ میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں رہے۔ اس طرح اسٹیشن اور منسلکہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھیئے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے اِدھر اُدھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے آپ کا یہ معمولی سا کام ہی آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے اسے صاف شفاف رکھیئے

نادرن ریلوے

—1976

Phone : 278886

Regd. No. D-(D)370

THE SHAN-E-HIND MONTHLY NEW DELHI-110002

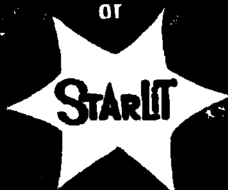
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

Marriage
Parties
and
Special
Occasions

make them memorable at

eldorado

or



at

HOTEL
Rajdoot

Orchestra & Cabaret
New Delhi Phone : 79583

or

Amidst the Splendour of Roses
at

Ramble

(Open air drive in restaurant)
Con. Pl. New Delhi, Ph : 45372



these are all

Kishan Lal
ENTERPRISES

Known for INTERNATIONAL
STANDARDS IN CATERING
& ENTERTAINMENT

شانِ ہند دہلی

SEPTEMBER—1976

Editor :
SARWAR TAUNSVI



Nasir Afsar (Ranchi)



Dr. Ved Parkash Sharma (





Hari Jas Rai "Jigar" (Na..d



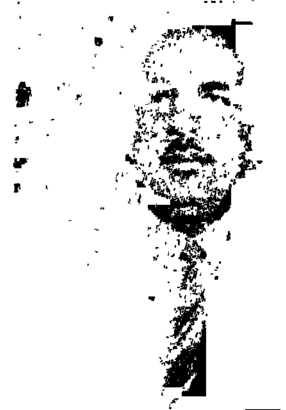
Sarwar Mirzapuri



Santosh Kumar "Kokab"



). P. Nirde.. P.ti.lvi



B. D. Kali., 'Hamdam'

Rs. 1-00

سالِ اجرا ۱۹۳۸ء — رجسٹرڈ نمبر ڈی ۳۷۰ — رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R.N.644/57

فون نمبر:- ۲۷۸۸۸۰

ماھنامہ شانِ ھند نئی دھلی

ایڈیٹر:- سرور تونسوی، قیمت سالانہ دس روپیہ: فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۷ — ستمبر ۱۹۷۶ء — شمارہ ۹

فہرست

غزل
کنول نور پوری

عشق دنیا کی نگاہوں سے چھپائے رکھیئے
یہ ہے وہ درد جو سینے میں دبائے رکھیئے

عاشقی نام ہے اک بت سے وفاداری کا
عشق کی راہ میں جی جان لٹائے رکھیئے

کھوئی کھوئی ہوئی معصوم سی اُن نظروں کو
جو بھی آتا ہے کلیجے سے لگائے رکھیئے

زندگی کیا ہے جو فتنہ ہو نہ محشر کوئی
آپ ہر گام پہ فتنوں کو جگائے رکھیئے

عزم کامل ہو تو منزل نہیں کوئی دشوار
عزم کامل پہ یقین اپنا جمائے رکھیئے

دیکھ کر جن کو میسر ہو سکوں ہر صورت
اُن کی صورت کو نگاہوں میں بسائے رکھیئے

ساغر بادہ سے بڑھ کر ہے جن آنکھوں میں سرور
آپ اُن آنکھوں کو میخانہ بنائے رکھیئے

نور پھیلاتی ہے یہ غم کے اندھیروں میں کنول
عشق کی شمع ہر حال میں جلائے رکھیئے

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو
ادارۂ "شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات و یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

قیمت :۔ دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین :۔ سرور تونسوی، عزیز اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیش نظر "جشنِ سحر" نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا۔ اس لئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہے۔ اُجرت اشتہار :۔ عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے، نصف صفحہ ۱۵۰ روپے، سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے، سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے۔

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے

ماہنامہ شان ہند فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

افکار و واقعات

اُردو کے مشہور شعرا کی مکاریاں

اُردو زبان کے شعرا میں جو گھٹیا پن پایا جاتا ہے شاید ہی کسی دوسری زبان کے شعرا میں یہ کمزوری اس شدت سے پائی جاتی ہو۔ جھوٹ، فریب، غلط بیانی اور مکاری اُردو شعرا کی اکثریت کا روزمرہ بن گیا ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس قدر مُشاعروں کا سیلاب اُردو شاعری میں آیا ہوا ہے شاید ہی کسی دوسری زبان کے مشاعروں میں یہ مکاری پائی جاتی ہو۔ کثرتِ شراب نوشی، بدتمیزی۔ مشاعروں میں معاوضہ کے لئے جھگڑنا اور سودا بازی، پیشگی معاوضے کے بغیر مشاعروں میں شرکت نہ کرنا، یہ سب اوصاف بھی جس قدر اُردو شعرا میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری زبانوں کے مشاعروں میں قریب قریب اُن اوصاف کا فقدان ہے۔

اخلاقی اور تہذیبی طور پر بھی اُردو شعرا نے جس کم ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر ذوقِ سلیم رکھنے والے حضرات کا یہ کہنا ہے کہ انھیں جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں صاحب اُردو کے شاعر ہیں تو وہ اُن صاحب کا نام شرفا کی فہرست سے کاٹ دیتے ہیں۔

اس ضمن میں مولانا انور صابری نے اُردو شعرا کا [illegible] جس بھونڈے اور مکارانہ انداز میں گرایا ہے اُس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی اگر مولانا انور صابری کی مکاریوں۔ فریب کاریوں اور غلط بیانیوں نیز بدمعاملگی کے واقعات کی داستانیں لکھی جائیں تو آج کل جو پی۔ ایچ ڈی کے تھیسس لکھے جا رہے ہیں ان سے بہتر اور دلچسپ کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مولانا کے کارہائے نمایاں کی کچھ لطیفہ نما اور کچھ عبرت انگیز مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ گوردا سپور میں مشاعرہ ہو رہا تھا کہ مولانا کلام سنانے مائیک پر تشریف لائے۔ فرمانے لگے سبحان اللہ وہ بھی کیا زمانہ تھا جب میں اور گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر صاحب کے والد بزرگوار صوبہ بہار کی ایک جیل میں سیاسی قیدی تھے ڈپٹی کمشنر صاحب جو کہ آئی۔ سی۔ ایس تھے صوفے پر ایڈیٹر شانِ ہند کے ساتھ ہی تشریف فرما تھے مولانا کی زبان سے اس انکشاف کو سُن کر چونکے اور فرمانے لگے کہ میرے والد تو بہت بڑے سرکاری افسر تھے ان کا سیاست یا جیل سے کیا تعلق۔

۲۔ عالم فتحپوری صاحب کے اہتمام میں ایک عظیم الشان مشاعرہ آگرہ میں منعقد ہوا جس کی صدارت بخشی غلام محمد صاحب (مرحوم) فرما رہے تھے۔ مولانا جب کلام سنانے مائیک پر آئے۔ تو فرمانے لگے ہائے وہ بھی کیا زمانہ تھا کہ جب میں اور بخشی صاحب اکٹھے جیل میں تھے۔ انگریزی حکومت نے مجھ پر اور بخشی صاحب پر کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے۔ اس پر بخشی صاحب کے کان کھڑے ہوئے اور انھوں نے فوراً اسٹیج پر بیٹھے شعرا سے تردیدی لہجے میں فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ میں اور مولانا کبھی جیل میں اکٹھے رہے۔

غالباً کلکتہ کے ایک مشاعرہ کی صدارت حضرت فراق گورکھپوری فرما رہے تھے۔ جب مولانا کلام سُنانے لگے تو حسبِ عادت تقریر فرمانے لگے اور کہا کہ حضرات میں اور فراق صاحب جنگِ آزادی کے دنوں میں جب جیل میں تھے اس پر فراق صاحب بے ساختہ فرمانے لگے مولانا یہ تو ٹھیک ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں جیل میں ہوں گے مگر جرم کی نوعیت الگ الگ ہو گی میں سیاسی طور پر جیل گیا ہوں گا اور آپ کسی اخلاقی جُرم میں اس پر ایک قہقہہ لگنے کے بعد جب خاموشی ہوئی تو سامعین میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے فراق صاحب میں اس معاملہ میں یہ ترمیم کرتا ہوں کہ آپ دونوں ایک ہی اخلاقی جرم میں جیل گئے ہوں گے۔ قہقہوں کا ایک طوفان تھا جو رکنے میں نہیں آرہا تھا۔

جے پور خواجہ شاہ سلیمان تونسوی کے عُرس مبارک کے مشاعرہ میں راقم الحروف نے حضرت مولانا انور صابری کو بھی [illegible] بعد مرحوم اچھے میاں صاحب جو کہ جے پور کے ایک مشہور جوہری تھے [illegible] مرحوم شاہ صاحب جودھپوری کے دولت کدہ پر پہنچے لگے شاہ صاحب ہانگ کانگ سے بذریعہ ہوائی جہاز میر اکبر علی صاحب ... اگر آپ اس کے پاس نقلی یا اصلی ہیرے تھے جو کہ ...

میں نے مولانا انور صابری سے (جب آپ انھیں مشاعرے میں لائے تھے) اس واقعہ کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ فلاں مرکزی وزیر میرے کہنے کو ٹال نہیں سکتا میں ان سے کہہ کر آپ کا یہ معاملہ رفع دفع کرا دوں گا۔ مگر ان وزیر صاحب کی خدمت میں عید کے موقع پر کچھ تحفے پیش کرنے ہوں گے جس پر اچھے میاں صاحب نے مولانا کو ایک معقول رقم دے دی۔ اب دو ماہ گذر گئے ہیں مولانا نے کچھ بھی نہیں کہا۔ اچھے میاں صاحب کی خدمت میں راقم الحروف نے گذارش کی کہ جہاں آپ کے ہیرے گئے وہاں یہ رقم بھی گئی سمجھ لیجئے۔

مدراس کے اے۔ جلال صاحب ہر سال اپنے والدِ مرحوم کی یاد میں ایک عظیم مشاعرہ کراتے ہیں۔ ایک سال مولانا کو بھی مدعو کر بیٹھے۔ جلال صاحب مولانا اور ان کے صاحبزادے کو اپنی موٹر میں لئے جا رہے تھے کہ ماؤنٹ روڈ پر ایک بہت بڑی گھڑیوں کی دوکان دیکھتے ہی مولانا نے جلال صاحب سے کہا۔ کہ موٹر رکوائیے۔ موٹر رکی تو مولانا فرمانے لگے جلال بیٹا ابھی ابھی غیب سے حکم ہوا ہے کہ جلال سے کہو کہ تمہارے بیٹے کو ایک گھڑی لے کر دے۔ جلال صاحب کچھ تو مولانا انور صابری کو بہت بڑا پیر سمجھے ہوئے تھے اور دوسرے غیب کا حکم سن کر وہ اور بھی سراسیمہ ہو گئے۔ اور گھڑیوں کی دکان میں لے گئے جہاں انور صاحب کے صاحبزادے نے ایک اچھی خاصی قیمتی گھڑی کا پسند فرمائی جو فوراً خرید لی گئی۔ اسی طرح غیب کے احکام سنا سنا کر مولانا اپنے سارے کپڑے کے کپڑے، ریڈیو ادلا بلا اس وافر مقدار میں لائے کہ جب دہلی اسٹیشن پر اترے تو یہ سامان دو دو رکشاؤں میں آیا۔

رڑکی میں مشاعرہ تھا حضرت مولانا بھی وہاں مدعو تھے۔ اخبار میں اعلان پڑھ کر تربت دھمار کے ایک قصبہ کے ایک صاحب بھی رڑکی پہنچ گئے۔ اور مشاعرے سے پہلے ہی مولانا کو پکڑ لیا کہ آپ نے ہمارے ہاں مشاعرے میں شریک ہونے کے لئے پیشگی روپیہ منگایا تھا اور آپ شریک نہیں ہوئے۔ پیشگی واپس کرنے کے لئے درجنوں خطوط لکھے مگر آپ جواب تک نہیں دیتے۔ اب مولانا ہیں کہ اپنی عدم شرکت کے جواز میں کئی کئی باتیں بنا رہے ہیں۔ مگر وہ حضرت ہیں کہ پیشگی بھیجا ہوا روپیہ کی فوراً واپسی کے لئے بضد ہیں۔ آخر کار دوسرے شعرا کے کہنے سننے پر وہ صاحب اس بات پر رضامند ہوئے کہ مشاعرے کے بعد مولانا کو جو معاوضہ ملے گا اس میں سے آپ کا روپیہ واپس کر دیں گے۔ وہ صاحب مولانا کا ایسے مواقع پر فرار ہو جانے کے کئی قصے سن چکے تھے لہٰذا وہ سایہ کی طرح مولانا کے ساتھ رہے اور اپنا روپیہ لے کر ہی ٹلے۔

اس قسم کے سیکڑوں عیارانہ واقعات مولانا کی بابت عوام کو معلوم ہیں۔ سو کیا کیا کہاں تک لکھا جائے۔

جناب کیفی اعظمی نے لال قلعہ کے ایک مشاعرہ جشنِ جمہوریت میں مرحوم پنڈت جواہر لال نہرو کی موجودگی میں اردو کی بے بسی پر بہت اچھے انداز میں کلمات کہہ کر پنڈت نہرو کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی کہ وہ اردو کے تحفظ کے لئے صوبائی سرکاروں کو کہیں۔ کیفی صاحب نے جذبات کی رو میں یہاں تک فرمایا کہ اردو ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے اور اردو کے زوال سے ہندوستان کے کلچر کو زوال پہنچے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر غالباً آپ حضرات کو یہ معلوم ہوگا کہ جناب کیفی اعظمی صاحب کی صاحبزادی شبانہ اعظمی اردو کی الف۔ ب سے بھی واقف نہیں ہے۔ یہ بھی ایک عیاری ہی ہے کہ اردو کو اوڑھنا بچھونا سمجھنے والا [illegible] کو اردو نہیں پڑھاتا۔

حضرت منور لکھنوی مرحوم (جناب بشیشور پرشاد) کو کون نہیں جانتا واقعی اردو ان کے خاندان کا اوڑھنا بچھونا رہی ان کے والد، دادا وغیرہ سب اردو، فارسی کے عالم اور مشہورِ زمان شاعر۔ مگر جب مردم شماری والے منور صاحب کے یہاں فارم کی خانہ پری کرنے گئے۔ تو منور صاحب نے اپنی زبان ہندی لکھوائی۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ بھی عیاری ہی تھی کہ جناب منور اور ان کے باپ دادا کی ہندی میں ایک بھی تصنیف نہیں ہے اور اردو میں صرف منور صاحب کی ۱۸ تصنیفات ہیں۔ اور اس پر بھی وہ اپنی زبان ہندی لکھواتے ہیں۔

اردو کا ہر شاعر خواہ وہ مشہور شاعر ہے یا محض گویا جو کہ پیشہ ور حیثیت سے مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں وہ جب مشاعروں میں جاتے ہیں تو منتظمین سے کہتے ہیں کہ میرا برانڈ تو فلاں سگریٹ ہے تو بیچارے منتظمین کو منگا کر دینی پڑتی ہے۔ حالانکہ اس سگریٹ کا نام ان شعرا کی سات پشتوں کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ جموں میں مشاعرہ تھا شعرا کو بہت اچھے ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ جموں میں عام طور پر دہلی کے مقابلہ میں سردی زیادہ ہوتی ہے۔ صبح سویرے ہوٹل کے بوائے نے ایک مشہور بزرگ شاعر سے پوچھا کہ آپ چائے کے ساتھ کیا لیں گے۔ شاعر صاحب نے جواباً فرمایا میں تو تب تک پاخانہ نہیں اترتا جب تک کہ دودھ میں مکھن ملا کر نہ پیا

جائے۔ لہٰذا فوراً گرم دودھ کا گلاس اور معمولی مکھن کی چھوٹی ٹکیہ لے آیا۔ ہوٹلوں میں عام طور پر ٹوسٹ پر لگانے کے لئے مکھن نمکین ہی ہوتا ہے۔ شاعر صاحب نے مکھن کی ٹکیہ کا پیکنگ کھولا اور مکھن دودھ کے گلاس میں ڈال چمچے سے ملایا تو آنِ واحد میں دودھ پھٹ گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر شاعر صاحب گھر میں دودھ میں مکھن ملا کر پینے کے عادی ہوتے تو وہ نمکین مکھن کو دودھ میں نہ ڈالتے۔ اس قسم کی معمولی معمولی عیاریاں اگر اُردو کے شعرا کی لکھی جائیں۔ تو آپ پڑھتے پڑھتے تھک جائیں گے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے شعرا کی عیاریاں پیشہ ورانہ حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہیں اور واقعی یہ تسلیم کرنے کو دل چاہتا ہے کہ اب اُردو کے شعراء کی اکثریت شریفوں کے زمرہ سے نکل چکی ہے۔

کاشف اندوری زہریلی شراب کی نذر

حال ہی میں زہریلی شراب پینے کے باعث اندور میں ایک سو سے زائد شراب نوش موت کی بھینٹ چڑھ گئے اور ایک خاصی تعداد میں زہریلی شراب پینے والے ہسپتالوں میں زیرِ علاج ہیں۔ اس مرگِ انبوہ میں اندور کے مشہور شاعر جناب کاشف اندوری بھی شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اندور میں اُسی تاریخ میں ایک مشاعرہ تھا جس میں شرکت کے لئے ملک بھر سے چند بہترین شعرا بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ لہٰذا پانچ مشہور شعرا کا طائفہ ایک پرائیویٹ اڈے پر ناجائز کشید کی ہوئی شراب پینے گیا اور پانچ گلاسوں کا آرڈر دیا گیا اتنے میں یہ اطلاع ملی کہ اس ناجائز اڈے پر پولیس چھاپہ مارنے آ رہی ہے جس پر پانچوں شاعر حضرات پولیس کے ڈر سے بھاگ ہی رہے تھے کہ شراب کے پانچ گلاس بھی میز پر آ گئے۔ کاشف صاحب نے جو پہلے بھی پئے ہوئے تھے چلتے چلتے ایک گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں پی گئے۔ مگر باقی چار شعرا نے یہ شراب نہیں پی اور پولیس کے ڈر کے باعث اڈے سے باہر چلے آئے۔ دوسرے دن کاشف صاحب کو ہسپتال لے جایا گیا مگر زہریلی شراب کے باعث وہ جانبر نہ ہو سکے۔ خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ باقی کے چاروں شعرا کاشف صاحب کے ہم سفر نہ بن سکے ورنہ اردو مشاعروں کی رونق ہی قریب قریب ختم ہو جاتی۔

ہمیں کاشف صاحب کی موت کا انتہائی افسوس ہے مگر اس کا کیا علاج کہ شرابی شعرا عام طور پر اپنی موت کو خود بُلاوا دیتے ہیں۔ جو چار شعرا حضرات قدرت کی مہربانی یا پولیس کے ڈر سے بچ گئے ہیں اگر ان کا ضمیر مُردہ نہیں ہو گیا۔ اگر وہ اپنے اہل و عیال کو یتیم اور بیوگی کے عالم میں از خود چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اور خود بھی طبعی موت مرنا چاہتے ہیں تو وہ صمیمِ قلب سے خدا کا ہزار ہزار شکریہ ادا کرنے کے بعد شراب نوشی سے توبہ کر لیں۔ اللہ میاں نے اس بار تو انھیں ایک موقع دے دیا ہے۔ اور اپنے ہاں بُلانے سے احتراز کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بُری عادت انھیں پھر کسی اسی قسم کی شراب کے ناجائز اڈے پر لے جائے اور یہ حضرات بھی کاشف صاحب سے جا ملیں۔ ہم اُن شعرا کے نام دیدہ دانستہ طور پر شائع نہیں کر رہے اور اس یقین کے ساتھ کہ وہ از خود اس بُری عادت کو چھوڑ کر خدا کا شکر بجا لائیں گے۔

شعرائے کرام سے ضروری گذارش

وزیرِ اعظم صاحب کے بیس نکاتی اقتصادی پروگرام سے متعلق اگر آپ نے کوئی قطعہ، نظم، یا گیت کہا ہے تو از راہِ کرام اس کی ایک نقل دفتر شانِ ہند میں بھجوا کر ممنون فرمائیں۔ اُمید ہے کہ شعرائے کرام اس گذارش پر فوری توجہ فرمائیں گے۔

افسانہ

یادوں کا عکس

نور جہاں سہارنپوری

عرشی! میں تمہیں کیا کہہ کر مخاطب کروں؟ ——

بعض رشتے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں جنہیں صرف محسوس کیا جا سکتا ہے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا ہمارا رشتہ بھی تو کچھ ایسا ہی ہے نا!

عرشی! زندگی کیا ہے کیا تم نے کبھی محسوس کیا ہے میں نے بارہا زندگی کو سمجھنے کی کوشش کی ہے لیکن ہر بار مجھے ایک نئے جواب سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ سچ تو یہ ہے انسان اگر خوش ہے تو کائنات کا ہر ذرہ اُسے حسین دکھائی دیتا ہے اور اگر انسان ہی اُداس ہے تو یہ دُنیا، دُنیا کا رنگ سب کچھ پھیکا پھیکا سا لگتا ہے۔!!

میں نے قدم قدم پر محسوس کیا ہے ہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں تم میری زندگی میں کتنا رچ بس گئے ہو اس کا اندازہ کیسے لگاؤں؟ آج تک سمندر کی گہرائی کو کون ناپ سکا ہے —!

اور دل ——! یہ بھی تو ایک سمندر کی طرح ہی ہے جس میں ہر پل ہر لمحہ ایک نئی موج جنم لیتی ہے اور ٹوٹ جاتی ہے پھر اس ٹوٹی ہوئی موج سے دوسری موج جنم لیتی ہے اور یہ سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے۔!

یہی حال میرے دل کا بھی ہے۔ ایک یاد کو جھٹکتی ہوں تو دوسری آن کھڑی ہوتی ہے اس سے فرار حاصل کرتی ہوں تو دوسری آن کھڑی ہوتی ہے اس سے فرار حاصل کرتی ہوں تو تیسری یاد ذہن میں دھنک بن کر رنگ بکھیرنے لگتی ہے اور یہ یادوں کی کڑیاں ملتی ہی چلی جاتی ہیں —!!

میں اور تم ہمیشہ سے ساتھ ہوتے ہوئے بھی دُور دُور ہیں۔ کبھی کبھی ایسا لگتا ہے ہم افسانوی کردار ہیں۔ بچپن میں میں نے ایک کہانی سنی تھی۔ ایک پری کو ایک دیو نے قید کر لیا۔ تب شہزادہ اسے تلاش کرتا جنگلوں کی خاک چھانتا سمندر پار کر کے اس کے پاس پہونچا اور اس نے اپنی پری کو آزاد کرا لیا۔ کیا یہ سب ممکن ہو سکتا ہے لیکن یہ سب تو کہانی کی باتیں ہیں حقیقت میں تو میں اور تم دریا کے دو کنارے ہیں جو ہمیشہ ساتھ رہتے ہوئے بھی جدا رہتے ہیں اور یوں انکی زندگی کا سفر جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے؟ —

اور معصوم دو کنارے اسی اُمید پر دن گزارتے ہیں کہ شاید ایک دن قدرت کو ان پر رحم آ جائے اور یہ پانی سوکھ جائے اور وہ ایک دوسرے سے مل کر اپنا وجود کھو بیٹھیں۔ دوریاں مٹ جائیں اور وہ دو نہ ہو کر ایک میں بدل جائیں۔

انتظار!

اور وہ بھی ایک طویل انتظار!!

مشکل ہوتا ہے نا؟ لیکن پھر بھی کتنا خوبصورت انسان یہ سوچ کر کہ ایک دن اُسے اس کی منزل مل جائیگی۔ زندگی کے نشیب و فراز سے بے نیاز انجان مسافر کی طرح بھٹکتا ہوا ایک نئی جستجو کے ساتھ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسکے قدموں میں آبلے پڑ جاتے ہیں لیکن جب وہ اپنی منزل پر پہنچتا ہے تو اس کا ہر غم خوشی میں بدل جاتا ہے لیکن منزل کی تمنا کرنے والوں کی تقدیر بھی کتنی جُدا ہوتی ہے کوئی منزل کو پا لیتا ہے اور کوئی زندگی بھر منزل کی تلاش میں بھٹکتا رہتا ہے۔ عرشی! ایسا لگتا ہے کائنات کا ذرہ ذرہ ہم کو جانتا ہے اور ہر کوئی مجھ سے تمہارے بارے میں سوال کرتا ہے۔

میں کیا جواب دوں؟ تم ہی کچھ بتاؤ نا —

چلتی ہوا میرا دامن تھام کر پوچھتی ہے وہ کہاں ہے؟

کئی بار کانٹوں نے میرا دامن پکڑا ہے —

سچ پوچھ نے مُسکرا کر مجھ سے اسی سوال کا جواب مانگا ہے

ہاں عرشی! جب چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا ہے تو میں اس کو دیکھ نہیں پاتی۔ ڈرتی ہوں اگر مجھ سے اُس نے بھی یہی سوال کیا تو کیا جواب دونگی

ہوا، پھول، کانٹے!

چاند، ستارے، بادل!!

سبھی تو گواہ ہیں ہمارے پیار کے۔

تمہارے قدموں کی چاپ آج بھی میرے کانوں میں گونجا کرتی ہے گھر کی ہر چیز میں تمہارا عکس دکھائی دیتا ہے —

تمہیں یاد ہے ایکبار ہم مزار پر گئے تھے جو کافی چڑھائی پر ہے۔ چلتے چلتے میں تھک گئی تھی لیکن تم تھکن کے باوجود چڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ایک جوش و ولولے کے ساتھ!

میں نے سوچا تھا کاش ہم زندگی بھر یونہی چلتے رہیں۔ کتنی فرسودہ سی تمنا تھی میری۔ یہ تمنا تو میں ہمیشہ کرتی ہوں کہ جب تمہارا ساتھ ہو وقت تھم جائے اور ہم یونہی چپ چاپ ایک دوسرے کو تکا کریں۔

مجھ سے چلنا دوبھر ہو گیا تو میں ایک پتھر پر بیٹھ گئی تھی سانسیں الجھ رہی تھیں۔ مجھے بیٹھا دیکھ کر تم رک گئے تھے اور میرے نزدیک آ کر پوچھا تھا۔

”تھک گئیں۔؟“

”ہاں! بہت!“

”صرف ایک بار میں ہی“ تم مسکرائے تھے میری سوالیہ نگاہیں تمہارے چہرے پر جم گئی تھیں۔

”میں تو تمہیں مانگنے یہاں بار۔ بار آیا ہوں“ میٹھی سی مسکراہٹ کے ساتھ تم نے کہا تھا۔

”اچھا! میں بھی مسرور تھی۔

”چلو! جلدی سے اٹھو۔ دیکھو ایک بات مشہور ہے یہاں کے بارے میں جو کوئی یہ سب راستہ ایک سانس میں یعنی بنا کہیں رُکے طے کرے اس کی مراد ضرور پوری ہوتی ہے۔ ایک بار میں چار برس پہلے یہاں آیا تھا۔ اور یہ راستہ ایک سانس میں ہی طے کیا تھا“ ”پھر مراد بھی پوری ہوئی!“ میں نے پوچھا تھا ”مراد! ہاں پوری ہو گئی شیریں۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایک دن تم میرے ساتھ ہو گی۔ اور آج تو میں سر کے بل جا رہا ہوں“ تم نے میری طرف دیکھا تھا۔

”لیکن مجھے تو پاؤں سے چلتے دکھائی دے رہے ہو“ میں شرارت سے بولی تھی۔

لیکن اس وقت تم خوشی کے ساتھ ساتھ سنجیدہ بھی تھے میری یہ بات تمہیں کچھ گراں گزری تھی اور تم نے کچھ چڑ کر کہا تھا۔

”تمہیں نہ دکھائی دے پر پاگل میں تو سر کے بل جا رہا ہوں“

چلتے چلتے میرے ہاتھ کی چھڑی کا سرخ رنگ میری ہتھیلیوں پر آ گیا تھا۔ ایک جگہ رک کر میں اپنے ہاتھ صاف کرنے لگی تھی۔ تم نے میرے رنگے ہاتھوں کو دیکھ کر کہا تھا۔

”مجھے لگتا ہے کہ میری منّت ضرور قبول ہو گی تب ہی تو تمہارے ہاتھوں میں قدرت نے مہندی لگا دی ہے“

یہ سن کر جانے کیوں میرا دل دھڑکا اور میں نے سوچا [illegible] کہیں مہندی کی جگہ ہمارے ارمانوں کا خون نہ بن جائے یہ سوچ [illegible] ایک پتھر سے ٹکرائے تھے تم نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا تھا۔

”میرا سہارا لے لو۔ راستہ خطرناک ہے!“ میں مسکرا کر آگے بڑھ گئی تھی۔ اور دل میں سوچا تھا میرا بس چلے تو ہمیشہ کے لئے تمہیں اپنا سہارا بنا کر خود تمہارا سہارا بن جاؤں۔

وہ ایک بھیگی سی شام تھی جب ہم سمندر کے کنارے چہل قدمی کر رہے تھے موجیں آتیں اور ہمارے قدموں کو چھو کر واپس چلی جاتیں۔ ریت میں چمکتی ہوئی ننھی ننھی سیپیاں کچھ اور چمک اٹھتیں اور میں انھیں چن لیتی میرا رومال سیپیوں سے بھر گیا تھا تم نے اپنا رومال میری طرف اچھال دیا تھا میں نے اُسے بھی سیپیوں سے بھر لیا تھا تو تم نے کہا تھا۔

”واہ! میرا رومال گندہ کر دیا“

”تم سے اچھا ہے!“ میں بگڑ کر بولی تھی۔

”تم سے اچھا۔ اوں — نہیں تو“ تم نے میری طرف دیکھا تھا اور میں نے تمہاری طرف کئی بار زبان کچھ نہیں کہتی لیکن آنکھیں بہت کچھ کہہ جاتی ہیں۔ یہ سب کتنا عجیب سا لگتا ہے عرشی!

نرم نرم ریت پر ہمارے نقش پا کیسے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

”کتنا نرم ہے یہ ریت“ تم نے کہا تھا۔

”تمہارے دل کی طرح۔ میں نے سوچا تھا زبان تو ایسے موقع پر گنگ ہو جاتی ہے اور پھر میں سوچتی ہی چلی گئی۔ تمہارا دل ریت کی طرح نرم جس پر عکس جلدی ہی بنتے ہیں اور مٹ بھی جاتے ہیں۔ اگر اس دل سے ایک دن میرا عکس بھی مٹ گیا تب —! لیکن فوراً ہی میں نے ذہن جھٹک کر سوچا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ میرا اعتماد تھا۔ یوں بھی بنا اعتماد کے زندگی ادھوری سی لگتی ہے۔

اور میرا دل۔

ایک پتھر! جس پر جلدی سے کوئی عکس بنتا ہی نہیں لیکن جب تمہاری چاہت اس پر کھود کھود کر کے لکھنے لگی تو پتھر بھی کھل اٹھا اور پتھر پر بنا عکس مٹتا نہیں۔ چاہے پتھر ہی ٹوٹ جائے!

عرشی! زندگی کا سفر اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھتے ہو — زندگی میں نشیب و فراز بھی آتے ہیں — ان کا سامنا کرنا ہمت و استقلال سے آگے بڑھنا ہی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ لیکن ہم سفر ہمیشہ ساتھ دے تو زندگی کی ہر مشکل اور ہر غم کو خوشیوں میں بدلا جا سکتا ہے!

ڈاکٹر وید پرکاش شرما

ڈاکٹر وید پرکاش شرما ماہ اگست ۱۹۲۳ء میں سوہاوی تحصیل سمرالہ ضلع لدھیانہ میں پنڈت سردھا رام کے ہاں پیدا ہوئے۔ اس وقت پنڈت سردھا رام کھیوڑا ضلع ملتان میں سٹیشن ماسٹر تھے۔

ڈاکٹر وید پرکاش شرما نے بچپن کے پہلے پانچ سال سوہاوی میں گذارے پھر جب ان کے والد صاحب کا ریلوے والوں نے تبادلہ بطور اسٹیشن ماسٹر شیخا تحصیل دھوری ریاست پٹیالہ میں کر دیا تو یہ بھی وہیں رہنے لگے اور وہیں پر پرائمری سکول میں انھیں داخل کرا دیا۔ ابھی یہ درجہ دوم ہی پاس کر پائے تھے کہ ان کے والد صاحب کا تبادلہ لالان ریلوے اسٹیشن کا ہو گیا اور انھیں تیسرے درجہ میں مقام سٹرھی کر کے سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ مگر وہاں کی آب و ہوا راس نہ آنے پر پنڈت سردھا رام نے اپنے اہل و عیال کو آبائی گاؤں سوہاوی میں بھیج دیا۔ سوہاوی آنے پر ڈاکٹر صاحب نے مڈل تک تعلیم سنگھول۔ ریاست پٹیالہ میں حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں پنڈت جواہر لال نہرو مقام راجے وال تحصیل سمرالہ ضلع لدھیانہ میں تشریف لائے۔ وید پرکاش پنڈت جواہر لال نہرو کے درشن کرنے راجے وال اپنے گھر والوں کو بتائے بغیر چلے گئے۔ اور وہاں پنڈت نہرو کی تقریر سن کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ کانگریس میں شمولیت کر لی۔ اس وقت سے ہی یہ کانگریس کے ایک وفادار سپاہی کی حیثیت سے اپنی ڈیوٹی ادا کر رہے ہیں اور تادم زیست اپنا فرض کانگریس کے تئیں نبھانے کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں۔

غالباً ۱۹۳۳ء میں ان کے والد صاحب سرساوا ضلع سہارنپور میں بطور اسٹیشن ماسٹر آ گئے اور سہارنپور میں انھوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی کانگریس کے سرگرم والنٹیر بھی رہے۔ ریلوے کے ایک انگریز افسر J.B. HALDEN نے شرما صاحب کے والد صاحب کو سمجھایا کہ اپنے بیٹے کو سمجھاؤ ورنہ اس کا انگریز دشمن جماعت کانگریس کا ممبر ہونے کے باعث تمہاری نوکری بھی جاتی رہے گی۔ مگر انھوں نے اپنے والد صاحب کے سمجھانے پر بھی کانگریس کو نہیں چھوڑا۔ جس کے نتیجے میں ریلوے نے ان کے والد صاحب کو ملازمت سے معطل کر دیا۔ ۱۹۴۱ء میں بھوپندر طبیہ کالج پٹیالہ میں شرما صاحب نے داخلہ لے لیا۔ ان دنوں ریاست پٹیالہ میں پرجا منڈل کی تحریک زوروں پر تھی۔ بابو برش بھان جی، بابو نرائن دت جی، بابو سند کمل جی، اور گیانی ذیل سنگھ جی کی سرکردگی میں یہ والنٹیر کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دیتے رہے۔ جناب برش بھان سابق مکھیہ منتری پٹیالہ پیپسو کی رہنمائی میں شرما صاحب نے اپنی گرفتاری دی اور ان کے ساتھ ایک ماہ سنٹرل جیل پٹیالہ میں رہے۔ اس کے بعد راجپورہ میں پرجا منڈل کی کانفرنس میں انھیں گرفتار کر کے انھیں کسولی لے جایا گیا۔ جہاں پنجاب کے سابق چیف منسٹر مرحوم گیانی گورمکھ سنگھ مسافر نظر بند تھے۔ اور پھر ۱۹۴۶ء میں ریاست فرید کوٹ کی پرجا منڈل کی زبردست تحریک جس میں پنڈت جواہر لال نہرو اور ملک کے دوسرے مشہور لیڈر شامل تھے۔ گیانی ذیل سنگھ موجودہ چیف منسٹر پنجاب کی رہنمائی میں ڈاکٹر وید پرکاش شرما گرفتار کر لئے گئے۔ اور جیل لے جانے کی بجائے تمام گرفتار شدہ لوگوں کو ٹرکوں پر بٹھا کر جا کر جنگل میں چھوڑ دیا گیا۔

۱۹۴۶ء میں طبی تعلیم ختم کر کے مقام بسی پٹھانان ضلع پٹیالہ میں حکمت شروع کر دی اور اسی سال ان کی شادی بھی ہو گئی۔ آپ کے تین بچے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ تینوں بچے اپنے باپ کے نقش قدم پر کانگریس کے سرگرم ورکر ہیں۔ ان کا چھوٹا لڑکا سکندر ریوتھ کانگریس بلاک بسی پٹھانان کا پریذیڈنٹ ہے۔ ڈاکٹر صاحب آل انڈیا گاندھی سمارک کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ اور اب آل انڈیا طبی یونانی کانفرنس دہلی کی ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر ہیں۔ اور ڈی۔ سی۔ سی کا ممبر چلے آ رہے ہیں۔ اور آپ سی۔ سی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ بسی کے میونسپل پریذیڈنٹ بھی رہ چکے ہیں۔ اور ۱۹۶۱ء سے میونسپل کمشنر اور بسی بلاک کانگریس کے پریذیڈنٹ ہیں۔

نصیر افسر

ہندوستان اسٹیل۔ رانچی کا دوسرا کل ہند مشاعرہ

آج ۸ رمئی ۷۷ء ہے اور ابھی رات کے ۸ بج رہے ہیں۔ میں جناب
زادہ منظور احمد اور ناظر خیامی کے لئے آخری بار ریلوے اسٹیشن اور
اسٹینڈ کا چکر لگانے کے بعد شیاملی (ہندوستان اسٹیل کالونی)
س ہو رہا ہوں۔ واپسی میں مایوسی کا لحاف اوڑھ چکا ہوں کہ آج کے
اعرے کا کیا حشر ہوگا۔ کیونکہ آج کل مشاعروں کی کامیابی و ناکامیابی
نصار بہت حد تک اناؤنسر پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ملک زادہ و ناظر
ی اپنا منظوری نامہ ارسال کرنے اور پیشگی روپے منگوانے کے باوجود
ر نہیں ہو پائے ہیں۔ میں اسی سوچ میں غرق ہوں کہ ڈرائیور نے
ات گیسٹ ہاؤس پہنچ کر، جہاں شاعروں کے طعام و قیام کا
ام ہے۔ زوردار بریک لگایا ہے۔ کچھ لوگ میری جانب بڑھے
رہے ہیں کہ چل کر حال معلوم کریں۔ ہندوستان اسٹیل کے پہلے مشاعرے
خوشبو اب تک لوگوں کے ذہنوں میں رچی بسی ہے اور یہ بات ظاہر ہے
ج کا مشاعرہ گذشتہ مشاعرہ کی یاد کو مٹا نہ سکے گا۔

لیجئے! مشاعرہ گاہ سے مسٹر بھاٹیہ اپنے چند احباب کے ہمراہ آئے ہیں
ی کہہ رہے ہیں کہ مشاعرہ گاہ میں سامعین کا ہجوم غفیر منتظر ہے۔ لہذا
روں کو لے کر مشاعرہ گاہ میں پہنچا جائے اور مشاعرے کی کارروائی
ع کی جائے۔ میں جناب کے۔ پی۔ سکسینہ، جو ہندوستان
ل کے سکریٹری ہیں اور جن کی ہمت افزائی کے سبب یہ مشاعرہ
رہا ہے، سے تبادلہ خیال کر رہا ہوں کہ نظامت کے فرائض
صاحب کے سپرد کئے جائیں۔ ان کے مشورہ پر جناب پروفیسر
بنارسی صاحب کو اطلاع دی گئی ہے کہ آج کے مشاعرے کی
مت ان کے سر ہے تو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ انھوں نے اس
یش کو قبول فرمایا ہے۔

گذشتہ مشاعرہ کی طرح آج کا مشاعرہ بھی کمیونٹی ہال کے سامنے
فٹ بال گراؤنڈ میں ہو رہا ہے جہاں تقریباً ۸ ہزار سامعین جمع
۔ مدعو سامعین جو شہر کی معززین ہیں لمبے چوڑے پنڈال کی داہنی
اور بائیں جانب کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور سامنے شہر کی عام جنتا۔ کینٹین کی
کینٹین کے زیر اہتمام ایک بڑا سا ٹی اسٹال لگایا گیا ہے۔ اور مشاعرہ
گاہ کی چار جانب پولیس اور کمپنی کا سکیورٹی دستہ اپنی ڈیوٹی پر تعینات
ہے۔ نامہ نگاروں کے علاوہ پنڈال کی دائیں طرف ریڈیو والے بھی
ریکارڈنگ کے لئے نظر آرہے ہیں۔

جناب حفیظ بنارسی کو میں موجود شعرائے کرام کی فہرست دے
رہا ہوں اور پھر مائک پر جا کر جناب کے۔ پی سکسینہ کا نام گرامی
صدارت کے لئے پیش کرتا ہوں جس کی تائید جناب مختار احمد عاصی کر
رہے ہیں۔ جناب صدر نے مسند صدارت پر بیٹھتے ہی اپنا صدارتی
خطبہ پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ صدارتی خطبہ میں اردو کی مقبولیت
اس کی ہر دلعزیزی، اس کی شیرینی اور جنگ آزادی میں اس کے
کردار کو سامعین کے سامنے پیش کرنے کے بعد صدر اپنی جگہ
واپس بیٹھ چکے ہیں۔

پنڈال کے داہنے سرے پر جناب حفیظ بنارسی ایک چھوٹا
سا مائک سنبھالتے ہوئے سامعین کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔
شاعروں کی فہرست پڑھنے کے بعد اپنی مختصر سی تقریر میں فرماتے ہیں
کہ اردو کو اردو والوں سے جتنا نقصان پہنچا ہے اتنا غیر اردو والوں
سے ہرگز نہیں۔ آج اگر کسی شاعر کو مشاعرے میں شرکت کی دعوت
دیں تو باضابطہ وہ آپ سے BARGAINING کرنے کے بعد
ہی تشریف لائیں گے اور خدانخواستہ کسی دوسری جگہ سے زیادہ
رقم کی پیش کش ہو گئی تو آپ کے ساتھ کئے گئے سمجھوتہ کو وہ طاق
میں رکھ کر دوسری جگہ تشریف لے جائیں گے۔ اپنی تقریر کے بعد
حفیظ صاحب اپنی مخصوص جگہ پر لوٹ آئے ہیں اور شہر کے ہر دلعزیز
اور خوش گلو نوجوان شاعر جناب پرویز رحمانی کو زحمت آغاز مشاعرہ
دے رہے ہیں۔ پرویز رحمانی نے مترنم آواز میں ایک غزل سنائی ہے
جس کا یہ شعر بہت پسند کیا جا رہا ہے اور دوبارہ، مکرر ارشاد

کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔

بس اک تنہا ذات کی خاطر کل سے اب تک سوچ رہا ہوں
جانے کیسا شہر وہ ہوگا آب و ہوا راس آئے نہ آئے

پرویز رحمانی مناسب داد پاکر واپس لوٹ رہے ہیں اور اب باری ہے جناب حبیب الرحمٰن بزمی کی۔ آپ کی ایک مخصوص لے ہے جس میں آپ کی ہر غزل فٹ ہو جاتی ہے۔ پرویز رحمانی کے بعد آپ کچھ جم نہیں پا رہے ہیں۔ ان کا یہ شعر آپ بھی سماعت فرمائیں جو ماحول میں کافی سنجیدگی پیدا کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

نہ غم گساری نہ ہم نوائی نہ گفتگو میں خلوص و نرمی
دلوں میں نفرت نہاں ہے ترشی مزاج بدلے ہیں ہر بشر کے

بزمی صاحب اپنی غزل سنانے کے بعد واپس اپنی جگہ لوٹ آئے ہیں اور اب حفیظ صاحب نے جناب صدیق مجتبیٰ کا نام پکارا ہے لیکن آپ ڈائس پر نظر نہیں آ رہے ہیں۔

حفیظ صاحب کہہ رہے ہیں کہ اب میں آپ کے شہر کے ایک ایسے نوجوان شاعر کو زحمت دینے لگا ہوں جن کے اخلاق میں جادو، کلام میں مٹھاس اور جن پر یہ مصرع صادق آتا ہے۔
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو۔ اور جو ہندوستان اسٹیل مشاعروں کے روح رواں ہیں۔ یعنی میرا مطلب جناب نصیر افسر سے ہے۔ میں بوجھل قدموں کے ساتھ مائیک پر آیا ہوں اور عرض کر رہا ہوں کہ حفیظ صاحب نے میری جتنی تعریف کی ہے میں اس کے قابل ہرگز نہیں۔ آج میں اتنا تھک گیا ہوں کہ شاید آپ کی توقعات پر پورا نہ اتر سکوں گا۔ تاہم سماعت فرمائیے: ؎

اُس باغباں کی آنکھ سے بہتا ہے کیوں لہو
صحنِ چمن کو جس نے سنوارا ہے ہر طرف

اس شعر کو دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔

کیسے بچوں گا آج پیاموں کے شہر میں
اُٹھی ہوئی نظر کا اشارا ہے ہر طرف

مقطع پر حفیظ صاحب واہ واہ کر رہے ہیں۔

افسر ترے کلام میں حسنِ خلوص ہے
پگھلے ہوئے دلوں کا نظارا ہے ہر طرف

... کے بعد شہر رانچی کے کہنہ مشق شاعر جناب توحید رانچوی کو زحمت دی گئی ہے۔ میری فرمائش پر وہ ایک رنگین غزل ترنم سے عطا فرما رہے ہیں۔ ان کی غزل کا ایک ایک شعر ہنگامہ برپا کر رہا ہے اور چاروں جانب سے آہ اور واہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اس شعر پر تو سامعین داد دیتے ہوئے گھٹنے کے بل کھڑے ہو گئے

شبِ وعدہ جو مہندی لگ رہی ہے پاؤں میں ان کے
کوئی اس چال کو سمجھے نہ سمجھے ہم سمجھتے ہیں

ان کے ساتھ ہی مقامی شاعروں کا دور ختم ہو گیا ہے اور اب ہزاری باغ سے آئے ہوئے جناب نشاط الانصاری کو دعوت دی جا رہی ہے۔ آپ کی آواز سامعین کے شور و غل میں دب گئی ہے کوئی شعر صاف سنائی نہیں دے رہا ہے لہذا آپ کا کوئی بھی شعر نوٹ نہیں کیا جا سکا ہے۔ حفیظ صاحب سامعین سے درخواست کر رہے ہیں کہ اگر کوئی شاعر آپ کے پسندیدہ شاعروں کی فہرست میں نہیں آتا ہو تو کم از کم ان کو گوارہ تو کیا جا سکتا ہے تاکہ مشاعرے کے انتظام میں ناگواری محسوس نہ ہو۔ ان کی ان باتوں کا اچھا اثر پڑا ہے اور بہت حد تک لوگ خاموش ہو گئے ہیں

حفیظ صاحب فرما رہے ہیں کہ اب میں ایک ایسے شاعر کو زحمت دینا چاہتا ہوں جن کو ابھی تک بلانے کے حق میں قطعی نہ تھا۔ ان کے بلائے جانے کا ایک خاص وقت مقرر ہے وہ کیسا وقت ہے یہ بتانے کی ضرورت تو میں نہیں محسوس کرتا...

حفیظ صاحب کچھ اور آگے کہنا ہی چاہتے ہیں کہ سردار سنتوکھ سنگھ معصوم مائیک پر تشریف لے آئے ہیں کیونکہ سامعین کی نگاہیں ان پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ معصوم صاحب بہت خوب پڑھتے ہیں۔ ان کی ترنم ریز آواز ماحول میں سکون پیدا کر دیتی ہے۔ ان کا یہ شعر بہت پسند کیا گیا ہے۔

دیپک ساری رات جلے دن آئے بجھ جائے
برسوں بیت گئے سورج کا مکھڑا دیکھ نہ پایا

اس غزل کے بعد ایک اور پرانی غزل کی فرمائش سامعین نے کی ہے جس کا مطلع ہے۔

تیری دنیا میں یہ کیسی شان ہے زندگی جن کے سائے سے ڈرتی رہی
میں نے دیکھے ہیں ایسے ہزاروں دھنی جن کے سائے سے ڈرتی رہی

معصوم صاحب غزل کو ترنم میں پڑھ کر کامیاب و کامران اپنی جگہ

پس لوٹ آئے ہیں اور ان کے بعد پٹنہ سے آئے ہوئے جناب
ر احمد عاصی کو دعوتِ غزل سرائی دی گئی ہے۔ آپ کی آواز
یں ایک درد ہے جو آپ کی غزلوں کو تقویت بخشتا ہے اور
امعین کو سنجیدگی سے سننے پر مجبور کرتا ہے۔ تو لیجئے عاصی صاحب
ے دو شعر آپ بھی سماعت فرمائیں۔

بر تھی کہ اک ایسا بھی وقت آئے گا۔
مرا وجود اندھیرے میں ڈوب جائے گا

ے غرور کے آگے میں سرنگوں ہوں مگر
ہر ایک داغ مرے بعد سر اٹھائے گا

مشاعرہ اب اپنے شباب پر ہے۔ جناب عاصی کے بعد جمشید پور سے
ریف لائے ہوئے جناب اسلم بدر کو مائیک پر بلایا گیا ہے۔ آپ
ت میں ایک غزل پیش کر رہے ہیں۔ غزل کے دو شعر آپ بھی سن لیجئے۔

اہوں مبتلائے غم جہاں کوئی اور غم نہ سہلا گئے
مرے اس مرض کو خدا کرے نہ دعا لگے نہ دوا لگے

ہوشیار رہے یہ قدم وہ جو قافلے میں ہیں محترم
ہے خلوص دل سے وہ راہزن اور ادا سے رہنما لگے

جناب حفیظ بنارسی اپنی جگہ سے اٹھ کر مائک پر تشریف لائے ہیں
یک حسین غزل کے اشعار سامعین کی نذر کر رہے ہیں۔ ترنم میں
ر دو شعروں سے آپ بھی لطف اندوز ہو لیجئے۔

ب عشق نہیں باندھ کے رکھنے کے لئے
اس خزانے کو جہاں تک ہو لٹاتے رہئے

نیا میں ایک حسینہ ہے کم نہیں یارو
پیار ہے اس سے تو سر ناز اٹھاتے رہئے

جناب حفیظ بنارسی داد سمیٹتے ہوئے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ چکے
اور تعارف کرا رہے ہیں بھوپال سے تشریف لائے ہوئے بزرگ
جناب شعری بھوپالی کا۔ شعری بھوپالی اپنے مخصوص انداز میں
زل سامعین کی نذر کر رہے ہیں۔ ایک شعر آپ بھی سن لیں۔

یں ہر قدم پر اک نیا مرحلہ ہے
ٹھہر جانا بھی مشکل ہے گزر جانا بھی مشکل ہے

جناب شعری بھوپالی کے بعد جناب کیلاش کمار گل کی باری آئی ہے
کا شہر جمشید پور سے تشریف لائے ہیں اور اپنی مترنم آواز میں

ایک مرصع غزل عنایت کر رہے ہیں۔ یہ دو شعر کافی پسند کئے گئے ہیں
اور دوبارہ ارشاد پھر سے پڑھئے کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔
آپ بھی سنئے۔

پھر وہی رسوائیوں کا سلسلہ رہ جائے گا
ایک قطرہ بھی جو پلکوں پر رکا رہ جائے گا

جا ہی لیں گے قربِ ساحل اہلِ ہمت ڈوب کر
خوفِ طوفاں سے لرزتا ناخدا رہ جائے گا

بے حساب داد اپنے دامن میں سمیٹے جناب کیلاش کمار گل اپنی جگہ پر
واپس ہو چکے ہیں۔ حفیظ صاحب سامعین سے مخاطب ہیں اور
کہہ رہے ہیں کہ اب تک آپ صرف غزلیں ہی سن رہے تھے۔ اب
آپ کو ایک گیت نہیں بلکہ کئی گیت سنوائے جائیں گے۔ گیت کا نام
سنتے ہی سامعین کی نگاہیں جناب اجمل سلطانپوری کی جانب اٹھ گئی
ہیں۔ گیت اور اجمل ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ جناب اجمل ایک
نیا گیت بکھیر رہے ہیں۔

..... ابھی تو رات ہے راہی　　　ابھی تو رات ہے
تھپک کر بالکوں کو سو گئی ماؤں کی لوری بھی
ابھی تو گھونگھٹ ہے سونا اور ابھی سوئی ہے گوری بھی
جگت جگ جائے تو جانا۔ ابھی تو رات ہے راہی
ابھی تو رات ہے۔ ابھی تو رات ہے

ابھی تو انقلابی ٹولیوں پر نیند طاری ہے
کسی شہزادۂ خاور کی سب کو انتظاری ہے
کرن لہرائے تو جانا۔ ابھی تو رات ہے راہی
ابھی تو رات ہے۔ ابھی تو رات ہے

اس گیت کے بعد سامعین نے ایک اور گیت کی فرمائش کی ہے جو
کافی مشہور ہے۔ گیت کے بول ہیں۔

ساتھی تم کس دیس چلو گے　∴　تم بھی راہی ہم بھی راہی
میرا ساتھ کہاں تک دو گے　∴　تم بھی راہی ہم بھی راہی

ابھی جناب اجمل سلطانپوری یہ گیت پڑھ ہی رہے تھے کہ کسی نے
میری پشت پر ہاتھ رکھا اور یہ اطلاع دی کہ جناب انور اندوری ڈائس
کے باہر آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ ان کی اس ناگہانی آمد پر میں اچھل
پڑا کیونکہ ان کا کوئی بھی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ میں ایک

لمحہ برباد کیئے بغیر انھیں ڈائس پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اجمل صاحب کا گیت ختم ہو چکا تھا اور مشاعرے کا پہلا دَور ختم ہو چلا تھا جناب حفیظ بنارسی نے جناب نوؔر اندوری کا تعارف سامعین سے کرایا۔

یکے بعد دیگرے جناب نوؔر اندوری نے پانچ غزلیں سنائیں کیونکہ ایک غزل جیسے ہی ختم ہوئی ہے دوسری غزل کے لئے فرمائش نہیں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ جناب نوؔر چونکہ پہلی بار اس شہر میں تشریف لائے ہیں اس لئے فطری طور پر ان کے پڑھنے کا انداز اور جان لیوا ترنم نے سامعین کو کافی متاثر کیا ہے۔ پڑھنے کا یہ انداز۔ خدا سلامت رکھے اور یہ جان لیوا ترنم۔ ماشاءاللہ۔ کہ مشاعرہ گاہ میں آہ اور واہ کا ہر لمحہ دھماکہ ہو رہا ہے۔ ان کی غزلوں میں سے ایک آپ بھی سماعت فرمائیں۔

ملا تو نظر میں غزل کہہ رہا ہوں ∴ ارے بے خبر میں غزل کہہ رہا ہوں
ابھی میری جانب سے نظریں نہ پھیرو ∴ تمہیں دیکھ کر میں غزل کہہ رہا ہوں

اس شعر پر داد کا سیلاب امڈ آیا ہے۔

مری انگلیاں نبض حالات پر ہیں ∴ بہت سوچ کر میں غزل کہہ رہا ہوں
ذرا ان کی زلفوں سے خوشبو اڑا لا ∴ نسیم سحر میں غزل کہہ رہا ہوں

مرے سامنے اک مجسم غزل ہے۔

ابھی یہ مصرع ادا ہی کر رہے تھے کہ اتفاق سے ایک دوشیزہ برقعہ اوڑھے لیکن چہرہ کھولے ہوئے ڈائس کے سامنے سے گزر رہی تھی کہ سامعین اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ حفیظ صاحب نے بروقت آواز کسی۔ بھئی نوؔر صاحب کی غزل دیکھئے وہ تو کسی اور کی غزل ہے اور پھر قہقہوں کا دھماکہ ہوا۔ نوؔر صاحب اب اُسی غزل کو بار بار دیکھتے ہیں اور یہی مصرع پڑھتے ہیں۔ تقریباً تین چار منٹوں تک یہی ہوتا رہا۔ پھر انھوں نے شعر مکمل کیا۔

میرے سامنے اک مجسم غزل ہے ∴ غزل دیکھ کر میں غزل کہہ رہا ہوں

سچ پوچھئے تو نوؔر اندوری نے ڈرامائی انداز میں شریک ہو کر مشاعرے میں ایک نئی روح پھونک دی اور مشاعرے کے نبض کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ یہ مشاعرہ ۲½ بجے رات تک ہوتا رہا جب کہ کم از کم اسے تین یا چار بجے تک چلنا چاہئے تھا۔ شاعروں کی عدم شرکت نے مشاعرے کو کچھ حد تک پھیکا بنا دیا۔ وہ شعرائے کرام جن کی شرکت متوقع تھی اور وہ تشریف نہ لا سکے اور جو قابل معافی ہیں۔ جناب بیکل اتساہی، جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، جناب دلاور فگار، جناب زبیر رضوی، جناب وسیم بریلوی، جناب مقرب حسین مقرب، جناب جوگا سنگھ انور اور جو نا قابل معافی ہیں روپئے گنوانے کے بعد بھی شریک نہیں ہوئے۔ ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اور ناظر خیامی۔ یہ دونوں حضرات بوکارو جہاں اسی تاریخ کو گل بہار مشاعرہ ہو رہا تھا وعدے کو طاق میں رکھ کر وہاں تشریف لے گئے۔ اچھا اب اجازت دیں۔ خدا حافظ۔

رباعیات فدؔا

جناب سری کرشن صاحب فدؔا۔ گھوڑانی کلاں

کچھ عشق و محبت کی کہانی نہ رہی
وہ خون میں پہلی سی روانی نہ رہی
احباب نے کس وقت فدؔا یاد کیا
جس وقت کہ پہلی سی جوانی نہ رہی

ہاں دشمنِ ایمان اُبھر سکتا ہے
ہر بھیس میں شیطان اُبھر سکتا ہے
کیا یہ بھی خبر ہے تجھے آسودۂ ساحل
ساحل سے بھی طوفان اُبھر سکتا ہے

بد طینت و عیار بہت ملتے ہیں
مطلب سے پرستار بہت ملتے ہیں
اُلفت کا خریدار نہیں ہے کوئی
دولت کے خریدار بہت ملتے ہیں

سرور مرزاپوری

نام: شرافت علی خان تخلص سرور۔ والد کا نام:۔ ۔ مد علی خان صاحب۔ تاریخ ولادت: ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۴ء۔ ...ر مرزاپور۔ شاعری کی ابتدا: ۱۹۵۶ء

اردو ادبی دنیا میں سرور مرزاپوری کے نام سے جانے پہچانے ...نے والے پُرکشش شخصیت کے مالک سرور مرزاپوری مرزاپور ... ایک نہایت ہی معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے مورث ... جناب فتح خان مرحوم ڈیڑھ سو سال قبل افغانستان سے ۲ سو ...سواروں کے ساتھ ہندوستان آئے اور مرزاپور میں آباد ہوگئے ... شان و شوکت اور دبدبہ کے ساتھ یہ خاندان مرزاپور میں رہا ... آج بھی رہتا ہے۔

سرور مرزاپوری شعر و ادب کی تمام خصوصیات لئے ہوئے ...دنیا میں آئے یہ خاندان جہاد کا اثر تھا کہ سرور صاحب بھی ...جہد کو مقصد زندگی بنائے رہے۔

...۱۹۵۹ء کا زمانہ مرزاپور میں سیاسی سرگرمیوں کا زمانہ ... آنجہانی ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کی شخصیت سے متاثر ہوکر سرور ...احب نے سوشلسٹ پارٹی کی رکنیت اختیار کرلی اور سرگرمی ... اس میں حصہ لینے لگے اور جلد ہی اپنی کارکردگی کے پیش نظر جلد ... ڈسٹرکٹ سوشلسٹ کمیٹی کے جنرل سکریٹری بنادیئے گئے۔ ...۱۹۶ء میں بہ سلسلہ کاروبار بمبئی گئے اس مشینی شہر میں دو سال تک ...افق حالات کا مقابلہ مردانہ وار کرتے رہے آخرکار کامیابی نے ...کے قدم چومے کاروباری مصروفیتوں کے باعث سیاست سے ...ر ہوتے گئے اور پھر سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اور ... اس وقت ایک کامیاب بزنس مین ہیں۔

قبول صورت اور قبول سیرت ہونے کے علاوہ نہایت ... شعری و علمی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔

مومن کی شاعری سے بے حد متاثر ہیں اور اسی عقیدت ... آل انڈیا مومن اکیڈمی کی بنیاد ڈالنے پر مجبور کیا اور صرف ...ایک سال کے قلیل عرصہ میں آل انڈیا مومن اکیڈمی نے ملک گیر شہرت حاصل کرلی۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے۔

غزلیات

شبِ فراق نہ ہو اتنی سوگوار ابھی ٭ نمودِ صبح کرے گی نیا سنگار ابھی
میں چاہتا ہی نہیں ورنہ اے خدائے ستم ٭ نگاہِ شوخ تو ہو جائے شرمسار ابھی
جہاں جہاں بھی پڑے ہیں ہمارے نقشِ قدم ٭ مِلا رہے ہیں ستاروں سے وہ دیار ابھی
چمن کو ناز ہے جن پر چمن کی ساری زمیں ٭ انھیں کے خون سے ہوتی ہے لالہ زار ابھی
نہ باز ہو تو نے شکووں سے طبعِ نازک پر ٭ نیا نیا سا ہے سرور مزاج یار ابھی

۲

کوئی آتا نہیں پھر شیخ کے بہکانے میں ٭ دل کشی ہوتی جو کمبخت کے سمجھانے میں
جسکو تو راز سمجھتا رہا اب تک ناداں ٭ دیکھ لے آکے چھلکتے ہوئے پیمانے میں
اسکو پروانہ سمجھتا ہے کوئی کیا جانے ٭ زندگی جلنے میں حاصل ہے کہ مر جانے میں
سرنگوں آنکھوں سے آنسو نہ چھلک جائے کہیں ٭ ایک ایسا بھی ہے ٹکڑا مرے افسانے میں
ہائے کیا لوگ تھے کیا دور تھا وہ اے سرور ٭ لطف جب آتا تھا مر کے جی جانے میں

۳

ایسے بھی تو ہر شخص کو تم درسِ وفا دو ٭ جو در پئے آزار ہو اس کو بھی دعا دو
مغرور جو ہو جائیں غلط فہمی کے باعث ٭ آئینہ انھیں ان کی حقیقت کا دکھا دو
اس دورِ ترقی کا تقاضا یہ عجب ہے ٭ جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
اظہارِ تمنا پہ تعلق نہ کرو ختم ٭ اتنی سی خطا پر مجھے ایسی نہ سزا دو
فرصت ہی کہاں ہے جو پلٹ کر کوئی دیکھے ٭ اب منزلِ تکمیل ہے تم لاکھ صدا دو
دوزخ کی سزا دینی ہو جس کو تمہیں سرور ٭ خود کچھ نہ کہو بس اُسے نظروں سے گرادو

۴

یہ اور بات ہے جو آج بے نوا ہوں میں ٭ وہ دن بھی تھے کہ زمانے پہ چھا چکا ہوں میں
وہ جسکو دیکھ رہے ہیں دیکھتا ہوں میں ٭ سمجھ رہے ہیں وہ مائل بہ التجا ہوں میں
جمالِ دوست یونہی بے نقاب تھا کہ ابھی ٭ نظر تھی اب کہاں تک ہے دیکھتا ہوں میں
ہزار عیب سہی پھر بھی یہ سمجھ لیجے ٭ کہ اس زمانے میں سرمایۂ وفا ہوں میں
مقام آئے ہیں ایسے بھی جستجو میں تری ٭ ترے قریب سے ہوکر گزر گیا ہوں میں
نیازِ عشق کے صدقے خودی کی بلندی ٭ ہر ایک نقشِ قدم پہ سر جھکا چکا ہوں میں
یہ غم و پیش کے طوفاں کا سامنا سرور ٭ اور اپنی ناؤ کی کشتی کو دیکھتا ہوں میں

نردوش پٹیالوی

نام اوم پرکاش تخلص نردوش۔ تاریخ ولادت ۲۲ دسمبر ۱۹۳۰ء بمقام پٹیالہ (پنجاب) ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ صرف میٹرک سے آگے نہ بڑھ سکا۔ باوجود جوتشیوں اور نجومیوں کی پیشین گوئی کے کہ ودیا کی لکیریں بڑی اچھی ہیں۔ میٹرک بھی اپنے چچا پنڈت کشوری لال جی شاستری برنالہ کی کرم نوازی سے ۱۹۵۲ء میں سناتن دھرم ہائی سکول برنالہ سے امتیازی پوزیشن سے پاس کیا۔

ایک بہن اور ایک بھائی کی پرورش تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کے احساس نے کالج میں جانے اور اونچی تعلیم حاصل کرنے سے محروم رکھا کیونکہ آمدنی کے ذرائع محدود تھے بلکہ نہ ہونے کے برابر تھے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد اسی سکول میں ڈیڑھ سال تک پرائمری ٹیچر رہا اور اب ۱۹۵۴ء سے محکمہ ریلوے میں بطور اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر کے لدھیانہ میں ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہوں۔

شاعری کا آغاز اکیس سال کی عمر میں زمانہ طالب علمی میں جناب پروفیسر اندر سنگھ خاموش جو کہ پنجابی کے بہت اچھے شاعر ہیں کی ترغیب و تربیت سے شروع کیا۔

پہلے پہل پنجابی میں لکھنا شروع کیا (جیسا کہ تخلص سے ظاہر ہے) پنجابی کلام مقامی اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا رہا۔ حال ہی میں ادبی و مجلسی مقابلوں میں نمایاں حصہ لیا اور متعدد انعامات بھی حاصل کئے۔

پنجابی ساہتیہ سبھا برنالہ کا سرگرم ممبر رہا لیکن شاعری کا دائرہ رنگا سیاسی، دھارمک اور ڈراموں کی نظموں تک ہی محدود رہا۔ عام طور پر وقتی مسائل سے متاثر ہو کر ہی کہا جس کا ذکر اب بے وقت معلوم ہوتا ہے۔

اردو میں گو پہلے بھی طبع آزمائی کی لیکن باقاعدہ طور پر جناب ہری لال نسیم لدھیانوی کی ترغیب و تربیت سے لکھنا شروع کیا۔ اب تک جو کچھ بھی اردو میں کہہ پایا ہوں وہ ان ہی کی شفقت و اصلاح کا مرہونِ منت ہے۔

گو اتنا لمبا و کثرت سے نہیں لکھ سکا جس کا ذکر کر کے داد کا خواہاں ہونے کا دعویٰ کر سکوں پھر بھی نمونہ کلام حاضر ہے۔

غزلیات

۱

میخوار وہیں ہونگے میخانہ جہاں ہوگا ؛ سجدوں کے نشاں ہونگے بتخانہ جہاں ہوگا
مجروحِ رسوائی صد رنج و الم ہوں گے ؛ اے جانِ جہاں تیرا دیوانہ جہاں ہوگا
ذکر آئے گا دونوں کا میرا بھی تمہارا بھی ؛ ناکامیِ الفت کا افسانہ جہاں ہوگا
اپنوں کی عنایت نے بدلا ہے مزاج اپنا ؛ بیٹھیں گے وہیں جا کر بیگانہ جہاں ہوگا
کیا ہم بھی وہاں جا کر کیا رکھا ہے جنت میں ؛ نردوش کوئی دیکھا بھالا نہ جہاں ہوگا

۲

کیا قصہ بیاں ہو کر کبھی ان کی جدائی کا ؛ زمانے کو گماں گزرا مری نکتہ سرائی کا
بنی ہیں آنکھ رخسار و دل وہ کاجل کی تحریریں ؛ لیا جب خونِ دل سے کام ہم نے روشنائی کا
کھڑے ہیں بری طرح عاصی بروزِ سرِ محشر ؛ کہ جیسے برہمن کے سامنے جھوٹا دعوے خدائی کا
جو اق میں نظر آنے لگے واعظ بھی مے ساغر ؛ انہیں بھی کھا کے لجاتے کہا گیا غم پارسائی کا
خوشی معدوم دل مجروح، رنج آلود ہر دھڑکن ؛ حضورِ حسن سے پایا ہے تحفہ آشنائی کا
دعا مانگیں گے مالک سے دعا کے دور دل ان سے ؛ چلے گا عمر بھر یہ سلسلہ اپنی گدائی کا
کبھی نردوش انکی بے بسی پر بھی نظر ڈالی ؛ عبث الزام ہم پر ڈالا اے جی کو بیوفائی کا

۳

کیا بتائیں ہجر کی شب کس طرح ڈھلتی رہی ؛ زندگی اور موت میں اک کشمکش چلتی رہی
لمحہ لمحہ رہی بس دل کی جاں جانکنی ؛ دھیرے دھیرے اک چہرہ کا احساس سے چلتی رہی
آتشِ فرقت میں جانے کس بلا کا سوز تھا ؛ شمع کی صورت ہی شب بھر جان جلتی رہی
منزل کی لگن فریبے جا رہے تھے حوصلے ؛ خونِ دل پی کر تمنا پھولتی پھلتی رہی
بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی رنجش کی کہانی ؛ محفلِ یار کی آغوش میں پلتی رہی
جان کے جانے کی کس کو فکر تھی اے ہمنشیں ؛ اک تیاری سی جبہ الٹے طرح جلتی رہی
کب کہاں کس دور میں آزاد تھی یہ زندگی ؛ روز اول سے بیچاری ہاتھ ہی ملتی رہی

غلام محی الدین وفاؔ

میرا نام غلام محی الدین خطیب اور وفاؔ تخلص ہے۔ آبائی وطن بھدرواہ (جس کو چھوٹا کشمیر بھی کہتے ہیں) ہے یوم پیدائش ۱۵ ار پھاگن ۱۹۸۱ ب ہے۔ والد بزرگوار کا نام خواجہ غلام رسول خطیب تھا۔ ابتدائی تعلیم سری امر پائی اسکول بھدرواہ میں حاصل کی۔ بچپن سے علم موسیقی سے پیار رہا۔ خدا نے خوش الحانی کی نعمت سے نوازا۔ جوانی میں قدم رکھتے ہی مالی مشکلات کا سامنا رہا۔ تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ تلاشِ روزگار ہی کو آزمائشوں کا حل پایا۔ محکمہ جنگلات کی ملازمت اختیار کی۔ صحرا نوردی میں کتابیں پڑھنے کا شوق نہ چھوٹا۔ اور یہ راہ اختیار کرنے میں قدرتی مناظر بھی میری شاعری میں مددگار ثابت ہوئے۔ غرضیکہ موسیقی کے رگاؤں نے مجھے شعر کہنے کے لئے مضراب کا کام دیا۔ دل نازک تھا۔ چوٹیں سہتا گیا۔ اور نغمے ابھرتے گئے۔ غالبؔ، اقبالؔ، میرتقی میرؔ، جگرؔ، حفیظ جالندھری، سوداؔ، ذوقؔ، مومنؔ وغیرہ کا کلام محفلوں میں ساز پر سنانا بھی ایک مشغلہ تھا۔ ان اساتذۂ سخن کا کلام پڑھکر تنہا سوچا کرتا تھا کہ شاعر لوگ بھی کیا عجب انسان گزرے ہیں کہ وہ مرکر بھی زندہ ہیں۔ کیا میں بھی شاعر بن سکتا ہوں۔ سال ۱۹۵۲ء کا آیا تو میں نے ایک غزل لکھی مگر کسی کو سنانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی سال علاقہ بھلیس میں ایک جلسِ موسیقی زیرِ اہتمام خواجہ غلام رسول صاحب آزاد ریٹائرڈ ڈائرکٹر محکمہ تعلیم جموں کشمیر گورنمنٹ منعقد ہوئی تو میں نے ادبی گستاخی کی اور اپنی غزل بھی پیش کی جسکو صاحب موصوف اور اہلِ مجلس نے خوب پسند کیا۔ میرا بھی حوصلہ بڑھا۔ تب سے اُردو اور کشمیری میں لکھتا ہوں۔ میرا اُردو کلام بہت سے اخباروں اور رسالوں میں چھپا۔ کیا لکھتا ہوں یہ پڑھنے اور سننے والوں پر چھوڑتا ہوں اس پہلی غزل کے چند اشعار پیش کرتا ہوں جو میری شاعری کی ابتدا ہے اور آزاد صاحب کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں جنھوں نے میرا حوصلہ بلند کیا۔ ملاحظہ ہوں وہ چند شعر ؎

ان حسینوں کا کیا ٹھکانہ ہے ∴ دلِ عشاق آشیانہ ہے
اُس ستم گر کے تیرِ مژگاں کا ∴ دل نشانہ جگر نشانہ ہے

اُن کی آنکھوں کی سب پرستی ہے ∴ مے کا پینا فقط بہانہ ہے
رند پڑھتے ہیں اِک نمازِ وفاؔ ∴ زاہدوں کی یہ پنجگانہ ہے

کئی مشاعرے بھدرواہ۔ سرینگر کشمیر۔ میں پڑھ چکا ہوں میرا کشمیری کلام ریڈیو کشمیر سے وہاں کے مشہور گلوکار حضرات اور گلوکارہ صاحبہ کی زبانی نشر ہوتا رہتا ہے۔ جس کو کشمیری زبان جاننے والے پسند کرتے ہیں۔ ان گلوکار اور گلوکارہ کے اسم گرامی اس طرح ہیں۔ غلام محمد صاحب راہؔ۔ غلام محی الدین صاحب بلبلؔ غلام محمد صاحب بٹ۔ گیلانی صاحب۔ راج بیگم صاحبہ نسیم اختر صاحبہ اندرا کاچرو وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ وفاؔ اب سب کی وفاؔ ہی تخلص رکھنا مناسب سمجھا۔ کشمیری کلام "ناد" عنقریب چھپ کر عوام کی نذر ہوگا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

غزلیات

آکے تجھ بن قرار کھویا ہے ∴ لُطف فصلِ بہار کھویا ہے
آج کٹتی نہیں یہ ہجر کی رات ∴ صبح کا اعتبار کھویا ہے
دل کے لٹنے کا غم نہیں یارو ∴ حسرتوں کا مزار کھویا ہے
کیا بجے گا بھلا وہ ٹوٹا ساز ∴ جس کا مضراب تار کھویا ہے
دوستو اب وفاؔ کے مرقد پر ∴ آکے کہنا کہ یار کھویا ہے

۲

عشق ہے راز الگ ∴ حُسن کے ناز الگ
جتنے دل ہوں اگر ∴ چاہیئے ساز الگ
سوزشِ بزمِ صنم ∴ اِن کی آواز الگ
آج کی دُنیا کا ∴ فکر و انداز الگ
ذوقِ اربابِ سخن ∴ کی ہے پرواز الگ
حاصلِ مہر و وفاؔ ∴ ہم ہیں جانباز الگ

بقیہ ص ۱۶ آزاد بہاولپوری

شاخیں الجھی ہیں سرنگوں ہیں شجر ∴ جھونکے ہر چند گدگداتے ہیں
جیسے پتھر نشاں میلوں کے ∴ بس کے راہی گزرتے جاتے ہیں
جیسے مُفلس کی زندگانی میں ∴ ایک جیسے ہی سال آتے ہیں

آزاد بہاول پوری

نام: اوم پرکاش، تخلص آزاد، ۱۱ نومبر ۱۹۲۶ء کو بہاولپور میں پیدا ہوا۔ اور نومبر ۱۹۴۷ء کو ہجرت کر کے ہندوستان آگیا۔ مڈل اور میٹرک کے امتحانات بہ اول درجے ہی پاس کئے۔ ادیب فاضل اور بی۔ اے دہلی سے کیا۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن سے رہا۔ پہلا شعر شاید ۱۵ یا ۱۶ سال کی عمر میں کہا۔ غزلیں، نظمیں، قطعات، گیت، سہرے، مرثیے سب کہے۔ طبیعت کا رجحان نظم کی طرف زیادہ رہا۔ تقسیم ہند کے بعد ملازمت کے دوران ٹریڈ یونین تحریک سے منسلک ہو گیا۔ اور کافی انقلابی کلام لکھا۔

مجموعۂ کلام تو تکمیل ہو چکا ہے مگر کوئی پبلشر اسے چھاپنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ اخبارات و رسائل میں چھپنے کی خواہش اب نہیں رہی کہ تقریباً سارا کلام ہند و پاکستان کے مختلف جرائد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۹۴۲ء سے ملازمت شروع کی۔ ریلوے، فوج، بی۔ ایچ کیو میں تھوڑا تھوڑا عرصہ ملازمت کر کے ۱۹۴۶ء جنوری سے سٹیٹ بنک آف انڈیا میں ملازم ہوں۔

آج کل میرٹھ چھاؤنی میں ڈپٹی منیجر اکاؤنٹس کے عہدے پر مامور ہوں۔ جب سے افسر بنا ہوں غیر شاعر ہوتا جا رہا ہوں شاعر اور حساب دان کا مرتبہ میں ہی شکار میں ہوں۔ کئی اور بھی نہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کا تضاد ہے۔

پسندیدہ شعرا میں فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، احسان دانش، جگر مراد آبادی، عدم، اقبال اور غالب ہیں۔

ملازمت کے سلسلے میں ان مقامات پر رہا ہوں: بہاولپور، احمد پور شرقیہ، انبالہ چھاؤنی، دہلی، جودھپور، شملہ، المورڑہ، دہرہ دون، رشی کیش، ہردوار، ہاپوڑ، جھولی، میرٹھ، غازی آباد۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے ؎

دو پنچھیاں۔ دو سہیلیاں (اسپتال میں جن کے بستر پاس پاس تھے)
سنتوش کی سہیلی صبر النسا رہی ہے

اک ڈور دوستی کی دونوں میں بندھ رہی ہے
بے حد گھٹی فضا میں ماحول اسپتالی۔
دو اجنبی دلوں نے راہِ خوشی نکالی
کھدر کے سوٹ پہنے اور وہ بھی ڈھیلے ڈھالے
کمروں میں گھومتی ہیں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے
نکلیں برآمدے سے وہ مُڑ مُڑ رہی ہیں
دو تتلیاں ہیں گویا گلشن میں اُڑ رہی ہیں
معصومیت تو دیکھو دنیا سے بے خبر ہیں
راہِ خلوص و اُلفت پہ دونو ہم سفر ہیں
باتوں میں سادگی کے ایسے کنول کھلائیں
سُن لیں اگر فرشتے عزت سے سر جھکائیں
یہ عمر ہے کہ جس میں روحوں میں تازگی ہے
ذہنوں میں روشنی ہے چہروں پہ سادگی ہے
نفرت سے دُور کوسوں بستی ہے ان کی دنیا
ہلکے تبسموں سے سجتی ہے اِن کی دنیا
اے کاش عمرِ انساں میں ایسا دَور آئے
جب ان کی عمر آئے تو عمر ٹھہر جائے

غزل

نیچی نیچی پلکیں ہائے ⁘ چاہا لیکن بھول نہ پائے
نام کسی کا جب یاد آیا ⁘ جانے کتنے غم یاد آئے
داغِ جگر تو چھپ سکتے ہیں ⁘ لیکن دامن کون چھپائے
ہجر میں عمریں بیت رہی ہیں ⁘ جیسے دو متوازی سائے
پاس رہے تو عشق ہے جنت ⁘ دُور رہے تو آگ لگائے
اُٹھو اے بے نور لگا ہوا! ⁘ حُسن نے پھر جلوے بکھرائے
شامِ حیات اب آ پہنچی ہے ⁘ گہرے ہو گئے موت کے سائے
رسوائی آزاد گوارہ ⁘ حُسن پہ کچھ الزام نہ آئے

سالِ نو پر

اُن کی دعوت پہ آگرہ کا سفر ⁘ دل میں لاکھوں خیال آتے ہیں
کالی راہوں پہ چھپتے چھپتے گرتے ⁘ بس کے پہیوں میں آ کے جاتے ہیں

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھئے

• اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گرد و پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے

• ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں تو پھر اُن جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنھیں ہم سب استعمال کرتے ہیں؟

• ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبّوں اور درحقیقت اُن تمام جگہوں کو جہاں بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گرد و پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

ریلوے نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں۔ اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلے میں ریلوے کی مدد کرسکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپکے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں رہے۔ اس طرح اسٹیشن اور منسلکہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھیے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے اِدھر اُدھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے آپ کا یہ معمولی سا کام بھی آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے اسے صاف شفاف رکھئے

ناردرن ریلوے

سنتوش کمار کوکب گھروَنڈوی

میرا نام سنتوش کمار ہے۔ تخلص کوکب کرتا ہوں۔ گھرونڈہ، پانی پت کے نزدیک ایک قصبہ ہے جو میرا وطن ہے۔ والد صاحب محکمہ ریلوے میں عہدے دار تھے۔ عہدِ طفلی میں والد کی سرپرستی سے محروم ہو گیا۔ دسویں پاس کرنے پر پولیس میں بطور سپاہی بھرتی ہوا۔ ٹریننگ کے بعد ایک تھانہ میں تبدیل ہوا مگر چند دنوں میں شکایتاً پولیس لائن میں آ گیا کیونکہ تھانیدار کی مرضی کے مطابق ایک مقدمہ میں جھوٹی گواہی نہیں دے سکا۔ اس کے بعد کبھی تھانہ کی طرف منہ نہیں کیا۔ ۱۵ سال سے دفتر پولیس میں بطور کلرک کام کرتا ہوں اور دفتر سے فارغ ہونے کے بعد فکرِ سخن۔ پولیس کا رنگ مجھ پر نہیں آیا۔ جبکہ پولیس کے ماحول نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی اتنا ہی میں دور ہوتا گیا۔ جس کا اشارہ میں نے ایک شعر میں کیا ہے؂

مستی وہی ہے ہستی، مستی وہی ہے مستی ؂ جو ہو سکی مبرا ماحول کے اثر سے

ادیب فاضل، منشی فاضل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد شغلِ شاعری اختیار کیا۔ ایک مرتبہ حضرت جوشؔ ملسیانی کے حضور میں بغرضِ اصلاح پہنچا تو صاحب موصوف نے کلام دیکھ کر فرمایا "طبیعت بحر کے موزوں پایا موزوں ہونے سے واقف ہے مشقِ سخن عمر کے لحاظ سے تسلی بخش ہے۔ مگر میں ضعیف ہو چکا ہوں یہ خدمت قبول نہیں کر سکتا۔ کسی دوسرے شخص کو تلاش کر لیں" اس کے بعد آج تک میں کسی دوسرے استاد شاعر کے پاس اصلاح کے لئے نہیں گیا۔

ضیائے کوکب کے عنوان سے ایک مجموعۂ کلام شائع کرایا۔ جو میرے ابتدائی دَور قبل از ۱۹۶۸ء کا کلام ہے۔ یہ کلام کئی اعتبار سے ناقص ہے۔ ۱۹۶۸ء کے بعد تقریباً ۲۰۰ غزلیں اور نظمیں موزوں کی ہیں۔ ان غزلوں کے منتخب اشعار پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

نمونۂ کلام؂

یہ رنگِ طبیعت بھی کیا رنگِ طبیعت ہے
کچھ شوقِ اذیت ہے کچھ شوقِ مسرت ہے

اب چارہ گری کا بھی انجام خدا جانے
بیمارِ محبت کی کچھ اور ہی حالت ہے۔

تورو کے ذرا چاہے یا طیش میں آ باطل
مغلوب نہ یہ ہوگی، آوازِ صداقت ہے

ان زہرہ جبینوں میں سرمایۂ حسینوں میں
جو وقت گزر جائے وہ وقت غنیمت ہے

کوکبؔ کے خصائل کو کیا پوچھتے ہو یارو
تحریر ہی صورت ہے تحریر ہی سیرت ہے

نگاہِ دوربیں سے ماہ و اختر دیکھنے والے
تو باطن بھی تو اپنا دیکھ منظر دیکھنے والے

کچھ ایسی ہی ادا سے شرمگیں آنکھیں اٹھیں اُسکی
پکارے دیکھ کر "اللہ اکبر" دیکھنے والے

کہا یہ کیا ہمیں زعمِ بصیرت ہے یہ کہہ کر کیا!
میسر بھی کہیں ہیں ہم سے بہتر دیکھنے والے

خمِ ابرو نے پہنچایا ہے کوکبؔ تیغِ قاتل تک
رہیں اب دیکھتے انجام کا فر دیکھنے والے

ہرجس رائے جگر

جناب ناظم ناندوی

ہرجس رائے نام جگر تخلص چیلا رام مہتانی کے چشم و چراغ ۱۹۱۶ء کو پیر بخش سبڑو نامی گاؤں ضلع لاڑکانہ سندھ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی اور وہیں کریانہ کی چھوٹی سی دکان سے اپنی کاروباری زندگی کا آغاز کیا سندھ کے مشہور شاعر و ادیب جناب سید امیر علی صاحب آمیر اور جناب عبدالعزیز سبڑو صاحب عزیز جگر کی دکان پر بیٹھ کر اکثر ادب پر تبادلۂ خیال کرتے تھے اور جگر حیرت سے ان حضرات کا منہ تکتے رہتے تھے۔ ان حضرات کی صحبت اور مسلسل اصرار پر جگر نے بھی سندھی زبان میں طبع آزمائی شروع کی اور اپنے کلام پر جناب سید امیر علی صاحب آمیر سے اصلاح لیتے رہے جب کہ کچھ فنِ عروض جناب عبدالعزیز صاحب سے حاصل کیا۔

ہند پاک تقسیم کے بعد ۴۸-۳-۳۰ کو جگر نے جوناگڑھ اسٹیٹ میں پناہ لی۔ رفتہ رفتہ حالات معمول پر آنے کے بعد ۱۹۵۰ء میں جگر کو یوپی کے کٹنی نامی گاؤں میں شادی کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ اس کے بعد بھی قسمت میں اور در در بھٹکنا لکھا تھا اس لئے ہاتھوں کی لکیریں مہاراشٹر کے ضلع ملڈانہ ناندورہ نامی گاؤں میں لے آئیں یہاں آکر پہلے آپ نے ہوٹل کا کاروبار شروع کیا۔ بفضل ربی ہوٹل جب چل نکلا تو اس کو بھائیوں کے سپرد کرنے کے بعد جگر نے ذاتی محنت، لگن، جستجو اور مسلسل جد و جہد سے موٹر وائنڈنگ اور ریفریجریٹر کا کام شروع کیا اور پھر اپنے دو لنکڈ سے موہناتی محل میں ہی جگر ریفریجریٹر سروس کے نام سے ورکشاپ کی بنیاد ڈالی جو ہندوستان گیر شہرت کا حامل ہے۔

ناندورہ آنے سے قبل ہی جگر سندھی شاعری ترک کر چکے تھے۔ لیکن ان کی ملاقات ایک روز ناندورہ کے معروف شاعر آصف شہید (مرحوم) سے ہوئی جنھوں نے ان کے سندھی شعروں کو بہت سراہا اور اردو شاعری کی دعوت دی جو جگر نے قبول کر لی لیکن جگر کے لئے اردو شعر کہنا گویا ہتھیلیوں پر سرسوں جمانے کے مترادف تھا کیونکہ جگر اردو سے نابلد تھے پھر بھی انھوں نے طبع آزمائی شروع کی۔ ابتدا میں آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیا چونکہ فنِ عروض سے واقفیت تھی اس لئے جلد ہی اردو شاعری کو اپنا لیا۔ اور آج ملڈانہ ضلع کے مشہور شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ جگر ناندورہ کی سب سے سرگرم ادبی انجمن "انجمن بقائے اردو" کے صدر بھی ہیں۔ ان کا مجموعۂ کلام جو زیر ترتیب ہے انشاءاللہ اسی سال منظر عام پر آجائے گا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے۔

نعت:-

سنبھالو سنبھالو خدارا محمدؐ ✽ نہیں دیکھے اب سہارا محمدؐ
کروڑوں کی زباں میں تعریف ان کی ✽ جو رب کو بھی ہے سب سے پیارا محمدؐ
بہت حسرتیں ہیں مدینے کو جاؤں ✽ وہاں کا میں دیکھوں نظارا محمدؐ
خدا کی قسم اس کو جنت ملے گی ✽ جو تھامے گا دامن تمہارا محمدؐ
ملی دل کو تسکیں غم دور بھاگے ✽ جو مشکل میں تم کو پکارا محمدؐ
دل و جاں لٹائیں نہ کیوں آپ پر لوگو ✽ محمدؐ کے ہم ہیں ہمارا محمدؐ
جگر ڈگمگائے نہ ایمان کی کشتی ✽ ہر اک موج کا ہے کنارا محمدؐ

طرحی غزل:-

ادھر دیکھو ادھر دیکھو یہاں دیکھو وہاں دیکھو
سبھی ہیں مبتلائے غم جدھر دیکھو جہاں دیکھو

گل و بلبل تو کیا ہر شے یہاں ہے نوحہ خواں دیکھو
"عجب ہاتھوں میں آیا ہے نظامِ گلستاں دیکھو"

یہ اپنی قسمت ہے ہمیں تم داد کیا دو گے
بنایا ہے قفس میں ہم نے اپنا آشیاں دیکھو

مکمل آشیاں ہوتا تو کوئی بات تھی لیکن
ابھی سے کیوں غضب میں ہیں ابھی بجلیاں دیکھو

جگر ہمراز ہو کوئی تو عرضِ مدعا کر دیں
زباں ہوتے ہوئے بھی ہیں یہاں ہم بے زباں دیکھو

یوگیش کمار صحرائیؔ

نام:۔ یوگیش کمار تخلص:۔ صحرائیؔ۔ پورا نام:۔ یوگیش صحرائیؔ
مختصر حالات زندگی۔

۱۸ اپریل ۱۹۵۰ء میں ضلع اُدھم پور (جموں کشمیر) میں پیدا ہوا۔ وہیں سے تعلیم شروع کی۔ اس کے بعد جگہ جگہ پڑھنا شروع کیا۔ والد صاحب ٹی۔ آر۔ پردیسی ریاست جموں و کشمیر کے مشہور ادیب ہیں۔ لہٰذا مجھے بھی ادب سے شوق رہا۔ اور یہ شوق رفتہ رفتہ بڑھتا ہی گیا۔ شاعری مکمل طور پر دس سال ہوئے شروع کی۔ اس سے قبل ڈرامہ، سٹیج پر زیادہ کام کرتا رہا ہوں۔ دوران تعلیم سکول، کالج سے کئی انعامات حاصل کئے۔ اور مجھے ڈانس کا بھی شوق رہا۔ اس میں بھی انعامات حاصل کر چکا ہوں۔ سال گزشتہ جموں و کشمیر یوتھ کی جانب سے جموں و کشمیر کا اول انعام بھی حاصل کر چکا ہوں۔ کالج سے تعلیم ختم کرنے کے بعد اپنے کاروبار میں لگ گیا۔ اب تک اپنے ہی کاروبار میں مشغول ہوں۔ اور خدا نے چاہا تو شاعری کے ساتھ کاروبار میں بھی ترقی کرتا رہوں گا۔ زیادہ تر میں نے شاعری کی تعلیم محترم والد صاحب سے حاصل کی ہے۔ لیکن ادبی دنیا میں مجھے آگے لے جانے میں اور بھی شعرا حضرات کا ہاتھ ہے۔ ان میں زیادہ تر شری کیتی سیکن مالا، جناب رہبر جدید، جناب بکیش کشمیری، جناب جوگندر ریچک اور جناب ساحر سیالکوٹی کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ویسے تو میرا کلام جموں و کشمیر کے عام اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے اس کے علاوہ پنجاب کے چند اردو اخبارات میں بھی میری غزلیات و افسانے آتے رہتے ہیں۔ میں شاعری اردو، ہندی، ڈوگری اور پنجابی زبانوں میں کرتا ہوں۔ عام زبان اور سادگی میں شعر کہتا ہوں۔ اس وجہ سے میرا کلام ریڈیو کشمیر جموں کے جموں سٹیشن سے ڈوگری گیت بھی کئی بار نشر ہوئے۔ گائک اور کلاکار میرے کلام کو شرف دے کر کئی بار سٹیج پر گاتے ہیں۔ جن میں چند گانے بہت مقبول ہو چکے ہیں۔ سب سے زیادہ والد جناب ٹی۔ آر۔ پردیسی صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے مجھے درس دیا۔ اور ان کی وجہ سے اس مقام تک پہنچا۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے:

"غزل"

دُزدِ مندروں کو محبت میں ستانے والو
راہِ الفت میں کئی جال بچھانے والو

خود تماشا ہے یہاں عشق تماشائی بھی
کھیل اُلفت کا زمانے میں رچانے والو

عشقِ اسرار کے پردے میں نہیں اڑ سکتا
عشق کے راز پہ اے پردہ گرانے والو

سر یہ دہلیز پہ دُنیا کی نہیں جھک سکتا
سر اُٹھاؤ ذرا سر کو جھکانے والو

اُن کے دامن سے ملی ہے مجھے غم کی دولت
مجھ پہ تم رشک کرو ہنسنے ہنسانے والو

تم کو بھی لُوٹ نہ لے کوئی لٹیرا بن کر
مجھے اس راہ میں اے لُوٹ کے جانے والو

ہم سے ہیں خاک نشیں پہلے ہی ہٹائے ہیں ملے
شہر سے دُور مجھے آج دبانے والو

خود گریبانوں میں تم جھانک کے پہلے دیکھو
یوگی صحرائیؔ پہ اے انگلی اٹھانے والو

غزل:۔

تشنہ لبوں کے سامنے ہوتی ہے زندگی
رندانِ بادہ نوش پہ روتی ہے زندگی

غم خانۂ حیات میں غم تو ملے کئی
لذت غمِ حیات کی کھوتی ہے زندگی

کتنے زمانہ ساز ہیں زہرہ جمال بھی
ہر دم نئے فریب میں ہوتی ہے زندگی

دل میں ہمارے درد ہے خنجر کہیں چلے
دُنیا کے غم کو دل میں سموتی ہے زندگی

صحرائیؔ تیرے، اشکِ رواں تمام شب
دامن کو اپنے خوب بھگوتی ہے زندگی

بی ۔ ڈی ۔ کالیہ ۔ ہمدم

نام ۔ بی ۔ ڈی کالیہ ۔ تعلیم ۔ بی ۔ ایس ۔ سی ۔ بی ۔ ٹی ۔ عہدہ ۔ اسسٹنٹ پراجیکٹ آفیسر (MFAL) بھوانی ۔ بچپن سے شعر و شاعری کا شوق ہے ۔ اردو زبان کی تعلیم تو سکول میں کم پائی لیکن اردو ادب کا مطالعہ کیا اور ہند و پاک کے مشہور شاعروں کے کلام بھی پڑھے ۔ ہندی زبان میں بھی کویتا کہنے کا شوق ہے اور ہندی ساہتیہ سمیلن کی حصار برانچ کے ذریعہ چھپنے والی سماریکا میں میرا کلام چھپ چکا ہے ۔

جناب زخمی حصاری اور جناب رانا نابالوی صاحب سے مشورہ حاصل کر رہا ہوں ۔ نمونہ کلام حاضر ہے

حوصلہ حوصلہ ۔ بزدلی بزدلی ❖ روشنی روشنی تیرگی تیرگی
زندگی کے چمن میں نہیں تازگی ❖ ہم نے ہر طور سے دیکھ لی زندگی
رخ دمکتا ہوا لب مہکتے ہوئے ❖ دھوپ میں جس طرح پھول کی تازگی
آگ کیسی لگی اب کے برسات میں ❖ پی رہا ہوں مگر بڑھ رہی تشنگی
حسن ہوتا رہا ہم پہ جتنا خفا ❖ اُتنا بڑھتا رہا جذبۂ عاشقی
دیکھتے دیکھتے بُت خدا بن گئے ❖ بن گئی تھی ہماری کہ جادوگری
غم کے بھی سلسلے عیش کے قہقہے ❖ سوز بھی زندگی ساز بھی زندگی
رُوح بدلے گی ہمدم نیا پیرہن ❖ موت سے پھر ملے گی نئی زندگی

جہاں بھر میں کہیں ماتم نہیں ہے ❖ کسی کو بھی ہمارا غم نہیں ہے
ذرا دامن بچا لے مجھ سے آنسو ❖ ستارے ہیں کوئی شبنم نہیں ہے
بظاہر وہ پریشاں سے ہیں لیکن ❖ سنہری زلف تو برہم نہیں ہے
کنارے پر لگا دے میری کشتی ❖ نہیں تو کہہ دے تجھ میں دم نہیں ہے
چراغِ ہند میں ہے بات کوئی ❖ کہ آندھی میں بھی لو مدھم نہیں ہے
ہماری دوستی کیا دشمنی بھی ❖ کسی کی دوستی سے کم نہیں ہے
یہاں نکلے گا سورج ہر سحر کا ❖ یہ پورب ہے کوئی پچھم نہیں ہے
چلا ہے جانبِ منزل تو ہنس لے ❖ کہیں رُکنا تجھے ہمدم نہیں ہے

وہ جو شعلوں سے مسرور ہو کر ❖ بہت پاس نکلے بہت دور ہو کر

نہ ہو عشق تو حسن کچھ بھی نہیں ہے ❖ کرے کیسے روشن یہ بے نور ہو کر
منور ہے غم سے محبت کی دنیا ❖ اندھیرے سے نکلی ہے پُر نور ہو کر
اسی آس پہ ہم تو پیاسے رہے ہیں ❖ کہ یہ جام چھلکے گا بھرپور ہو کر
محبت کے انداز بدلیں تو کیونکر ❖ محبت تو رہتی ہے دستور ہو کر
جو دُنیا کے الفت میں بدنام ہونگے ❖ جہاں میں رہیں گے وہ مشہور ہو کر
محبت کا حاصل کوئی اُن سے پوچھے ❖ جو چڑھتے ہیں سولی پہ منصور ہو کر
محبت میں ہے زور جو میرے ہمدم ❖ چلے آؤ گے تم بھی مجبور ہو کر

بظاہر حسیں ہیں بے صبر سے ❖ زباں کا کام لیتے ہیں نظر سے
نظر کو ہے وہی جلوؤں سے نسبت ❖ اُجالوں کو جو ہوتی ہے سحر سے
نہیں اشکوں پہ حق اپنا کوئی بھی ❖ نکلتے غیر ہی دیکھے ہیں گھر سے
بہت باتیں بناتے ہو طبیبو! ❖ دوا کی جانچ ہوتی ہے اثر سے
راہِ اُلفت میں کیا دشواریاں ہیں ❖ کوئی پوچھے ذرا اہلِ سفر سے
قیامت تک ہے رنگیں فسانہ ❖ لکھو ہمدم اگر خونِ جگر سے

غزل

کلیم سرونجی

کھنک ساغر کی باقی ہے نہ شورِ ہاؤ ہو باقی
سپُردِ طاقِ نسیاں ہو گئے جام و سبو ساقی
کوئی اب کیا بہاروں کی کرے گا آرزو ساقی
خزاں کے ہاتھ میں ہو جب نظامِ رنگ و بو ساقی
یہ میری میکشی پر طعنہ زن کیوں ہیں جہاں والے
کہاں ہے میرے ساغر میں غریبوں کا لہو ساقی
بہاروں کے پسِ پردہ ہے کیا دنیا کو سمجھا دے
اٹھا دے آج چہرے سے نقابِ رنگ و بو ساقی
ہماری تشنگی پر کیوں یقیں آتا نہیں تم کو
کہ عرضِ حال میں ممکن نہیں ہم سے غلو ساقی
نقاب اپنا الٹنا ہی پڑا آخر کلیم ان کو
ہمارے کام ہی آئی ہماری ہاؤ ہو ساقی

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی

کے

بیس نکاتی اقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کے دلدل سے نکل سکتا ہے اور ہم ڈسپلن سے قومی کیریکٹر کو بلند کر سکتے ہیں آئیے ہم سب مل کر وزیر اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں۔

دیال سنگھ کالج

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلباء کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یکجہتی۔ اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اراکین منتظمہ کمیٹی

دیال سنگھ کالج کرنال (ہریانہ)

محمد اقبال خاں زخمی جمشید پوری

۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء کی ایک سرد رات میں (محلہ گول موری جمشید پور) عالم وجود میں آیا۔ ۱۰ برس کی عمر ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ اس لئے میں بھی ان ہزاروں بدنصیبوں میں سے ایک ہوں جو باپ کی شفقت سے محروم ہیں گرم سورج کی تمازت جب بھی میرے سر پر پڑتی ہے مجھے اس بیکراں سائے کا شدت سے احساس ہوتا ہے غربت اور مصیبت سے زور آزمائی کرتے ہوئے جب ہوش سنبھالا تو اپنی ماں کی آنکھوں میں شکستہ خوابوں کی پرچھائیاں دیکھیں اور تمام کاروبار پر عزیز و اقارب نے چھاپہ مار لیا تھا اس عالم بیکسی میں اپنے آپ کو پھوپھی زاد بھائی جناب محمد علی خاں کے احسانوں تلے دبے پایا ان کی محبت اور شفقت نے میری زندگی میں نئے نئے رنگ بھر دئیے ان کے بہ الہ ایسے احسانوں کو اپنے کمزور کاندھوں پر اٹھائے جی رہا ہوں ہر چند کہ زندگی کا تقاضا ہی اور ہے

زندگی میں اس قدر رسنگ احساس سے ٹکرا کر چکنا چور ہو رہا ہوں کہ اب سنبھلنا مشکل ہے میں نے بھی عام لوگوں کی طرح بہت سے حسین خواب دیکھے لیکن وہ حسین خواب آنسو بن کر بہہ گئے اب میرے پاس بیتے ہوئے دنوں اور یادوں کے نقوش کے سوا کچھ بھی نہیں اور انھیں بکھرے ہوئے خوابوں کو اپنے دامن میں سمیٹے کل کی آرزو، کل کی تلاش میں تن تنہا آگے کی طرف بڑھ رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ یہ میرے دکھ کا انت ہو۔ اور شاید زندگی کے اس دکھ کا یہ سفر ختم ہو رہا ہو اور مجھے وہ منزل مل جائے جس کی مجھے ایک مدت سے تلاش ہے جس کے لئے میں جد و جہد میں مصروف ہوں اور یہ کہ دل نے مرے حوصلے بڑھائے ہیں ؛ غموں کی دھوپ کے آگے خوشی کے سائے ہیں
جو مجھ پر گذری اگر اور کوئی ہوتا تو ہمت ہار کر بیٹھ جاتا لیکن میں ہاتھ پیر مارنے کو زندگی سمجھتا ہوں اور اب عالم یہ ہے ع

کیوں دل کے حوصلے ہیں جواں کچھ نہ پوچھئے۔ اور سہ

حوادث سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے ؛ مجھے دشواریوں پر اشک برسانا نہیں آتا

نثر لکھتا ہوں۔ اکثر کسی واقعہ یا حادثہ سے متاثر ہو کر لکھتا ہوں زندگی کے چند تلخ تجربوں اور اپنے آس پاس بکھری ہوئی حقیقتوں کو الفاظ کا لباس پہنانے میں مجھے بیحد سکون ملتا ہے اردو ادب کی خدمت کا ایک جذبہ ہے جو مجھے لکھنے پر مجبور کرتا ہے لکھنا کسے کہتے ہیں یہ میں کیا جانوں میں ٹھہرا ایک طالب علم ـ

منو خاں کیفی سرونجی

۱۹۴۷ء میں سرونج میں پیدا ہوا ابتدائی تعلیم گھر پر ہی پائی اس کے بعد اپنے شوق سے تعلیم میں اضافہ کیا کسی کے عشق سے متاثر ہو کر شعر کہنا شروع کیا بقول شاعر

جواں ہوئے تو چڑھے ہم قضا کے زینوں پر ؛ سنبھالا ہوش تو مرنے لگے حسینوں پر
شعور آتے ہی دی جان نازنینوں پر ؛ ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے

شرف تلمذ جناب منور زبیری سے حاصل ہے۔ نمونہ کلام حاضر ہے۔

چشم نرگس اور مستانہ شباب ؛ کون اس گلفام سے واقف نہیں
ابتدائے عشق میں ظلم و ستم ؛ میں غم و آلام سے واقف نہیں
کر رہے ہو غم محبت کا فضول ؛ کون اس انجام سے واقف نہیں
شام غم کی سحر نہیں ہوتی ؛ آپ کی جب نظر نہیں ہوتی
جب بھی آتے ہیں تیری محفل میں ؛ ہم کو اپنی خبر نہیں ہوتی
میری خوشیاں سمیٹ لی اس نے ؛ پیار کی اک نظر نہیں ہوتی
جا کے ان سے یہ کہہ مرے قاصد ؛ زندگی یوں بسر نہیں ہوتی
زخم دل کے تو بھر گئے ہوتے ؛ بے رخی جو ادھر نہیں ہوتی
چل دیے ان کے در سے اب کیفی ؛ اب ہماری گزر نہیں ہوتی
دب رہی تھی عزیبی امیری تلے ؛ آج ان کو مٹانے عتاب آگیا
حسرتیں دل کی کچھ اور بڑھنے لگیں ؛ جب سے الفت کا میری جواب آگیا
ہر کلی کھل اٹھی پھول ہنسنے لگے ؛ باغ میں آج پھر نو شباب آگیا
ناز تھا پارسائی کا جن کو بہت ؛ وہ بھی محفل میں پی کر شراب آگیا

غزل

از سیفی سرونجی

روز و شب رہتی ہے اشکوں کی روانی لوگو ؛ اس طرح گذری کا ہے میری جوانی لوگو
فصل گل آئی ہے گلشن پہ گری ہے بجلی ؛ درد سے پُر ہے اپنی یہ کہانی لوگو
داغ دل ہم کو جو سینے میں نظر آتے ہیں ؛ عشق کی ہم کو ملی ہے یہ نشانی لوگو
چاندنی رات میں وہ ان کا گلے مل جانا ؛ کیسے بھولیں گے وہ ہم رات سہانی لوگو
مال و زر لعل و گہر کچھ بھی نہ کام آئے گا ؛ عشق باقی ہے فقط سب ہے یہ فانی لوگو

مَن کہ مکتوب الیہ

ادارہ

۱۴۴۔ بالوزئی۔ شاہجہاں پور

رسالہ شانِ ہند ماہ جنوری نظر سے گزرا۔ حضرت عظیم صدیقی کا ایک مضمون۔ خط غلط۔ املا غلط۔ ہجا غلط۔ انشا غلط دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اب بھی ایسے بالغ نظر انسان موجود ہیں جو اُردو ادب پر نہایت گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنی علمی معلومات سے اُردو زبان کے خیر خواہوں کو اس دورِ جہالت میں چراغ راہ بنکر صرف اشعار کہنے ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ فنی اور ادبی معلومات بھی حاصل کرتے رہیں تاکہ وہ اس قابل بن سکیں کہ نہ صرف اپنے کلام کو عیوب سے پاک رکھیں بلکہ اپنے ہمعصروں کو بھی شمع ہدایت بن کر راہِ راست دکھا سکیں میں حضرت عظیم صدیقی کو مبارک باد کا مستحق سمجھتا ہوں۔ اور دُعا کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی اس سلسلہ کو جاری رکھ کر بچھڑے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کرتے رہیں۔

(ڈاکٹر) اشرف ست میرٹھی

محترمی سرور صاحب

جنوری کے شمارہ صفحہ ۱۷ پر ایک اور معلوماتی مضمون جسکے مصنف حضرت اے صدیقی صاحب ہیں بعنوان خط غلط، املا غلط ہجا غلط، انشا غلط شائع ہوا ہے۔

میں اس مضمون کی اشاعت پر ادارہ شانِ ہند اور حضرت اے عظیم صاحب کی خدمت میں ہدیۂ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

یہ ہے اُردو زبان کی صحیح خدمت۔ جن الفاظ کا املا ہی صحیح نہیں بھلا اُن کا صحیح بولنا صحیح پڑھنا اور صحیح سمجھنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

وہ لوگ جو پردۂ ترقی میں اُردو کے صحیح الفاظ کی ہیئت بگاڑ رہے ہیں وہ مصلح نہیں بلکہ تخریب کار ہیں۔

صاحب مضمون نے مختلف لغات اور اساتذہ کے اقوال دے کر بڑے وسیع مطالعہ اور حاضر دماغی کا ثبوت دیا ہے۔

مضمون میں ایسے عربی الفاظ کا جن کے آخر میں الف مقصورہ آتا ہے ذکر کیا گیا ہے۔ الف مقصورہ کو ... بنانے کے لئے ایک شرط رکھی ہے یعنی "وہ الفاظ عطف و اضافت سے بری ہوں"۔

(یہی بات خواجہ عشرت لکھنوی نے بھی کہی ہے)

شوق نیموی۔ مومن دہلوی۔ دبیر لکھنوی۔ امیر مینائی وغیرہم جیسے اُستادوں کے کلام سے ایسی مثالیں دی ہیں جن میں الف مقصورہ والے الفاظ میں اضافت ہے اور ... بدل کر قافیہ بنا دیا گیا ہے ان الفاظ میں ... کو ا سے بدلنے کا سبب حرف روی کا بدل جانا بتایا گیا ہے جو اپنی جگہ نہایت ... محسوس ہے۔

تنوین کے بیان میں کھلا اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ... عربی الفاظ تنوین کا لانا کہیں جائز نہیں۔

فارسی میں ... کا وجود ہی نہیں ... فارسی یا اُردو کا کوئی لفظ ذال سے لکھنا بالکل غلط۔ کتنی مدلل بات کہی ہے۔

... کے متعلق جو معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں وہ اپنی جگہ نادر ہیں۔

ہائے ... مختفی کے بیان میں نہایت کامیاب ... فرمائی گئی ... ام معرفہ ... تمام جن کو ہائے ہوز سے لکھا گیا۔ ان کو ... تمام الفاظ ... سے درست ہیں۔ ہائے مختفی ... اُردو میں ہائے مختفی نہیں۔ ... کر پانا ... آخری سطروں میں خود عشرت لکھنوی کا شعر پیش کر کے فرمایا ہے کہ اُردو شاعری سے یہ لفظ ترک نہیں، دعنا ایک ... فیصلہ ہے۔ ... کی پوری ... کی گئی ہے۔

... کہ اس مضمون کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میری حضرت اے عظیم صاحب کی خدمت میں نہایت ادب سے گزارش ہے کہ وہ ... کے معلوماتی مضامین سپردِ قلم کرنے کی زحمت فرماتے رہا کریں اُردو ... پر ان کا بہت بڑا احسان ہوگا اور دشمنانِ اُردو بھی اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہونگے

(ڈاکٹر) زآر اینا وی

محترمی! تسلیم

... مارچ کو ماہ جنوری کا شانِ ہند بدست ہوا۔ اس کرمفرمائی کا شکریہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ... خدمت کے سلسلہ میں آپکا مساعی قابلِ ستائش ہیں۔

میں نے جستہ جستہ شانِ ہند کا مطالعہ کیا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اس کا حصۂ نظم زیادہ توجہ کا محتاج ہے۔ عارف القادری صاحب کی نظم ناقابلِ اشاعت ہوتے ہوئے بھی شائع کردی ہے "جانِ تصوف" کے مصنف نے خدا جانے یہ شعر

فطرت ستار ہی ازل سے اسی طرح
لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں

کس طرح اپنے دیوان میں رکھ لیا ہے جبکہ یہ شعر بجنسہٖ نشاط روح میں اصغر گونڈوی کے یہاں موجود ہے۔ اس کی جانب لائق تبصرہ نگار عزیز اندوری کی بھی نظر نہ گئی۔

دو کتابوں پر غلام عشق زیادی کا تبصرہ بڑا جامع اور شاعر و ادیب کی علمی معلومات میں اضافہ پہنچانے کا ضامن ہے۔ اسی طرح عظیم صدیقی صاحب کا مضمون "خط نسخ، املا غلط، صحیح غلط، انشا غلط" ان کے تبحر علمی کا ثبوت دیتا ہے۔

پرسوں میں شانِ ہند ڈاکٹر ذوالفقار شکیل صاحب کے یہاں (جو اردو ڈیپارٹمنٹ میں ہیں) دیکھا تھا میں ان سے بھی کہوں گا کہ وہ شانِ ہند کے لئے کچھ لکھیں۔　　　نیاز کیش رمز آفاقی۔

۱۴۴۔ بابوزئی۔ شاہجہاں پور۔ (یو۔پی)

محترم سرور انکل۔ تسلیم!

رسالہ شانِ ہند مستقل نظر سے گزرتا ہے۔ اس دور میں نیم برہنہ تصاویر اور فحش مضامین کی بڑی کثرت سے اشاعت ہو رہی ہے کہ ہمارے گھر بھائی بہن اپنے کردار کو شاید ہی سنبھال سکیں۔ شانِ ہند خالص ادبی اور معیاری شان کو نہایت خوبی سے قائم رکھتا ہے۔ خاص طور پر معیار کی کسوٹی میں مضامین ان شعراء اور ادیبوں کے لئے جو صرف موزوں کلام کہنے کو اردو زبان کی خدمت سمجھتے ہیں مشعل راہ کا کام کرتے ہیں۔ اردو زبان کی اعلیٰ لیاقت ہم پہنچاتے ہیں اور ان منزل کی نشاندہی کرتے ہیں جو اردو زبان کی بقا اور صحت مند ادب کی آخری منزل ہے۔

قابلِ ستائش ہے دوستی جو کسی ... اور ... نسل سے بے غرض ہو کر خدمت ادب کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا ... جبکہ جو اردو ادب کا شائق، ہر علم و فن کا عاشق ان مضامین کو پڑھ کر محترم

بزنگ حضرت غلام عشق زیادی کا شکر گزار ہوگا اور مستفید ہو کر ان کو حیات جاوید بخشے گا۔ آپ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ایسے مضامین شائع کرکے اردو ادب کی صحیح خدمت انجام دے رہے۔ یہ دعا ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے تاکہ اردو زبان سے بھٹکے ہوئے راہِ راست پر آجائیں اور ہم اسی طرح مفید معلومات سے فیضیاب ہوتے۔

دعاگو　　　نگار ایم۔اے

از بیانہ محلہ قدیم جالندھر بکالونی ۱۳۶

جالندھر بہار اشفر

مکرمی جناب سرور تونسوی صاحب مدظلہ العالی

آداب عرض۔ آپ کا محررہ نامۂ کرم جناب دلکشی صاحب کو نے میرے پاس ادائی جواب کے لئے بھیجا۔ احتیاطاً وہی الفاظ موصوف کے پاس گیا اور معترضہ شعر کی نسبت دریافت کیا۔ موصوف نے فرمایا کہ میرے پاس توارد وغیرہ کا سوال ہی نہیں جو شعر موزوں ہو جاتا ہے۔ حسنِ اتفاق کہ وہ قابلِ اعتراض قرار پایا۔ مگر جانِ تصوف ۱۲۷ کے چھٹا شعر جو درج ہے وہ اس طرح ہے۔

روزِ ازل سے سنتا ہوں روداد زندگی
ہستی کا یہ فسانہ کوئی مختصر نہیں

اور آپ نے مجموعہ نشاطِ روح کا جو شعر تحریر فرما کر ارسال فرمایا

فطرت ستار ہی ازل سے اسی طرح
لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں

الفاظ اور مضمون جداگانہ ہے بایں ہمہ عرض ہے کہ میں نے جو شعر پر کسی قسم کا شبہ یا اعتراض اس وجہ سے مناسب نہیں کہ یہ ایک اتفاق کو قباحت کا شکار نہیں بنایا جاسکتا۔ رمز صاحب علیٰ بھی میری تحریر پر اتفاق کرنا چاہئے۔ باقی لائق تشکر۔

دلکشی صاحب کی والدہ کا عالم حسبِ حال ہے۔ دعا فرما اللہ انہیں صحت عطا فرماوے آمین ثم آمین

مخلص ترین

محمد بشیر الدین شاکر بالندہری

نئی سمتیں

ترتیب: عزیز اندوری

حسب توقع "نئی سمتیں" کو لگاو پسند سے دیکھا گیا۔ بعض احباب "شانِ ہند" میں اس نئی تبدیلی کو دیکھ کر چونکے ہیں۔ بعض حضرات نے اس قدم کی "بے یقینی" کی دہائی دی ہے۔ لیکن اہلِ انصاف نے ادارہ شانِ ہند کے اس قدم کو سراہتے ہوئے چند مشوروں سے نوازا ہے جن پر عمل پیرا ہونے کی ادارہ پوری کوشش کرے گا ——————— (ادارہ)

تمہیں ہم یاد آئیں گے

سلام مچھلی شہری

یکایک خود ہی جب گھبرا کے تم پردہ اٹھاؤ گے
کبھی جب عالمِ تخئیل میں تم ڈوب جاؤ گے
مجھے اس عالمِ فانی میں اِک دن جب نہ پاؤ گے
کبھی جب اپنی تنہائی پہ خود آنسو بہاؤ گے
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

نشاں پوچھو گے جب پامال و بوسیدہ مزاروں سے
تصور میں جو گزرو گے کبھی دلکش نظاروں سے
پتہ پوچھو گے جب میرا فلک کے چاند تاروں سے
پہاڑوں، وادیوں، ندیوں سے آبشاروں سے
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے۔

کبھی جب دل نشیں کلیاں ہم شادی رچائیں گی
کبھی جب کوئلیں میٹھے سُروں سے راگ گائیں گی
چمن میں رقص کو جب تتلیاں سج دھج کے آئیں گی
ہوائیں جب کوئی بھولا ہوا نغمہ سنائیں گی
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

بنانے کے لئے بیٹھو گے جب پھولوں کا اِک گجرا
نظر میں خار ہو جائیں گے جب گلہائے حُسن افزا
یکایک خود ہی جب بربادہ دھاگہ ٹوٹ جائے گا
پہنانے کا تصور جب مرے اشکوں کی اِک مالا
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

کبھی جب خواب میں تم جاگ اٹھو گے چونک جاؤ گے
جب اپنا ماتھ کیفِ بےخودی کا تم بڑھاؤ گے
کوئی سایہ سا آتا دیکھ کر جب تھرتھراؤ گے
جب اس کو خوابِ رنگیں کے سوا کچھ بھی نہ پاؤ گے
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

سہانی چاندنی جب آسماں پر جھلملائے گی
نگاہِ جستجو جب چرخ پر رہ رہ کے جائے گی
تمہیں جب صبح ہوتے ہوتے میری یاد آئے گی
تمہاری آنکھ جب تاروں کو بھی مایوس پائے گی
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

تصور میں جو بیٹھو گے کسی مایوس حسرت کے
جو دیکھو گے کبھی خط میرے پیغامِ محبت کے
بدل جائیں گے دیپک راگ میں نغمے مسرت کے
پڑھو گے شعر جب اِک شاعرِ رومانِ فطرت کے
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

سلام مرحوم نے یہ نظم
... فروری ۱۹۳۶ء کو کہی تھی
... ب اُن کی عمر مشکل سے ۱۵
... ال تھی۔ قارئین اس نظم کو
... ن کی ابتدائی شعوری کوشش
... پیشِ نظر ملاحظہ فرمائیں فنی
... نقطۂ نگاہ سے اس کے مطالعہ کا
... ضہ نہ کریں۔ تو بہتر ہے۔
اس نظم میں سلام کا وہ
... مری شعور بھی موجود ہے جس
... انھیں تادمِ آخر دلی لگاؤ رہا
... ۹

عزیز اندوری

... پرکاش سرور ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر نے
... پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر دفتر
... ماہنامہ شانِ ہند انصاری مارکیٹ
... دریا گنج نئی دہلی سے شائع کیا
... ... اسپیڈ ... دریا گنج دہلی
... چھپا ...

افسانوی محرکات — (عصر حاضر کی روشنی میں)

اختر الاسلام ایم۔اے
اسماعیل شاہ نعمت میرٹھ

کہا جاتا ہے کہ سجاد حیدر یلدرم نے اپنے رومانی افسانوں میں چاند اور اس کی مخصوص کیفیات سے اکثر عشق و معشوق کے خوابیدہ جذبات کو جگایا ہے اس سکون پرور چاندنی نے اکثر ان کے دلوں میں سوس اور تڑپ پیدا کی ہے۔ انھوں نے چاند کی کرنوں میں اپنے محبوب کے جلوے دیکھے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علامہ راشد الخیری کے افسانے عورت کی فطرت کے اس پہلو کو نمایاں کرتے ہیں جس کا تعلق اس کی گھریلو زندگی سے ہے۔ علامہ کے نزدیک عورت کی سب سے بڑی دل کشی یہ ہے کہ وہ بہترین بیوی، مثالی بہن اور بلند ترین نمونہ پیش کرنے والی ہو۔

لیکن یہ تعریفات اور تصریحات اس زمانے کی عکاسی کرتی ہیں جب افسانہ ابتدائی منازل طے کر کے اپنا مستقر تلاش کر رہا تھا۔ اماں نانی، دادی نے پتہ نہیں کیسے ذہن میں کیا رس گھولا تھا کہ انسان بچپن سے لے کر جوانی اور بڑھاپے تک اس کا والہانہ عاشق ہو گیا۔ اس نے دیکھتے دیکھتے اتنی شکلیں بدلیں کہ اب اس کی پہلی اور موجودہ شکل میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔ مگر یہ جس زمانے کی چیز ہے اس زمانے کی ساری خصوصیات اس میں موجود ہیں۔ یہ بہت جلد اتنا مقبول ہوا۔ ادب کی دیگر اصناف پر اس قدر چھا گیا کہ مختلف اجزا میں اس کی تقسیم کی گئی۔ جن کے درمیان صحیح ربط و تعلق قائم کرنے کا نام فنی ترتیب رکھا گیا۔ اسکے لئے تین چیزوں — پلاٹ، کردار اور زمان و مکان یعنی وقت کو ضروری سمجھا گیا۔ پھر اس کو پانچ اجزا یعنی عناصر ترکیبی میں تقسیم کیا گیا یعنی واقعہ یا صورت حال کا وجود یا آغاز، اس واقعے یا صورت حال میں الجھن یا کش مکش، اس الجھن کی زیادہ اضطراب انگیز صورت یا تصادم نقطۂ عروج یا کلائی میکس اور آخری انجام۔

مختلف مکاتیب خیال کے تحت نصیحت آموزی، رومانی ... اور حقیقت نگاری کی کسوٹی پر پرکھا گیا جس کا تجربہ ہوا کہ کسی نے ... سے ادب برائے ادب، کسی نے اد... برائے زندگی ... نے ذہنی ... تفریحی اور کسی نے اسے خالص مقصد ... سے دیا۔

بقول آلِ احمد سرور: "ترقی پسندوں نے عوامی موضوعات استعمال کیے مگر انھوں نے ان موضوعات کو اوّل تو سیاسی اور وقتی مقاصد کے لیے استعمال کیا دوسرے انھوں نے کتابی اصطلاحات کو عوامی زبان میں داخل کیا کہ جس میں ... کی بد مذاقی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ اسے آئندہ بھی آنے والی یا موجودہ نسل اپنے نقطۂ نظر اور ذہنی غور و فکر کے مطابق نیا نام دے دے جس طرح موجودہ حالات میں اسے عصری افسانہ یا سماجی کہانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آج نہ تو جاگیردارانہ نظام کا کھلے طور پر بول بالا ہے اور نہ بائیں بازو کی شاطرانہ چالیں۔ یہی دو بنیادی محرک ہیں جنھوں نے اب تک افسانے کا نشو و نما کیا تھا۔ ان دونوں محرکات کے غلط نتائج کا شکار ملک کا عام آدمی ہوا جس کی رگوں میں بیکاری، غریبی، بے راہ روی سرایت کر گئی۔ اس لئے اب ضرورت ہے کہ افسانے کو خالص ہندوستانی ماحول میں پیش کیا جائے۔ قلم کار کو ایک عام آدمی کے کردار میں ڈھل کر عام بات کہنی ہوگی۔

وقت کی تنگی کے سبب زبان و بیان کی شیرینی چھوڑ کر براہ راست بات چیت کرنی ہوگی مگر اس طرح نہیں کہ اس کے تمام عناصر ترکیبی کو ختم کر دیا جائے۔ ان کی تعداد کم کرنا کوئی غلط بھی نہیں۔ پلاٹ تو بدستور قائم ہے کیونکہ بغیر پلاٹ کے تو بات بننے سے رہی۔ الجھن اور کش مکش کی ہلکی ضرورت ہے۔ اس زمانے میں زبان پسندی اس لئے ناپسند ہے کیونکہ کہیں وقت کو سمیٹنی نہیں۔ پچھلے افسانے ایک خاص بات، خاص موضوع کی سمیاؤں کو لے کر چلتے تھے جن کا تعلق عشق، آپسی تعلقات یا جنسیات سے تھا۔ جارج برنارڈ شا نے اب سے کافی عرصہ قبل کہا تھا کہ ہمیں سب سے پہلے عام آدمی کو روٹی دینی چاہئے کیوں کہ اس روٹی کے حصول کے لئے اس عام آدمی کو سماج میں طرح طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ملکی سطح پر ہندی کے علاوہ دکن کی تمام زبانوں میں عصری افسانہ رواج پا رہا ہے۔ پنجابی ڈوگری میں اسی کی عکاسی ہے۔ مراٹھی میں اس کا

غزل

وقار واثقی۔ رسول آباد کالونی۔ شاہ عالم احمد آباد

کہہ دیا تھا وفا شعار اُسے
اب ہے میرا ہی انتظار اُسے

آسماں پر چڑھا دیا تھا کل
اب زمیں پر بھی تو اتار اُسے

اپنے خود ساختہ اصولوں سے
مل گیا کچھ دلوں قرار اُسے

سب نے نظریں بچائیں موقعہ دیا
کہتے ہیں اب گناہگار اُسے

لوگ کہنے لگے ہیں دیوانہ
مل گئی ہے رہِ فرار اُسے

کل وہ دے گا جواب کس کس کو
نام لے کر تو مت پکار اُسے

دیکھتا ہی نہیں کسی کی طرف
جانے کس کا ہے انتظار اُسے

بند آنکھیں کئے وہ ہنستا رہا
ہم جگاتے رہے وقار اُسے

غزل

راحت قیصر ۶/۲۸ اکبری نگر ایکسٹینشن اندور

سمندروں میں کوئی شہر بسنے والا ہے
یہ آج راہ میں پتھر کا ڈھیر کیسا ہے
دماغ سوچ کی گہرائیوں میں ڈوبا ہے
ضرور کوئی پیمبر ادھر سے گزرا ہے
عزیزو آج بھی آنکھیں سی وہی ہیں مگر
اب ان میں غم نہیں رہتے ہیں خون بہتا ہے
مرے ضمیر کو ٹھکرا کے میرا دستِ سوال
محلے والوں کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے
جو پتھروں سے بتوں کو تراشتا تھا کبھی
اس آدمی کا رویہ بتوں کے جیسا ہے

وہ شہر کا جان کا دشمن سہی مگر راحتؔ
کبھی کبھی تو مرے شعر گنگناتا ہے

غزل

مجید سرور التماس ستھان۔ منزاری باغ

گم ہو گیا ہوں بھیڑ میں چہروں کی اس طرح
میں کون ہوں مجھے بھی کچھ اس کا پتہ نہیں

منزل مجھے ملے تو بھلا کس طرح ملے
تنہا ہوں میرے ساتھ کوئی رہنما نہیں

احساس دشمنی کا اک اک دل میں جاگ اٹھا
کیا چیز دوستی ہے کوئی جانتا نہیں

سرور وہ خود غرض نہیں معلوم ہو چکا
لیکن اب ان کے بارے میں کچھ سوچنا نہیں

غزل

ساغر پالم پوری

کھا گیا وقت ہمیں نرم نوالوں کی طرح
زندگی ہم پہ ہنسی زہرہ جمالوں کی طرح؟

ان کے دو نین تھے صہبا کے پیالوں کی طرح
ظلمتِ رنج میں راحت کے اجالوں کی طرح

ہم نے پوجا تھا جنہیں پوجنے والوں کی طرح
وہ ہمیں بھول گئے بھولنے والوں کی طرح

غم نہیں جس میں ہے وہ زندگی اک بیوہ سی
زیست سے لپٹے ہیں غم پاؤں کے چھالوں کی طرح

جسم کی جھیل میں چاہت کے کنول کھلتے ہیں
کسی بیراگی کے پاکیزہ خیالوں کی طرح

رہ کے بستی میں بھی ہم لوگ ہیں تنہا تنہا
پچھلے اوقات کے ویران شوالوں کی طرح

زخم تلوار کے گہرے بھی ہوں مٹ جاتے ہیں
لفظ تو دل میں اتر جاتے ہیں بھالوں کی طرح

ساتھ ان کے تو ہوا لمحوں میں سالوں کا گزر
ان سے بچھڑے تو لگے لمحے بھی سالوں کی طرح

اب کہاں بات وہ رادھا سی نہ گوپی ساغر
ہم ہیں فرقت زدہ گوکل کے گوالوں کی طرح

معیار کی کسوٹی پر

عزیز اندوری

ماہنامہ سوبرس۔ دلّی

دنیائے ادب میں ان دنوں ماہنامہ سوبرس پر جس تیزی سے گفتگو کی جا رہی ہے میرا خیال ہے حال ہی میں شائع ہونے والے دوسرے ادبی رسائل اس طرح موضوعِ گفتگو نہیں بنے۔

اب تک اس رسالہ کے پانچ شمارے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ہر شمارے میں جس انداز کا مواد موجود ہے اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ملک کے بیشتر مشہور فنکار اس رسالہ کے "اسی کام" کو یقینی سمجھ کر اپنا بھرپور تعاون پیش کر رہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ممتاز ادباء و شعراء کرشن چندر، عتیق حنفی، کنہیا لال کپور، دلاور فگار، قمر احسن، احمد فراز، فکر تونسوی، کرامت علی کرامت، انور خاں، عقیل شاداب، شاہد پرویز، محسن زیدی، آفتاب شمسی، حمید سہروردی، امیر آغا قزلباش، شمس الحق عثمانی، اختر بستوی، پرکاش پنڈت، رفعت سروش، تبسم فاروقی، اکرام جاوید، ملک زادہ منظور، قمر سنبھلی، ندرت نواز، اویس احمد دوراں، اور دیگر بیسوں فنکاروں کی تخلیقات اس میں شامل ہیں۔

مذکورہ فنکاروں کی تخلیقات کی اشاعت سے ایک بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ سوبرس میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کو یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے جو ادارے کی اس نیک نیتی کو بھی ظاہر کرتی ہے کہ وہ اسے کسی مخصوص نظریۂ شعر و ادب کا آرگن بنا کر کسی بہت بڑی خوش فہمی کا شکار بنانا نہیں چاہتا۔ . . . . اس سلسلہ میں مدیر رسالہ نشتر خانقاہی نے خود لکھا ہے:۔

"سوبرس کو قارئین کے وسیع حلقے تک پہنچانا ہے۔ چند لوگوں تک محدود رکھنا نہیں چند لوگوں تک محدود رکھنے کے یہ معنی ہونگے کہ یہ بھی دوسرے ادبی رسائل کی طرح موت کی نیند میں سو جائے"

مدیر سوبرس کا یہ خیال ان کے سابقہ تلخ تجربات کا نچوڑ ہے۔ اسی لئے انھوں نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں اس رسالہ کو مختلف پھولوں کا ایک گلدستہ بنا کر پیش کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ ہر قسم کی خوشبو بکھیرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی کے ساتھ اس رسالہ میں ان تمام دلچسپ پہلوؤں کو بھی پیش کیا گیا ہے جنھیں ادب کی ناگزیر ضرورتوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ان پہلوؤں سے متعلق تخلیقات کی فراہمی، ان کا انتخاب اور اسی کے ساتھ ان کی ترتیب میں جس بالغ نظری کا ثبوت دیا گیا ہے اسے موجودہ صدی کے تیز تجربے کی روشنی سے تعبیر کرنا ہوگا۔

سوبرس کو بلند و معیاری شعریات، افسانوں کے ساتھ ہی ملکی سیاسی امور، اعلیٰ فلمی جنوں اور صحت و نفسیات نیز چند دلچسپ کالموں سے مزین کیا گیا ہے جو ادارے کے اعلیٰ شعور کی دلیل ہے اور اس طرح دم توڑ دینے والی "انتہا پسندی" سے دانستہ گریز کر کے براہ راست قاری سے رشتہ جوڑنے کی طرف پوری پوری توجہ دی گئی ہے۔

رسالہ کا گیٹ اپ، جاذب اور کتابت و طباعت کافی خوبصورت ہے ضخامت ۱۰۶ صفحات ہے۔ جس کا زر سالانہ ۲۵ روپے اور ایک شمارہ کی قیمت دو روپے ۲۵ پیسے ہے۔

پتہ:۔ دفتر سوبرس۔ سرائے خلیل۔ صدر بازار۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶

سہ ماہی سائینس کی دنیا (دلّی)

شعر و ادب کے گہرے شعور کو حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے ان تمام پہلوؤں پر نگاہِ ژرف ڈالی جائے جو ذہنِ انسان کے ارتقائی عمل کیلئے ناگزیر ہیں۔ ایسے ہی بہت سے اہم پہلوؤں میں سائنس کا مطالعہ اور علم بھی اتنا ہی معتبر و مستند ہے جسے نظر انداز کر کے شعر و ادب کی معنوی صورتوں سے انکار ممکن نہیں لیکن محض ان پر ہی اکتفا کر لینے سے زندگی کے ارتقائی عمل کی تکمیل بھی تقریباً ناممکن ہی نظر آتی ہے۔ اگر کسی زبان میں اس پہلو سے متعلق عمل کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو اس زبان کے اس کام، اس کے ارتقاء اور اس کی تکمیل کی جانب نگاہِ تشکیک کا اٹھنا اچھا ہے۔

موجودہ دور میں دنیائے ادب کے خاص طور سے اردو ادب کے شعوری ارتقاء سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس ارتقائی عمل کو محض چند مخصوص رویوں تک محدود کر دینے سے قارئین ادب زندگی کے وسیع تر

؎ شکلوں سے یقینی طور پر محروم رہ سکتے ہیں اس لئے جب تک کسی زبان
ین زندگی کے شعوری اور ارتقائی عمل کو دخل نہیں کیا جاتا اسے اس
ک نہ تو مخصوص روایتوں سے نجات دلائی جا سکتی ہے اور نہ
ہ استحکام ترقی اور تکمیل کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ زندگی کے
وری عمل میں سائینس کی اہمیت اور ارتقائی پہلوؤں کو نظر انداز
یا جا سکتا۔ اگر ان پہلوؤں سے (جن میں زندگی کے اہم ترین
؎ مضمر ہیں) ادب و زبان کو یکسر مبرّا کر دیا جاتا ہے تو اس دور
رہ ادب اور زبان کے استحکام و ارتقا مشکوک ہو سکتے ہیں۔

اسی خیال کے پیشِ نظر کاؤنسل آف سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ
نئی دہلی نے سہ ماہی "سائنس کی دنیا" کا اجرا کر کے ادب و زبان
طور سے اُردو کو دورِ جدید کے مسائل لوٹنے سائنسی مسائل کو جن
انسان کے شعوری ارتقا کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ شعر و ادب اور زبان کی
ر لطافت اور چاشنی سے مزیّن کر کے پیش کیا گیا ہے۔ یہی وجہ
سائنس سے تعلق رکھنے والے خشک موضوعات بھی ذہن و
پر گہرے تاثرات مرتسم کرتے ہیں جنہیں اس رسالے کے نگراں لے
ن اور مدیر گلزار زتشی دہلوی کی بالغ نظری نے اور بھی سنوار دیا ہے
ن کا مطالعہ کرتے وقت ان حضرات کے حسنِ انتخاب کی داد دیئے
نہیں رہا جاتا۔

اس رسالے کے اب تک تین شمارے منظرِ عام پر آچکے ہیں جن
مطالعے کے بعد یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان میں پیش کئے گئے مضامین
و داں طبقے کو یقینی طور پر اہم ترین شعوری ارتقا سے روشناس
ہیں گے اور اس زبان و ادب کے پرستار بھی ایسے مسائل سے بڑی
ک واقف ہو سکیں گے جن کا تعلق زندگی کے ارتقائی عمل سے کافی
ا قریب کا ہے۔

رسالہ کی قیمت نہ ہونے کے برابر ہے۔ یعنی سالانہ چندہ صرف
ے روپیہ پچاس پیسے ہے۔ اور عام شمارے کی قیمت صرف پچاس
یسے رکھی گئی ہے۔

کتابت طباعت اور سرِورق بھی جاذبِ نظر ہے۔

بقیہ ص ۱۷ افسانوی محرکات

جلوہ آرائیاں ہو رہی ہیں۔ اردو میں پریم چند اور منٹو بھی عصری افسانوں میں اس کی داغ بیل ڈال چکے ہیں۔ لیکن باقاعدہ طور پر اس عصری افسانے کی شروعات ۱۹۷۱ء سے ہوئی۔ جب بمبئی کانفرنس میں عام آدمی کے نقطہ نظر کو لے کر چلنے کا راستہ متعین کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں کانپور ۱۹۷۳ء میں مانڈو (مدھیہ پردیش) اور ۱۹۷۴ء میں مدراس کی افسانوی نشستوں میں اس کی اچھی طرح وضاحت کی گئی۔

عصری افسانہ یا سماجی کہانی کا مقصد کسی خاص نام یا لیبل سے جڑی افسانوی تخلیقات سے نہیں بلکہ ان تخلیقات سے ہے جو اپنی تخلیقی ذمہ داری نبھانے کے ساتھ ساتھ وقت یعنی عصرِ حاضر کی کسوٹی پر بھی کھری اترتی ہیں۔ جو کوری اصولی سیاست کے تحت قلم کار نہ تو اپنے قلم کو بندوق کی نال کی طرح استعمال کرنے کا جذبات بھر سپنا دیکھتا ہے۔ اور نہ ہی دوسری طرف تکنیک یا رومانیت کی بیتر بے بازیوں کو اپنی تخلیق کے پلاٹ پر حاوی ہونے دیتا ہے۔ اس طرح وہ موثر یا غیر موثر اشتہار بازی سے بھی اپنا دامن ملوث کرنے سے بچ جاتا ہے۔ ان تخلیقات کا محور عام آدمی کی گھٹن، ڈر، وحشت، خدشہ، وسوسہ، جھنجھلاہٹ، جوش، ترنگ، خوشی، اطمینان، چین اور سکون ہیں۔ یہ عام آدمی ہی ہے جس سے قوم اور ملک کا کردار بنتا بگڑتا ہے۔ اخلاقیات ایک ایسا چشمہ ہے جو سدا اوپر سے نیچے کو بہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بلند سطح پر اخلاقیات کے پرستار ہی بدکردار ہو جائیں تو نیچے کے آدمی یہ محسوس کرتے ہوئے بھی کہ وہ غلط راستہ ہے اسی پر چلیں گے۔ چنانچہ عام آدمی پر ساری ذمہ داری آتی ہے جسے اپنی جگہ خبردار، تعلیم یافتہ ہونا اپنے ماحول سے خبردار کرنا عصری ضرورت ہے اور یہی زبان و ادب کی اعلیٰ خدمت ہے۔

نایاب اور مشہور اُردو کتابیں منگائیے

کلیات اقبال کا صدی ایڈیشن (آفسٹ)		۲۰/-
اقبال شاعر اور فلسفی	سید وقار عظیم	۱۴/-
بانگِ درا (فوٹو آفسٹ)	اقبال	۱۰/-
ضربِ کلیم	" "	۷/۵۰
بالِ جبریل	" "	۷/۵۰
ارمغانِ حجاز	" "	۴/۵۰
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/-
اُردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۲۰/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطرافِ غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/-
غزل اور مطالعہ غزل	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۲۰/-
جدید شاعری	" " "	۲۵/-
ارمغانِ علی گڑھ	خلیق احمد نظامی	۲۰/-
اُردو مثنوی کا ارتقاء	عبدالقادر سروری	۶/-
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۲۵
اُردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعہ سر سید احمد خاں	عبدالحق	۵/-
اُردو ادب کی تاریخ	عبدالحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستہ مضامین و انشا پردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۹۵
نمائندہ مختصر افسانے	ڈاکٹر طاہر فاروقی	۲/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبدالشکور	۲/۵۰
اُردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/-
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۴/-
فیروز اللغات (جیبی ایڈیشن)		۶/۵۰
انتخاب مضامین سر سید	آلِ احمد سرور	۲/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری	وحید قریشی	۴/۵۰
شرح جاوید نامہ (جلد اوّل)	محمد سلیم چشتی	۴۰/-
" " " (جلد دوم)	" " "	۴۰/-

ضبط شدہ نظمیں	مرتبہ علی جواد زیدی	۲۱/-
تنقید سے تحقیق تک	عنوان چشتی	۱۵/-
اقبال کے خطوط	ڈاکٹر منظر عباس نقوی	۱۸/-
پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	ڈاکٹر شمیم نکہت	۱۸/-
مقدمہ تاریخ زبان اُردو	ڈاکٹر مسعود حسین	۱۰/-
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۱۰/-
ادب اور زندگی	اظہر پرویز	۶/-
اُردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	۷/۵۰
یادوں کے سائے	ممتاز میرزا	۲۰/-
مترجم مثنوی مولانائے روم	قاضی سجاد حسین	۲۰/-
مترجم دیوان حافظ دفتر دوم	" " "	۱۸/-
ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	۲۰/-
جذباتِ مشرق	" " "	۱۵/-
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
فرہنگ آصفیہ چار حصے مکمل		۱۵۰/-
انگلش اُردو ڈکشنری	مولوی عبدالحق	۵۰/-
اُردو انگلش ڈکشنری	" "	۴۰/-
ابتدائی علم عروض	سبحان انجم کھامگانوی	۱/-
نگن کا ہندوستانی مسلمان نمبر		۲۵/-
اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعراء کا حصہ	سرنویا ستوا	۱۵/-
شرح دیوان غالب	بیخود موہانی	۱۵/-
برقِ تبسم	تبسم علی اپوری	۱۰/-
سحر نغمہ	ساحر ہوشیارپوری	۱۰/-
نقد و نظر	مختار احمد ساقی	۵/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/-
مغربی ادب کے معمار	اے۔ محمد ابراہیم	۱۲/-
آئینہ	حیرت بدایونی	۱۵/-
اوراقِ زندگی	لیسرک سنہیری لوئی	۱۵/-

Sept.-- 76 Phone : 278880 Regd. No. D—(D) 370
THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57



G. M. Wafa (Bhadarwah)



"Azad" Bahawal Puri
(Meerut)



Md Iqbal Khan "Zakhmi"



Yogesh Sahrai (Jammu)



Kaifi Sironji

Only Title Printed at M. S. Printers, D. Ganj, New Delhi-110002.

شانِ ہند دہلی

حکیم رئیس احمد صاحب سنبھل یوپی
پریذیڈنٹ یونانی طبی کانفرنس اتر پردیش
پریذیڈنٹ نانک چند آدرش انٹر کالج چندوسی
پریذیڈنٹ حکیم رئیس سرسوتی ہائی سکول سنبھل
ڈائریکٹر کمیونٹی سروس روٹری کلب سنبھل
پریذیڈنٹ جگدیش سمتی دہلی
پریذیڈنٹ تلسی داس سمتی سنبھل
ممبر رام چرت مانس سمتی بھوپال
سرپرست انجمن ترقی اردو سنبھل
لائف ممبر غالب اکاڈمی دہلی

نام مسلمانی سیرت خالص سیکولر ہندوستانی۔ کوئی بھی اچھا کام کسی بھی فرقے کی طرف سے ہو رہا ہو اس میں مالی خدمت کرنا فرض اولیں۔ بلاتفریق مذہب و ملت ہر مریض کو مفت دوا دینا اور نادار مریضوں کو انکے گھر پر جا کر دیکھنا اور مفت دوا کے علاوہ مناسب علاج کیلئے دودھ اور پھل وغیرہ کے لئے مالی مدد دینا۔

مندر، مسجد، گوردوارہ، کلیسا کا یکساں احترام کرنا۔

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے معاشی اقتصادی پروگرام اور نوجوانوں کے دلوں میں عزت و احترام کا مقام رکھنے والے جناب سنجے گاندھی کے پانچ نکاتی پروگرام کیلئے دامے درمے سخنے قدمے ہر طرح سرگرم۔

اپنا نسبندی آپریشن کرا کے عملی طور پر مسلمانوں کو سمجھانا کہ نسبندی مذہب کی مخالفت نہیں کرتی بلکہ [illegible] کی ایک اہم ضرورت ہے جس پر ہر ہندوستانی کو عمل کرنا چاہئے [illegible]

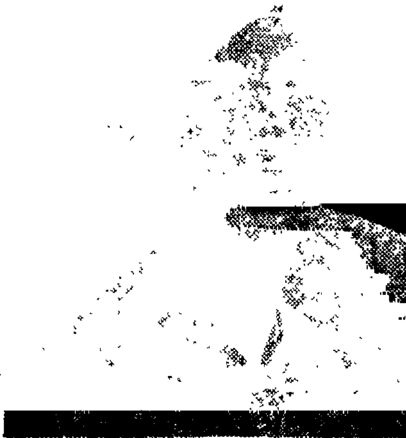


HAKIM RAIS AHMED
SAMBHALI

MATIN BADAUNI

October—76

Re. 1-00



ADIL RAFIQUE FAIZPURI
(RAVER)

SHANTI SARUP "NAZ"
SUBATHU

EDITOR :
SARWAR TAUNSVI

سال اجرا ۱۹۳۸ء | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۳۷ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپرز [illegible]

فون نمبر:- ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شان ہند نئی دہلی

ایڈیٹر:- سرور تونسوی، قیمت سالانہ دس روپیہ، فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۷	اکتوبر ۱۹۷۶ء	شمارہ ۱۰

فہرست

دوغزلیں

کرشن موہن

دیکھے جوبن میلا شاعر — پہلے من کا چیلا شاعر
لیتی سحر میں اک مدت سے — گھومے مست البیلا شاعر
دھرتی پر ہرجائی بن کر — جیون سے کھیل کھیلا شاعر
[illegible] — [illegible] جیسا شاعر
کہتا گلم پیتم ہے کرشن موہن
اردو کا البیلا شاعر

[illegible] — [illegible]
[illegible] دیدار حسن — [illegible]
لٹا احقارت سے اے مدعی — ہے [illegible] محبت کا [illegible]
سبھی کیوں نہ پایا مرے [illegible] کو — [illegible]
اگر شاعر ہو دل تو بستی لگے — کسی [illegible]
مجھے قافیے نے جو بے بس کیا
تو کہنے لگا وہ کو [illegible] بھی

[illegible] نے پہلی بار اردو ہندی الفاظ کو اضافت سے [illegible]

[illegible] نے [illegible] جامع مسجد دہلی سے [illegible]
[illegible] سرور تونسوی [illegible] دہلی میں چھپا۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کو
ادارۂ "شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

قیمت :- دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین :- سرور تونسوی، عزیز اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر ملک میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائیگا اسلئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہے

اجرتِ اشتہار :- عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے، نصف صفحہ ۱۵۰ روپے سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے، سرورق کا تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے۔

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے

ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی

کے

بیس نکاتی اقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کے دلدل سے نکل سکتا ہے اور ہم ڈسپلن سے قومی کیریکٹر کو بلند کر سکتے ہیں آئے ہم سب مل کر وزیر اعظم کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں۔

دیال سنگھ کالج

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلبا کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یکجہتی، اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اراکین منتظمہ کمیٹی

دیال سنگھ کالج کرنال

ہریانہ

اللہ شوق دے تو کتابیں پڑھا کرو

اور

آپ کا یہ شوق راجدھانی کی مقبول ترین

عوامی لائبریری

دیال سنگھ پبلک لائبریری

میں

پورا ہو سکتا ہے جہاں اردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی کی ہزار ہا کتابیں ہر موضوع پر آپ کے ذوقِ مطالعہ کی سیری کے لئے موجود ہیں اور بغیر کسی نقد معاوضہ کے آپ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک اپنی پسند کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اردو، ہندی اور انگلش کے مشہور روزنامے، ہفت روزے اور ماہنامے بھی لائبریری میں منگائے جاتے ہیں۔



دیال سنگھ پبلک لائبریری
ٹرسٹ سوسائٹی
راؤز ایونیو۔ نئی دہلی

اخبار اور ریڈیو کی اطلاعات
کے لئے لائبریری جلد تشریف لائیں

افکار و واقعات

حکیم رئیس احمد سنبھلی

اگر آپ ایسے شخص کو دیکھنا چاہیں جس کا دل ہر قسم کے تعصب سے پاک ہو۔ جو ہر انسان کو بلا تخصیص مذہب و ملت خدا کی مخلوق سمجھتا ہو اور کسی سے نفرت نہ کرتا ہو۔ مذہب کو قطعاً ذاتی معاملہ سمجھنے کے علاوہ مذہب کو گھر کی چار دیواری تک ہی محدود سمجھتا ہو۔ ہر دکھی انسان کے دکھ درد کو دور کرنے کی فکر کرتا ہو۔ جس نے لاکھوں مریضوں کا علاج کیا ... آج تک دوا کی قیمت تک نہ لی ہو۔ بلکہ نادار مریضوں کو مناسب غذا کے لئے دودھ وغیرہ خریدنے کے لئے اپنے پاس سے پیسے بھی دیتا ہو۔ مسجد، مندر، گوردوارہ اور کلیسا کا یکساں احترام کرتا ہو، جو قرآن مجید کے علاوہ اردو میں گورو گرنتھ صاحب (جو کہ اب نایاب ہے)، گیتا اور انجیل کا بھی مطالعہ کرتا ہو تو آپ جناب حکیم رئیس احمد صاحب سنبھلی سے ملئے۔

جنہوں نے اپنی زندگی دیش سیوا کے لئے وقف کر رکھی ہے جو کانگریس اور مجلس احرار کے پرچم لہراتے ہوئے ملک کو آزاد کرانے کے لئے کوشاں رہے۔ اور ہمیشہ ہی مسلم لیگ، مسلم مجلس، خاکسار تحریک، اتحاد ملت جیسی فرسودہ و رجعت پسند، فرقہ پرست جماعتوں کی مخالفت کی۔ رئیس صاحب کے ایسے بیانات اور مضامین جنگ آزادی کے زمانے کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ انھوں نے ہمیشہ یہ دعوے کیا میرا مذہب خلوص و ایمان۔ انسانیت اور قومی خدمت پر موقوف ہے۔

رئیس صاحب سترہ سال کی عمر میں انجمن خدام المسلمین کے معتمد عمومی (?) ہو گئے۔ اور محلہ دروازہ سنبھل کی ایک مسجد کو واگذار کرانے کے لئے اس لئے حمایت کی کہ خدا کی عبادت گاہ پر کسی کا ذاتی قبضہ نہیں ہونا چاہئے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

جب آپ نے ... ایک مندر بنوایا تاکہ آج ... پنڈرا کو لنا ... کے ہندو سکھ ... اپنی عبادت کر سکیں تو خدا ... عبادت گاہ کی تعمیر کرکے ... مسلمان ... آج سے

بارہ سال پہلے جب سنبھل میں حکیم رئیس ... سرمد ... اسکول ... تھا ایک مقامی اور دوسرے ... ہندوؤں کے ... انھیں نعرۂ باطل سننے کو ملا۔

بال ہو یا مندر سنبھل کا ہر شخص ... ہندو ... جب حکیم رئیس صاحب نے سنگ بنیاد رکھا تو ... انھیں ... کا خطاب دیا گیا۔

مہاتما گاندھی شتابدی پر جب ایک لاکھ کی آبادی کے شہر سنبھل میں مہاتما گاندھی میموریل ڈگری کالج کی بنیاد حکیم رئیس نے اپنے ہندو بھائیوں کے تعاون سے ڈالی تو جن سنگھیوں نے ... لال ... صاحب اور ساہو ڈونگر مل جی کو گاندھی وادی ... کہا اور مسلم لیگ ... مسلم مجلس والوں نے رئیس صاحب کو کانگریس کا غلام کہا۔

جب رئیس صاحب کو بنگلہ دیش ... سنبھل ... مجیب کا لقب اس لئے دیا گیا کہ ۶۵ فیصدی مسلم آبادی کے شہر سنبھل میں حکیم رئیس واحد مسلمان تھا جو ... بنگلہ دیش ... اولین اجتماع میں اسٹیج پر ... بیٹھا تھا۔ اور مسلم لیگیوں نے دور سے تماشا دیکھا تھا۔

... انٹر کالج ... میں ایک ... رئیس صاحب نے ... اس اسکول سے مسلم بچوں اور مسلم استادوں کو ... مسلمان آج تک رئیس صاحب کو ہندو ... کہتے ہیں ... سنبھل ... رئیس صاحب نے ... [illegible]

... رئیس حکیم ... ہے۔

... سنبھل کی تعمیر میں رئیس صاحب ... [illegible]

... الہ ... [illegible]

... سنبھل ... [illegible]

... صاحب ... [illegible]

شروع کر دیا حالانکہ اس سائنس کالج میں مسلمان ... [illegible]
... مسلمان ماسٹر پڑھا رہے ہیں۔

روٹری کلب کے آپ ایک سال ممبر ... رہے اور
اس سال کے ... ڈائریکٹر بنائے گئے۔ آپ نے آنکھوں کا اسپتال
[illegible] مسلمان ... ہوتے ہیں مگر
[illegible] کلب کا آفس ہال ... ہے کسی
مسجد میں کیوں نہیں ہے۔

رئیس صاحب ضیاء الاسلام ہائی اسکول سنبھل، اُمید رائے ہائی اسکول حیات نگر، ... لائبریری سنبھل، عاشق لائبریری سنبھل، ... لائبریری سنبھل، آزاد لائبریری سنبھل کے بھی مالی معاونین میں سے ہیں۔

انجمن ترقی اردو سنبھل کے سرپرست ہیں۔ غالب اکاڈمی دہلی کا ... کالج سہارنپور، مسلم ... کالج مرادآباد، مسلم کالج ... اشرفیہ اسکول کے معاون۔ بے شمار مندروں، مسجدوں کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر مالی حصہ لینے کا بھی فخر رئیس صاحب کو حاصل ہے۔ کئی مصنفین کی کتابیں چھپوا دیں۔ بے شمار ادبی رسائل کے مددگار ہیں۔ حکیم رئیس ... ، حکیم رئیس ... اسکول کے بانی اور مالی معاون ہیں۔ ... کلب، اور ... ایسوسی ایشن ... کے بھی آپ سرپرست ہیں۔ ریلوے کلب مرادآباد اور ... شہید ہاکی سوسائٹی کے بھی آپ سرپرست ہیں۔ ... امروہہ کے ممبر اور ... سنبھل کے صدر ہیں۔ آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کے ... اور ... یونانی طبی کانفرنس کے صدر۔

محترمہ وزیر اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی اور جناب سنجے گاندھی کے پانچ نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے حکیم رئیس نے دیوانہ وار کوششیں کیں اور خصوصی طور پر مسلمانوں کو فیملی پلاننگ ایسے ضروری مسئلے کی طرف توجہ دلانے کے لئے گھر گھر جا کر فیملی پلاننگ کے فوائد سے آگاہ کیا اور ان کو سمجھایا کہ اسلام اس مسئلہ کے خلاف نہیں ہے۔ کچھ مولوی ... مسلم عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ حکیم رئیس نے ایک پمفلٹ "فیملی پلاننگ — ۲۰ نکاتی پروگرام اور ہمارے طبی ... " عنوان سے چھپوا کر کثیر تعداد میں مفت تقسیم کیا۔ ... حکیم رئیس نے اپنا نس بندی کا آپریشن کرا کر مسلم عوام کے لئے ایک عملی ثبوت پیش کیا ... اور آس پاس کے ... نس بندی کا آپریشن کرانے میں سرگرمیاں دکھائیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ حکیم رئیس ایسے مخلص، محب وطن، خادم قوم، اور ملکی وقار پر جان دینے سے بھی گریز نہ کرنے والے عمر طویل پائیں۔ تاکہ یہ عوام کی خدمت زیادہ سے زیادہ کرتے رہیں۔

اُردو تحقیق اور مالک رام

پچھلے دنوں شاہد اعظمی ایم۔ اے کے جعلی نام سے ایک جعلی ادارے "ادارۂ تحقیق" دہلی کی طرف سے ایک کتاب "اردو تحقیق اور مالک رام" شائع ہوئی اور ایمرجنسی نافذ ہونے کے بعد شائع ہوئی گو ظاہر یہ کیا گیا کہ یہ کتاب ایمرجنسی کے نفاذ سے پیشتر شائع ہوئی۔ یہ کتاب جمال پرنٹنگ پریس میں چھپی اور اس پر ملنے کا پتہ مکتبہ شاہراہ کا درج ہے۔ دہلی کے پریس آفیسر کے ہاں اس کتاب کے دو نسخے ایمرجنسی کے زمانے میں ہی دیئے گئے۔ اس کتاب میں مالک رام صاحب کی ادبی خدمات پر الٹی سیدھی تنقیدی تحریریں شائع کی گئی ہیں جن کا مقصد محض اور محض مالک رام صاحب کے ادبی وقار، ان کی مقبولیت، اور شہرت کو مجروح کرنا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مضامین لکھنے والے حضرات اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے کہ جس ٹب میں مالک رام صاحب پیشاب کرتے ہیں اس ٹب میں یہ منہ بھی دھو سکیں۔

جناب مالک رام صاحب ہر طرح سے ایک معزز اور باوقار و باعزت بزرگ ہیں اور ہر مذہب و ملت کے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔ انہوں نے اردو ادب کی جو خدمت کی ہے رشید حسن خاں اور ان کے حواریوں کی اگلی پچھلی سات سات پشتیں بھی ایسا نہ کر سکیں اور نہ کر سکیں گی۔

مالک رام صاحب نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک میں بھی ایک اچھے ہندوستانی ادیب اور خصوصاً غالب کے سلسلے میں ایک بلند پایہ ادیب کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ کیا غضب ہے کہ ایمرجنسی کے زمانے میں کچھ فاشسٹ قسم کے اردو ادیب جناب مالک رام اور جناب ... کے خلاف منظم سازش کے تحت ... اپنے خبث باطن کا تماشا دکھا رہے ہیں۔

اس کتاب کو کس مقصد سے شائع کیا گیا ہے اس کا پتہ اس کتاب

[illegible] مضمون سے صاف ظاہر ہے [illegible]

[illegible] ادب میں چھپا ہے " تحقیق کو فتنہ کا مرادف کہنا چاہیئے۔ [illegible] دس کا نہیں اور اہل ہوس اچھا خاصا مزدور ہو سکتا ہے مگر محقق نہیں ہو سکتا۔ آج کل تحقیق کی جان پر جو ستم توڑے جا رہے ہیں اور [illegible] ہندیاں جھوٹی شہرت کی جس طرح تقسیم کر رہی ہیں اور ایسی شہرت [illegible] بل پر دولت اور اقتدار کے جو فائدے اٹھائے جا رہے ہیں سینہ علم [illegible] ادب کو جس طرح مالِ تجارت بنا لیا گیا ہے۔ دیانت کی آنکھیں بند [illegible] گئی ہیں اور ہوس کے ہاتھ پھیلا دیئے گئے ہیں۔ ایسے بہت سے [illegible] ہم مسائل ہماری توجہ کے طلب گار ہیں۔ اگر اس طرف توجہ نہیں کی گئی [illegible] آبروئے علم و تحقیق برباد ہو کر رہ جائے گی یہی اس کتاب کی وجہ [illegible] لیف ہے "

یعنی وہ تمام برائیاں اور عیوب مالک رام صاحب کی ذات میں پائے [illegible] جاتے ہیں جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے اور جو اس کتاب کی وجہ تالیف [illegible] ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب مکتبہ شاہراہ کے چھپوائی مکتبہ شاہراہ کا کارندہ مسٹر ظہیر حال پریس میں اس کتاب کی چھپائی کی نگرانی [illegible] کر رہا وہی کاپیاں دینے گئے یہی صاحب پروف لائے یہی صاحب [illegible] پریس میں دے کر آئے (آج کل ظہیر صاحب مرکزی انجمن ترقی اردو ہند اور یونیورسٹی دہلی کے شعبہ مطبوعات میں ملازم ہیں)

اس میں کوئی شک نہیں کہ پریس ایکٹ کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں کافی کمزور ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رضیہ بٹ کی کتاب " صوفیہ " جیسی ناول کتاب گھر شاہدرہ مارکیٹ ٹیا محل دہلی نے شائع کیا ہے اس کے صفحات ۵۰ - ۸۰ - ۱۲۸ - ۱۸۶ - ۹۲ پر بد ترین قسم کی ہندوستان دشمنی اور پاکستان نوازی کی گئی ہے۔ اس کتاب میں بنگلہ دیش کے [illegible] بہیمانہ ظلم و جبر کا الزام سراسر ہندوستان کو بنایا گیا ہے۔ یہاں تک لکھا گیا ہے کہ ایک عیار ملک (ہندوستان) ہر قسم کی ساز باز سے کام لے کر ملک (پاکستان) کے مشرقی حصے میں نفرت اور تعصب کا بیج بو کر پھیلا رہا تھا۔

ہم جناب لفٹننٹ گورنر صاحب سے پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ [illegible] ایسی کتابوں کے بارے میں پولیس کی کرائم برانچ کے ذریعہ تحقیقات کرائی جائیں کہ جناب مالک رام صاحب کے خلاف کس طرح وہ کتاب کے ذریعہ [illegible] و الشخاص اور راجہ بولا [illegible] منافرت کے بیج بونے

[illegible] ماحول [illegible] اور اردو ادب [illegible]

[illegible] مسٹر ظہیر ہے۔ آسانی معلوم ہو سکتی ہے اور [illegible] کی کتاب " دھوپ " شائع کر کے ہندوستان اور ہندوستانی حکومت کو کیوں بد نام کیا جا رہا ہے۔ اگر ایمرجنسی کے زمانے میں [illegible] کو ایسی کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ تو پھر ایمرجنسی کا کیا ہوگا۔

اس ضمن میں دہلی ایڈمنسٹریشن خصوصاً اس کا محکمہ پبلسٹی [illegible] جوابدہ ہے کہ وہ کہاں سو رہا ہے جب کہ " دھوپ " ایسی کتابیں چھپ رہی ہیں اور یہ محکمہ خاموش بیٹھا ہوا ہے۔

مشاعرۂ جشن جمہوریت لال قلعہ دہلی [illegible] کی مشاعرہ کمیٹی کے ارکان کی خدمت میں

ہر سال ۲۴ / ۲۵ جنوری کو لال قلعہ میں مشاعرہ جشن جمہوریت منعقد کیا جاتا ہے یہ مشاعرہ ملک بھر میں اور بیرون ملک میں [illegible] جاتا ہے چونکہ جشن جمہوریت سارے ملک کا مشترکہ قومی [illegible] ہے اس لئے یہ جمہوری تقاضہ ہے کہ ملک کے ہر حصہ سے اردو کے بہترین شعراء کو اس مشاعرہ میں مدعو کیا جائے۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مشاعرہ جشن جمہوریت لال قلعہ کی مشاعرہ کمیٹی نے اس جمہوری تقاضہ کا کبھی [illegible] اور ملک کے عوام کو ان قابل احترام اور بہترین شعراء کرام کے کلام سننے کا موقع اس خالص قومی مشاعرہ کے ذریعہ [illegible] جو بیچارے نہ تو کسی منسٹر سے سفارش کرا سکتے ہیں اور نہ ان کے [illegible] کے تعلقات مشاعرہ کمیٹی کے اراکین سے ہوتے ہیں کہ وہ [illegible] کر کے مشاعرہ جشن جمہوریت میں شرکت کے [illegible] حاصل کر سکیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض شعراء کے [illegible] ایک مستقل اجارہ بن کر رہ گیا ہے۔ [illegible] خصوصیت سے دلی کے شعراء کا تو ایک ایسا طبقہ ہے جسے ہر سال [illegible] کو بلانا ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] جنہیں [illegible] کی بلا بازیاں دکھانے کا [illegible]

[illegible] کر دیا گیا۔

۶- [illegible] مشاعرہ [illegible] کے اہتمام کی
[illegible] یہ جانتے ہوئے کہ ایسی کمیٹیوں کے
[illegible] چونکہ نامزد کیے جاتے ہیں اور انہیں
[illegible] چھوڑ دیے گئے کہ ان کی عدم واقفیت اور
[illegible] کیا گیا ہے۔ یہ بات صاف کر دینا ضروری ہے کہ یہ
[illegible] کرتے وقت ہمارے سامنے صرف اور صرف یہی قومی اور
جمہوری تقاضا تھا کہ یہ مشاعرہ جشنِ جمہوریت صحیح معنوں میں ایسا مشاعرہ
ہو جسے [illegible] یہ کہا جا سکے کہ اس قومی تہوار پر قومی اور جمہوری
[illegible] کی گئی ہے۔

۱- اس مشاعرہ میں ملک کے ہر پردیش سے ایسے اردو شاعروں کو
[illegible] جو واقعی شاعر ہوں۔ اور وہ اس قومی مشاعرہ میں ایسا
[illegible] کی صلاحیت رکھتے ہوں جس میں ہمارے [illegible] کردار
[illegible] ترقیاتی اقدام۔ وزیر اعظم کے بیس نکاتی اقتصادی
پروگرام [illegible] گاندھی کے پانچ نکاتی پروگرام کی تشریح اور اس
[illegible] نمایاں ہوں نیز قومی یکجہتی اور حبِ وطن کی عکاسی جھلکتی
[illegible] یہ سب باتیں [illegible] جا سکتی ہیں۔

۲- کسی شاعر کو خواہ وہ کتنا ہی [illegible] کیوں نہ ہو اس مشاعرہ
میں ہرگز مدعو نہ کیا جائے۔ تاکہ اس بدعت کو دور کرنے کے لئے اس
[illegible] کی جائے۔

۳- کسی ایسے شاعر کو اس مشاعرہ میں مدعو نہ کیا جائے جس نے
کسی وزیر یا ممبر پارلیمنٹ یا مشاعرہ کمیٹی کے اراکین میں سے کسی کو
[illegible] سفارش پہنچائی ہو۔

۴- [illegible] کر مدعو نہ کیا جائے بلکہ زیادہ سے زیادہ
[illegible] شاعروں کو مدعو کیا جائے تاکہ ہر شاعر سے دو یا تین
[illegible] سنی جا سکیں۔

۵- ہر شاعر کے لئے یہ شرط ضروری قرار دی جائے کہ وہ پہلے ایسا
[illegible] کا تقاضا یہ مشاعرہ کرتا ہے اس کے بعد [illegible]
[illegible] کلام [illegible] محظوظ ہو سکیں۔
[illegible] مشاعروں میں کلام سنا چکے ہوں
[illegible]

[illegible] (۷) [illegible] دیا گیا
[illegible] ایسا نہیں ہے جسے معقول یا غیر
[illegible] کہا جا سکے (۸) اس مشاعرہ کا صدر کوئی ایسا باذوق اور سخن فہم ہونا
ضروری ہے جو مشاعرہ ختم ہونے تک صدارت کے فرائض انجام دے سکے کچھ
وقت کے بعد صدر کا تشریف لے جانا اور کسی دوسرے کو صدارت منتقل کر دینا مشاعرہ
میں بد نظمی پھیلانے کا موجب ہوتا ہے۔ (۹) شعراء کو دعوت نامے بھیجے [illegible]

بقیہ ۱۶ سے آگے خوابوں کے ویرانے

میں خوش ہوں۔ مر رہا ہوں [illegible] یہ گھٹن کیسی ہے جیسے کوئی
چیز حلق میں اٹک گئی ہے۔ جیسے غبار سا بھر گیا ہے شاید یہ میری [illegible] کا دھواں
ہے جو میں کسی کو نہ سنا سکا اور جسے سننے والا کوئی نہیں۔

کہتے ہیں دنیا میں دکھ درد بانٹنے والے مل جاتے ہیں۔ ترس کھانے والے
بھی مل جاتے ہیں لیکن میں نے تمام عمر وہ آنکھ نہیں دیکھی جو میرے دکھ پر نم
ہوئی ہو۔ میں نے ایسا دل نہیں دیکھا جس نے میرے زخم خوردہ دل پر
ہاتھ رکھا ہو۔ میں نے تو دنیا میں صرف یہ دیکھا ہے کہ جو آنکھ آنسو بہائے
اسے پھوڑ دو۔ جو دل درد سے تلملائے اسے مسل دو۔ جس چہرے پر رنج و غم
کی پرچھائیاں دیکھو اسے لہولہان کر دو۔ میرے دل کو مشق ستم بنانے
کو کچلنے والے اکثر ہنستے رہتے تھے۔ میں محو تماشا ہو رہتا۔ میں تجھ سے کہتا
وہ خاردار تھے۔ ایک گڑیا تم [illegible] مگر میں نے تمہیں پہچانا۔
تم تو مجھ سے بھی زیادہ زخم خوردہ تھیں۔

میری قبر پر رونے کوئی نہ آئے گا۔ کوئی نہیں۔ کوئی بھی
نہیں۔ صرف میرے اپنے دکھ درد ہی میری بگڑی قبر پر بیٹھے نوحہ کیا
کریں گے۔ میں [illegible] اپنی کہانی [illegible]
شاید کسی دل میں رحم کا کوئی جذبہ بیدار ہو جائے۔
لوگ میری کہانی پڑھیں گے۔ سنیں گے۔ [illegible] اور میں
ایک سنسنی خیز کہانی کا کردار بن کر چند روز بعد سب کے دلوں سے
غائب ہو جاؤں گا۔
[illegible]
[illegible]
[illegible] ۔۔۔۔۔۔ تم سے ۔۔۔۔۔۔

آل انڈیا مشاعرہ مسوری

سنگ بال جس کی بلدی پر ایک دلکش اور خوبصورت عمارت
ہے شہر کی تمام تقریباً [illegible] ہی
پولیس کے [illegible] آگے بڑھا تو ہال میں
ونوں کا ایک سیلاب امڈ آیا تھا کہیں تل دھرنے کو جگہ نہیں
تھی حتیٰ کہ گیلریاں بھی [illegible] شعرائے کرام
اور آل انڈیا مشاعرہ ہی تھے۔ جہاں مشاعرہ کمیٹی کے سرگرم ارکان
بڑے انہماک سے اس مشاعرہ کو ہر سال کامیاب کرانے میں
انتھک کوشش کرتے ہیں وہاں ڈی۔ آر۔ کپور صاحب
بھی [illegible] جاتے ہیں۔ مجھے بھی داد دیجئے کہ کیسے کیسے
خطرات سے گزر کر آپ کے لئے مشاعرے لوٹ کر لاتا ہوں
کم از کم آپ حضرات میری صحت کے لئے ہی دعا فرما دیا
کریں آپ کر بھی کیا سکتے ہیں۔
[illegible] شملو
کے [illegible] نہیں کرنا چاہتے ان کے انداز اور
[illegible] رہا ہے [illegible] صاحب صدارت
کے لئے [illegible] صاحب چیف سکریٹری اتر پردیش
سے درخواست کر رہے ہیں کہ تشریف لا کر [illegible] فرمائیں۔ وہ
[illegible]

مالک پیدا کر لیں اداے دلبری سے سحر کاری کی شان
رہی ہیں۔
اب بھی [illegible] ہے
تشنگی کا عالم ہے جام میرا خالی ہے
لیجئے داد دینے والے تالیوں پر اتر آئے ہیں اور ادا صاحبہ
ایک رہی ہیں۔
ہر طرف سے گھیرے ہیں گردشیں زمانے کی
میں نے [illegible] ہے
داد اور تالیوں کے [illegible] شور نے [illegible] کا روپ دھار لیا ہے
اور آپ اسی جان لیوا ترنم سے محفل کو لوٹے چلی گئیں
ہر گناہ [illegible] اب دل نجات پائے گا
[illegible] ہے
کون کس کے کام آئے [illegible] میں
ہم [illegible] ہے
ادا صاحبہ محفل کو لوٹ کر تالیوں کے بے ہنگم شور میں آ رہی ہیں
اور [illegible] صاحب [illegible] فرما رہے ہیں [illegible] نے
اشارہ سے بتلایا [illegible] چونکہ [illegible] کی نشست پر کسی
لاؤڈ اسپیکر کا انتظام نہیں کیا گیا اشعار سمجھ میں [illegible]
[illegible]

کاش ناظر صاحب اب اس خدا کی دین سے اور کوئی اصلاحی
کام لے کر اُردو ادب پر احسان فرمائیں۔ آخر ان کے بھائی
جناب مہدی نظمی صاحب نے بھی تو شاعری کے ذریعے ملک و
قوم کی ایسی خدمت کی ہے کہ زندۂ جاوید ہو کر رہ گئے۔ لیجئے
پھر اسی غزل کی محفل میں چلئے اور ایک حسین ترنم شگفتہ غزل کمال
جائسی سے سنئے ؎

حوصلہ محبت کا آپ اگر بڑھا دیں گے
موت کو بھی دیوانے زندگی بنا دیں گے
ہم بھی حسن والوں کو حسنِ غم دکھا دیں گے
زخم دل پہ کھائیں گے اور مسکرا دیں گے

لیجئے داد شباب پر ہے تالیوں کا شور کم ہوا تو اسی جان لیوا ترنم
سے محفل کو لوٹتے چلے ہیں ؎

ان کی شکوہ سنجی کو اک نئی فضا دیں گے
حال اگر وہ پوچھیں گے ہم غزل سنا دیں گے
موسموں کی نیت بھی صاف اب نہیں یارو
حسن کی اداؤں کو وہ نظر لگا دیں گے
آگ اور بھڑکے گی دل کے آشیانے میں
دامنِ تبسم سے جب بھی وہ ہوا دیں گے
خاک اپنی چھڑکیں گی زندگی کی راہوں میں
تم ہمیں مٹاؤ گے ہم تمہیں دعا دیں گے

ایک اور ایک اور کی آوازوں اور تالیوں کے شور میں کمال
صاحب [illegible] کرتے ہوئے تحمل سے کام لے کر اپنی جگہ
آ کر مجسمِ خلوص، بے ریا، خوش فکر، خوش گو اور خاموش شاعر
جناب تصور حسین تصور زیدی صاحب اکسائز کمشنر دہرہ دون سے
مودبانہ درخواست کلام بلاغت نظام فرما رہے ہیں محترم تصور
صاحب مائک پر آ کر نہایت متانت اور سنجیدگی سے مختلف
لازوال اور منفرد اشعار عطا کر رہے ہیں کیا ایسے منفرد اور
لاجواب اشعار پر داد نہیں دی گئی ہوگی یہ سمجھئے کہ ہر شعر پر داد
دی گئی کہ بس کچھ نہ پوچھئے آئیے سماعت فرمائیے ؎

غم ایک لمحہ سے زائد ٹھہر نہیں سکتا۔
وہ ایک گھر بھی شاید گذر گیا ہو گا

احساسِ وقت حد سے سوا بھی بھلا نہیں
صدیوں کی فکر چھوڑیئے لمحے سنبھالئے

میری آنکھ کے ساحل پہ ٹھہر آ ابھی
ورنہ یہ لہر خوشی کی ڈبو دے گی مجھے

بکھر چکی تھی جب آغاز تو خیال آیا
کہ خامشی کو بھی جینے کی آرزو ہوگی

آخری بار جہاں ہم نے تجھے دیکھا تھا
اس کے آگے تو خوشی بھی نہیں جاتی ہے

اگر نہ پرتوِ خورشید سہہ گیا ہوتا
خود اپنے سائے سے میں دب کے رہ گیا ہوتا

میں تشنگی کی علامت جو ٹھہرا ہوا ہوں صحرا میں
کہ ہوتا موجۂ دریا تو بہہ گیا ہوتا

محترم تصور صاحب جس پُر وقار انداز سے کرم فرماتے رہے
اسی طرح والہانہ انداز سے داد بھی دی گئی اور تالیوں کی گونج
شاداں تشریف لا رہے ہیں ادھر اس رنگ کو برقرار رکھنے
کے لئے ملک کے مشہور مترنم اور گیت نگار شاعر صبا افغانی
کو دعوتِ موسیقی دی گئی ہے وہ دیکھئے صبا صاحب کالی شیروانی
اس پر سفید مفلر ڈالے مائک پر آ گئے فرمائشوں کا
ہلڑ ہنگ ہے یہ شور خوشگوار ہوا تو آپ فرما رہے ہیں
ایک تازہ غزل ملاحظہ فرمائیے خدا کرے کہ ایسا ہی ہو سنئے

شالا غم کے مارے جب آئے حسن والوں میں
ڈرتے تھے اندھیروں سے لٹ گئے اجالوں میں
ہم ہیں خوش خصالوں میں وہ ہیں خوش جمالوں میں
[illegible] مثالوں میں

[illegible] جلے آپ فرما رہے ہیں۔
[illegible]
[illegible]

پھر یار لوگ تالیوں پر آگئے ہیں اور آپ لٹک رہے ہیں۔

تیرے ترنم نازک سے قہقہوں کی موسیقی
گھنٹیاں سی چاندی کی بج اٹھیں شوالوں میں

جناب صاحب محفل کو گرما کر تالیوں کے شور میں کامراں پلٹ رہے ہیں اور کمال صاحب مفرزانہ ناز انصوری کو دعوت سخن دے رہے ہیں ناز صاحب تالیوں کی جھنکار میں مائک پر آ کر یوں لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

ہمیں ہے جس سے محبت وہ خوش جمال بھی ہے
مثال جس کی نہیں ایسا بے مثال بھی ہے
کرم کی آڑ میں ڈھاتے ہیں وہ ستم دل پر
بتاؤ ایسے ستم کی کوئی مثال بھی ہے
کرو گے ترک تعلق تو ہوگی رسوائی!
زمانہ سوچے گا کیا کچھ تمہیں خیال بھی ہے
نہ جانے کیوں تجھے پھر بھی تلاش کرتے ہیں
کہ ڈھونڈنا تیرا مشکل بھی ہے محال بھی ہے

ناز صاحب خوب خوب داد لوٹ کے، تالیوں کی جھنکار میں شاداں پلٹ رہے ہیں اور کمال صاحب ملک کے مشہور مترنم شاعر بدر اختری الملقب بیکل اتساہی کو دعوت سخن دے رہے ہیں بیکل صاحب یوں لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

یوں تو تمہارے شہر میں سب ٹھاٹ باٹ ہے
لیکن کسی حسین کی طبیعت اُچاٹ ہے
یہ حسن یہ جوانی، یہ انداز یہ نکھار
اُترے ندی تو ہم بھی کہیں کتنا پاٹ ہے

واہ واہ کا ایک دھماکہ ہوتا ہے اور آپ اسی طرح جلال بھرا ترنم سے محفل کو گرما و چہکا رہے ہیں ؎

یہ حسن مصلحت ہے کہ اپنی زباں نہ کھول
یوں بھی حسن خوش نگاہی میں کاٹ ہے
[illegible] کے تو رہا [illegible] نکھار
لیکن ادھر تو آج بھی سناٹا گھاٹ ہے

ایک واہ واہ ایک ادور کے شور میں پھر بیکل صاحب محفل کو گرما رہے ہیں

اسی دن چھاؤں سٹھ کی بوڑھے برگد سے جدا ہوگی
کہ جس دن اپنے میکے سے کوئی لڑکی جدا ہوگی

واہ پر کسی بٹرلونگ کا گمان ہو رہا ہے اور آپ اسی طرح جم کر عنایت کر رہے ہیں ؎

لہجت آئے کہ ساون ہو کہ سہاگن کی ہوا ہوگی
سہاگن کے لئے انگنائیاں جلتی چتا ہوگی
جہاں دولت سے تولا جاتا ہو رشتہ محبت کا
خدایا پر قوم کی بدقسمتی کی انتہا ہوگی
سبھی کہنے لگے چہرے ہماری بے گناہی کے
بتاؤ اس سے بڑھ کر کیا گناہوں کی سزا ہوگی

قبلہ بیکل صاحب خوب خوب محفل کو چمکا کر تالیوں کی جھنکار میں جا رہے ہیں اور کمال صاحب دانش علیگڈھی کو دعوت سخن دے رہے ہیں دانش صاحب اپنے دلکش ترنم سے ایک شگفتہ اور حسین غزل چھیڑ رہے ہیں ؎

غیروں کے کرم اپنوں کے ستم یا ہم جانیں یا دل جانے
کیوں لب پہ ہنسی ہے آنکھ ہے نم یا ہم جانیں یا دل جانے
اب لاش وفا کی کاندھے پہ پھرتے ہیں لئے گلیوں گلیوں
اب جیسا بھی ہے اپنا عالم یا ہم جانیں یا دل جانے
اے عیش و طرب کے دیوانو تم غم کی لطافت کیا جانو
کیا چیز ہے کیفِ شامِ الم یا ہم جانیں یا دل جانے
دنیا اس کو سمجھے گی کیا کس نے لوٹا اور کون لٹا
تیری خوشیاں اپنا ماتم یا ہم جانیں یا دل جانے
دانش وہ جتانے ہمدردی پرسش کو ہماری آئے ہیں
لیکن ان کا اندازِ کرم یا ہم جانیں یا دل جانے

دانش صاحب کی ہر غزل کی خوب خوب تعریف ہو رہی ہے اور آپ نہایت کامران تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور کمال صاحب رنگ محفل بدلنے کے لئے مشہور مزاح نگار کرگس سہسوانی کو دعوت طنز و مزاح دے رہے ہیں کرگس صاحب نہایت متانت سے فرما رہے ہیں ؎

تصور غیر کا جس دم دکھائی دیتا ہے
تو ان کے ہاتھ میں خنجر دکھائی دیتا ہے

تمہارے ساتھ جو ہر دم کو دکھائی دیتا ہے
تمہارا باپ یا میڈم دکھائی دیتا ہے
شراب کو بھی یہ حضرت بتاتے ہیں حرام
جناب شیخ کو کچھ کم دکھائی دیتا ہے
کرم یہ گلدومیاں کا ہے آنسوؤں کا نہیں
ہمارا کتا جو کچھ نم دکھائی دیتا ہے
لگی ہے جب سے مرے ملک میں امیر جنسی
ہر اک حریف کا سر خم دکھائی دیتا ہے

کرگس صاحب محفل کو قہقہوں اور ہلڑبازی سے آتار کر جا رہے ہیں اور اب کمال صاحب آپ کے خادم کریم الاحسانی کو سنانے کے لئے حکم فرماتے ہیں تعمیلِ حکم سے تحفے سنائے اشعار پیش خدمت کر رہا ہوں سنئے ؎

سرنگوں پرچمِ شیطاں ہے کئی سال کے بعد
سرخرو آج کا انساں ہے کئی سال کے بعد
ہر طرف رنگِ بہاراں ہے کئی سال کے بعد
بوئے گل جارسو رقصاں ہے کئی سال کے بعد
اب عداوت کا اندھیرا نہ تعصب کی وبا
ہر طرف جشنِ چراغاں ہے کئی سال کے بعد
کون مجرم ہے اسیروں میں سے چھوڑو بھی
دیدنی رونقِ زنداں ہے کئی سال کے بعد
ہر طرف امن و اماں اور سکوں کے آثار
کوئی ہنگامہ نہ طوفاں ہے کئی سال کے بعد
مدتوں درسِ وفا دیتا رہا لوگوں کو
اب وہ بہروپیا عریاں ہے کئی سال کے بعد
اور اس دورِ زبوں کا رہے کیا چاہتے ہو
لب پہ بس مصرعِ احساں ہے کئی سال کے بعد

وہ دیکھئے کوئی راکیش ارمانوں کی لاش ایک طویل نظم سنا کر چلے ہیں اور کمال صاحب زحمتِ سخن دے رہے ہیں سیف اللہ سیف صاحب فرماتے ہیں ؎

ہمارا بھی دل اب ہمارا نہیں ہے
قصور اس میں شاید تمہارا نہیں ہے
خلوص کے تم تو سب ہو اچھا ہی
جہاں میں کوئی اب ہمارا نہیں ہے
مجھے ڈوبتا دیکھ کر ہنسنے والو
جہاں تم ہو وہ بھی کنارا نہیں ہے

سیف صاحب داد وصول کرکے چلتے بنے اور صدر محترم تشریف لے جانا چاہتے ہیں جیسا کہ پہلا دور ختم ہو رہا ہے اور محترم بڑے ہی نہایت مدبرانہ شان سے فرما رہے ہیں:۔

مشاعرہ کا پہلا دور ختم ہوا آپ سب لوگ لطف اندوز ہوئے سامنے سے ایک آواز بلند ہوئی تو اختتام محترم مسکرا کر فرما رہے ہیں۔ افسوس کہ جو ہمارے دوست نے کہا ہم نہیں سن سکے شعراء کی الگ الگ تعریف کرنا میرے بس کی بات نہیں یہ محفلِ مشاعرہ بہت کامیاب رہی مسوری میں سخن کے قدردان باہر کے شعراء اور ریختہ کار شعراء کا کلام سننے میں آیا میں یہی کہوں گا کہ یہ سلسلہ نہایت ہی کامیاب ہا میرا سفر کل صبح سے شروع ہوا اور ابھی سفر جاری ہے اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا اب اس مشاعرہ کی صدارت ہیکل التاہی فرمائیں گے اور آپ اپنے ہر دلعزیز شعراء کرام کا کلام سنتے رہیں گے اور تالیوں کی گونج کا رس لیتے رہیں اور ساتھ ہی ہیکل صاحب کی صدارت میں دوسرا دور شروع ہو رہا ہے جو تقریباً ۲ بجے صبح تک جاری رہا یہاں کے سامعین انتہائی سخن فہم شعراء کے قدردان اور مہمان نواز ہیں مشاعرہ کو کامیاب کرانے میں کپور صاحب کے تمام ساتھیوں نے دلچسپی اور لگن کے ساتھ شب و روز جد و جہد کی اور یہ تمام حضرات لائقِ صد تحسین اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اکتوبر میں ہر سال ایک شاندار اور یادگاری مشاعرہ کرا دیتے ہیں اس مشاعرہ کو سننے کے لئے مظفر نگر، سہارنپور، رڑکی وغیرہ تک سے سامعین شرکت کرتے ہیں اور شعراء کے کلام و اعزاز پر توجہ فرماتے ہیں۔ آپ سے بہت فاصلہ پر بہت بلند جگہ پر کسی ہوٹل مسوری کا میں بیٹھ کر یہ مشاعرہ قلمبند کر کے پیش خدمت کر رہا ہوں امید ہے کہ آپ حسب سابق اسے پسند فرما کر شکر گزار کریں گے یہاں مسٹر حنیف حسب سابق کی صاحبزادی کشور سلطانہ صاحبہ کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اگر حنیف صاحب نے مجھے اپنا مہمان بنایا تو کشور نے مسوری کی سیر کرائی خدا ان کو خوش رکھے اور علم کی دولت سے مالا مال کرے خدا حافظ۔

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

خوابوں کے ویرانے

ایس۔ ایم۔ عابد نقوی

آج چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے
مگر میرا چاند غروب ہو چکا ہے۔ اس کے اُبھرنے کے اب کوئی آثار نہیں
دُنیا کو منور کرنے والا چاند — دماغوں کو سکون بخشنے والا چاند، دل کو روشنی دینے والا چاند!

"مس ثریا، یہ ہیں مسٹر جمشید۔ فلسفہ کے اسکالر ہیں۔ لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر ثریا کے چہرے پر ذرا سی بھی مسکراہٹ نہیں تھی۔ اکڑا ہوا سینہ۔ لہراتے اور بل کھاتے بال۔ خوشبو سے آس پاس کی فضا معطر۔ سنہرے بالوں پر جرمنی کا بنا بیٹ ہیڈ گیئر۔ بڑی لاپرواہی و بےنیازی سے اُس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مجھے لگا جیسے وہ کسی سے ملنا جلنا زیادہ پسند نہیں کرتی یا پہلے سے ہی کسی کی زخم خوردہ ہے۔ یہ محسوس کر کے میرا ہاتھ خود بخود اُٹھتے اُٹھتے رُک گیا اور میں نے صرف گردن ہلا کر Nice to meet you کہنے پر ہی اکتفا کی۔ اُس کا اُٹھا ہوا ہاتھ گر گیا۔

وہ مقامی ہسپتال میں ڈاکٹر تھی۔ سڈول لانبا سراپا۔ اس کے سامنے میں چھتا تک بھر کا آدمی نہ رنگ نہ روپ۔ لاغر اور مریض سا۔ اس نے سچ مچ مجھے مریض ہی سمجھا مگر یہ کیسا مریض تھا۔ اس قدر مغرور تھا اور خوددار کہ رویے کو پہچان کر ساتھ ہی روک لیا تھا۔ جمشید کو ڈاکٹر کی آپریشن کرنے والی نگاہیں بھلا کہاں پسند آتیں۔ ٹھیک ہے اس کا جسم ہرن کی طرح سڈول اور تنا ہے۔ وہ چلتی ہے کہ زمین تھرکتی ہے۔ خوبصورت اتنی کہ جیسے کوئی تخیلات کی چیز، دودھ سے نہا کر باہر آئی ہو۔ جسم سے مشک و نافہ کی خوشبو اُڑتی ہوئی۔ شاعر اپنے تخیلات کو اشعار کا جامہ پہناتا ہے مگر اس کے ذہن میں محض ایک خیالی پیکر ہوتا ہے جو اس کے سامنے رنگینی اور تلخ حقیقت ہے آنکھ کا دھوکہ یا سراب ہیں۔ وہ بے چین ہو اُٹھا۔

اُدھر ڈاکٹر ثریا خود جس نے کتنوں کے دلوں کا آپریشن کیا ہوگا کسی کے تیرِ نظر کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔ ڈاکٹر کے آپریشن میں تو ٹانکے لگتے ہیں اور زخم رفو ہو جاتے ہیں مگر خود اس نے ایسا زخم کھایا تھا جو کبھی بھرا جا سکتا تھا اور نہ ہی ٹانکوں سے سیا جا سکتا تھا۔

انگریز قوم بڑی فراخدل اور روشن خیال ہوتی ہے۔ یہ لوگ کسی ایک کے ساتھ چپک کر نہیں رہ سکتے لیکن اسی جنگل کی یہ ہرنی زخم خوردہ تھی اور ڈری ہوئی تھی اس لئے وہ شاید جمشید سے ملنے ملانے سے کتراتی تھی یا شاید اسے بھی اس نے دوسرے مشرقیوں کی طرح شکاری سمجھا تھا۔ مگر جمشید کے ہاتھ کھینچ لینے سے اسے دھکا لگا۔ یہ کون ہو سکتا ہے ڈاکٹر ثریا نے سوچا۔ ڈاکٹر برنارڈ نے کچھ ہی دلوں کو تبدیل کرنے کا تجربہ کیا تھا لیکن حسینائیں تو بڑے بڑے دل اِدھر سے اُدھر کر دیتی ہیں مگر آج خود اس کا اپنا دل ہل کر رہ گیا تھا — وہ کتنی خوبصورت ہے۔ چاندنی سے بنا چہرہ۔ چاندی کا سا چمکتا مکھڑا جیسے کچی برف پانی میں بھیگی ہو۔ کیا کچھ نہیں ہے اس میں مگر اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ کالا مریض جو اس کے سامنے سایہ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اس کا یہ سلوک۔ خیر آج نہیں تو کل وہ ضرور اس ہسپتال آئے گا تو اس کا مکمل آپریشن کروں گی۔

وہ بات ختم ہونے سے پہلے ہی چلی گئی مگر اپنے غرور کے باوجود بھی وہ میرے دل میں گھر کر چکی تھی — میرا اس کے متعلق سوچنا بھی خیالِ خام تھا کیونکہ وہاں مجھ سے اچھے خوبرو اور شکیل گھومتے رہتے تھے۔ میری طرف اس کا حقارت سے دیکھنا بالکل قدرتی تھا۔ مجھے احساسِ کمتری ہونے لگا۔ لیکن اس میں میرا کیا دوش۔ اگر اسے مجھ جیسے آدمی سے متعارف کرایا گیا۔ اس کے جل کا یہ عالم مرے کالے آدمی کا ہاتھ ملانے سے انکار اور صرف سر سے Hello Say کرنے کا سلوک اسے ضرور بُرا لگا ہوگا۔

میری اسی سوچ بچار میں رات گزر گئی۔ میں پل بھر بھی نہ سو سکا

اور نہ ہی صبح یونیورسٹی جا سکا۔ ایک بار اسے ہسپتال جا کر دیکھنے کا خیال آیا۔ جاگتے ہوئے سوچتا رہا۔ دیکھو میں ساری رات بستر پر ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا ہوں۔ مجھے نیند نہیں تو موت کی ہی دوا دے دو۔ تھوڑا سا زہر ہی دے دو۔ دل کو قرار تو آ جائے۔"

گھر سے نکلا۔ ہسپتال پہنچا۔ وہ ایک وارڈ سے دوسرے وارڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے میں نے کراہنا شروع کر دیا۔ پھر سوچا۔ چپ ہو جاؤں۔ اگر وہ حقارت سے گردن جھٹک کر چلی گئی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ پھر خیال آیا۔ اس کا معتبر پیشہ اسے ایسا نہیں کرنے دیگا۔ اس کے قدم بیچ بیچ ہی رک گئے۔ واپس آتے ہوئے بولی۔

"ہیلو مسٹر جمشید کیا حال ہے؟"

مجھے اتنے خلوص اور ہمدردی کی امید نہیں تھی۔ میں تو صرف شدید پیار کا پیاسا تھا۔ گھبرا کر کہا۔ میں ٹھیک ہوں۔ صرف ڈاکٹر چاولہ سے ملنا ہے۔

ڈاکٹر چاولہ نے ہی مجھے ڈاکٹر ثریا سے ملوایا تھا۔ وہ میرا دوست اور ہم خیال تھا۔ اسے میری تنہا تنہا زندگی کا شدید احساس تھا اسی لئے اس نے شاید مجھے ڈاکٹر ثریا سے ملوایا تھا۔ لیکن مجھے لگا جیسے اس نے یہ ملاقات کرا کے غلطی کی ہے۔ میں بھلا اس قابل کہاں!

ثریا مجھے اپنی طرف لاتعلق سا پا کر حقارت سے دیکھتی دوسرے وارڈ میں چلی گئی۔ یہ نفسیاتی مریضوں کا وارڈ تھا۔ وہ نفسیاتی ڈاکٹر تھی۔ میں وہاں سے جلدی لوٹ آیا۔ میری پیاس بجھ چکی تھی مگر کیا سچ مچ یا یہ میرے دل کا وہم تھا۔ پھر مجھے لگا جیسے آگ ادھر بھی بھڑکی ہوئی ہے یا کم از کم ایک بار میں اسے پھر اپنے بارے سوچنے کا موقعہ دے آیا ہوں۔ میں خود اس کا مریض ہو کر رہ گیا تھا۔ سوچوں نے میرے ذہن کو کشتی کا اکھاڑہ بنا ڈالا تھا۔

ڈاکٹر چاولہ کی معرفت اس نے میرے بارے میں مزید معلومات حاصل کی تھیں۔ میں کون ہوں؟ اور میں نے کیوں اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا۔ ڈاکٹر چاولہ نے اسے بتایا تھا کہ میں ایک خود دار شخص ہوں جو کسی کی تیوری پر بل برداشت نہیں کر سکتا۔

"مجھے اس سے ایک بار پھر ملاؤ" ایک دن ڈاکٹر ثریا نے چاولہ سے درخواست کی۔ آخر وہ کون ہے جو اس طرح بھڑکتا ہے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ورنہ میں نے جسے بھی دیکھا ہے اپنا دیوانہ ہی پایا ہے۔

ایک بار ہم پھر ملے۔ وہ میری زندگی میں داخل ہو گئی۔ اس کا دل دکھا ہوا تھا۔ کسی نے اس کا دل ہاتھوں سے کر پھول کی طرح مسل دیا تھا۔ جو فریاد کناں تھا۔

کیا خطا میری تھی ظالم تو نے کیوں توڑا مجھے

وہ میرے خوابوں کی وادیوں میں داخل ہو گئی۔ اکثر رات کو وہ میرے دروازے کی گھنٹی بجاتی۔ میرا الفیڈ لارڈ منہ بسورتا دروازہ کھولتا۔ وہ شکریہ ادا کرتی میرے کمرے کی طرف بڑھ آتی۔ مجھے بستر میں سوتے پا کر میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتی۔ میرے کھا کر سونے کے باوجود اصرار سے سامنے بیٹھ کر کھلاتی۔ کہتی۔ نہیں میرے سامنے کھاؤ تب مجھے تسلی ہو گی۔

"تم کھوئے کھوئے سے کیوں رہتے ہو۔ بات کیوں نہیں کرتے۔ تم تنہائی پسند کیوں ہو۔ تمہارا دل بجھا بجھا کیوں رہتا ہے؟"

وہ آتی رہی۔ میں حسب عادت کھچا کھچا رہتا۔ مجھے اپنی حقیقت معلوم تھی۔ میں اس کے قابل نہیں تھا۔ ایک دن میں اس سے کہہ دیا دیکھو ڈاکٹر۔ میں غریب ہوں۔ کالا آدمی ہوں۔ میرا معاشرہ تم سے بالکل الگ ہے۔ تم کوئی اپنا ہم نسل تلاش کر لو۔ سفید رنگ والا"

وہ بولی "محبت میں سب ٹھیک ہے۔ میرے لئے تم ہی سب کچھ ہو۔ میرے خوابوں کے شہزادے"

میں ہنس دیا۔ "تم میرا مذاق اڑا رہی ہو"

"نہیں۔ میں آدمی کو پہچانتی ہوں۔ میں نفسیاتی ڈاکٹر ہوں۔

"مگر تمہاری ڈاکٹری مجھ پر فیل ہو جائیگی" وہ ایک پُریقین ہنسی ہنس دیتی اور اس کی سفید موتیوں جیسی دانتوں کا ہالہ چمک پڑتی۔

میں پھر خیالات میں ڈوب جاتا۔

"تم کون ہو۔ اتنا عرصہ ہو گیا ہے تم نے اپنی زندگی کے بارے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ بس ایک اسراریت سی تم پر طاری رہتی ہے" ایک دن اس نے کہا۔

میں کہہ چکا ہوں۔ میں ایک غریب الوطن ہوں۔ اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں کچھ حاصل کرنے آیا ہوں۔ کچھ بن گیا تو یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میرا بس اتنا ہی تعارف ہے۔"

«نہیں تم [illegible] کی کوشش کر رہی ہو [illegible]
«میری داستان بہت دکھ بھری ہے۔ تم کیا کرو گی جان کر۔»
میں نے جواب دیا۔
«نہیں میں ضرور سنوں گی۔» اس نے بڑے پُرزور لہجے میں کہا۔
«تم میری زندگی کے متعلق آخر کیا جاننا چاہتی ہو۔ میں نے دنیا نہیں دیکھی مگر اپنے دل کی دنیا کو بغور دیکھا ہے۔ جو ویران جنگل اور سنسان صحرا ہے۔ جہاں خزاں آتی ہے تو چرند پرند بھی چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔ ویسا ہی خزاں رسیدہ دل ہے میرا۔ دیکھ سکو گی۔»

اس کی بے تابی بڑھتی گئی مگر میں نے کہا اور کچھ مت پوچھنا تم میرے ماضی کے متعلق۔ میرا ماضی خط استوا سے بھی زیادہ گرم ہے۔ شاید یہ گرمی میری جان ہی لے لے گی۔ میں اب تک صرف تصوراتی زندگی گزارتا رہا ہوں۔ مجھے پھولوں کی تمنا میں ہمیشہ کانٹے ملے ہیں۔ گلاب کے خار۔ ثریا۔ تم مجھ سے دور رہو۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

«دیکھو کھڑکی بند کرو۔ تمہیں سردی لگ جائے گی۔ باہر تیز ہوائیں چل رہی ہیں۔ طوفانِ باد و باراں آ رہا ہے۔ سرد طوفانی رات ہے۔» وہ کھڑکی بند کرتے ہوئے بولی۔

«نہیں ثریا۔ رہنے دو۔ خود اس سے تیز آندھی میرے اندر اٹھ رہی ہے۔ وہاں کھڑکیاں کون بند کرے گا۔ میرا یہاں کوئی نہیں تمہاری ہمدردی کے چند بولوں کے سوا۔ ثریا میرا ماضی برف کی طرح سرد ہے۔ تم بھی آخر بھاگ جاؤ گی۔ میں وہ بدنصیب درخت ہوں جس پر اب کبھی پھول نہیں کھلیں گے۔ جس پر اب نئی کونپلیں نہیں پھوٹیں گی۔ جس نے کتنوں کے لئے سایہ مہیا کیا۔ کتنوں کے گھر تعمیر کئے لیکن اب اس کی شاخیں کٹ چکی ہیں۔ اسے پانی کبھی ملا نہیں یا۔ کتنے قافلے آئے اور اس کے سائے میں بیٹھ کر چلے گئے۔ یہ سب کچھ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ تم چلی جاؤ ثریا۔ حیرت سے میرا منہ کیا تک رہی ہو۔ جاؤ۔ خدا کے لئے چلی جاؤ۔»

«تمہارا ماتھا جل رہا ہے۔ تمہیں بخار ہے۔ تم پر ہیجانی کیفیت طاری ہے۔ تم آرام کرو۔»
«آرام! آرام میری قسمت میں کہاں۔» وہ تو اب ایک بیتی ہوئی بات [illegible] سے تمہیں کیا چاہئے۔»

«میں تمہیں کچھ دینے آئی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ مجھے کسی سے کوئی امید نہیں ہے۔» وہ روہانسی ہو گئی۔
«معاف کرنا۔ مجھے تم سے کچھ نہیں چاہئے۔» میں نے کہا۔
«میرے پاس جو کچھ تھا۔ لٹا بیٹھا۔ اب کچھ بھی نہیں رہ گیا جو تمہیں پیش کر سکوں۔»

میری زندگی ایک لمبا چوڑا صحرا ہے۔ جس میں پیاسا مسافر پانی کی تلاش میں نکلتا ہے اور دور سے اسے ہر چمکتی چیز پانی نظر آتی ہے مگر جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہ محض نظر کا دھوکا ہوتی ہے اور وہ مجبوراً پھر آگے بڑھ جاتا ہے اور گرمی اسے جلا کر کوئلہ بنا ڈالتی ہے ثریا۔ تم اپنی مسرتوں کو میری خاطر قربان نہ کرو۔ میری ایسی بدمزہ زندگی سے تمہیں کیا حاصل ہو گا۔ ثریا تم ناراض ہو کر مت جاؤ۔ مجھے تمہاری ہمدردی کا احساس ہے لیکن تمہارے درد کی دوا نہ بن سکا۔ اسی میں تمہاری بھلائی مجھے نظر آتی ہے۔ میں تمہیں اپنی دکھ بھری دنیا میں کیسے گھسیٹ لوں۔»

ثریا ناراض ہو کر چلی گئی۔ میں اسے منا بھی نہ سکا۔ روک بھی نہ سکا۔ اس کے جانے کے بعد میں یکّہ تنہا رہا۔ نجانے کیا ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ وہ کب تک برداشت کرتی۔ صبح سے شام۔ شام سے صبح وہ میرے ساتھ کرتی رہی۔ کوئی دن میری جنونی کیفیت کو برداشت کیا مگر آخر کب تک۔ وہ چلی گئی کب؟ مجھے کیا پتہ۔ مجھے تو اپنا بھی ہوش نہیں تھا۔ پھر ایک دن کسی نے آ کر بتایا۔ ثریا نے خودکشی کر لی۔

«خودکشی۔ ثریا۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ثریا سمجھدار لڑکی ہے۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ کیا۔ کیا! یقین ہی نہیں آتا۔»

«اپنا منہ بند کرو جاہل۔» میں چیخا۔ جب اس نے بھی اس خبر کی تائید کی۔

«تم میرا منہ بند کر لوگے مگر اخبار والوں کا کون کرے گا جو چیخ چیخ کر اس کی موت کی خبر سارے شہر کو سنا رہے ہیں کہ نوجوان لیڈی ڈاکٹر ثریا نے محبت کی ناکامی میں خودکشی کر لی۔»
آہ جو دوسروں کے دلوں کا علاج کرتی تھی۔ اپنا علاج نہ

کرسکی۔ سانپ نے ڈس لیا ہو گیا ہوگا۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ پہلے ہی زخمی تھا اب یہ ایک اور صدمہ! کیا اسے برداشت کرسکوں گا؟

تم میرے خوابوں میں بہت آتا ہو ثریا۔ میں اب بھی پرانے کھنڈر میں تمہاری [illegible] ۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم اتنی وفادار اور [illegible] خاتون ہوگی۔ [illegible] دلوں میں اندر بٹھایا گیا ہے مگر تم ـــــ ثریا تم تم بڑی باہمت تھیں۔ تم تنہائی سے آزاد ہو گئیں۔ ایک میں ہوں جو [illegible] برداشت کر رہا ہوں۔ اب تو تمہاری یاد کے سہارے ہی شامِ غم گزارا کروں گا۔ دیکھو میری نیندیں اُڑ چکی ہیں تم جو مجھے سلیپنگ ٹیبلٹس دے گئی تھیں۔ وہ میں نے کھالی ہیں۔ میرا دماغ [illegible] سو گیا ہے مگر میری آنکھیں اب بھی بدستور کھلی ہیں۔ [illegible] انتظار میں۔ اس طرح جیسے کوئی شاعر تصور لئے مرگیا ہو ؎

آنکھیں کھلی رہ گئیں ہیں مرنے کے بعد بھی ٭ عادت جو پڑ گئی تھی تیرے انتظار کی

تم وفا پہ مر گئیں مرکر امر ہو گئیں۔ میں مر مر کر بھی زندگی حاصل نہ کرسکا [illegible] ثریا اس کمرے میں تو میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ میری شریانیں خون اُگلنے لگیں گی۔ یہ مکان مجھے چھوڑنا ہی پڑے گا جہاں تم آکر میری گھنٹی بجایا کرتی تھیں۔ اب صرف تمہاری روح یہاں آیا کرے گی۔

میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ تمہاری یاد مجھے یہاں سے دور لئے جا رہی ہے۔ کیا تم میرے سر پر ہاتھ نہیں رکھو گی۔ پیار سے میرے بالوں میں انگلیاں نہیں پھیرو گی۔ میں شہر سے باہر سو سال پرانے کھنڈر میں منتقل ہو رہا ہوں۔ وہی میری آخری منزل ہے جہاں شاید ہی کسی کا گزر ہو۔ جہاں صرف چمگادڑیں [illegible] اپنا گھونسلہ بنا کر رہتے ہیں۔ مکڑیوں نے جا بجا اپنے جالے تن رکھے ہیں۔ قبرستان کی طرح خاموش سنسان بلڈنگ جو ابھی تک آثارِ قدیمہ کی یاد دلا رہی ہے۔ جہاں کبھی کتنے خاندان آباد تھے جو لڑائی کے زمانہ میں بم گرنے سے تباہ و برباد ہو گئے۔ جہاں سے زمین۔ دنیا نہیں صرف اُفق نظر آتا ہے۔ اُفق۔ جہاں تمہاری روح [illegible] گئی ہے۔ اسی جگہ پہنچ کر میں نے شبِ فراق کا چراغ جلایا ہے۔ یہ جگہ جہاں میں ہوں گا۔ تم ہو گی۔

ثریا اب تم کبھی نہیں بھٹکو گی۔ اب تمہیں سکون آ جائے گا۔ میں تمہاری یاد کو نہیں بھلاؤں گا۔ اس سے بچ کر اب جاؤں بھی کہاں۔ تم ہی بتاؤ کوئی ایسی جگہ جہاں تمہاری یاد نہ ہو

ثریا اب تم کبھی نہیں بھٹکو گی۔ اب تمہیں سکون آ جائے گا۔ میں تمہاری یاد کو نہیں بھلاؤں گا۔ اس سے بچ کر اب جاؤں بھی کہاں۔ تم ہی بتا دو کوئی ایسی جگہ جہاں تمہاری یاد نہ ہو۔

تمہاری موت نے مجھے تمہارا اپنا بنا دیا ہے۔ مرنے سے پہلے کسی کا ہو کر مرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری یاد کے سمندر میں کھو کر ہی تمہیں تلاش کرنا ہے مجھے وہاں جہاں تم نے اپنا مسکن بنایا ہے۔ میں تمہاری تربت پر بیٹھ کر اپنے ارمانوں کے چمن کو اُجاڑ دوں گا۔ تمہاری آنکھوں کے دیئے اب تمہاری اور میری تمناؤں کے خون سے روشن ہوں گے۔ دیکھو میری شبِ فراق میں تمہاری یاد کے چراغ جل رہے ہیں۔ میری آنکھوں سے جو خون [illegible] ہے جیسے یہ شب بھی گریہ زاری کر رہی ہے یا جیسے تمہاری روح میرے ساتھ کہہ رہی ہے ؎

کافی ہیں میری خاک پہ سبزے کی بہاریں ٭ یا شبنم افشاں کا گہر پاش نظارے
تکتے ہوئے آئینہ چمکتے ہوئے تارے ٭ وہ گورِ غریباں کے غم انگیز اشارے
یا ابرِ بہاری کی وہ ہلکی سی پھواریں ٭ کافی ہیں میری خاک پہ سبزے کی بہاریں

تم نے میرا دل آباد کرنے کی کوشش کی تھی مگر تمہیں اپنے دل کی اُجڑی ہوئی بستی کی خبر نہ تھی۔ تمہاری زندگی کی شام نے میری زندگی کو بالکل [illegible] کر دیا ہے۔ میں چند ماہ کا مہمان ہوں یا شاید اس سے بھی کم۔ اس وقت رات کے بارہ بجے اسی کرسی پر بیٹھا ہوں۔ موہوم امیدیں، پیاسی آرزوئیں اور سسکتی اُمنگیں سینے میں دبائے موت کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں رات مجھ سے روٹھی روٹھی گزر رہی ہے۔ میرا حلق سوکھنے لگے۔ میں پانی مانگتا ہوں۔ آوازیں دیتا ہوں لیکن میری آواز کوئی نہیں سنتا مجھے کوئی پانی پلانے نہیں آئے گا۔ کمرے کی بتی ٹمٹما رہی ہے۔ میں اُٹھنے کی کوشش کرتا ہوں مگر نقاہت اتنی ہے کہ اُٹھ ہی نہیں سکتا۔

جب صبح کا اُجالا پھیلے گا۔ چڑیاں چہچہائیں گی۔ ان پر جو طاری ہوگا پرندے شور مچائیں گے۔ شبنم سے دھلی کلیاں مسکرائیں گی تو میری زندگی کا آخری تار ٹوٹ چکا ہوگا۔ زندگی پر موت کی تاریکی چھا چکی ہوگی۔

اندھیرا ہر سو اندھیرا...... میں نے تو تمام عمر جیسے اندھیرے میں گزار دی ہے۔ اور اندھیروں میں ہی ٹھوکریں [illegible] ہر قدم پر ٹھوکر کھاتا راہِ حیات پر بھٹکتا رہا ہوں۔ آہ میرے خدا! ـــــ تیرا ہزار ہزار شکر ہے کہ مجھے زندگی کے جہنم سے آزاد کر رہا ہے لیکن مجھے پیاسا نہ مار کہ موت پہلے ہی بہت تلخ ہے۔

بقیہ ص ۳ پر

کہتے ہیں شکیل امن کو

اصل نام [illegible] نام شکیل لیکن عادتاً [illegible] شاعری [illegible]
لیکن باشرع [illegible] ایم اے وغیرہ وغیرہ ۔ ۱۹۲۵ء [illegible]
وطن مالوف [illegible] تحصیل بسولی ضلع بدایوں ۔ آباء و اجداد زمیندار تھے لیکن
زمین اپنی کاشت کی پرواہ نہ کی ۔ لہٰذا زمینداری ختم ہوتے ہی غربت محسوس
کرنے لگے ۔ یہی وجہ ہے کہ خاکسار کو بمشکل انٹرنس ۔ ایم کالج چندوسی
ضلع مرادآباد سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۵ء میں [illegible] ملازمت
اختیار کرنی پڑی ۔ طالب علم تھا لہٰذا آگرہ یونیورسٹی سے پرائیویٹ طور پر
بی ۔ اے اور پھر ایم ۔ اے کیا ۔

نثر کے مقابلے میں نظم بچپن ہی سے پسند تھی ۔ شاعرانہ مزاج
شاعرانہ بنادیا اور چھوٹے چھوٹے اشعار جب کہ اسکول ہی میں کہنے لگا تھا ۔
مڈل اسکول میں آیا تو ذوق پیدا ہو چلا تھا [illegible] مضامین بھی لکھنے شروع
کر دیئے اور مباحثوں میں تقاریر بھی کرنے لگا ۔ کالج میں آیا تو ذوق اور
نکھرا ۔ اب باقاعدہ شاعری شروع کر دی اور حکیم فرید الدین سرور گنوری
سے [illegible] بعد میں [illegible] [illegible]
[illegible] نے مجھے سحاب سخن علامہ ابر احسنی گنوری سے رجوع کرنے کو کہا اور
میں نے مرحوم کو ایک غزل دکھلائی بھی تھی لیکن [illegible] سلسلۂ ملازمت
بمبئی چلا آیا ۔ یہاں آکر [illegible] الہ آبادی مرحوم اور بعد میں حضرت [illegible]
رامپوری سے استفادہ کیا نیز حضرت [illegible] اور حضرت [illegible] سے
بہت کچھ سیکھا ۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۹ء میں پہلا مجموعۂ کلام [illegible]
[illegible] اسی سال میری شادی [illegible] حکیم [illegible]
صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی اور [illegible] صاحب کا دامن باقاعدہ نصیب ہوا ۔
۱۹۶۲ء [illegible] غزل [illegible] نے
انعام اول کپ اور [illegible] دیا ۔ ۱۹۶۹ء میں میرا دوسرا مجموعۂ کلام
[illegible] شائع کیا اور
۱۹۷۲ء میں [illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

کلام حاضر خدمت ہے [illegible]

غزلیات

آپ پردہ کر سکیں تو کیجئے ❊ آنکھ اشتیاق کی تو ہیبت دیکھئے
مر نہ جاؤں عشق کے [illegible] ❊ کچھ دوائی کا بھی چرچا کیجئے
دل کی قیمت [illegible] ❊ آپ ہی [illegible]
زندگی [illegible] ❊ غم بھی [illegible] کیجئے
[illegible] ❊ پرسش احوال رہنے دیجئے
میرا [illegible] ❊ اپنا دامن آپ تو سی لیجئے
زندگی [illegible] ❊ آپ کو [illegible] پڑے گا پیجئے
[illegible] ❊ سامنے سایہ ہے [illegible]
[illegible] نہیں کچھ فائدہ ❊ اے شکیل اب غم کو اپنا لیجئے

۲

وہ دیوانے ہیں خود مجبور کو جو دیوانہ کہتے ہیں
حقیقت کی [illegible] ہے جسے افسانہ کہتے ہیں
نہ سنئے [illegible] بات ہم بیجا نہ کہتے ہیں
جسے دیوانہ کہنا چاہئے دیوانہ کہتے ہیں
کوئی سمجھا نہ اہل حسن کے [illegible] اب تک
انہیں اپنا سمجھتے ہیں جسے بیگانہ کہتے ہیں
کہا تم نے کبھی [illegible]
محبت کرنے والے کو [illegible] کہتے ہیں
نہیں قیمت کوئی [illegible]
گرے جو تیرے دامن پر اسے دُردانہ کہتے ہیں
[illegible] محفل
سے [illegible] کہتے ہیں
[illegible]
[illegible] کہتے ہیں
[illegible]
[illegible] کہتے ہیں

عادل رفیق فیض پوری

نام عادل رفیق ... ایک خوبصورت گاؤں ... کا ... [illegible]
علم صاحب کے ... اپنے بچپن ... بنا یا کہ ... [illegible]
کو میرے ذہن ... جیسے ... تاریخ وفات ... [illegible]
بھی درج کر دیتا۔

تعلیم ... ضلع ... کے ... سے وابستہ ہوں۔
جیسا کہ ... جناب ذاکر ... سے سیکھا ہوں۔
نظم و نثر ... جدید ... اسالیب ...
رنگی طرز نگارش ... کا ... سوار جعفری اور اختر ... کی
طرح حامی ہوں اور شمس الرحمٰن فاروقی الوار ... محمود ... کی
طرح مخالف۔

میری نظر میں شاعری وہ ہے جو زندگی کے
بکھرے ہوئے رنگوں کو نہایت سلیس مگر دلکش انداز میں تعبیر کرے۔
نمونۂ کلام حاضر ہے۔

غـــزلیات

۱

چوٹ پر چوٹ ہم نے کھائی ہے ❊ تب کہیں زیست راس آئی ہے
چاند تاروں سے آشنائی ہے ❊ آسماں تک مری رسائی ہے
غم زمانے نے ایسے بخشے مجھ کو ❊ دور رنگوں کی یاد آئی ہے
جس کے ہمراہ گردِ دوراں ہی ❊ ایسے [illegible] رہنمائی ہے
ہر نفس ان کی یاد ہے دل میں ❊ زندگی پر بہار پائی ہے
عین طوفان میں ساتھ چھوڑ دیا ❊ کیا یہی طرزِ رہنمائی ہے
مجھ سے برہم ہوئے ہیں وہ عادل ❊ جب بھی رودادِ غم سنائی ہے

۲

عشق جو دل کا ساز ہے بابا ❊ دل ہی اس کا مجاز ہے بابا
خلق پر آشکار ہے پھر بھی ❊ زیست کا راز راز ہے بابا
حسن محدود ہے زمانے میں ❊ عشق گویا ایاز ہے بابا
سن تو جب سے مری الفت کی ❊ داستاں دلگداز ہے بابا
میرے کعبے سے بغیرِ سنگِ در ❊ کیسا میری نماز ہے بابا
گھر میرا کیوں ... ❊ دل میں وہ دلنواز ہے بابا

کیسے ممکن فرار ہو اس سے ❊ زیست زنجیرِ للذا ہے
کیا ملے لطفِ زیست عادل کو ❊ غم سے جو بے نیاز ہے

۳

نہیں ساتھ میرے وہ ستارے کبھی
پھر کیوں نہ ہوں ... مری راہیں بھی نظر
شوقِ پا بوس نظر ... فردوسِ نظر ...
پھولوں کی تو کیا بات ہے شرمائے قمر
مانا کہ ہیں حیات میں دشواریاں بہت
گذرو مگر اس راہ سے بے خوف و خطر
کس چیز سے تشبیہ بھلا دیجئے اس کو
گل ... ہے وہ چندر کا نور نظر
اے ذوقِ تصور میں وہ آنے کو ہیں لیکن
فریاد ... تو دل ... ہے نظر
جب تو ہے تو پھر آتشِ دوزخ کی غرض کیا
کافی ہے جلانے کو تری ایک نظر
کیوں آج کے ماحول سے گھبراتے ہو عادل
تاریکیوں میں اس کی ہے پوشیدہ سحر

اپنی تلاش میں

جناب کلیم الدین احمد کی خود نوشت سوانح حیات جو بہترین انداز میں شائع ہوئی ہے۔

اس وقت تک اردو زبان میں جس قدر ... ہیں ان سب میں یہ اپنی تلاش میں ایک ... کا حامل ہے
طرزِ تحریر میں وہ شگفتگی ہے کہ حضرت جوش ملیح آبادی ... دیوان سنگھ مفتون ایسے حضرات ... لکھتے وقت یہ
بالکل ... [illegible]
تک شائع ہوئی ہے۔ قیمت مجلد ... روپیہ۔ ملنے کا پتہ
دفتر ... شانِ ہند ... دہلی

۱۔ ڈاکٹر [illegible] پھلواری (مدیر)

شانتی سروپ شرما

نام شانتی سروپ ہے اور ناز تخلص۔ وطن مالوف سپاٹو یہیں تعلیم حاصل کی۔ ماں باپ کا سایہ بچپن سے اُٹھ گیا تھا۔ جدوجہد میں زندگی بسر کی۔ شملہ میں ایک دوست کشوری لال نے مشورہ دیا کہ ادیب فاضل کا امتحان پاس کر لو تو فائدہ ہوگا۔ یہ ۱۹۴۲ء کی بات ہے۔ مشورہ پسند آیا اور ادیب فاضل کے امتحان میں سنہ ۱۹۴۳ء میں بیٹھ گیا صرف ایک مضمون میں پاس ہوا۔ دوسرے سال پھر امتحان دیا اب صرف دو مضمونوں میں کامیابی ملی۔ تیسری بار تین میں اور چوتھی بار چار میں اور پانچویں دفعہ پانچ میں پاس ہوا۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں شعر و شاعری کے تیسرے پرچہ میں کمپارٹمنٹ آئی۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں پوری کیں۔ لاہور یونیورسٹی میں داخل کی مگر بوجہ فسادات امتحان نہ ہوا۔ سنہ ۱۹۴۸ء میں سولن یونیورسٹی سے امتحان دیا اب میں پاس تھا۔ دوست طعنہ دیتے تھے [illegible] گیا جب ملنے والا پھر سلام آیا تو کہا [illegible] مسکرا کر جواب دیتا تھا۔ میں خوش ہوں میں نے اردو کی آنرز کی ڈگری حاصل کی ہے۔ مرحوم سردار دیوان سنگھ ایڈیٹر ریاست سے میں نے پوچھا تھا میں نے بڑی [illegible] کے بعد آنرز اردو کا امتحان پاس کیا ہے۔ اب میں اس ڈگری کو کیا کروں۔ انھوں نے "ریاست" میں ایک سوال کا جواب دیا جب کبھی خیرسگالی کا مشن پاکستان جائے تو اپنی سند کو بطور تحفہ بھیج دیجئے۔ مگر میں ہمیشہ خوش رہتا کہ میں اردو کا اعلیٰ امتحان پاس ہوں۔ سنہ ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی مرے مضامین کبھی کبھی اردو اخبارات میں نکلتے رہے۔ ایک گیت پیارا کریالہ، پہاڑوں کی حسین رانی کھمبر بندی۔ ہماچل پردیش اور برسات۔ اور کبھی کبھی غزلیں بھی ملاپ اور پرتاپ میں چھپتی رہتی ہیں۔ میں نے تیس سال بطور ٹیچر ہماچل پردیش کے مدرسوں میں کام کیا۔ مگر کبھی لیٹ اسکول نہ پہنچا۔ اور نہ کبھی اپنا پڑھانا خالی چھوڑا۔ اور نہ کبھی میڈیکل چھٹی لی۔ اس وقت میرے بہت سے شاگرد پنجاب، ہریانہ اور ہماچل پردیش میں ہیں اور کئی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ سنہ ۱۹۷۲ء میں گورنمنٹ جی بی سی گورنمنٹ [illegible] کے کرنل [illegible] نے میری ادبی کارگزاری کو دیکھ کر [illegible] دلائی۔ اس پر بار جون منسٹر ہماچل پردیش سے ایک سال کی ایکسٹنشن دلائی۔ اب میں ریٹائر ہوں۔ سپاٹو میں ایک ادبی انجمن قائم کی ہے۔ اب اس میں کام کر رہا ہوں۔ چاہتا ہوں ہماچل پردیش میں اردو زبان ترقی کرے۔ نمونہ کلام کے طور پر ایک غزل ملاحظہ فرمائیں۔

غزل

یوں وہ ملتا ہے خفا ہو جیسے ✤ پاس ہو کر بھی جدا ہو جیسے

چرخ پر یوں نظر آتے ہیں نجوم ✤ تھال ہیروں کا سجا ہو جیسے

اب یہ عالم دلِ مغموم کا ہے ✤ آخرِ شب کا دیا ہو جیسے

اُف یہ پُر سحر نگاہیں تیری ✤ اندر کا جال بچھا ہو جیسے

اس طرح نیند سے جاگا ہے کوئی ✤ بخت سویا اُٹھا ہو جیسے

اس طرح ناز وہ یاد آتے ہیں ✤ اُن کا دیدار ہوا ہو جیسے

اشفاق حسین اشفاق مُحمّدوی

میرا خیال ہے کہ اپنا تعارف لکھنے کے لئے نا بھی ایک شعر اگر قطعہ [illegible]

[illegible]

مجھے کیا سمجھے غالب کو لیے ... کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

مگر مجھ جیسے کم مایہ کے لئے کون بتائے۔ احباب کا تقاضہ شدید

یا تو اپنے عیبوں اور خامیوں سے قطع نظر کر کے اپنی تعریف میں

عرض پرداشت ہوں کہ منکر قصبہ مجھری ضلع کھیری کے ایک اوسط

رانے کا فرد ہے چونکہ اس کنبہ میں زیادہ ہستیاں تجارت پیشہ ہیں

یہ میرے لئے بھی سرپرستوں نے یہی پیشہ منتخب کیا اس طرح

میوہ فروشی کا کاروبار ذریعہ معاش ہے۔ تعلیم کوئی اعلیٰ سند نہیں رکھتا۔

لیکن دولت البتہ قدرت نے عطا فرمائی ہے۔ اہل علم کی صحبتوں میں

کر استفادہ کرتا ہوں۔

جہاں تک شعر و شاعری کا تعلق ہے مجھے فنونِ لطیفہ سے بچپن سے

دلچسپی ہے۔ چونکہ اس قصبے میں ایک ادبی انجمن "بزمِ عروجِ ادب" کے

نام سے ایک عرصہ سے ادبی سرگرمیاں انجام دے رہی ہے۔ جذبۂ شوق

نے کام کر کے دکھایا نتیجہ یہ ہوا کہ اس انجمن سے میں بھی وابستہ ہو گیا۔

میرے محترم دوست جناب مظفر صاحب [illegible] صاحب از جو اس

بزم کے نمایاں ممبر ہیں نے مجھے اس بزم تک پہونچایا اور یہاں بزم کے

بزرگ و استاد شاعر جناب [illegible] صاحب کے خلوص و اخلاق اور

شاعرانہ قابلیت نے گرویدہ بنایا کہ میں اس بزم کا دائرے در معتقدے

[illegible] ہو گیا بزم کے لوگوں کی محبت نے اس بزم کے نائب سکریٹری

کے عہدے سے سرفراز فرمایا۔ رہ گیا میں شاعر کیسا ہوں اور میری شاعری

معیار کیا ہے۔ [illegible] نہیں نکل سکتا بجز اس کے

[illegible] کلام پیشِ نظر ہے اچھا یا برا کا فیصلہ قارئین پر ہے۔ اسکے منتظر

رہتا ہوں۔

شاعر کے ساتھ ایک یہ مسئلہ وابستہ ہوتا ہے کہ وہ شاگرد کس

کا ہے اس مقام پر مجھے نہایت فخر و مسرت کے ساتھ عرض کر دینا ہے

کہ [illegible] صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل ہے جن کی شاعرانہ شخصیت

[illegible]

اشفاق محمدوی

غزلیات

تم سے قدموں میں پہونچا اگر روح روانی میرا

حیات کو [illegible] جاودانی میری

پھر [illegible] ہے داستاں ہے لیے چمن والو

گل و بلبل کا افسانہ نہیں ہے داستاں میری

گری ہے برق گلشن پر نشیمن بچ گیا میرا

نہ ہے قسمت کہ تو نے لاج رکھ لی آسماں میری

تو بحرِ بیکراں ہے اور میں اشفاق اک قطرہ

غرورِ شانِ استغنا کہاں تیری کہاں میری

(۲)

اگر ساقی تری نظرِ عنایت عام ہو جائے

تو ہم تشنہ لبانِ شوق کا بھی کام ہو جائے

ہمیں منظور ہے دل مورد الزام ہو جائے

اگر دیوانوں میں تیرے ہمارا نام ہو جائے

اسی کا نام قسمت ہے اسی کا نام ہے تقدیر

کہ میں کچھ اور سوچوں اور کچھ انجام ہو جائے

سرِ میخانہ اس کے عالمِ مستی کا کیا کہنا

کہ جس کی سمت نظرِ ساقی گلفام ہو جائے

(۳)

یوں ہم نے ہر اک بندِ الم توڑ دیا ہے

ہر [illegible] زنجیر کو ہم توڑ دیا ہے

کیوں سلسلۂ لطف و کرم توڑ دیا ہے

[illegible] مجرم ہیں کہ جو ستم توڑ دیا ہے

کیا لذت [illegible] نوازے کسی نے

دنیا یہ سمجھتی ہے ستم توڑ دیا ہے

آنکھوں نے تری ایسی پلائی مجھے ساقی

[illegible] توڑ دیا ہے

سو روپے نقد انعام

ایسے شخص کو پیش کیا جائے گا جو ۱۹۷۴ عیسوی کے پہلے کی مطبوعہ تاریخ وفات کسی نوجوان لڑکی کی حضرت علامہ عشق آبادی کی تاریخوں سے بہتر پیش کرے گا۔

سامنے نمونہ دیکھ کر یہ ممکن ہے کہ کوئی من چلا کوشش کر کے ایسی تاریخیں کہہ سکے لیکن ہمیں تو فن تاریخ گوئی کے ماضی شاعر کی تاریخ درکار ہے نہ کہ تازہ۔

(ادارہ)

تاریخ وفات

مس اختر آرا بنت جناب کرنل ذوالنور احمد صاحب مغفور

دیکھا جب بالائے گردوں اختر آرا کا مقام ۱۹۷۴ء
پاس مریم کے ہوا آج اختر آرا کا قیام ۱۹۷۴ء
اختر آرا میں جو جھلکی جزدِ مریم کی جھلک ۱۹۷۴ء
زیرِ پا کیوں اختر آرا کے نہ ہو لوحِ فلک ۱۹۷۴ء
نزدِ مریم نفسِ اختر آرا آیا آپ ہی ۱۹۷۴ء
اختر آرا کا بدن ہے قبر میں موجود ابھی ۱۹۷۴ء
روحِ اختر آرا اب قیدِ مکانی میں کہاں ۲۰۳۱ بکرمی
صاف روحِ اختر آرا لامکاں پہ جا چکی ۱۹۷۴ء

برائے لوحِ مزار

عیسوی مصرع سے ہجری سال ہے روشن فزا
اب سرِ طوبیٰ دل افزا اختر آرا اڑ گیا

۱۴۰۳ – ۹ = ۱۳۹۴ھ [illegible]

۱۴ اکتوبر ۱۹۷۴ء عیسوی

مقرب حسین تقیب

مرحوم کاشف ادیبی کے نام

کاشف کو رونے والو اتنا مجھے بتا دو
غزل رقم کیا ہے کیا دیتے ہیں تمہاری
جب تک رہا وہ زندہ اس کا نہ مول سمجھا
جیسے کچھ نہ پوچھا مرنے پہ آہ وزاری
کاشف کو رونے والو اتنا مجھے بتا دو

سڑکوں پہ [illegible]
شعر و سخن سے اپنا کرتا تھا وہ گزارا
مرنے پہ قدر کی ہے یہ بھی ہے قدر دانی
بخشا نہ زندگی میں جینے کا کچھ سہارا
کاشف کو رونے والو اتنا مجھے بتا دو

کہدوں اگر زباں سے مجھ پر برس پڑوگے
پھر یہ کہوگے مجھ سے کہتا ہے بات کیسی
تم کان بند کر لو لیکن یہ ہے حقیقت
وہ دن سکوں سے کبھی اس کو ملی نہ روٹی
کاشف کو رونے والو اتنا مجھے بتا دو

جلسے جلوس کے خوب ڈالو فوٹو پہ پھول مالا
اب جب اس کو رونا ہے تو وہ قبر پکی
چھپواؤ اس کی غزلیں ہوتا وہ [illegible]
سمجھو اگر بھلا سب نے ڈالو کوئی بے روی
کاشف کو رونے والو اتنا مجھے بتا دو

منی کہانی

چھ سو روپے =/600

محترم چچاجان! آداب و نیاز
لیجئے =/600 پیشِ خدمت ہے
مختصر ضرور ہے۔
پھر بھی اسے قبول فرما کر شکریہ
کا موقع دیں ۔!
ماہ جون میں میری کہانی "آدھی عورت"
شائع ہوئی تھی اور اب تک قارئین کے
جلد یک بادی کے خطوط موصول ہو رہے
ہیں ۔
"شانِ ہند" کا حلقہ اتنا وسیع ہے یہ مجھے
آج معلوم ہوا ۔!
اوسلو (ناروے) سے ایک صاحب نے میری
کہانی "فرض" کو بے حد سراہا ہے اور مجھے
برابر لکھتے رہنے کی تلقین کی ہے ۔!
مجھے امید ہے میری یہ کہانی بھی قارئین شانِ ہند
کو پسند آئے گی ۔!!

دعاؤں کی طالب
سروری ریاض
علیگو "مظہر تانچہ مکین - یو - پی -

شرابی باپ کے ذہن میں ابھر گئے تھے وہ سارے
سوالات جو پہلی تاریخ کو چھ سو روپے کے نوٹوں میں
الجھ کر رہ جاتے ہیں ۔ اس نے کئی بار سوچا اپنی بیٹی
سے پوچھے ۔ وہ کون سا آفس ہے ۔ جہاں اُسے
ساری ساری رات کام کرنا پڑتا ہے ۔؟
۔ لیکن چھ سو روپوں کی گرمی سے اس کا
وجود پگھل جاتا ہے اور وہ سب کچھ بھول جاتا
ہے !!۔
روپے کی گرمی اور شراب کے نشے نے
ایک دن اُس کے دل میں ایک اور خواہش
کو جنم دیا ـــــــــــ

جب وہ شہر کی مشہور طوائف چینا بائی
کے کوٹھے پہ پہنچا تو یکایک اُس کے قدم
ڈگمگانے لگے اور اس کا سر چکرانے لگا ۔ اس کے
ذہن میں ایک زور کا جھٹکا سا لگا اور اس
کا سارا نشہ جیسے ختم ہو کر رہ گیا ـــ
وہ تیزی سے پلٹا اور تھکے تھکے قدموں سے
گھر کی طرف چل دیا جیسے لمبی بیماری کے بعد مریض
کو اسپتال سے چھٹی مل گئی ہو ــــ!!

آپ اپنی ملکیت کسی چور یا نقب زن کو چرانے کی اجازت دیں گے؟

ہندوستانی ریلیں آپ کی اپنی ملکیت ہیں۔
ریلوے سازوسامان کو چرا کر بیچنے سے ملنے والی رقم۔ کے مقابلے میں دس گنی رقم اس سازوسامان کو دوبارہ فراہمی میں صرف کرنی پڑتی ہے۔ ناردرن ریلوے سے چوری جانے والے سازوسامان کی قیمت لاکھوں روپے بنتی ہے۔ یہ لاکھوں روپیے آپ کی جیب سے ہی ادا ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ریلوں کو چلانے کے لئے اس رقم میں اضافہ کیا جاتا ہے۔
صرف مسافر ہی سازوسامان کی چوری اور قومی نقصان کو روک سکتے ہیں

ناردرن ریلوے

دماغی ورزش کا جواب

مدیر

"شانِ ہند" شمارہ ماہ مارچ ۱۹۷۷ء میں "دماغی ورزش" کے عنوان سے آٹھ اشعار شائع کئے گئے تھے جن کی نسبت آٹھ سوالات کے جوابات مانگے گئے تھے اور اعلان کیا گیا تھا کہ جو صاحب ان حسینے علی آٹھ سوالات کا صحیح جواب دیں گے انھیں پچاس روپے کا انعام دیا جائے گا۔ یاد دہانی کے طور پر یہ آٹھوں اشعار بھی درج ذیل ہیں۔

۱- یہ مختلف ۸ مطلع ہیں یا مسلسل نظم ہے؟
۲- اگر مسلسل نظم ہے تو قافیہ کیا ہے۔ اور حرفِ روی کون سا ہے؟
۳- اگر متفرق مطلع ہیں تو ہر مطلع کا قافیہ مع حرفِ روی بتائیے۔
۴- اگر کسی مطلع میں ایطائے جلی یا خفی ہو تو وضاحت کیجئے۔
۵- اگر قافیے میں سہو کہیں آیا ہو تو وہ بھی بتائیے۔
۶- اگر قافیے کا کوئی اور عیب سرزد ہو گیا ہو تو وہ بھی ظاہر کیجئے۔
۷- حرفِ متحرک اہلِ فارس نے حروفِ قافیہ سے خارج کر دیا ہے۔ لہٰذا اب حرفِ قافیہ نہیں۔
۸- جتنا سوال ہو اتنا ہی جواب دیجئے ( )

۱- اندر اگا دھی ہیں ایک اک سہارنی کی دلستاں
یا با لفاظِ دگر بے تاج کی کشور ستاں
۲- ہم سے اُن کی وطن جبکا ہے مثلِ بوستاں
وجد کرتا ہے اُنھیں کے ساز پر ہندوستاں
۳- نزہتِ اشجارِ جوان و جوہرِ سنبل ستاں
نکہت افشاں ہے نفسِ سلمیٰ کا مثلِ گل ستاں
۴- ہم رکاب ایسے ہیں بر انجم ستاں
علم گر علام ہیں یوں در ہجوم دوستاں
۵- ہیں ہزارے پر ہزاریں نغمہ زن در بوستاں
آتشِ گل کب ہے محتاجِ ہوائے دوستاں
۶- طفل جو جس میں پیالہ زرد ہوتی ہے درخواست آں
یا بانداز تکبر جو طلسمی داستاں!
۷- داد کا سہو کا ہے ہر شاعر فدائے دل ستاں
سجدہ گاہ و اہلِ فن علام کا ہے آستاں
۸- مہر جبیں آئے محل میں لکھو نقش بیت آں
رفعت تا تیر دیکھو تم نہ سمجھو چیستاں

"شانِ ہند" کا یہ شمارہ اُن تمام حضرات کی خدمت میں بھجوایا گیا جو اپنے آپ کو "عروض داں" سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ انھیں "عروض داں" سمجھا جائے حالانکہ حقیقت میں وہ عروض کے ابتدائی مراحل سے بھی نہیں گذرے۔ اس ضمن میں کئی حضرات کے جوابات آئے مگر سب کے سب غلط تھے۔ ایک حضرات نے تو اپنے مختلف شاگردوں کے نام پر مختلف جوابات بھجوائے مگر ان کی ہر کوشش پہلے جواب سے زیادہ ناکام تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ درجنوں شاگرد رکھنے والے یہ حضرات ابھی دس سال بھی عروض پڑھیں تو شاید پھر بھی ان آٹھ سوالات کا صحیح جواب دے پائیں۔

لیجئے دماغی ورزش کا صحیح جواب ملاحظہ فرمائیے اور یاد رکھئے کہ ہند و پاک کا کوئی بھی اخبار یا رسالہ عروضی رہنمائی میں "شانِ ہند" کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

۱- یہ مختلف ۸ مطلع ہیں۔
۲- یہ مسلسل نظم نہیں۔
۳- ذیل میں درج ہیں۔
۴- کسی مطلع میں ایطائے جلی ہے نہ خفی (چوتھے شعر میں شائگاں ہے جو عیب نہیں)
۵- پانچویں مطلع میں قافیہ معمول ہے۔
۶- قافیے کا کوئی عیب نہیں برعکس قافیہ شائگاں موجود ہے۔
۷- کوئی حرفِ متحرک حرفِ قافیہ نہیں۔
۸- ذیل میں مختصر جواب ہے (آگے تفصیل ہے)

مطلع (۱) دل ستاں - کشور ستاں (ن) روی
(۲) بوستاں - ہندوستاں

مطلع (۳) سنبل ستاں - گل ستاں	ں	روی
" (۴) انجم ستاں - دوستاں	ں	"
" (۵) بوستاں - دوستاں	و	"
" (۶) آں - داستاں	ں	"
" (۷) دلستاں - آستاں،	ںؐ	"
" (۸) بیست آں - چلیست آں	ت	"

تفصیل

(۱) دل ستاں - مرکب ہوکر بمعنی محبوب و محبوبہ اسم مفعول کے طور پر مستعمل ہے - اور کشورستاں بمعنی صاحبِ ملک یا صاحبِ ملک بالفاظ دیگر شاہ اسم فاعل کے طور پر مستعمل ہے - دونوں ستاں مختلف المعنی ہیں -

(۲) بوستاں، ہندوستاں، دوستاں - تمام اہلِ زبان واوِ مجہول بولتے اور نظم کرتے ہیں حال آں کہ دیگر صورتوں میں بوٗ اور ہندوٗ میں واو معروف ہے - اتباعِ اہلِ زبان ہی فصیح ہے -

(۳) ستاں ردیف ہے -

(۴) انجم ستاں میں الف ردف اور ں روی ہے اور اصلی ہے دوستاں میں الف و نون غنہ جمع کا وصلی ہے یہ شائگاں ہے لیکن تمام سخنورانِ ماضی و حال کے کلام میں ایسے قافیہ بکثرت دکھائی دیتے ہیں - اس پر طرہ یہ کہ لفظ شاہ گاں (جسے شائگاں بنا لیا ہے) کے معنی تحفہ قابلِ شاہ خود غماز ہے کہ یہ اچھی چیز ہے - چند سرپھرے اسے ایطا سمجھتے ہیں اور ایطا کے معنی ہیں پامال کرنا شائگاں سے ایطا کو کیا نسبت -

(۵) بوستاں اور دوستاں میں ستاں ردیف ہے - یہ قافیہ معمولہ ہے

(۶) آں اور داستاں میں الف ردف نون غنہ روی اصلی ہیں -

(۷) دلستاں بمعنی محبوب اور آستاں بمعنی چوکھٹ یا گھر - پچھلے شعر کی طرح یہاں بھی الف ردف نون غنہ روی ہیں -

(۸) بیست آں اور چلیست آں - آں ردیف ہے - چلیستاں ہلا کر کیوں لکھا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ فارسی والوں کا رسم الخط اسی طرح بیست اور چلیست میں ی زرف - سین ردف زائد اور ت روی ہے وزن عروضی میں تیسرا ساکن ہمیشہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ عروض عرب کی پیداوار ہے اور زبانِ عربی میں تین ساکن جمع نہیں اس لئے عروض میں بھی کوئی رکن تین ساکن والا نہیں۔

تام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوے دوست
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

یہاں دوس تک عروضی وزن نے ساتھ دیا - ت خارج از وزن رہی اسی طرح یہ شعر دیکھیے

کفو ے نداشت حضرت صدیقہ گر نبود حیدر کرار
مفعول فاع لات مفاعیلن

اس شعر میں داشت کا شین وزن میں ہے ت نہیں - اسی طرح مطلع نمبر ۸ میں بیس اور چلیس میں - صرف آں کے الف ممدودہ کی وجہ سے ت متحرک معلوم ہوتی ہے حال آں کہ ساقط ہے - جیسے

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

دونوں دوست کی ت ساقط ہے (آپ دوست کی جگہ یار پڑھ کر دیکھ لیں)

مَن کہ مکتوب الیہ

ڈریکٹر یو اصلاحات حکومتِ ہند۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
۱۷ ستمبر ۷۶ء

جناب سرور صاحب
آپ کا خط ادارتی نوٹ موصول ہوا۔ خط میں آپ نے جن
کا اظہار کیا ہے اس کے لئے شکریہ۔
شانِ ہند ایک مقبول ماہنامہ ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کے
آپ ملک کی برابر خدمت کرتے رہیں گے۔
نیک خواہشات کے ساتھ
آپ کا خیر اندیش　شنکر دیال شرما

۲؍۲۔ الف مانک جی اسٹریٹ گارڈن ایسٹ۔ کراچی ۳
۱۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء
برادر عزیزم سرور تونسوی۔ بے شمار دعائیں اور ان گنت
تم لوگوں کو دیکھنے۔ تمہیں گلے سے لگانے اور تمہارے محبت
ناک پیشانیوں کو چومنے کے لئے بے چین ہوں۔ دیکھیں کب
آنا ہوتا ہے۔
میں نے اپنے تینوں مجموعہ ہائے نظم۔ الف (۲) پس غبار
(۱) حکایت نے۔ بذریعہ ڈاک ارسال کی ہیں۔ خدا کرے بخیریت
پہنچ گئی ہوں۔ بھائی انجمن ایشیائی زبانیں آپ کے خلوص بے پایاں کی
ت کر قلب پر جو کیفیت گزری۔ لفظ کے ذریعے اس کا اظہار
ہاں۔ ولاور فگار نے اپنے آبائی وطن کے باسیوں کے ساتھ
کیا۔ وہ بے حد تکلیف دہ ہے۔ خیریتِ مزاج سے مطلع
اور تمام احباب کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیں۔
یا آداب عرض کرتے ہیں۔　　رئیس امروہوی

ماہنامہ گلشن۔ دکرولی ایسٹ۔ بمبئی ۴۰۰۰۸۳
۱۶-۱۰-۷۶

محترم سرور بھائی۔ شانِ ہند کے تازہ چھپنے والے میں ان عنوانوں
میں آپ کے مرکزی شذرات قابلِ تعریف ہیں۔ آپ کا شذرہ پی
ایچ ڈی بدستِ طفلاں "زیرِ کتابت گلشن میرا کتب خانے" کے
عنوان کے تحت شامل کیا ہے۔ آئندہ گلشن میں موجودہ دور کے
مشاعرے" شامل کروں گا۔ "مشہور شعراء کے ناخلف بیٹے" نے
میری معلومات میں اضافہ کیا ہے۔　آپ کا اپنا نیاز گار شمس

پرنسپل پبلیکیشن آفیسر بیورو فار پرموشن آف اُردو وزارتِ تعلیم اور
سماجی بہبود ویسٹ بلاک ۸۔ آر۔ کے پورم نئی دہلی ۲۲

۱۶-۱۰-۷۶

مکرمی سرور تونسوی صاحب۔ تسلیم و نیاز۔
شانِ ہند کا اگست ۷۶ء کا شمارہ نظر سے گذرا۔ فرہنگ آصفیہ
کی فروختگی پر پھر پابندی" کے عنوان سے آپ کا نوٹ پڑھ کر تعجب ہوا۔
ناظرینِ شانِ ہند کو یہ اطلاع دینا میرا فرض ہے کہ فرہنگ کی فروخت پر
اس طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے وہ مختلف کتب فروشوں کے یہاں
موجود ہے اور ترقی اُردو بورڈ کے دفتر سے براہِ راست بھی حاصل کی جا
سکتی ہے۔ آپ کو جن لوگوں نے یہ اطلاع دی وہ غلط ہے۔ آپ کو یہ
جان کر بھی خوشی ہوگی کہ ترقی اُردو بورڈ نے گذشتہ تین ماہ میں مختلف علمی
و ادبی موضوعات پر دس کتابیں شائع کی ہیں ان میں سے بعض کتابیں اپنے
موضوع کے اعتبار سے اُردو میں پہلی بار شائع ہوئی ہیں مثلاً ارضیات
کے بنیادی تصورات، پوشکن، اچے خف وغیرہ۔ ترقی اُردو بورڈ
نے بین الاقوامی شہرت کے مالک ادیبوں اور شاعروں کی زندگی اور فن
سے متعلق کتابیں شائع کرنے کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ پوشکن،
ٹالسٹائی اور چے خف اسی سلسلے سے متعلق کتابیں ہیں۔ ان موضوعات پر
اس سے قبل اُردو میں کبھی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اسی سلسلے میں بورڈ بہت
جلد ہی ٹیگور، شاہ، ایلیٹ، سارتر، البانیا، پادنڈ اور معتبرے اہم اصحاب کی
کتابیں شائع کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اُمید ہے کہ ٹریننگ کے سلسلے میں غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے آپ شانِ ہند کے زیرِ ترتیب شمارے میں یہ چند سطریں شائع کر کے ممنون فرمائیں گے۔

نیازمند ایس۔ ایم۔ عباس شاداب۔

حضرت سرور تونسوی۔ تسلیم نیاز

ماہ جولائی ۷۷ء کے شانِ ہند میں صفحہ نمبر تین پر آپ نے "مشہور شعراء کے ناخلف بیٹے" عنوان سے ایک مضمون شائع فرما کر محترم جہاں نثار اختر مرحوم کی نرینہ اولاد پر جو دونوں ہی برسرِ روزگار ہیں اعتراض فرماتے ہوئے یہ رائے ظاہر فرمائی ہے کہ جو عطیہ سرکار نے ان کے بیوی بچوں کو عطا فرمایا ہے اسے بالخصوص بیٹوں نے لوگوں کی امداد میں واپس کر دینا تھا۔ چونکہ محترم اختر صاحب مرحوم میرے چچا تھے اس لئے میں یہ عرض کروں گا کہ اوّل تو سرکار کی عنایت کو ٹھکرانا میرے خیالِ ناقص میں سرکار کی وقار کی توہین ہے۔ کوئی کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو حکومت کے مقابلہ میں غریب ہے دوسرے آپ کو غالباً یہ علم نہیں کہ مرحوم کے بیوی بچوں کو اس پیسے کی ضرورت تھی وہ اس لئے کہ پہلی بیوی کے مذکورہ دونوں لڑکوں کو موجودہ اہلیہ محترمہ نے شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی خانہ بدر کرا دیا تھا۔ بس جنابِ اختر مرحوم کا خاندان صرف موجودہ بیوہ اور ان کے بچے ہی رہے۔ ان حالات میں کیا یہ کہنا اچھا ہے کہ سوتیلی اولاد حضرت مرحوم کی بیوہ محترمہ کا ساتھ دے گی یہ کوئی زمانہ ہے کہ سگی اولادیں ساتھ نہیں دے رہی ہیں اس لئے مذکورہ حالات یا حضرت مرحوم کی اولاد کے ناخلف ہونے کے لئے مناسب دلیل نہیں ہو سکتی اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ جو کچھ ہوا ہے وہ کہاں تک بجا اور بیجا ہے۔ فقط۔

خنجر خیرآبادی

برادرم سرور صاحب۔ آداب

موقر شانِ ہند کے اگست ۱۹۷۷ء کے شمارے میں "افکار و نکات کے تحت" "ادبی چوری" کے بارے میں پڑھ کر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ یہ صاحب عادی چور ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں ثبوت پیش کروں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ موزوں مصرعوں کو ناموزوں بنانے میں بھی انہیں مہارت حاصل ہے۔ میرے ایک شعر ہے جس کا پہلا مصرعہ یوں ہے۔ "شور ہے ہر طرف سحاب سحاب" کے ہی گزل جس غزل کو اپنے نام سے منسوب کر کے پریم صاحب نے شائع کرایا ہے اس کا پہلا مصرعہ یوں ہے۔ شور ہے ہر طرف سحاب سحاب۔ جبکہ پریم صاحب نے دو "شور عالم میں ہے سحاب سحاب" کہا ہے۔ اس فرق کو اہلِ ذوق ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اس غزل کے چھٹے مصرعہ میں "آبِ زمزم" کی جگہ "آبِ حیواں" ہونا چاہئے تھا۔

کئی سال ہوئے ان پریم ملتانی نے قبلہ کشفی ملتانی صاحب ہی کی ایک اور غزل اپنے نام سے اشاعت کے لئے بھیجی تھی۔ کانپور سے آیا ہوا ان کا خط پڑھ کر میں ششدر رہ گیا تھا۔ ان حضرت نے وہ غزل خاص پرتاپ کے لئے "بھیجی تھی اور اپنے مزاحیہ غزل ظاہر کیا تھا آپ کے قارئین کی خدمت میں وہ غزل پیش ہے۔

صاحبِ عزّ و ناز پیتے ہیں	غزنوی اور ایاز پیتے ہیں
پہلے پیتے تھے لوگ سولن کی	اب مگر خانہ ساز پیتے ہیں
شیخ جی! آپ بھی پیا کیجئے	خلد میں پاکباز پیتے ہیں
ہو مئے خام یا مئے پختہ	رند بے امتیاز پیتے ہیں
شیخ صاحب چھپ کے در پردہ	محرمِ دانائے راز پیتے ہیں
محتسب را درونِ خانہ چہ کار	گھر میں بے احتراز پیتے ہیں
شکرِ اللہ کہ قیدِ موسم سے	ہو کے ہم بے نیاز پیتے ہیں
شہر کے محتسب سے اے کشفی	کر کے ہم ساز باز پیتے ہیں

ان حضرت پریم ملتانی نے اس غزل کے موزوں مصارع کو بھی ناموزوں لکھا مثلاً پہلے شعر کے مصرعہ ثانی میں "غزنوی و ایاز" لکھا تیسرے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "شیخ صاحب" لکھا۔ چوتھے شعر کا مصرعہ اولیٰ یوں لکھا۔ ہوئے خام یا پختہ۔ چھٹے شعر کا پہلا مصرعہ صریحاً غلط یعنی اس طرح لکھا۔ وہ محتسب را درونِ خانہ رچا کارہ اور آٹھویں یعنی آخری شعر میں تخلص کشفی کی جگہ پریمی لکھ دیا۔

حیرت ہے کہ ایسے سینہ زور چوروں کے لئے کوئی سزا نہیں۔

نقش صحرائی۔ نیوز ایڈیٹر روزنامہ پرتاپ نئی دہلی۔

پیارے سرور تونسوی

خوش رہو۔ ماہ جولائی کے شانِ ہند میں صفحہ ۳ پر "مشہور شعراء کے ناخلف بیٹے" کے عنوان سے جو نوٹ آپ نے لکھا ہے اس کے لئے داد دیتا ہوں۔

نیازمند جگت خوشدل

ایڈیٹر ویشنو سیوک۔ دہرہ دون

فیملی پلاننگ

حکیم رئیس سنبھلی

۲۴ نکاتی پروگرام اور ہمارے احساسات کے بارے میں طبّی لمحۂ فکریہ

ہر کسی مہذب فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مذہبی امور میں اپنے ہر ہر قدم کے لئے کسی بھی عالم باعمل و دوران پنڈت اور گیانی پادری کے احکامات پر عمل پیرا رہنے کے لئے اپنے پورے شعور و احساسات کو بھی بیدار کرکے عمل کرے۔

دنیا میں بہت سارے سائنسی و تحقیقی علوم کی روشنی میں حفاظت صحت و ترقی زراعت پر ساری دنیا کی مہذب و مذہبی حکومتیں خوشحالی فرد اور وطن کی سالمیت و بقاء قوم کے لئے پیدائش آدم سے لیکر آدم تک جو ضروری تحفظاتی قوانین بناتی جائیں گی۔ ان پر بھی قوموں کو اپنے پورے شعور کے ساتھ عمل کرنا ہوگا۔ یہی اقوام و ملل کی تاریخ جبر و قدر ہے۔ اور اسی کا ایک نکتہ پر اقوام و ملل کی پائیداری و استواری ہے۔

غدار سیدہ سین دراز بنگوں اور کم علم و بے توفیق اصحاب سے قطع نظر جو آج تک اپنا ہر فعل ہر قدم عقل و تمیز سے بے نیاز لاشعوری طور پر بُرائی کی طرف اٹھاتے رہتے چلے آئے ہیں۔ اور جو ۹۹ فیصدی سماجی و روایتی قدروں میں پھنسے بھیڑ چال کے معصوم عادی ہیں۔ ان کو یہ سمجھنا ہوگا کہ جب ہزاروں ہاتھوں میں بنا ملّا و پنڈت اور گیانی و پادری منصف و کیل، حکیم اور وید، ڈاکٹر، بیرسٹر و مجسٹریٹ اور ججوں سے مشورہ لئے بغیر تو لاکھوں قدم روزانہ نت نئی بُرائی، دنگا و فساد مار دھاڑ قتل و خون ریزی و دہشت بربادی، مذہب تباہی کے لئے اٹھائے جاتے ہیں۔ تو خدا کے لئے اپنے شعور و احساسات کو بھی کام فرما کرنا ہوگا اور یہ سوچنا سمجھنا ہوگا کہ ابن آدم نے ہمیشہ ہی سے ازل سے ابد تک تخلیقی تنوع و فطرت گناہ [illegible] ہے۔ [illegible] کی جستجو جاری [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] کی ہمیشہ سے [illegible] کھیلتی رہی ہے۔ [illegible] حصول صحت و تندرستی کے لئے سیلاب دار [illegible] جاری و ساری چلی آرہی ہے اور [illegible] خود [illegible] وطن کے لئے اس جنگ کے حالات سے [illegible] گیا ہے

نت نئے فیشن رنگ برنگے لباس نت نئے ذائقے اور [illegible] کھیتی باڑی، باغبانی کے طور طریقے، حکمرانی اور تعلیم [illegible] کے علاوہ نت نئی آرام دہ سواریاں، تیز رفتار طویل طویل مسافتوں کے سفر طے کئے ہی جاتے آرہے ہیں۔ اور کیا ہم نہیں دیکھتے کیا ہم سن نہیں رہے کہ آدمی کے قدم چاند ستاروں پر پہنچ چکے ہیں۔ تو ہم [illegible] ہیں۔ کنوئیں میں پڑے مینڈک کی ٹر ٹر بھی کبھی جو نکالتی ہے [illegible] کی آواز بھی سن لیتے ہیں اور بول پڑتے ہیں مینڈک بول رہا ہے۔ پس ہم کو یہ سمجھانا اور سمجھنا بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ کس حال کو وہ مینڈک [illegible] بول رہا ہے یہ نہ سوچا جائے [illegible]

اقوام متحدہ کے اندر شریک ممالک کے ریڈیو [illegible] والے [illegible] بول رہے ہیں ان پر توجہ کیا جائے۔ آدمی جس ملک میں [illegible] وہی اس کا وطن ہے وطن والے جو تقاضہ کرتے [illegible] ہیں حکومتیں [illegible] جو قوانین بناتے ہیں عوام و خواص دانشور [illegible] اپنے [illegible] کے تحفظ کے لئے [illegible] ہمیشہ سے عمل کیا ہے۔ ہم جہاں پیدا ہوئے اور جہاں کے شہری ہیں اور اپنا ووٹ استعمال کرکے اپنے نمائندے [illegible] پارلیمنٹ کے لئے منتخب کراتے ہیں وہاں ہمارے لئے [illegible] ہے کہ دستور ساز ادارے اور اپنے رہنماؤں کے مقرر کردہ [illegible] چلیں خفیہ اجتماعات [illegible] دوائیاں [illegible] بقاء اور قوت وطن کے تحفظ کے لئے [illegible] ہیں اور [illegible] قوم [illegible] افواہوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ [illegible]

جس ملک کے قانون کو ہم نے تسلیم کیا ہے [illegible]

[illegible] جائے۔ صلح و آشتی و امن سے رہا جائے۔ علم حاصل کیا جائے۔ تجارت زراعت و فنون جارحیہ میں مقام پیدا کیا جائے۔ ہوم گارڈ فوج اور پولیس و تحفظاتی شعبوں میں داخل رہا جائے اور اپنا اور دیش کا نام اونچا اٹھایا جائے۔ اقوام متحدہ میں شامل ممالک کے راہبوں اور رہنما اصولوں [illegible] لے کر اندرا جی کے ۲۴ نکاتی پروگرام پر مکمل جانکاری ایمانداری سے عمل کیا جانا ضروری ہے۔ نئے درخت لگانا جہاں صفائی ہوا [illegible] کے اور ہر گھر میں کام آنے والی لکڑی میسر ہو، نرسری میں جو زمانے والی ضروری چیز کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ وہاں غریبوں کو زمین [illegible] کو گھر دیا دلانا اچھا ہے صحت تعلیمات کی نذر ہوئے [illegible] کرنے لگانا جہاں انسانیت کی بھی خدمت اور اسلامی فریضہ ہے وہاں علم و سائنس کے اداروں کا قائم کرانا تن من دھن سے طلباء و طالبات کی مدد کرنا جہاں مفید مذہب دوئم ہے۔

جبکہ ساری دنیا فیملی پلاننگ یعنی آبادی پیدوک کے لئے چلا رہی ہے ہمارے لئے کان بند کرنا اچھا نہیں۔ غربت افلاس کے [illegible] عوام و خواص کے لئے شرح پیدائش کم رکھنا۔ غلہ کی پیداوار کو [illegible] بہت ضروری ہے۔ لوگوں کا ایسی افواہ کا شکار ہونا کہ جس نے پیدا کیا ہے وہ کھانا، کپڑا، روٹی، مکان بھی دے گا۔ [illegible] غلط ہے کہ علم الانسان ما لم یعلم کے مقولہ مصداق کے [illegible] تمام افعال خیر و شر میں اپنی عقل و شعور سے کام لے کر برائی بھلائی میں تمیز کرنا انسانی فریضہ ہے۔ قرآن بھی کہتا ہے کہ دین طریق حکومت میں کوئی جبر و اکراہ کی بات نہیں ہوتی۔ اور خدا نے صاف کہا ہے کہ ہم اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتے اور ہمارا حکم قول بدلا نہیں جاتا۔ قرآن کہتا ہے کہ سارے آسمانی اہل ہم نے تحقیق پر مبنی رشد ہدایات کھول کھول کر بتلا دی ہیں۔

گرشدہ ہدایات کو گمراہی سے الگ کر کے امتیاز کر دو۔ ہماری غریب آبادی [illegible] نہیں۔ دنیا میں ساری اکثر و بیشتر حکومتوں نے یہ فیملی پلاننگ پیدائش چھوٹک کا قانون بنا دیا ہے۔ سارے عقلمند و سائنسدان، ڈاکٹر [illegible] ہیں کہ رینگنے والی نالی کے کیڑوں کی طرح کے بے علم لاغر و نحیف [illegible] ننگے بھوکے بچوں [illegible] بچے نہ پیدا کئے جائیں۔ دو چار بچوں پر ہی اکتفا کیا جائے۔ [illegible] والشوری کا تقاضہ بھی خدا کی دین ہے۔ اور اعلیٰ [illegible] تندرستی اور اچھا لباس اچھی تہذیب کا دلش کے لئے

سادھن جٹانا افضل ایمان ہے۔ جب کہ ہزاروں کام روزانہ ساری دنیا کے اندر بغیر ترتیب، پادری، گیانی، ملا و پنڈت کے پوچھے بغیر ہی سرانجام پاتے ہیں۔ جیسے ڈاکٹری دواؤں میں برانڈی الکحل کا استعمال، مقدمات میں طلاق و خلع۔ شہادت وقاضی بل سے لے کر لاکھوں جھگڑوں کے فیصلے غیر مسلم عدالتوں سے قبول کئے جاتے ہیں۔

سنیما، تھیٹر، فوٹو گرافی، اسمگلنگ سے لے کر فیشن شو تک، محرم بارہ وفات شب برأت کی آتشبازی سے بچے روزہ دار افزائی تک، جھوٹ، جوا، شراب نوشی تک۔ غرضیکہ ہزاروں افعال میں ہم اپنی ادراک و شعور کے تحت کار بند ہیں۔ تو اس ساری دنیا کے سب سے اہم مسئلہ پر بھی لازم ہے کہ اپنی محبوب رہنما وزیراعظم اندرا گاندھی اور سنجے گاندھی کے تعمیری خیالات کی بھی قدر افزائی کریں۔ اور درواے درمے قدمے سخنے کھلے دل سے تعاون کر کے ۲۴ نکاتی پروگرام سے خود اپنے دیش کو بلند و بالا رکھیں۔ اور قرآن کے اس قول پر توجہ رکھیں کہ جان بوجھ کر اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ جاؤ۔

میں نے بھی کثرت اولاد کی برائی کو سمجھ کر طبی طریق پر نسل کے سے روک لگا دی ہے اور ہر طبی آپریشن کے لئے ہر وقت خود طبی طور پر تیار رہنا اور دوسروں کو تیار کرنا اچھی بات سمجھتا ہوں۔ اب میں نے اپنا نسل بندی آپریشن بھی کرا لیا ہے۔ اور طبی دعوت دیتا ہوں کہ سمجھدار لوگ میدان میں آئیں اور ۲۴ نکاتی پروگرام کو چلائیں کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

حکیم رئیس احمد سنبھل

غزل

نتیجۂ فکر: قمر سلطانپوری

جفا پر جفائیں، وفا پر وفائیں — نہ ہم باز آئیں، نہ وہ باز آئیں
نگاہوں میں بجلی، تبسم میں طوفاں — قیامت ہے جلوہ، قیامت ہیں ادائیں
وہ بیٹھے ہیں آکر مری ہر نظر سے — ہمیں ضد ہے لیکن وہ جلوہ دکھائیں
خود سخت حیراں نظر خیرہ خیرہ — متحیر ہیں جلوہ میں ساری فضائیں
انہیں دیکھ کر کس بے گمراہی کہا — نہ کچھ بتائیں نہ کچھ وہ بتائیں
متحیر کا عالم ستاروں کی پوچھو — کبھی جھلملائیں کبھی ٹمٹمائیں
قمر جب وہی قصہ گے سننے سنئے — کسے داستانِ وفا ہم سنائیں

معیار کی کسوٹی پر

عزیز اندوری

نذرِ وطن

اردو شاعری میں جد و جہدِ آزادی سے متعلق سرمایے کی کچھ کمی نہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف ہر صاف ذہن اور وسیع قلب انسان کرتا ہے کہ اردو اور اس کے شعراء نے حصولِ آزادی میں انتہائی اہم رول ادا کیا ہے۔ اور یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اردو شعر و ادب نے حالات کے اہم ترین تقاضوں کی تکمیل کر کے وطن دوستی اور انسانیت نوازی کی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں۔

وقت اور حالات کے تقاضوں کی ایک اہم ترین تصویر ہندوستانی سیکولرزم اور سوشلزم کے سلسلے میں اٹھائے گئے اقدام میں بھی نظر آتی ہے جس کی تکمیل اور ہم نوائی کو فرضِ اولین کی صورت اختیار کرنے میں شعرائے اردو نے کبھی فکر و نگاہ کے دروازوں کو وا رکھا ہے۔

جناب محمد عثمان عارف (ایم۔ پی) ان میں سے ایک ہیں جنھوں نے "نذرِ وطن" کو شائع کر کے ایک وطنی اور قومی فریضے کو پورا کیا ہے۔

نذرِ وطن میں کل ۱۸ نظمیں ہیں۔ جن میں قوم و وطن کے مختلف مسائل پر نگاہِ عمیق ڈالی گئی ہے۔ ہر چند ان نظموں میں براہِ راست لہجے کو اختیار کیا گیا۔ عام طور پر ایسا لہجہ جہاں غیر موثر ہوتا ہے وہیں وقتی تاثرات کا حامل بھی۔ لیکن عارف صاحب نے اپنی فکر و نظر کی گہرائی اور ذہن و شعور کی بیداری کے ذریعے ان نظموں کو سپاٹ نہیں ہونے دیا ہے۔ بلکہ "عرضِ مصنف" میں کہی گئی اس بات کی پوری طرح تصدیق بھی کی ہے۔

"مجھ کو یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ شاعر اپنے وطن اور اہلِ وطن انسان اور انسانیت سے الگ کر کے اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔"

عارف صاحب کے اس قول کی روشنی میں "نذرِ وطن" کی تمام تر نظموں میں ایک سچے محبِ وطن انسان اور بقول جناب ادم جہتہ (ایک سچے محبِ وطن مسلمان) کا دل دھڑکتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو وطن کے ذرے ذرے سے نہ صرف انسیت ہی رکھتا ہے بلکہ اس کو آفتاب سے زیادہ تابناک، چاند سے زیادہ حسین اور ستاروں سے زیادہ منور

بنانے میں مستغرق رہتا ہے۔ اس فکری استغراق کے نمونے بھی ان کی نظموں میں پوری تابناکی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ جن میں تنگ نظری، [illegible] مندی یا مصلحت آمیزی کا نام و نشان بھی نہیں۔ وہ جہاں وطن کی عظمت کے گیت اپنی نظموں "جنت مرے وطن کی" [illegible] "نہ ہو رنجور نہ ہو" اور "جھنڈا ہمیں بھارت کا جی جان سے پیارا ہے" میں گاتے ہیں وہیں محبانِ وطن کے سرفروشانہ جذبۂ وطن پرستی کی زور انداز میں تائید بھی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی نظمیں "گاندھی جی" "ہنگامی حالات" "اندرا گاندھی کا بیس نکاتی پروگرام" اور "اندرا گاندھی اور ایمرجنسی" پیش کی جا سکتی ہیں۔ اسی کے ساتھ [illegible] نے اہلِ وطن کو تعمیرِ وطن میں حصہ لینے اور وطن کی ترقی و بہبود میں [illegible] لینے اور فرض شناس ہونے کی جس طرح دعوت دی ہے اسے [illegible] نظموں "جوانوں کے قدموں میں عقیدت کے پھول" "ہمارے نعرے" اور "اہلِ وطن سے خطاب" میں دیکھا جا سکتا ہے۔

پی۔ وی۔ نرسمہا راؤ جنرل سکریٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی [illegible] جناب ادم جہتہ منسٹر داخلہ و پارلیمانی امور نے "پیش لفظ" [illegible] اور "نذرِ وطن" کے تحت عارف صاحب کی شخصیت اور شاعری پر روشنی ڈالی ہے۔ خاص طور سے ادم جہتہ صاحب نے ان نظموں [illegible] موضوعات کے ساتھ ساتھ ان کی فنی اہمیت پر ان الفاظ [illegible] خیال کیا ہے۔

"یہ نظمیں کردار نگاری، واقعہ نگاری اور صداقت گوئی [illegible] بہت اچھے اور اعلیٰ نمونے ہیں جن کو شاعر کے انداز بیان نے [illegible] اور دلچسپ بنا دیا ہے۔"

اس لحاظ سے نذرِ وطن کی نظمیں نہ صرف موضوعاتی اعتبار [illegible] بلکہ فنی لحاظ سے بھی بھرپور تاثرات اور لطیف جذبات کی [illegible] جن کا مطالعہ کرنے کے بعد ملک و قوم کے بہت سے اہم پہلوؤں [illegible] صورت متعارف ہوا جا سکتا ہے۔ بلکہ انھیں وطن پرستی [illegible] نمونہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

[illegible] طباعت و کتابت جاذبِ نظر ہے۔ جسے [illegible] مکتبہ شانِ ہند، دہلی سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

امرائی

[illegible] دھرم دیو النساں خاؔور کا نام دنیائے شعر و ادب میں کافی تیزی [illegible] سامنے آیا ہے۔ انھوں نے بہت کم مدت میں اپنے شعری [illegible] کر کے اپنے فکری رجحانات اور فنکارانہ صلاحیتوں سے [illegible] اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔

[illegible] کے قلم میں تیزی کے ساتھ ہی فکر میں بڑی حد تک [illegible] گیرائی بھی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جن موضوعات [illegible] ہیں ان پر محض روایتی انداز میں سرسری طور پر اظہار [illegible] کرتے بلکہ ان کی اہمیت اور تقاضوں کو بھرپور انداز میں [illegible] فنی اشکال میں پیش کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

امرائی ان کی نظموں اور گیتوں کا مجموعہ ہے۔ ان نظموں [illegible] میں حب الوطنی کا بھرپور جذبہ موجود ہے۔ جسے صرف جذبے [illegible] مناسب نہیں بلکہ ان میں وہ تمام تر حقائق اور فطری [illegible] شامل ہے جس میں ہندوستانیوں کے دلوں کی دھڑکنیں صاف [illegible] دیتی ہیں۔

خاؔور کا تعلق کوکن اور خاص طور سے مہاراشٹر سے بڑا گہرا ہے [illegible] ان کے کلام پر ان علاقوں کی تہذیب، فضا اور کوکنی ماحول کا [illegible] ہے۔ اسی لئے امرائی کی بیشتر نظموں میں ان علاقوں کی تہذیبی [illegible] صاف نظر آتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ۔ ان کی نظموں [illegible] کی خوش رنگ قدریں بھی نظر آتی ہیں۔ وہ اگر ایک طرف [illegible] میں اردو کے ایک عظیم شاعر کو خراجِ عقیدت پیش [illegible]۔ [illegible] اور [illegible] کی عظمت کا اعتراف بہت [illegible] کرتے ہیں۔ اگر ان نظموں میں "کوکن میں کیا نہیں ہے؟" [illegible]" اور "مہاراشٹر کی پیاری زمیں" جیسی نظمیں اہل [illegible] وطن اس میں "دلّی کے پھول کی خوشبو" کی مہک بھی [illegible]۔ اگر وہ "کیلشی کی سرزمیں" میں بزرگانِ دین کو خراج [illegible] کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ "نانا فرنویس" کے جیسے [illegible] ان کی عظمت کے آگے بھی سر جھکا دیتے ہیں۔

اُسے پڑھ کر کسان کا دل ہندوستان کی اس دلکشی، جاذبیت اور سرشاری پر جھوم اٹھتا ہے۔ جو دیہاتی فضاؤں سے معمور ہے۔ جس میں حسنِ فطرت کے بے شمار پہلو موجزن ہیں۔ جو کبھی "ساوتری" کے جمال میں موجزن نظر آتے ہیں تو کبھی "پگڈنڈی" کے حسین انداز میں۔ کبھی وہ "رادھا کی گاگر" میں نظر آتے ہیں تو کبھی "ایک سہاگن کی مانگ کے سیندور کی سندرتا" میں۔ کبھی وہ "میرا نام کسان" میں عظمتوں کے عکاس بن کر ابھرتے ہیں تو کبھی "کہانیوں کا دیس" میں حقیقت بیانی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

غرض امرائی میں کوکن، مہاراشٹر۔ کی تہذیبی اور تاریخی عظمت کے ساتھ ہی (جس سے خاؔور کو فطری انسیت ہے) ہندوستان کی عظیم تر تہذیب و تواریخ کے حسین تر پہلو مل جاتے ہیں۔ خاؔور اپنی نظموں کو الفاظ کے حسن اور بیان کی دلکشی سے مزین کرنے میں بھی ماہر نظر آتے ہیں۔ پھر مترنم بحروں کے انتخاب نے ان کی نظموں کے فطری حسن میں مزید اضافہ کیا ہے۔

امرائی کی نظمیں محض روایتی انداز میں حب الوطنی کے وقتی نعروں کے تحت نہیں کہی گئی ہیں بلکہ ان میں جذبے کا استقلال تہذیب و تواریخ کی صداقت اور حسنِ فطرت کا استحکام موجود ہے جو اپنی صداقت اور جاذبیت کی وجہ سے اہلِ وطن کو متاثر کرتا ہے۔

۱۲۸ صفحات کا یہ مجموعہ جس کی کتابت و طباعت بھی کافی اچھی اور جاذبِ نظر ہے۔ دس روپے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

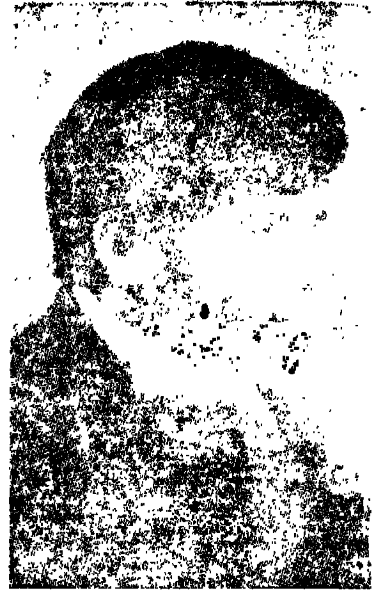


ASHFAQUE HUSAIN ASHFAQUE MUHAMMDI

[illegible] Printed at M. S. Printers, Darya Ganj, New Delhi-[illegible]

شانِ ہند دلی

November—75



SHEIKH MOHMAD SHAF
Srinagar

چند نئے نام اور ادیبوں کی تلاش کا افسانہ

اس سلسلے کا دوسرا ایڈیشن

Rs. 1-00



SIRAJ ANWAR



NISAR GORAKHPURI

Editor :-
SARWAR TAUNSVI

سال اجراء ۱۹۳۸ء رجسٹرڈ نمبر ڈی ۳۷۰ رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار اخبارات R.N.

فون نمبر ۲۷۸۸۸۰



ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی قیمت سالانہ دس روپیہ قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۶ [illegible] ۱۹۷۵ء شمارہ ۱۱

فہرست

خواتین نمبر

بین الاقوامی عورتوں کے سال کے سلسلے میں شانِ ہند کا خواتین نمبر ماہ دسمبر ۱۹۷۵ء کا شمارہ ہوگا جو وزیر اعظم ہند محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ کے جنم دن ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء کو شائع ہوگا۔ خواتین نمبر کا سرورق ملک کے مشہور آرٹسٹ جناب غیاث صاحب اورنگ آبادی کے موئے قلم کا ایک شاہکار ہے۔ قابل ذکر شاعرات افسانہ نگار اور مضمون نگار خواتین کے رشحات قلم مع تصاویر سے یہ خواتین نمبر ایک یادگاری شمارہ ہوگا۔ حجم ۷۲ صفحات قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ [illegible]

مدیر پرکاشک سرور تونسوی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے لاہوتی پرنٹنگ پریس جامع مسجد میں چھپوایا اور شانِ ہند ۵ انصاری مارکیٹ دریا گنج دہلی نمبر ۱۱۰۰۰۶ سے شائع کیا۔

ہردل عزیز انسان　　شاعرِ جادو بیان　　اُردو کا عاشق

قومی یک جہتی کا خواہاں　　شرافت کا نمونہ　　انسانیت کا پیکر　　مذہبی تعصب کا دشمن

ہر غمزدہ کا ہمدرد　　ہر ضرورت مند کی حاجت روائی کیلئے کوشاں　　مشاعروں کا روحِ رواں

غرضیکہ انسانی پیکر میں "اصلی انسان" اور اپنے جدِ امجد گورو نانک دیوجی مہاراج کی تعلیمات کا مظہر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

کو ایک ارمغانِ عقیدت و خراجِ محبت

کنور صاحب کے عزیزوں، رفیقوں، دوستوں، مدّاحوں اور عقیدت مندوں کے لئے ایک گرانقدر ہدیہ۔ عزیزوں کی یگانگت دوستوں کی محبت، صحافیوں کے جذبات، عام ملنے جلنے والوں کے تاثرات، مدیروں کے خیالات، نجی زندگی کے کوائف وحالات اور خود کنور صاحب کی شاعری کے انتخاب سے لطف اندوز ہونے کے لئے

شانِ ہند کا شائع ہونیوالا

جشنِ سحر نمبر

ضرور پڑھیئے

جو عنقریب دہلی میں منائے جانے والے "جشنِ سحر" کے مبارک موقع پر شائع ہو رہا ہے اور جو یقیناً دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگاری اضافہ ہوگا۔ چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر جو بیس صفحات آرٹ پیپر پر کنور صاحب کی مختلف تصاویر سے مزین آپ اپنی نظیر ہوگا۔

قیمت فی پرچہ شانِ ہند کے مستقل خریداروں سے چھ روپیہ، علاوہ محصولڈاک جبکہ اس شمارہ پر دس روپیہ فی پرچہ اصل اخراجات ہوں گے۔

مشتہرین کی خدمت میں التماس ہے کہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر "جشنِ سحر نمبر" ملک بھر میں ذوق وشوق سے پڑھا جائیگا لہٰذا اس یادگاری خاص نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہوگا۔

اُجرت اشتہار عام سالم صفحہ اڑھائی صد روپیہ۔ نصف ۱۸۰ روپیہ۔ سرورق کا اندرونی صفحہ ۵۰۰ پانچ صد روپیہ۔ سرورق کا تیسرا صفحہ چار صد اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں سات صد روپیہ۔

"جشنِ سحر نمبر" میں آپ بھی لکھیئے۔ "جشنِ سحر نمبر" کو اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ میں دینے کے لئے مطلوبہ کاپیاں ریزرو کرا لیجئے۔

"جشنِ سحر نمبر" میں اپنا اشتہار دیجئے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے ہر عقیدتمند کو "جشنِ سحر نمبر" کی اشاعت کی اطلاع دیجئے۔

مزید تفصیلات کیلئے لکھیئے

ماہنامہ دفتر شانِ ہند فلیٹ ۲ انصاری مارکیٹ دریا گنج۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

افکار و واقعات

پٹے ہوئے ناکام ادیبوں کی سازش کا انکشاف

کچھ دن ہوئے ذکی کاکوروی کی کتاب "اعمالنامہ" شائع ہوئی ہے جس میں اترپردیش اردو اکیڈیمی کی سرگرمیوں پر تنقید کی گئی تھی چونکہ اس کتاب میں تصویر کا ایک ہی رُخ دکھایا گیا تھا اس لئے ہم نے شاہراہ ہند کے دو شماروں میں اس کتاب کی حمایت میں اداریئے لکھے

کچھ دن ہوئے غالباً فرضی نام سے دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے کچھ لوگوں نے "اردو تحقیق اور مالک رام" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ اسے دیکھتے ہی ہمیں خیال آیا کہ "اعمالنامہ" میں اترپردیش اکیڈیمی پر کم اور پنڈت آنند نرائن مُلا پر زیادہ تنقید کی گئی ہے۔ اور "اردو تحقیق اور مالک رام" میں مالک رام کے ادبی وقار کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم نے ان کتابوں کا پھر غور سے مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ چند ایسے لوگوں کی ادبی سازش ہے جو ادب میں اپنے لئے کوئی مقام بنا سکے! سماج میں یہ ایسی مخلوق ہے جو گھر کی ہے نہ گھاٹ کی

ہم نے جو دعویٰ کیا ہے اس کا مکمل ثبوت دیں گے۔ اور اگر کوئی صاحب یہ ثابت کر دے کہ ہمارا دعویٰ غلط ہے تو صحافت کی دیانتداری کا تقاضا ہوگا کہ ہم نہ صرف اپنے تمام الفاظ واپس لیں بلکہ اپنے اُن پڑھنے والوں سے معافی مانگیں جو ہم پر ہمیشہ بھروسہ کرتے ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد حالات کچھ ایسے بدلے کہ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ "لوٹے پھوری می آید" کہنے والی ذہنیت ختم ہو گئی ہے۔ یہ ذہنیت واقعی ختم ہو گئی تھی۔ لیکن جب اردو کے سلسلے میں کچھ فائدے حاصل ہونے لگے تو پھر وہی ذہنیت اُبھرنے لگی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام مسلم اہل اردو یہ ذہنیت رکھتے ہیں یا تمام غیر مسلم اہل اردو

صاف ذہن کے ہیں۔ دونوں فرقوں میں اس طرح کے کچھ لوگ ہیں جو ذاتی مفاد کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ کچھ کہنے سے پہلے ایک بات عرض کردوں کہ ہندوستان اور پاکستان میں [illegible] تونسوی کے دوستوں کا حلقہ صرف مسلمانوں پر مشتمل ہے [illegible] اُسے جان سے زیادہ چاہتے ہیں اور وہ مسلمانوں کو۔ اگر چند لوگوں کے بارے میں کوئی بات کہی جائے تو اس کا مطلب [illegible]

ہم پہلے "اعمال نامہ" کا جائزہ لینگے۔ یہ کتاب پڑھ کر سمجھ میں نہیں آتا کہ آنند نرائن مُلا کے خلاف ہے یا اردو اکیڈیمی کے۔ مُلا صاحب عصرِ حاضر کے صفِ اوّل کے شاعر ہیں۔ ذکی کاکوروی کو یہ حق ضرور ہے کہ اُن کی شاعری کے بارے میں جو بھی چاہیں رائے رکھیں۔ "اعمالنامہ" کے پیش لفظ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ [illegible] کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ اور کتاب کا پہلا باب ہے "آنند نرائن مُلا کی شاعری پر" کیا مُلا کا دوسرا نام اُترپردیش اردو اکیڈیمی ہے؟ اور کیا مُلا کی شاعری بھی اکیڈیمی کی سرگرمیوں میں شامل ہے جو اُسے ہدفِ ملامت کیا گیا ہے۔ یا اس میں بدنیتی کا دخل ہے۔ ذکی کو بنیادی اعتراض انعام پانے والی کتابوں پر ہے۔ اس طرح کے اعتراض کرنے کا حق ہم اردو والے کو ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ جن کتابوں پر سب سے زیادہ لے دے کی گئی ہے

مثلاً آنند نرائن مُلا کی "سیاہی کی ایک بوند" [illegible] کا انعام پانے والی کتابوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ [illegible] گمامی کی "تیر و نشتر" اُن پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ یہ [illegible] دوسرے مذہبی فرقے کے لوگ ان کے نام سے [illegible] الزام ہے جو اس ذہنیت میں اردو کے مشہور ترین شاعر [illegible] نسیم پر بھی لگایا گیا تھا۔ کمار پاشی کی "ولاس یاترا" ان پر الزام

ہے کہ یہ ہندوستانی دیومالا کا ذکر کرتے ہیں اور مسلم تاریخ کی تلمیحات اور استعارات استعمال نہیں کرتے۔ مالک رام کی "وجوہ تیرا الہی" انعام اس کتاب پر ملا تھا لیکن بزعم خود دھجیاں اُڑائی گئی ہیں۔ ان کی دوسری تالیفات کی مثلاً خطوط غالب" اور "تذکرہ معاصر (اسی لئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ "اعمال نامہ" اور اردو تحقیق اور مالک رام" ان دونوں کتابوں کے پیچھے ایک ہی گروہ کام کر رہا ہے۔ ذکی نے مالک رام پر ۲۹ صفحات کالے کئے ہیں اور آنند نرائن ملا پر ۲۹ صفحات پر جھک ماری ہے۔ کتاب کل ۱۰۵ صفحات کی ہے گویا آدھی کتاب میں ملا اور مالک رام کو غیر شاعر اور غیر ادیب ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سازش کرنے والے کون لوگ ہیں، ان کے مقاصد کیا ہیں اس پر تفصیلی روشنی آگے ڈالی جائے گی۔ اس وقت ذکر تھا انعام یافتہ کتابوں کا۔ رام لال کی "گزرتے لمحوں کی چاپ" "اکھڑے ہوئے لوگ" کے بارے میں بھی گوہر افشانی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سوامی دیال بسوانی کی "روح سخن" اور گیندن لال بے نوا کی "نگہ دوست" کے بارے میں بھی اسی قسم کے بیہودہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ مذہبی جنون میں اُن اُن کتابوں پر طعن کیا ہے جنہیں کوئی انعام نہیں دیا گیا۔ مثلاً ریوتی شرن شرما کی دیپ تھا۔ ذکی کو اس کا علم نہیں لیکن تمام پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ ریوتی شرن شرما صرف اردو کے ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی تمام زبانوں کے صف اوّل کے ڈرامہ نویس ہیں۔ کم علمی اور فرقہ وارانہ ذہن کا کیا علاج؟

توازن قائم کرنے کیلئے کچھ مسلم ادیبوں کے بارے میں بھی لکھا گیا ہے۔ لیکن برائے نام۔ اور پھر دوسرے اور تیسرے درجہ کے ادیبوں اور شاعروں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ خواجہ احمد فاروقی کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ غیر ادیب، غیر نقاد اور غیر محقق ہیں۔ اُن کی آج تک کوئی ایسی کتاب شائع نہیں ہوئی جس پر ہزاروں اعتراضات نہ ہوئے ہوں۔ اُن کی بیشتر کتابیں دوسرے لوگوں کی مرتب کی ہوئی ہیں اس لئے کوئی اُمیدوار سنجیدگی سے اُن کی تحریریں نہیں پڑھتا۔ اُن کے نام سے شائع ہونے والے (اگرچہ یہ کام دوسرے لوگوں کا تھا) "گلستہ کرم" "عمدہ منتخبہ" کے بارے میں قاضی عبدالودود نے اپنا مضمون ... سے شروع کیا تھا۔

• اگر طالب علم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ترتیب متن کا کام کس طرح نہیں کرنا چاہئے تو انہیں غلطیوں کی اس پوٹ کو دیکھنا چاہئے" (خواجہ صاحب کی ایک کتاب میں اتنی غلطیاں ہوتی ہیں کہ مالک رام کی تمام کتابوں میں نہیں ہونگی مگر اس معاملہ میں دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے یہ لوگ خاموش رہتے ہیں بلکہ خواجہ کو جھنڈے پر چڑھائے رہتے ہیں) ایسے شخص کے بارے میں ذکی کا ارشاد ہے "خواجہ احمد فاروقی اردو کی بہت بزرگ اور قابل قدر شخصیت ہیں انہیں شخصیت کا بڑا انعام دیا جاتا تو زیادہ مناسب اور صحیح ہوتا۔" رشید حسن خاں کی کتاب ہے "اردو املا" اردو املا پر سارا کام انجمن ترقی اردو کے لئے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، عرشی رامپوری وغیرہ نے کیا تھا۔ رشید حسن خاں کا کارنامہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی محنت کو غصب کرکے اس میں چار ہزار سے اوپر غلطیوں کا اضافہ کرکے ترقی اردو بورڈ سے تقریباً بارہ ہزار روپیہ اینٹھے ہیں۔ ہم اگلے شمارے سے اردو املا پر قسط وار مضمون شروع کر رہے ہیں جس سے اس کتاب کی "عظمت" کا راز ہمارے پڑھنے والوں پر بھی کھلے گا۔ رشید کے بارے میں ذکی نے لکھا ہے کہ "اردو املا قابل فخر تصنیف ہے اسکی غیر معمولی اہمیت اور افادیت سے انکار مشکل ہے۔" اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ آنند نارائن ملا اور مالک رام کے خلاف گھناؤنی سازش کون کون لوگ شریک ہیں۔ ابھی تو صرف تین نام سامنے آئے ہیں ذکی فاروقی اور رشید۔

اکیڈمی کی انعام کمیٹی کے بارے میں ذکی کا خیال ہے کہ ...

"اعمال نامہ"

پڑھ کر ہمارا خیال تھا کہ اس کمیٹی کے رکن صرف ملا ہیں چونکہ معتوب صرف وہ ہوتے ہیں ہر صفحہ پر اُن کے متعلق مضحکہ خیز باتیں کہی گئی ہیں" اچھا تھا" دوبارہ غور سے پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ ایک حاشیہ میں تین نام اور دئیے گئے ہیں علی جواد زیدی، محمد حسن، اور محمود الٰہی زخمی۔ ان تینوں کے بارے میں پوری کتاب میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر انعام غلط کتابوں پر دیئے گئے ہیں تو ذمہ داری انعام کمیٹی کے تمام ممبران پر ہے نہ کہ صرف آنند نارائن ملا پر۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ زیدی، محمد حسن اور زخمی اس پائے کے ادیب اور نقاد نہیں کہ کتاب کی خوبی اور خرابی پر اُنکی نظر جا سکے لیکن مدرس ہونے کے ناطے یہ لوگ تھوڑی بہت تو رائے دیتے ہونگے اب اگر اُن کی رائے پر عمل نہیں کیا جاتا تو

یہ بددیانتی سے کیوں کام لیتے ہیں انہیں استعفےٰ دے دینا چاہیئے، اور اگر ان کی رائے شامل ہے تو پھر ذکی نے انکی "خدمت" کیوں نہیں کی۔ اب گویا ہمارے پڑھنے والوں کو اس سازش میں شریک تین نام اور ملے اور کل ہوئے چھ۔ گھبرائیے نہیں ابھی پیٹ کے اندر سے کئی کبوتر اور نکلینگے۔

یہاں برسرِ تذکرہ ایک بات اور عرض کردیں دہلی میں بارہا ہمیں گوپی چند نارنگ اور دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے اُساتذہ کی تقریریں سننے کا موقع ملا ہے۔ ہم خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتے ہیں کہ نارنگ کا ان لوگوں سے مقابلہ ایسا ہی ہے جیسے ٹی بی کے کچھ مریض اپنی موت کو بھول کر رُستم سے لڑنے میدانِ جنگ میں اُتر جائیں۔ اس کے باوجود بالکل بے موقع اعمال نامہ میں نارنگ کی ایک تقریر پر کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جب بات چلی ہے تو ایک اور سُن لیجئے۔

انجمن کے

دہلی آنے پر ہمیں خیال تھا کہ اب انجمن ایک روشن خیال اور سیکولر نوجوان کے ہاتھ میں آئی ہے۔ ہم نے خود اپنے گھر پر نئے سکریٹری کو دعوت دے کر اس کا استقبال کیا تھا۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ نئے تقررات کرتے ہوئے موجودہ سیکریٹری نے بھی وہی رویّہ اختیار کیا جو اُن کے پیش رو کا تھا۔

اس ادبی سازش میں ایک نام اور بھی شامل کرلیجئے۔ اور وہ ہے

قمر رئیس۔ ان کی تعلیمی صلاحیت صرف اتنی ہے کہ ڈیڑھ دو سال روس میں بچوں کو الف۔ ب۔ ت پڑھا آئے ہیں اور وہاں سے اتنا پیسہ کما کر لائے ہیں کہ ڈیڑھ دو لاکھ کی کوٹھی بنوائی ہے اور تیس ہزار روپیہ کی کار خریدی ہے۔ ہر چھوٹے بڑے ادیب شاعر اور سرکاری افسر کو گھر بُلا کر شراب پلاتے ہیں۔ مزے دار کھانے کھلاتے ہیں ... صاحب اور گجرال صاحب کی کوٹھیوں کے چکّر لگاتے ہیں اور ... سواروں میں شریک ہونے کے لئے کوشاں رہتے ہیں کیونکہ ان کے پاس کرنے کے لئے کوئی کام نہیں ہے اس لئے سازشوں میں ... بھی ادا کرتے ہیں۔

اگلے شمارے میں ہم "اُردو تحقیق اور سالک رام" کا جائزہ لیکر بتائیں گے کہ اس سازش کا مقصد کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سازش میں شریک ذکی کاکوروی۔ خواجہ احمد فاروقی۔ رشید حسن خاں۔ محمد حسن۔ محمود الٰہی زخمی۔ علی جواد زیدی۔ اور قمر رئیس کی ادبی شخصیت اور ذاتی زندگی کا جائزہ لینگے۔ اس سازش کے بارے میں ہمیں تمام تفصیلات حاصل ہو چکی ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں دہلی یونیورسٹی اور لکھنؤ کے کون کون سے پست ذہنیت رکھنے والے لوگ شریک ہیں۔ وہ کہاں پر ملتے ہیں، کس سے مشورے کرتے ہیں کن لوگوں کو اور کیوں نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس سازش میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جسے ذہانت چھو گئی ہو۔ ورنہ یہ سازش اُردو کی ترقی و فروغ کے راستے میں بہت بڑی رُکاوٹ ثابت ہو سکتی تھی۔ اُردو ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہماری زندگی کی عزیز ترین چیز اُردو ہے اس لئے ہم اس گھناؤنی سازش کا پردہ چاک کر رہے ہیں۔

برق تبسم کا اجراء

مُلک کے مشہور صحافی اور شاعر جناب تبسم علی ... "دو ... " کے مجموعۂ کلام برقِ تبسم کا اجراء سونی پت میونسپل پارک کے سبزہ زار پر ہریانہ کے ہر دلعزیز وزیر ... لال صاحب (وزیر مال) کے ہاتھوں سے ہوا۔ اس موقع پر سونی پت کے ... کمشنر جناب ایم۔ ڈی اتھانہ اور ایس۔ ڈی۔ ایم جناب ... قریشی

اور [illegible] کے دیگر افسران اور سونی پت کی معززین شہر کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ پنڈت چرنجی لال صاحب اور دوسرے معززین نے تبسم صاحب کی صحافتی، سیاسی، سماجی اور شاعرانہ سرگرمیوں کی جی بھر کر داد دی اور تبسم صاحب کو پھولوں سے لاد دیا۔ اگر اس موقع پر تبسم صاحب کی اہلیہ محترمہ موجود ہوتیں تو وہ اپنے مجازی خدا کی اس عزت افزائی پر پھولی نہ سماتیں۔ تبسم صاحب کی صاحبزادی اور جناب شنگاری صاحب کی اہلیہ عزیزی شکیلہ نے تبسم صاحب کی ایک غزل سنا کر ایسا سماں باندھا کہ جنت سے بیگم تبسم کی روح نے بھی دعائیں دی ہونگی۔ مشہور قوالہ تسیم بانو آف آگرہ نے تبسم صاحب کی متعدد غزلوں اور دیگر کلام سے سامعین کو خوب خوب محظوظ کیا۔

یونس دہلوی کے صاحبزادہ کی شادی خانہ آبادی

شمع گروپ کے چیف الحاج حافظ محمد یوسف صاحب کے پوتے اور زینت کوثر محمد یونس دہلوی کے صاحبزادے عزیز محمد اسلم دہلوی کی شادی جمعرات ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو آسیہ جہاں آرا بیگم دختر جناب حافظ شیخ محمد یحییٰ چھابڑا کے ساتھ نہایت سادہ و پُرشکوہ طریق سے انجام پائی۔ تقریب نکاح مسجد شاہی عیدگاہ میں ادا کی گئی جہاں پر ہزارہا معززین شہر نے شرکت فرمائی جونہی مائک سے کلام پاک کی دلنواز آواز آئی شروع ہوئی لگ رہا تھا کہ عیدگاہ کے عقب قبرستان پنچابیان سے دولہا کی دادی (مرحومہ) کی دعائیں سنائی دے رہی ہیں۔

دوسرے روز ۱۷ اکتوبر کو مالکان شمع کی رہائش گاہ سردار پٹیل مارگ نئی دہلی پر عصرانہ دیا گیا جس میں ہزارہا معززین نے شریک ہو کر دولہا اور دلہن کو دعائیں دیں۔ صدر جمہوریہ ہند عالیجناب فخرالدین علی احمد صاحب بھی اس موقع پر تشریف فرما تھے۔ عزیز محمد اسلم دہلوی کی مبارک شادی پر ہم جناب [illegible] صاحب اور جناب یونس دہلوی صاحب بیگم زینت کوثر صاحبہ اور ادریس صاحب اور الیاس صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ خدا دولہا اور دلہن کو اپنے جملہ متعلقین کے ساتھ ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔

گایتری

ناتک۔ الہ آبادی

زینتِ بانگِ درا ایک نظم ہے اقبال کی
جس کا عنوانِ مقدس ہے غرض گایتری
ترجمہ مندرج ہے جس کا بنامِ آفتاب
پیش کش اقبال کی یہ نظم بھی ہے لاجواب
نظم اپنے آپ میں ہے آفتابِ کُل جہاں
یا اُسے کہیئے کہ ہے وہ جلوۂ کون و مکاں
آفتابِ دہر کی اس میں بیاں ہیں خوبیاں
ہیں اجاگر جس میں فنّی شاعرانہ شوخیاں
الغرض یہ نظم ہے اقبال کی کارِ ثواب
عام انساں جس سے ہو سکتے ہیں پڑھ کر فیضیاب
ہاں مگر تنہا نہیں گایتری بس آفتاب
عظمتِ مفہوم جس کی ہے سراسر بےحساب
بعد مُدّت دہلی شانِ ہند میں اک دوسری
ہو چکی شائع خدا کا شکر ہے گایتری
نظم گویا یہ بھی اک اُستادِ فن شاعر کی ہے
جو بہر صورت فرقمع حضرتِ قاصر کی ہے
حضرتِ قاصر وہ فنّی شاعرِ اعلیٰ کمال
جن کی تخلیقِ ادب بنتی ہے دولت لازوال
ہاں مگر گایتری سے یہ بھی کوسوں دور ہے
حمد یہ اک نظم ہے مفہوم سے بھرپور ہے
حضرتِ قاصر بھی جس کا کرچکے ہیں اعتراف
ہے نہیں گایتری خود کہہ چکے ہیں صاف صاف

گایتری

الغرض لکھتا ہوں میں جو کچھ ہے گایتری کتھا
حسبِ ... اک لفظ میں یہ معنی گوہر بھرا

ہے غرض حرفِ اَلِف (ALIF) مظہر مری آواز کا
ہے تقاضا قدرتی جو میرے دل کے ساز کا
واؤ (WAO) کا مفہوم ہے اُوپر فقط عرشِ بریں
ارتقا مدِ نظر ہے چھوڑ کر فکرِ زمیں
میم (MEEM) کے معنی ہیں بس رُوحانیت کی ارتقا
ہے بشر کو خود کو پستی میں نہ بھولے سے گرا
کہتی ہے آواز سے خود اپنی رُوحِ دل نشیں
میں ہوں جزو کُل سے ملا دے چل مجھے عرشِ بریں
خواہشِ عرشِ مُعلّٰی ہے اشارہ اُوم (OM) کا
رُوح کو مطلوب ہے گویا اشارہ اوم کا
بھور (BHOOR) کا مطلب ہے بھوتل بس یہی بزمِ جہاں
ہے بشر آباد جس میں کارواں در کارواں
معنی لفظِ بھووہ (BHU-AH) ہے آسمانی یہ خلا
جس سے ہے عرشِ معلّٰے کا درِ عالی بلا
سوڑگ کا مفہوم ہے لفظِ سووہ (SO-WAH) سے آشکار
سمجھو تینوں لفظ میں ہے تین لوکوں کی بہار
اور لفظِ تت (TAT) سے ہے اُس مالکِ کُل کا خیال
رُوح کو مطلوب ہے ہر شکل میں جس کا وصال
پھر سبتر (SABITUR) لفظ سے مقصود تنہا آفتاب
جس کی خیرہ کُن تجلّی ہے رُخِ کُل کی نقاب
جان کو ہے بس اُسی اک جلوۂ کُل کی ہوس
یاد کرتی ہے جسے ہر وقت ہر موجِ نفس
آدمی خود لے کے جس سے نُور بنتا ہے خبیر
دیکھو سورج ہی سے ہوتا ہے بشر روشن ضمیر
معنی لفظِ ورینم (WARANNYM) ہے خود جلالِ آفتاب
آدمی کرتا ہے جس سے خود تجلّی اکتساب
ہے غرض خورشید ہی نُور ایسا ذی کمال
عظمتِ کُل ... ہو ... جلال

۔۔۔ پ الغرض ۔ ہے کوئی پیام نما ایسا کہ جو کیف جدید (VARENNIUM)
جس پہ قربان ہیں اقلیم و کتب و پیام حکیم
بھر گو دیوس کے ہیں معنی وہ معظم دیوتا (BHARGO-DEWASSYE)
روشنی جس کی ہے بحر و بر میں ہر نشو و نما
دھی سے دھارن کا ہے مطلب دل میں کروں اختیار (DHEE)
ذہن کو جو بخشش دے پُر نور لافانی بہار
مہی ۔ دھیو الفاظ کرتے ہیں علاوہ رہبری (MAHI DHIO)
جس سے میری عقل پاتی ہے مسلسل روشنی
لفظ یو نہہ کہہ رہا ہے اے مری عقل رسا (YEO-NAH)
ہو منور ایسی کچھ بن جاؤں میں حق آشنا
آخری ہے لفظ گایتری کا جو پرچو دیات (PORCHO-DAYAT)
روح پا جاتی ہے جس سے مرنے جینے سے نجات
الغرض گایتری کا شلوک مطلب مختصر
خاک سے پیدا ہوا دھرتی پہ ہر خاکی بشر

یعنی شت ، رج اور تم سے ہے یکتائی (TAM) (RAJ) (SAT)
ہے انھیں تینوں پہ بس موقوف رازِ زندگی
شت سمجھے جان کو رج ہے مرا خاکی بدن (SAT) (RAJ)
ہے چڑھا ممکن پر مرے تاریک تم کا پیرہن (TAM)
اس لئے حاصل مجھے ہو جائے وہ دنیا میں گیان
جو ہٹا دے گی سے مجھ کو چھوڑ دوں فانی جہان
آریہ ویدوں کی پیاری روح ہے گایتری
زینۂ بخشش مکمل ہے غرض ساوتری

GAYETORI

OM_BHOOR_BHUAH_SWAH-
TATB_WITURE_RENN-YAM
BHARGO-DEWASSYE_DHEE_MAHI
DHIO YEO NAH PARCHODAYAT

[illegible]

مشاعرہ میلہ گوگھال سہارنپور

آج کوئی بھی تقریب ہو اس کا ایک جز و مشاعرہ ضرور ہوتا ہے نہ جانے کتنے ہی حضرات یوں خوش فہمی کا شکار کیوں ہیں کہ اس طرح اردو زندہ رہے گی اور اردو کا فروغ ہوگا۔ شاید ان حضرات کو علم نہیں ہے کہ آج کے مشاعرے صرف بطور قوالی کے سنے جاتے ہیں ورنہ اس سے زیادہ مشاعروں کی اور کیا اہمیت ہو سکتی ہے جب مشاعروں میں آنے والے پہلے دریافت کرتے ہیں کہ کون کون سے شاعر آ رہے ہیں اگر ان کے پسندیدہ اور گلوکار شاعر آتے ہیں تو وہ شرکت کرتے ہیں ورنہ یہ کہکر چل دیتے ہیں کہ کون نیند حرام کرے یا بقول ہلال رامپوری کے کہ بمبئی کے ایک مشاعرے سے جب لوٹ رہے تو راستہ میں اس مشاعرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے سامعین اور اہل ذوق آ رہے تھے ان میں سے ایک بنگالی بڑا کہہ رہا تھا کہ دو مغنیے خوب رہے ایک دلاور فگار اور دوسرا ہلال رامپوری جب سامعین کا اردو نوازی کا یہ عالم ہو تو اردو کا خدا ہی حافظ ہے یا پھر شعرا کو منہ مانگے دام مل رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اچھی بات ہے جب مشاعروں کے منتظمین خوب خوب دولت کماتے ہیں تو شعرا کیوں نہ کنوینر صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اپنے مطالبات پورے کرائیں۔ آج کے مشاعرے کاروباری سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب دیکھئے نا کہیں بھی میلہ ٹھیلہ عرس۔ نمائش شادی ختنہ۔ یا اور کوئی تقریب ہو مشاعرہ لازمی ہوگا۔ اس سے اردو والے بڑی غلط فہمی کا شکار ہو چلے ہیں کہ اس طرح بھی اردو ہی کیا کوئی بھی زبان زندہ رہ سکتی ہے یہ ایک فریب ہے یہ اردو کو زندہ رکھنے کا صحیح طریقہ نہیں ہے میں ان ہی خیالات کے باوجود مشاعروں میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ میں بھی شعرا کرام کے ساتھ بدسلوکی پر کبھی کبھی احتجاج کرتا ہوں اور ان کی حمایت میں دشمنی تک خرید لیتا ہوں۔ لیکن اندازہ ہوا کہ یہ قوم کچھ بھانڈ قسم کی ہو کر رہ گئی ہے جو لگائے بیٹھے گئے ہیں شعرا کرام کے واہی پھوہڑ ہیں وجہ اکثریت طالب زر کے لئے سفر سے ہی کر رہ گئے ہیں۔ آئیے اس تمہید کے بعد ایک مشاعرہ اور سنوا دوں۔

یہ میلہ گوگھال سہارنپور کا ایک عظیم پنڈال ہے جو میلہ کے بیچ میں بنایا گیا ہے۔ دس بج چکے ہیں لیجئے راؤ مختار علی خان محترم محمود علی خان صاحب وزیر آبپاشی اترپردیش کا اسم گرامی صدارت کے لئے پیش کر رہے ہیں مسٹر فدا حسین فدا تائید فرما رہے ہیں محترم محمود علی خان ابھی ابھی مشن بھگوانداس چیئرمین میونسپل بورڈ سہارنپور کے ہمراہ تشریف لائے ہیں اور اسی عالم میں مائک پہ جا کر مختصری تقریر فرما کر تالیوں کی جھنکار میں مسند صدارت پر تشریف لے آئے ہیں۔ پھولوں کے ہار پہنائے جا رہے ہیں اور پھر راؤ مختار صاحب میلہ کا تعارف محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ پر اور بنگلہ دیش کے سلسلے میں نہایت لاجواب تقریر فرما کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور حنیف سیمابی صاحب نظامت کے فرائض انجام دینے کیلئے محترم بشیر بدر صاحب سے درخواست کر رہے ہیں بدر صاحب سلاد بھی نہایت موزوں اور مناسب تقریر فرما کر شعرا کرام کا تعارف کرا کے ارشاد ہوا ہے کہ اب میں جس شاعر کو تکلیف دے رہا ہوں وہ مشاہدہ دیکھنے کی چیز ہے۔ اور وہ ہے ثروت نواز لکھنوی محمد ثروت صاحب بولند لکشی سے غزل چھیڑ کر محفل کو لوٹنے چلے ہیں۔

چمن میں رہ کے دل پھولوں سے بہلانا نہیں آتا
ذرا سی زندگی پر مجھ کو اترانا نہیں آتا

جہاں تک ہو سکے ہم پر ستم ڈھاتے چلے جاؤ
سمندر میں کہیں طوفان سے گھبرانا نہیں آتا

ہمیں تو زندگی کی سخت راہوں سے گزرنا ہے
ہمارے راستے میں کوئی مشکل نہیں آتا

ابھی ڈر ہے تو ہم اس بے وفا کو دل نہیں دیتے
کہ شیشے کو کہیں پتھر سے ٹکرانا نہیں آتا

محبت مانگنے نکلا ہیں غم جیسے بے غلامی
مگر دنیا کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں آتا

ثروت صاحب پنڈال کو گرما کر تالیوں کے شور میں مائک چھوڑ رہے ہیں اور بدر صاحب محوؔ رامپوری کو زحمت سخن دے رہے ہیں محوؔ صاحب نے اپنے مخصوص ترنم میں غزل چھیڑ دی ہے

[illegible] رعنائی | کیا تماشہ ہے کیا تماشائی
کہ سلسلے [illegible] آنکھوں کا | کس کو کس کے بغیر نیند آئی
جیسے [illegible] | نہ جماہی نہ کوئی انگڑائی

[illegible] صاحب بھی تالیوں کی جھنکار میں چلے گئے۔ جس تعریف سنی تھی وہ بات [illegible] غزل ہی کا انتخاب غلط کر بیٹھے۔ وہ دیکھئے [illegible] تعریف [illegible] ہیں۔ ساحر خمار اور قمر لکھنوی وغیرہ آ رہے ہیں [illegible] کے لئے مسٹر [illegible] چند صاحب اے۔ [illegible] کا نام نامی پیش کیا جا رہا ہے جس پر تالیوں سے اظہار [illegible] صاحب تسلیم لکھنوی کو دعوت سخن دے رہے ہیں [illegible] صاحب حسب عادت یوں فاتحانہ شگفتہ ترنم سے غزل سرا ہیں ؎

جب رند پہ محفل میں ساقی کی نظر جائے
ہستی میں وہ عالم ہے پھر کیوں نہ گزر جائے

اے جانِ تمنا تو آنا مجھے سمجھا دے
گھبرا کر تری محفل سے دیوانہ کدھر جائے

[illegible] شعر میں [illegible] اندوری کا فرما رہے ہیں اب دیوانہ کہاں جاتا ہے [illegible] صاحب ٹہک رہے ہیں ؎

[illegible] نظر ان کے انوار کا عالم ہے
میری ہوا [illegible] جس سمت نظر جائے

کم ظرف سمجھتے ہیں ارباب نظر ان کو
[illegible] محبت میں آلام سے ڈر جائے

[illegible] صاحب [illegible] کو گرما کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور بیدار صاحب [illegible] کیا شعر کو یاد فرما رہے ہیں۔ سکندر صاحب کچھ [illegible] رہے ہیں کہ مکمل تمام شعر نوٹ کر پا نہ جانے [illegible] کا کون سا طریقہ ہے کہ سننے والے آپ کا منہ دیکھتے رہتے ہیں [illegible] ترنم کی تعالی چل رہا ہے آئیے آپ یہ شعر سنئے ؎

صبا ان کے چہرے سے زلفیں ہٹا دے
نکل آئے گا دن نہ پھر رات ہو گی

پیام حیات قضا بن کے آیا
مری جاں ان سے کیسے ملاقات ہو گی

[illegible] صاحب جا رہے ہیں اور بیدار صاحب قمر اندوری کو دعوت سخن دے رہے ہیں۔ قمر صاحب کا نام سنتے ہی پنڈال میں تالیوں کا ایک ہنگامہ بپا ہے اور قمر صاحب نہایت بانکپن اور بانکپن سے غزل سرا ہیں ؎

بلا کی نظر میں غزل کہہ رہا ہوں
ارے بے خبر میں غزل کہہ رہا ہوں

ذرا ان کی زلفوں سے خوشبو اڑا لا
نسیم سحر میں غزل کہہ رہا ہوں

ابھی میری جانب سے نظریں نہ پھیرو
تمہیں دیکھ کر میں غزل کہہ رہا ہوں

داد شباب پر ہے اور تسلیم صاحب چیخ کر کہہ رہے ہیں اگر اس شعر کو میری نذر کر دیتے تو اچھا رہتا اور قمر صاحب اسی عالم میں ترنم سے ٹہک رہے ہیں ؎

مری انگلیاں نبض حالات پر ہیں
بہت سوچ کر میں غزل کہہ رہا ہوں

مرے سامنے اک مجسم غزل ہے
غزل دیکھ کر میں غزل کہہ رہا ہوں

پیچھے داد دینے والے تالیوں پر اتر آئے ہیں اور اسی عالم میں سامعین کے اصرار پر آپ نے دوسری غزل ؎

گر نہیں کچھ دوا تو دعا بھی نہیں
تم کو بیمار کا غم ذرا بھی نہیں

سنا کر اور پنڈال کو تشنگی میں ڈبو کر تالیوں کے جھرمٹ میں کامران پلٹ رہے ہیں۔ ایک صاحب شعرا کا کلام ہندی میں نوٹ کر رہے ہیں بیمار [illegible] نہیں تو اور کیا ہے

ہم نہیں جانتے میرے پاس بیٹھے ہوئے اس بری طرح سے داد دے رہے ہیں کہ کبھی کبھی تو تماشہ بن کر رہ جاتے ہیں ایک عجیب والہانہ انداز سے سر ہلا کر اور انگلیوں کے اشارے کر کے بڑی زور سے ران پر ہاتھ مارتے ہیں اور قریب بیٹھے ہوئے احباب کو ہر شعر پر متوجہ کرتے ہیں حد تو یہ ہو گئی کہ اسی عالم میں مجھے بھی شعر سننے پر مجبور کرتے تھے حالانکہ مجھ سے زیادہ اور کون سنتا ہو گا۔ بیدار صاحب ذوالفقار لینے کے لئے کہا [illegible] کو دعوت تقریر دے رہے ہیں کہ ایک صاحب کا نام سن کر ایک آواز بلند ہوئی کہتے ہیں۔ ؟ ہر کس بقدر ہمت اوست کہہ کر

یوں تو مرا معشوق منچلا سا لگے ہے
جب آنکھ چرائے تو بھنڈا سا لگے ہے
کو بھوک میں پیارے مجھے کیکیا سا لگے ہے
کچھ بکا لگے ہے کبھی ٹکڑا سا لگے ہے
تڑپے ہے تری یاد میں جب بھی کوئی عاشق
لنگور کے بچے کا تماشا سا لگے ہے
کھدیڑتا ہے جب تو مری درخواست پہ سوتی
سینے پہ تمنّاؤں کے گھونسا سا لگے ہے
دیکھو کسی اینگل سے مذکر نہ مؤنث
اب حسن الہ آباد کا زنخا سا لگے ہے

یوں تو قہقہوں اور ہنسی مذاق کا دورہ سا پڑا ہے۔ لیکن اس شعر کی جدت پسند سا اور ہی شور وغل ہے۔ ارشاد ہوا ہے ؎

سر پر ترے دو بالوں کا اک رکھا ہے گھنگر
بے پیچ کا پھولا ہوا مرغا سا لگے ہے

کباب صاحب محفل کو کباب خنداں اور قہقہہ زار بنا کر تالیوں کے بے ہنگم شور میں پلٹ رہے ہیں اور بدر صاحب پروین زیدی کھتولوی ایم۔اے کو زحمت سخن دے رہے ہیں۔ پروین صاحبہ تالیوں کے شور میں آ رہی ہیں اور نہایت رواں دواں سنا رہی ہیں ؎

تبسم کا اُجالا ہے نہ خوشیوں کا سویرا ہے
مری قسمت میں شاید اب اندھیرا ہی اندھیرا ہے
تمنا بے سر و ساماں ہے تو ارماں ہے بسمل
مرا احساس قاتل ہے تمہارا غم لٹیرا ہے
مری آنکھوں کے پیروں میں تو ہیں اشکوں کی زنجیریں
مگر ہونٹوں کے ہاتھوں میں تبسم کا پھریرا ہے
وہ آ جائیں تو ان کو دیکھ کر شاید یہ اُڑ جائیں
کہ ہونٹوں پر خموشی کے پرندوں کا بسیرا ہے

پروین صاحبہ مناسب داد وصول کئے جا رہی ہیں اور اب بشیر بدر صاحب یوں منفرد اور شگفتہ اشعار سنا رہے ہیں ؎

ہم سے مجبور کا غصہ بھی عجب بادل ہے
اپنے ہی دل سے اٹھے اپنے ہی دل پر برسے

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

دلوں کی جہاں پائمالی رہی
وہ بستی چراغوں سے خالی رہی
کبھی جب تمہارا خیال آگیا
کئی روز تک بے خیالی رہی

داد نقطۂ عروج سے ہوا ہے اور آپ کئی بار دہرا کر فرما رہے ہیں ؎

اُجالا سا دل میں ہمیشہ رہا
کوئی شے یہاں جلنے والی رہی
مسلسل کوئی یاد آتا رہا
سدا سر پہ پھولوں کی ڈالی رہی
ہمارے لبوں پر نہ آئی ہنسی
یہ کشتی مسافر سے خالی رہی

پھر اس جدت پر داد ہے کہ کچھ نہ پوچھئے اور بدر صاحب [illegible] کام لیتے ہوئے تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ کر ساز صاحب [illegible] کو محفل میں لا رہے ہیں ساز صاحب فرما رہے ہیں ؎

ہم تم حسین رات ابھی کل کی بات ہے
رقصاں تھی کائنات ابھی کل کی بات ہے
اک یہ بھی رات کہ ستارے بھی سو گئے
کیا رات تھی وہ رات ابھی کل کی بات ہے
محسوس ہو رہا ہے کہ صدیاں گزر گئیں
ترکِ تعلقات ابھی کل کی بات ہے

ساز صاحب مناسب داد پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور بدر صاحب [illegible] جواں سال جواں فکر اور مترنم شاعر مظفر رزمی کیرانوی کو دعوت [illegible] رہے ہیں رزمی صاحب یوں بزم کو لوٹے چلے ہیں ؎

ہم تو دریا ہیں کوئی راہ بنا ہی لیں گے
آپ پتھر ہیں بتا دیں کہ کدھر جائیں گے

پنڈال بھی انگڑائیاں سی لے رہا ہے اور رزمی صاحب [illegible] کیفیت طاری کر رہے ہیں ؎

محروم حقیقت ہیں ساحل کے تماشائی
ہم ڈوب کے سمجھے ہیں دریا تری گہرائی

پھر داد پر کسی ہنگامہ کا گمان ہو رہا ہے اور تسلیم صاحب حسب عادت چیخ کر کہہ رہے ہیں جتنے آپ حسین ہیں اتنا ہی حسین مطلع کہا ہے [illegible]

رزمی صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں ؎

چل اے مرے ہمسایہ برگد کے تلے بیٹھیں
دیوار سے آنگن میں اب دھوپ اتر آئی

چلتے ہوئے بادل کے سائے کے تعاقب میں
اک تشنہ لبی مجھ کو صحراؤں میں لے آئی

وہ جبر بھی دیکھا ہے تاریخ نے صدیوں کا
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

پھر داد دینے والے تالیوں پر اتر آئے ہیں اور رزمی صاحب کئی بار داد اور تالیوں کے بے ہنگم شور میں کامراں پلٹ رہے ہیں اور بدر صاحب مناسب اور موزوں الفاظ میں تعارف فرما کر کرشن بہاری نور لکھنوی سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں نور صاحب یوں تجدید گلے سے عطا کر رہے ہیں ؎

اس نے دیوار بنا کر جو ہمیں چھوڑ دیا
مقصد آنا تھا کہ بے معنی و مطلب ہو گئی

زیست ہے کیسے ہے یوں اس سے بگڑ کر جیسے
کسی ناول کے ورق بیچ سے غائب ہو جائیں

آہ اور واہ کا ایک ہنگامہ ہے آپ کئی بار دہرا کر ایک حسین غزل عنایت کر رہے ہیں ؎

کوئی سایہ نہ ملا سایۂ گیسو کی طرح
سارے جیون کی تھکن اتری ہے جادو کی طرح

میری آواز تجھے چھو لے بس اتنی مہلت
تیرے کوچے سے نکل جاؤں گا سادھو کی طرح

داد کا عالم نہ پوچھئے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

زندگی ٹھوکریں کھاتی ہے بچھڑ کر تجھ سے
تیرے پہلو سے کٹے ٹوٹے ہوئے گھنگھرو کی طرح

نور صاحب خوب خوب داد لوٹ کے کامراں و شاداں جا رہے ہیں اور اب بدر صاحب خاموش غازی پوری کو محفل میں لاکر یوں ہنگامہ کرا رہے ہیں کہ آپ کو ہر شعر پر داد دی گئی آیئے آپ تو یہ حسین غزل سماعت فرمایئے ؎

نور داد مری کا بتیاں کی ان کو تو سنائی لوگوں نے
یہ کیسی تیری بزم تھی میرے لئے یہ بات چھپائی لوگوں نے

مجھ سے پیار وفا کا درس لیا میرا ہی نشیمن پھونک دیا
الزام تو آیا بجلی پر اور آگ لگائی لوگوں نے

جب خاک نشیمن بھی نہ رہی تب لوٹ کے برسات آئی گئی
اس وقت کہاں تھی کالی گھٹا جب آگ لگائی لوگوں نے

جب وقت پڑا تھا گلشن پر مجھ سے ہی لہو کا دان لیا
میرے ہی لہو کے چھینٹوں سے یہ مہندی رچائی لوگوں نے

خاموش صاحب محفل کو لوٹ کر تالیوں کے شور میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور بدر صاحب کسی رام لال زخمی مظفر نگری کو یاد فرما رہے ہیں۔ زخمی صاحب نے بنگلہ دیش سے لیکر اپنے استاد جناب جگن ناتھ صاحب آزاد تک کے بارے میں بتلا کر ایک طویل نظم شہید وطن شیخ مجیب سے متعلق سنائی جو بعض مذاق میں اڑا دی گئی ایک تو یہ کہ زخمی صاحب نے نظم سے پہلے تقریر شروع کی دوسرے یہ کہ آپ کی تقریر اور نظم کی طرز ادائیگی سے اندازہ ہوا کہ آپ اردو کے شاعر کم ہندی کے زیادہ ہیں اس لئے کہ آپ کا اس شین قاف کا تلفظ بھی صحیح نہیں تھا داد دیجئے آپ کو کہ یار لوگ تالیوں اور قہقہوں پر اتر آئے مگر آپ پوری نظم ہی سنا کر بیٹھے اور اس ماحول میں جناب منظور ہاشمی پُر وقار انداز سے فرما رہے ہیں ؎

بڑے مہیب تھے بادل بڑی شدید ہوا
ہر ایک سمت ہے طوفان سر اٹھائے ہوئے

یہ سوچتا ہوں کہ جب ناخدا بھی چھوڑ چکا
یہ کون ہے جو ہے کشتی مری بچائے ہوئے

آہ اور واہ کا ایک دھماکا ہوا ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

وہ جس سے ابھی کوئی تعارف بھی نہیں ہے
جب بھی نظر آجائے ہے اپنا سا لگے ہے

پھر داد شباب پر ہے اور اسی انداز دلربائی سے فرما رہے ہیں ؎

کبھی کبھی تو بہت انتظار رہتا ہے !
ایک ایسے شخص کا جو مجھ کو جانتا بھی نہیں

منظور صاحب نہایت شاداں پلٹ رہے ہیں اور زکی بلند شہری نے ایک طویل نظم ایک لمحہ سنائی جو خوب خوب سنی گئی اور ساتھ ہی سردار چرن سنگھ جی اکمل کیس آ شہر نے ایک طویل نظم میخانہ سنائی آپ ہر سال یہی نظم سناتے ہیں یا تو آپ کے پاس اور نظم ہے ہی نہیں یا پھر آپ کو یہی نظم زیادہ پسند ہے بہر حال آپ کو بھی خوب خوب سنا گیا اور اب پھر اسی

غزل کے رنگین ماحول میں چلئے اور اب سنئے شمیم جے پوری سے یہ حسین غزل ؎

ہر ایک لمحۂ شب غم ہے کیا کیا جائے ۔ امیدِ صبح بہت کم ہے کیا کیا جائے
وہ ناشناسِ محبت ہے جانتا ہوں مگر ۔ یہ دل خلوصِ محبت ہے کیا کیا جائے
سمو لئے ہیں زمانے کے غم تبسم میں ۔ زمانہ اس پہ بھی برہم ہے کیا کیا جائے
گناہگارِ محبت سہی مگر یارو
گناہ فطرتِ آدم ہے کیا کیا جائے

اس شعر پر داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ اسی دلکشی سے محفل کو لوٹنے کی ٹھان رہے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے ؎

سخت ہے عشق کی رہگذر ۔ چلنے والے ذرا دیکھ کر
رہروِ غم کا زادِ سفر ۔ سوزِ غم۔ شفتگی چشمِ تر
رہزن ۔ رہنما۔ ہمسفر ۔ الحفیظ والاماں۔ الحذر

داد شباب پر ہے اور آپ لہرا رہے ہیں ؎

اک نظر کے لئے ساری عمر ۔ عمر بھر کیجئے اِک نظر
وہ پکاریں تو ہم کو شمیم ۔ دیکھ لینا ہمیں دار پر

شمیم صاحب محفل کو معطر بنا کر تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اور آپ عالم فتحپوری تالیوں کی جھنکار میں آکر نہایت جذباتی اور پروقار انداز سے فرما رہے ہیں ؎

یہ دَور ایک جہنم کدا لگے ہے مجھے ۔ ہر ایک لمحہ سلگتا ہوا لگے ہے مجھے
غموں نے شکل بدل دی ہے اس قدر میری ۔ کہ آئینہ میں کوئی دوسرا لگے ہے مجھے
مری نظر میں ہے انجام خندۂ گل کا ۔ کوئی ہنسے ہے تو روتا ہوا لگے ہے مجھے
خلوص جرم۔ محبت گناہ ہے عالم
کوئی یہ کان میں کہتا ہوا لگے ہے مجھے

عالم صاحب داد تو ہر حال میں لوٹ ہی لیتے ہیں۔ آپ ایک طویل نظم سنا کر چلتے بنے اور نذیر بنارسی آئے گھنگور گرج کے ساتھ رواں دواں رباعیات اور ایک نظم فرقہ پرستی سنا کر یہ جا اور وہ جا۔ اور میں آپ کا منہ تکتا رہ گیا۔ آئیے پھر ایک حسین غزل مختار [illegible] سے سنئے ؎

وہ ہمیں جس قدر آزماتے رہے ۔ اپنی ہی مشکلوں کو بڑھاتے رہے
ہم بجز [illegible] ان سے کچھ [illegible] ۔ بیتے لمحوں کی لاشیں اٹھاتے رہے

داد ہے کہ کچھ سنائی نہیں دیتا۔ کئی بار دہرا کر آپ محفل کو مخمور بنا رہے ہیں ؎

کر لیا سب نے ہم سے کنارا ۔ ایک ناصح غریب آتے جاتے رہے

مختار صاحب داد لوٹتے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور آپ کے ساتھ ہی اس محفلِ شعر و سخن کا پہلا دور ختم ہو رہا ہے دوسرے دور میں دو ایک شاعر تھے اور کئی شعراء کو ہنسی مذاق میں اڑا دیا گیا ادھر سحری کا وقت قریب ہے لہذا مشاعرہ ختم کرایا جا رہا ہے۔

یہ مشاعرہ محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کا ایک جزو بھی تھا آپ ایمان سے کہئے کتنے شعراء نے اس موضوع سے اتفاق فرمایا؟ سوال تو یہ ہے کہ آنے والے شعراء کو بتلایا بھی گیا تھا کہ کس موضوع پر کچھ پڑھنا ہوگا غالباً ایسا نہیں بتلایا گیا۔ اس مشاعرہ کا ایک دلچسپ اور تکلیف دہ پہلو یہ بھی ہے کہ مشاعرہ کے بعد علاوہ دو ایک شعراء کے کسی بھی شاعر کو منتظمین مشاعرہ نے پوچھا تک نہیں کہ وہ کس حال میں اور کہاں ہیں حالانکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ مشاعرہ کے بعد ذرا دیر کے لئے اگر شعراء کے پاس میونسپلٹی کے ایک کمرہ میں کچھ آئے وہ جناب حقیقت [illegible] صاحب تھے اور جب شعراء نے اپنے مطالبات کا تقاضا شروع کیا کیونکہ کئی حضرات کو علی الصبح ہی ٹرین سے لکھنؤ جانا تھا۔ پینے سیمابی صاحب یہ کہتے رہے کہ رضوان صاحب کنوینر مشاعرہ ہذا کو گاڑی لینے کے لئے گئی ہے اور پھر یہ کہہ کر خود نو دو گیارہ ہو گئے کہ میں انکو جا کر دیکھتا ہوں اب شعراء بے یار و مددگار بے بسی کے عالم میں تھے کئی شعراء نے روزہ رکھنا تھا انھوں نے ہوٹلوں میں جا کر کھانا کھایا اور اسی وقت شمع زیدی و پروین زیدی خدا ان کا بھلا کرے لاغر اور دل کے مریض [illegible] صاحب کو جو سو رہے تھے اٹھا لائیں انھوں نے آکر فرمایا کہ میں [illegible] دے چکا ہوں تعجب ہے کہ ابتک آپ لوگوں کو رقم نہیں دی گئی یہ کیسے بدنام کیا جا رہا تھا اور وہ بھی حقیقت صاحب کی تلاش میں [illegible] گئے انکو کنوینر بنانا ہی ان کے ساتھ زیادتی تھی اس لئے کہ یہ دل کے مریض اور چلنے پھرنے سے معذور ہیں اس کے بعد شمع و پروین نے ہمت کی اور راز مختار علی خاں صاحب کو بلوا لائیں۔ انھوں نے نہایت شرافت اور میزبانی کا ثبوت دیا جن شعراء کا روزہ نہیں تھا فوراً ہی ان کو ناشتہ کرایا اور پھر مشاعرہ کے ارکان کو بلوایا گیا اس طرح صبح کی [illegible] اور شام تک کئی شعراء کو ٹھہرنا پڑا۔ یہ سراسر زیادتی اور ناانصافی تھی ایک موڑ پر آیا کہ اب فلاں صاحب تو ہیں اور فلاں صاحب نہیں ہیں لہذا اسی طرح کنوینر سے لیکر خزانچی تک دوپہر تک آئے اور خدا خدا کرکے شعراء کے مطالبات پورے کئے گئے۔ آج دوپہر کو بھی میونسپل بورڈ میں ایک

سروش ہزاری الہ آباد

غالب اپنے طنز و مزاح کے آئینہ میں

مرزا غالب کے یہاں ایک روز دوپہر کا کھانا آیا اور مہمانوں کے لئے دسترخوان بچھایا گیا۔ مہمان کچھ زیادہ نہیں تھے۔ مگر ان کے لحاظ سے برتن بہت زیادہ تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ برتنوں کے مقابلہ میں کھانے کی مقدار بہت قلیل تھی۔ مہمان ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے مرزا نے یہ بات بھانپ لی اور مسکرا کر کہا....

اگر برتنوں کی کثرت کا خیال کیجئے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے اور کھانے کی مقدار کو دیکھئے تو بایزید کا

ایک دن اتفاق سے رمضان کے مہینے میں مرزا صاحب لو دھوپ سے بچنے کے لئے ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بیٹھے کسی کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے کہ مفتی صدر الدین آزردہ دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے چلے آئے۔ مرزا کو اس طرح رمضان کے مہینے میں شطرنج کھیلتے دیکھ کر مفتی صاحب نے کہا....

"مرزا صاحب ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید ہوتا ہے۔ مگر آج اس حدیث کی صحت میں کچھ شبہ سا ہو رہا ہے"

"قبلہ حدیث بالکل صحیح ہے مگر بات یہ ہے کہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھری ہے"

ایک مرتبہ کسی صاحب نے مرزا غالب کے سامنے شراب کی بے انتہا مذمت کی۔ مرزا صاحب دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہے اور جب دیر ہو گیا تو ان صاحب سے پوچھا

"آخر شراب میں ایسی کون سی برائی ہے؟"

وہ صاحب بولے۔ "حضرت سب سے پہلی برائی تو یہی ہے کہ شرابی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔"

یہ سن کر مرزا نے کہا۔ ذرا یہ تو بتایئے کہ جس کے پاس شراب ہو پھر اس کمبخت کو اور کون سی دعا کی ضرورت ہے۔

ایک دن کسی محفل میں شعر و سخن کا ذکر آیا تو مرزا غالب نے مولوی امام بخش صہبائی سے کہا

مولانا! آپ نے کیا عجیب و غریب تخلص رکھا ہے عمر بھر میں ایک چلو بھی پینا نصیب نہیں ہوئی اور صہبائی تخلص رکھا ہے سبحان اللہ قربان جایئے اس اتقا کے اور صدقے جایئے اس تخلص کے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی اور مرزا غالب کے بڑے گہرے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ مولانا کی عادت تھی کہ جب ان سے ان کا بے تکلف دوست ملنے آتا تو جوش محبت میں خلاق باری کا ایک مصرع پڑھا کرتے تھے

ایک دن مرزا غالب مولانا سے ملنے گئے چنانچہ حسب عادت مولانا نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا

بیا برادر، آؤ رے بھائی

اور مرزا کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ مرزا تو منہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں مولانا کی منکوحہ بھی دالان سے اٹھ کر آئی اور مرزا کے پاس بیٹھ گئی تو مرزا نے شوخی سے مولانا سے مخاطب ہو کر کہا

ہاں مولانا! اب دوسرا مصرعہ بھی فرما دیجئے

بنشیں مادر، بیٹھ ری مائی۔

یہ سن کر مولانا جھینپ گئے۔

بھوپال کے ایک صاحب دلی سیر کی غرض سے تشریف لائے اور مرزا غالب سے ملے مرزا بھی حسب معمول خوش اخلاقی سے ان کے ساتھ پیش آئے۔ ایک دن یہ صاحب مرزا سے ملنے اس وقت آگئے جب مرزا کے شغل جام و مے کا وقت تھا چنانچہ معمول کے مطابق شراب کا شیشہ اور گلاس سامنے رکھا تھا صاحب موصوف کو یہ خبر کہاں تھی کہ مرزا غالب کو یہ شوق بھی ہے۔ اتفاقاً انھوں نے باتوں باتوں میں

شراب کا شیشہ ہاتھ میں اٹھالیا تو قریب ہی بیٹھے ہوئے کسی آدمی نے کہا

جناب یہ شراب ہے۔"

یہ سنتے ہی ان بھوپالی صاحب نے جھٹ سے شراب کا شیشہ رکھ دیا اور بولے۔ میں نے تو اسے اپنے مشروب کے دھوکے میں اٹھالیا تھا۔"

یہ سن کر مرزا صاحب نے کہا

زہے نصیب دھوکے دھوکے میں نجات ہوگئی۔ سارا مسکرا دیا۔

مرزا کے کسی عقیدت مند نے ایک بار انہیں عمدہ عمدہ آموں کا ایک ٹوکرا بطور تحفہ بھیجا۔ مرزا وہ ٹوکرا کھولنے لگے تو کسی نے کہا۔ یقیناً ان میں شراب ہوگی۔"

ٹوکرا اس عرصہ میں کھل چکا تھا۔ غالب نے اسے دیکھ کر فرمایا

جی نہیں یہ لطف خاص نہیں۔ فیض عام ہے۔"

ایک دن نواب کلب علی خاں صاحب لفٹننٹ گورنر سے ملنے بریلی جا رہے تھے۔ روانگی کے وقت جہاں اور بہت سے لوگ تھے مرزا غالب بھی موجود تھے۔ مرزا غالب سے رخصت ہوتے ہوئے رسماً نواب کلب علی خاں صاحب نے کہا

اچھا مرزا صاحب آپ کو خدا کو سونپا۔

مرزا صاحب نے کہا۔ حضور غضب ہے"

نواب صاحب نے کہا۔ کیوں؟

خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا تھا۔ آپ پھر خدا کے سپرد کئے دیتے ہیں۔ مرزا نے متانت سے کہا۔

بقیہ صفحہ ۱۳

مشاعرہ کا اعلان تھا لہٰذا شعراء کو اس طرح پریشان کر کے روکا گیا جو سب نے بُرا منایا اگر اس مشاعرہ میں ان سب کو شریک ہی کرنا تھا تو ان سے درخواست کرتے یہ طریقہ نہایت تکلیف دہ تھا میں کہہ نہیں سکتا کہ کتنے شعراء نے اس مشاعرہ میں شرکت کی ہوگی۔ کیونکہ لکھنؤ وغیرہ کے شعراء تو اپنا سامان اٹھا کر ریسیپشن کمیٹی کے لئے اسٹیشن چلے گئے تھے اب رہ گئے مقامی شعراء حضرات تو اس مشاعرہ میں پڑھنے کیلئے بے چین نظر آ رہے تھے۔ رات کے مشاعرے میں بھی مقامی حضرات کو نہیں پڑھوایا گیا یہاں پر ظلم ہی تو تھا نہ جانے کتنے شعراء نے ہفتوں پہلے اپنے کلام کے پڑھنے کی ریہرسل کی ہوگی اور عین مشاعرہ کے وقت اعلان کر دیا گیا کہ مقامی شاعر نہیں پڑھ سکیں گے۔ اب اس اعلان پر ان پر کیا گذری ہوگی اس کا صحیح اندازہ شعراء کرام ہی کر سکتے ہیں۔ بہرحال مجھے تو مظلوم اور بے بس شعراء سے ہمدردی ہے اور میں انکے حق میں آواز حق بلند کر سکتا ہوں کیونکہ حق بات کا اظہار کوئی جرم نہیں ہے

غزل

بلدیو سنگھ عاجز

تری جستجو میں جو خود کھو نہ جائیں
نشاں تیرا پائیں تو کیونکر وہ پائیں

یہ کالی گھٹائیں یہ ٹھنڈی ہوائیں
ترے ہجر میں راس کیا مجھ کو آئیں

مرے گھر میں تشریف لاتے نہیں ہو
مری یاد میں کیوں وہ دل تک آئیں

فراموش ہوگی نہ اہل جہاں سے
ہماری وفائیں۔ تمہاری جفائیں

کسی کو میسر نہیں تاب جلوہ
وہ جلوے دکھائیں تو کس کو دکھائیں

یہ تخصیص تیرے ہی جلووں نے دیکھی
چھپے بھی نہ لیکن نظر بھی نہ آئیں

وفاؤں کی حسرت ہو کیوں مجھ کو تم سے
ہرا دے رہی ہیں کسی کی جفائیں

نظم

ڈاکٹر کے منا جگلو

میں تدبیرِ انساں ، میں تقدیرِ انساں | کہیں برقِ سوزاں کہیں ابرِ باراں
کسی کے جنوں کا میں چاکِ گریباں | کسی کے میں ہوش و خرد کا نگہباں

"یہ سب روپ میرے ہیں بہروپیا ہوں
ذرا مجھ کو دیکھو میں کس کی ادا ہوں

میں قطرہ میں دریا، میں دریا میں قطرہ | میں ذرہ میں عالم، میں عالم میں ذرہ
یہی سوچتا ہوں میں، رب ہوں کہ بندہ | یہاں میرا جلوہ، وہاں میرا جلوہ

میں خود پر فدا ہوں، میں خود پر ہوں نازاں
ذرا مجھ کو دیکھو میں کس کی ادا ہوں

حقیقت میں مجھ نما ہے مرا دل | خود آئینہ خود آئینہ کے مقابل
ادھر سب میں شامل ادھر حق سے واصل | میں دونوں حقائق کا ہوں ایک حاصل

کہاں دوسرا ہوں، پرانا نیا ہوں
ذرا مجھ کو دیکھو میں کس کی ادا ہوں

گماں بھی نہیں ہوں یقیں بھی نہیں ہوں | "میں ہوں" بھی نہیں ہوں "نہیں" بھی نہیں ہوں
میں در پردہ پردہ نشیں بھی نہیں ہوں | میں ہوں جا بجا اور کہیں بھی نہیں ہوں

فنا کو بقا کا تماشا نما ہوں
ذرا مجھ کو دیکھو میں کس کی ادا ہوں

مجھے آج کس کی نمایندگی ہے | جنوں پر فدا! میری فرزانگی ہے
مری زندگی بھی عجب زندگی ہے | نہ دل ہے نہ جاں ہے نہ پایندگی ہے

میں کس کا نشاں ہوں میں کس کا پتا ہوں
ذرا مجھ کو دیکھو میں کس کی ادا ہوں

میں شیخِ حرم، دیر کا برہمن بھی | صدائے انا الحق بھی دار و رسن بھی
میں توفیق، توبہ بھی، توبہ شکن بھی | میں جانِ حقیقت بھی بے جان تن بھی

میں مجموعۂ خیر و شر بن گیا ہوں
ذرا دیکھو منظر میں کس کی ادا ہوں

غزل

سید مرتضیٰ نوشتر

میں چل رہا ہوں سفر میں، تنہا مرا کوئی ہمسفر نہیں ہے
اگر سلامت ہے [illegible] فکر مجھے کسی سے بھی ڈر نہیں ہے

چھٹے کی غم کی ضرور ظلمت طے گی تسکینِ دل کی صورت
نہ خوف کھاؤ ہجومِ غم سے کسی کو غم سے مفر نہیں ہے

جہاں میں پیہم سہے مصائب کہ لی سکے دردمند کوئی
ملے مجھے سب حرص کے بندے مرا کوئی چارہ گر نہیں ہے

مری نظر سے گزر چکے ہیں یہاں نشیب و فراز کتنے
وہ راز مجھ پر عیاں ہوئے ہیں کسی کو جن کی خبر نہیں ہے

بجھا یا جس سے بھی ربط میں نے چبھوئے دل پر کئی نے نشتر
بھروسا کس پر کروں نہیں ہے [illegible] نہیں ہے

غزل

متین بدایونی

یہ کہہ دو اہلِ محبت سے کارواں نہ رکے
تپش وفا کی بڑھے سوزشِ نہاں نہ رکے

چمن سنورتا جائے جو باغباں نہ رکے
تو ایک پل کو بھی گلزار میں خزاں نہ رکے

کرم کا چشمہ ہمیشہ رہے رواں نہ رکے
تو آپ کی مدح میں تا حشر یہ زباں نہ رکے

یہ اہلِ دل کا سفینہ ہے کیا خبر اس کو
کہاں قیام کرے راہ میں کہاں نہ رکے

دیئے دلوں کے جلاؤ بلند عزم کرو
اندھیری شب میں بھی تعمیرِ آشیاں نہ رکے

اگر ہو منزلِ مقصود لامکاں اپنی
نظر کے سامنے پھر کوئی بھی مکاں نہ رکے

ہیں شرطِ عشق خلوص و وفا و جانبازی
ہمارے حق میں کسی دن یہ امتحاں نہ رکے

لگی ہے آگ اگر روشنی بڑھانے کو
تو جل ہی جائے متین اپنا آشیاں نہ رکے

غزل

ہوش نعمانی

پانی بہتا ہے تو دریا کا خدا ہوتا ہے
جب ٹھہرتا ہے تو سورج کی غذا ہوتا ہے

سخت الفاظ کے پتھر مرے دل پر نہ چلا
آئینہ ٹوٹتا اے دوست برا ہوتا ہے

وہ کسی زلف کی ٹھنڈک میں نہ پائیگا سکوں
جو تری گرم نگاہوں کا جلا ہوتا ہے

خود کو چن لیتا ہوں جب پاس کوئی یار نہیں
میرا ماحول بہت مجھ سے خفا ہوتا ہے

اشک جو آنکھوں میں آتے ہیں وہ پی لیتا ہوں
زندگی کیلئے یہ زہر دوا ہوتا ہے

اجنبیت کی صعوبت سے نہ گھبرا اے دوست
پیار کی راہ میں دل رہنما ہوتا ہے

کیوں مجھے دیکھ کے اٹھتی ہیں نگاہیں مجھ پر
کیا ترے رخ پہ مرا نام لکھا ہوتا ہے

ڈوب جاتے ہیں وہ آسودۂ کشتی اے ہوش
جن کو طوفاں کی آمد کا پتا ہوتا ہے

غزل

نبیل سعدی۔ سیادہ

وہ جب سرگرمِ عشقِ ناز ہونگے
کرشمے۔ شعبدے۔ اعجاز ہونگے

حقیقت کھول کر رکھ دے گی شبنم
اگر گل پردہ دارِ راز ہونگے

حوادث آفریں خود ہیں ہوائیں جب پر
حوادث کیا اثر انداز ہونگے!

صلائے کوچۂ جاناں مبارک!
وہاں کچھ اور بھی جانباز ہونگے

سرِ فہرست ہوگا نام اپنا
جہاں بھی ہونگے ہم ممتاز ہونگے

کریں گے کیا وفا اہلِ سیاست؟
یہ جادوگر زمانہ ساز ہونگے

جو ہم حق و صداقت پر ہیں قائم
یقیناً لوگ ہم آواز ہونگے

جو خالِ رخ پہ دو۔ دو شہر بخشیں
وہ بیدل حافظِ شیراز ہونگے

غزل

مجیب بستوی

وہ تو آئیں گے کیا بلانے سے
دل پہ لگتے ہیں تازیانے سے

کیا کہیں آج کے احبا کو
باز آتے نہیں ستانے سے

دولتِ شاعری ملی ہم کو
ایک شاعر کے دوستانے سے

بات دل کی ہے آج تک دل میں
اور ملتا بھی کیا زمانے سے

مجھ کو برقِ بلا بتا تو سہی
کیا ملا آشیاں جلانے سے

جلوۂ کوہِ طور کی تابش
مل گئی اُن کے مسکرانے سے

دل کی دنیا مجیب بھی کیا ہے
چین ملتا نہیں زمانے سے

غزل

انوار الحق انور بہاری

اُف کتنی کڑی دھوپ ہے سایا نہیں کرتے
کچھ اہلِ خرد غم کا مداوا نہیں کرتے

خود کھنچ کے کبھی ایک درد چلا آتا ہے دل میں
ہم درد کو دل میں کبھی پیدا نہیں کرتے

انداز ستم کا ہو، تغافل کی ادا ہو
دیوانے کسی بات کی پروا نہیں کرتے

پردے میں رہیں آپ بڑے شوق سے لیکن
کیا اہلِ نظر آپ کا جلوا نہیں کرتے

افسوس ہے پہلے کی طرح اپنے کرم کو
انور وہ مرے حال پہ کیا کیا نہیں کرتے

اپنی باتیں......

سید قمر حمید

لکھینہ کے ایک متمول گھرانے میں ۱۵ر نومبر ۴۳ء کو پیدا ہوا۔ والد مرحوم مولوی محمد سعید صاحب ایک وکیل تھے۔ اُردو اور خاص کر اُردو شاعری خاندان کی کنیز رہی ہے۔ جدِ امجد مولوی میاں جان محمد مرحوم سے لے کر سب سے چھوٹے چچا خواجہ معین الدین دردؔ تک شاعری مرکزِ توجہ رہی ہے۔

تعلیم کا سلسلہ کالج کے حدود تک رہا ہے۔ یعنی بی۔ اے اُردو کے امتیازی پرچے کے ساتھ کیا ہے پھر جامعہ علی گڑھ سے "ادیب کامل" کے امتحانات میں امتیازی درجہ سے کامیابی حاصل کی۔ شاعری وجہ سرور ہے۔ جدید غزل کہنا محبوب ترین شغل ہے۔ نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں نہ نام و نمود کی ہوس ہے۔

پیشہ انشیورنس کا ہے۔ ابھی کئی ابتدائی مدارج طے کر کے اسسٹنٹ برانچ منیجر ہوں۔ فی الحال رانچی میں قیام ہے۔

میری زندگی بڑی سادہ ہے مگر دل پر کئی صدموں کے داغ ہیں جو خوبصورت بھی ہیں اور وجہ اضطراب بھی۔

نمونۂ کلام کے طور پر دو غزلیں ملاحظہ فرمایئے۔

غزل

مجھے تو اور بھی اب پائمال ہونا ہے
خوشی کی ریت پہ غم سے نڈھال ہونا ہے

مجھے تو ڈس گئے تقدیر کے یہ کالے حروف
لکھا ہے جو وہی اپنا مآل ہونا ہے

زمیں پہ ٹوٹ کے جو آئینہ ہے بکھرا ہوا
ہر ایک ٹکڑے کو خود بے مثال ہونا ہے

چمکتی ریت پہ اپنی انا کے سائے میں
یہ آنکھیں بند کئے بے خیال ہونا ہے

یہ بے حسی کا زمانہ یہ بے یقیں ماحول
جو حال اپنا ہے وہ سب کا حال ہونا ہے

اب اپنے پاس بچے ہیں گلاب نغموں کے
ہمیں خوشی سے اسی پر نہال ہونا ہے

قدم قدم پہ میں ٹوٹا ہوں اس طرح کہ قمرؔ
زبان ظہر پہ ٹیڑھا سا سوال ہونا ہے

غزل

ندی کنارے جو پیکر دکھائی دیتا ہے
وہی تو خواب میں [illegible]

ذرا سنبھل کے چلو شیشے کا بدن لے کر
یہیں قریب ہی [illegible]

مری نگاہ کی سرحد سے بھی بہت آگے
ملال و یاس کا [illegible]

بڑا مہیب سا صحرا کہ دوپہر کی طرح
تمہارے شہر کا منظر [illegible]

جو میری فکر کا اڑتا ہوا کبوتر ہے
مجھے تو چاند سا [illegible]

مجھے تو کتنے ہی سورج سے لگے جلتا ہے
ابھی سے [illegible]

قلم سے اتنے تراشے حروف کے اصنام
مجھے یہ شیشہ [illegible]

قمرؔ قریب سے دیکھو خیال کا پیکر
حقیقتوں سے بھی بہتر دکھائی دیتا ہے

متفرق اشعار

دریاؤں کے ظلم کی بھولی جو کہانی تھی
اب ریت کے [illegible]

بھیگی ہوئی پلکوں کا کچھ زادِ سفر دیجے
رخصت ہو ابھی آنا [illegible]

دل خواب میں تو شیشے کا پیکر بنا ہے
پلکوں سے چھوتے ہی [illegible]

چند لمحہ بھر کی خوشبو نگوشی میں گوندھ کر
[illegible]

میرے احساس میں ہے چاندنی [illegible]
میرے افکار میں [illegible]

کوئی صورت کوئی عنواں کوئی پہلو [illegible]
زندگی ہی [illegible]

اب تو الفاظ کے [illegible] ٹوٹ چکا
[illegible]

نثار گورکھپوری

ضلع گورکھپور کے شمال میں ایک موضع بیروا چندن پور ہے جہاں سے نیپال کا بارڈر صرف دس میل ہے وہیں ایک زمیندار گھرانے میں اسوقت پیدا ہوا جب زمینداری اپنا وجود کھو چکی تھی صرف زمیندار کا وقار بچا ہے جو ہنوز قائم ہے فارغ البالی ورثہ میں ملی ہے اللہ کا شکر ہے کہ آج بھی فکرِ معاش ہے نہ غمِ روزگار ہے ناول پڑھنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔ علمی ادبی کتابیں بھی زیرِ مطالعہ رہتی ہیں جو شاعری کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ میرے ماموں محمد یوسف جامعہ ملیہ دہلی میں لکچرار ہیں انھیں کی فرمائش پر صرف "پیامِ تعلیم" کے بچوں کے لئے لکھتا رہا ہوں۔ نیز ایک رسالہ "نورونار" میں بھی میرا کلام شائع ہونے لگا ہے۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے ہے لیکن صحیح طرح اسے پھلنے پھولنے کا موقع نصیب نہ ہو سکا میری دنیوی تعلیم بس واجبی ہے۔ درسِ نظامیہ کی تکمیل ایک نامور ادارے سے کر چکا ہوں۔ زمینداری پیشے کی آئینہ دار ہے۔ رہ گئی عمر تو شاعری کے لحاظ سے ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ مشورۂ سخن ایسے شخص سے کرتا ہوں جو شاعر کی حیثیت سے منظرِ عام پر آنا نہیں چاہتا حالانکہ اچھی حیثیت کے ادیب و شاعر وقت پڑنے پر ان سے مشورہ لیتے ہیں۔

نمونۂ کلام پیش خدمت ہے :-

غزل

فطرت کا رنگ گل میں بہار چمن میں ہے
تیری حیا میں ہے مرے دیوانہ پن میں ہے

جو بات تیرے حسن ترے بانکپن میں ہے
حسن تمام ہستیِ خاور فلک میں ہے

حق جس نے بھی کہا وہی منصور بن گیا
اس کا مقام منزلِ دار و رسن میں ہے

میرا کلام خلوص کا آئینہ دار ہے
جو کچھ ہے میرے ذہن میں فکر و فن میں ہے

پھولوں کا رنگ شفق چاندنی ہے مات
اتنا جمال اس کے بدن کی شکن میں ہے

انسانیت ہے تام محبت کا اے نثار
کیا پیرہنِ گل میں ہے کیا گلبدن میں ہے

برسات

ہے سُرور افروز ہر دن پُر فضا ہر رات ہے
دوستو خوشیاں مناؤ آج کل برسات ہے

ہر طرف پھیلا ہوا ہے خوب نظاروں کا جال
اور نظاروں کی مظہر اک خدا کی ذات ہے

لال پیلے اودے نیلے پھول ہیں زیبِ چمن
ہر طرف رنگینیوں کی آج کل بہتات ہے

حور و غلماں کی ہے محفل سبزہ و شوخی ہے بزم
اس جہانِ رنگ کے آگے پرستاں مات ہے

سازِ جھرنوں کا ترنم ریز ندیوں کا ہے رقص
جھومتی ہیں وادیاں وہ عالمِ جذبات ہے

پاؤں میں پھولوں کے گجرے سر پہ ہے کالی گھٹا
ایسے دلکش آنچلوں میں شوخیِ جذبات ہے

چھوٹ میں یہ جامنیں ہیں اور بھٹے ہیں مگر
آم وہ میوہ ہے جو برسات کی سوغات ہے

دل ترا ایشا ش ہے کیوں آجکل برسات میں
اے نثارِ بے نوا ایسی بھلا کیا بات ہے

غزل

غبارِ کارواں ہے اور میں ہوں
مرا عزمِ جواں ہے اور میں ہوں

خیالِ یار میں کھویا ہوا ہوں
بڑا اچھا سماں ہے اور میں ہوں

حقیقت ہے کہ جیتا ہوں جبھی تک
کسی کا آستاں ہے اور میں ہوں

جنازہ اٹھ چکا انسانیت کا
فریبِ آسماں ہے اور میں ہوں

بہار آئی ہے لگ کے تو پر ملو
گلستاں جواں ہے اور میں ہوں

خوشی ہی اور کس سے ہنس کے باتیں
مری بیداریِ زنداں ہے اور میں ہوں

خدا ہی ہے فطرت ... نکہ
چمن کا باغباں ہے اور میں ہوں

نثار بے نوا یہ دور تو ہے
مرا ذوقِ فغاں ہے اور میں ہوں

سراج انور مصطفےٰ آبادی

دکن کے علاقے میں ضلع جلگاؤں اپنی تاریخی و جغرافیائی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اُردو کے اہم مراکز سے دور ہوتے ہوئے بھی خاندیس کے اس علاقہ میں شعراء نے اپنے خونِ جگر سے گلشنِ ادب کی آبیاری کی ہے اسی ضلع جلگاؤں کی ایک تحصیل پرولہ جسے مصطفےٰ آباد بھی کہا جاتا ہے میرا وطن ہے۔ اسی سرزمین پر یکم جولائی ۱۹۴۴ء میں میرا جنم ہوا۔ والدین نے سراج الدین نام رکھا مگر طالبِ علمی کے زمانے ہی سے سراج انور کے نام سے پکارا جانے لگا بعد ازیں ادبی دنیا میں بھی سراج انور مصطفےٰ آبادی کے نام سے شہرت ہوئی۔

حصولِ تعلیم کے بعد ضلع جلگاؤں کے مشہور صنعتی شہر املنیر میں اُردو پرائمری اسکول میں مدرّس کی حیثیت سے ملازمت کر لی مطالعہ کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ تعلیمی ماحول نے اس پر جلا کر دی۔ نظم و غزل کے علاوہ مضامین اور کہانیاں لکھنے کا بھی شوق رہا اس سلسلہ میں ابتدا میں روزنامہ "اُردو ٹائمز" نے بہت حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس اخبار کے "علمی ادبی صفحہ" اور "بچوں کی دنیا" میں متعدد تخلیقات نظم و نثر شائع ہوئیں۔ اس کے بعد ممبئی اور دہلی کے متعدد ماہناموں میں کلام شائع ہوتا رہا۔

میں ابتدا ہی سے علامہ اقبال کے کلام سے متاثر ہوں۔ نثر میں کرشن چندر۔ خواجہ احمد عباس۔ رام لال اور حامدی کاشمیری صاحب کے افسانے مجھے پسند ہیں۔ ادب کو آئینہ زندگی سمجھتا ہوں شاعری میں مولانا ابر احسنی گنوری مرحوم میرے استاد تھے۔ میں آج کی جدید شاعری کے خلاف نہیں۔ مگر ان کے جنسیاتی رجحان کو پسند نہیں کرتا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

غزل

زندگی میں جس کی پرسش کو نہیں آتے مگر
لاش اُسی کے دوش پر اٹھا لیتے ہیں لوگ

یوں تو کانٹوں سے بھرا ہے اب بھی صحرائے حیات
مسکرا کے اس کو بھی گلشن بنا لیتے ہیں لوگ

وقت پڑتا ہے تو بڑھ جاتا ہے ان کا حوصلہ
ہنستے ہنستے زندگی کا غم اٹھا لیتے ہیں لوگ

گرتے پڑتے جانبِ منزل بڑھے جاتے ہیں یہ
گردشِ دوراں تباہی سے کیا ترا لیتے ہیں لوگ

آپ محفل میں مری جانب نہ دیکھیں بار بار
چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی افسانہ بنا لیتے ہیں لوگ

کون ہے شہرِ ستم میں جاننے والا اسے
کس لئے انور یہاں نام و نشاں لیتے ہیں لوگ

غزل

سامنے رکھ کر تری تصویر ہم
کر رہے ہیں حسن کی تفسیر ہم

قوتِ تخریب ہے گرمِ عمل
لے کے اٹھیں جذبۂ تعمیر ہم

واقعہ یہ ہے کہ وہ بھی خواب تھا
جس کو سمجھے خواب کی تعبیر ہم

خوں فشاں ہے ہر کرن خورشید کی
کیسے کہہ دیں صبح کی تنویر ہم

شعر کو دیتے ہیں آہنگِ حیات
کھینچ کر جذبات کی تصویر ہم

اور دیتے ہیں جنوں کو حوصلہ
سن کے شورِ حلقۂ زنجیر ہم

زندگی شہرِ تمنا سے نہ جا
ہیں ابھی تو تیرے دامنگیر ہم

فکر میں انور ہے عکسِ زندگی
ہم ہیں جیتی جاگتی تصویر ہم

غزل

ایسے عجیب موڑ تری بات میں رہے
جیسے کوئی ضعیف کسی گھات میں رہے

ملنے کو مجھ سے آئے ہو تم جس تپاک سے
ہر بار یہ خلوص ملاقات میں رہے

مشتاقِ حالِ دوست کی کرتی ہے جی کا کام
کوئی حرم میں کوئی خرابات میں رہے

لازم ہے فکر و فن میں بھی جدت طرازیاں
ہو کر اسیر کون روایات میں رہے

ساقی کا احترام نہ ہو کس انور مری طرح
سا سا نہ کوئی بھی بھری برسات میں رہے

شفیع دلگیر

میرا نام شیخ محمد شفیع والد صاحب کا نام شیخ غلام نبی ہے ۱۹۵۴ء میں سرینگر کے ایک محلہ چھتوارہ میں ایک غریب گھرانے میں روشن ہوا۔ علم و ادب کی روشنی ہمارے خاندان میں برائے نام تھی پھر بھی ہم اس سے کوسوں دُور تھے۔ چونکہ اپنے خاندان کا میں ایک ہی "تارا" تھا اس لئے مجھے گھر کے سبھی افراد لاڈ پیار سے پرورش کرتے تھے۔ دوستوں نے میرا تخلص دلگیر رکھا۔

میرے والدین کی خواہش پر پڑھائی کرکے میں ایک بہت بڑا افسر بنوں لیکن قسمت کو یہ منظور نہ تھا اور ان کی دلی تمنا پوری نہ ہو سکی۔ اس لئے میری تعلیم صرف میٹرک تک ہی محدود رہی ابتدائی تعلیم ایک اسلامیہ مڈل اسکول میں ہوئی۔ بعد میں ہائی اسکول کا داخلہ لیا۔ مجھے شاعری کا شوق کب پیدا ہوا اس علمیت سے میں بالکل کورا رہا ہوں۔ ہاں البتہ بچپن میں شیخ احمد شیخ کے یہاں اسکول کے کام سے فارغ ہوتے ہی اُن کے پاس جاتا۔ وہ کشمیری شاعر گذرے ہیں۔ ان صاحب نے ایک دو اُردو فارسی میں غزل کہی ہیں باقی کشمیری میں مجھے بچپن سے ہی اُن کی ایک غزل اُردو کی پسند آئی جس سے مجھے اُردو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ میں اب معمولی طور پر اُردو میں شعر کہنے لگا ہوں مگر اصلاح طلب ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی شانِ ہند میں آپ میرا اصلاح شدہ کلام پڑھینگے۔

بقیہ بھنور صفحہ ۴۳

ہوں میرے اطراف ڈاکٹر اور نرسیں کا ہجوم ہے۔ آکسیجن کی نالی سے گیس کھینچنے میں بھی تکلیف ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر نے ایک انجکشن لگایا اور سوئی خون سے بھری ہوئی باہر آئی بالکل ایسا لگتا ہو کہ جیسے کسی نے میری مانگ سے خون کی ریکھا کھینچ لی ہو۔ ڈاکٹر خون چڑھانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ گلوکوز کی بوتل سے قطرہ قطرہ گلوکوز ایسے گر رہا ہے جیسے مظلوم کی آنکھ سے آنسو لمحہ لمحہ منجمد ہو رہا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہو۔

آنکھ کے سامنے کئی رنگ کے ہالے بن رہے ہیں اُن سب میں سیاہ رنگ میرے وجود پر چھانے لگا ہے۔ آہ! سینے میں یہ کیسا درد اٹھا ہے گھٹن... دماغ بوجھل سا کیوں لگنے لگا ہے۔ آج... آج مجھے کیا ہو گیا میں تو تمہارے نام تک سے نفرت کرتی تھی... لیکن... لیکن... آج مجھے تمہارا انتظار ہے۔ دالان کے قدموں کی آہٹیں آج میرے کان تمہارے قدموں کی چاپ سننا چاہتے ہیں میرے چہرے پر جھکے کئی چہروں میں میں تمہاری شکل آج ڈھونڈنا چاہی۔ میرے دل کی لمحہ لمحہ رکتی دھڑکن میں آج تمہاری صدا آ رہی ہے میری آنکھ میں آج تمہاری شکل ناچ رہی ہے آج... پھر... میں تمہارا دامن تھامنا چاہتی ہوں... آہ!... آجاؤ... خدارا... اُف... آجاؤ... آجاؤ......

تبصرہ

جناب ڈاکٹر ایس۔ ایم الیاس وارثی شمیم قدوائی بارہ بنکوی حال ہی میں ایک کتابچہ "سوانح حیات و کرامات" حاجی سید حق اللہ شاہ صاحب وارثی شائع کیا ہے۔

حضرت حاجی حق اللہ صاحب وارثی جن کا اصل نام سید تمیم شاہ صاحب وارثی کتاب کے مؤلف شمیم صاحب کے دادا تھے کتاب "عین الیقین" مؤلفہ حکیم سید عبدالاحد شاہ صاحب وارثی مرحوم مطبوعہ ۱۸۹۲ء میں لکھا گیا ہے کہ سید تمیم شاہ صاحب وارثی ان مخصوص فقرائے وارثی میں ہے جن کے لئے سرکار عالم پناہ حضرت حاجی صاحب قبلہ نے ذکر کا حکم صادر ہو گیا تھا کسی جگہ متوکل ہو کر بیٹھ رہنے کا حسب الحکم شاہ صاحب نے تو اح گوالیار میں گوشہ نشینی اختیار کی اور وہیں انکا مزار ہے اور مرجع خلائق ہے کا نام جورہ عالم پور ہے جو ضلع مورینہ میں واقع ہے اور گوالیار کے تقریباً پچاس کی مسافت پر ہے۔ ڈاکٹر ایس ایم الیاس صاحب وارثی کی خواہش اور درخواست ۱۹۶۲ء سے ہر سال بموقعہ عرس جناب تمیم شاہ صاحب جو ماہ ذالحجہ میں ہوتا ہے مزار جناب حاجی صاحب قبلہ کی متصل ایک چادر دی جا رہی ہے جو الیاس صاحب لیکر جاتے ہیں یا ڈاک سے بھیج دیتے ہیں۔

اس کتابچہ کے شروع میں حضرت قبلہ حضرت سید تمیم شاہ صاحب وارثی کی اہم شخصیت کی تصدیق شائع کیگئی ہے کہ ڈاکٹر ایس۔ ایم الیاس قدوائی صاحب نے شاہ صاحب کے جو حالات اور اُنکی کرامات اس کتابچہ میں تحریر فرمائی وہ سماعت علم و یقین سے صحیح ہے یہ کتابچہ ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہے اس سے بہت حاصل کیا جا سکتا ہے قیمت ایک روپیہ ہے اور مصنف سے سول لائن بارہ بنکی (یوپی)۔

رشیدہ [illegible]

بھنور

بہت شکریہ۔ بڑی مہربانی۔ میری زندگی میں حضور آپ ئے ٹ دور ریڈیو پر یہ گانا گونج رہا ہے۔ گانے کے بول کتنے خوبصورت یں۔ اسپتال کے اس اکتا دینے والے ماحول میں اس گانے نے دلکشی پیدا دی ہے۔ لیکن میرے کانوں میں اس آواز نے سیسہ سا انڈیل دیا اش! کوئی ریڈیو بند کر دے۔ مجھ میں اس کے سننے کی سکت نہیں ری زندگی کی تنہا راہوں پر تم نے قدم رکھ کر خلا کو پُر کر دیا۔ مجھ ا نہیں آتا کہ شکریہ کس کا ادا کروں۔ اپنی تقدیر کا یا تمہارا۔ ؟

کالج کی دوستی۔ پارکوں میں ملن۔ تنہائی میں سرگوشیاں، خاموش حول میں بہاما خاموش لیکن جلتا جسم، ماحول سویا ہوا، جاگتے ۔مالی اور جاگتی محبت، محبت پاش نظریں، سانسوں کا تصادم سانسوں کی بے قاعدگی، جلتا وجود اور ڈھلتا سورج۔ اس کے بعد م ایک ہو گئے۔ سماج کی زبان میں ہماری شادی ہو گئی۔ میں نہال و گئی۔ گالوں کی سرخی اور پھیل گئی۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ قہقہوں میں دل گئی۔ پریشان زلفیں اور بکھر گئیں۔ آنکھوں کی مے کے پیالے بریز ہو گئے۔ چال میں جو سرور تھا وہ غرور میں بدل گیا۔ زندگی خوشیوں ے گہوارے میں جھولنے لگی۔ لیکن آہ! یہ سب میرا وہم تھا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ تصورات حقائق میں بدلنے کے بعد اب پھر سے خوابوں میں ڈھل رہے تھے۔ زندگی اسی کا نام ہے کہ جس میں کوئی نہ کوئی تشنگی رہ جائے زندگی اس تشریح کو میں وقت گزر جانے کے بعد بھی۔ محبوب کو پانے کی تمنا تو ہر کوئی کرتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ وہ سے محبوب ہی ملے۔ محبت کرنا جتنا آسان ہے نبھانا اتنا ہی دشوار۔ محبت ہر کوئی کرتا ہے لیکن محبت کی منزل ہر کسی کو نہیں مل سکتی۔ تم نے شادی کو جسموں کے ملاپ کا نام سمجھا اور میں زندگی کے دشوار گزار سفر میں قدم سے قدم ملا کر چلنے ہی کو شادی سمجھتی رہی۔ تم نے میرے خلوص کو دیوانگی، پیار کی پیاس اور مجھے پاگل سمجھا۔ سچ! میں پاگل ہی تو تھی۔ اس دور میں جوئے شیر لانے کی بات سوچتی رہی۔ مجھے کیا پتہ کہ میری عزیز سہیلی رعنا ہی میری زندگی میں زہر گھولے گی۔ تم مجھ سے دور اور اس کے قریب ہوتے گئے۔ رعنا نے ڈاکٹری پریکٹس کے لئے تمہیں مدد دینے کا وعدہ کیا۔ یہ وعدہ نہ تھا

میری خوشیوں کا جنازہ تھا۔ تم نے مجھ سے شادی کے وقت یہ نہ سوچا کہ تم مجھ سے شادی نہیں بلکہ غریبی سے مذاق کر رہے ہو۔ تم یہ سب کیوں سوچتے۔ تم پر تو اس وقت جنون تھا۔ پاگل پن سوار تھا۔ اس دنیا میں روپیہ سے بڑھ کر کوئی رشتہ، کوئی جذبہ نہیں۔ میں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتی رہی شمع کی طرح دن رات جلتی اور قطرہ قطرہ بن کر پگھلتی رہی پھر بھی میں زندہ رہی۔ اپنی لاش کو اپنے ہی کندھوں پر اٹھائے ایک دیا جلا بیت گیا۔ وسیع اور بھری ہوئی دنیا میں بالکل تنہا۔ زندگی کی گہما گہمی میں رہ کر بھی انجان۔ سب کے ساتھ رہ کر بھی دور۔ اف...

احساس کی محرومیاں کتنی جان لیوا ہوتی ہے۔ تم نے میرے احساس کو محرومی دی۔ میرے جذبات کو مجروح کیا۔ میری انا کو تکلیف پہنچائی مجھے جیتے جی قبر نشین کر دیا۔ دکھوں کے عمیق غار میں دھکیل دیا۔ اور پھر مجھے تم سے نفرت ہو گئی۔ شدید نفرت۔ جس شکل کو دیکھنے کے لئے میں تڑپتی تھی آج مجھے اس سے گھن آنے لگی۔ دل سے ماضی کے نقوش مٹا چکی۔ اس زندگی نے تو کچھ نہ دیا۔ اب شاید موت ہی سکون دے۔ بھیا کے اعتراض پر تم نے کس صفائی سے کہہ دیا کہ تم رعنا سے محبت نہیں کرتے تمہیں تو صرف اپنا الو سیدھا کرنا ہے۔ رعنا سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ بھیا چپ ہو گئے۔ میں بے بس پنچھی کی طرح تڑپ کر رہ گئی۔ رعنا سے کوئی رشتہ نہیں پھر تم اس کے اتنے قریب کیوں تھے۔ اس کے لئے بے چین کیوں رہنے لگے تھے۔ میں نے جو پیار تمہاری آنکھوں میں اپنے لئے دیکھا تھا آج اس کی حقدار رعنا کیوں تھی۔ اس کا جواں جسم میں نے کئی دفعہ تمہاری بے تاب باہوں میں دیکھا۔ کیوں۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارے پاس ان سوالوں کا [illegible] جواب نہیں تھا۔

آخر تو میں عورت تھی اپنے محبوب پر کسی کا حق قبول [illegible] تم سے جدا ہی نہیں اب زندگی سے بھی جدا ہو رہی ہوں [illegible] ہوئے اسپتال کے اس بستر پر زندگی اور موت کے بیچ [illegible] ہوں۔ پچھلے دنوں بھیا نے کہا کہ تم نے رعنا سے شادی [illegible] میں تمہیں مبارکباد دے سکتی کہ تم نے جو سوچا تھا اس [illegible] [illegible] ہو سا ئ... آج میں آخری زندگی کے آخری سانس [illegible]

کیا آپ کی عمر 40 سال سے زیادہ ہے؟

تو آپ

اپنی پنشن کا ابھی سے ہی بندوبست کر لیجئے

ہمارے پاس ایک ایسی اسکیم ہے جس میں شامل ہو کر آپ ریٹائر ہونے کے بعد بے فکری کی زندگی بسر کر سکیں۔ آپ ڈاک گھر میں سات سال کیلئے ہر مہینے 100 روپے کی بچت کرنا شروع کر دیجئے۔ ڈاک نیشنل سیونگز سرٹیفکیٹ۔ پانچواں اجرا خریدتے جائیں) 1982ء سے آپ کو سات سال کے لئے ہر مہینے 198 روپے ملتے رہیں گے۔

مزید فائدہ

198ء سے اگر آپ اس... کے تحت ہر مہینے صرف ... روپے اور جمع کرا کے نئے سرٹیفکیٹ خریدتے جائیں تو مزید سات سال کے بعد یعنی 1989ء سے آپ کو آئندہ سات سال کے لئے ہر مہینے 396 روپے ملتے رہیں گے۔

اس طرح آپ کی 100 روپے ماہوار کی

بُنیادی پونجی لگ بھگ چار گنا ہو جائیگی

اس اسکیم میں شامل ہونے کے لئے عمر کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس سے سبھی ــ مرد و عورتیں ــ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ 100 روپے کی بھی کوئی حد مقرر نہیں۔ آپ ہر مہینے 200، 300، 500 روپے یا اس سے بھی زیادہ سرمایہ لگا سکتے ہیں۔ آپ جتنا زیادہ سرمایہ لگائیں گے آپ کو اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔

آپ کی بچت		ملنے والی رقم
پہلے 7 سال	دوسرے 7 سال	تیسرے 7 سال
100 روپے ماہوار	2 روپے ماہوار	396 روپے ماہوار

اپنے ڈاک گھر یا نیشنل سیونگز کمشنر ناگپور سے پوچھ تاچھ کریں۔

قومی بچت ــــ ادارہ

پیامِ آزادی — اربابِ وطن کے نام

مفتوں کوٹوی

درست ہے کہ خلا میں کمند پھینکی ہے
کہ ہم بھی طائرِ شہرت کو زیرِ دام کریں
اڑان اونچی بھری ہے بزعمِ خودداری
ترقی یافتہ ملکوں میں اپنا نام کریں
ابھی ہیں سامنے اپنے ہزار منصوبے
کروڑوں، اربوں کا ہم جنہیں صرفِ عام کریں
جو چھوٹے چھوٹے ممالک ہیں وہ ادھر دیکھیں
ہماری قدر کریں دل سے احترام کریں
یہ کارخانے مشینیں یہ صنعت و حرفت
کچھ اور اس سے زیادہ کا اہتمام کریں
ہوا ہے ملک جو آزاد ہو منور بھی
ترقیوں کی تدابیر صبح و شام کریں
ہیں مستحق کہ ہوں تارے ہمارے دامن میں
ہم اپنے زیرِ قدم چرخِ نیلی فام کریں

مگر ہمارے شب و روز کے یہ طور و طریق
خدا پناہ میں رکھے جو ذکرِ عام کریں
کہاں کی خدمتِ خلق اور کہاں کا صدق و خلوص
مفاد ہو کوئی حاصل تو رام رام کریں
کلام ہو کہ خموشی، قیام ہو کہ خرام
ہو جس میں پیسوں کی آمد فقط وہ کام کریں
جو اختلاف حکومت سے ہو ذرا سا بھی
تو اپنے ہاتھوں میں پامالیٔ نظام کریں
یہ درسگاہیں، یہ اسکول، مدرسے، کالج
ہیں وہ ٹھکانے، فرشتے بھی احترام کریں
مگر یہی ہیں مقاماتِ خبث و فتنہ و شر
شرارتیں وہ کہ شیطان بھی سلام کریں
خواص کو نہیں ہمدردیاں عوام کے ساتھ
خواص کی کوئی عزت نہ کچھ عوام کریں

اگر یہی رہا اندازِ زندگی اپنا
نتیجہ کیا ہے جو تسخیرِ اوجِ بام کریں
یہی ہے پستیٔ اخلاق اگر تو پھر ہے فضول
ہمالیہ بھی اگر اپنے زیرِ گام کریں
بجبر روک دیں لوگوں کی ہم بد اعمالی
جو وقت آ ہی پڑے تیغ بے نیام کریں
یہ چند باتیں تہِ دل سے لب پہ آئی ہیں
خواص غور کریں فکر کچھ عوام کریں
اگر نہ تابش کردار پر عمل ہوگا
نہ ہوگا بیڑا اگر آج غرق کل ہوگا

غزل

ڈاکٹر ہنومان پرشاد جگر بستوی

آہ سینے میں شبِ ہجر جگائے رکھنا
شعلے بھڑکیں نہ کہیں آگ دبائے رکھنا
تیری زلفوں کی گھنی چھاؤں میں ہے عہدِ سکوں
میرے محبوب مجھے دل میں بسائے رکھنا
کون جانے کہ تری موت پہ وہ بھی آئیں
قطرے کچھ اشک کے پلکوں پہ سجائے رکھنا
دیکھو جل جائے نہ دامن کہیں ان اشکوں سے
اپنا دامن میرے اشکوں سے بچائے رکھنا
یاد سینے سے جگر اُن کی لگائے رکھنا
رات سنگین ہے جذبات دبائے رکھنا

دو غزلیں

بدر عثمانی سہارنپوری

اس طرح حسن کی توقیر بڑھا دی میں نے
زخم کھا کر بھی انہیں دل سے دعا دی میں نے

پردۂ گل سے کبھی تم نے اشارہ نہ کیا
دل کی دھڑکن سے تمہیں روز صدا دی میں نے

شکلِ عیسیٰ میں کبھی صورتِ منصور کبھی
ہر نئے دور میں تعلیمِ وفا دی میں نے

یہ مرے جذبۂ کامل کا اثر ہے یارو
سامنے آ گئی منزل جو صدا دی میں نے

تشنہ لب رہ کے بھی رندوں کی طرح بہکا ہوں
ساقیٔ بزم تری شان بڑھا دی میں نے

خضرِ منزل ہیں مرے دل کے لہو کی بوندیں
پیار کی شمعیں سرِ راہ جلا دی میں نے

اپنی رنگیں خیالی پہ مجھے ناز ہے بدر
خارزاروں کو بہاروں کی ادا دی میں نے

غزل

اُن کی توجہ جب سے ہوئی کم
جیون کی لے ہو گئی مدھم

مرد وہی ہے فاتحِ عالم
دل میں ہے جس کے جذبۂ محکم

اُن کا تبسم ڈھونڈ رہا ہوں
گلشن گلشن شبنم شبنم

دم تو لبوں پر آ ہی گیا ہے
اور بجاؤ پیار کی سرگم

مست نگاہیں دیکھ کے اُن کی
جھوم اُٹھا ہے سارا عالم

یاد کرے گا ہم کو زمانہ
چھوڑ چلے ہیں نقشِ وفا ہم

بھولنا چاہا بھول نہ پائے
اُن کی نگاہِ ناز کا عالم

زخمِ جگر کا حال نہ پوچھو
خود ہی ٹیس ہے خود ہی مرہم

بدر ہم اُن کے ہجر میں آخر
بن ہی گئے ہیں دردِ مجسم

غزل

(رشید بستوی)

آرزو ہے بزمِ رنداں میں نئے انداز سے
جام اُٹھے، مینا اُٹھے، شیشہ اُٹھے، ساغر اُٹھے

تیری بیگانہ روی پر دہ اُٹھا ہے مضحکہ
تیرے کوچے سے بہت بے آبرو ہو کر اُٹھے

آتے آتے میکدے میں دورِ جام آیا تو کیا
جبکہ میخانے سے تیرے رند توبہ کر اُٹھے

میری صورت دیکھ کے بس عالمِ مقتل نہ پوچھ
ایک ہی دل تھا مگر دو سمت سے خنجر اُٹھے

میرے سجدے کا تقاضا ہے ترے در سے قسم
جب کبھی میرا سر اُٹھے تیرا حجاب در اُٹھے

خواب گاہِ ناز سے سو کر اُٹھا انگڑائی لی
سونے والا کیا اُٹھا سو فتنۂ محشر اُٹھے

میکدہ بردوش ساقی آیا رمضاں میں رشید
ہاتھ بہکے، پاؤں پھسلے، رند توبہ کر اُٹھے

اُردو کی پکار!

حضرات: حکومت کی طرف سے اردو کی نشو و نما کیلئے مختلف سرگرمیاں دکھائی جا رہی ہیں۔ مثلاً اردو اکاڈیمیوں کی قائمی اردو مصنفین کو نقد انعامات وغیرہ۔ اسکے علاوہ اُردو کتب کی خریداری کے لئے لائبریریوں کے لئے مالی امداد بھی دیجا رہی ہے تیرا ایسے اردو مصنفین جو اپنی تصانیف شائع کرنیکی مالی سکت نہیں رکھتے اُنکو اپنی تصانیف شائع کرنے کیلئے بیروی امداد بھی دیجا رہی ہے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود جب تک اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ ہوگا اردو ترقی کی منزل پر تیزی سے گامزن نہ ہوسکیگی اسلئے اردو اکیڈیمیاں اگر اپنے اپنے صوبوں میں اسکے لئے بھی کوشاں ہوں تو اردو کے حق میں اچھا ہوگا۔ جہاں تک ہوسکے اردو سے محبت رکھنے والے محلے کے بچوں کو مفت پڑھائیں۔

اُردو کی پکار کہہ رہی ہے کہ اگر مجھے زندہ رکھنا ہے تو اپنے بچوں کو اُردو پڑھانے کیلئے کوشش کیجئے اپنے ہاں کی سرکاری اور غیر سرکاری لائبریریوں کو مجبور کیجئے کہ وہ اردو کی اچھی کتابیں منگائیں۔ کالجوں کے اردو پروفیسر اپنے کالج کی لائبریریوں میں اردو کتابیں منگانے کے لئے کوشش فرمائیں۔ یاد رکھئے جب اُردو پڑھنے والے ہی نہیں ہونگے تو ان کتابوں کو کون پڑھے گا جن پر اردو اکاڈیمیاں انعام دیتی ہیں۔

ذیل میں ہم کچھ ایسی اردو کی بہترین کتابوں کی فہرست دے رہے ہیں جو لائبریریوں میں ہونی ضروری ہیں۔ آپ اپنی ذاتی لائبریریوں کے لئے بھی اپنی پسند کی کتابیں منگائیے۔ لائبریریوں کو لائبریری کمیشن دیا جاتا ہے۔ اردو کی پاکستانی بہترین مطبوعات کے شائقین ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم انکی پسندیدہ پاکستانی اُردو کتب فراہم کرنے کا انتظام کرنیکی کوشش کرینگے۔

(ادارہ)

تاریخ	ڈاکٹر ماشبیہ الحسن	-/۲۰	ریاض خیرآبادی	عظیم الحق	-/۱۲
مثنوی سحرالبیان کا تہذیبی مطالعہ	احسان الحق اختر	-/۵	عرش و فرش	جوش ملیح آبادی	-/۵
ارمغانِ ادب	اخلاق حسین	-/۱۱	فکر و نشاط	" "	-/۵
جواہرات انیس (حصہ اول)	انیس	-/۱۵	غزلیات میر کا تنقیدی جائزہ		-/۲
" " (" دوم)	"	-/۱۲	اداس نسلیں	عبداللہ حسینی	-/۱۵
باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضیٰ	۲/۵۰	مشینوں کا شہر	کرشن چندر	۵/۵۰
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	-/۲۵	آئینے اکیلے ہیں	"	۶/۵۰
مطالعۂ تاریخ ادب ہندی	کاظم علی خاں	-/۵	سب رس کا تنقیدی جائزہ	احسان الحق	۷/۵۰
لکھنؤ کا دبستانِ شاعری	ابو اللیث صدیقی	-/۲۵	نیا افسانہ	وقار عظیم	-/۹
تذکرۂ اردو مرثیہ	سید علی عباس حسینی	-/۱۰	اردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	-/۱۲
انتخاب مقالات شبلی	شبلی	-/۲	جدید شاعری	ڈاکٹر عبادت بریلوی	[illegible]
دیوان صمد غزل	حسین علی تاسعت	-/۱۲	اطرافِ غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	[illegible]
اقبال نامہ جہانگیری	مرزا محمد	۷/۵۰	تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
تحقیق نوادر	ڈاکٹر اکبر حیدری	-/۳۵	ارمغانِ علیگڑھ	خلیق احمد نظامی	-/۲۰
اُردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق	۷/۵۰	اُردو زبان و ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مضامین سرسید	"	-/۲	اردو مثنوی کا ارتقا	عبدالقادر سروری	-/۹

مقدمۂ شعر و شاعری	الطاف حسین حالی	۴/۵۰
مطالعۂ سر سیّد احمد خاں	عبدالحق	۵/-
انتخاب مضامین سر سیّد	آل احمد سرور	۳/۵۰
شارحِ ادب	شرافت حسین مرزا	۳/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبدالشکور	۳/۵۰
ادب کا مطالعہ	اطہر پرویز	۷/-
ادب اور زندگی	مجنوں گورکھپوری	۹/-
ادب اور تنقید	اسلوب انصاری	۱۰/-
مقدمۂ تاریخ زبانِ اردو	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۱۰/-
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور	۱۵/۵۰
پدماوت کی مختصر فرہنگ	محمد انصار اللہ	۵/-
مطالعۂ داغ	سید محمد علی زیدی	۲۲/-
تعبیرِ غالب	ڈاکٹر مسعود حسن رضوی	۷/-
خورشید اردو تحقیق کا پہلا دستیاب طربیہ	مسیح الزماں	۷/-
شمع طباطبائی اور تنقید کلام غالب	سید مسعود حسن رضوی	۴/-
شہید انسانیت	مولانا علی نقی نقوی	۲۰/-
روحِ انیس	سید مسعود حسن رضوی	۹/-
اسلاف میر انیس	〃	۹/-
نگارشاتِ ادیب	〃	۹/-
ہماری شاعری	〃	۷/۵۰
آئینۂ سخن فہمی	〃	۳/-
لکھنؤ کا شاہی اسٹیج	〃	۱۲/-
لکھنؤ کا عوامی اسٹیج	〃	۱۲/-
رزم نامۂ انیس	〃	۵/-
اندر سبھا امانت	〃	۷/-
اردو زبان اور اس کا رسم الخط	〃	۲/-
آبِ حیات کا تنقیدی مطالعہ	〃	۴/-
متفرقاتِ غالب	〃	۵/۲
فسانۂ عبرت	〃	۲/۵۰
فرہنگِ امثال	〃	۳/-
اردو مرثیہ کا ارتقاء (نیا ایڈیشن)	مسیح الزماں	۲۰/-

تذکرۂ نادر	کلب حسین نادر	[illegible]
قواعدِ کلیہ بھاکھا	〃	[illegible]
تنقیدی شعور	اختر علی تلہری	[illegible]
بیگماتِ اودھ	شیخ تصدق حسین	[illegible]
شعر، غیر شعر اور نثر	شمس الرحمٰن فاروقی	[illegible]
حسرت موہانی	احمر لاری	[illegible]
فلسفہ اور ادبی تنقید	وحید اختر	[illegible]
اعتبارِ نظر	سید احتشام حسین	[illegible]
تلاش و توازن	قمر رئیس	[illegible]
اردو ڈراما اور روایت اور تجربہ	عطیہ نشاط	[illegible]
جدید اردو تنقید	شارب ردولوی	[illegible]
غبارِ خاطر کا تنقیدی مطالعہ	ملک زادہ منظور احمد	[illegible]
مغربی بنگال کے اردو شعراء	مشتاق احمد	[illegible]
دکن میں اردو	نصیر الدین ہاشمی	[illegible]
تلمیحات	محمود نیازی	[illegible]
پنجاب میں اردو	محمود شیرانی	[illegible]
تاریخ ادبِ اردو	رام بابو سکسینہ	[illegible]
مختصر تاریخ ادبِ اردو	اعجاز حسین	[illegible]
شرح دیوان غالب	بیخود موہانی	[illegible]
انگلش اردو ڈکشنری (کلاں)	مولوی عبدالحق	[illegible]
〃 〃 〃 (مختصر)	〃 〃	[illegible]
اردو سے انگریزی ڈکشنری	〃 〃	[illegible]
اردو ہندی ڈکشنری	(انجمن ترقی اردو)	[illegible]
گئو دان	منشی پریم چند	[illegible]
میدانِ عمل	〃 〃	[illegible]
اردو غزل	ڈاکٹر یوسف حسین	[illegible]
اردو املا	رشید حسن خاں	[illegible]
اردو الفاظ شماری	حسن الدین احمد	[illegible]
شہیدانِ آزادی (تاریخ آزادی ہند)	ڈاکٹر چوپڑہ	[illegible]
مجموعہ نغز	حکیم قدرت اللہ میر قاسم	[illegible]
اوراقِ زندگی	بسمل سعیدی	[illegible]

ـہ	حیرت بدایونی	۱۵/-
شاعری کے ارتقا میں ہندو شعرا کا حصہ	سرلا منوا	۱۵/-
شاعری	ضیا فتح آبادی	۶/-
نگ	جلیل الہ آبادی	۵/-
کدہ	شائق	۵/-
ال خیالوں کے	نو بہار صابر	۶/-
صد رنگ	شمس	۴/-
	مدہوش بلگرامی	۴/-
پھول چھلکے آنسو	ڈاکٹر مایا کھنہ راجے	۱۰/-
(اردو)	فیاض گوالیاری	۷/-
(ہندی)	" "	۳/۹۶
بل فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	۲/-
ات مشرق	" " "	۱۵/-
(ناقابل فراموش کا ہندی ایڈیشن)	" " "	۱۵/-
جام	شارق میرٹھی	۲/۵۰
سیاں	رعنا جگی	۲/-
رے خاکے	شرت کمالی	۳/-
ع نظر	نظر برنی	۳/-
بی ادب کے معمار	اے محمد ابراہیم	۱۲/-
السعار	نامی نادری	۲/۵۰
ای علم عروض	سبحان انجم	۱/-
میم سخن	ساحر سیالکوٹی	۳/-
ز جگر	جگر جالندھری	۳/-
یم بہار	نسیم نورپوری	۴/-
ل دواں	امرناتھ سرشار	۳/-
یتا	مفتوں	۴/-
تماشا	کمار پاشی	۴/-
ہ کی منتخب شاعری	پریم متل	۳/-
لو نشاط	نواب حیدر حشم	۹/-
ادب کی مختصر تاریخ	ڈاکٹر محمد حسین	۱۲/-
سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسین	۴/۵۰

اسلامی فن تعمیر	مبارز الدین رفعت	۶/-
اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک	خلیل الرحمن اعظمی	۲۰/-
اردو مثنوی شمالی ہند میں	ڈاکٹر گیان چند	۳۰/
انواع فلسفہ	ظفر حسین خاں	۵/-
ایک مشرقی کتب خانہ	مبارز الدین رفعت	۳/-
آئینہ حقیقت	پنڈت حبیب الرحمن شاستری	۲/-
انجم کدہ	عزیز لکھنوی	۴/-
فرانسیسی ادب	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	۱۷/-
فائز دیوان فائز	مسعود حسین ادیب	۷/۵۰
ہندوستانی اخبار نویسی	محمد عتیق صدیقی	۱۶/-
گاندھی نہرو کی راہ	ڈاکٹر سید عابد حسین	۵/-
گلکرسٹ اور اسکا عہد	محمد عتیق صدیقی	۱۰/-
فن تحریر کی تاریخ	محمد اسحق صدیقی	۱۰/-
ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی اصول	الیٹو الوبا	۲/۲۵
حالی کی ایک جھلک	صالحہ عابد حسین	۲/-
خواجہ میر درد (تصوف اور شاعری)	ڈاکٹر وحید اختر	۲۰/-
محمد رفیع سودا	خلیق انجم	۱۵/-
کلیات شاہی	سید مبارز الدین رفعت	۴/-
خطوط غالب	مالک رام	۱۴/-
خونبہار	مجنوں گورکھپوری	۳/-
کچھ زر کی بابت	ابو سالم	۴/۵۰
صوبہ شمالی مغربی کے اخبارات	محمد عتیق صدیقی	۱۵/-
تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۴/-
تین مغربی ڈرامے	" "	۷/-
پرچھائیاں	آصف علی	۴/-
روزگار (شرح سود اور زر)	ابو سالم	۸/۵۰
سن ستاون	پنڈت سندر لال	۶/-
تلمیحات و اشارات اقبال	ڈاکٹر اکبر حسین قریشی	۱۵/-
صحیفۂ خوشنویسان	احترام الدین شاغل	۱۲/-
سیر افلاک	حکیم احمد	۵/-
نئے ڈرامے	ڈاکٹر محمد حسن	۷/-

سوگوار یادو	مرتبہ علی جواد زیدی	۲/۲۵
مقالاتِ حالی	حالی	۸/-
یادگار نظر	مرتبہ جگر بریلوی	۶/-
انتخاب شرح دیوان مومن	حامد حسن قادری	۷/-
مرقعِ افغان	ابرار حسین فاروقی	۳/۲۵
محاسن کلام غالب	عبدالرحمٰن بجنوری	۱/-
مطالعۂ حضرتِ غمگین	محمد یونس خالدی	۳/-
مذہب اور دھرم	مہاتما گاندھی	۲/-
تذکرہ گلشنِ سخن	مسعود حسین رضوی	۸/-
دیمک کی کہانی	عبدالبصیر خاں	۲/-
شگفتلا	قدسیہ زیدی	۲/-
تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۱۲/-
چند ہم عصر	عبدالحق	۲/-
اردو صرف نحو	"	۱/۹۵
کلام سودا	خورشید الاسلام	۸/-
غالب ایک مطالعہ	"	۶/-
مسرت سے بصیرت تک	آلِ احمد سرور	۱۲/۵۰
نظر اور نظریئے	"	۱۲/۵۰
تنقید کیا ہے	"	۶/۷۵
طنزیات و مضحکات	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۱۰/۵۰
ہمارے ذاکر صاحب	"	۹/-
گنجہائے گراں مایہ	"	۷/-
آشفتہ بیانی میری	"	۵/-
ہم نفسانِ رفتہ	"	۴/۵
تجزیئے	ڈاکٹر گیان چند	۱۳/-
وہ صورتیں الٰہی	مالک رام	۱۰/-
تذکرہ معاصرین	"	۱۶/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/-
لکھنؤ کی زبان	محمد باقر شمس لکھنوی	۶/-
ببر شیر کی کہانی	اندرجیت	۲/-
تاجوں کا بادشاہ	"	۲/۵۰

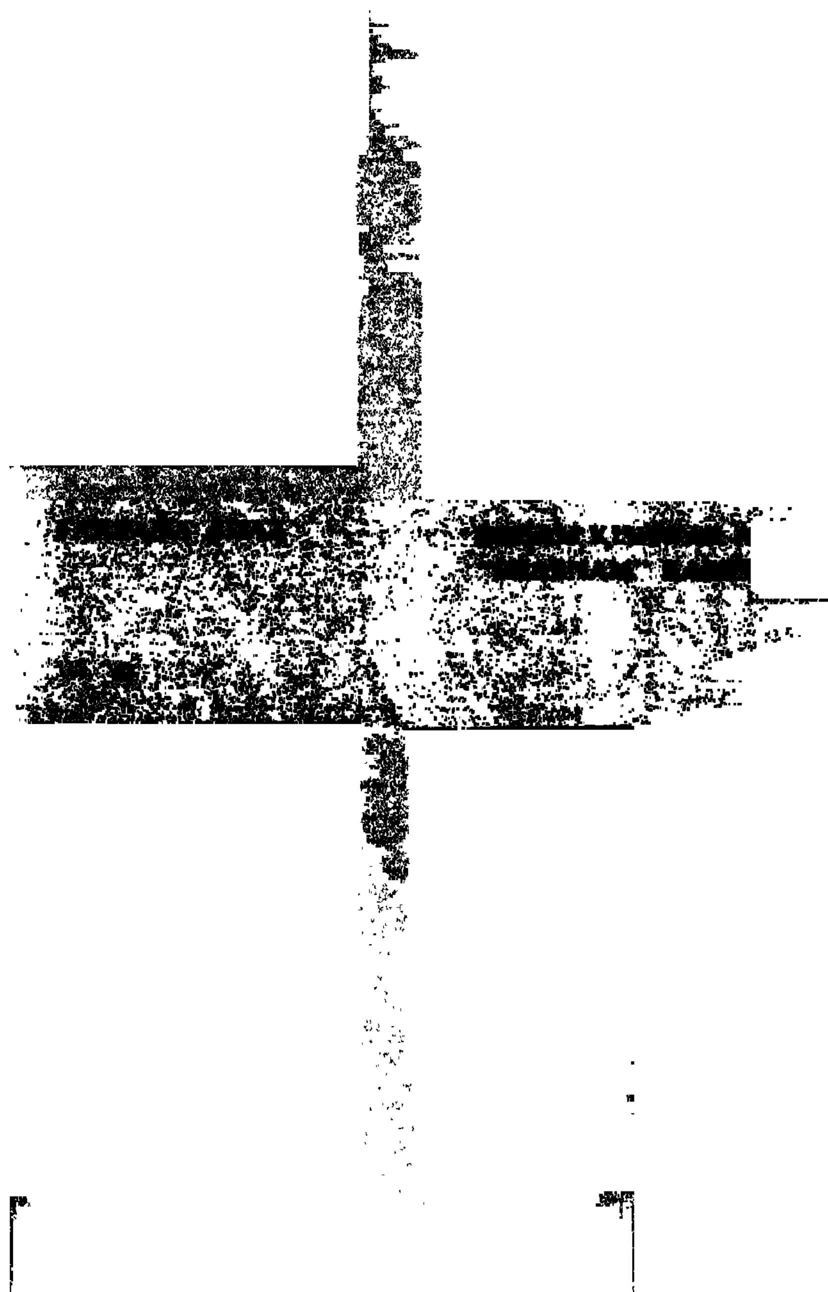
ایلورہ کی کہانی	اندرجیت	۶/-
میرا بھائی	ادیبِ اعظم پریم ناتھ دت	۲/-
اہلِ سیف	"	۵/-
خواب و بیداری	صغریٰ سبزواری	۲/-
حُسنِ عرفاں	ڈاکٹر منظر	۲/-
بھولے کبوتر ہوشیار سانپ	طالب شاہ آبادی	۱/۵۰
عکسِ حیات	حمید قیصر	۲/-
خمکدۂ آزاد	آزاد	۲/-
دیوانِ ذوق	محمد ابراہیم ذوق	۷/-
گفت و شنید	ظفر ادیب	۶/-
خواب نئے	"	۶/-
غالب اپنے ہمعصروں میں	"	۱۰/-
مصحفی اور ان کا کلام	ڈاکٹر صدیقی	۶/-
چاند کا زخم	شمس فرخ آبادی	۲/-
آیاتِ قرآنی	قضا کوثری	۱/-
کرنیں	روپ بھاردواج	۶/-
کرن	راجہ کرن پرشاد	۱/-
شخصیت تنقید و تمثیل	فرمان فتح پوری	۷/-
تنقید و تشخیص	ارشد مرحوم	۵/۵۰

انتخابی شعری مجموعے

انجمن ترقی اردو نے مختلف شعراء کے انتخابی شعری مجموعے شائع کیے ہیں۔ ہر حصّہ کی قیمت دو روپے پچھتر پیسے ہے۔ اس وقت حسبِ ذیل شعراء کے انتخابی مجموعے دستیاب ہیں۔ فانی۔ اصغر۔ ریاض۔ جگر بریلوی۔ اختر شیرانی۔ جمیل مظہری۔ شمیم کرہانی۔ شاد عظیم آبادی۔ محروم۔ سرور جہاں آبادی۔ شفیق جونپوری۔ اختر انصاری۔ عمیق حنفی۔ جگن ناتھ آزاد۔ عرش۔ حبیب احمد صدیقی۔ کمال احمد صدیقی۔ بلراج کومل۔ کیفی۔ چریا کوٹی۔ ملا۔ جذبی۔ تاباں۔ منشور واحدی۔ اکرم مظفر نگری۔ سکندر علی وجد۔ مخدوم۔ آرزو لکھنوی۔ سلام مچھلی شہری۔ علی جواد زیدی۔ فراق گورکھپوری۔ یگانہ چنگیزی۔ مجاز۔

ہر کتاب کا محصولڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57





فون نمبر ۲۷۸۸۸

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر سرور تونسوی — قیمت سالانہ دس روپیہ — قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۶ — دسمبر ۱۹۷۵ء — شمارہ ۱۲



فہرس

ودیا پرکاش سرور تونسوی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے لاہور پریس جامع مسجد اردو بازار میں چھپوایا اور آفس ۶ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی سے شائع کیا

بردلعزیز انسان　　　شاعر جادو بیان　　　اردو کا عاشق

قومی یکجہتی کا متوالا　　　شرافت کا نمونہ　　　انسانیت کا پیکر　　　مذہبی تعصب کا دشمن

ہر غمزدہ کا ہمدرد　　　ہر ضرورتمند کی حاجت روائی کیلئے کوشاں　　　مشاعروں کا روحِ رواں

غرضیکہ انسانی پیکر میں واقعی "انسان" اور اپنے جدِ امجد گورو نانک دیوجی مہاراج کی تعلیمات کا مظہر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

کو ایک ارمغانِ عقیدت و خراجِ محبت

کنور صاحب کے عزیزوں، رفیقوں، دوستوں، مداحوں اور عقیدت مندوں کے لئے ایک گرانقدر ہدیہ عقیدتمندوں کی یگانگت دوستوں کی محبت، صحافیوں کے جذبات اور عام ملنے جلنے والوں کے تاثرات شاعروں کے خیالات، نجی زندگی کے کوائف و حالات

اور کنور صاحب کی شاعری کے انتخاب سے لطف اندوز ہونے کے لئے

شانِ ہند کا شائع ہونیوالا

جشنِ سحر نمبر

ضرور پڑھیے

جو عنقریب دہلی میں منائے جانیوالے "جشنِ سحر" کے مبارک موقع پر شائع ہو رہا ہے اور جو یقیناً دنیائے اردو ادب میں ایک یادگاری اضافہ ہوگا چار سو صفحات پر پھیلا ہوا یہ جشن نمبر جو بیس صفحات آرٹ پیپر پر کنور صاحب کی مختلف تصاویر سے مزین آپ اپنی نظیر ہوگا۔ قیمت دس روپیہ شانِ ہند کے مستقل خریداروں سے چھ روپیہ علاوہ محصولڈاک۔ جبکہ اس شمارہ پر دس روپیہ فی پرچہ اصل اخراجات ہونگے۔

مشتہرین کی خدمت میں التماس ہے کہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشن سحر نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائیگا لہٰذا اس یادگاری خاص نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہوگا۔

اجرت اشتہار:- عام سالم صفحہ اڑھائی صد روپیہ۔ نصف ۱۲۵ روپیہ۔ سرورق کا اندرونی صفحہ یا پانچ صد۔ سرورق کا تیسرا صفحہ چار صد اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں سات صد روپے۔

جشن سحر نمبر میں آپ بھی لکھئے۔ "جشن سحر نمبر" کو اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ میں دینے کیلئے مطلوبہ کاپیاں ریزرو کرا لیجئے

جشن سحر نمبر میں اپنا اشتہار دیجئے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کے ہر عقیدتمند کو جشن سحر نمبر کی اشاعت کی اطلاع دیجئے

مزید تفصیلات کیلئے

دفتر ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ ۵، انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نیو دہلی نمبر ۱۱۰۰۰۲

اپنے اِسٹیشن کو صاف رکھیے

- اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گرد و پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے
- ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں۔ تو پھر اُن جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنہیں ہم سب استعمال کرتے ہیں؟
- ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ رُوموں سواری ڈبوں اور درحقیقت اُن تمام جگہوں کو جہاں ایک بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، گرد و پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے

ریلوے میں ہم نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلہ میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں ہے۔ اس طرح اسٹیشن اور منسلکہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی عملہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھئے کہ کوڑا کرکٹ آپکے ہاتھ سے ادھر اُدھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے۔ آپ کا یہ معمولی سا کام بھی آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپکی پراپرٹی ہے۔ اسے صاف شفاف رکھئے

نادرن ریلوے

وزیرِ اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا

۲۰ نکاتی پروگرام

ایک ایسا لامثالی اور بامعنی پروگرام ہے جسکی تکمیل سے ہر ہندوستانی یہ محسوس کریگا کہ واقعی ہمارا ملک ایک قابلِ رشک جنت ہے۔

آئیے

ہم سب مل کر اس انفرادی پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ہر ممکن کوشش کریں کیونکہ اسی میں ہماری اور ہمارے ملک کی بھلائی ہے۔

امین چند پیارے لال

جالندھر	نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱	کلکتہ
[illegible] روڈ	پارلیمنٹ سٹریٹ	پارک سٹریٹ

دیال سنگھ کالج کرنال

کے منتظمین، سٹاف اور طلبا عورتوں کے بین الاقوامی سال ۱۹۷۵ء میں دنیا بھر میں خواتین کیلئے جو اچھی سکیمیں شروع کی گئی ہیں اور خواتین کے مفاد کے لئے جو کارہائے نمایاں کئے گئے ہیں کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔

دیال سنگھ کالج کرنال

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور اب کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھتے ہوئے ہے دیال سنگھ کالج کرنال میں طلبا کو ہمیشہ ڈسپلن قومی یکجہتی حب الوطنی اور ملک کی ہر طرح سے حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور انہیں ایک اچھا شہری اور ایک فرد ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اراکین منتظمہ کمیٹی
دیال سنگھ کالج کرنال
(ہریانہ)

آمدنی کے رضاکارانہ انکشاف کی اسکیم کیلئے

اپنی چھپائی ہوئی آمدنی اور دولت کو ظاہر کرنے کا بہترین موقع ہے

نہ جرمانہ - نہ کوئی مقدمہ

معقول شرح پر ٹیکس لیا جائے گا۔

جلدی کیجئے اپنی چھپائی آمدنی اور دولت کا اظہار مقررہ فارم

پر انکم ٹیکس کمشنر کے پاس کر دیجئے۔

آخری تاریخ: ۳۱ دسمبر ۱۹۷۵ء

31-12-75

تفصیلات اور فارم کیلئے براہ مہربانی اپنے انکم ٹیکس کمشنر سے رابطہ پیدا کیجئے۔

اپنی مدد کیجئے اور قوم کی بھی

ڈائریکٹوریٹ آف انسپکشن
پبلیکیشنز اینڈ پبلک ریلیشنز
محکمہ انکم ٹیکس

DAVP 75/366

غریبی ہٹانے کا ایک ہی جادو

زیادہ بچت

پردھان منتری نے ایک انقلابی معاشی پروگرام جاری کیا ہے۔

قومی بچتوں کے ادارے نے اس پروگرام کے لئے وسائل کو اکٹھا کرنے کا عزم کیا ہے

قومی بچتیں ہر کسی کو اس مساعی میں شرکت کا موقع دیتی ہیں۔

قومی بچتوں کے ادارے میں ہمارے پاس بچتوں کی مختلف اسکیمیں ہیں جن سے ہر کوئی اپنی ضرورتوں کے مطابق مستفید ہو سکتا ہے۔ شرح سود 10.25% سالانہ تک

اس کے علاوہ ٹیکسوں میں بھی کئی رعائتیں دی جاتی ہیں۔

اپنا روپیہ قومی بچتوں میں لگائیے



نیشنل سیونگز کمشنر ——— پوسٹ بکس 96 ۔ ناگپور

DAVP 76/85

افکار و واقعات

اُردو کے فاشسٹ ادیبوں کا پردہ چاک

پچھلے مہینے کے اداریے میں ہم نے اُردو کے پٹے ہوئے ناکام ادیبوں کی ایک گھناؤنی سازش کا انکشاف کیا تھا۔ اس اداریئے نے پورے ملک میں ایک بجلی کی لہر سی دوڑا دی اور ہمارے پاس اسکی تائید میں بے شمار خطوط اور تار آئے ہیں۔ دو ایک لوگوں نے کچھ مخالفت بھی کی لیکن اکثر حضرات نے پُرزور لفظوں میں لکھا ہے کہ یہ لوگ بہ حاصل اُونچے اُونچے عہدوں پر اُردو کے نام کی روٹیاں کھاتے ہیں اُردو کی جان کے لاگو ہو رہے ہیں اور اُردو کے بے جان جسم سے خون کا آخری قطرہ بھی چوس لینا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر بنگلور جاتے ہیں جہاں چند مصاحبوں کو جمع کرکے باقی لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں اُعشرِ . . . . اور اپنے خطباتِ صدارت کو بنگلور میں پڑھنے سے پہلے دہلی کے اخباروں میں چھپواتے ہیں تاکہ اپنی نام نہاد کارگزاریوں کا ڈھنڈورا پیٹیے اور اپنے مُنہ میاں مٹھو بنتے ہوئے ان لوگوں کو جن کا تعلق راشٹرپتی بھون اور وزارتِ تعلیم سے ہے زیادہ سے زیادہ مرعوب کرسکیں تاکہ ان کے جاہ و منصب میں اور ترقی ہو اور اُردو کی قبر کھودنے کے لئے ان کو زیادہ سے زیادہ کمیٹیوں کی رکنیت دی جائے۔ ہمیں خطوط اور تار بھیجنے والوں نے لکھا ہے کہ اُردو کے ان دوست نما دشمنوں کا پردہ جلد ہی چاک کرنا چاہیئے ہمیں بعض چونکا دینے والے بیانات بھی موصول ہوئے ہیں۔ مدیر شانِ ہند چونکہ اُردو کی ترقی اور تحفظ کے لئے بڑے سے بڑا چیلنج قبول کرتا آیا ہے۔ ہم نے طے کیا ہے کہ ان اُردو دشمن عناصر کو پوری طرح بے نقاب کیا جائے

ملک کو اس وقت سب سے بڑا خطرہ فاشسٹ عناصر سے ہے۔ انہیں کی وجہ سے ملک میں ایمرجنسی کا نفاذ کیا گیا ہے یہ فاشسٹ نگ سیاست ہی میں نہیں زبان و ادب میں بھی ہیں، ہم یہ بات ثابت کرینگے کہ شاید ہی ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں فاشسٹ لوگوں ایسا تسلط ہو جیسا اُردو میں ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اُردو کے

فاشسٹ عناصر اُردو دوستی کا ڈھونگ رچاکر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ مدیر شانِ ہند کا خیال ہے کہ اُردو کا دوسرا نام سیکولرازم ہے ہم بہت غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ چونکہ بعض لوگ سیکولرازم کے مخالف ہیں اس لئے اُردو کے بھی دشمن ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ اُردو میں "اعمال نامہ" اور "اُردو تحقیق" اور "مالک رام" جیسی فاشسٹ ذہنیت کی کتابیں شائع کی جاتی ہیں جن کا مقصد سوائے اسکے کچھ نہیں کہ نام نہاد تنقید و تحقیق کا سہارا لیکر شریف لوگوں پر کیچڑ اچھالی جائے اور اُردو کی سیکولر طاقتوں کو کمزور کیا جائے۔ "اعمال نامہ" کے بارے میں ہمیں کچھ مزید دلچسپ معلومات حاصل ہوئی ہیں جنہیں ہم اگلے شماروں میں شائع کرینگے تعجب ہے کہ اُردو کا ہر شاعر اور ادیب یہ جانتا ہے کہ جب اُنکی کتاب شائع ہوگی تو اُردو اکادمی سے ہزار دو ہزار روپے کا انعام ضرور ملے گا یہی معاملہ ذکی کاکوروی کا بھی ہے۔ اس سے پہلے انھوں نے بھی مضامین کا مجموعہ شائع کیا تھا جس میں کئی شخصیتوں پر حملے کئے گئے اور پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب جیسے محترم المقام اور فرشتہ صفت شخص کو جگہ جگہ "بڈھا" کہہ کر خطاب کیا گیا تھا اُن کی ایسی حرکتوں پر ہر طرف سے لعن طعن کی گئی، اور یہ کتاب انعام سے بھی محروم رہی، اس پر ذکی کے اندر کا فاشسٹ جاگ اُٹھا، فاشسزم سیاسی یا مذہبی نہیں لسانی بھی ہے

. . . .

. . . . اس طرح انکو بھی فاشسٹ عناصر کی حمایت بھی حاصل ہوگئی [illegible] کو بھگانے کا موقع بھی ہاتھ آگیا۔ اور تو اور شروع شروع میں ہم بھی [illegible] باتوں میں آگئے لیکن بفرعون راقم الحروف نے ان سے ملکر کتاب کی اصلیت کا پتہ چل چکا ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ ذکی نے [illegible] لے دے سکی، اگر اُردو اکاڈمی کی اصلاح چاہیئے تھی تو اسکی [illegible] اراکین یعنی محمد حسن، علی جواد زیدی اور شمیم [illegible] تنقید کی [illegible]

تھیلوں کے دستدار تھے لیکن ایک بڑے سے بڑی کرنا عربی ہے کو تسکین نہیں ہو سکتی تھی۔

بالکل اسی نوعیت کا کام دہلی میں رشید حسن خاں اور انکے ساتھیوں نے مالک رام کے خلاف کتاب چھاپ کر کیا۔ ہمیں دہلی یونیورسٹی کے بعض لوگوں نے بتایا ہے کہ اس کتاب کے چھاپنے کیلئے چند لوگوں نے خفیہ طور پر چندہ جمع کیا اور اس پر جعلی مرتب کا نام درج کیا گیا۔ اس بارے میں ہماری تحقیقات جاری ہیں۔ اگر شاہد اعظمی واقعی کسی شخص کا نام ہے تو وہ دفتر شان ہند میں تشریف لائیں اور اپنی شناخت کا ثبوت پیش کریں ورنہ اس جعل کا بھانڈا انہیں پھوڑنا پڑے گا۔ ہم مالک رام یا کسی شخص کے طرفدار نہیں لیکن اردو سے محبت کی بنا پر فاشسزم کا پردہ چاک کرنے پر مجبور ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایک مدت سے رشید حسن خاں اور انکے کچھ ساتھیوں نے مالک رام کے خلاف مہم چلا رکھی ہے اور ان پر طرح طرح سے کیچڑ اچھالی گئی ہے لیکن وہ خدا کا بندہ اس بڑھاپے میں بھی اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اگر خطوط غالب کے سلسلے کی کوئی بات تھی تو وہ کب کی صاف ہو چکی، ان تحریروں کا مقصد اگر اصلاح تھا تو یہ مقصد انکی اشاعت سے پورا ہو چکا، پھر ان منفی تحریروں کو کتابی شکل میں یکجا کرنے، جعلی ناموں کے پردے میں خود مضمون لکھنے، لوگوں کے پاس جا جا کر انہیں مالک رام کے خلاف بھڑکا کر مضامین لکھوانے اور پھر ان میں طویل حصے خود لکھ کر اضافہ کرنے کا مقصد سوائے اسکے کیا ہے کہ کسی شریف آدمی کو لسانی فاشسزم کا شکار بنایا جائے۔ وہ شخص تو اپنی شرافت کی وجہ سے بولنے سے رہا، فتنہ پسندوں نے سمجھا کہ اس طرح ہم انکی عزت کو نقصان پہنچا سکینگے۔ انکی عزت کو نقصان تو کیا پہنچا البتہ رشید حسن خاں اور ان کے ساتھیوں نے خود کو رسوا ضرور کر لیا۔ سچی تنقید ہوتی تو دونوں پہلوؤں کو دکھاتے اور مالک رام کی خوبیوں اور خدمات کو بھی سامنے لاتے، لیکن جب محرک جذبہ ہی فاشسٹ نوعیت کا ہو تو یہ کیونکر ہو سکتا تھا۔

دعا کرتا قاضی عبد الودود صاحب، جناب امتیاز علی عرشی اور پروفیسر مسعود حسین رضوی نے بھی دوسروں کی کوتاہیوں پر روشنی ڈالی ہے لیکن ان کا مقصد اصلاح تھا۔ دوسروں کی عزت پر حملہ کرنا نہیں۔ اگر وہ لسانی فاشسزم کا شکار نہیں ہیں تو یہ جرات انہیں گھر سے شروع کرنی چاہیئے۔ ہم اسکو خاصا پڑھا لکھا سمجھتے تھے لیکن جب سے اکبر علی خاں اور ڈاکٹر صدیق احمد اختر نے ثابت کیا ہے کہ رشید حسن خاں معمولی لفظوں کے معنی بھی نہیں سمجھتے تو ان کے عالم بالا کی سخن فہمی کا راز کھل گیا ہے۔ یہ تحریریں جمع کر لی ہیں اور انہیں شان ہند میں شائع کرینگے۔ جو شخص کوا کو مذکر بولتا ہو، اور جس کو اتنا پتہ نہیں کہ آواز مؤنث ہے کہ مذکر اسکو کیا حق ہے کہ دوسرے پر حرف گیری کرے۔ مرحوم عبد الخالق نقوی نے "غلطی ہائے مضامین" کے عنوان سے ایک مضمون میں کئی صفحوں پر رشید حسن خاں کی غلطیاں بھی گنوائی تھیں لیکن انھوں نے رسالے کے دفتر میں جا کر اس حصہ کو نکلوا دیا۔ رشید حسن دہلی یونیورسٹی میں مخطوطات کی عبارت نقل کرنے کے کام پر معمور ہیں۔ جب تذکرہ "عمدۃ المنتخبہ" شائع ہوا تو قاضی عبد الودود نے ان سے کہا کہ اس تذکرہ کا متن تو آپ نے تیار کیا ہے پھر یہ غلطیوں کی لوٹ کیوں ہے۔ رشید حسن نے جواب دیا کہ جب کتاب خواجہ احمد فاروقی کے نام سے چھپنی تھی تو میں محنت کیوں کرتا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رشید حسن اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں بد دیانتی کے مرتکب رہے ہیں اور جس کام کے لئے انہیں تنخواہ ملتی رہی ہے اس کام کو وہ محنت سے نہیں کرتے رہے، اور اگر انھوں نے بددیانتی سے کام نہیں لیا تو پھر "عمدۃ المنتخبہ" کی غلطیاں ان کی اپنی غلطیاں ہیں دونوں صورتوں میں رشید حسن بری الذمہ قرار نہیں پا سکتے، نیز اگر رشید حسن مالک رام جیسے مخلص ادیبوں کے تحقیقی معیار سے مطمئن نہیں تو خواجہ احمد فاروقی کی تحقیق کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے جو پروفیسر کلیم الدین احمد کے الفاظ میں نہ انگریزی کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں نہ اردو میں صحیح مفہوم کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہم نے اس رائے کی فوٹو کاپی محفوظ کر لی ہے اور وقت آنے پر شائع کرینگے۔

اردو کے فاشسٹ ادیب اپنی مفاد پرستی کے لئے قومی اہمیت کے بزرگوں کے ساتھ اور قومی اداروں کی عزت پر کیا کیا نازیبا حملے کرتے ہیں، ان کی تفصیل ہم اگلے اداریے میں دینگے۔ اس اداریے

فاشسزم طرح طرح کے بھیس بدل کر سامنے آتا ہے کہیں تحقیقی تنازعوں کا لبادہ اوڑھ کر کہیں مفاد پرستی کی شکل میں اور کہیں لسانی برتری کا روپ

کے گزر چکنے کے بعد ہماری نظر سے عتیق صدیقی کا وہ تبصرہ گزرا جو انھوں نے کانگریس کے اخبار "سب ساتھ" میں شائع کیا ہے۔ عتیق صدیقی غیر جانبدار اور قومی ذہن رکھنے والے ادیب ہیں اور ان کا تبصرہ ہمارے پچھلے اداریے کی اشاعت سے پہلے چھپ چکا تھا۔ ہم اس کو پورا نقل کرنا چاہتے ہیں مگر جگہ کی کمی کی وجہ سے ہم اس کے ضروری حصے اسی اشاعت میں اسی صفحہ پر پیش کر رہے ہیں۔ قارئین شانِ ہند خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ملا کی شاعری کو نشانہ بنانے سے ذکی کاکوروی کا مقصد اصلاح نہیں تھا بلکہ وہ خود لسانی فاشسزم کا شکار ہو گئے ہیں۔

نوٹ :- ہمیں یہ خوشی ہے کہ ہمارے اداریے کا اثر طالب علموں کی ذہنی حساسی پر بھی پڑا ہے۔ جب یہ پرچہ پریس جا رہا تھا کہ دہلی یونیورسٹی کے طالب علموں سے ایک لڑکی اور دو لڑکے شانِ ہند کے دفتر میں آئے انھوں نے اپنے بعض بڑے وقار اساتذہ کے بارے میں جو تفصیلیں بتائیں وہ ہمارے قارئین کے لئے یقیناً حیرت انگیز اور گھناؤنی ہوگی۔ ہم نے ان کا انٹرویو لے لیا ہے۔ اس وقت صرف اتنا بتا دینا کافی ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے وہاں علم و ادب کی نام نہاد خدمت کے علاوہ ایسے کام ہوتے رہتے ہیں جن سے کسی کی عزت محفوظ نہیں۔

اعمال نامہ

● ذکی کاکوروی

آج سے تیس چالیس سال پہلے کی ایک دلآویز اور اسی درجہ دلچسپ کتاب "اعمال نامہ" کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ یہ سر رضا علی مرحوم کی آپ بیتی تھی۔ کتاب کی ادبی خوبیوں سے قطع نظر موضوع سے کتاب کے [illegible] مصنف نے اس کی دلآویزی کو اور بھی دوبالا کر دیا تھا۔

حال ہی میں ذکی کاکوروی صاحب نے "اعمال نامہ" ہی کے نام سے ایک مختصر سی کتاب لکھنؤ سے شائع کی ہے۔ یہ ان کی آپ بیتی نہیں بلکہ اتر پردیش اردو اکیڈمی کی "آپ بیتی" ہے۔ اس میں انھوں نے اکیڈمی کی کارکردگی کا جائزہ لیا ہے۔ [illegible] کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے۔

اکیڈمی کا قیام ۱۹۷۲ء میں عمل میں آیا۔ اردو کی ترویج و اشاعت کی راہیں ڈھونڈنے کے علاوہ ادبی کتابوں کی طباعت کیلئے مصنفوں کو اردو کتابوں کی خریداری کے لئے کتب خانوں کو مالی امداد فراہم کرنا نیز مستحق اردو مطبوعات کو انعام دینا اکیڈمی کے اغراض و مقاصد [illegible] ہیں۔ یہی موخر الذکر موضوعات پیشِ نظر "اعمال نامہ" کا موضوع ہیں۔

مصنف نے اتر پردیش اردو اکیڈمی کا عموماً اور اس کی امدادی و انعامی پالیسی کا خصوصاً غیر تعمیری انداز میں جائزہ لیا ہے۔ حرفِ حال کے علاوہ کتاب تین مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل ہے۔

- سیاہی کی ایک بوند کی ادبی قدر و قیمت۔
- اتر پردیش اردو اکیڈمی۔
- انعام یافتہ کتابوں کی کیفیت۔

پہلے عنوان کے تحت مصنف نے آنند نرائن ملا کے چوتھے مجموعۂ کلام "سیاہی کی ایک بوند" کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ میں نہ شاعر ہوں اور نہ شعر کا پرکھیا۔ تاہم میرا احساس ہے کہ مصنف نے ملا کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔ اُن کا کلام صحیفۂ آسمانی نہیں ہے۔ کسی شاعر کا کلام بھی خامیوں سے پاک نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے۔ شاعر بھی "ابنِ آدم" ہوتا ہے اور "خوئے آدم" بھی اسے ورثے میں ملتی ہے جس کا تقاضا غلطیاں کرنا ہے اور یہی اس انسانیت کی دلیل ہے۔ مصنف نے [illegible] جس نوع کے اعتراضات کئے ہیں اسی نوع کے اعتراضات ایک [illegible] میں ہمارے لکھنؤ ہی کے نقادانِ شعر نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کے [illegible] کئے تھے اور اس سے زیادہ تلخ لب و لہجہ میں پنجابی نقادوں نے [illegible] شاعروں کے کلام کو سامنے رکھ کر جوابی حملے کئے تھے۔

یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ "سیاہی کی ایک بوند" [illegible] مصنف کے جائزے کو "اعمال نامہ" کے [illegible] صفحات [illegible] ان کے اصل موضوع "اتر پردیش اور اردو اکادمی" سے [illegible] کرتوں کو لکھیے۔ اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مصنف نے "سیاہی کی ایک بوند" کی تنقید کو "اعمال نامہ" میں شامل کر کے کسی [illegible] زیادہ خود اپنے موضوع کے ساتھ ناانصافی کی ہے اور اسے نقصان پہنچایا ہے۔

آنند نرائن ملا یقیناً اتر پردیش اکیڈمی کے صدر [illegible] انھیں "سیاہی کی ایک بوند" کی وجہ سے نہیں دیا گیا [illegible]

دِلی کیلئے ۲۰ نکاتی اقتصادی پروگرام

کامیاب آغاز

بے زمین لوگوں کیلئے آراضی:- ہریجنوں اور بے زمین کسانوں کو مکان بنانے کے لئے ۔۔۔ ۲۵ رہائشی پلاٹ اور کھیتی باڑی کے لئے ۸۷۷ زرعی زمینیں تقسیم کی گئی ہیں۔

- پنچایتوں کے ذریعے بے زمینوں کو ۱۳۰۹ رہائشی پلاٹوں اور ۹۰۴ زرعی زمینوں کی مزید تقسیم کا کام جاری ہے۔
- ہاؤسنگ کوآپریٹیوں کے توسط سے غریب اور کم آمدنی والے لوگوں کو ۷ ہزار رہائشی پلاٹ دیئے جائیں گے۔
- مکان بنانے کے لئے ہریجنوں کو ۱۵ لاکھ روپیہ کی مالی امداد کی فراہمی۔

طلباء و طالبات کیلئے سہولتیں:- تمام غریب طلباء و طالبات کے لئے بک بنکوں سے درسی کتابوں کی فراہمی۔

- تمام اسکولوں و کالجوں میں سستے داموں پر کاپیاں، کاغذ اور اسٹیشنری کی فراہمی ● تمام ہوسٹلوں میں سستے داموں پر ضروری اشیاء کی فراہمی۔

روزگار:- دلی یونیورسٹی کے نئے گریجویٹوں کو ۲ منی بسوں کی فراہمی ● اپرنٹس شپ ایکٹ کے تحت تربیت یافتہ ڈپلومہ ہولڈر انجینیروں کو روزگار کی فراہمی مالکان کے لئے لازمی ● ۲۵ ہزار لوگوں کو جلد از جلد روزگار فراہم کرنے کے لئے ٹریڈ کمپلیکس کی تعمیر کے کام میں تیزی۔

کم سے کم اجرتوں میں اضافہ:- صنعت، زراعت، دکانوں اور تجارتی فرموں میں ۵ لاکھ ملازمین و محنت کشوں کی کم سے کم اجرتوں میں اضافہ۔

تقسیم اشیاء:- سستے اناج کی دکانوں، کوآپریٹیو اسٹوروں، موبائل گاڑیوں کے ذریعے نہ صرف شہری حلقوں بلکہ دور دراز علاقوں اور جھگی جھونپڑیوں کالونیوں میں ضروری اشیاء مثلاً تیل اور موٹا کپڑا فراہم کئے جا رہے ہیں۔

[illegible] تقسیم:- فروخت ہونے والی تمام اشیاء پر قیمت ٹیگ لگانا لازمی قرار دے دیا گیا ہے۔

- منافع خوروں، ذخیرہ اندوزوں اور اسمگلروں کے خلاف سخت قانونی کارروائی کی جا رہی ہے۔

[illegible] انتظامیہ کے اقدام:- راجدھانی میں امن و امان اور نظم و نسق کی صورت حال میں کافی سدھار ہوا ہے۔

مستعدی اور بہتر کارکردگی ● آج دلی انتظامیہ کے تمام دفاتر اور اداروں میں ہر طرف مستعدی و بہتر کارکردگی اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کے برتاؤ کا خوشگوار ماحول پیدا ہو گیا ہے اور بدعنوان و نااہل لوگوں کو ہٹایا جا رہا ہے۔ لوگوں نے اس نئے دور کے آغاز کا خیر مقدم کیا ہے۔

آئیے ہم سب ایک ہو کر پورے نظم و ضبط، لگن اور پختہ ارادے کے ساتھ اس پروگرام کو پوری طرح کامیاب بنائیں

جاری کردہ:- محکمہ اطلاعات و اشاعت دلی انتظامیہ - دلی

مشاعرہ خواتین مظفر نگر

کریم الاحسانی

سیدہ فرحت۔ نسیم مخموری۔ مسعودہ حیات۔ جمیلہ دہلوی۔ ساحرہ دہلوی۔ کشور آرا شبنم۔ صہبا آبادی۔ نیر انجم نرگس۔ نسرین بہاری

نمائش مظفر نگر کی تقریبات کے سلسلے میں تین سال سے مشاعرہ خواتین بھی منعقد ہوتا ہے۔ مردوں کو پنڈال میں داخلہ کے لئے پاس جاری کئے جاتے ہیں۔ یہ وہی گراؤنڈ ہے جہاں پر پنجابی کوی دربار۔ کوی سمیلن۔ قوالی وغیرہ کے پروگرام چلتے ہیں اسی پنڈال میں مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے۔

دیکھئے ۲۵ مارچ ۷۵ء ہے۔ رات کے دس بج چکے ہیں دیر تک پنڈال کے باہر ہجوم کی زور آزمائی دیکھتا رہا۔ اُدھر مسز نجم مظفر نگری مہمان شاعرات کو کھانا کھلانے میں لگ گئیں اور اِدھر سامعین کا ایک ہجوم بغیر داخلہ کے لئے پاس کارڈ کی اشد ضرورت محسوس کر رہا ہے اگر ذرا دیر اور ہو گئی تو یہ ہجوم بے قابو ہو جائے گا۔ جگہ کا سوال بے چین کئے دے رہا ہے پھر کرسیاں نہیں ملیں گی بہرحال میں سوا دس بجے اپنے کئی احباب کو چھوڑ کر پنڈال کا جائزہ لینے کے لئے پنڈال میں چلا آیا ہوں لیجئے جناب بہار برنی صاحب رکن ادارہ "الجمعیۃ" آگئے ہیں ان سے سلام و دعا خیریت کے بعد انہی کے ساتھ اسٹیج پر پہنچ گیا ہوں کیونکہ بہار صاحب مشاعرہ کو چلائیں گے۔ جناب سبزواری صاحب محترمہ بیگم سید ظہیر حسن صاحب [illegible] مظفر نگر کا اسم گرامی صدارت کے لئے پیش کر رہے ہیں محترمہ اس اعلان پر تالیوں کی جھنکار میں مسند صدارت پر تشریف لا چکی ہیں اور بہار برنی نے مدعو شاعرات کے نام گنا کر نہایت موزوں اور مناسب مختصر الفاظ میں تعارف فرما کر نسرین آبادی کو زحمت سخن دی ہے۔ نسرین صاحبہ نہایت دلکش ترنم سے فرما رہی ہیں ؎

آپ سے مانگتی ہوں میرو وہ بے رخی سہی
ایک نظر کی بات ہے اب نہ سہی کبھی سہی

آپ یہ جب آئے کیوں میری ہی بات چلے کیوں
خالی نہ جاؤں کم سے کم اچھا وہ برہمی سہی

[illegible] ادھر دروازہ پر آنے والوں کا ایک ہنگامہ ہے [illegible] ادھر نسرین صاحبہ [illegible] رہی ہیں ؎

رات بہت اداس ہے دیکھئے مسکرا لیجئے
میرے بھی غمکدے میں آج ہلکی سی روشنی سہی

نسرین صاحبہ مناسب داد وصول کئے جا رہی ہیں اور بہار صاحب نہایت احترام کے ساتھ نسیم مخموری دہلوی سے درخواست کلام کر رہے ہیں نسیم صاحبہ پنڈال کا جائزہ لے کر غزل سرا ہیں ؎

جلاؤ دل کو اجالا کرو خیالوں میں
ہر ایک دل کی کسک ہو تمہارے نالوں میں

اندھیری رات سے آنکھوں خلوص دل لے کر
کوئی پکار رہا ہے تمہیں اجالوں میں

خموشیوں کی زباں سے سنا رہی ہے صبا
ہزار چاند گھرے ہیں زمیں کے ہالوں میں

بہت عزیز ہو تم دل کی آبرو کی طرح
تمہارے دل کی کسک ہے ہمارے نالوں میں

نسیم کیسے مہکتی ہوئی چمن میں چلے
گلاب سوکھ چلے ہیں کسی کے بالوں میں

نسیم صاحبہ اور داد لازم و ملزوم۔ اس حسین غزل اور دلکش ترنم پر کون داد نہ دے گا۔ لہٰذا آپ کو خوب خوب داد دی گئی ہے اور آپ تالیوں کی جھنکار میں کامراں جا رہی ہیں اور بہار صاحب فرما رہے ہیں ابھی آپ نے ایک معیاری غزل سنی اور اب آپ محمودہ ناز لکھنوی سے ان کا کلام سنئے وہ دیکھئے پھر دروازہ پر ایک شور ہے اس مرتبہ پولیس والے بھی حرکت میں آ گئے ہیں۔ یہ پاس سسٹم ہی غلط ہے اگر عام داخلہ ہو تو پنڈال میں جگہ ہی نہ ملے۔ لیجئے ناز صاحبہ سنا کر جا رہی ہیں اور میں ایسی جگہ بیٹھا ہوں کہ یہاں اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔ محترمہ مسعودہ حیات صاحبہ تعاون فرما رہی ہیں کبھی کبھی تو کوئی شعر ان کا بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اب دیکھئے ناز صاحبہ کی غزل سے آپ بھی [illegible] رہے آئیے پھر بھی ایک شعر تو سن ہی لیجئے کہا ؎

کچھ ہم کو بانٹ دیجئے اپنی جفا کے پھول
ہم بھی کھڑے ہیں اہلِ وفا کی قطار میں

چونکہ ابھی پنڈال میں افراتفری کا عالم ہے اس لئے مشاعرہ جما نہیں ہے بہار صاحب فرمارہے ہیں اگر فنکار کو داد نہ دی جائے تو اُس کا حوصلہ بلند نہیں ہوتا لہٰذا آپ حضرات سکون سے سنئے اور اچھے اشعار پر فنکار کو داد بھی دیجئے اور اب آپ صبا امادی سے ان کی غزل سنئے۔ صبا صاحبہ محفل کو یوں سرشار کر رہی ہیں ؎

ہمیں نے ناز اٹھائے ہمیں شکار ہوئے
ہمیں نے زلف سنواری ہمیں سے برہم ہے

نہ تھے چراغ تو اک چاندنی سی پھیلی تھی
جلے چراغ تو اب گھر میں روشنی کم ہے

داد نقطۂ عروج سے ہوا ہے۔ کئی بار دُہرا کر فرما رہی ہیں ؎

کٹے گی کیسے شب ہجر میری اے صہبا
کہ شام ہی سے ستاروں میں روشنی کم ہے

صبا صاحبہ داد پاکر اپنی جگہ آگئی ہیں اور بہار صاحب جمیلہ دہلوی کا نہایت مناسب الفاظ میں تعارف فرماکر درخواستِ کلام کر رہے ہیں جمیلہ صاحبہ نے یوں اپنے مخصوص ترنم سے غزل چھیڑی ہے ؎

نہ ادا کی تھی شرارت نہ نظر کا تھا اشارا
میں کسی کا نام کیوں لوں مرے دل نے مجھ کو مارا

داد مطلع ہی سے ہنگامہ کا روپ دھار رہی ہے اور مسعودہ حیات صاحبہ چٹکی لے رہی ہیں کہ پہلے مصرعہ میں نہ کے بجائے جمیلہ صاحبہ نا پڑھ رہی ہیں اور جمیلہ صاحبہ یوں سحر کرنے پر اُتر آئی ہیں ؎

کسی غیر کے کہے سے نہ کریں حضور زحمت
مجھے بےکسی کا مرنا شبِ ہجر میں گوارا

میں یوں رواں دواں تھی کسی دشتِ بیخودی میں
کہ ترے کرم نے بڑھ کر مجھے دے دیا سہارا

نہ وہ صبحِ روئے روشن نہ وہ شامِ زلفِ برہم
کوئی کیسے جی سکے گا ذرا سوچئے خدارا

یہ داد دینے والے تالیوں پر اتر آئے ہیں اور آپ اسی عالم میں مائک سے جدا ہو رہی ہیں اور بہار صاحب دہلی کی مشہور مترنم شاعرہ ساحرہ قزلباش کو دعوت دے رہے ہیں۔ ساحرہ صاحبہ اُٹھ کر اور بڑھے مائک پر کھڑے ہو کر یوں سحر کاری کرنے چلی ہیں ترنم سے تو آپ محروم ہی رہے۔ آئیے یہ حسین غزل سنئے گا ؎

مطمئن ہو گئے ہیں اب غم سے
زندگی کیسا ہے پوچھئے ہم سے

ہم نے اک داستاں سنائی تھی
آپ کس واسطے ہیں برہم سے

ہم نے ہونٹوں کو سی لیا تھا مگر
کھل گیا رازِ چشمِ پُر نم سے

ساحرہ صاحبہ پنڈال کو گرماکر کامراں جا رہی اور اِدھر چائے کا دور شروع ہو گیا ہے لہٰذا مسعودہ حیات چائے کی نذر تو نہ ہو سکیں البتہ شاعرات چائے کی طرف متوجہ ہو گئی ہیں اور ان کے متوجہ نہ ہونے سے کیا فرق پڑا ہے کچھ بھی نہیں۔ حیات صاحبہ فرما رہی ہیں ؎

حیراں سا لگے ہے نہ پریشاں سا لگے ہے
یہ دل تو کسی درد کا طوفاں سا لگے ہے

داد ہے کہ بس کچھ نہ پوچھئے پنڈال انگڑائیاں سی لے رہا ہے مطلع کو کئی بار دُہرا کر حیات صاحبہ یوں محفل کو توانائی عطا کر رہی ہیں ؎

کیوں اہلِ جنوں دشت کی اب خاک اُڑائیں
جب صحنِ چمن آنکھ کو ویراں سا لگے ہے

پھر داد کا ایک ریلا سا آیا ہے اور قدرے سکوت کے بعد ارشاد ہوا ہے ؎

اپنا تو پسینہ بھی گراں قدر رہے ہم کو
غیروں کا مگر خون بھی ارزاں سا لگے ہے

نفرت ہو تو ہر چیز ہی بن جاتی ہے پُرخار
صحرا بھی محبت میں گلستاں سا لگے ہے

پھر داد دینے والے تالیوں پر اُتر آئے ہیں اور سامنے والے من چلے ذرا زیادہ اُچھل کود رہے ہیں اِدھر حیات صاحبہ مقطع سُنا رہی ہیں ؎

دیکھو تو حیات آج بھی ہر شخص ہے شاداں
سوچو تو ہر اک فرد پریشاں سا لگے ہے

مسٹر منظر صاحب فرما رہے ہیں کیا تلاش ہے اور حیات صاحبہ داد میں نہائے شاداں جا رہی ہیں۔ لیجئے بہار صاحب رامپور کی مشہور ایڈیٹر اور سابق ایم ایل اے کشور آرا شبنم کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں۔ شبنم صاحبہ نہایت متانت سے فرما رہی ہیں ؎

یوں ڈھونڈ رہے ہیں تجھے اے شہرِ نگاراں
جیسے کہ ستاروں کا جہاں ڈھونڈ رہے ہیں

واہ کے شور میں اضافہ ہوا ہے ؎

وقفِ غمِ جاناں غمِ دوراں سے شب و روز
حاصل ترا اے عمرِ رواں ڈھونڈ رہے ہیں
سوتے میں بھی جاگے ہیں تجھے یاد کیا ہے
اب اپنے لئے خوابِ گراں ڈھونڈ رہے ہیں

شبنم صاحبہ رواں دواں سنا کر داد لوٹتے پلٹ رہی ہیں اور بہار صاحب نہایت ادب کے ساتھ سیدہ فرحت علی گڑاہی سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں سیدہ صاحبہ معمر خاتون ہیں اور آرائش و زیبائش سے بھی دور نظر آتی ہیں۔ نہایت سادگی سے مائک پر تشریف لا کر عنایت کر رہی ہیں ؎

کون محرم ہے رہِ عشق کے پیچ و خم کا
کیا بیاں کیجئے جذبات کے کیف و کم کا
درد الفاظ کے سانچے میں نہیں ڈھل سکتا
کوئی سمجھے تو اشارہ ہے یہ چشمِ نم کا
پردۂ ذہن پہ لاکھوں ہیں تصاویرِ حیات
یہ دکھاتا ہے کرشمہ نہیں جامِ جم کا
چھین لی جس نے کہ وہ بچھڑی کی جنت
جذبۂ فکر و تجسس تھا گنہ آدم کا

فرحت صاحبہ نے جس سنجیدگی سے اسی سنجیدگی سے آپ کو داد بھی دی گئی ہے۔ بہار صاحب نیرانگم نرگس دہلوی کو دعوتِ موسیقی دے رہے ہیں۔ نرگس صاحبہ آسمانی ساڑی زیبِ تن کئے ہیں آپکی بیاض میں غزلیں ہندی میں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ اردو کا جادو نہیں تو اور کیا ہے اور کمال یہ ہے کہ غزلیں اردو ہی میں سنائی جا رہی ہیں۔ نرگس صاحبہ مائک پر آکر ڈٹ گئی ہیں۔ آپکو دیکھ کر ایک آواز بلند ہوئی ۔۔ ایسی ہی بھاری غزل سنا رہی ہوگی ۔۔۔ جی ہاں ایسی ہی بھاری غزل سناؤنگی اور پھر نہایت دلکش ترنم سے محفل کو چونکا رہی ہیں ؎

مطلب سفر نہیں تو اگر ہمسفر نہ ہو ٭ تیرا جو نور راہ میں نورِ قمر نہ ہو
بیمارِ غم کا حشر پشیماں نہیں قبول ٭ اللہ میری آہ میں پیدا اثر نہ ہو
اے بے خبری غرضِ تمنا کا کیا جواب ٭ کچھ اور کہو خموش مرے نامہ بر نہ ہو
نرگس نے اپنے غم کا کبھی اظہار کر ٭ یوں اشکبار ہو کہ کسی کو خبر نہ ہو

نرگس صاحبہ تالیوں کے ہنگم شور میں اپنی جگہ آ رہی ہیں اور بہار صاحب شبنم دہلوی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ شبنم صاحبہ بھی کٹ زلف لہرائے مائک پر آکر یوں نغمگی کا مظاہرہ کر رہی ہیں ؎

آپ کی یاد جب آ گئی ٭ برق سینے پہ لہرا گئی
آ بھی جاؤ خدا کیلئے ٭ زندگی غم سے گھبرا گئی
اس کلی کا مقدر ہوں میں ٭ شاخ ہی پر جو مرجھا گئی

داد نے ترنم کو جنم دیا ہے۔ شبنم صاحبہ کئی بار دہرا کر چہک رہی ہیں ؎

ہم اگر دشمنوں سے بچیں ٭ دوستوں کی نظر کھا گئی
آج شبنم کو بے ساختہ ٭ حالِ گل پر ہنسی آ گئی

شبنم صاحبہ تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہی ہیں اور آپ کے ساتھ ہی تقریباً سوا بارہ بجے یہ پہلا دور ختم ہو رہا ہے اور دوسرا دور ۲ بجے تک جاری رہا۔

اس مشاعرہ کو کامیاب کرانے میں مسٹر نجم منظور تنگی بیرسٹر کاظم صاحب۔ محترمہ عائشہ فاطمہ بیگم نجم صاحب جناب کملیش بہادر واج، محترمہ نینا ماتھر اہلیہ جناب گنز رائن صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مظفر نگر نے نہایت کوشش فرمائی۔ میں محترمہ مسعود جہاں صاحبہ کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے شاعرات کے کلام حاصل کرنے میں میری مدد فرمائی۔ اور کیا عرض کروں ؎ نہ جانے صبح کے دامن میں صوب ہو کر دھواں
دعا نہ کیجئے محفل کی برہمی کیلئے

بقیہ صفحہ ۲۷

رامو بھاگ کر باہر گیا۔ دوسرے ہی لمحے رامو بیگ لئے ہوئے آگے آگے اور ڈاکٹر پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے دادی ماں نے شکایتوں کا انبار لگا دیا ڈاکٹر تو پر جھکا اسکا معائنہ کرتا رہا۔ اور میں سوچتا رہا دادی ماں کتنی مہربان ہیں اُنکا دل شفقت سے کسقدر بھرا ہوا ہے اور میری آنکھوں کے سامنے ننا کا پیارا اور مرجھایا ہوا چہرہ گھوم گیا اور ساتھ ہی ننو کی شریر آنکھیں بھی۔

مجھے اس قدر حیرت میں ڈوبا ہوا دیکھ کر سرتیا بھابی میرے پاس آ بیٹھی۔ بولی "کیا بات ہے۔ اسقدر حیران ہو کر کیا دیکھ رہے ہو۔ کیا یہاں تمہارا جی نہیں لگتا؟ میرا بھی یہاں جی نہیں لگتا۔ اگرچہ یہیں پیدا ہوئی یہ پرورش پائی اور بڑی ہوئی لیکن جتنا آرام مجھے تم لوگوں کے گھر میں جا کر ملا وہ میرے لئے ایک مُردان سے کم نہیں ہے میں بس دن پورے کر کے وہاں واپس آ جاؤنگی"۔

مجھے یقین نہیں آیا سرتیا بھابی یہ سب سچ کہہ رہی ہے میں تو سمجھ رہا تھا کہ وہ یہاں آ کر واپس لوٹ جانیکا نام ہی نہیں لیگی لیکن یہ اُسکی ذاتی پسند کی بات تھی اُسکا اپنا فطری ردِ عمل ہی تھا۔ یہ وہ خود جانتی تھی اس کی حقیقی جنت کونسی ہے۔

تین غزلیں

بیگم کشور آرا شبنم [illegible]

(۱)

ہم دل میں تجھے جانِ جہاں ڈھونڈ رہے ہیں / دیکھا تھا کہاں اور کہاں ڈھونڈ رہے ہیں
تنگ آکے بہاروں سے خزاں ڈھونڈ رہے ہیں / ہم اہلِ وفا اپنا جہاں ڈھونڈ رہے ہیں
یوں ڈھونڈ رہے ہیں تجھے اے شہرِ نگاراں / جیسے کہ ستارے کا جہاں ڈھونڈ رہے ہیں
وقتِ غمِ جاناں، غمِ دوراں ہیں شب و روز / حاصل ترا اے عمرِ رواں ڈھونڈ رہے ہیں
ہر لمحہ ہے مصروف نئی کھوج میں دنیا / اور ہم ترے قدموں کے نشاں ڈھونڈ رہے ہیں
لگتا تھا شبِ وعدہ کہ اب تو سحر ہے / ہم تجھ کو چراغوں میں دھواں ڈھونڈ رہے ہیں
اے جانِ بہاراں لئے بیٹھے ہیں ترا خط / الفاظ میں تصویرِ نہاں ڈھونڈ رہے ہیں
سوتے میں بھی جاگے ہیں تجھے یاد کیا ہے / اب اپنے لئے خوابِ گراں ڈھونڈ رہے ہیں
اب انجمنِ ناز میں کہنے کو غمِ دل / پھر ایک نیا طرزِ بیاں ڈھونڈ رہے ہیں
بھٹکے تھے کبھی دل کے اجالوں میں جہاں ہم / اب تک وہیں منزل کا نشاں ڈھونڈ رہے ہیں
شبنم انھیں خاموش فضاؤں میں چمن کی / ہم صبحِ بہاراں کی زباں ڈھونڈ رہے ہیں

(۲)

خط سیکڑوں لکھے ہیں تجھے نام چھوڑ کر / غزلیں کہی ہیں نامہ و پیغام چھوڑ کر
ہم اس کی جستجو میں جدھر سے گزر گئے / گزری وہ راہ گردشِ ایام چھوڑ کر
نظروں سے کس قدر رہِ جاناں قریب ہے / اے زندگی نہ جائیں ناکام چھوڑ کر
ساقی بھی جائے ہاتھ سے ایمان تو گیا / اب کیا کریں گے شغلِ مے و جام چھوڑ کر
اب مجھ کو اپنا ہوش ہی کب ہے خدا گواہ / مجھ پر نہ جائیے مرا انجام چھوڑ کر
روشن نہ ہو سکی کبھی دنیائے آرزو / میرا آفتاب ڈوب گیا شام چھوڑ کر
شبنم کسی کی یاد میں روتے ہیں رات بھر / [illegible] بہت ہے [illegible] چھوڑ کر

(۳)

اپنے نقش نقش سے گریزاں ہوئے ہیں ہم / کس درجہ زندگی سے پریشاں ہوئے ہیں ہم
کم ظرف [illegible] / جس شمعِ آرزو کے نگہباں ہوئے ہیں ہم
جانِ بہار اور ذرا دل تو [illegible] / [illegible] ہوئے ہیں ہم
دیکھو تو زندگی [illegible] مسکرائے / [illegible] گلستاں ہوئے ہیں ہم
[illegible] / [illegible] ہوئے ہیں ہم
[illegible] ہیں ترے ہی کے واسطے / [illegible] ہوئے ہیں ہم
شبنم [illegible] / اپنے [illegible] ہم

مس نسرین آنادی

دو غزلیں

(۱)

اپنے ہمراہ عزم جواں چاہیئے ان سہاروں کا کوئی بھروسہ نہیں
ساتھ اپنا نہ جانے کہاں چھوڑ دیں رہگزاروں کا کوئی بھروسہ نہیں

کون ہوتا ہے کس کا یہ ہمنوا ہے اُمل اہلِ آتش کا یہ مشورہ
دوسروں کے سہارے پہ جیتے ہیں جو اُن سہاروں کا کوئی بھروسہ نہیں

نغمگی جنکو مضراب غم سے ملے پست ہوتے ہیں ایسے ہی حوصلے
ساتھ کیا دے سکیں گے مرے گیت کا ایسے تاروں کا کوئی بھروسہ نہیں

خشک ساحل سے بھی کیا توقع کریں ان ساحل سے کیا توقع کریں
مجھ کو طوفان سے لاکر ڈبو دیں کہیں ان کناروں کا کوئی بھروسہ نہیں

ناموافق ہے شاید چمن کی ہوا رخ ہے نسرین گلچیں کا بدلا ہوا
ہو فسردہ بہاروں سے امید کیا اب بہاروں کا کوئی بھروسہ نہیں

(۲)

آپ سے مانگتی ہوں یہی خیر وہ بے رخی سہی
ایک نظر کی بات ہے اب وہ بھی کبھی سہی

آپ پہ حرف آئے کیوں میری بھی بات جائے کیوں
آپ پہ جو نثار ہے میری ہی زندگی سہی

شمع گل نہیں تو خیر اپنا ہی آشیاں جلا
آج کی رات باغ میں تھوڑی سی روشنی سہی

کچھ تو عطا کریں مجھے عشق ہے کم سمجھ مگر
خالی نہ جاؤں کم سے کم اچھا وہ بھی سہی

ترک تعلقات کا اتنا اثر نہ لیجئے
کر نہ سکیں کلام تو ایک سلام ہی سہی

بچ سکا اپنی ذات سے نسرین گر کوئی نہیں
آپ بھی کم نہیں تو خیر مان لیا بری سہی

تعارف

مس منظورہ احمد

عزمِ راسخ کی قسم جذبۂ صادق کی قسم
رحمتِ حق کی قسم، عظمتِ خالق کی قسم

کھیلنا سیلِ حوادث سے مرا کام رہا
سایۂ رحمتِ خالق مرا انعام رہا

غوطہ زن خون کے دریا میں کبھی ہوتی ہوں
باندھ کر سر سے کفن داغِ الم دھوتی ہوں

کئی عنوان ہیں رنگیں مرے افسانے کے
پاسباں کہہ دیں گے کعبے کے صنم خانے کے

میری ہمت کے درخشاں ہیں ستارے اب تک
اڑتے پھرتے ہیں فضاؤں میں شرارے اب تک

میرے نعروں سے دہل جاتے ہیں صحرا و جبل
میرے نغمات میں ڈھل جاتے ہیں یہ تاج محل

پرورش پائی ہے جب چھاؤں میں تلواروں کی
کیا جفاؤں سے ڈروں گی میں جفاکاروں کی؟

یہ گرجتی ہوئی توپوں کی سلامی میری
راہِ پُرخار میں آہستہ خرامی میری

میں نے شعلوں کے دہکتے ہوئے رخ پھیرے ہیں
میں نے بجلی کے کڑکتے ہوئے رخ پھیرے ہیں

کھیل سب گردشِ دوراں کو سکھائے میں نے
حوصلے ٹوٹے ہوئے دل کے بڑھائے میں نے

کھیل طوفانِ حوادث سے گزرنا سیکھا
آن جاتی ہو تو پھر آن پہ مرنا سیکھا

تختۂ گل میں وہ شعلوں کا بھڑکنا جیسے
آشیانوں پہ وہ بجلی کا کڑکنا جیسے

صورتِ برقِ تپاں رزم کے میدانوں میں
شمعِ سوزاں کی طرح بزم کے ایوانوں میں

ٹوٹ جاتے ہیں ستارے جو نظر اٹھتی ہے
ہوک سی دل میں مرے شام و سحر اٹھتی ہے

میرے جذبات، مرے عزم، مرے دل کی قسم
کوئی مشکل ہی سمجھتی نہیں مشکل کی قسم

میرے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں شعلہ بن کر
سارا سنسار نہ جل جائے بھبھوکا بن کر

میرے جذبات ہیں الفاظ کی صورت میں ڈھلے
سوز بن کر جو مرے خانۂ دل میں ہیں پلے

آہ مجھ کو تو میسر نہیں شاداں ہونا
پھر بھی آتا ہی نہیں غم میں ہراساں ہونا

غزل

شہنشاہ بانو حقی اجمیر

حقیقت آشنا تصویرِ جاناں ہوتی جاتی ہے
حریمِ دل میں روشن شمعِ ایماں ہوتی جاتی ہے

خود اب آرائشِ صحنِ گلستاں ہوتی جاتی ہے
خزاں آسودۂ فصلِ بہاراں ہوتی جاتی ہے

مری چشمِ ندامت ابر نیساں ہوتی جاتی ہے
خطاؤں سے مبرا فردِ عصیاں ہوتی جاتی ہے

الٰہی کیا اسی کو کامیابِ عشق کہتے ہیں
[illegible] مرے دل میں یا جاناں ہوتی جاتی ہے

کبھی بے چین رکھتی تھی کبھی ہر دل رلاتی تھی
وہی دل کی خلش تسکیں کا ساماں ہوتی جاتی ہے

ریاضِ زندگی میں اب نمودِ موسمِ گل ہے
ہر شاخِ تمنا [illegible] ساماں ہوتی جاتی ہے

کسی کی یاد کے نشتر جو چبھتے تھے رگِ جاں میں
وہ [illegible] کیفیت اب تو [illegible] ہوتی جاتی ہے

مونالیزا

غیاث قریشی (بی ایس سی) ساٹ
اورنگ آباد دکن

مجھے زندگی بھر جس کی طلب رہی کیا ایک تبسم کیلئے ملتا ہے؟
مجھے کہاں چاہے پا یا (وہ) ایک تبسم بھی کب ملتا ہے

اس ایک تبسم کو عظیم مصور لیونارڈو ڈاونچی نے "مونالیزا" کی شکل میں اپنے برش کی مدد سے کینوس پر امر کر دیا۔ دنیا میں بہت کم ایسے فنکار گزرے ہیں جن کے محض ایک دو فن پاروں نے ہی انہیں شہرت دوام بخشدی ہو۔ لیونارڈو محض مصور ہی نہیں ایک زبردست فنکار تھا۔ سائنس۔ انجنیری، موسیقی، تشریح الابدان وغیرہ مختلف فنون میں اسے کمال حاصل تھا۔

چار سو سال سے زائد عرصہ پہلے اس عظیم شہکار کی تخلیق ہوئی۔ مونالیزا محض ایک گھریلو عورت تھی۔ ان کے شوہر کا نام فرانسس جیکونڈو تھا۔ یہ ان کی تیسری بیوی تھیں۔ فلورنس میں ان کا قیام تھا۔ آج نہ ان کے شوہر کو کوئی جانتا ہے نہ والدین کو۔ مگر ایک مصور نے اپنے شہکار کے ذریعہ "مونالیزا" کو شہرت دوام بخش دی۔ اس تصویر کی تیاری میں کوئی چار سال کا عرصہ لگا۔ لیونارڈو ڈاونچی نے بڑی محنت سے لیزا کا موڈ برقرار رکھا۔ تصویر شبیہ سازی (PORTRAIT) کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کے انداز اور مسکراہٹ پر نہ جانے کتنے افسانے۔ کتنی کہانیاں اور کتنے شعر تخلیق ہو چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ جو بھی فرانس جاتا ہے دریائے سین کے کنارے لوور میوزیم میں اس تصویر کی زیارت کئے بغیر واپس نہیں آتا۔ یہ عورت کی نیم قد تصویر ہے۔ بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ بڑے دلفریب انداز میں رکھا ہوا ہے۔ پس منظر میں پہاڑ اور خاموش ندی ہے اور ایک پگڈنڈی۔ پوری تصویر سے ایک عجیب تقدس اور پاکیزگی جھلکتی ہے اور مسکراہٹ — ظالم مسکراہٹ! بقول جناب عزیز احمد صاحب

" ہیں تبسم میں سکوتِ عمر کی خاموشیاں
عشق کی رعنائیوں میں طلب کی بیہوشیاں
رنگ و خم کی دلبری میں نغمۂ نسوانیت
یا شفق سے آسماں کی شام کی سرگوشیاں
حسن بھی کیا لائے تاب بادۂ سرجوش کی
اس تبسم سے چھلک جانے کو ہیں مدہوشیاں

سُنا آپ نے......!

دیگر شخص کرائے دوسرا رنہ کیجئے — کیونکہ — کیونکہ شاید ایسا پہلے ہی ہو چکا ہے)

دو خوبصورت عورتیں کبھی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرسکتیں۔

اس دنیا میں عورتوں سے زیادہ مرد خوش رہتے ہیں۔ کیونکہ عورتوں سے شادی کرتے ہیں اور جلد مرجاتے ہیں۔

عورتیں مردوں سے زیادہ ہوشیار ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ کچھ بھی نہیں جانتیں مگر پھر بھی بہت کچھ کہہ جاتی ہیں۔

اگر آپ کسی عورت کی عمر جاننا چاہتے ہیں تو اس کے بارے میں اس کی سہیلی سے سوال کیجئے۔

کسی نے کہا ہے اچھی شادی تو ممکن ہے ہوں مگر نہایت اعلیٰ اور لطیف ازدواجی تعلقات ہوا ہی نہیں کرتے۔

عورت ایک بت ہے، مرد اس کی پرستش کرتا ہے۔ لیکن پھر توڑ ڈالتا ہے۔

دولت پیدا ہوتی ہے مرد کے ذریعہ سے۔ پیش صرف ہوتی ہے عورت پر۔

عورت کسی چیز کے کم ہونے کا افسوس نہیں کرتی بلکہ اس کو افسوس ہوتا ہے اس بات کا کہ دوسرے کے پاس کیوں زائد ہے۔

ضیا جعفر قریشی۔ اورنگ آباد دکن

سرورکی ریاض

انتقام

محترم چچاجان — عقیدتیں —!

اللہ کرے اچھے ہوں۔ ایک مختصر سی کہانی "انتقام" لے کر جرم شناس ہند میں پہلی بار حاضر ہو رہی ہوں۔ کہانی کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہے کہ سُلگی سے میں مل چکی ہوں۔ اس کا نام فرضی ہے۔ کردار فرضی نہیں۔ جانے کیوں اس پر نظر ثانی کرتے وقت میری آنکھیں بار بار چھلک پڑیں۔ ۔۔۔ اگر کہانی پسند آجائے تو مجھے بھی کوئی جگہ بخشیں ۔۔!!

آپ کی بھتیجی۔ سرورکی ریاض
معرفت علی کو سٹرناتھ تھیم (دیوبند)

وہ نیا نیا یونیورسٹی میں آیا تھا۔ ہر طرف اُسی کے چرچے تھے اور ہر زبان پر اُسی کا نام تھا۔ یہاں تک کہ یونیورسٹی کے باہر بھی اُسی کا ذکر ہوا کرتا تھا۔ وہ کروڑپتی باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ یونیورسٹی میں داخلہ لیتے ہی اس نے دس ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ بھی یونیورسٹی کو دیا تھا لیکن ان تمام باتوں سے الگ اُس کی اپنی ایک انفرادیت تھی۔ اُسکی پُروقار شخصیت تھی۔ لمبے لمبے بال۔ گورا رنگ۔ موتی جیسے دانت، وہ جامہ زیب بھی تھا۔ نظر فریب بھی۔ خوش اطوار بھی تھا اور مزاج کے اعتبار سے باغ و بہار بھی۔ ہفتے میں صرف تین دن کلاس میں جاتا باقی دن اپنی ٹاؤنس کار میں زرینہ کو بٹھائے اسّی کلومیٹر کی رفتار سے شہر کی شاہراہوں پر اُڑتے پھرنا اُس کا محبوب مشغلہ تھا۔ زرینہ اُس کی کلاس فیلو تھی لیکن معمولی قدو خال والی اس لڑکی پر وہ حد سے زیادہ مہربان تھا۔ اور یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ ایسا کیوں ہے؟ اُس کے کلاس میں ایک سے ایک خوبصورت لڑکیاں تھیں جو وسیم کی ایک چشمِ التفات کو ترستی تھیں لیکن وہ سب کو نظر انداز کر کے زرینہ ہی کو اہمیت دیتا۔ ساری یونیورسٹی میں زرینہ کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ کچھ لڑکیاں تو حسد کی آگ میں جلنے لگی تھیں۔ یونیورسٹی میں طلباء کی طرف سے سالانہ مشاعرہ ہونے والا تھا اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ مشاعرے کے سارے اخراجات اسٹوڈینٹ یونین کے بجائے وسیم نے تنہا اپنے ذمے لے لئے تھے اس کے اس فراخدلانہ جذبے کو بعد سراہا جانے لگا۔ ساری یونیورسٹی رنگ برنگ کے برقی قمقموں پھولوں اور [illegible] سے سج گئی۔ مشاعرہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چل رہا تھا [illegible] ڈائس پر وائس چانسلر کے بغل میں بیٹھا ہوا وسیم [illegible] ایک [illegible] وسیم ڈائس سے اُٹھا اور [illegible] سے باہر نکل [illegible] لیکن زرینہ کا [illegible]

پتہ نہ تھا! مشاعرہ رات کے ڈھائی بجے ختم ہو گیا۔ سارے لڑکے لڑکیاں اپنے اپنے ہاسٹل اور گھروں کی طرف چل دیئے جب میں اپنے ہاسٹل پہنچا تو وسیم کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ سوچا اس سے ملتا چلوں اور معلوم کر لوں کہ وہ مشاعرہ سے اتنی جلدی کیوں چلا آیا؟ دروازہ پر ہاتھ رکھتے ہی دروازہ کھل گیا۔ شاید وہ دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ اگلے پل میں نے جو دیکھا مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ وسیم شراب کے نشہ میں دُھت [illegible] تھا اور شوکت انجم مجھے دیکھتے ہی گھبرا کر بیڈ سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اپنی بے ترتیب ساڑی کو درست کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ اُلجھے اُلجھے بال پھیلا پھیلا کاجل اور اُڑی اُڑی سی رنگت ایک رنگین اور سنگین حقیقت کی غماز تھی۔ میں بے چینی اور اضطراب کے عالم میں لڑکھڑاتا [illegible] بوجھل قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ ساری رات کرب کے عالم میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ مجھے کسی پل چین نصیب نہ ہوا [illegible] وسیم کا چہرہ میری پلکوں کے سامنے آ کر مجھے چڑھاتا رہا۔ اور کبھی بیچاری [illegible] مریم جیسی عصمت مآب انجم کا پست کردار میرے ذہن کے شیشے پر [illegible] بھاتا رہا۔ میں ساری رات بیکراں سوچوں کے سیاہ سمندر میں ڈوبتا [illegible] کب میری آنکھ لگ گئی۔ صبح ہوتے ہی ایک شور ایک ہنگامے نے میری آنکھ کھول دی۔ باہر لان میں سیکڑوں لڑکے اور لڑکیوں کا ہجوم تھا۔ میں سمجھا شاید رات والا واقعہ آؤٹ ہو گیا ہے۔ لیکن بات کچھ اور ہی تھی ہر طرف سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ کسی نے کہا وسیم زرینہ کو لے کر بھاگ گیا [illegible] طرح طرح کی باتیں اور افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ [illegible] باتیں تھیں۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری یونیورسٹی میں پھیل گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وائس چانسلر [illegible] وسیم کے کمرے میں [illegible] کمرے میں شراب کی چند خالی بوتلوں اور [illegible] کے سوا کچھ نہ تھا

انھوں نے آگے بڑھ کر ان کاغذات کو اٹھایا تو جیسے کچھ لمحوں کے لئے اُن پر سکتہ طاری ہو گیا۔

ایک کاغذ پر لکھا تھا — محترم وائس چانسلر صاحب!

ایک سال پہلے اس یونیورسٹی میں سلمیٰ نام کی ایک لڑکی نے داخلہ لیا تھا۔ ایک طوفانی رات کو آپ کی خواہش پر آپ کے نمک خوار سوتی ہوئی سلمیٰ کو آپ کے کمرے میں اٹھا لے گئے تھے۔ اور اس لڑکی نے آپ کی ہوس کاریوں کا شکار . . . . ہونے کے بعد خودکشی کر لی تھی۔ مگر آپ اور آپ کے نمک خواروں نے صرف خودکشی کا کیس بنا کر اصل حقیقت پر پردہ ڈال دیا تھا۔ لیکن آپ اور آپ کے نمک خوار یہ بھول گئے تھے کہ اسی کمرے میں اس کی روم پارٹنر زرینہ بھی موجود تھی اور اس چشم دید گواہ نے مجھے آکسفورڈ یونیورسٹی میں ایک طویل خط کے ذریعہ سب کچھ بتا دیا تھا۔ میرے دل میں انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی چھوڑ دی اور ہندوستان آ کر صرف اپنی معصوم اور اکلوتی بہن کا بدلہ لینے کی غرض سے آپ کی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا یونیورسٹی کے سارے لڑکے اور لڑکیاں مشاعرہ میں شریک تھے۔ آپ کی صاحبزادی اپنے روم میں تھی اور میرے پہنچنے پر آپ نے کہا تھا..... شوکت انجم کے سر میں درد ہے اس لئے وہ مشاعرہ میں نہ آسکی میں نے اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھایا اور زرینہ کو اشارہ کرتے ہوئے مشاعرہ کے پنڈال سے باہر نکل آیا۔ زرینہ کو آپ کے کوارٹر بھیجا۔ اور وہ شوکت انجم کو یہ کہہ کر بلا لائی کہ آپ کے ڈیڈی نے آپ کو بلایا ہے ابھی میرے ساتھ چلئے۔ شوکت انجم مشاعرے میں شریک ہونے کے لئے تیار ہی تھی اور میں تاور پارک میں کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے پوچھا — وسیم صاحب آپ یہاں؟ مشاعرہ میں نہیں گئے؟ میں نے بھی دردِ سر کا بہانہ بنا لیا۔ پھر میں نے اسے ایک کپ چائے کی پیشکش کی وہ انکار نہ کر سکی اور میرے ساتھ میرے کمرے میں آ گئی..... میں نے کمرے کی بتی گل کر دی۔ اندھیروں نے اپنے دامن وا کر دیئے — تاریکی — تنہائی — انجم — میں — اور میرا جذبۂ انتقام اور پھر..... چند لمحوں کے اندر ہی انتقام کے دہکتے شعلوں پر موسلا دھار بارش ہونے لگی — اب انجم کے مضبوط بدن پر چڑھی ہوئی عصمت کی چادر تار تار ہو چکی ہے۔ اب وہ انجم سے [illegible] ہے!

بس کچھ لیجئے آج میں نے اپنا انتقام لے لیا۔ یہ خط ختم کر کے میں زرینہ کو لے کر ہندوستان کی سرحد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہا ہوں — وسیم

اس کے بعد وائس چانسلر صاحب نے خط کو مٹھی میں زور سے بھینچ کر زمین پر پھینکا اور یکایک بڑی تیزی سے باہر نکلے اور برآمدہ پر ٹھٹھک کر دوبارہ کمرے میں پہنچ کر خط کو یوں جھپٹ لیا جیسے ذرا بھی دیر کرتے تو وہ خط پھر سے اڑ جاتا۔ پھر انھوں نے بڑی عجلت سے اس خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا — ان کے چہرے پر ندامت اور غصے کی ملی جلی ہسٹریائی کیفیت طاری ہو گئی۔

— انھوں نے چھڑی کا سہارا لیا اور تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گئے —!!

عقیدت کے آنسو

نگار ایم۔اے

"میرا نام نگار ہے۔ لیکن میرا یہ نام حضرت علامہ عشق آبادی کو بہت پسند ہے۔ وہ میرے والد محترم سحبان العصر حضرت [illegible] کے عزیز ترین دوست ہیں۔ میری پیدائش شہر میرٹھ میں ہوئی آنکھ کھولی تو والد صاحب کو عالم فاضل اور شاعر دیکھا انہیں کے زیر سایہ پرورش پاکر بڑی ہوئی شروع میں تعلیم و تربیت گھر میں پائی۔ پھر گھر سے باہر تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کا بہت شوق ہے اور آرٹ میری روح کی غذا ہے۔ مضامین لکھتی ہوں شعر نہیں کہتی۔ تعلیم ابھی بند نہیں کی پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کا ارادہ ہے۔ اکثر بیمار رہتی ہوں اسی لئے غم آشنا ہوں۔ میرے مضامین میرے جذبات کے آئینہ دار ہیں خودستائی پسند نہیں۔"

آج کالج میں داخل ہوتے وقت فریدہ کے منہ سے نہ کسی [illegible] کیلئے ہیلو کی آواز نکلی نہ کسی ندیم کو سلام کرنے کیلئے اُس نے ہاتھ اٹھایا نہ کسی [illegible] کو آداب کرکے اُس نے ہاتھ ملایا۔ نہ اپنے کسی بوائے فرینڈ کے کان میں اُس نے کوئی سرگوشی کی۔

ہسٹری کا پیریڈ ختم ہوتے کے بعد وہ خاموشی سے لان پار کرکے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی اور دُور خلاؤں میں گھورتی رہی جیسے اپنے خواب اور زندگی کی ہر خوشی کی تعبیر اسے ان خلاؤں میں نظر آ رہی ہو۔ یکایک کسی کی دلکش آواز نے اسے چونکا دیا۔

کوئی اور نہیں اُس کا محبوب انور تھا جس کی ہر مسکراہٹ اور ہر ادا پر وہ ہزار بار قربان ہو جاتی تھی ہوتی بھی کیوں نہیں؟ خود فریدہ کی طرح وہ بھی تو مغربی تہذیب کا دلدادہ تھا فریدہ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تو انور اس کے مقابل آکر بیٹھ گیا۔ ندامت سے اسکی پلکیں جھکی ہوئی تھیں ہونٹ لرز رہے تھے چہرہ اُداس تھا ایک بار بھی اس نے اپنی خوبصورت پلکوں کی چلمن اٹھا کر ان غزالی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی جسکا وہ دیوانہ تھا۔ ایک بار بھی اُس نے ان نرم گلابی [illegible] کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی جس سے وہ بیتاب ہو جاتا تھا۔ ایک بار بھی اس نے [illegible] کی ان نازک پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر نظر نہ ڈالی جن کا رس پینے کا وہ تمنائی تھا۔

[illegible] فریدہ کے دل میں ایک طوفان تھا ایک ایسا طوفان جو [illegible] آنے والا تھا۔ گزری ہوئی رات کی ہر وہ بات یاد [illegible] اُسکے دل میں اُٹھے ہوئے طوفان کا سبب تھی

پیرس کلب میں رات جوان ہو رہی تھی آرکسٹرا کی مغربی اور مدھر دھنوں نے ماحول کو پُر شباب بنا رکھا تھا چکنے فرش پر [illegible] تھرک رہے تھے۔ جوان دلوں کی دھڑکنیں ہر لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھیں [illegible] جوانیاں باہوں کے گھیرے میں مچل رہی تھیں۔ ان سب کے بیچ انور اور فریدہ بھی ڈانس فلور پر رقص کر رہے تھے۔

فریدہ جو سراپا قیامت تھی انگ انگ سے مغربی رعنائی [illegible] رہی تھی فریدہ جو مجسم بہار تھی فریدہ جو ایک شعلہ تھی اسوقت انور کے بازوؤں کی زینت بنی ہوئی تھی۔ اور انور اس مست و بے خود [illegible] طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔ رقص ختم ہوا اور جیسے ہی [illegible] خواب سے جاگ گئے ہوں۔ سب اپنی اپنی میزوں کے [illegible] آکر بیٹھ گئے فریدہ اور انور بھی اپنی اپنی جگہ واپس آ گئے۔ جذبات میں [illegible] تھی انور پر جیسے اب بھی فریدہ کے لمس کا نشہ چھایا ہوا تھا۔

کلب سے باہر نکل کر انور اور فریدہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سنسان راستہ طے کر رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا اس لئے دونوں کا ارادہ پیدل [illegible] گھر پہنچنے کا ہو گیا۔ مست و بے خود ہوا چل رہی تھی۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے آ آ کر فریدہ کی زلفوں سے اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی [illegible] ہونے لگی تھی۔ بوندوں سے بچنے کیلئے دونوں جلدی جلدی راستہ طے کرنے لگے تھے انور نے کچھ دیر کے لئے پارک میں رُک جانے کی تجویز پیش کی فریدہ کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوا اور دونوں [illegible] ہوئے پارک کی طرف چل دیئے۔

[illegible] چاروں طرف خاموشی کا عالم۔ کبھی کبھی ہوا کا کوئی

جیسے صبا جھونکا آ جاتا اور پیڑ پودے آپس میں سرگوشیاں کر کے تالیاں بجانے لگتے۔ انور اور فریدہ خاموشی سے ایک تپائی پر بیٹھے اس خوبصورت ماحول سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

خوبصورت موسم، حسین معشوق دلکش ماحول اپنا اثر چھوڑے بغیر نہ رہ سکا۔ انور کے دل کا شیطان جاگ اٹھا۔ فریدہ کسمسا کر رہ گئی۔ وہ انور سے محبت ضرور کرتی تھی مگر اس طرح اپنی عصمت کو کھو دینا گوارا نہ تھی۔ مغربی تہذیب کی دلدادہ ضرور تھی مگر پھر بھی وہ امریکہ کی طرح بے پردگی سے آزاد رہنے کی قائل تھی مگر ایک حد تک اور ایک دائرے تک وہ ہر چیز کو محدود رکھنا چاہتی تھی۔ گو میرج کرنے کی تمنا تھی، مگر دلہن بن کر شرمانے کی آرزو بھی رکھتی تھی۔

انور کے ہاتھ بڑھتے چلے جا رہے تھے اور فریدہ جذبات میں پگھلتی چلی جا رہی تھی۔ اور پھر اچانک وہ سب کچھ ہو گیا جس کی کسی کو امید نہ تھی۔ فریدہ کا ہاتھ انور کے گال پر بے اختیار پڑ چکا تھا اور پھر بپھری ہوئی شیرنی کی طرح فریدہ کے تیز ناخن انور کو دبوچ چکے تھے اور انور بے سدھ ہو کر تپائی پر لیٹ گیا اور فریدہ موقع غنیمت جان کر وہاں سے بھاگ گئی۔

فریدہ گھر کے دروازے پر پہنچی تو گیارہ بج چکے تھے لیکن یہ کوئی خاص بات نہ تھی فریدہ جب بھی کلب جاتی اسے قریب قریب اتنا ہی وقت ہو جاتا تھا۔ لیکن تعجب کی بات تھی تین بہنیں تھیں اور تینوں ایک دوسرے سے کتنی مختلف تھیں!

فریدہ منجھلی بہن تھی۔ ثمینہ فریدہ سے ایک سال بڑی تھی عمر میں زیادہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے دونوں میں خوب آپس میں لڑائی جھگڑے [illegible] ہو جانا ان کی عادت میں شامل ہو چکا تھا۔ فریدہ سے دو سال چھوٹی [illegible] جس کا نام [illegible] خوبصورت جسم گورا [illegible] ایک عجیبہ تھی جس کی عمر ابھی [illegible] طبیعت میں [illegible] بھی موجود تھا۔ [illegible] فریدہ [illegible] (previous) [illegible] اور شادی [illegible]

[illegible]

[illegible] تھیں۔ کلب جانے اور [illegible] سے [illegible] اکثر ناراض ہو جاتی تھیں لیکن فریدہ

پر اسکا کوئی اثر نہ ہوتا۔ لیکن آج فریدہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے بڑی ندامت محسوس کر رہی تھی۔ اور اسے اپنی آزادی سے کچھ نفرت ہونے لگی تھی۔

فریدہ نے جیسے ہی دروازہ پر قدم رکھا وہ ٹھٹھک کر رہ گئی وہ تعجب میں پڑ گئی کہ اس کی بہن ثمینہ اس وقت چوری چوری گھر سے باہر کیوں نکل رہی ہے وہ فوراً ہی بجلی کے کھمبے کی آڑ میں ہو گئی اور ثمینہ کو جاتے دیکھتی رہی۔ ثمینہ تیز تیز قدموں سے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ فریدہ بھی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ فریدہ اس وقت حکیم جی تک پہنچی جب ثمینہ نے کوٹھی میں داخل ہونے کے لئے قدم بڑھائے۔ فریدہ نے فوراً ہی ثمینہ کی چوٹی پکڑ کر پوری طاقت سے اسے کھینچ لیا اور دو تھپڑ رسید کر دیئے۔

یہ کیا بدتمیزی ہے۔ فریدہ چلائی۔ کیا ضرورت پیش آگئی مطب میں جانے کی؟ فریدہ غرائی۔ ثمینہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہ فریدہ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کیا بات ہے ثمینہ بات تو بتاؤ۔ فریدہ نے پوچھا۔

مجھے مر جانے دو فریدہ مجھے مر جانے دو۔ ثمینہ روتے ہوئے بولی۔

اچھا بتاؤ کیا بات ہے۔ فریدہ نے پیار سے پوچھا۔

میرے پیٹ میں نسیم کا پاپ پل رہا ہے فریدہ

فریدہ پر جیسے بم آ پڑا ہو ۔۔۔ نہیں ۔۔۔۔۔ وہ زور سے چیخی۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ۔۔۔ لیکن ایسا ہو چکا ہے فریدہ اور مرنے کے علاوہ اسکا کوئی دوسرا علاج نہیں۔

اب کیا ہوگا ثمینہ یہ تم نے کیا کیا؟ تم نے اتنی بڑی بھول کیسے کر لی ثمینہ؟ وہ کمبخت نسیم جو اس وقت امریکہ کی سیر کر رہا ہوگا عیاش ۔۔۔۔۔ تم نے اس پر اعتبار کیوں کیا۔ کاش تم اس کو [illegible] سے پہلے کہ تمہارے قدموں میں [illegible]

نہیں فریدہ نہیں وہ راستہ پر نہیں آ سکتا اس نے [illegible] کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اور فریدہ [illegible] اور ثمینہ [illegible] اندر گھر [illegible] اور [illegible] لے لیا۔

[illegible]

[illegible] بہت شرمندہ ہوں اور زیادہ شرمندہ [illegible] فریدہ [illegible]

اپنی رات والی حرکت کی معافی مانگتا ہوں۔ تم میری [illegible] ہو تم میری محبت ہو تم میری زندگی ہو فریدہ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ میری زندگی کی سب سے پہلی اور آخری بھول سمجھ کر معاف کر دو۔ انور کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ فریدہ نے اس سے پہلے کبھی انور کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھے تھے اس کا دل پسیجنے لگا۔ اسے انور پر رحم آنے لگا۔ انور کے محبت کے دعوے اسے پھر سے یاد آنے لگے اور وہ سوچ میں پڑ گئی کہ کیا کرے۔

فریدہ صرف ایک بار معاف کر دو۔ انور پھر رو دینے والی آواز میں بولا۔ فریدہ تم نے سمندر کے ساحل پر مچلتی لہروں کی قسم کھا کر محبت نبھانے کا وعدہ کیا تھا۔ تم نے سیاہ راتوں میں چاند تاروں کو گواہ کر کے میری محبت کا اقرار کیا تھا۔ بولو فریدہ کچھ تو بولو! کہاں گئے تمہارے وعدے؟؟

انور کیا یہ سچ ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟

ہاں فریدہ بالکل سچ ہے۔ یقین کرو۔ یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ لو۔ فریدہ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔

انور محبت کیا چاہتی ہے تمہیں معلوم ہے؟

ہاں فریدہ مجھے خوب معلوم ہے اور میں اسکے لئے تیار بھی ہوں بولو کیا قربانی چاہئے؟

پھر سوچ لو انور۔ فریدہ نے کانپتی آواز میں کہا۔

جو کہنا ہے بے دھڑک کہہ دو فریدہ تمہارا یہ شیدائی اپنی جان بھی قربان کر دے گا۔ کہو فریدہ کہو۔ چپ کیوں ہو؟ فریدہ؟ بولو؟؟

تت۔۔ تت۔۔۔۔ تم میری۔۔ بہن شمیمہ سے شادی کر لو۔۔۔۔

کیا؟۔۔۔۔۔ انور جیسے چیخ پڑا ہو۔۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو فریدہ؟ یہ کیسی شمیمہ ہے۔ یہ کیسا امتحان ہے؟ یہ کیسی سزا ہے؟ یہ سب کیا ہے فریدہ یہ سب کیا ہے؟؟ انور نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ تھام لیا اور فریدہ بوجھل قدموں سے آنکھوں میں آنسو لئے کلاس کی طرف چل دی۔

فریدہ اور شمیمہ دو ماہ بعد کشمیر دورے پر گئی ہوئی تھیں جب سے وہ لوٹے تھے انہوں نے کشمیر کی سیر و تفریح میں گزارے تھے اور جب وہ واپس ہوئی تھیں تو فریدہ کی گود میں ایک ننھا معصوم سا ہاتھ [illegible] فریدہ کو دیکھ کر سب کی نظروں میں سوالیہ نشان بنے ہوئے تھیں۔

فریدہ ہر ایک کی بات سے [illegible] تھا مجھے اچھا لگا [illegible] تو کیا کرتی؟ فریدہ کی پھوپھی جان تعجب سے اسے دیکھتی ہوئی کہنے لگیں ارے پاروتی پھوپھی جان آپ گھبرا کیوں رہی ہیں؟

پھوپھی جان تعجب ہے۔ تو پالے گی؟ تو تو بچوں سے گھبراتی ہے۔

ہاں ہاں میں پالوں گی تعجب کی کیا بات ہے اور یہ کہہ کر وہ ننھے بچے کو گود میں جھلانے لگی۔

انور کے امتحان ختم ہو چکے تھے اور اب وہ حسب وعدہ شمیمہ سے شادی کرنے کو تیار تھا۔ تیاریاں ہو رہی تھیں بڑے زور و شور سے یاں کے گیت گائے جا رہے تھے۔ مہندی لگ رہی تھیں۔ ڈھولک بج رہے تھے۔ گوٹے کناری سے کپڑے سجائے جا رہے تھے ہر طرف ہنگامہ برپا تھا۔ صبح کو برات آنے والی تھی۔ فریدہ کے لئے وہ دن سب سے زیادہ اہم دن تھا۔ اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کا جنازہ اٹھنے جا رہا تھا ایک دولہا کے روپ میں کتنا سخت امتحان تھا؟ اس کا محبوب انور دولہا بن کر اس کے دروازے پر برات لے کر آئے گا اور دلہن اس کی جگہ شمیمہ ہو گی کیسا خون ہے یہ آرزوؤں کا؟ فریدہ اسی کشمکش میں مبتلا شمیمہ کے پاؤں میں مہندی لگا رہی تھی اور تھا یہی شمیمہ کے برابر میں سوہا تھا فریدہ مہندی لگا چکی تھی اور ننھے بچی کے ماتھے پر چاند سے بوسے دے کر کمرے سے باہر نکل گئی اور دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

برات آ چکی تھی۔ کھانا ہو چکا تھا اور اب نکاح ہو رہا تھا ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے کہ اچھے اچھوں کی آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔ فریدہ بھی آبدیدہ تھی۔ معلوم نہیں آنسو بہن کی جدائی کے آنسو تھے یا اپنی تمناؤں کے خون کے۔

رخصت کا وقت قریب آتا جا رہا تھا اور فریدہ کی حالت نازک ہوتی جا رہی تھی آخر وہ لڑکھڑاتے قدموں سے انور کے پاس گئی جو اب اسکا بہنوئی ہو چکا تھا۔

انور؟۔۔۔۔ فریدہ کانپتی آواز سے بولی۔

مجھے معاف کر دو انور۔۔۔۔۔؟

پھر فریدہ لرزتی آواز میں بولی۔ انور شمیمہ میری محبت کی سب سے زیادہ قیمتی نشانی ہے۔ اسے ہمیشہ۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد آنسوؤں نے فریدہ کی بات پوری کر دی۔ انور کی آنکھیں بھی آبدیدہ ہو چکی تھیں۔۔۔ [illegible]

دن ہفتے اور پھر مہینے بیت گئے فریدہ پھر سے کالج اور کلب کی رنگینیوں میں گم ہو چکی تھی مگر اب فریدہ ہمیشہ کی طرح کھلکھلاتی نظر نہ آتی اسے کبھی بھی سکون نہ ملتا۔ آج بھی فریدہ اسی سپر کلب میں ایک کونے میں بیٹھی ہوئی۔ آرکیسٹرا کا دلنشیں ساز جو فریدہ کے کانوں میں رس گھولتا تھا آج کسی طرح بھی سکون نہیں بخش رہا تھا اور فریدہ وہاں سے اٹھ کر جانے کی سوچ رہی تھی۔ پھر اس کی نظر یکدم اپنے کالج کے لڑکوں پر پڑ گئی اور وہ ان سے نظریں چرانے لگی۔ فریدہ آجکل کالج اور باہر ہر جگہ بات کرنے کا ایک topic بنی ہوئی تھی۔ ہر جگہ اسی کے چرچے تھے انور سے فریدہ کی بجائے ثمینہ سے شادی ہونا اور فریدہ کے پاس ایک بچہ کا ہونا اور فریدہ کا خاموش اور اداس رہنا ہزار طرح کے شبہات پیدا کر چکا تھا۔ اسی لئے فریدہ اب سب ساتھیوں سے گھبراتی تھی وہ کسی کے سوال کا جواب کیا دیتی۔ کہ ثمینہ کی شادی انور سے کن حالات میں ہوئی ہے اور وہ بچہ جو اس کے پاس ہے کس کا ہے؟ کس سے کہے کہ یہ بچہ خود اسکی بہن کا ہے۔ فریدہ اپنی پریشانیوں کو بھلانے کے لئے کلب کا سہارا لیتی۔ مگر وہاں بھی اسے سکون نہ ملتا اور وہ گھنٹوں اکیلی بیٹھی رہتی۔

کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟ کسی کی شیریں آواز نے فریدہ کے کانوں میں رس گھول دیا فریدہ اپنے خوابوں کی دنیا سے فوراً جاگ گئی اور گھبرا کر دیکھنے لگی اوپر سے نیچے تک کالے سوٹ اور کالے بوٹ میں کسی خوبصورت نوجوان کو اپنے سے مخاطب دیکھ کر وہ اور گھبرا گئی۔

اوہ ساری۔ شاید میں نے ڈسٹرب کیا۔ فریدہ کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ نوجوان بولا۔

فریدہ اپنی گھبراہٹ دور کرتے ہوئے۔ نہیں... نہیں۔ آپ بیٹھئے نا۔ اور وہ نوجوان مسکراتا ہوا فریدہ کے بالکل سامنے بیٹھ گیا فریدہ کنکھیوں سے اسے دیکھتی رہی۔

مجھے اسلم جاوید کہتے ہیں۔

شکریہ۔ مجھے فریدہ کہتے ہیں۔ اسلم جھوم اٹھا جیسے دور کسی مندر میں گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ اور پھر ہال روم میں آرکیسٹرا بجنے لگا۔

کیا آپ میرے ساتھ ڈانس کرنا پسند کریں گی؟ اس پرکشش انداز سے فریدہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی اور پھر وہ دونوں بھی رقص کرتے ہوئے جوڑوں میں شامل ہو گئے۔

رقص ختم ہو گیا اور وہ دونوں پھر میز کے ارد گرد بیٹھ گئے۔

فریدہ نے گھڑی پر نظر ڈالی پونے گیارہ بج رہے تھے۔

آپ کون سی شراب پینا پسند کریں گی؟

نو تھینکس میں شراب نہیں پیتی۔

میں بھی نہیں پیتا اسلم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور فریدہ بھی بغیر مسکرائے نہ رہ سکی۔

اب مجھے چلنا ہے کافی دیر ہو گئی فریدہ نے دوبارہ گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

چلی جائیے گا ابھی کیا جلدی ہے؟ ڈر لگتا ہے تو میں پہنچا دوں گا۔

مجھے گلی ادھر ہی جانا ہے فریدہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ لیکن کچھ سوچ کر وہ تھوڑی دیر میں پھر بولی۔

آپ کو وہاں کہاں جانا ہے؟

آپ مجھے نہیں جانتیں مگر میں آپکو خوب اچھی طرح جانتا ہوں میں آپ کا نیا پڑوسی کرایہ دار ہوں اور پھر اس نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا فریدہ کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ اس نے پوچھا کیوں کیا ہوا۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ استقبال... کس کا استقبال فریدہ چونک کر بولی۔ اسے ان باتوں سے الجھن سی ہونے لگی تھی۔

وہ مسکراتا ہوا پھر بولا۔ گلی سے گزر رہا تھا جیسے ہی آپ کے دروازے سے گزر رہا میرے اوپر بہت سارے خربوزے کے چھلکے آ پڑے۔ اوپر گردن اٹھائی تو شرارتی چوڑیاں کھنکھناتی وہ مجھ پر مسکرا کر سیڑھیاں چڑھ گئی تھیں۔

اوہ ساری۔ وہ میری چھوٹی بہن شالو ہے۔ بہت شریر ہے میں اسے ڈانٹ دوں گی اور اسکی طرف سے میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔

ارے بھئی وہ تو ایک دھوکہ تھا معافی کا کیا سوال مجھے تو وہ واقعہ یاد کر کے ہنسی آ جاتی ہے یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگا فریدہ کو اس وقت وہ ہنسی کتنی پیاری لگی جیسے پیانو کے سارے تار ایک ساتھ جھنجھنا اٹھے ہوں۔

فریدہ کھانے کی میز پر شالو کو مخاطب کر کے... شالو تمہاری شرارتیں کب ختم ہوں گی؟

کیوں کیا کیا ہے میں نے؟

فریدہ امی حضور سے شکایت بھرے لہجہ میں... امی جان آپ اسے سمجھاتی نہیں؟

کیوں کیا ہوا بیٹی؟

فریدہ کے والد شاکو کی طرف دیکھتے ہوئے..... کری ہوگی کوئی شرارت۔

نہیں ابو جی میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

اچھا یہ بتاؤ خربوزے کے چھلکے کس کے اوپر پھینکے تھے؟

شاکو مسکراتے ہوئے۔ وہ تو دھوکہ ہو گیا تھا۔

فریدہ باپ کی طرف مخاطب ہو کر..... ابو جی اپنے پڑوس میں نئے کرایہ دار آئے ہیں ان کے ساتھ اس نے یہ شرارت کی ہے۔

کون کرایہ دار آئے ہیں..... ابا حضور نے فریدہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ابا جی وہ احمد صاحب کا کوٹھی والا مکان خالی تھا اس میں اسلم بٹ جو کرایہ دار آئے ہیں۔ شاکو مسکراتے ہوئے بولی۔

اچھا تو تمہیں نام بھی معلوم ہے۔ فریدہ نے تعجب سے پوچھا۔

میں انکی پوری پیڑی جانتی ہوں کیونکہ اسلم صاحب کی چھوٹی بہن یاسمین اپنے ساتھ پڑھتی ہے لیکن یہ بتاؤ تمہیں یہ چھلکوں والی بات کس نے بتائی؟

رات اسلم صاحب کلب میں ملے تھے تب وہ خود ہی ذکر کر رہے تھے فریدہ نے کھانے کی میز سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

ابا جی شاکو کو سمجھاتے ہوئے..... آئندہ ایسی حرکت نہ ہو کہیں تم اب کوئی بچہ تو نہیں ہو۔

دن گزرتے گئے فریدہ اور اسلم کی دوستی بڑھتی چلی گئی۔ کلب میں انکی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ٹوٹے ہوئے دل کو جینے کا ایک سہارا مل گیا تھا فریدہ اس سہارے کو کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی تھی اس لیے وہ بہت جلد ہی اسلم سے شادی کر لینا چاہتی تھی اسلم بھی اس بات کے حق میں تھا کیونکہ وہ فریدہ جیسی خوبصورت اور روشن خیال لڑکی پا کر بہت خوش تھا۔

آج بھی حسب معمول دونوں کلب میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اسلم کچھ اداس تھا اسکے چہرے سے گہری سوچ کا اظہار ہو رہا تھا اور فریدہ اسکی وجہ جاننا چاہتی تھی۔

اسلم؟؟

ہوں،

کیا بات ہے تم اتنے خاموش کیوں ہو؟

نہیں تو......

کوئی بات چھپا رہے ہو۔ سچ بتاؤ کیا بات ہے۔؟

کیا تم میری بات کا سچا جواب دو گی؟

ہاں ہاں کیا بات ہے بتاؤ۔ فریدہ نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

یہ بتاؤ شکیل تمہارا کون ہے؟

فریدہ سن سے رہ گئی اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسلم اس سے یہ بات پوچھے گا۔ فریدہ یکدم گھبرا گئی۔ وہ کیا بتاتی کہ شکیل اس کا کون ہے فریدہ کے منہ سے کوئی جواب نہ نکلا اسے محسوس ہوا جیسے اسکی ساری طاقت سلب ہوتی جا رہی ہے اسکے بدن کا سارا خون کسی نے نچوڑ لیا ہے۔

فریدہ میری بات کا جواب دو؟

فریدہ کو اپنی خوشیوں کے سارے محل منہدم ہوتے دکھائی دیئے اس میں اتنی سکت بھی نہ رہی کہ وہ اسلم کی بات کا کوئی جواب دے سکے۔

کیا اس سوال کا جواب دینا بہت ضروری ہے اسلم؟

ہاں فریدہ ہاں۔ اسلم نے ذرا تیز آواز سے کہا۔

لیکن تم یہ سوال کیوں پوچھنا چاہتے ہو؟

کیونکہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ شکیل تمہارے پہلے پیار کی نشانی ہے

کیا؟؟..... فریدہ کا دل زخمی ہو گیا اس کیلئے یہ برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ پھر بھی اس نے صبر سے کام لیا۔

کیا تمہیں اپنے پیار پر بھروسہ نہیں اسلم؟

مجھے اپنے پیار پر اپنے سے زیادہ بھروسہ ہے لیکن میں حقیقت کی اصلیت جاننا چاہتا ہوں۔

تو صرف اتنا سن لو کہ شکیل سے میرا کوئی رشتہ نہیں وہ کسی کے پیار کی بھول ہے اور اس لڑکی کی بدنامی نہ ہو اس لئے میں اسے اپنے پاس لے آئی ہوں۔ اس لڑکی کا نام میں نہیں بتا سکتی چاہے آپکے دل میں شک ہی کیوں نہ رہے۔

تم کتنی عظیم ہو فریدہ یہ مجھے آج ہی معلوم ہوا کہ محبت کی پرواہ کئے بغیر تم دوسرے کے لئے قربانی کر رہی ہو۔ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکوں گا۔ فریدہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ جنہیں اس نے اپنے رومال میں جذب کر لیا۔

فریدہ کلب سے گھر پہنچی تو دیکھا ابا حضور کچھ پریشان سے ہو رہے ہیں پوچھنے پر شاکو سر جھکائے بیٹھی تھی۔

اہا! مجھ کو بھی معلوم ہوتا ہے کوئی تمہیں دیکھنے آیا ہے۔ فریدہ نے شالو کو چھیڑا۔

مجھے کیوں، یہ لوگ تو تمہیں دیکھنے آئے ہونگے شالو نے چڑ کر جواب دیا۔

اچھی بات ہے ابھی معلوم ہوا جاتا ہے یہ کہہ کر فریدہ کمرے سے باہر نکل رہی تھی کہ امی حضور کمرے میں داخل ہوئیں۔ ارے فریدہ جاؤ مہمانوں کے پاس جا کر بیٹھو دیکھو اپنی شالو کا کتنا اچھا رشتہ آیا ہے۔ لڑکا I.C.S. ہے۔ اوہ مائی گاڈ فریدہ نے آنکھیں چمکاتے ہوئے کہا۔ تو یہ شان ہے جناب کی۔ فریدہ نے شالو کی گردن پر ایک موٹی سی چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

مجھے آ کر کوئی I.C.S. پسند نہیں آتا۔ فکر نہ کرو فریدہ یہ I.C.S. تمہارے لیے آیا ہے۔ میں نہیں جاؤں گی۔

[illegible] تم بڑی بھولی ہو یہ کہتی ہوئی فریدہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ دل میں خوش تھی کہ اپنی شالو کیسے اچھے گھر بیاہ کر جائے گی [illegible] کر تو اس سے خوشی پیدا ضرور ہوئی اور وہ [illegible] شالو کے پاس پہنچی۔

خدا قسم دیکھو تو سہی کتنا خوبصورت لڑکا ہے؟ نام بھی بڑا ہی خوبصورت ہے۔ جمال ہے اسکا نام۔ جیسا نام ویسی ہی شکل فریدہ [illegible] تصویر دکھا رہی تھی۔ یکایک اس نے شالو کی آنکھوں میں آنسو [illegible] تصویر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی یا اس نے [illegible] کیا بات ہے شالو تم رو کیوں رہی ہو۔ کیا تم اس رشتہ سے خوش [illegible] فریدہ نے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے [illegible] اور پھر اس نے پیار بھری نظر شالو پر ڈالی [illegible] اٹھا کر پوچھا کیا تم اس رشتہ سے خوش نہیں ہو؟

نہیں ؟؟

کیوں ؟؟

میں کسی سے پیار کرتی ہوں۔

کون ہے وہ جس سے تم تمہاری شادی کرانا چاہتی ہو [illegible] کیا بات

نام بتاؤ بتا بتاؤ ...... اسلم جان۔

فریدہ پر جیسے بجلی گر پڑی۔ وہ بت کی طرح ششدر ہو گئی جیسے [illegible] وہیں کی وہیں رہ گئی۔ اسکے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا

[illegible] شالو کو [illegible] گئی اگر اسلم سے میری شادی نہ ہوئی تو میری شادی کبھی نہ ہوگی۔

فریدہ میں اتنی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی کہ وہ چل کر اپنے کمرے میں آ جاتی۔ ساری اپنی آرزوؤں کے جنازے کو سہارا دے کر آنسو بہاتی وہ سوچ رہی تھی خدایا بار بار اسی کا امتحان کیوں لیا جاتا ہے یا خدا یہ کیا ہے۔ وہ دل میں بڑبڑائی سب سے اچھا تو یہ ہے کہ موت ہی مجھے اٹھا لے۔ اس طرح زندگی دے کر بار بار تو نہ چھینی۔ فریدہ بوجھل قدموں سے لڑکھڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی اور تکیہ میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فریدہ کے دل میں بار بار یہ خیال آتا کہ اسلم سے صرف شالو ہی محبت کرتی ہے یا اسلم بھی شالو کو پیار کرتا ہے۔ مگر اسکا کوئی جواب اسے اپنی فہم سے نہ مل سکا۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ شالو سے اسکی تفصیل ضرور معلوم کرے۔ یہ سوچکر فریدہ شالو کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

شالو ؟؟ میری ایک بات کا جواب دو گی؟

ہوں.... کیا بات ہے؟

یہ بتاؤ تمہاری اس محبت کا علم اسلم کو بھی ہے یا نہیں۔

نہیں.... اسے اس کا کوئی علم نہیں۔

تو ایسی حالت میں وہ شادی سے انکار بھی تو کر سکتا ہے۔

ایسا نہ کہو فریدہ ایسا نہ کہو اسکا انکار میری موت ہوگی۔ کیا میرے اس خاموش پیار کو خدا بھی فراموش کر دے گا؟ کیا میری اس خاموش محبت میں کوئی اثر نہ ہوگا [illegible] ضرور ہوگا۔ اور پھر [illegible] میرے اس پیار سے آگاہ ہے وہ [illegible] ضرور [illegible] کرے گی۔

فریدہ اپنے کمرے میں واپس آ گئی وہ پھر تکیہ میں منہ چھپا کر رونے لگی روتے روتے نڈھال ہو گئی اور [illegible] آغوش میں چلی گئی۔

فریدہ کی آنکھ کھلی تو رات کے [illegible] ناگن بالوں [illegible] فریدہ پھر نہ سو سکی [illegible] شالو کو دیکھنے آئی تھیں وہ کب واپس گئیں [illegible] فریدہ [illegible] کی جدائی [illegible] اس نے [illegible] کو ہموار کیا [illegible] تھا اس کی قسمت پھر اسے دھوکا دے رہی تھی پھر اسکا سنہرا [illegible]

تھی۔ ذہنی کشمکش میں الجھی فریدہ کو یہ بھی پتا نہ چلا کہ کب صبح ہوئی اور کب رات ختم ہو گئی۔ اس کے دل میں آیا کہ خودکشی کر لے۔ کہیں جا کر ڈوب مرے نہ کوئی ہمدرد نہ کوئی غمگسار تھا کب تک اپنی بربادیوں کا ماتم کرتی رہے۔ وہ یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ پنکی جو اب ڈیڑھ سال کا ہو چکا تھا دوڑتا ہوا آیا اور ماں ماں کہتا ہوا لپٹ گیا۔ پل بھر کے لئے فریدہ سب کچھ بھول گئی اور اس کے پیار میں کھو گئی۔

فریدہ کو کلب گئے ہوئے آج کئی دن ہو گئے تھے اور اسلم اس وجہ سے بے حد پریشان تھا۔ وہ روزانہ کلب جاتا فریدہ کا انتظار کرتا اور پھر ناامید ہو کر واپس لوٹ آتا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہیں فریدہ بیمار تو نہیں ہو گئی۔ یہ سوچ کر اس نے فریدہ کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن رات کافی ہو چکی تھی اور اس وقت اس نے جانا مناسب نہ سمجھا اور خاموش اپنے گھر کی طرف چل دیا

شالو کھڑکی سے اسلم کو آتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جب اسلم نے فریدہ کے مکان پر دستک دی تو شالو تیز قدموں سے دروازے کی طرف دوڑی۔ آیئے آیئے اندر آیئے اسلم صاحب۔

مجھے فریدہ سے ملنا ہے۔ وہ کچھ گھبراتے ہوئے بولا۔

ہاں ہاں وہ گھر میں موجود ہیں۔ شالو نے بڑھ کر ڈرائنگ روم کھول دیا اور اسلم اندر داخل ہو گیا۔

فریدہ! فریدہ!! شالو دوڑی دوڑی گئی.... وہ..... اسلم صاحب آئے ہیں۔ تم ہو کہ اب بھی بستر میں گھسی ہوئی ہو۔

اچھا بٹھاؤ میں آتی ہوں۔

تم تو عید کا چاند ہو گئیں فریدہ کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے؟؟

ہاں ذرا بخار سا ہو گیا تھا اب ٹھیک ہے۔

اوہ میں تو سمجھا تھا شاید تم......

فریدہ نے آڑ میں کھڑی شالو کی طرف دیکھتے ہوئے اسلم کی بات کاٹ دی۔ کل شام کو کلب آنے کی ضرور کوشش کروں گی۔

فریدہ نے شالو سے چائے لانے کو کہا تو شالو نے خوشی خوشی ناشتہ کی ٹرے سجا کر بھیج دی جیسے اس کے دل کی مراد پوری ہو رہی ہے تھوڑی دیر بعد اسلم وہاں سے رخصت ہو گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر پریشانی کے بجائے اطمینان تھا۔

فریدہ کلب جانے کیلئے تیار ہو رہی تھی کہ امی حضور فریدہ کے کمرے میں داخل ہوئیں اور اسے مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔

فریدہ اب تمہیں بھی اپنے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا ہے پڑھائی ختم ہونے والی ہے اس سال فائنل کر لو گی۔ اگر کسی جگہ تمہارا شادی کا کوئی پروگرام ہو تو ہم کو آگاہ کر دو۔ اس کے علاوہ جو عورتیں شالو کو دیکھنے آئی تھیں وہ تمہیں زیادہ پسند کر گئی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جمال کچھ زیادہ ہی نئی تہذیب سے وابستہ ہے اس لئے وہ شالو کی جگہ فریدہ کو زیادہ پسند کرے گا۔ اب تم سوچ سمجھ کر ہم کو جواب دینا تاکہ اس کو عمل کر سکیں۔

فریدہ خاموش رہی وہ کچھ نہ بولی۔ امی کمرے سے باہر جا چکی تھیں۔ فریدہ نے آنکھوں میں آئے آنسو رومال میں جذب کئے اور کلب کی طرف روانہ ہو گئی۔

اسلم فریدہ کا منتظر تھا۔ فریدہ کو آتے دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اس نے لپک کر فریدہ کا استقبال کیا اور پھر دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

اسلم آج میں تم سے بہت ضروری بات کرنے آئی ہوں۔

میں بھی آج تم سے بہت ضروری بات کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ اب تمہارے بغیر زندگی ادھوری معلوم ہوتی ہے۔ اسلم شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

فریدہ نے آنکھوں میں آئے آنسو جذب کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اسلم سے اپنے آنسو نہ چھپا سکی۔ اسلم تڑپ گیا۔

کیا بات ہے فریدہ؟ تمہاری آنکھوں میں کیسے ہیں؟

اپنی محبت کا جنازہ خود دیکھنے کی ہمت پیدا کر رہی ہوں اسلم۔

یہ تم آج کیسی باتیں کر رہی ہو کیا ہوا ہے تمہیں۔ محبت کا جنازہ کبھی نہیں نکلتا فریدہ۔ محبت وہ جذبہ ہے جو مر کر بھی زندہ رہتی ہے محبت کے ماروں کو راہ دکھاتی ہے۔ لیکن تم یہ سب کچھ کیوں سوچ رہی ہو کیا میں نے کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف کی ہے؟

نہیں اسلم نہیں۔ دراصل بات کچھ اور ہے۔

کیا بات ہے فریدہ مجھے بتاؤ وہ کون سی الجھن ہے جو تمہیں کھائے جا رہی ہے۔ میں اس کا خاتمہ کر دوں گا میں اسے......

فریدہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسلم ایسا مت کہو میں

خوشی ہی بیاہ ہوگا۔

لیکن بات کیا ہے یہ بھی تو بتاؤ؟

اسلم مجھ سے پہلے کوئی اور تمہارے پیار کی حقدار ہے۔ جب نہ تم نے مجھے دیکھا تھا نہ میں نے تمہیں دیکھا تھا وہ تم سے خاموش محبت کرتی ہے اور بہت محبت کرتی ہے اسکا ثبوت تمہاری بہن یاسمین بھی ہے

تو یہ کرو فریدہ اس کے پیار سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے صرف تم سے پیار کیا ہے اور میں صرف تم سے شادی کروں گا۔ اسلم تڑپ تڑپ جانے والی آواز میں بولا فریدہ میں کسی اور سے ہرگز شادی نہ کرونگا۔

لیکن اسلم تمہیں ایسا کرنا ہوگا کیونکہ وہ لڑکی کوئی اور نہیں میری بہن ہے۔

کیا!! اسلم کرسی سے اچھل پڑا اسے محسوس ہوا جیسے اس کا کلیجہ منہ کو آ رہا ہے۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو فریدہ!!

یہ حقیقت ہے اسلم میرا آخری فیصلہ یہی ہے کہ اگر تم نے شالو کے پیار کو ٹھکرایا تو میری زندگی کا دوسرا روپ جو موت سے بھی زیادہ بھیانک ہے تمہارے سامنے آ جائے گا۔ یہ کہہ کر فریدہ بے اختیار رو پڑی

نہیں فریدہ نہیں۔ خدا نہ کرے۔ ایسا نہ کہو فریدہ میں تو زندگی کے آخری سانس تک تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ پیار ہے فریدہ جسموں کا سودا نہیں۔ میرا پیار ہمیشہ تمہارا رہیگا فریدہ اور شالو کا پیار ایک فرض رہے گا تمہاری خوشی بنکر۔

فریدہ کی آنکھوں سے پہلے ہی آنسو جاری تھے اسلم بھی فریدہ کی اس قربانی سے خون کے آنسو رو دیا۔

آرکسٹرا کی سریلی نغمہ خیز دھنیں بج رہی تھیں مگر اسلم اور فریدہ سب سے بے نیاز اپنی غمگین دنیا میں کھوئے ہوئے تھے اسلم کے لئے فریدہ کو چھوڑ کر شالو سے شادی کرنا زندگی اور موت سے ٹکر لینا تھی ابتک اس نے اپنے خوابوں میں صرف فریدہ کی تصویر سجائی تھی وہ کس طرح سے بھول کر شالو سے پیار کرے گا؟ شالو کا دھندلا سا چہرہ اس کے سامنے آگیا اکثر یاسمین کے ساتھ اس نے شالو کو اپنے یہاں دیکھا تھا اسلم کبھی ادھر سے گزرتا تو وہ مسکرا کر آداب ضرور کر لیتی اور اسلم گردن کو ہلکی سی جنبش دیکر اسکا جواب دے دیا کرتا عجیب سی بات ہے وہ لڑکی اس سے اتنا پیار کرتی ہے لیکن فریدہ نے مجھے کیوں الجھن میں ڈال دیا اگر میں انکار کر دوں تو؟ ٹھیک ہے میں ہرگز یہ شادی نہ کرونگا۔ لیکن پھر فوراً ہی اسے فریدہ کا خیال آ جاتا اور وہ کانپ کر رہ جاتا نہیں فریدہ نہیں میں تمہیں خودکشی نہیں کرنے دونگا۔ میں تمہارے لئے یہ قربانی ضرور کروں گا۔ خیالات کی بے چینیوں نے اسلم کو سونے نہ دیا۔ وہ تمام رات سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا۔

صبح کو یاسمین کو چائے لاتی دیکھ کر اسلم کے دل میں خیال آیا کہ یاسمین سے بھی اس بات کی تصدیق کر لے کہیں فریدہ کسی غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہو گئی۔ اسلم موزوں الفاظ تلاش کر رہا تھا کہ یاسمین بھائی کو دیکھتے ہی چونک گئی۔ بھیا! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ کیا رات بھر سوئے نہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟ بخار تو نہیں آگیا؟ یہ ہونٹوں پر پپڑیاں کیسی جمی ہیں؟ اسلم کو جیسے موقعہ ہاتھ لگ گیا ہو۔

اتنے بہت سے سوالوں کا جواب دینا میرے بس کا روگ نہیں یہ بتا ابھی تک کوئی لڑکی بھی دیکھی بھیا کے لئے۔

بھائی کے منہ سے یہ سوال سُنکر یاسمین کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا وہ بھیا سے کیے ہوئے سارے سوال بھول گئی اور چہک کر بولی ہاں بھیا! دیکھی ہے بالکل پری ہے پری۔

کیا نام ہے؟ کون ہے؟

ارے بھیا تم نے تو ہزار بار دیکھا ہے۔ وہی...... بس وہی وہ اپنی شالو ہے۔ بس وہی.... یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر بھاگ گئی اور اسلم سوچتا رہ گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسلم ایک انجانی راہ پر بڑھا جا رہا تھا۔ فریدہ کی روحانی کشش اسے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اور اسلم اپنی روح کو اپنے سے ناراض کر کے جدا کرنا نہ چاہتا تھا۔ اس لئے وہ سب کچھ کرتا ہی چلا گیا۔ اپنی محبت کو برقرار رکھنے کے لئے۔

فریدہ ابھی بستر سے نہیں اٹھی تھی کہ امی حضور کمرے میں داخل ہوئیں۔ فریدہ ان کا مقصد سمجھ چکی تھی اور اب اس نے اپنے آپ کو حالات کے بہاؤ پر چھوڑ دیا اس کی ہر تمنا ختم ہو چکی تھی دنیا اس کے لئے تاریک تھی طوفانوں کے تیز تھپیڑے کھاتے کھاتے اس کی کشتی اب قطعی شکستہ ہو چکی تھی۔ فریدہ منتظر تھی کہ امی حضور کا سوال کیا ہوتا ہے۔ بھائی کی آواز اس کے کانوں کے پردوں کو چیرتی ہوئی چلی گئی۔

کیا سوچا فریدہ؟!

وہی جو آپ نے سوچا امی جان۔

امی خوشی سے شرماتے ہوئے۔ تو کیا میں ہاں کہہ دوں؟

کہنا ہی پڑے گا۔ فریدہ نے ایک لمبی آہ بھر کر جواب دیا۔

امی جلدی جلدی کمرے سے باہر جا چکی تھیں اور یہ خوشخبری فوراً فریدہ کے باپ محمد احمد کو سنا دینا چاہتی تھیں۔ سارے گھر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

فریدہ کی آرزوؤں نے سُرخ کفن پہن لیا تھا۔ دو دلہنیں برابر برابر بیٹھی ہوئی تھیں اور ثمینہ انہیں بڑے پیار سے سجا رہی تھی۔ کتنا فرق تھا دونوں دلہنوں میں؟ ایک اپنے ارمان سجائے تمناؤں کے سُرخ جوڑے میں لپٹی اپنے محبوب کے یہاں جا رہی تھی دوسری اپنی زندہ لاش کو لال کفن میں سجائے آرزوؤں اور تمناؤں کو قربان کئے کسی نامعلوم ذخیرے کی طرف جا رہی تھی۔ دن ہفتہ اور مہینہ اور پھر سال بیت گئے۔ شالو کو کبھی اسلم نے اُداس نہیں ہونے دیا۔ ثمینہ کو انور نے قریبہ کا تحفہ سمجھ کر آج تک گلے سے لگا رکھا تھا۔ شالو کے ایک لڑکا ہو چکا تھا اور ثمینہ کے ایک پیاری سی لڑکی۔ تین سال بعد فریدہ آج بھی اولاد سے محروم تھی۔ وہ اپنا دل بہلانے کے لئے بچّی کو اپنے گھر لے آئی تھی۔ فریدہ کے شوہر ایک اچھی طبیعت کے مالک تھے اور وہ بچّی کو ہمیشہ پیار کرتے تھے۔

وقت نے کروٹ بدلی فریدہ کو اچانک ایک دن نہ جانے کس قسم کا دورہ پڑا اور اسکے ہوش سلب ہو گئے۔ سارا گھر پریشان ہو گیا۔ جمال نے فوراً فریدہ کے گھر ٹیلی فون سے اطلاع دی۔ منٹ بھر میں سارا گھر بھر گیا۔ انور اسلم، شالو، ثمینہ، محمد احمد اور فریدہ کی امی شاکرہ بیگم سب جمع ہو گئے۔ فریدہ کو ہوش نہ آیا اور ہاتھ پاؤں اکڑتے چلے گئے۔ فریدہ کی سانس رو رو کر خدا سے ہوکی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ جمال فریدہ کی گردن گود میں رکھے بیٹھے تھے تبھی فریدہ کے سُسر عبدالکریم صاحب ڈاکٹر چیز جی اور حکیم عابد علی صاحب کو لیکر داخل ہوئے۔ ڈاکٹر نے پورا معائنہ کرنے کے بعد حکیم صاحب نے معائنہ کیا اور پھر دونوں ایک دوسرے کی نظریں پڑھنے لگے۔ دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ کوئی خاص بات نہیں مریضہ کی شادی کر دیجئے۔

کیا! سب کی آواز ایک ساتھ نکلی۔

حکیم صاحب بولے۔ شادی کے بعد یہ دورہ نہ پڑے گا اس کی شادی جلد از جلد کر دینی چاہئے۔

سب کی نظریں ایک ساتھ جمال پر اٹھ گئیں جو ندامت سے

اپنا سر نیچے جھکائے کھڑے تھے [illegible]

اپنا اپنی فیس لے کر چلے گئے۔

فریدہ کو آہستہ آہستہ ہوش آنے لگا لیکن سب کو ارد گرد دیکھ کر وہ گھبرا گئی اور اُٹھ کر بیٹھنے لگی۔ تبھی دوڑ کر اسلم اور انور نے پکڑ کر لٹا دیا اور صرف اتنا کہا۔ فریدہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔

سب کی نظریں ایک سوالیہ نشان بنی ہوئی تھیں اور جمال کی خاموشی ان سب کے سوالوں کا جواب تھی آج تک ان کی جس کمی کو فریدہ چھپائے ہوئے تھی وہ اب سب پر ظاہر ہو گئی تھی انہیں شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ گڑگڑا کر سب کے سامنے فریدہ کے قدموں میں گر پڑے اور معافی مانگنے لگے۔ فریدہ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو میں نے تم پر ظلم کیا ہے۔ فریدہ تم جہاں بھی چاہو شادی کر لو۔

فریدہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تب ثمینہ نے اُسے بتایا کہ انہیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ جمال اب بھی سسک رہا تھا۔ فریدہ نے دونوں ہاتھوں سے اسکا چہرہ تھام لیا اور اسکے ماتھے کو اپنے ماتھے پر ٹکاتی ہوئی بڑے پیار سے بولی۔ جمال تمہارے پیار کے ہوتے ہوئے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں آپ نے کیسا سوچا... سب کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے انور، اسلم، شالو، ثمینہ اور جمال عقیدت سے کسی فرشتہ کو دیکھ رہے ہیں کہ جو کسی زندہ لاش پر

بقیہ صفحہ (۱۱)

اُن کی شاعری کا تعلق ہے "اعمال نامہ" کے مصنف نے بھی تسلیم کیا ہے کہ "خزائن ملا" مشہور و معروف اُردو شاعر ہیں اور ملا صاحب بھارت کے موجودہ اُردو شعراء میں گوناگوں خصوصیات کی بنا پر کافی اہمیت و شہرت کے مالک ہیں اگر ان کی عمر اور شاعری کی مدت کو دیکھا جائے تو وہ اصغر، جگر، جوش، فراق اور حفیظ وغیرہ کے ساتھی یا ہمعصر ہیں لہٰذا تقریباً نصف صدی سے باقاعدہ شعر و ادب کی محفل میں موجود رہے ہیں۔

تنقیص کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ ان سارے کتابوں کے معائب ہی گنائے گئے ہیں ان کے محاسن کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس کا دوسرا افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ مصنف کے انداز بیان میں اتنی درشتی ہے کہ اس کے بڑھنے سے معاندت سے مل جانے کا احساس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک غیر جانبدار قاری کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔

● عتیق صدیقی

بشکریہ سب ساتھ

اور رنجشیں مٹ گئیں

زرّین رودولوی

آج جب میں اسکول آئی تو معلوم ہوا کہ جو نئی پرنسپل آرہی ہیں وہ مس سنگیتا سکسینہ ہیں۔ جانا پہچانا نام سنکر میرے تصور میں سنگیتا سکسینہ آگئی جو میری کلاس فیلو تھی اور میری خاص سہیلیوں میں تھی۔ یہ خیال آتے ہی میرے ماضی نے مجھے آواز دی اور اب سے بارہ سال پہلے کے وہ دن سامنے آگئے جو بڑے حسین اور دلکش تھے۔ سنگیتا بلا کی ذہین اور خوش اخلاق تھی ہم دونوں اکثر شرارتیں کرتے تھے۔ شرارتیں کرنے والی لڑکیاں ہوتی تھیں ان میں اور سنگیتا سب سے آگے تھیں کوئی ڈرامہ یا کوئی بھی تقریب ایسی نہ تھی جو سنگیتا کے بغیر مکمل ہو جاتی۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب ہم ساتھ میں پڑھتے رہے۔ ایک بار الکشن میں کھڑی ہوئی مقابلہ بڑا سخت تھا۔ سنگیتا کھڑی ہونے کو تیار نہ تھی لیکن ہم لوگوں نے زبردستی تیار کیا مگر سنگیتا کو جیتنے کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی آخرکار الکشن کا دن آیا تو میں نے سنگیتا سے کہا دیکھو جب ووٹ ڈالنا تو ذرا ہوشیاری سے کام لینا اور ساتھ ہی ... آخرکار الکشن بخیر و خوبی گزرا۔ سنگیتا جیت گئی میرے اس ... سے سنگیتا لاعلم رہی اسی طرح ہم لوگوں نے ہائی اسکول ایک ساتھ کیا ... کے پاس پڑھنے کی غرض سے چلی گئی میرے گھر والوں نے بھی مجھے تعلیم حاصل کرنے کیلئے لکھنؤ بھیج دیا چھٹیوں میں مل کر دونوں ایک دوسرے سے ملاقات کرتیں۔ سنگیتا نے بی ایڈ میں داخلہ لے لیا تھا میں نے ... گھر میں بیٹھے رہنے سے طبیعت گھبرانے لگی اس لئے ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھانے لگی دوسرے سال ہمارے یہاں ایک پرنسپل کی ضرورت تھی سنگیتا نے بی ایڈ کر لیا تھا میں نے کوشش کر کے اسے اپنے یہاں جگہ دلا دی۔ پھر اسی طرح باغ و بہار دن گزرتے گئے ... وقت میں اسکول کی شہرت ... مگر اچانک پتہ نہیں کیوں زمانے کو ہماری دوستی پسند نہیں آئی لوگوں نے کچھ غلط باتیں کر کے اسے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا اور وہ مجھ سے ... گئی لیکن اس نے کبھی زبان سے کچھ نہ کہا ... کے بعد سنگیتا نے استعفیٰ دے دیا اسکا استعفیٰ دیکھ کر سخت تعجب ہوا میں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ کسی طرح استعفیٰ واپس کرنا چاہا مگر ... مجھے معلوم ہوا کہ مجھے ہی چھوڑنا چاہتی ہے سنکر بہت افسوس ہوا کیونکہ میری خودداری نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ بلا وجہ خفا ہے تو میں اس کو مناؤں خیر تو یہ اب تک بھی ہے کہ اس نے کیوں کسی کے کہنے سے سچ سمجھ لیا مجھ سے پوچھا ہوتا کچھ کہا ہوتا۔ تعجب تو اسکی عقل پر تھا کہ اتنی ذہین ہونے کے باوجود کیسے دھوکے میں آگئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر سر راہ ملاقات ہو جاتی تو علیک سلیک بھی نہ ہوتی۔ میں اسی افسوس میں تھی کہ زمانے نے ایک اچھے دوست سے جدا کر دیا۔ کہ اچانک ... ماضی کا ورق یہیں تک کھل پایا تھا کہ میں ایک دن چھٹی کی درخواست دیکر واپس آگئی اور دوسرے دن استعفیٰ بھیجکر وطن کی واپسی کے لئے تیار ہو گئی کیونکہ یہاں ایک لمحہ بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ میرے استعفے سے ٹیچرس اور طالبات سبھی پریشان ہو گئیں۔ قریب سب ہی طالبات اور ٹیچرس آئیں۔ سبھی نے مجھے واپس ملازمت پر آنے کیلئے کہا لیکن اس جگہ کیسے کام کر سکتی تھی جس کی پرنسپل سے رنجش ہو میں بھی پریشان ہو کر ٹہلنے لگی تو دیکھا کہ مس سنگیتا چلی آرہی ہیں میرا خیال غلط نہ تھا یہ وہی سنگیتا تھی جو کبھی میری دوست میری ہمدرد تھی لیکن آج کس قدر دور تھی۔ بہرحال وہ میرے گھر آئی تھی اس لئے میں نے بہت ہی خلوص دل کے ساتھ اس کا استقبال کیا کیونکہ یہ میرا اخلاقی فرض تھا آتے ہی اس نے کہا کہ "کنک اگر تم نے میری وجہ سے استعفیٰ دیا ہے تو میں ... آج ہی چھوڑ دونگی ورنہ پھر تم اپنا استعفیٰ واپس لو۔ تمہاری طالبات کس قدر پریشان ہیں شاید تم کو اسکا علم نہیں کنک تم سارے کالج میں بے حد ہردلعزیز ہو۔ دیکھو مجھ کو یہ مقام کب ملتا ہے"

آؤ ہم دونوں اپنی ساری رنجشیں دور کر لیں اور عہد کریں کہ کسی کے کہنے میں آئندہ نہ آئینگے۔ دوسرے دن میں کالج گئی اور تمام کالج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

فرزانہ اعجاز

جلتے بجھتے دیپک

شام کے سائے کچھ زیادہ ہی غمزدہ ہو چلے تھے۔ سارے ماحول پر عجیب سی مُردنی چھائی تھی۔ اسپتال کی شاندار عمارت کسی انجانے سے خوف سے پیلی پیلی ہو رہی تھی! ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ تھکے تھکے قدم اپنے گھروں کی جانب رواں دواں تھے اور کچھ لرزتی ہچکیاں بھی فضا میں تحلیل کر عجیب سا سماں پیدا کر رہے تھے۔ نرسیں اپنی ڈیوٹی یوں انجام دے رہی تھیں جیسے وہ گوشت پوست کی بنی عورتیں نہ ہوں یا جیسے اُنکے سینے میں قدرت نے وہ حساس گوشہ پیدا ہی نہ کیا ہو جو دوسروں کے دُکھ درد پر تڑپ اُٹھتا ہے۔ بڑے ڈاکٹر کے راؤنڈ میں کچھ دیر تھی۔ لیبر رُوم میں ایک لمبی سی میز پر پڑی عطیہ کا چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ کسی اور کی رگوں سے کھینچا ہوا لال لال خون قطرہ قطرہ ہو کر اس کے جسم میں داخل ہو رہا تھا۔ پاس کھڑی ہوئی اسسٹنٹ ڈاکٹر اُسکی پتلی سی کلائی پکڑے گھڑی کی سوئی بھی دیکھ رہی تھی اُسکی نبض کی رفتار کو بھی۔ لیکن اسپتال کے کفن نما لباس میں لپٹی ہوئی عطیہ کے چہرے پر سکون ہی سکون تھا۔ ایسا ہی سکون جیسا کسی خالق کو اپنی تخلیق کے مکمل ہو جانے کے بعد حاصل ہو سکتا ہے۔ پاس ایک ڈولی میں پڑا ہوا گُدگُدا سا وجود بے خبر سو رہا تھا۔ اُسکو کیا معلوم کہ قدرت اُس سے زندگی کی کتنی بڑی قیمت وصول کرنا چاہتی ہے۔ وہ کتنی بڑی نعمت سے ہر لمحہ دور ہوتا جا رہا ہے۔ ایسی نعمت سے جسکا کوئی بدل نہیں جو ہر انسان کو صرف ایک ہی بار حاصل ہوتی ہے۔

چند لمحوں پہلے ملاقات کے اوقات میں رضیہ اور عارف دھڑکتے دل اور کپکپاتی پلکوں کے ساتھ عطیہ کے پاس آئے تھے۔ ڈاکٹر نے عطیہ کی نازک حالت کو دیکھتے ہوئے اُنہیں خاص اجازت دیکر اندر آنے دیا تھا صرف چند لمحوں کیلئے۔ لیکن یہ چند لمحے اُنکے دلوں پر صدیاں بنکر بیت گئے۔ باہر جاتے ہی دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ روتے کیوں نہیں آج تو اُنکی متاعِ زندگی اُن سے زبردستی چھینی جا رہی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ وہ اس ہستی کو کھوتے جا رہے تھے جو دُنیا میں اُنکو سب سے زیادہ عزیز تھی جسکی چھوٹی سے چھوٹی خوشی کیلئے وہ اپنی دعائیں تک قربان کرنے میں جھجک نہیں محسوس کرتے تھے۔ اُنہیں دونوں نے تو عطیہ کو بڑے پیار سے پالا تھا، پڑھایا لکھایا تھا اور پھر کتنے ارمانوں سے حتی الامکان جہیز دے کر پیا کے گھر بھیجا تھا۔ اور آج جبکہ یہ ہرا بھرا پودا پھلنے پھولنے کے قابل ہوا تو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔ کل رات اچانک عطیہ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی اور اب وہ ایسے پڑی تھی جیسے وہ زندہ ہی نہ ہو۔ کتنی بد نصیب تھی عطیہ کہ ماں بن کر بھی وہ کسی کے ممتا بھرے سینے سے ایک لمحے کیلئے بھی نہ لگ سکی۔ کسی نے اسکے بالوں میں پیار سے انگلیاں بھی نہ پھیریں اور نہ ہی کوئی مسکراتا ہوا وجود اُسکی گود میں کھیل سکا۔ وہ ننھا سا وجود جسکے پیدا ہوتے ہی عطیہ خود بیہوش ہو گئی تھی اپنی ممتا سے جسکی ہلکی سی چیخ سننے کیلئے اُسکے کان ترستے ہی رہ گئے۔

رضیہ کی نگاہوں میں ایک ایک لمحہ تصویر بنکر گھوم رہا تھا۔ عطیہ کی پیدائش اسکو کل کی بات لگ رہی تھی۔ وہ [illegible] صحن میں آپا کے پاس بیٹھے کھیل رہے تھے۔ ممی کے کمرے سے رہ رہ کر ہلکی ہلکی کراہ سی سنائی دے رہی تھی۔ نانی اماں اور دوسری بڑی عورتیں فکرمند سی ممی کے پاس بیٹھی تھیں۔ سب لوگ بدحواس تھے۔ پاپا کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر آ گئی تھی اور اب وہ بھی ممی کے پاس تھی۔ پھر ڈاکٹر نے جانے کیا کہا کہ پاپا اور بھی پریشان ہو اُٹھے۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی [illegible] ٹانگوں سے لپٹ گئی اور ممی کے پاس جانے کی ضد کرنے لگی۔ لیکن پاپا [illegible] اور ہی عالم میں تھے۔ [illegible] کمرے میں سے ممی کی ایک درد ناک چیخ ابھری اور اُس کے ساتھ ایک ننھی منی سی چیخ کا بھی اضافہ ہو گیا۔ پاپا بے اختیار کمرے کی طرف دوڑے لیکن دوسرے ہی لمحے نہ جانے کیا ہوا کہ نانی اماں کی چیخ ابھری۔ "ہائے میری بچی"! اور ساتھ ہی سارے گھر میں [illegible] کہرام آ گیا۔ پاپا پچھاڑیں کھا رہے تھے۔ نانی بیہوش ہو چکی تھیں [illegible] میری بچی کہہ کر رو رہی تھی۔ دائی نے آپا کی گود میں ایک ننھا سا [illegible] وجود دے دیا اور [illegible] چیختی ہوئی ایک طرف [illegible] کو آج بھی یاد تھا کہ اُس کی ممی پلنگ پہ لیٹی ہی [illegible] اسکو ایک پیار بھی نہیں کیا۔ بس اس کے بعد ایک ننھی سی بیٹی اس گھر میں آ گئی۔ ممی کے جانے کے بعد پاپا بالکل چپ ہو گئے۔ وہ گھنٹوں عطیہ کو [illegible] رہتے۔ کبھی کبھی [illegible] اُنکی معصوم [illegible]

چلے جاتے اور جب واپس آتے تو اُن کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر ایک دبی دبی سی آہ ہوتی۔ تب ہی وہ پھر عطیہ کو چپٹا لیتے جیسے اُن کے درد کی دوا عطیہ کا ننھا سا وجود ہی ہو! روتے روتے نانی کی آنکھوں کا پانی بھی سوکھ چکا تھا اپنے دل پر پتھر رکھ کے وہ پاپا کی بدلتی حالت دیکھتی رہیں اور تڑپتی رہتیں۔ انھوں نے عطیہ کو اپنے ٹھنڈے ٹھنڈے سینے سے لگا لیا تھا۔ اپنی کمزور باہوں میں پناہ دے دی تھی۔ اکثر سوتے سوتے چونک کر وہ عطیہ کو اور زیادہ زور سے چپٹا لیتی جیسے اُن کو عطیہ کے بھی چھن جانے کا خطرہ ہو!

رضیہ اور عارف کے ننھے ننھے دل بہت دیر بعد ممی کی کمی کو نظر انداز کر سکے۔ اب بھی کبھی کبھی سوتے میں عارف رونے لگتا اور ممی کو پکارنے لگتا تھا۔ ایسے لمحوں میں پاپا کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک جاتے پھر نہ جانے کیا ہوا کہ ایک روز جب دیر تک پاپا سو کر نہیں اُٹھے تو نانی کے دل پر ایک اور چٹان آ پڑی۔ ایک اور پہاڑ شق ہو گیا۔ زخموں کے کھرنڈ اُکھڑ گئے اور ناسور پھر رسنے لگا۔ روتی بلکتی آپا نے بتایا کہ پاپا بھی ممی کے پاس چلے گئے تو رضیہ مچل اُٹھی ممی کے پاس جانے کو! اُس کا ننھا سا دل یہ دیکھ نہ سکا کہ ممی کے پاس جانا اتنا آسان نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ سارے عزیز رخصت ہو گئے اور بس نانی اور یہ تینوں بچے آپا کے ساتھ رہ گئے۔ نانی دن رات روتی رہتیں اور اپنے نصیب کو کوستی جاتیں۔ اُن کی آہوں نے گھر کے کونے کونے میں بسیرا کر لیا تھا۔ آنسوؤں کی آڑی ترچھی لکیروں نے ہمیشہ کے لئے اُن کے جھرّیوں بھرے چہرے پر پناہ لے لی تھی۔ بڑی ہمت کے ساتھ وہ اُن تینوں بچّوں کو سینے سے لگائے آسمان کے سارے ستم برداشت کر رہی تھیں۔ اب یہی بے ماں باپ کے بچے اُن کی زندگی کا سہارا تھے۔ اکثر وہ مغرب کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیتیں۔ اُن کی بس یہی دعا ہوتی "اے میرے پروردگار! اب اور کوئی غم نہ دکھانا، اِن تینوں بچّوں کو آباد رکھنا!" لیکن کون جانے دعا کی قبولیت کے لئے کون سا وقت مقرر ہے! نانی کی دعا میں کتنی قبولیت ہو گی یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھیں۔ کہتے ہیں دُکھی دل کی دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے۔ نانی سے زیادہ دُکھی دل اور کس کا ہو گا۔

کچھ دنوں میں ماہ و سال میں تبدیل ہوتے رہے۔ رضیہ، عارف اور عطیہ بڑے ہوتے گئے اور نانی کی کمر جھکتی چلی گئی۔ اب رضیہ کے ساتھ عطیہ بھی اسکول جانے لگی تھی۔ اکثر وہ اسکول سے بہت اُداس آتی اور نانی کی گود میں چپ چاپ پناہ لے لیتی اور جب نانی اماں اس کو پیار کرتیں تو وہ اچانک پوچھ بیٹھتی: "نانی اماں پاپا اور ممی کیا ہوتے ہیں؟" نانی کے دل پر چھریاں سی چل جاتیں۔ وہ بیتاب ہو کر رونے بھی لگتیں کیونکہ وہ عطیہ کے اس معصوم سوال کا جواب دینے سے قاصر رہتیں۔ اور اس کو بہلانے کے لئے چاند ستاروں سے لے کر راجہ رانی تک کی ساری کہانیاں سُنا ڈالتیں یہاں تک کہ معصوم عطیہ سو جاتی اور نانی بھی اپنے سینے سے اسے چپٹائے سو جاتیں۔ رضیہ اور عارف اب فلسفۂ حیات و موت کچھ کچھ سمجھنے لگے تھے۔ بڑی حسرتیں اُن کے ننھے ننھے دلوں میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ ایک جگہ ایسی ہے جہاں سے جانے والے واپس نہیں آیا کرتے۔ لیکن عطیہ ابھی چھوٹی تھی پھر بھی وہ کبھی کبھی رضیہ سے پوچھ لیتی: "اپی! کیا ہم لوگ پاپا اور ممی کے پاس نہیں جا سکتے؟"

شام کے سرمئی دھندلکے میں جب عطیہ سر پر دوپٹہ اوڑھ کر گھر میں ادھر اُدھر چلتی اور اپنی بساط بھر کچھ نہ کچھ کام بھی کرتی پھرتی تو نانی اس کی طرف ایک ٹک دیکھتی رہتیں اور کہتیں "عطیہ کی صورت اور باتیں بالکل اپنی ممی کی جیسی ہی ہیں۔" ایسی ہی باتیں سُن سُن کر عطیہ نے تصور میں ممی کی ایک شبیہ قائم کر لی تھی۔ اکثر تصور میں ہی وہ ممی کے سینے سے لپٹ جاتی اور سوتے سوتے کھلکھلا کر ہنسنے لگتی۔ گزرتے لمحوں نے عطیہ کو عہدِ طفلی سے جوانی کی منزل کی طرف اچھال دیا اور وہ شرمیلی سی اپنے آپ میں گم سم رہنے والی لڑکی بن گئی۔ جھکی جھکی پلکوں اور بھولے بھولے مسکرانے والی عطیہ نے دوسرا ہی رنگ اختیار کر لیا۔ عارف اور رضیہ کی شادی ہو چکی تھی وہ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے اپنی اپنی منزلوں کی طرف چل پڑے تھے۔ عارف وکیل بن چکا تھا۔ عطیہ ایم۔ اے کرنے کے بعد ابھی گھر میں ہی رہ رہی تھی۔ نانی کی اب یہی سب سے بڑی تمنا رہ گئی تھی کہ عطیہ بھی اپنے گھر کی ہو جائے تو وہ سکون سے قبر کی راہ لیں۔ وہ بے حد کمزور ہو گئی تھیں، کمر اس قدر جھک چکی تھی کہ چلنا پھرنا بھی مشکل لگتا تھا۔ اب وہ اکثر ایک ہی جگہ بیٹھی رہتیں اور عطیہ اُن کی ہدایات کے مطابق سارا کام کرتی رہتی۔

پھر نانی کی دعا رنگ لانے لگی اور سہانی گھڑی آ گئی اور پھر ایک روز جہیز سے لدے پھندے روتی بلکتی عطیہ کو اپنے دیس لے گئے۔ گھر میں پھر سناٹا چھا گیا۔ لیکن نانی خوش تھیں کہ انھوں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ قدرت ان سے ابھی ایک اور مذاق کرنے

والی ہے۔ اپنی تمام تر اچھائیوں کے باوجود بھی عطیہ کو سسرال میں وہ مقام نہ مل سکا جس کی وہ مستحق تھی۔ اس ناقدری کی حقیقی وجہ اس کا جہیز تھا۔ اپنی ہمت سے زیادہ جہیز دے دینے کے بعد بھی عارف ریاض کی ماں کی حرص و ہوس کی آگ کو نہ بجھا سکا تھا۔ پہلے ہی روز عطیہ کو کم جہیز کا طعنہ سننا پڑا تھا اور اس کے سپنوں کا محل دھڑام سے گر گیا۔ ویسے تو ریاض عطیہ کو بہت چاہتے تھے لیکن روز کے طعنے تشنے سے انہیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ ان کی واقعی ناقدری کی گئی ہے ان کو ایک اسکوٹر بھی کیوں نہ دیا گیا! سونے کی انگوٹھی گھڑی وغیرہ تو ہر کسی کو مل جاتی ہے۔!

ماحول کے اس گھٹاؤ سے گھبرا کر عطیہ نے ریاض کی خوشامد کر کے کسی دوسرے شہر میں اسکول میں نوکری کر لی۔ اس طرح اس کو روز روز کے طعنوں سے وقتی طور پر نجات مل گئی۔ اکثر اپنے بھائی عارف کو خط لکھتی جس میں وہ یہی ظاہر کرتی کہ ریاض کے روپ میں اسے ایک دیوتا مل گیا ہے وہ کرۂ ارض کی خوش قسمت ترین عورت ہے! پھر آہستہ آہستہ عطیہ کو اپنے اندر کسی غیر معمولی تبدیلی کا احساس ہونے لگا۔ اس کے سینے میں مستقل درد رہنے لگی۔ اسکول کی انتھک محنت اور نامناسب علاج نے عطیہ کو آدھا کر دیا تھا۔ عارف نے اس کو اپنے پاس بلا لیا عطیہ جب گھر پہنچی تو اس کی حالت دیکھ کر عارف پریشان ہو اٹھا۔ ماں کی دھندلی آنکھوں نے عطیہ کو بربادی کی طرف جاتے دیکھا مگر انہیں تو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔

عطیہ نے بڑی خوشامد سے عارف کو سمجھا لیا کہ وہ ریاض سے باز پرس نہ کریں۔ شہر کے بہترین ڈاکٹروں کا علاج شروع کیا گیا۔ لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ عطیہ اب چلتی پھرتی لاش تھی۔ ممتا کی مضبوط ڈور کے ساتھ اس کا وجود نہ جانے کیسے بندھا کر وہ ڈور ٹوٹنے ہی میں نہ آتی تھی ننھے منے اکبر نے عطیہ کو بھی بہلا لیا تھا۔ وہ عطیہ کو پہچان بھی نہ سکی۔ اچانک ایک رات عطیہ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور اس کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ ڈاکٹروں نے عارف سے کہا کہ وہ اپنے دل کو مضبوط رکھے اور دعا کرے کہ عطیہ اور اس کے بچے دونوں کو بچایا جا سکے۔ کسی ایک [illegible] تھا۔ عارف نے عطیہ کو بچانے کا فیصلہ کیا لیکن [illegible] عطیہ کے [illegible] ایک سوال تھا۔ وہ ہر حالت میں اپنے بچے کو بچانا چاہتی تھی۔ آخر کار ممتا کی تڑپ نے اثر کیا اور قدرت کے اس انمول تحفے کو ضائع ہونے سے بچاتے ہوئے عطیہ اپنی جان پر کھیل گئی

اور ایک بار پھر سب کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ جانے کتنا پڑی نانی خدا سے رحم کی درخواست کرتی رہیں۔ لیکن کچھ دعائیں عرش اعظم تک جانے سے پہلے ہی فضا میں بکھر کر رہ جاتی ہیں۔ عطیہ بے ہوش تھی۔ عطیہ کی گھڑی اب بھی موجود تھی۔ ڈاکٹر پریشان بھی تھے اور افسردہ بھی اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ عطیہ کی سانس کا زیر و بم مدھم پڑتا جا رہا تھا۔ ریاض اور عارف بے چینی سے ٹہل رہے تھے نانی بلبلا رہی تھیں۔ اچانک ڈاکٹر لیبر روم سے برآمد ہوئی اور افسردہ سی آواز میں عارف سے "سوری" کہتے ہوئے ایک طرف نکل گئی۔

بقیہ صفحہ ۴۵

ہاتھ رکھ کر کہا۔
"بینا کی ماں اٹھو، ہاتھ منہ دھو کر چائے بناؤ۔ کل ہم اندور چلیں گے اپنی نمو کو لینے" اور ان کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔

دوسرے دن بابو صاحب بیٹے اور بیوی کو لے کر چند لوگ لاج اندور میں پہنچے۔ بیٹی کو زندہ ہونے گلے سے آشیرواد دیا بیٹی اور داماد کو سینے سے لگایا اور ساتھ لے کر گھر لوٹ آئے۔ جہاں انھوں نے باقاعدہ عزیز رشتہ داروں و دوست احباب کو بلا کر ایک پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا اور باقاعدہ رسم و رواج کے مطابق شادی کی رسم ادا کی اور بیٹی کو آشیرواد دے کر سسرال وداع کیا۔ لڑکے والوں نے بھی اس آدرش شادی کی تعریف کی اور ایسے گندے رسم و رواج پر لعنت بھیجی۔

فریدہ گنجانوالا

سریتا بھابی کی جنت

سریتا کے چہرے پر خوشی کی لہر کو میں نے محسوس کر لیا تھا۔ وہ بولی بلدی کا سامان سمیٹ رہی تھی میں نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا۔ اسٹیشن کے باہر سریتا کی چمکتی کار منتظر تھی۔

دروازہ پر سفید وردی میں ملبوس ڈرائیور نے سریتا کو سلام کیا اور مجھ پر ایک غلط انداز نظر ڈالی اور سامان ڈگی میں رکھنے لگا میں نے ڈرائیور کے مقابل اپنے کو کمتر محسوس کیا۔ کار میں دو بڑے بڑے اعلیٰ نسل کے کتے زبان باہر نکالے ہانپ رہے تھے۔ سریتا ان کتوں کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ میں نے جونہی کار کا دروازہ کھولا کتے بھونکنے لگے [illegible] انداز میں بڑبڑانے لگی کتوں نے [illegible] لیا اور پھر میری طرف سے لاپرواہ ہو گئے۔ میں [illegible] سامان لیا اور کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے کار [illegible]

[illegible] بھیا نے مجھ سے کہا تھا کہ میں سریتا کو پونہ چھوڑ آؤں [illegible] نہیں تھی اور سریتا کے والد بمبئی گئے ہوئے تھے۔ میں نے بھیا کی سسرال نہیں دیکھی تھی۔ بھیا اور سریتا نے اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف لو میرج کر لی تھی۔ سریتا کے گھر والے پہلے تو ناراض رہے لیکن پھر [illegible] انہیں نئے مہمان کی آمد کا پتہ چلا انھوں نے ساری شکایت [illegible] سریتا کو اپنا لیا۔ بھیا اور سریتا کئی دفعہ پونہ رہ آئے تھے۔ میں نے [illegible] تھا کہ سریتا کے گھر والے بہت خوشحال لوگ ہیں۔ خوب ٹھاٹ باٹ [illegible] بہت خوش تھا کہ بھیا کی سسرال میں میری خوب خاطر ہوگی [illegible] کی تو آؤ بھگت۔۔ ہوتی ہے۔ سریتا قریباً چار ماہ کے بعد ہمارے گھر واپس [illegible] کی واپسی سے ہماری خوشیوں میں اضافہ ہوگا۔ ننھی [illegible] ہمارے آنگن میں گونجیں گی۔ ماں جی بہت خوش تھیں۔ شروع شروع [illegible] ماں کو سریتا پر اعتراض صرف اس لئے تھا کہ وہ ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جبکہ ہم بے حد غریب تھے لیکن سریتا کا معصوم چہرہ جیسے [illegible] دیکھا انھوں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔

[illegible] سے تنگ گئی ہیں [illegible] کر سامنے دیکھا شہر

[illegible] گئی کہا کبھی سے محو ایک پُرسکون بنگلہ تھا دو نوکر دوڑتے ہوئے [illegible] انھوں نے سریتا کو سلام کیا۔ میں سمجھا شاید وہ لوگ سامان اتروانے آئے ہونگے۔ لیکن دونوں نے لپک کر دونوں کتوں کو تھام لیا اور اندر لے گئے بنگلے کے پچھواڑے سے ایک حسین لڑکی اور ایک بوڑھی عورت نکلیں۔ حسین لڑکی نے نوکروں سے کہا" ان کو پہلے مالکن کے پاس لے جاؤ۔ دونوں نے پھر سریتا کو سلام کیا۔ سریتا نے حسین لڑکی سے کہا" کملا! میرا بیگ میرے کمرے میں رکھنا اور شردھا! وہ توکرا سنبھال کر اتارنا۔" پھر سریتا نے مجھے پکارا۔ میں چونک گیا۔ میں تو اس کملا نامی حسین پھول کو دیکھنے میں کھویا ہوا تھا۔ اب میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ دالان میں ہی سریتا کسی کو ماں کسی کو دیدی کسی کو بھابی۔ کسی کو چاچی کہہ کر گلے لگتی اور میرا تعارف ہونے لگتا۔ اس کے بعد وہ مجھے وسیع ہال میں لے گئی۔ سریتا کو کئی بچے دیدی ماسی کہہ کر لپٹ گئے میں نے ان کو مصروف دیکھ کر ہال میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ میرے لئے یہ ماحول بالکل نیا تھا۔ ایسا ماحول میں نے صرف فلموں میں ہی دیکھا تھا۔ دونوں طرف کرسیاں اور صوفے، دیواروں پر بڑے بڑے کانچ کے کیبنٹ جن میں چاندی اور ہاتھی دانت کے چھوٹے چھوٹے برتن۔ شوکیس میں کئی قیمتی چیز دیواروں پر قدیم پرانی تصاویر جن کے فریم چاندی کے تھے۔ خوبصورت ٹیبلوں پر کسی پر نازک سا پھولدان تو کسی پر چاندی کے ایش ٹرے میں نے سوچا ہم لوگ تو سگریٹ کو زمین پر ہی مسل کر بجھا دیتے ہیں۔ امیروں کو کئی چیزیں ایجاد ہوتی ہے۔ ہال کو پار کر کے ہم لوگ ایک کمرے میں آ گئے۔ سامنے ایک چوڑے تخت پر گاؤ تکیہ کا سہارا لئے ہوئے ایک معمر عورت بیٹھی پان چبا رہی تھی۔ سریتا دوڑ کر "دادی" کہہ کر ان سے لپٹ گئی۔ سریتا نے [illegible] کر ڈالیں۔ دادی ماں نے بڑی شفقت سے سریتا کا منہ چوم کر ساری شکایتیں دور کر دیں۔ سریتا نے میرا تعارف کرایا۔ میں "نمستے" کہہ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ جس کی طرف دادی ماں نے اشارہ کیا تھا۔ سریتا اٹھ کر کمرے سے باہر جا چکی تھی۔ فرش پر بہت ہی قیمتی قالین بچھا تھا۔ سامنے [illegible] چھت والا بڑا سا پلنگ تھا۔ کمرے کے دوسری طرف ایک بڑی [illegible] الماری تھی جس کے مقابل ایک بڑے سے ٹیبل پر بڑے سے [illegible]

ہتھیلیاں تیز رہی تھیں ۔ پاس بیٹھا ہوا ایک اسٹینڈ ٹائپ لیمپ ٹھوکریں پر جلتی دادی [illegible] ہے مجھے کرسی پر چپک کر اتنا زور تھا کہ میں اندر دھنسا گیا۔ میں نے دادی ماں کی نظر بچا کر تب پر ہاتھ پھیرا۔ اپنے ہاتھ کے نیچے میں نے جیسے ایک سفید ہاتھ کی نرمی کو محسوس کیا۔ دادی ماں کے قریب ہی چاندی کا پاندان کھلا پڑا تھا اور تخت کے سرے پر چاندی کا اگالدان کبھی کبھی وہ اگالدان میں تھوک دیتیں اور پھر مجھ سے باتیں کرنے لگتیں ایک خادمہ ایک بچے کو لیکر کمرے میں آئی۔ دادی ماں نے کہا "منو! اسے یہاں بٹھا دے" اس نے بچے کو قریب ہی بٹھا دیا۔ بچے کے ہاتھ میں چابی کا کھلونا تھا۔ مجھے اپنی منو بھیا دیدی کے بچے یاد آ گئے۔ بے چارے کو مٹی کے کھلونے بھی نصیب نہیں ہوتے۔ منو نے دادی ماں سے کہا "مالکن نیم جی آئے ہیں۔" "ارے ہاں" دادی ماں کو یکایک جیسے کچھ یاد آ گیا۔ "منو کہہ دے بمبئی سے کب آئے گا۔ یتیم خانے میں چندہ دینا ہے۔ وہ اس کے اسپتال میں بھی چندہ دینا ہے۔" پھر میری طرف گھوم کر "ارے بھیا! میں سرتیا کے پتا کا کہہ رہی ہوں۔ نہ وہ سرتیا کو لیتا، نہ اسکا اور کچھ دوسرا کام رہتا ہے۔ کاروبار کے لئے اسے ہمیشہ بمبئی کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔" پھر منو سے کہا "نیم جی کو بلا لا دیکھوں کیا کہتے ہیں۔" اور دادی ماں اٹھ کر الماری کھولنے لگیں۔ منو نے مجھے نہانے کیلئے کہا۔ کمرے کے باہر ایک دبلا پتلا شخص کتابوں کو بغل میں دبا کھڑا تھا۔ منو نے اسے اندر جانے دیا اور مجھے باتھ روم کی طرف لے گئی۔ باتھ روم کیا تھا جگمگ کرتا ہوا چھوٹا سا کمرہ تھا۔ نہانے کے بعد مجھے کھانے کے کمرے میں بلایا گیا۔ کئی ایک کا تعارف سرتیا نے مجھ سے کرایا۔ میں نے لمبی میز پر نظر کی۔ انواع و اقسام کے کھانوں کی خوشبو دماغ کو معطر کرنے لگی یہاں سے وہاں تک کھانا چنا گیا تھا۔ اپنے گھر میں ماں دال بھات اور بھاجی ہی بنا دیتیں۔ کبھی بہت ہوا تو روٹی کے بجائے پوری اور تہوار کے موقع پر کھیر بنتا تو لگتا کہ ہم بھی کچھ ہیں جو سب کچھ کھا سکتے ہیں۔ سچ! غریب ہی دال روٹی کو کتنی نعمت سمجھتے ہیں۔ میں نے سرتیا بھابی پر نظر ڈالی۔ محبت کی خاطر اس لڑکی نے اتنا عالیشان ماحول چھوڑ کر ہمارا گھر اپنا لیا؟ یہ سوال کب سے دماغ میں تھا۔ لیکن آج جب اس ماحول میں قدم رکھا تھا تو یہ سوال ہتھوڑے مارنے لگا۔ سرتیا کے چہرے پر آج کتنی خوشی تھی۔ ہمارے گھر وہ کیوں بجھی بجھی سی رہتی تھی۔ مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ [illegible] ماحول کی وجہ سے ہی بجھی بجھی سی رہتی ہے؟ لیکن آج اسکا چہرہ مسکراتا [illegible] دیکھ کر لگنے لگا کہ وہ جیسے

جنت میں آ گئی ہے۔ محبت کے اندھے جذبے میں بہہ کر اس نے جو غلطی کی تھی اسے ہماری غریبی نے کتنی بڑی سزا دی تھی اسکی ساری خوشی چھین لی تھی۔

یکایک دادی ماں کی آواز پر میں چونکا۔ وہ مسلسل "لتا لتا" چلا رہی تھیں۔ کملا کمرے میں داخل ہوئی۔ کملا کتنی معصوم اور خوبصورت ہے۔ میں کملا کی خوبصورتی اور اس کی آواز کے سحر میں گم ہو گیا۔ "مالکن لتا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ سو گئی ہے۔" کیا کہا؟ دادی ماں چیخیں اور پھر بڑبڑانے لگیں "وہ حرامی ہے۔ نامراد کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ یہاں اس نے کھانا کھانے کیلئے رکھا ہے نہ کہ بیمار ہو کر سونے کیلئے۔ جا بلا لا اسے" "جی" کہہ کر کملا چلی گئی میری نظروں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سب پر نظر ڈالی سب کھانے میں مصروف تھے کسی کو کوئی احساس نہ تھا۔ سرتیا بھی دادی ماں سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ لتا کمرے میں داخل ہوئی بکھرے بال، اداس چہرہ۔ لگتا تھا بہت دنوں سے بیمار ہے۔ "نامراد کیا ہو گیا تجھے؟" دادی ماں کا غصہ عروج پر تھا۔ لتا کے لبوں سے سسکی نکلی۔ میں نے دادی ماں کی گھٹی ہوئی آواز میں [illegible] سنا۔ [illegible] یہاں۔ [illegible] جا کر اپنا کام کر" لتا روتے ہوئے باہر چلی گئی۔ [illegible] کیا۔ اتنے میں ایک شخص کمرے میں داخل ہوا گھبرایا ہوا۔ کہا "مالکن [illegible]" ماں نے سوپ پیتے ہوئے کہا "کیا ہوا رامو [illegible]" [illegible] کھانا کھایا اور دودھ بھی پیا ہے۔ لگتا ہے اس کا مزاج ٹھیک نہیں [illegible] دادی ماں چلا اٹھیں۔ پیالہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر پلیٹ میں گر گیا۔ ساتھ ساتھ اور سب کو بھی گویا ایک جھٹکا سا لگا۔ سب رامو کی طرف دیکھنے لگے۔ "ہے بھگوان کیا ہوا میرے منو کو... ارے فوراً یہاں [illegible] فوراً ڈاکٹر کو فون کر دے... بلا لے... جلدی... یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی ہو ارے صبح سے مجھے خبر کیوں نہ کی؟ [illegible] چھوٹی بچی ہوگی۔ وہ مشغول تھی۔ [illegible] کوئی کچھ۔ کھانے کی میز سے سب اٹھ چکے تھے۔ رامو [illegible] منو کی وجہ سے سب پریشان تھے۔ سرتیا بھابی کو نہ جانے [illegible] کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ رامو منو کو لیکر کمرے میں داخل ہوا کمبل میں لپٹا ہوا۔ تو یہ تھی دادی ماں کی منو [illegible] سفید [illegible] دادی ماں نے فوراً منو کو گود میں لے لیا "کیا ہوا میری ماں [illegible] ہوا بابا منو" [illegible] کہا اور دادی ماں اس پر نثار [illegible] میں کار رکنے کی آواز آئی۔ (بقیہ صفحہ [illegible] پر دیکھئے)

مس [illegible]

اُونچی دیوار

وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی سانس کی بے قراری [illegible] اب بھی کسی کی منتظر تھیں چند سانسیں تھیں جو کسی کے آنے سے پہلے اس کا جسم چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ کسی کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ کل کی ہنستی مسکراتی زرین آج زندگی سے دور اور موت سے نزدیک ہو چکی تھی۔ لیکن اس کی آنکھیں تو در پر لگی تھیں سارے جسم کی جان آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔ ماں کی ممتا تڑپ اُٹھی۔ بیٹی کی نگاہوں کی آرزو [illegible] بیکر سمجھنے لگی۔ وہ بے بسی سے شوہر کی طرف پلٹیں اور مغموم لہجہ میں [illegible] ہوئیں۔

[illegible] آپ کیسے باپ ہیں ..... بیٹے [illegible] اور میری بچی کو موت کے منہ میں دے دیا ... کہاں گئی ..... آپ کی [illegible] سب دولت ..... اگر دولت پہ ..... اتنا ہی غرور ہے تو [illegible] [illegible]

[illegible] ایک نظر بیٹی پر ڈالی۔ ان کا پتھر دل [illegible] سے پگھلنے لگا۔ جھک کر بیٹی کی پیشانی پر لب رکھ [illegible] کہ وہ میں سہیل کو تمہارے قدموں میں لا [illegible] میرا انتظار کرنا۔ میں جا رہا ہوں سہیل کو لینے۔" وہ لمبے [illegible] کمرے سے نکل گئے۔

[illegible] آنکھیں موند لیں۔ شدتِ تکلیف سے نڈھال [illegible] اس کی زندگی کی کرن ٹوٹ رہی تھی لیکن [illegible] مل رہا تھا۔ سہیل اس کا چچا زاد بھائی [illegible] کے بھتیجا ان سے ملے تھے کیونکہ انہیں اپنی [illegible] خاندان سے نکال دیا گیا تھا۔

[illegible] کی دیواریں آکاش سے باتیں کرتی تھیں جیسے [illegible] سے آراستہ تھے چکنے فرش سنگِ مرمر سے بنے تھے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تھا

سہیل آئے تو دل دے بیٹھی۔ نواب صاحب نے بھائی اور بھتیجہ کو آنے کی اجازت دیدی تھی۔ لیکن سہیل اور زرین سے ان کو یہ اُمید نہ تھی کہ وہ ایک دوسرے سے والہانہ محبت کرنے لگیں گے۔

زرین ایک ہیرا تھی پھر پتھر سے کیسے ٹکرا سکتی تھی۔!

زرین کو اپنے محل کی اونچی دیواروں سے ہمیشہ وحشت ہوتی تھی۔ کتنی بار اس نے ماں سے کہا تھا۔

"امی حضور! یہ اونچی دیواریں! اُف ... ان دیواروں میں ہمارا دم گھٹ جائے گا۔"

ایک تو طبیعت میں شوخی دوسرے عمر کا تقاضہ۔

چلتی کم بھاگتی زیادہ۔ تیز چلنے میں فرش پر پھسل پھسل جاتی تو منہ بسور کر کہتی۔

"امی حضور یہ چکنے فرش کہیں مار ڈالیں گے۔"

بیگم صاحبہ صرف مسکرا دیتیں۔

ایک بار سہیل نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر پوچھا تھا۔

"زرین کبھی کبھی سوچتا ہوں۔ کیا تم جیسا قیمتی ہیرا میری جھولی میں گر سکے گا۔"

"ایک بار جھولی پھیلا کر تو دیکھئے۔"

"ڈرتا ہوں۔ جوہری نے میری جھولی دیکھ کر ہیرا دینے سے انکار کر دیا تو؟"

"سہیل پھر وہی۔ تمہاری یہ بزدلی ہمیں مار ڈالے گی۔"

زرین جو محل میں پلی بڑھی تھی۔ اندازِ گفتگو بھی نوابزادیوں کا ہی پایا تھا۔

ایک اور شام سہیل اس کے قریب آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک ننھی سی ڈبیا تھی۔

زرین! ایک حقیر سا تحفہ میرے [illegible] [illegible] دیواروں [illegible]

"مگر کیوں؟"

"یوں نہیں پہلے آنکھیں بند۔"

اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سہیل نے جگمگ جگمگ کرتی ایک انگوٹھی اُسے پہنا دی۔

"حفاظت کر سکو گی۔" سہیل کی آواز میں خوشی کے ساتھ مایوسی بھی عیاں تھی۔

"سہیل! ہم اپنی جان سے بھی زیادہ اس کی حفاظت کریں گے۔"

اس نے انگوٹھی کو چوم لیا تھا۔

محبت جب تک بند کلی رہے اُسکی خوشبو کوئی نہیں پہچانتا لیکن جب نظریں پیغام دیدیں تو اُسکی خوشبو سے فضا مہک اُٹھتی ہے اُن کی آنکھوں سے پیغام کھنکتے قہقہے بھی سب کی نظروں میں آ گئے نواب صاحب کی محبت قہر بن کر ٹوٹ پڑی۔ "آئندہ سہیل سے بات نہ کیجائے" انھوں نے جلد ہی اسکے لئے ایک رشتہ پسند کر لیا۔

سہیل کی دل لیں آیا تو وہ خاموشی سے گارڈن میں چلی آئی اور بولی۔ "سہیل ہماری محبت کھل گئی ہے۔"

سہیل ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہے۔

"میری بات مانئے۔"

"کیا؟"

"ابا حضور سے مجھے مانگ لیجئے۔" سہیل نے گھبرا کر اسکی جانب دیکھا

"زرین وہ یہ رشتہ کبھی قبول نہ کرینگے۔ اسکے بعد ابا حضور کو اپنے بھائی سے الگ ہو جانا پڑے گا۔"

"سہیل ایسا نہ کہئے۔ اگر آپ مجھے نہ ملے۔ تو میں جی نہ سکونگی۔"

"زرین پلیز حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"کیا سمجھوں؟" وہ روہانسی ہو گئی۔

"بڑے ابو کی بات مان لو۔ اُنکی مرضی سے رشتہ طے ہو جانے دو۔"

"یہ آواز آپ کی ہے۔ آپ کا پیار گوارا کرے گا۔"

"زرین محبت ہمیشہ قربانی مانگتی ہے۔"

"تو میرا فیصلہ بھی سُن لیجئے۔ میں کہیں اور ہرگز شادی نہیں کرونگی میرا اپنا بھی مجھ پر کوئی حق ہے۔"

"زرین ہوش میں آؤ۔" سہیل کی آواز غم و غصہ کی شدت سے کانپ رہی تھی۔

"آج ہی ہوش میں۔ آج تک مدہوش تھی۔ جو آپکی نیت کو سچ سمجھ کر اپنا دل گنوا بیٹھی۔ میں کیا جانتی تھی کہ آپ میرے دل کو کھلونا سمجھ رہے ہیں۔ دغا باز۔"

وہ رونے لگی۔

"زرین! بخدا میں آج بھی تمہاری پوجا کرتا ہوں۔"

"عشق۔ محبت۔ پوجا۔ الفت۔ چاہت۔ سب کچھ بکواس ہے کوئی کسے پیار نہیں کرتا۔ آپ بھی مجھ سے پیار نہیں کرتے لیکن میں نہیں.....اف میرے خدا.....اتنا بڑا دھوکا۔" اس کی آنکھوں سے موتیوں کی مالا ٹوٹ کر بکھرنے لگی۔

"زرین! میرا دل پہلے ہی ٹوٹا ہے۔ اس پر تمہارے طعنے مجھے مار ڈالینگے۔"

"دل۔ کس کا دل؟ کیسا دل؟ دل تو میرا ٹوٹا ہے۔ آپ نے تو دل لگی کی تھی میرے ساتھ۔"

وہ ایک جھٹکے سے مڑی لیکن سہیل نے اُس کا راستہ روک لیا زرین تمہیں اپنا فیصلہ بدلنا ہوگا اپنے خاندان کی آبرو کی خاطر

"آبرو۔ آبرو۔ آبرو۔" وہ غصہ سے چلائی۔ "آپکو شرم نہیں یہ الفاظ سُن کر۔ آپ کیا سمجھتے ہیں میں آنکھیں بند کر کے آپ کی بات مان لونگی۔ کیا میں آپ کے حکم کی غلام ہوں۔"

"تمہیں ماننا ہی ہوگا زرین۔" سہیل کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

"نہیں مانونگی۔" وہ غصہ سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔

"ضد نہ کرو۔" سہیل پھر عاجزی سے بولے۔

"آپ کون ہوتے ہیں مجھے سمجھانے والے۔" زرین نے [illegible] سے کہا کہ سہیل سے برداشت نہ ہو سکا۔ ایک تو ناکام محبت [illegible] پر زرین کا دیا ہوا بے وفائی کا الزام۔ اُن کی عقل [illegible] اُن کا بھاری ہاتھ ہوا میں لہرایا اور دوسرے ہی لمحہ زرین کے گال پر پڑا۔ زرین چکرائی۔ لیکن اس نے خود کو سنبھالا اور وہاں سے روتی ہوئی چلی گئی۔ پہلا کمرہ بیگم صاحبہ کا پڑتا تھا۔ زرین نے ماں کی گود میں سر رکھ دیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔

"امی حضور! ابا حضور سے کہہ دیجئے..... وہ جو دل میں آئے کریں۔ ہم ان کی آبرو پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ چاہے اس کے لئے ہمیں اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔"

بیگم صاحبہ اپنے آنسو ضبط کر کے اس کا سر سہلا رہی تھیں۔

یہ کتابیں پہلی فرصت میں منگائیے

یادوں کے سائے: محترمہ حجاب مرزا صاحبہ کا مجموعۂ کلام جو اُردو شاعری کی دُنیا میں یقیناً اضافہ ہے۔ قیمت تیس روپیہ

مترجم دیوانِ حافظ: قاضی سجاد حسین صاحب کا ایسا شاندار کارنامہ کہ اُردو جس پر ناز کرے گی۔ قیمت تیس روپیہ

مترجم مثنوی مولانائے رُوم: قاضی سجاد حسین کا احسان ہے کہ انھوں نے تراجم کی دنیا یکسر بدل دی ہے۔ قیمت تیس روپیہ

ناقابلِ فراموش: سردار دیوان سنگھ مفتون مرحوم ایڈیٹر ریاست کا ناقابلِ فراموش ادبی سرمایہ۔ قیمت تیس روپیہ

جدّتِ مشرق: اُردو ہندی پنجابی سنسکرت عربی مختلف زبانوں کی شاعری کے بہترین شہ پارے مع تشریح۔ (از دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ریاست) قیمت پندرہ روپیہ

تریوینی: سردار دیوان سنگھ مفتون کی شہرۂ آفاق تصنیف ناقابلِ فراموش کا ہندی ایڈیشن۔ قیمت پندرہ روپیہ

یادوں کی برات: شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی کی زندۂ جاوید خود نوشت سوانح حیات۔ قیمت پچیس روپیہ

اعمال نامہ: اُتر پردیش اُردو اکادمی کا گرانقدر انعام یافتہ۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کی واقفیت میں اضافہ ہوگا۔ قیمت پانچ روپیہ

فرہنگِ آصفیہ: چاروں حصّے مکمل۔ قیمت ایک صد پچاس روپیہ

انگلش اُردو ڈکشنری: بابائے اُردو مولوی عبدالحق کا زندۂ جاوید ادبی کارنامہ۔ قیمت پچاس روپیہ

اُردو انگلش ڈکشنری: بابائے اُردو مولوی عبدالحق کا دوسرا ادبی کارنامہ۔ قیمت چالیس روپیہ

ابتدائی علم عروض: از سبحان انجم کھام گانوی قیمت ایک روپیہ

کل کا ہندوستانی مسلمان نمبر: اس صدی میں کسی جریدہ یا رسالہ کا ایسا مقصدی نمبر شائع نہیں ہوا۔ قیمت ۲۰ روپے

اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعرا کا حصّہ: از گنپت سہائے سرِیواستوا۔ قیمت پندرہ روپے۔

یوگی کی آتم کتھا: سوامی دیانند سرسوتی کی خود نوشت آٹو بایو گرافی۔ قیمت بیس روپیہ۔

ضروری گزارش: ہر کتاب اس گارنٹی سے منگائیے کہ ناپسند ہونے پر واپس لے لی جائیگی۔ بروجہ ناپسندیدگی معقول ہونی چاہئے

دفتر ماہنامہ شانِ ہند، فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

نکہت فاطمہ [illegible]

سماجک بیڑیاں

شام ڈھلے کال بیل کی آواز کے ساتھ ہی ڈاک لیجئے صاحب،
ڈاک کس کی ڈاک کیسی ڈاک؟ کیا آج پھر کوئی انہونی گھٹنے جا رہی ہے۔ ساتے رام یہ ڈاک کا سلسلہ ایک مذاق کی طرح ایسے ہی چلتا رہے گا۔ یہ سنتے ہی سب کے دل کی دھڑکنیں ڈاکئے کی آواز کے ساتھ اسی طرح گھٹتی بڑھتی رہتی۔ یہ سب آخر کب تک چلتا رہے گا۔

ممتا دیش دوڑ کر ڈاکئے سے خط لیکر پاپا کے کمزور ہاتھوں میں تھما دیتا ہے۔ پاپا بڑی بیتابی سے جلدی جلدی لفافہ چاک کرکے پڑھنے لگتے ہیں۔ پاپا کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ اور تاثرات کو دیکھ کر لگتا ہے کہ پتر میں ضرور کوئی خطرناک یا تشویشناک بات ہوگی۔ میں سیما دیدی ششما دیدی ماں دینو سب پاپا کی طرف دیکھتے ہیں اور من ہی من میں ایک خوف اور الجھن سی محسوس کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔

پتر پڑھ کر پاپا ہمیشہ کی طرح ٹھنڈی سانس لیکر ایک بوجھل اور گہری اداسی کے ساگر میں ڈوب جاتے ہیں۔ ماں کنپٹی پر تھوڑی ٹکائے ایک ٹک سوالیہ نگاہوں سے پاپا کی طرف دیکھتی ہیں۔ اور پاپا کو اداس دیکھ کر خود بخود ماں کے حسین چہرے پر بھی فکر و غم کی زردی چھا جاتی ہے۔ اور وہ پاپا کے بغیر کچھ بتائے ہی جیسے سب کچھ سمجھ جاتی ہیں۔

بڑے درد بھرے اور مایوسانہ انداز میں پاپا ماں سے کہنے لگے

"نیتو! وہ لوگ سیما کے رشتے کے لئے دس ہزار کا جہیز مانگتے ہیں اور پانچ ہزار نقد۔ یہی حال جھانسی والوں کا ہے۔ ایک ہفتہ پہلے جو خط ان کا آیا تھا تمہیں معلوم ہی ہے کہ وہ ان سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر جہیز مانگتے ہیں۔ سشما انھیں پسند ہے لیکن وہ آٹھ ہزار نقد اور دس ہزار کا جہیز الگ مانگتے ہیں۔

ان کا چہرہ برسوں کے بیمار کی طرح ایکدم پیلا ہوگیا جیسے کسی [illegible] ایک [illegible] ہو۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر [illegible] سب کا منہ دیکھ کر [illegible] ہوئے بھی [illegible]

ہو گیا ہے [illegible] ایک جھٹکے [illegible] ہوکر رہ گئے۔ سیما دیدی کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے [illegible] ہوگئے۔ اس کا کمل سا خوبصورت چہرہ فکر اور غم کے سایوں میں کھو سا گیا۔ ششما دیدی کا گلا سوکھنے لگا۔ وہ بار بار گلاس بھر کر پانی پینے لگی۔ اس کے چہرے سے غصے، ناگواری اور نفرت کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے

اور میں اس گھٹن بھرے ماحول سے تنگ آکر آنگن میں لگے [illegible] تلے سے [illegible] کر بیٹھ گئی۔ وہ جانے آج مجھے بالکل [illegible] چھایا ایک کڑوی دھوپ اور ریگستان کی طرح گرم اور سیاہ لگ رہی تھی۔ آج اس کا سہانا پن مجھے پھانسی کے پھندے کی طرح [illegible] رہی تھی۔ اور پھر سوچوں کا ایک سیلاب میرے دماغ پر [illegible]

سیما دیدی کی عمر اب اٹھائیس سال پار کر چکی ہے۔ ششما دیدی چھبیسویں سال کو پورا کر رہی تھی اور میں اکیسویں میں قدم رکھ چکی ہوں

دیدی کتنی اداس اور خاموش رہتی ہے جیسے وہ [illegible] گئی ہوں۔ اس کے پھول سے کومل سندر چہرے پر تنہائی [illegible] ہوتی جا رہی ہیں۔ فکر اور پریشانی کے بوجھ سے [illegible] بال [illegible] مہینوں سے اسے اچھے کپڑے پہنتا، سنگھار کرتا یا [illegible] کھڑے ہونے کی جیسے ہمت نہیں ہوتی تھی جیسے اس کے سارے شوق اور سب ولولے ختم ہو کر رہ گئے ہوں۔ [illegible] والی الہڑ سی دیدی کے حسن اور شباب میں جیسے گھن لگ گیا ہو [illegible] خاموشی، چہرہ لٹکا ہوا اور مسلسل چپ چاپ کام کرتے رہنا اس کا معمول بن گیا تھا۔

اور [illegible] ششما کے چہرے کا [illegible]

[illegible] ماں کو ڈھونڈ چکی [illegible]
[illegible] دوسری سہیلی ماں سے کیا الجھ گئی تھی۔ کبھی یہ پاس بیٹھی [illegible] دور نہ سے دھڑا دھڑ لگی کہ مجھے [illegible] اور مجھے بلا وجہ پھٹکارنا ویسے اتنے پیار تا۔ [illegible] رہنا تھی وقت صرف پیار کی کشادہ کرنا [illegible] آپ کو شاید یہ [illegible] دکھائی دیتی تھی۔

اور [illegible] رات دن کتابوں میں خود کو [illegible] مجھے ماحول سے بچا کر رہ جاتی تھی۔ لیکن یہ کچھ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک چھوٹے کرائے کے مکان میں اگر کوئی کیسی آواز ہوتی ہے [illegible] ہوتے ہیں یہ مکان ایک [illegible] چھوٹے مکانوں کے [illegible] کو کیا [illegible] کرتے [illegible] نہیں آتی [illegible] کرے اچھے۔

[illegible] وہ تو ساگر کی طرح گہری اور گمبھیر ہیں۔ وہ تو [illegible] ہیں۔ [illegible] اور پریشانی میں [illegible] وہ بھی [illegible] کبھی جو صرف یہی بکتی ہیں۔ کتنی سنجیدہ کتنی کومل [illegible] ہیں۔ میری ماں۔ آم کی گہری ٹھنڈی چھاؤں سے بھی زیادہ

اور پاپا تو سدا ہی گرم مزاج رہے ہیں اور ان حالات نے انھیں اور بھی چڑچڑا اور پریشان کر دیا ہے۔ کم بولنے کم کھانے اور کم سونے والے میرے پاپا ان دنوں چڑچڑے اور بے چین ہو گئے ہیں۔ رات دن [illegible] آنکھیں بند کیے نہ جانے کیا کیا سوچتے رہتے ہیں۔ انھیں [illegible] کرنے سے [illegible] سوچنے اور سوچتے رہنے میں زیادہ دلچسپی ہے۔ اسی لئے وہ کرتے کم اور سوچتے زیادہ ہیں۔ جس سے [illegible] کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

اگر [illegible] گھر میں کوئی غموں فکروں سے آزاد اور مگن ہے [illegible] دیپو (دیپشن) ہے جو عمر کی دس بہاریں دیکھ چکا ہے [illegible] کے سرد و گرم سے انجان ہے۔

[illegible] محسوس کر رہی تھی کہ دیدی دھیرے دھیرے گھلتی جا رہی ہے [illegible] گھر کے کاموں میں [illegible] دیدی کو نہ جانے کتنے [illegible] روگوں کے بخار میں مبتلا تھی۔ لیکن [illegible] پوچھتا [illegible] کر دیا اور [illegible] ایک [illegible] سال [illegible] اور [illegible]

[illegible]

"سیما میری آنکھوں کی جوتی! یہ تجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ دیکھتی ہوں دن بدن تو گھلتی جا رہی ہے۔ [illegible] کی پنکھڑیوں جیسا رنگ پیلا ہوتا جا رہا ہے۔" دیدی زبردستی ہونٹوں پر ایک درد بھری مسکراہٹ بکھیر کر کہتی "کہاں ماں یہ تو [illegible] اچھی بھلی تو ہوں پہلے سے کچھ موٹی بھی ہو گئی ہوں جیسی تو بس ہوا [illegible] لگتا ہے۔ رات دن ہمارے بارے میں سوچتی اور فکر کرتی ہو گی تو [illegible] اچھی بھلی ہوں۔ میری فکر نہ کریں ماں۔" اور دیدی [illegible] اماں کی گردن میں باہیں ڈال دیں اور ماں نے دیدی کا ماتھا چوم لیا میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اس طرح ماں کے ساتھ دیدی اپنے [illegible] کو [illegible] ہمیشہ اپنا درد چھپاتی رہی۔ [illegible] کو [illegible] اس عرصے میں دونوں بہنوں کے [illegible] اعلیٰ تعلیم اور خوبصورتی اور سادگی کی وجہ سے ایک سے ایک [illegible] رشتے آئے۔ لیکن سب بھاری جہیز اور موٹی رقم کی مانگ کے ساتھ ہی واپس لوٹ گئے۔ کیونکہ میرے غریب والدین کے پاس بیٹیوں کو دینے کے لئے بھاری نذرانے اور سونے کے [illegible] کٹ والی نئے فیشن کا بیش قیمت ساز و سامان نہیں تھا۔ اس لئے [illegible] گھر کی کنواریوں کو کون بیاہ کر لے جانا چاہے۔ وہ [illegible] لوک کی اپسراؤں سے بھی زیادہ سندر اور گنوتی ہی کیوں نہ ہوں۔

دیدی نے گریجویشن کر لیا تھا [illegible] دیدی [illegible] نے ایم۔ اے۔ پرولیس کر لیا تھا اور میں بی۔ اے کے فائنل ایئر میں تھی۔ آہستہ آہستہ دیدی کی بیماری نے خطرناک شکل اختیار کر لی۔ پاپا دیدی کی بیماری سے بہت پریشان اور بے چین رہتے۔ انھوں نے دیدی کے علاج میں اپنی جمع پونجی سب خرچ کر دی۔ انھوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ کسی طرح دیدی اچھی ہو جائے۔ لیکن وہ وقت بہت پہلے گزر چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے پاپا کو تسلی دلاتے ہوئے لیکن صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ "مریضہ کی جینے کی خواہش بالکل نہیں ہے [illegible] اچھی دوائیں اور [illegible] علاج [illegible] معلوم ہوتا ہے [illegible] بیماری دکھ اور فکر کا بوجھ ہے۔ پاپا ڈاکٹروں کی [illegible] گئے

اور آلودہ تعفن میں اور سموگ سے چہرے پہ بے بسی کے تاثرات
موت کا سمجھوتا کر لیے قسمت سمجھ کر اس میں ہی سما گئے۔ آخر وہ
زندگی اور موت سے جنگ ہار کر بن بیٹھی دیدی سارے گھر کو
بلکہ پاپا کو چھوڑ کر پھولوں کی ڈولی میں بیٹھ کر رخصت ہونے کے
بجائے کفن میں لپٹ کر پاپا کے گھر سے جدا ہو گئی اور ماں اور
پاپا کو بھی اس طرح رخصت کر گئی۔ میرے سامنے دیدی کا مسکراتا
ہوا حسین چہرہ اس طرح فریم دیوار پر آویزاں ہے جس میں وہ اس
کے کونے سے ہو کر لڑکی کے پھولوں پہ خود مسکاتی ایک فاتحانہ
انداز میں بکھر رہی ہے۔ میں اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر سسک
پڑتی ہوں اور اٹھ کر گیلری میں کھلنے والی کھڑکی میں اپنا سر
ٹکانے کو کھڑی ہوتی ہوں۔ میری نگاہیں اچانک ششدر دیدی کی طرف
پڑتی ہیں۔ دیکھتی کیا ہوں کہ پھولوں کی ڈالی جیسی ششدر دیدی کی اپنی
بڑی بڑی غزالی آنکھوں میں بے پناہ غم کا ساگر سمیٹے اداس اداس
بگیا کے کونے میں گل مہر کے پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھی گلاب کی ٹہنی پہ
کھلے باسی پھول کو ایک ٹک دیکھ رہی ہے۔ وہ شاید زندگی اور
موت کے فاصلے پر غور کر رہی تھی۔ شاید سوچ رہی تھی کہ یہ خوبصورت
شروع صبح کتنا تازہ، کتنا شاداب اور کتنا حسین تھا اور اب
شام کو کتنا زرد، کتنا مرجھایا ہوا اور کتنا بے جان نظر آ رہا ہے۔

دیدی کی شادی پاپا نے ماں کی اجازت یا مشورہ کے
بغیر ایک تنگ سیٹھ سے بلا جہیز کی شرط کے طے کروا لی تھی۔ مگر میں
اس رشتے کے بارے میں کسی کو تفصیل سے کچھ نہیں بتایا تھا سیٹھ
کمل کشور ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر سے کسی طرح کم نہ تھے۔ میرے
پاپا سے سال چھ ماہ بڑے ہی رہے ہوں گے انہوں نے نہ صرف
جہیز چھوڑا بلکہ پانسو پاپا کو شادی وغیرہ کے انتظام کے لئے
بھی دے دیئے۔ جسے پاپا نے ماں کو بتائے بغیر ہی قبول کر لیا تھا

اس دن ششدر دیدی بہت روئی تھی۔ کھانا پینا تو اس
نے تین روز سے چھوڑ ہی رکھا تھا۔ ماں کے لاکھ منت سماجت
کرنے پر بھی اس نے ایک لقمہ تک منہ میں نہ رکھا تھا۔ وہ بالکل
مرجھائی [illegible] سے بے حال سی ہو گئی تھی۔ اس کا چندر مکھی
سا کومل شفاف چہرہ سوکھ گیا اور صدمے سے زرد پڑ گیا۔
اس کے چہرے پر کھیلنے والی سدا بہار مسکراہٹ جانے کہاں کھو گئی تھی

جیسے دیکھ کر [illegible] مسکراہٹ کا کمال ہو [illegible]
رنگینیاں اور ڈھیروں زیورات میں گوندھ کی طرح [illegible]
حسین دیدی ایک [illegible] لاش کی طرح دکھائی دے رہی
تھی جیتی جاگتی پوشاک کے بجائے جیسے وہ کفن میں ملبوس [illegible]
جسم پر سونے چاندی کے زیورات آگ اور شعلے بن کر سانپ
کی طرح اس کی سنہری [illegible] کا بال [illegible]
ہیں مانے ڈس رہے ہیں۔ اور وہ پرانے زمانے کی [illegible]
بھی گئی داستانوں کی طرح دیو کنیاؤں کے روپ میں [illegible]
نگاہ کی طرف بھینٹ دینے کے لئے لے جائی جا رہی تھی۔

بیچاری دکھیا ماں کو کیا پتہ تھا کہ اس کے [illegible]
کے بگیا کا یہ مہکتا پھول بھی اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے [illegible]
بچوں کے قہقہوں اور آنسوؤں کے طوفان میں وہ پالکی [illegible]
ہمیشہ کے لئے وداع کر دی گئی۔ جاتے وقت اس کے [illegible]
تھے وہ آنسوؤں کی اوٹ سے [illegible]

پھولوں سے ڈھکی پالکی میں دیدی کی پلکوں کے [illegible]
دکھائی دے رہی تھی لیکن بے جان مورتی جیسی۔

وہ چلی گئی مگر آنگن میں بابل کی بھرے آنسوؤں کی [illegible]
لگا کر پھر دیکھ لوٹ آنے کے لئے۔

دیدی کو سسرال کے سیٹھ [illegible]
میں واقع [illegible]
دلہن کے سواگت کے لئے [illegible]
گھر تھے کا کوئی فرد وہاں نہ تھا جو میری دیدی کی خاطر مدارات
کرتا اس کے پاس بیٹھتا اور اس کی تسلی دلجوئی کرتا۔

وہاں کی عورتوں میں چرچا تھا کہ سیٹھ نے 12 بچے [illegible]
سے اور اپنے بیٹے پوتوں [illegible]
لئے وہ دیدی کو [illegible]
کے بجائے سر [illegible]
لایا تھا اور بیچاری وہ [illegible]
یہ باتیں سن کر دیدی کی روح کانپ گئی تھی اور وہ [illegible]
بہت روئی تھی۔

دو چار گھنٹے بعد [illegible]

[illegible] بیٹھا تھا۔ وہ بھی سو گیا۔ رات گہری ہوتی چلی گئی [illegible] ابھی بھی اس کمرے میں بیٹھی اپنی بے بسی پر آنسو [illegible] رات گزرنے میں [illegible] [illegible] لڑکھڑاتے قدموں سے آیا [illegible] کھلکھلاتے اور روتے ہوئے [illegible] ساتھ نشے کی جھونک میں الٹ سیدھے اول فول گالیاں [illegible] ڈیڈی دھکے مارے کانپنے لگی۔ اس سے ہٹ کر [illegible] دھکیل دیا۔ کھلا کھلا ہی سیٹھ دھڑام سے اوندھے منہ [illegible] فرش پر جا گرا۔ ڈیڈی بے چاری سہمی ہوئی کھڑی [illegible] نے ڈیڈی کو بے تحاشہ [illegible] اور ساتھ ساتھ [illegible] مال اور [illegible] کو روکنا چاہا۔ ابھی وہ [illegible] سے [illegible] سیٹھ نے جیب سے شراب کی بوتل نکال کر [illegible] کے سر پر دے ماری۔

[illegible] کی پیاسی [illegible] اور نازک سی لڑکی اس [illegible] شدید چوٹ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو کر فرش [illegible] شدید چوٹ آئی تھی وہ فوارے کی طرح خون بہہ [illegible] اور کس طرح یہ منظر کسی نے کیسے دیکھا اور پولیس [illegible] پولیس نے ڈیڈی کو اسپتال میں داخل کیا۔ اور [illegible] لیا۔ دو گھنٹے بعد ہی اسپتال میں ڈیڈی نے [illegible] توڑ دیئے۔ ٹھیک اسی وقت جب [illegible] اور مندروں میں گھنٹیاں [illegible] اس وقت وہ معصوم اس گندے [illegible] کر مقدس آسمانوں کی بلندیوں پر پرواز کر رہی [illegible] اس کا سچا مقام تھا جہاں نہ کوئی ظالم تھا نہ مظلوم۔ [illegible] نے ماں اور بابا کو [illegible] در گزر کر دیا اور اب [illegible] اور [illegible] [illegible] بڑھیا سا [illegible] اب [illegible] [illegible] کے سامنے آئے

[illegible] پاچنا کرتے ہیں۔

اور ان سب حالات اور مصیبتوں نے مجھ خود اپنا راستہ چننے کے لئے ہوشیار ہی نہیں تیار بھی کر دیا ہے۔ [illegible] کہانیوں کو نہیں دہراتے دوں گی جو میری بہنوں پر بیت چکی ہیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں شادی ایسی شادی ہرگز نہ کروں گی جس میں میرے والدین کو نذرانہ یا بھاری جہیز دینا پڑے۔ میں خود ایسے سماج کو ٹھکرا دوں گی جو مجھے جینے کا حق نہیں دیتا۔ ان بیڑیوں کو کاٹ دوں گی جو سماج نے میری جیسی بہنوں یا والدین کے پیروں میں ڈال دی ہیں۔

اور پھر میرے جذبے نے بالآخر میرا ساتھ دیا۔ انجینئرنگ کا فرسٹ کلاس [illegible] [illegible] [illegible] زیادہ خاموش معلوم ہوتا تھا جسے میں نے سوائے شرافت یا ہمدردی کے کبھی اور کچھ محسوس نہ کیا۔ ہمیشہ ساتھیوں میں اس کی محبت کو میں نے اس کی شرافت کا نام دیا۔ اور وہ دل ہی دل میں مجھ سے عقیدت بھرے پیار کے جذبے کو پروان چڑھاتا رہا۔

میں ایک ہیڈ کلرک کی لڑکی اتنی جسارت کیسے کر سکتی تھی۔ ایسا اقدام کیسے اٹھا سکتی تھی۔ اتنی بلندی پر کیسے دیکھ سکتی تھی۔ میری وہ سہیلیاں جن کے بھائی اس کے دوست تھے مجھے وہ سب بتاتی رہتی تھیں ان کے بھائیوں کے ذریعہ معلوم ہو سکتا تھا۔ میں ایک عجیب الجھن میں گرفتار رہی۔ ایک دن روپیش نے مجھ سے خود اپنے پیار کا دبے لفظوں میں اظہار کیا [illegible] اس کے پیار کو سچائی کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے شادی کی تجویز اس کے سامنے رکھ دی ہے اس نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا اور میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔

میں نے گھر پر ماں اور بابا سے اس کا تذکرہ کیا۔ [illegible] [illegible] [illegible] شادی کے [illegible] [illegible] اس کی دولت کا اندازہ کر کے ساری ضروری معلومات حاصل کیں۔

[illegible]

بیٹا وہ ہماری جاتی کے نہیں ہیں اس لئے ان کا ہمارا سمبندھ نہیں ہو سکتا۔ میں نے ماں کو راضی کر لیا۔ لیکن پاپا کسی قیمت پر اپنے فیصلے سے ہٹنے کو تیار نہ ہوئے۔ ماں نے بھی بہت سمجھایا رو رو کر گڑگڑائی۔ لیکن پاپا اپنے فیصلے پر اٹل تھے۔ آخر میں نے تنگ آ کر پاپا کے فیصلے کے خلاف روپیش سے کورٹ میرج کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اسے بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔ وہ تو تیار تھا ہی لہٰذا ہمیں اس تجویز پر عملی قدم اٹھانے میں کوئی دقت نہ آئی۔ میں نے پاپا کی ٹیبل پر خط لکھ کر رکھ دیا۔ ساری ضروری کارروائی کئی دنوں سے مکمل ہو چکی تھی۔ روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ روپیش امیر گھرانے کا ایک اکلوتا لڑکا تھا۔ کچھ کپڑے سوٹ کیس میں رکھے اور صبح ہونے کے انتظار میں تمام رات جاگتی رہی۔ روتی رہی تڑپتی رہی کوئی مجھے دلاسا دینے والا نہ تھا۔ دونوں بہنوں کی صورت نگاہوں میں گھومتی رہی جیسے وہ دھتکار رہی ہوں میرے اس اقدام پر مجھے برا بھلا کہہ رہی ہوں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد جیسے وہ مجھے آشیرواد دے رہی ہوں۔ مجھے نیا راستہ نئی منزل نئی کھوج کی مبارکباد دے رہی ہوں۔

صبح سویرے سوتے ہوئے ماں اور پاپا کے پیر چھوئے ننھے کا ماتھا چوما اور چپکے سے دروازہ کھول کر دھڑکتے دل کے ساتھ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ روپیش اسٹیشن پر موجود تھا۔ اندر کورٹ میں پہنچ کر ہم نے کورٹ میرج کر لی۔ مجسٹریٹ و کئی موجود لوگوں نے ہمیں مبارکباد دی اور آشیرواد دیئے۔ لیکن ماں اور پاپا کے لئے میرا دل تڑپ اٹھا۔ لہٰذا میں نے پاپا جی کو اپنی شادی کا ٹیلیگرام دے دیا۔

صبح پاپا نے [illegible] آ کر گھر میں سب طرف دیکھا۔ مایوس ہو کر [illegible] ٹیبل پر پیپر ویٹ کے نیچے خط رکھا ہوا مل گیا۔ بھیگی آنکھوں اور دھڑکتے دل سے خط کھول کر پڑھا گیا تھا۔

[illegible] نہیں صرف [illegible]

اور سارا جگ بیڑیاں توڑ کر آزاد فضا میں سانس لینا چاہتی ہوں۔ مجھے زندگی سے پیار ہے۔ پاپا زندگی بڑی حسین چیز ہے قدرت کا بخشا ہوا عطیہ ہے یہ۔ یہ تو بھگوان کا وردان ہے۔ میں نے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے سوائے سسکتی ہوئی [illegible] آنسوؤں اور موت کے اور زبردست گھٹن کے اور بھیانک [illegible] بلاؤں سے خوف آتا ہے۔ آپ کے سماج سے نفرت ہے ایسے بیمار سماج میں رہ کر میں اپنے مستقبل کو [illegible] بنانا نہیں چاہتی۔ مجھے معاف کر دینا پاپا میں [illegible] ہوں اور آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں اپنی بہنوں کا حشر آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔ سگندھا دیدی کی شادی اور ان کے بدلے بھرے ہاتھوں کے چھاپے آج بھی ہمارے [illegible] لگے ہوئے ہیں اور زبان حال سے چیخ چیخ کر اپنی بے بسی کی فریاد کرتے ہیں۔

میرے سامنے سیما دیدی کی درد بھری جوالا موت ہے۔ میرے دماغ میں [illegible] دیدی کی تسلیم [illegible] میں آپ کے جاتی واد اور سناتن [illegible] کٹر پن سے بالکل آزاد ہوں۔ اور اس [illegible] وعدہ کرتی ہوں کیونکہ اس [illegible] نے [illegible] رونق اور ہماری خوشیاں چھین لی ہیں۔

اب ایک بار پھر التجا کرتی ہوں کہ مجھے معاف کر دینا پاپا۔ ورنہ بھگوان بھی مجھے معاف نہیں کریں گے۔

مجھے آشیرواد دیں پاپا کہ میں اس [illegible] زندگی بسر کر سکوں۔ ماں تو [illegible] طرح جانتی ہوں کہ اب تک [illegible] کر دیا ہوگا۔ اچھا پاپا جی [illegible] سے [illegible] قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا ہے۔ [illegible]

آپ کی خطا وار بیٹی

بیٹی کے خط کا [illegible]

[illegible]

جھٹکے

[illegible] بہت سے چھوٹی سے [illegible]
[illegible] اسٹیشن پر رکی تھی۔ میں
[illegible] کی طرف دوڑا کیونکہ بارش ہو رہی تھی۔ میری
سیٹ اسی میں ریزرو تھی۔ میں نے ڈبے کے سامنے لگا چارٹ
سے برتھ نمبر پوچھا اور اندھیرا [illegible] ٹارچ کی روشنی میں اپنا برتھ نمبر
ڈھونڈنے لگا۔ میری خواہش کے مطابق مجھے لوئر سیٹ ملی تھی
[illegible] میں نے سامان رکھ کر بستر بند کے اسٹریپ کھولے ہی تھے
کہ ایک [illegible] کے ہمراہ ڈبے میں داخل ہوا۔ [illegible] برتھ نمبر [illegible]
[illegible] تھا۔ میں نے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "صاحب
[illegible] والی برتھ نمبر [illegible] ہیں۔" لیکن شاید انھیں یقین
[illegible] عورت نے کہا
"[illegible] اپنی ٹارچ ذرا [illegible] دیکھو تو نا ہم غلط برتھ پر تو نہیں
[illegible] بعد میں دقت ہو۔"
اس سے پہلے [illegible] اپنی ٹارچ نکالتا میں نے اپنی ٹارچ
اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا
"آپ [illegible] ٹارچ لیجئے۔"
اس عورت نے جو میرے قریب ہی کھڑی تھی میرے ہاتھ سے
[illegible] کی طرف بڑھا دی۔ ٹارچ میرے ہاتھ سے لیتے
وقت اس عورت کی نرم و نازک انگلیاں میرے ہاتھ سے چھو گئیں۔ میں
سوچنے لگا کتنا نرم ہاتھ ہے۔ آدمی نے ٹارچ لے کر برتھ نمبروں کی
تصدیق کرتے ہوئے کہا۔
"[illegible] سیٹیں تو ٹھیک ہیں۔"
[illegible] اوپر چڑھنا مشکل ہوگا۔ اور پھر بچے کو اوپر
[illegible] مشکل نہیں۔"
[illegible] بھائی صاحب کی منت کر رہے ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible] ہوئے بولا۔

"[illegible] بھائی صاحب میں دونوں کو تو نہیں ایک کو اپنی جگہ دے سکتا
ہوں۔ مطلب یہ کہ میری ٹانگ میں درد ہے جس کی وجہ سے میرے لئے
زیادہ اونچائی پر بار بار چڑھنا اترنا مشکل ہوگا۔ یقین نہ آئے تو
یہ دیکھئے۔ یہ تازہ زخم پر پٹی۔ سو آپ سوچ لیجئے میں [illegible]
آپ کو دے سکتا ہوں لیکن میں نمبر [illegible] پر سو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس سے
زیادہ اوپر میں چڑھ نہیں سکتا۔
"تو رشو تم بالکل نیچے والی برتھ پر سو جاؤ۔ اور میں بالکل
اوپر والی برتھ پر۔ اور یہ بھائی صاحب درمیان والی برتھ پر۔"
عورت خاموش تھی۔
"آخر آرام بھی تو کرنا ہے...." وہ صاحب دوبارہ بڑبڑائے
اور بولے۔ "بھائی صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ۔"
"ارے واہ۔ اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔ یہ تو میرا فرض تھا
اگر میں ٹھیک ہوتا پھر تو آپ مجھے اس سے اوپر [illegible] پر چڑھا دیتے۔"
"ارے صاحب آپ کو اتنی تکلیف تھوڑا ہی دیتے۔"
"اگر میں آپ کی جگہ ہوتا اور آپ اکیلے ہوتے تو شاید میں بھی
آپ سے ایسی ہی گزارش کرتا۔"
"تو ہم بھی خوشی سے مان لیتے۔" وہ آدمی بولا۔
اتنے عرصے میں اس نے اپنی بیوی کا بستر نیچے لگا دیا اور اس کی
بیوی نے اس بچے کو جو مشکل سال بھر کا ہوگا بستر پر لٹا دیا اور پھر
اپنا بستر ٹھیک کرنے لگی۔ میں نے اپنا بستر درمیان والی برتھ پر لگا لیا۔
ایک نوجوان لڑکا جو غالباً اس عورت کا چھوٹا بھائی تھا
کھڑکی میں سے چائے کے دو پیالے اور ایک [illegible]
اس عورت کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولا۔
"بھائی صاحب یہ لیجئے [illegible]
[illegible] آپ کے [illegible]"
[illegible]
[illegible]

"دیدی کا پیسے میرے پاس ہیں۔"

"بچی پان اور سگریٹ تیری سب سے بڑی کمزوری ہے بمبئی میں یہ بھی ایک بیماری لگ گئی۔" وہ آدمی سامان ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔

تھوڑی دیر میں وہ لڑکا ہندی کے دو رسالے۔ ناول اور پان اور سگریٹ بھی لے آیا۔

"شریش یہ لو پیسے۔"

"دیدی انھیں اپنے ہی پاس رکھو سفر میں کام آئینگے۔" سگنل بھی ہو گیا۔

"شریش اب تم جاؤ پونے بارہ ہو گئے ہیں اور تمہیں اتنی دور سنسان گلیوں سے گزرنا ہے۔"

"سنسان کیوں دیدی۔ لوگ بستے تو ہیں۔"

"جب لوگ سو جائیں تو سناٹا چھا جاتا ہے اور وہی سونی نظر آتی ہیں۔"

اتنے میں گاڑی نے وسل دی اور چل پڑی۔

"بھائی صاحب نمستے۔ دیدی نمستے۔" وہ ہاتھ جوڑ آداب بجا لایا۔

"شریش دھیان سے جانا۔" ریتو کا بولی۔

"میں تو دھیان سے جاؤں گا آپ دونوں ٹھیک اور سامان کا خیال رکھنا اور پہنچتے ہی خط ڈال دینا۔"

گاڑی اب کافی دور نکل چکی تھی۔ سو ریتو کا نے سر اندر کر لیا۔ اور بولی۔

"بہت لمبا سفر ہے"

"کیا آپ بمبئی جا رہے ہیں۔؟" میں نے دریافت کیا۔

اس سے پیشتر کہ عورت جواب دیتی آدمی بول اٹھا

"ہاں صاحب ہم تو بمبئی جا رہے ہیں۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں اٹارسی اتر جاؤں گا۔"

عورت ایکدم بولی۔ "چلو اٹارسی تک تو ساتھ رہے گا۔" اور میں نے دیکھا تھوڑی اس کے چہرے پر تھوڑی دیر کے لئے خوشی کے آثار ایسے نمودار ہوئے جیسے سہارا لگا ہو۔ میں اس کے بعد خاموش ہو گیا اور اپنے ہی بارے میں سوچنے لگا جب چار پانچ منٹ

خاموشی میں گزر گئے اور گاڑی کافی تیز دوڑ رہی تھی جس کی وجہ سے ڈبے میں روشنی کافی تیز ہو گئی تھی۔ اس عورت نے لائٹ بجھا دی۔ سارا ڈبہ گھپ اندھیرا تھا۔ ہمارے والے حصے میں بالکل اندھیرا تو نہ ہوا لیکن دھندلکا سا ضرور چھا گیا۔ اس عورت نے اپنی کلائیوں سے کانچ کی چوڑیاں اور گجرے گلے سے ہار۔ اور کانوں کے جھمکے اتار کے انہیں پرس میں رکھ لیا اور کانوں میں بڑی کی بالیاں پہن لیں۔ پھر بالوں سے اور بالوں کا تارے اور شوقی ساڑی بلاؤز پہن کر اپنی چہرے پر بندی کر دی۔

درمیانہ قد بھرا بھرا سا گداز گدرایا ہوا جسم گورا چٹا رنگ حسن کی اس چمک اور تیز روشنی سے میری آنکھیں چندھیا نے لگیں۔ تو میں نے کروٹ بدل لی وہ عورت اپنی برتھ پر دراز ہو کے ہندی کا رسالہ پڑھنے لگی۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے ہونگے اس کا شوہر اوپر سے چلایا۔ "ارے ریتو یہ پڑھنا وڑھنا بند کرو۔ ساڑھے بارہ بج چکے ہیں ہمیں بھی سونے دو اب۔"

"آپ سو جائیے نا۔"

"تو یہ بتی جلا کر ٹیگوں کو دعوت دو۔ تو ہم کیا سو جائیں۔"

"لیکن رجنیش مجھے نیند نہیں آ رہی۔"

"نیند نہیں آ رہی تو تم چوکیدار کا فرض انجام دو۔ لیکن بتی بند کر دو اور ہمیں سونے دو۔" وہ آدمی چلایا۔

اور میں دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ اس کا میری نیند بھی حرام ہو گئی۔

دونوں کے درمیان میں دیوار کی طرح تھا لیکن شاید انہیں اس دیوار کا احساس نہ ہوا ہو گا۔ کیونکہ اس وقت دونوں کے خیالات میں تضاد تھا۔ اس عورت نے بتی بجھا دی تھی۔ میرا ذہن اس وقت گھر والوں میں الجھا ہوں۔ بیوی بچوں کے خیال میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ نہ جانے مجھے کب نیند آ گئی۔

صبح ساڑھے چھ بجے جب گاڑی دہلی جنکشن پر پہنچی تو میری آنکھ کھلی۔ گاڑی کو یہاں ایک گھنٹہ رکنا تھا اس عرصے میں نے نیچا تر کر ناشتہ کیا۔ انھوں نے بھی ناشتہ کیا۔ مسٹر رجنیش تھرمس میں گرم پانی لے آئے۔ اس کی بیوی نے گلاس میں دودھ گھول کر بچے کو پلایا چند منٹ پہلے وہ بچہ دودھ کے لئے مچل رہا تھا لیکن دودھ پیتے ہی

[illegible] ہے۔

"بہت پیارا بچہ ہے۔ کیا نام ہے اس کا؟"
"بنٹو ہے۔ اس کے باپ نے [illegible] دیا۔"
"بیٹا میرے پاس آؤ۔"
"جاؤ بیٹا انکل کے پاس۔ جاؤ بڑا اچھا راجہ بیٹا ہے۔" بچے کی ماں نے کہا۔ بچہ کچھ شرماتا اور جھجکتا ہوا میری گود میں چلا آیا۔

دلی اسٹیشن پر ڈبہ مسافروں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ یہاں تک کہ مارے گرمی کے برا حال ہونے لگا۔ جب سوا سات بجے گاڑی چلی تو خدا کا شکر ادا کیا۔ کیونکہ گاڑی چلنے سے اس میں کچھ ہوا آنے لگی تھی۔

دلی چھوڑنے کے بعد پنجاب میل ایسے دوڑتی ہے جیسے [illegible] سپاہی میدان جنگ میں آگے ہی بڑھتے ہوئے چلتے ہیں۔ دلی سے آگرہ تک سفر خاموشی میں کٹا کیونکہ ہم اپنی کتابیں پڑھنے میں مصروف تھے آگرہ اسٹیشن پر مسٹر رجنیش [illegible] بچے کے لئے پانی لینے چلے گئے جب واپس آئے تو ان کی بیوی [illegible] یہ کیا لے آئے؟"
"یہ پانی ہے۔"
"پانی تو مجھے بھی نظر آرہا ہے لیکن اس ڈبے میں کیا ہے؟"
"یہ ہے آگرہ کی مشہور پیٹھے کی مٹھائی۔ بنٹو کو بہت پسند ہے۔"
"کتنے کا لائے؟"
"ایک پاؤ۔ سوا روپے کی۔"
"تو کیا جب ماں جی کھائیں گی تو باقی منہ تکیں گے۔ یا وہ [illegible] سوا روپے کا پرشاد چڑھا رہے ہو۔"
وہ عورت ایسے بولی جیسے مرد کی کنجوسی پر اسے غصہ آگیا ہو۔
"تو تم نے مجھ سے کہا کیوں نہیں؟"
"تم نے مجھ سے پوچھا ہی کب تھا۔"
"تو میں اب لے آؤں۔" وہ آدمی کھسیانا سا ہو کر بولا۔
"[illegible] آپ مجھ سے جھگڑیے مت میں آپ کو لا دیتا ہوں" [illegible] اتنا کہہ کر میں نیچے چلا گیا جب واپس آیا تو [illegible] کچھ ہی مل پایا کہ تم نے

[illegible]
وہ عورت خاموش [illegible]
[illegible] عادت سے مجبور [illegible]
[illegible] ایک [illegible] نام [illegible]

اس عورت نے ایک دم اپنا پرس کھولا اور نوٹوں کے بیچ سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تھما دیا۔ مجھے اس کے نرم و نازک ہاتھوں کا لمس ایسے محسوس ہوا جیسے بجلی کی [illegible] چھو جانے سے جسم میں ایک عجیب سا جھٹکا۔ لیکن اس عورت کو اس بات کا بالکل احساس نہیں تھا۔

پھر اس نے گرم پانی کی تھرمس نکالی۔ تھوڑا سا گرم پانی ایک گلاس میں انڈیل کر اپنے شوہر کو دیا کہ بچے کیلئے دودھ بنائے اس نے دودھ بنایا اور بچے کو پلایا بچے کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں وہ ماں کی گود میں سو گیا۔

"تم ذرا اس بچے کو لیکر سو جاؤ۔ مجھے بھی نیند آرہی ہے۔" ریتو کا نے اپنے شوہر سے کہا اور مسٹر رجنیش بنٹو کو لے کر اوپر سو گئے وہ عورت بھی لیٹ گئی لیکن میں اس کی برتھ پر بیٹھا ہوا SCIENCE AND CONTEMPORARY کتاب پڑھ رہا تھا۔
"میں لیٹ گئی اور آپ بیٹھے ہیں۔"
"آپ بے فکر ہو کر سو جائیے جب مجھے نیند آئیگی میں بھی سو جاؤں گا ہاں۔ اگر آپ کو میری وجہ سے دقت ہے تو میں ابھی اوپر چلا جاتا ہوں۔"
"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں آپ بیٹھئے۔" اور وہ خود بھی [illegible] کر بیٹھ گئی۔

"لیجئے جب آپ سو گئے تو پھر ہم سوئیں گے اتنے میں میں ابھی ختم کر لوں گی۔"
"یہ کس کا ناول ہے؟"
"گلشن نندہ کا۔"
"آپ کو پسند ہے؟"
"ہاں ان کے ناول [illegible] پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سوشل جاسوسی اور [illegible] ہے۔ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ [illegible]"
"[illegible] اور سماج کے [illegible]"

" ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔ لیکن شاید یہ آپ کے کام کی نہیں۔"

" تو لیجئے صاحب آپ ہی پڑھئے آپکی کتاب آپ کو مبارک۔"

میں اسکے اس انداز گفتگو اور رویے سے شش و پنج میں پڑ گیا کہ ایک اجنبی سے اتنی کھلی گفتگو۔ میں نے سوچا شاید اس لئے کہ یہ ناول ابھی پڑھ رہی ہے۔ گاڑی بہت تیز تھی۔ دوپہر ہونے کے باعث اکثر لوگ پھر سو گئے تھے یا اپنی سیٹوں پر اونگھ رہے تھے۔ جب دلچسپ اور حسین ہمسفر مل جائے تو پھر کس کا دماغ خراب ہے جو سائنس اور سماج سے مغز پچی کرے۔ میں نے پوچھا " کیا آپ بمبئی جا رہی ہیں "؟

" جی ہاں "!

" آپ آئے کہاں سے۔ "؟

" گنگا نگر سے "

" کہاں گنگا نگر راجستھان کے صحرا میں اور کہاں بمبئی۔ جہاں خوبصورتی عیاشی اور ۔۔ "

" غریبی۔ تنگ حالی۔ فٹ پاتھ اور گندی بستیوں میں سوتے والے ننگے جسم " اُس نے میری بات کاٹ کر مکمل کر دی۔

" گنگا نگر میں ۔۔ "؟

" میرا مائیکا ہے اور بمبئی میں ان کے ماں باپ۔ انکا وہاں بہت بڑا بزنس ہے لاکھوں اور کروڑوں کا "

" بزنس کس بات کا ۔۔ "؟

" آپ پوچھئے کس بات کا نہیں۔ یہ چار بھائی ہیں۔ یہ تیسرے درجے پر ہیں۔ سب کا کام ساجھا ہے "

" کام کیا کرتے ہیں "؟

" ایک شرط پر بتاؤنگی پہلے آپ بتائیے آپ کون ہیں اور کہاں کس مقصد سے جا رہے ہیں۔ کہاں کے رہنے والے ہیں اور کام کیا کرتے ہیں "؟

" ارے آپنے تو انٹرویو کے سارے سوال ایکدم پوچھ لئے۔ سُنئے "

" فرمائیے "

" میرا نام سُدھیر ہے۔ میں سرکاری کالج مہندر گڑھ میں فزکس کا پروفیسر ہوں۔ اٹارسی تک آپ کے ساتھ جاؤنگا پھر وہاں سے گاڑی تبدیل کر کے سپریا اور پھر سپریا سے پچمڑھی بذریعہ بس "

رینو کا جواب سُنکر مطمئن ہو گئی کہ یہ شخص خطرناک نہیں محض ایک اُستاد ہے۔ قوم کا معمار جس کیلئے کتابوں میں بہت جگہ ہے۔ تعریف کے انبار ہیں۔ لیکن سماجی زندگی بنانا اس کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سب شاید اُس نے اسلئے پوچھا کہ میں کہیں انٹی کرپشن (ANTI CORRUPTION) ڈیپارٹمنٹ سے تعلق نہ رکھتا ہوں۔

" میرا خیال ہے آپ کو جواب مل گیا "

" تو لیجئے سُنئے یہ چاروں بھائی نقلی مال بناتے ہیں جو چیز بازار میں اچھی مشہور ہو جائے یہ اسکی نقل بنا کر بیچنا شروع کر دیتے ہیں جیسے کریم، پاؤڈر، لپ اسٹک، ٹوتھ پیسٹ، سگریٹ وغیرہ وغیرہ یعنی سبھی کچھ ان کے ہاں نقلی بنتا ہے اور اصلی کے روپ میں بکتا ہے۔ ہندوستانی کپڑے پر بدیشی مہریں۔ گھٹیا کپڑے پر بڑھیا کوالٹی کے لیبل لگا کر بیچنا بھی اِن کا دھندہ ہے۔ "

رینو کا نے کھڑی ہو کر ایک نگاہ اپنے آدمی اور بچے پر ڈالی۔ اُس نے دیکھا دونوں سو رہے ہیں۔ میں چند لمحات خاموشی سے سوچنے لگا کہ " یہ آزاد دیش اور آزاد قوم کا لہو چوسنے والی جونکیں جنکی رگوں میں دوڑتے لہو میں غریب کے خون کی ملاوٹ۔ اُف یہ دو چہرے والے "

" آپ اسقدر ایکدم سنجیدہ اور خاموش کیوں ہو گئے "؟

" کچھ نہیں یونہی ماں باپ اور بچوں کا خیال آ گیا تھا "

" ماں باپ اور بچے !! تو کیا آپ شادی شدہ ہیں "؟

" ہاں شریمتی جی میں تین بچوں کا باپ ہوں۔ پیار سا ان کو چھوڑ کر گھر آیا ہوں۔ محبت سے بھرپور مجسمہ بنا میری بیوی اور ہنسنے کیلئے گلاب کے مہکتے تین پھول میرے بچے۔

رینو کا کو یہ سُن کر ایسا محسوس ہوا جیسے زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے سرکتی جا رہی ہو۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ایک رنگ اسکے چہرے پر آتا اور دوسرا جاتا۔ میں نے اس کی سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے کہا

" مسز رینو کا آپ ایکدم سنجیدہ کیوں ہو گئیں "؟

" مجھے کچھ یاد آ گیا "

" شاید کوئی گمبھیر بات "

" ہاں ایک عورت کی زندگی ایسی باتوں سے پُر ہوتی ہے۔ لیکن پچمڑھی کس کام سے جا رہے ہیں "؟

" آپکو پتہ ہوگا کہ یہ ہِل اسٹیشن ہے۔ یہاں پر کہانی کار اور افسانہ نگاروں کی ایک کانفرنس میں شرکت کرنے جا رہا ہوں۔

"بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جاتے..."

"ہم بھی پچھلے دنوں شملہ ہو کر آئے ہیں وہاں خوب انجوائے (enjoy) کیا۔ اپنی چھوٹی سی حسین دنیا تھی۔ کہو تو تمہیں بچوں کی ساتھ لے چلتے ہیں۔"

"یہ تو فیسر صاحب ہیں اور ___" اُس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور پھر بولی۔ "ویرانے بہاروں کے حقدار نہیں ہوتے"

"یہ تو ایک بے تکی بات آپ نے کہہ دی۔"

"بے تکی بات آپ کے لئے ہو گی میرے لئے نہیں۔ کہئے آپکی بیوی تو اچھی ہے؟"

"ہاں بہت اچھی ہے۔ اور پھر بیوی کی تعریف ہمارا فرضِ اوّلین ہے۔ کیونکہ وہ اس تعریف کی حقدار بھی ہے۔"

"کاش ہماری بھی کوئی ایسی تعریف کر دے۔"

"تعریف! ہاں مُنہ پر کرنا اچھا نہیں۔"

"میرے شوہر صاحب بزنس میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ بہاریں ہماری زندگی میں لے آئیں لے دے کے ایک بچہ ہے پیسہ ہے، زیور ہے۔ کھانے کو سب کچھ ہے لیکن خوشی نہیں۔ وقت نہیں کہ دو گھڑی پیار سے باتیں کر سکیں۔ فرصت میں نیند پوری کرنا اور اپنے بہی کھاتے سنبھالنا ان کا کام ہے شادی ہوئی میرے ماں باپ کا سارا گھر بطور جہیز سمیٹ کر لے گئے۔ کیونکہ انہیں پیسے سے غرض تھی۔"

شاید رینو کا آج دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی وہ کہتی رہی

"اتنا پیسہ ہونے کے باوجود بھی پرلے درجے کے کنجوس۔ دیکھ لیا آپ نے آگرہ اسٹیشن پر ان کا حال۔"

"مسز رینو کا اگر گستاخی معاف ہو تو ایک بات کہوں مسٹر جینش تمہارے شوہر ہیں۔"

"لیکن مسٹر شدھیر اگر یہ شوہر ہیں تو میں بیوی ہوں میرا اس ماحول میں دم گھٹتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس جیل کی آہنی سلاخوں کو توڑ کر آزاد ہو جاؤں اور ___ شدھیر محبت کی بارش کے بغیر انسانی زندگی سنگلاخ زمین کی مانند بنجر اور ویران ہو جاتی ہے۔"

میں خاموش رہا کیونکہ میرے پاس اس کا ایک ہی جواب تھا جسے رینو کو سُننے کو شاید تیار نہیں تھی۔

"آپ کی بیوی کی پسند ___؟"

"بہت سادہ طبیعت عورت ہے جو دے دو پہن لیتی ہے لیکن رینو کا میں ایک غریب اُستاد ہوں۔ میری تنخواہ سے صرف گھر کا خرچ ہی چلتا ہے۔ زیور اُس کے پاس اتنے نہیں۔ لیکن پھر بھی خوش ہے مجھے جھمکے بہت اچھے لگتے ہیں نینا کے لئے میں بنوا کر دوں گا۔ دیکھیں کب یہ تمنا پوری ہوتی ہے۔" یہ کہہ کر چُپ ہو گیا۔ بنکو کے رونے کی آواز سُن کر رینو کا نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی پوری ہو جائے گی۔"

اُس نے فوراً روتے ہوئے بچے کو سنبھال لیا۔ شام کے ساڑھے چھ بج چکے تھے۔ گاڑی مینا اسٹیشن پر رُک گئی۔ اُس کا آدمی برتھ سے اُتر آیا۔ رینو کا نے اُس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بچے کو کھانے کے لئے کچھ بسکٹ وغیرہ لا دو اور دیکھو اسکے دُودھ کے لئے گرم پانی بھی لیتے آنا۔"

میں نے گفتگو بند کر دی یہ سوچ کر کہ شوہر کی موجودگی میں اسکی بیوی سے زیادہ گھُل مل کر باتیں کرنا اچھا نہیں۔ پھر وہ بھی نیچے ہی آکر بیٹھ گیا۔

"آپ نے نیند کی ساری کسر پوری کر دی۔"

"جی ہاں تھکاوٹ بہت تھی اور پھر ہمارا بزنس کا کام ہی ایسا ہے۔" میں تھوڑی دیر باہر چلا گیا اور گرم چائے کا ایک کپ پی کر جلد لوٹ آیا اور گاڑی چل دی۔

"اگر آپ نیچے بیٹھیں گے تو میں ذرا اُوپر آرام کر لوں۔"

"ضرور صاحب بڑے شوق سے ___ لیکن آپ کی ٹانگ کا وہ درد اور زخم ___"

"ہاں ہاں وہ تو ہے کوئی بات نہیں۔ میں کوشش کر کے چڑھ جاؤں گا۔"

میں چاہتا تھا کہ تھوڑی دیر آرام کر لوں لیکن اب رینو کا اسکا حُسن اور بے بس زندگی اُلجھے دھاگوں کی طرح میرے دماغ پر اس طرح مسلط ہو چکے تھے کہ انہیں دماغ سے نکالنا میرے لئے نا ممکن ہو گیا۔ میں نے کہا جب اِٹارسی آئے مجھے جگا دینا۔ نہ جانے اس خیالات کے تانے بانے میں مجھے کب نیند آگئی جب ساڑھے دس بجے تو مسٹر جینش نے مجھے جگا دیا۔ میں نے اُٹھ کر اپنا سامان سنبھالا اور نیچے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کھڑکی کی طرف مسٹر جینش تھے درمیان میں رینو کا اسطرف تھی اٹارسی آنیوالا

میرے دل کو کچھ محسوس ہونے لگا۔ رینو کا بھی اُداس ہو گئی۔
جو نہی امارسی اسٹیشن پر گاڑی رُکی مجھے احساس ہونے لگا جیسے
میرے دل کی دھڑکن بھی رُک جائیگی۔

"رنجی آپ ذرا میرے لئے ٹھنڈا پانی تو لائیے میرا گلا خشک ہو رہا ہے"
رنجیش ایکدم اُٹھ کر چلا گیا۔ میں نے اپنا سامان اُتارا کچھ دیر رینو کا
سے باتیں کرتا رہا رینو کا کھڑکی کے ساتھ لگ کر ٹکٹکی باندھے مجھے
دیکھ رہی تھی۔ میں نے دیکھا اُس کی حسین آنکھوں میں آنسو تھے جیسے
کہہ رہی ہو "مجھے اس قید سے آزاد کرا لو یہ تمہیں جھمکے پسند ہیں نا۔ میں
تمہارے لئے جھمکے پہنوں گی تمہیں بنوانے کی ضرورت نہیں بس
مجھے لے چلو۔ تمہارے لوگ میرے لوگ ہونگے۔ اگر مجھے لے جانے
سے مجبور ہو تو یہ جھمکے لے جاؤ اپنی نیتا کو پہنا کر اپنی تمنا پوری کر لینا"
"لیکن میرے ہونٹ ہلنے سے مجبور تھے مہرِ سکوت دونوں کے
لبوں پر تھی۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔
"رینو کا میں اگر تمہیں ان آہنی سلاخوں سے آزاد کر کے لے
جاؤں اس جیل کا داروغہ تمہارا شوہر سرکاری پولیس میری بیوی
بچے اور بھیانک مستقبل!"
اتنے میں گاڑی نے وسل دی اور چل پڑی۔ رنجیش چلتی گاڑی
میں بھاگ کر پانی کی بوتل ہاتھ میں تھامے سوار ہو گیا۔
رینو کا نے وہ رومال جو وہ کافی دیر سے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے
تھی میرے پاؤں میں پھینک دیا۔
"شدھیر صاحب نمستے" رنجیش نے چلتی گاڑی سے پکارا اور
اپنا منہ اندر کر لیا۔ لیکن رینو کا اپنی نرم و نازک ٹھوڑی کھڑکی کے نچلے
حصے پر ٹکائے آنسوؤں کے طوفان کو صبر کا بند لگائے بدستور میری طرف
دیکھے جا رہی تھی۔ اچانک گلاب کی پتیوں جیسے نرم و نازک ہونٹ
پھڑپھڑائے اور نیند سے بوجھل پلکوں سے دو آنسو نکل کر اس کے
چمپئی رخساروں سے ڈھلکتے ہوئے پلیٹ فارم پر گر کر پارہ پارہ ہو گئے
اور پلیٹ فارم کی دھول میں بکھر گئے میں نے پاؤں میں گرے ہوئے
رومال کو اُٹھایا تو اس میں وہی جھمکے جو کل رات رینو کا نے پہنے ہوئے
تھے۔ میرے ہاتھوں میں کانپ رہے تھے۔

بقیہ صفحہ ۳۹

دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو وہ کمرے سے باہر آئی۔ لمبا برآمدہ عبور
کرنے کے بعد اُس کا کمرہ آتا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی لیکن
اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور ستون سے ٹکرا کر گر پڑی
اُس کے سر میں شدید چوٹ آئی تھی۔ اور اب وہ زندگی اور
موت کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ سارے [illegible] ہاتھ پاؤں شل ہو رہے تھے۔ کتنی عجیب بات تھی اتنے [illegible]
کے باوجود وہ خطرے سے باہر نہیں تھی۔
دفعتاً کسی کے قدموں کی آہٹ سے زرّین نے آنکھیں کھولیں
سامنے نواب صاحب کے ساتھ پژمردہ سا چہرہ لئے سہیل کھڑے
تھے۔ سہیل! ایک کانٹا دل میں اُبھرا اور اسکے چہرے پر وحشت [illegible]
گئی۔
"زرّین میری بیٹی مجھ سے رُوٹھ کر نہ جاؤ مجھے معاف کر دو"
نواب صاحب بچوں کی طرح بلک رہے تھے۔
"سہیل! واپس بلا لو اسے ہمارے لئے وہی اچھے ہیں"
ممتا کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔
"زرّین" سہیل نے بڑھ کر اس کا بے جان ہاتھ تھام لیا۔
"مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ..... تمہیں میری قسم.....
زرّین..... زرّین....."
زرّین کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ آنکھیں موندی
جا رہی تھیں۔
"زرّین..... زرّین....." سہیل بیتاب ہو کر چلائے۔
"سو ہے یل....." اس کی آواز ٹوٹ گئی۔
سانس بہت دھیمی چل رہی تھی۔
"دیکھ کیا رہے ہو..... کلام مجید..... لاؤ.........
......وہ ... دم..... توڑ.....رہی ہے" چچا کی آواز آنسوؤں
میں بھیگی ہوئی تھی۔
"نہیں! [illegible] کے منہ سے نکلا۔ نواب صاحب نے [illegible]
بیگم صاحبہ ٹھنڈی آہ لے کے [illegible] بیہوش ہو گئیں سہیل [illegible]
کی طرح [illegible] سر مار رہے تھے..... "[illegible] جاؤ.....
......مجھے..... تو معاف..... کرتی جاؤ..... [illegible]

[illegible]

کسک

آج صبح پھر بھائی جان خوب زور زور سے چلّا رہے تھے غصے کی شدت سے اُن کی آواز کانپ رہی تھی اور اُنکے منہ سے جو الفاظ نکل رہے تھے وہ کچھ بے معنی سے لگ رہے تھے پھر وہ اپنا سارا غصہ بے زبان صحن پر نکالتے ہوئے اپنے آفس میں چلے گئے۔

جب بھائی جان چلے گئے تو میں اپنے کمرے سے باہر نکلا صحن پر چائے بہہ رہی تھی اور بھابھی جان خاموشی سے سر جھکائے پیالی اور طشتری کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو چن رہی تھیں میں نے دیکھا ان کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہیں تھا۔

میں چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ بات کوئی خاص نہیں تھی بلکہ بات چھوٹی سی تھی۔ وہ یہ کہ بھابھی جان کو کتابیں پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ آج پھر شاید کسی کتاب میں غرق ہو گئی ہونگی اور چائے میں چینی ڈالنی بھول گئی ہونگی اس چائے میں چینی کا نہ ہونا ہی کی وجہ سے بھائی جان بپھر گئے تھے اور بے چاری پیالی طشتری کا سیٹ فریاد کرتے ہوئے صحن پر بکھر گیا تھا۔

ہماری بھابھی جان کو یہ ہر وقت کتابیں پڑھنے کا روگ پتہ نہیں کہاں سے لگ گیا تھا۔ جب بھی انھیں دیکھئے ان کے ہاتھ میں ایک نہ ایک کتاب ضرور دکھائی دے گی چاہے وہ کھانا بنا رہی ہوں چاہے منے کو کھلا رہی ہوں۔ ناشتہ کی میز پر بیٹھی ہوتیں تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب ہوتی اور دوسرے ہاتھ سے وہ کھا رہی ہوتیں۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی خاص موضوع کی کتابیں ہی پڑھنی پسند کرتے ہیں مگر ہماری بھابھی جان ان سب باتوں سے پاک ہیں۔ اُن کے پاس ہر موضوع کی کتابیں نظر آتی ہیں چاہے وہ جاسوسی ہو، رومانی، ادبی ہو یا چاہے کسی کی سوانح حیات ہو کوئی ناول ہو یا چھوٹے چھوٹے بچوں کی چھوٹی چھوٹی پیاری کتابیں ہوں، سائنس کی ہو یا مذہب کی اور اس سے اُن کو کوئی مطلب نہیں ہے کہ وہ کس مذہب کی کتاب ہے۔ یہاں تک کہ فلسفہ اور نفسیات جیسی خشک موضوع کی کتابیں بھی ان کو اتنی ہی پسند ہیں جتنی جاسوسی۔

اسی شوق نے ایک دن ان کی ملاقات بھائی جان سے پبلک لائبریری میں کروادی تھی اور آج وہ ہماری بھابھی ہیں۔ چلئے میں آپ کو بھائی جان اور بھابھی جان کی شادی کا ایڈونچر بھی سنا دوں۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ان دونوں کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں اتنا شاید ہی کوئی اور جانتا ہوگا۔

اس دن اُنھوں نے اپنی ایک سہیلی سے کرشن چندر کی شائع شدہ کتاب "چاندی کا گھاؤ" کے بارے میں سنا۔ سنا کیا تھا کہ ان کے ہوش و حواس پر بجلی گر پڑی۔ نئی کتاب ان کے ہاتھ میں آنے سے پہلے کسی اور کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ ان کے لئے بڑے افسوس کی بات تھی ورنہ اُنھوں نے تو اس بات کا ریکارڈ ہی قائم کر دیا کہ کوئی نئی کتاب شائع ہوتی تو سب سے پہلے ان ہی کے ہاتھ میں دیکھی جاتی ہے چاری اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔ اسی وقت انھوں نے اپنی ساری سہیلیوں کو ساتھ لیا اور پہنچی بک اسٹال۔ مگر بدقسمتی سے وہ کتاب ملی ہی نہیں۔ اب تو وہ اور پریشان ہوئیں اور ہر ایک بک اسٹال چھان مارا مگر یہ کتاب نہ ملی۔ جس سہیلی نے ان سے کہا تھا وہ تو کام کا بہانہ بنا کر اپنے گھر چلی گئی۔ مگر یہ بیچاری بے چین ہوتی رہیں۔

ہر جگہ سے تھک ہار کر وہ گھر واپس ہوئیں۔ ان کا چہرہ اس جواری کی طرح لگ رہا تھا جس نے اپنا سب کچھ جوئے میں ہار دیا ہو۔ مگر ہماری ہمت ور بھابھی پھر بھی ہار ماننے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ شام کو پھر اپنی ایک درجن سہیلیوں کے ساتھ پہنچی پبلک لائبریری۔

ہائے! وہ شام بھابھی جان کی سہیلیوں کا کہنا ہے۔ کہ ایسی شامیں زندگی میں بہت ہی کم آتی ہیں۔ آسمان میں شفق

بھابھی پھولی ہوئی تھیں جیسے موسم بہار میں گل مہر۔ کبھی کبھی پر کالے کالے بادل بالکل بھابھی جان کی پریشان زلفوں کی طرح آسمان میں بکھرے ہوئے تھے۔ ہوائیں بھابھی جان کی چال کی طرح ٹھیک خرام تھیں۔

کوئی اور دن ہوتا تو بھابھی جان اپنی سہیلیوں کو ضرور ہی ٹی پارٹی دے دیتیں۔ مگر وہ تو کسی اور ہی دھن میں تھیں۔ سیدھی لائبریرین کے پاس پہنچیں۔ کتاب کا نام بتا کر مانگا تو پہلے لائبریرین چونکا۔ مگر پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا:۔

"آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟ یہ کتاب تو آج ہی آئی ہے مگر آپ نے آنے میں دیر کر دی۔ یہ ناول ابھی ابھی ایک وجے نام کے صاحب لے گئے۔"

اب بھابھی جان کو معلوم ہوا کہ ان کی سہیلی نے اُن سے جھوٹ کہا تھا۔

وہ تیزی سے باہر کی طرف لپکیں۔ اندھا دھند سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ ایک صاحب سے ٹکرا گئیں۔ ان صاحب کے ہاتھ سے ایک کتاب چھوٹ کر جا گری۔ سرورق پر نظر پڑتے ہی بھابھی نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔ مگر پھر وہ شرما گئیں۔

شرماتے ہوئے انھوں نے کہا "دیکھئے! میں اس کتاب کے لئے صبح سے پریشان تھی میری ایک جھوٹی سہیلی نے کہا کہ اسے وہ پڑھ چکی ہے۔ یہ سنتا تھا کہ میں صحرا میں بھٹکے ہوئے پیاسے کی طرح ہر جگہ اس کو تلاش کرتی رہی۔ مگر یہ ملی بھی تو دوسرے کے ہاتھ میں۔"

ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس کو واپس کر دیں۔ بڑی مشکل سے انھوں نے واپس کیا۔

ان کے کتاب پڑھنے کے جنون کو دیکھ کر اس نوجوان نے کہا:۔ "سنئے! آپ یہ کتاب لے جا سکتی ہیں۔ میری چھوٹی بہن نے اسے منگوایا تھا۔ میں اس سے کہہ دوں گا کہ دو تین دن کے بعد وہ کتاب آ جائے گی تب تک آپ اسے پڑھ کر مجھے اسی جگہ واپس کر دیجئے گا۔"

بھابھی جان کو یوں لگا کہ جیسے انھیں خزانہ مل گیا ہو انھوں نے جلدی سے اُن کے ہاتھ سے کتاب لے لی۔ شاید

[illegible] نہ دے۔ گھبراہٹ میں وہ شکریہ ادا کرنا بھی بھول گئیں اور تیزی سے اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں جا کر گم ہو گئیں۔ ان کی کھنکتی ہوئی ہنسی میں وہ شخص ڈوبتا ابھرتا رہ گیا۔

تین دن کے بعد اسی جگہ جا کر انھوں نے ان کی کتاب واپس کر دی اور شکریہ کچھ ایسے انداز میں ادا کیا جیسے اُن پر اس نے کوئی بہت بڑا احسان کیا ہو۔ وجے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر میں پوری لائبریری کو اپنے گھر لے جاؤں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔" بھابھی جان نے مسکراتے ہوئے کہا "کوشش کر کے دیکھئے۔" اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ آگے بڑھ گئیں۔ اس چھوٹے سے جملے کو مسکراتے ہوئے انھوں نے کئی لوگوں کے جواب میں کہا تھا ہر بار انھوں نے مذاقاً ہی کہا تھا۔ مگر انھیں کیا معلوم تھا کہ اس جملے کی چوری کر لی جائے گی۔ ادھر بھابھی جان کی منگنی۔ اسے پاس کیا ادھر چٹ منگنی پٹ بیاہ۔ اس کہاوت کو میں نے سنا اور پڑھا تو ہزاروں بار تھا مگر پورا ہوتے ہوئے میں نے اسی دن دیکھا۔

شادی کے بعد بھی ان کے پڑھنے کی رفتار میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ سب لوگ دھیرے دھیرے ان کی اس عادت کے عادی ہو گئے۔ مگر کسی کام میں انھوں نے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہونے دی تھی۔ گھر کا ہر کام دل لگا کر کرتی تھیں۔ پہلے تو لوگوں نے سوچا کہ جلد ہی یہ عادت ختم ہو جائے گی۔ مگر ان کی اس عادت نے تو جیسے انھیں کے ساتھ ہی جنم لیا تھا۔

آج وہ دو بچوں کی ماں ہیں۔ مگر آج بھی وہ کالج کی ایک طالبہ ہی نظر آتی ہیں۔ اور ہاں اب تو موضوعات میں ایک اضافہ اور ہو گیا ہے۔ "بچوں کی صحیح پرورش کیسے کریں؟" ان کی اس عادت سے نقصان سوائے بھائی جان کے کسی کو بھی نہیں ہوتا ہے۔ اتفاق سے یا بدقسمتی سے اگر وہ بھائی جان کو چائے بغیر چینی کے یا بہت زیادہ چینی ڈال کر دے دیتی ہیں۔

بھائی جان کے سیکڑوں بار جھنجھلانے پر بھی ان کے مزاج میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حالانکہ بھابھی جان بہت سلیقہ مند، خوش اور وفا شعار ہیں۔ صورت شکل میں بھی بُری نہیں۔ دیکھئے کب تک

شاعری حسین غزل نظر آتی ہیں۔ مگر بھابھی ایک بات ہے جس سے وہ اپنا پیچھا نہیں چھڑا پا رہی ہیں۔ یہ مرض شاید ٹی۔ بی کے رنگ کی طرح دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

مگر آج کل بھابھی جان نے پڑھنا کم کر دیا ہے۔ خالی وقت میں بھی ایک دو رسالہ پڑھتی ہیں یا اخبار ایک نظر دیکھ لیتی ہیں۔ اب بھائی جان بھی بہت خوش نظر آتے ہیں۔ بھابھی جان بھی ویسی ہی ہنستی مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں مگر میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ ہمیشہ تڑپتی رہتی ہیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ان کے دل میں ایک کسک رہتی ہے۔ انھیں دنیا کی ہر خوشی نصیب ہے مگر انھیں پھر بھی کسی چیز کی کمی ستاتی رہتی ہے

اکثر میں نے انھیں آنسو بہاتے ہوئے بھی دیکھا ہے مگر سب کے سامنے وہ وہی پرانی بھابھی نظر آتی ہیں۔ ہنستی، مسکراتی جھومتی، گاتی۔ سب سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہوئی ہماری پیاری بھابھی۔ کبھی مجھے بھی تنگ کرنے آ جاتی ہیں۔ پھر بعد میں دخل اندازی کرنے کے جرم میں معافی بھی مانگ لیتی ہیں۔ جب میں روٹھ کر ان کی طرف دیکھتا ہوں تو پیار سے میرے سر پر چپت لگا کر کھلکھلاتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ میں اُن کے پیار بھرے چپت کھانے کے بعد خوش ہو جاتا ہوں۔ مگر پھر بھی بھائی جان اکیلے میں اندر ہی اندر کڑھتی رہتی ہیں۔

دروازے میں داخل ہوتے ہی بھائی جان نے خوشی سے چلاتے ہوئے بھابھی جان کو للکارا اور دھڑ دھڑاتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ بھابھی جان ہڑبڑا کر اُٹھیں اور اٹھتے ہی اُن کے ہاتھ سے آج کا اخبار گر پڑا۔ بھائی جان کو یوں محسوس ہوا جیسے انھیں بجلی کا شاک لگ گیا ہو۔ اخبار کے اندر اس مہینے کے ماہنامہ جاسوسی ناول کا نیا شمارہ تھا۔ بھائی جان کے ہاتھ سے ترقی کا لیٹر اور مٹھائی کا پیکٹ چھوٹ گیا۔ اُن کی آنکھیں ناول کے چمکتے ہوئے سرورق پر ٹھہر گئیں اور بھابھی جان گھبراہٹ، ندامت اور شرم کے ملے جلے تاثرات کو اپنے چہرے پہ لئے کبھی پیکٹ کو دیکھتیں تو کبھی لیٹر کو۔

اپنی اپنی باتیں

میرا نام حمیدہ بانو ہے مگر گھر میں حمیا کے نام سے پکاری جاتی ہوں میرے والد کا نام حسین بھائی ہے جو سیاسی حلقوں میں عزت و احترام سے یاد کیے جاتے ہیں میرا مائیکہ خدا کے فضل و کرم سے ایک خوشحال گھرانا ہے اور ہر کھاتا پیتا گھرانہ چاہتا ہے کہ اس کی بیٹی کسی بڑے گھر میں بیاہی جائے مگر میرے والدین اس فرسودہ روایت سے متفق نہیں ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ لڑکا اگر اچھا محنتی اور اچھی لگن کا ہوگا تو اپنی بیوی اور بچوں کو آسودہ رکھ سکے گا۔ لہٰذا میری شادی جناب عبدالرؤف صاحب آرزو سے کر دی گئی جو ایک ریسٹورنٹ میں ملازم ہیں مگر میرے شوہر میں جو خوبیاں ہیں وہ میرے جہاں دیدہ والدین کی نظروں میں سما گئیں اور انھوں نے اسی میں میری بھلائی دیکھی۔ یہ ایک اتفاق تھا یا خدا کا کرم سمجھئے کہ میرے شوہر بھی میرے والدین کی طرح روشن خیال اور فرسودہ روایات کے خلاف ثابت ہوئے۔ اور انھوں لینے دان جہیز وغیرہ کا رتی بھر بھی لالچ نہ دیا۔ گو میرے والدین نے کسی طرح کی بھی کمی محسوس ہونے دی مگر عبدالرؤف آرزو بھی چشم سیر اور فراخ دل نکلے اور انھوں نے مجھے دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دی۔ اور شادی کے بعد میں اپنی خوش نصیبی پر رشک کرتی ہوں کہ مجھے رؤف جیسا شوہر ملا۔ میں ایک پڑھی لکھی اور روشن خیال لڑکی ہوں بیشتر فرسودہ روایات۔ جادو ٹونا، عملیات اور ڈھونگی مجاوروں سے دلی نفرت کرتی ہوں۔

میری تعلیم گجراتی زبان میں ہوئی۔ مگر اردو میں نے پرائیوٹ ٹیوشن سے پڑھی اور خدا کے فضل سے اب اردو میں خوب لکھ پڑھ سکتی ہوں اور رام لال کرشن چندر، عصمت چغتائی کی افسانوی تخلیقات میری پسندیدہ ہیں۔ اور اچھے شعراء کا کلام پسند کرتی ہوں۔ لطیفے سننے اور سنانے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ اور سیکڑوں ایسے لطیفے یاد ہیں کہ جن کے سنتے ہی مردہ بھی ہنسنے لگے طبیعت چنچل ہے اسلئے اکثر سہیلیوں سے شوخی اور ہنسی مذاق سے پیش آتی ہوں۔

والد صاحب کی سیاسی مصروفیات کا دھیان رکھتی ہوں اور کبھی کبھی اپنی سیاسی قیاس آرائیوں سے انھیں پریشان بھی کر دیتی ہوں جس پر پیار بھری ڈانٹ کھا کر لطف اندوز ہوتی ہوں۔

"شان ہند" میرے لئے کوئی نیا ماہنامہ نہیں ہے میرے شوہر ایک عرصے سے اس کے مستقل خریدار ہیں۔ شعر و شاعری سے کیونکہ دلچسپی زیادہ ہوتی ہے اس لئے اپنے اس ذوق کی تکمیل کے لئے ماہنامہ شان ہند سے بہتر کسی چیز کو

چپکے سے بہار آجائے

رفاقت شاہ

راشدہ کچن میں چائے کے برتن سمیٹ رہی تھی کہ اُسے امّی اور پاپا کی زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ اُس نے کوئی توجہ نہیں دینی چاہی لیکن اُس کا دماغ بار بار اُسی طرف مبذول ہو جاتا۔ آخر اُس سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ ممّی اور پاپا کی باتیں سُننے کے لئے بے چین ہو گئی اور وہ دروازے کی اوٹ میں چُھپ کر دونوں کی باتیں سُننے لگی۔

پاپا ممّی سے کہہ رہے تھے "لڑکا بہت ہی اچھا ہے تعلیم یافتہ ہے۔ اُس میں کسی بات کی کمی نہیں ہے۔ لاکھوں میں ایک ہے خوبصورت اور سیرت کے اعتبار سے بھی۔ ہماری راشدہ بیٹی راج کریگی راج!" ممّی گُم سُم سی بیٹھی رہیں۔ اُنکی آنکھوں میں آنسو بھی آگئے۔ وہ کہنے لگیں "میری ایک ہی تو بیٹی ہے اُس کے لئے میرے دل میں کیا کیا ارمان تھے، کیا کیا سوچ رکھا تھا لیکن آپ ہیں کہ اُس کا جلد سے جلد بیاہ کرنے پر تُل گئے ہیں"۔

"ارے بھئی اتفاق سے بہت اچھا لڑکا مل گیا ہے وہ اِسے ساتھ انگلینڈ بھی لے جانا چاہتا ہے اور تمہیں کیا چاہیئے"۔

راشدہ نے جب بات کا موضوع خود ہی کو بنا ہوا دیکھا تو چُپکے سے وہاں سے کھسک لی اور اپنے کمرے میں آکر تکئے میں منہ چُھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کو اپنی بے بسی پر رونا آرہا تھا۔ اُسے اپنا ماضی بھی گھومتا نظر آیا۔ وہ ایک ایک پل یاد آنے لگا جو اس نے جاوید کی قربت میں گزارے تھے۔ وہ من ہی من میں جاوید کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔

"جاوید، تم کہاں چلے گئے؟ مجھے تنہا چھوڑ کر! دیکھو میں کتنی بے بس ہو گئی ہوں میری زندگی قفس میں پھنسے ایک پرندے کی مانند ہو گئی ہے کہ میں کچھ کر ہی نہیں سکتی۔ اتنے سنگدل نہ ہو جاوید..... تمہیں میری قسم جاوید جلد چلے آؤ۔ دیکھو میں تمہارے انتظار میں کب سے آنکھیں بچھائے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں"۔ تکئے کو اس نے مضبوطی سے اپنی باہوں میں جکڑ لیا اور اسی طرح روتے روتے وہ سو گئی۔ خواب میں اُس نے جاوید کو اپنے سرہانے کھڑا پایا۔ جو مسکرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔" دیکھو راشدہ میں آگیا ہوں۔ اب تمہیں مجھ سے کوئی جُدا نہیں کرسکتا۔ تمہاری پکار مجھ تک پہنچ گئی اور میں پر لگا کر تم تک پہنچ گیا!"..... وہ بھی نیند میں مسکرانے لگی اور تب اُس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلنے پر اُسے کمرے میں کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ خواب ہی تو تھا اُسے ایک ایک کر کے ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ کس طرح وہ جاوید کی تصویر سے باتیں کرتے ہوئے سو گئی تھی وہ تصویر ابھی تک اُس کے سینے پر پڑی مسکرا رہی تھی۔

شام ہو گئی تھی ٹھنڈی ہوائیں دماغ کو سکون بخش رہی تھیں لیکن وہ دوپہر کی ساری باتیں یاد کر کے بے چین ہو رہی تھی وہ لان میں آئی اور نڈھال ہو کر ایک بنچ پر بیٹھ گئی اُسکا دماغ برابر سوچے ہی جا رہا تھا۔ ایک پل بھی اُسے سکون میسّر نہ تھا وہ سوچے جا رہی تھی اگر جاوید نہ آیا تو وہ کسی اور کی ہو جائے گی۔ اس لئے جو ایک خوشیوں کا محل تیار کیا تھا وہ ایک پل میں مٹی کا ڈھیر ہو جائیگا۔ نہیں نہیں وہ ایسا کبھی نہیں ہونے دے گی وہ اپنے پیار کو اس طرح رُسوا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ اُسے ایک چکّر سا آگیا اور وہ بنچ پر لیٹ گئی اور آنکھیں موند لیں۔ اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنا ماضی رقص کرتا ہوا نظر آیا۔

کالج میں اُس کا پہلا دن تھا۔ دوسرے لڑکوں کی فقرے بازی کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ کلاس روم کی طرف بڑھ گئی۔ کلاس میں داخل ہوتے ہی کئی متلاشی نگاہیں ایک ساتھ اس کی طرف اُٹھ گئیں۔ وہ ان سب کی نظروں سے بچتے بچاتے پیچھے جا کر بیٹھ گئی۔ پیریڈ شروع ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔ اس نے کلاس روم کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اُسے ایسا لگا کہ دو آنکھیں برابر اُسے گھورے جا رہی ہیں اس نے دائیں طرف ایک نگاہ ڈالی۔ نگاہیں ملتے ہی وہ شرم سے دوہری ہو گئی..... لیکن نہ جانے ان آنکھوں میں کیا کشش تھی کہ وہ دوبارہ اِدھر دیکھے بغیر نہ رہ سکی وہ خود بخود اس جانب کسی انجانی کشش کے تحت اُس طرف کھنچتی چلی گئی۔ پیریڈ کب شروع ہوا اور کب ختم ہوا اسے تو اس کی کچھ خبر ہی نہ تھی۔ وہ تو کسی اور ہی چیز کا مزہ لے رہی تھی..... کچھ لڑکوں کے قہقہوں کی آواز اس کے کانوں تک

پہنچی تو وہ چونک پڑی اور اپنی مدہوشی [illegible] کہانیاں بھی تو
کتابیں سمیٹ کر کلاس روم کے باہر آ گئی...... گیٹ پر پہنچ کر وہ
ایک منٹ کے لئے رُک گئی اور پیچھے مُڑ کر دیکھنا چاہا تو اب بھی وہی
آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں...... یہ کیسی بیقراری دونوں کے
دلوں میں تھی...... راشدہ کا سینہ تو دھک دھک کر رہا تھا اور وہ
اپنے دل میں کچھ بے چینی سی محسوس کر رہی تھی۔
وہ کسی طرح خود کو گھسیٹتی ہوئی سی بس اسٹاپ تک پہنچ گئی۔
شدتِ جذبات کی وجہ سے کبھی کبھار پیچھے مُڑ کر بھی دیکھ لیتی تھی۔
وہ روز کالج میں ملتے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے
کو اپنا پیغام پہنچا دیتے۔ اس طرح اُن کی خاموش محبت کے دیپ جلنے
لگے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ادھورے تھے۔ ایک پل بھی اُنکو
قرار نہ تھا۔ کالج کے بعد وہ کسی پارک میں چلے جاتے اور پیار کے گیت
سے سارا چمن جھومنے لگتا۔
سالانہ امتحان شروع ہو گیا۔ لیکن ان کے پیار میں کسی طرح
کی کمی نہ آئی وہ جیون بھر ساتھ نبھانے کی قسمیں بھی کھاتے رہے آخری
پیپر سے فارغ ہو کر ہر ایک دوسرے سے مل رہا تھا ہر کسی کو ایک
دوسرے سے بچھڑنے کا غم تھا اور وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے
الوداع ہو رہے تھے۔ راشدہ تو کتنا روئی تھی اسکے بغیر تو اسے اب
ایک منٹ بھی ایک سال کے برابر لگنے لگا...... اس نے جاوید سے قسم
کھائی تھی کہ جب تک وہ نہ آجائے گا وہ اسکا انتظار کرتی رہیگی چاہے
صدیاں ہی کیوں نہ بیت جائیں...... اس نے جاوید سے یہ بھی تو کہا تھا
جاوید تم ایک مرد ہو۔ ہو سکتا ہے تم مجھے بھول بھی جاؤ۔ لیکن میں ایک
عورت ہوں۔ عورت ایک بار کسی کو اپنے من مندر میں بسا لیتی ہے تو پھر
اسی کو پوجتی رہتی ہے۔ کسی اور کے بارے میں سوچنے کا وہ تصور بھی
نہیں کر سکتی۔" اس طرح دو دل ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے۔
آج جبکہ پورے دو برس گزر چکے ہیں جاوید کا کہیں پتہ نہیں ہے
روتے روتے اسکی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ پڑوس کی سہیلی نازو کب سے اسے
پکار رہی تھی اور پکار کے تھک کر اسی کے گھر آ گئی تھی نازو نے اسے اس طرح
روتے دیکھا تو وہ تعجب میں پڑ گئی "آخر معاملہ کیا ہے" راشدہ کے دل کو
ایک اور زبردست دھکا لگا اور وہ اس کے گلے لگ کر زور زور سے
رونے لگی...... نازو سے اپنی پیاری سہیلی کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اسکی بھی
آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ اسے چپ [illegible] رہی تھی جب راشدہ
کا من رونے سے کچھ ہلکا ہو گیا تو اس نے سوچا چلو نازو سے سب کچھ
کو بتا دوں تب اس نے وہ سب رو دُاد اس سے کہہ ڈالی جو اس پر بیت
چکی تھی...... نازو اپنی سہیلی کے اس بھولے پن پر مسکرا دی۔ بولی بس
پگلی اتنی سی بات پر رونے لگی تھی! اس نے تو تجھے بھلا بھی دیا ہوگا
اور تو ہے کہ اسکی یاد کو سینے سے لگائے بیٹھی ہے۔ چل امی ڈیڈی تجھے
کب سے بُلا رہے ہیں۔ انھوں نے مجھے بھی ایک کام سونپا ہے پہلے تمہارا
بھلا تو بتاؤں گی ؟ بیچاری راشدہ کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں اسے گھورنے
لگی۔ وہ ایسے مذاق کے لئے تیار نہ تھی۔ اس کا دل پھر رونے کو چاہا نازو
نے دیکھا اب وہ پھر رو دے گی تو جلدی سے اُسے بتانے لگی "اچھا
بابا مٹھائی بعد میں کھلا دینا ابھی میرے ساتھ تو چل میں تمہیں تمہارے
ہونے والے دولھے کی صورت دکھاؤں بے چارہ کب سے اندر بیٹھا
ہے آدھ گھنٹے سے۔ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے"۔ راشدہ انکار کرتی رہی
لیکن وہ اسے زبردستی گھسیٹ کر کمرے تک لے آئی جس میں وہ بیٹھا
تھا۔ نازو نے اُسے پردے کے پیچھے لے جاکر کھڑا کر دیا اور خود اسے
کھسکا کر اس سے کہا: "اچھی طرح سے دیکھ لے بعد میں کچھ مت کہنا"
...... راشدہ کو شرم آ رہی تھی۔ اس نے جیسے ہی پردہ کے پیچھے سے
جھانکا تو وہ گھبرا کر اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔ راشدہ اپنے پلنگ پر
جا کر لیٹ گئی اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ نازو بھی اس کے پیچھے
بیکتا ہوئی پہنچی حیران ہو کر پوچھنے لگی "کیا ہوا!! تو بھاگ کیوں
آئی" تو راشدہ نے اُسے گلے سے لگا کر مسکراتے ہوئے کہا "نازو
جس کے لئے میں اتنا روئی اتنا تڑپی تھی وہی آج اس کے گھر پہنچ گیا
ہے اپنے آپ"!
پھر اس نے جاوید کی تصویر اسے دکھا کر پوچھا "دیکھ یہ
وہی ہے نا"!

جلتا پھول

[illegible]

جھونپڑی سے کھانسی کی [illegible] آواز لگاتار اُبھر رہی تھی۔ راجو اپنے بوڑھے باپ کے سرہانے غم کا پتلا بنا بیٹھا تھا اس کی تکلیف کو محسوس کر رہا تھا۔ راجو کا باپ دمے کا مریض تھا۔ کئی دن سے معمولی دوا بھی خریدنے کے لائق نہیں رہا تھا دس سال کا راجو اس کی کیا سیوا کر سکتا تھا۔ ٹوٹے ہوئے بانسوں سے تنی ہوئی یہ خستہ جھونپڑی میں بوڑھے نے سردی سے بچنے کے لئے جب کمبل تانا تو آسمان اُسے صاف دکھائی دینے لگا اور کمبل کی پوسیدگی اُسے اس غضب ناک سردی سے محفوظ نہ رکھ سکتی تھی لیکن کمبل اور جھونپڑی کی غریبی کے اس عالم میں اُس کے لئے تنکے کا سہارا بنے ہوئے تھے۔

اس نے زندگی کے پچاس سال چلچلاتی دھوپ اور سرد ہوا موسلادھار بارش اور فاقوں میں گزار دیے تھے۔ لیکن اس وقت اس کے جسم میں خون کی گرمی تھی اور اب ہڈیوں کی مالا بن جانے کے بعد وہ اس پریشانی کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ پھر اس کے ساتھ اب راجو بھی تھا جو بھوک کی وجہ سے جب تڑپتا تو اس کی سانسیں اُکھڑنے لگتیں۔ خود دن سے ان دونوں نے کچھ نہ کھایا تھا۔ راجو باپ کی اس حالت پر تڑپا۔ وہ کچھ حاصل کرنے جھونپڑی سے باہر آیا۔ اس اُمید پر کہ شاید اپنے دامن میں سوال قدرت سے کچھ لیکر واپس لوٹے۔ [illegible] وہ دو چار فرلانگ ہی چلا تھا کہ اس کی نظر ایک خوانچے والے پر جا کر ٹھہری جس کے آس پاس کچھ لوگ جمع ہو کر ناشتہ کر رہے تھے۔ راجو کی بھوک نے اُسے تڑپا دیا وہ للچائی نظروں سے ان لوگوں کو دیکھتا رہا۔ بھوک کی تیزی اُسے تڑپا رہی تھی اس نے خود کو روکا۔ لیکن چونکہ وہ اپنی جھونپڑی سے کچھ لینے نکلا تھا اسی لئے بے اختیار ان لوگوں کے قریب پہنچا وہاں سے بھیک مانگنے کے انداز میں کہا

"بابا [illegible] ہوں۔ مجھے بھی کچھ دے دو۔"

[illegible] تو حسب عادت بُری طرح جھڑک دیا۔ لیکن [illegible]

موجود ایک [illegible] کے ہاتھ میں دس پیسے کا سکہ تھما دیا۔ اس وقت راجو کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا اس کا [illegible] گیا ہے۔ اس سکے کی چمک نے اس کی آنکھوں میں روشنی [illegible] وہ سوچ رہا تھا دنیا میں اگر کوئی چیز ہے تو یہ سکے۔ یہ دولت [illegible] طاقت ہے اس میں۔ اس نے سوچا اس طاقت کو حاصل کیا جائے اس سوچ میں وہ تھوڑی دیر کے لئے بھوک کو بھی بھول گیا [illegible]

"[illegible]"

اس آواز نے اس کے خواب کو [illegible]

وہ [illegible] بیٹھا تھا۔

"کیا ہے؟" اُس نے گھبرا کر پوچھا۔

"تیرا باپ دم توڑ چکا ہے"

"راجو کے ہاتھ [illegible]

جس نے تھوڑی دیر پہلے اُسے [illegible]

وہ اپنی جھونپڑی کی طرف لپکا۔ اب [illegible] نشانی نہیں دی [illegible] باپ کے [illegible] چھوڑ [illegible] رہ گیا۔ [illegible] پر بھاری تھی۔ لیکن اس کی یہ تنہائی زیادہ دیر تک [illegible] اس کے باپ کی آخری رسوم میں شریک ہونے [illegible] تھوڑی دیر کے لئے محسوس کیا کہ وہ اس [illegible] کہاں ہے [illegible] کے ساتھ ہیں۔ لیکن [illegible] کیا ہوا۔ [illegible] تنہا تھا۔

اس کے باپ کی ارتھی تیار ہوئی۔ رواج کے مطابق ایک [illegible] نے مرنے کے منہ میں [illegible] دیکھ کر بھی کچھ دیر پہلے راجو کی خواہش نے جنم لیا تھا۔ [illegible] موت نے اس کی ساری خواہشات کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ [illegible] [illegible] کا تھا [illegible] پاس [illegible] تھا [illegible]

ہماچل پردیش میں

۲۰۔ نکاتی پروگرام

پورے بھارت میں ہماچل پردیش ہی وہ پہلا پردیش ہے جہاں ہر بے زمین کاشتکار کو پانچ بیگھے کاشتی زمین دی گئی ہے اور ہر دیہی بے گھر شخص کو مکان بنانے کیلئے ایک سو مربع گز زمین دیجا رہی ہے۔

ہماچل لوک سمپرک

الوداع میرے حسین ماضی

کوثر رفعت

۱۲ رجنوری!

مائی سویٹ نازو! آنے والی صبح کی پہلی کرن کا سلام لو۔
تم حیران ہو گی کہ آج فرحین نے تمہیں کیسے یاد کر لیا! تو نازو جان، بھلا تم بھی کوئی بھلا دینے والی چیز ہو! نا ممکن ——!!

ہاں یہ اور بات ہے کہ آج میں اپنے پیارے وطن کو خیرباد کہنے والی ہوں تو تمہاری یاد اس شدت سے آ رہی ہے کہ میں اپنے آپ کو بے خود سا محسوس کر رہی ہوں۔ اس وقت رات کے تین بجے ہیں اور ٹھیک چھ بجے ہمارا طیارہ چلا جائے گا۔ اب سے صرف تین گھنٹے بعد میں تم سے ہزاروں میل دور کناڈا کے لئے پرواز کروں گی! اُف! یہ سوچ کر ہی میں کانپ جا رہی ہوں! لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں خوش بھی ہوں نازو، کہ میری زندگی 'عرشی' بھی میرے ساتھ ہے۔ آج نہ جانے کیوں میں بہت بے چین ہوں۔ تم حیران ہو رہی ہو گی کہ فرحین اور —— بے چین! ہاں میری پیاری نازی، یہ بالکل سچ ہے۔ تم میری عزیز ترین دوست ہو، لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں کبھی اپنا ہمراز نہ بنا سکی۔ دیکھو ناراض نہیں ہوتے لو اب بھی تو صرف تمہیں ہی اپنی زندگی کی کچھ انمول اور حسین یادیں دیئے جا رہی ہوں! انہیں سنبھال کر رکھنا۔ شاید زندگی کے کسی موڑ پر تمہیں اپنی فرحین کی یاد آ جائے تو انہیں پڑھ لینا! اور کیا لکھوں عرشی اس وقت سو رہے ہیں وہ بھی شام سے ہی اداس سے ہیں —— اپنے ماں باپ کو چھوڑتے ہوئے کون اداس نہ ہو گا لیکن مجھے دیکھو میرا تو یہاں کوئی بھی نہیں، پھر بھی ایک الگ سا دکھ ہے نازو، دیر کہ میں اپنا سب کچھ یہیں چھوڑے جا رہی ہوں۔ اچھا پھر تو لیس اپنی ہی کہتی چلی جا رہی ہوں تم بھی تو کچھ کہو!

تمہیں کبھی نہ بھلانے والی

تمہاری اپنی

فرحین

۲ر مئی!

آج میں بہت خوش ہوں بہت خوش —— آج کا دن میری زندگی کا [illegible] یادگار دن ہے۔ میں فرسٹ ڈویژن سے میٹرک پاس ہو گئی ہوں۔ اور آج ہی سے میں نے ڈائری لکھنی شروع کی ہے۔ خدا کرے اس ڈائری کے خالی صفحات پر میں ہمیشہ خوشیاں ہی [illegible] بکھیرتی رہوں!

۲۵ر مئی —— ڈائری لکھنا بڑی اچھی لگتی ہے۔ دن بھر کی بکھری ہوئی مصروفیتوں کو سمیٹ کر جب میں اپنی اس ننھی سی پیاری [illegible] میں بند کر دیتی ہوں تو بڑا اچھا لگتا ہے!

۲۹ر مئی —— کئی دنوں بعد ڈائری لکھ رہی ہوں آج دن بھر بور گزرا۔ بھیا آج دہلی گئے ہیں شاید آٹھ دن بعد آئیں۔

۱۴ر جون —— ہائے خدا جانے یہ آج کل مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے دل کچھ بے چین بے چین سا ہے! خیالات کچھ بہکے بہکے سے رہتے ہیں! ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کہتے ہیں سولہواں سال بڑا [illegible] زندگی کی پہلی منزل ہوتی ہے۔ اس کی پہلی سیڑھی [illegible] شاید ایسا ہی ہو!

۱۸ر جون —— آج کل میں اپنے آپ کو بہت [illegible] ہوں —— بھیا بھی کہا کرتے تھے [illegible] ہے تمہیں! —— تم اتنی بھولی بھالی [illegible] میں نے بھیا کو ہنس کر ٹال دیا۔

۲۶ر جون —— آج صبح ہی کتنا عجیب سا واقعہ [illegible] حیران ہوں کہ آج میرا دل کیوں بہک رہا ہے [illegible] سے میری آنکھ ایک دم کھل گئی۔ صبح صبح ہاکر کے سوا [illegible] ابھی جاگنے نہ پائی تھی، جلدی سے اٹھی اور [illegible] میٹھی نیند سے [illegible] رہا ہے۔ نیند میں ڈوبی ہوئی [illegible] میرا آگے بڑھی۔ جیسے ہی اخبار کے لئے اپنا ہاتھ [illegible] تو پیچھے ہٹ گئی۔ ہاکر کے بجائے [illegible] بیٹے جا وید تھے۔

۳ر جولائی —— پہلی ملاقات کو خوب [illegible] مزا آ رہا ہے۔ جاوید کے آ جانے سے [illegible]

[illegible] جاوید بھیا کے بڑے گہرے دوست ہیں جاوید [illegible] کے [illegible] پڑھ رہی تھی جاوید دوست بن گئے ہیں لیکن —
جانے کیوں [illegible] ان سے بے تکلف نہ ہو سکی۔

[illegible] ـــــ پچھلے دس دنوں سے ڈائری بھی نہ لکھ سکی [illegible] کا سلسلہ تھا خدا کا شکر ہے کہ میرے پیپرز [illegible] کلاس [illegible] مل گیا چند دن گھبرائی گھبرائی سی رہی لیکن بہت جلد [illegible] دوست نازو سے ملاقات ہوئی جو اب دوستی کے بقول [illegible] میں [illegible] نازو بڑی پیاری دوست ہے۔ دن بھر کالج میں مصروف [illegible] لائبریری سے ایک پولیٹیکل سائنس کی کتاب لائی ہوں۔

[illegible] ـــــ شام کو کالج سے آتے ہی معلوم ہوا کہ انجم خالہ آئی ہوئی ہیں۔ دل میں ایک انجانی سی خوشی ہوئی۔ رات امی نے بتایا کہ آپ [illegible] انجم خالہ کے گھر میں رہیں گے۔ جانے کیوں میں اداس سی ہو گئی [illegible] جاوید اسی شہر میں تو رہیں گے — لیکن۔
[illegible] ہے مجھے! — کہیں!!

[illegible] ـــــ آج انجم خالہ اور جاوید چلے گئے۔ اور جاتے [illegible] وعدہ لے لیا کہ میں ان کے گھر ضرور جاؤں گی اور تبھی میری [illegible] جاوید اپنی دلکش مسکراہٹ سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

[illegible] ـــــ دن یونہی بیتے چلے جا رہے ہیں گھر سے کالج اور [illegible] مارننگ شو [illegible] کچھ اچھا نہیں لگتا۔

[illegible] ـــــ آج کالج سے آتے ہی معلوم ہوا عامر بھائی آئے [illegible] عامر بھیا کے عزیز ترین دوست ہیں جو پورے تین سال بعد [illegible] ڈرائنگ روم قہقہوں سے گونج رہا تھا [illegible] تو پھر کیوں نہ ہوتی۔ عامر بھائی ہمارے گھر کے [illegible] تھے جب وہ امریکہ جا رہے تھے تو میں کتنا چھوٹی [illegible] عامر بھائی جاتے جاتے بھی شرارت سے میرے بال [illegible] تو شاید میں اپنے [illegible] اس وقت میں مسکرا بھی نہ سکی تھی اور جیسے ہنستے مسکراتے [illegible] عامر بھائی کی تو اچانک کتنے اداس [illegible] تھے۔
[illegible] میری چوٹیاں [illegible] پھر [illegible] زوروں پر جھک گئی تھی۔

[illegible] ڈرائنگ روم کا بھاری پردہ اٹھا تو اندر داخل ہوئی۔ تو اچانک میرے بیٹھتے ہوئے قہقہے ایک دم رک گئے تھے عامر بھائی۔ شریر و شوخ اور موٹے موٹے سے بھی ہو گئے تھے وہ پہلے کے [illegible] سے عامر بھائی کو لگ رہے تھے لیکن ان کی عادتیں وہی شوخ شوخ سی تھیں ـــ احمر بھیا کی آواز پر وہ چونک کر کھڑے اور جلدی سے کھڑے ہو گئے بھیا نے جب انہیں کہا ارے عامر اپنی قربت ہے تو — تو کتنی حیرا حیران سی نظروں سے پہلے مجھے پھر بھیا کو دیکھنے لگے۔ اور پھر بالکل پہلے سے انداز میں بال پکڑنے بڑھے تھے کہ اچانک میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی اور پھر ہنسی انکی اس حرکت پر آئی اور بھیا کا ہلکا سا ایک قہقہہ بھی اٹھا۔ اور جھینپتے ہوئے عامر صرف "بلو" کہہ کر بیٹھ گئے۔

اور جب میں ڈرائنگ روم سے واپس ہوئی تو انجانی سی خوشی سے میں بیخودی ہو رہی تھی۔ ہائے یہ کیسے جذبات ہیں!

۵ر ستمبر ـــــ اُف میں بیکار مر جا رہی ہوں — یااللہ یہ کیسے جذبات ہیں — یہ کیسے احساسات ہیں۔ یہ کیسی بے چینیاں ہیں۔ کوئی تو سمجھائے —!

۱۷ر ستمبر ـــــ آج مسلسل کئی راتوں سے جاگ رہی ہوں کیسے کیسے عجیب خیالات آ رہے ہیں مجھے۔ جاوید کہتا تھے میں دیوانی ہو رہی ہوں — جی چاہتا ہے کہ جاوید بیٹھے رہیں۔ باتیں کرتے رہیں۔ اور جب بھی جاوید مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہیں تو میرا دل کتنی تیزی سے دھڑک رہا ہے — میری آنکھیں بھاری بھاری ہو کر جھک جاتی ہیں۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں وہاں سے کھسک آتی ہوں۔ لیکن یہ خواہش ویسی ہی ہے کہ جاوید کسی طرح پھر سامنے آ جائے اور — اور پھر یہی خیالات یہی احساسات — یہی خواہش عامر کے آنے پر بھی تو ہوئی تھی —

۵ر مارچ ـــــ ہائے اللہ! — کل سے امتحان ہے۔ نازو کے نوٹس پڑھ رہی ہوں ہم نازو آجکل میری ذہنی الجھن کو امتحان کی فکر سمجھ رہی ہے — میں کیسے کہوں اسے — نہیں، اپنی پیاری سہیلی سے بھی یہ راز چھپا لوں گی میں۔

۱۵ر مارچ ـــــ آج کئی دنوں کے بعد سکون کی سانس لی۔ نازو سوئٹ کی کوشش سے میں کسی قدر سنبھل گئی — اور خدا کے فضل سے سارے پرچے بہت اچھے ہو گئے — شاید پاس ہو جاؤں۔

۱۵ر مئی ـــــ [illegible]

سے کچھ پاگل تک نہ قریب تھی اور ایک اور بھی تو تھی جس سے ملنے کیلئے
دل بے چین ہے ــــ دو راتوں سے طبیعت پریشان پریشان ــ گھبرائی
گھبرائی سی ہے ــــ وجہ شاید وہی جاگتے سپنے ــــ!!
۲۴ مئی ــــــ آج ایک عجیب سا حادثہ ہو گیا اور جس خیال سے آج
کئی ہفتوں سے دور بھاگنا چاہتی تھی وہی آج پوری شدت سے بہا لے گیا۔
شام کو احمر بھیا اور نیشان عرفی کے ساتھ بیٹھی کیرم کھیل رہی تھی
عامر آ گئے ــ اور بالکل اتفاق ہوا کہ اسی وقت جاوید بھی آ گئے تو محفل
اور بھی پُر لطف و رنگین سی ہو گئی۔ خوب باتیں ہوئیں سب کھلکھلا کر ہنس
کھیلتے رہے۔ اسی طرح شام ڈھل گئی تو عامر نے جانے کی اجازت مانگی۔
اور جانے کیوں میں اداس سی ہو گئی ــ بے اختیار عامر کا ہاتھ تھام لیا ــ
"بیٹھئے نا عامر بھائی، اتنی جلدی بھی کیا ہے ــ" اور عرفی کے اصرار پر
عامر رک گئے۔ تب ہی میری نگاہیں اٹھیں جاوید کچھ عجیب نظروں سے مجھے
دیکھ رہے تھے ــ میں سمجھ نہ سکی ان نگاہوں میں کیا ہے ــ مگر تاش کی دو
ایک گیم ہوتے ہی جاوید اٹھ گئے اور اچانک میں پریشان سی ہو گئی ــ
جاوید کہیں چلے نہ جائیں ــ دل بے چین سا ہو گیا اور جب احمر بھیا کے
بے حد اصرار کے باوجود وہ نہ رکے تو ــ "جاوید پلیز ابھی نہ جائیے" میں بہت
کچھ کہنا چاہتی تھی اپنی نظروں سے ــ اپنی زبان سے لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکی
۲۵ مئی ــــــ کل سوتے ہی جب میں نے سپنے دیکھتے ہوئے
جاوید کو منانے کی کوشش کی تو اچانک میرے سامنے ایک اور خوبرو چہرہ
آ گیا۔ عامر ــ اپنی پوری دلکش شخصیت لیے کھڑے تھے ــ اور کل کی
بیقرار رات میں یہ نہ جان سکی کہ میں کس کو چاہتی ہوں ــ یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا
ہے۔ ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے یہ دونوں میرے اپنے ہیں۔ ان کے
بغیر میں رہ نہیں سکتی ــ اوہ یہ سب بکواس ہے ــ لیکن پھر کیا کہوں ــ
سمجھ نہ ــ نہیں ــ نہیں!!
۲۹ مئی ــــــ کتنے خوبصورت لذت آمیز سے ہیں یہ جذبات
ــ یہ احساسات ــ ان جذبوں کا کیا نام ہو سکتا ہے ــ شاید یہ الجھاؤ [illegible]
۱۲ جون ــــــ آج کل ایک نئی خبر سنی جا رہی ہے۔ کسی ارشد صاحب
کے پیغام کا تذکرہ ہے۔
۱۵ جون ــــــ گھر میں خوب گہما گہمی ہے ــ بھابی کہہ رہی تھیں
کہ [illegible] لیکن نہ جانے کیوں یہ [illegible]
[illegible] پتہ نہیں کب ختم ہو گی یہ رسم [illegible]

ہے! بھابی سے بہت کچھ لینے کے لئے دل تڑپا [illegible]
میں بھابی سے کچھ بھی تو نہ کہہ سکی۔ کہتی بھی تو کیا کہتی؟ کاش کوئی کہہ دے
بھابی سے عامر ــ یا ــ جاوید کا ــ!!
۲۴ جون ــــــ اے میرے پروردگار مجھے سکون دے ــ میں
اپنی زندگی کی کشتی کو تجھے سونپتی ہوں بیشک تو ہی تو سب سے اچھا [illegible]
۲۵ جون ــــــ ارشد صاحب کے گھر والوں کا اصرار [illegible]
کافی آگے بڑھ گئی ہے۔ جی چاہتا ہے جاوید سے سب کچھ کہہ دوں ــ یا عامر
ہی کچھ جان لے۔
۴ جولائی ــــــ آخر میں نے جاگتے سپنے [illegible] ــ آج
میری منگنی ہے ــ منگنی کی رسم کے بعد ڈریسنگ ٹیبل پر عامر قریب آ گئے
اچانک میرے دل کی دھڑکنیں تیز سی ہو گئیں۔ شاید اب ــ اب
عامر کچھ کہہ دے ــ دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ــ [illegible]
احساس کچھ ایسی تیزی سے ہوا کہ میری آنکھیں بھر آئیں [illegible]
سے میں نے عامر کی طرف دیکھا تو ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے [illegible]
بھی مجھے اپنی بیساختہ مسکراہٹ کو روکنا پڑا۔ عامر اشارے سے [illegible]
نقل بنا رہے تھے۔ جو جلدی جلدی کھا رہے تھے۔
پتہ نہیں یہ کیسے آنسو ہیں ــ جو ندامت کی [illegible]
۱۵ جولائی ــــــ کل میں ایک نئی زندگی میں قدم رکھ [illegible]
آج دل چاہ رہا ہے کہ بہت کچھ لکھوں مگر دماغ [illegible]
ہے کیسے لکھوں؟ کیسے بتاؤں گی؟ ہاں اپنی اس [illegible]
کو ضرور اپنے ساتھ رکھوں گی۔
۱۴ اگست ــــــ آج کئی دنوں بعد میں [illegible]
بے حد خوش ہوں ــ بے حد سوئٹ تازہ تازہ [illegible]
اس زندگی سے یہ زندگی کتنی حسین کتنی دلکش [illegible]
ہے اور یہ کیسے جذبات ہیں جن میں جھرنوں کی گنگناہٹ [illegible]
کیسے احساسات تھے جو بے چین کئے دیتے تھے۔ جا چھپے [illegible]
میں چھپے ہوں۔ ان سرگوشیوں کو میں بھولتی مسکراتی [illegible]
تاریکی [illegible] تم ہو جاتی تھی ــ کتنے خوبصورت سپنے تھے وہ [illegible]
ابھی آپ بھائیوں کے بیچ گزار رہے ہوئے ــ جب میں [illegible]
قدم رکھ چکی تو یہ دن بچپن یادگار رہ گئے ــ پھر [illegible]
ڈر جیون کا آیا اور اپنے ساتھ میرے دل کی بے چینیوں [illegible]

قاصر تھی پھر عارف کے محبت بھرے خطوط آنے لگے جو زندگی کی سانسوں کو آگے بڑھانے کیلئے کافی تھے..... اور پھر ایک دن نہ جانے کسطرح ایک خط ماں کے،... ہاتھ لگ گیا اور بس قیامت آ گئی۔ وہ وہ ستم توڑے گئے کہ آج بھی یاد کرتی ہوں تو کانپ جاتی ہوں۔ ڈیڈی نے پہلی مرتبہ ہاتھ اُٹھایا اور میں اُسی رات اسقدر پھُوٹ پھُوٹ کر روئی کہ تکیہ آنسوؤں سے تر ہو گیا..... رہ رہ کر ماں یاد آ رہی تھی اور کوئی آنسو خشک کرنیوالا نہ تھا!..... فیصلہ صادر کر دیا گیا کہ بہت جلد شادی کر دی جائیگی اور پھر میں نے بھی فیصلہ کر لیا۔ دُوسری رات میں نے گھر چھوڑ دیا۔ اسوقت میرے ہوش و حواس ٹھیک تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کہاں جاؤں اور کیا کروں! مجھے کون سہارا دیگا عارف مجھ سے کوسوں دُور تھا اسکے والدین کو بھی کچھ نہیں بتا سکتی تھی* میرا سر چکرا رہا تھا کہ آپ کی کار کے بریک نے مجھے چونکا دیا اور میں نے موت سے مُنہ موڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹی اور آپکی لاکھ کوششوں کے باوجود میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ موت تو نہیں آئی مگر اپنی دونوں ٹانگوں سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ کاش کہ موت ہی آ جاتی تاکہ آپ پر بوجھ نہ بنتی....."

"نہیں شبانہ، آپ کی کہانی سُن کر دل تو یہی چاہتا ہے کہ میں آپکے یہ بوجھ میں زندگی بھر اپنے کاندھوں پر اُٹھاؤں اور اسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا کہ آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں....." وقت کے دھارے انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں وہ سوچتا کچھ اور ہے کچھ اور جاتا ہے۔ اب دیکھئے نا میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں ایکدن اتنا بڑا ڈاکٹر بن جاؤنگا۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پل کر جوان ہوا جہاں تعلیم ہے نہ روپیہ صرف محنت کے بل پر آج آپکے سامنے ہوں۔ میرا مزاج اور ذہن ہمیشہ کسی نہ کسی اُونچے آئیڈیل کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ میری بچپن سے تمنا تھی کہ میں بڑا ہو کر ایسا کوئی پیشہ اختیار کروں جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچ سکے۔ ملک و قوم کی خدمت کر سکوں شروع میں میرا رجحان فوج میں شامل ہونے کا تھا مگر اپنے والدین کا بہت زیادہ چہیتا تھا اور اُنکے خیال میں فوج میں شامل ہونا موت کے منہ میں جانے کے برابر تھا بزار اصرار کے باوجود وہ لوگ تیار نہیں ہوئے۔ آخر ہار کر میں نے ڈاکٹری پڑھنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن تعلیم کے اخراجات انکی بساط سے باہر تھے لیکن چونکہ میں شروع سے محنتی اور ذہین طالب علم تھا اسلئے مجھے اسکالرشپ ملا کرتی تھی پھر میں مزید تعلیم کیلئے بمبئی چلا آیا۔ اجنبی ماحول، اجنبی لوگ۔ مشینی زندگی۔ ایک کہرام۔ بھیڑ بھاڑ سے میں جلد اُکتا گیا۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو سمجھایا۔ ہمت سے کام لیا اور تعلیم جاری رکھی اور ترقی کرتا گیا۔ ایم بی بی ایس ہو جانے کے بعد اپنے ایک ہمدرد دوست سے کچھ قرض لیکر ڈسپنسری (dispensary) کھول لی اور آج میں ہر طرح سے آسودہ ہوں۔ والدین کو شہری زندگی پسند نہیں۔ وہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ اب تو اُنکے تقاضے بھی بڑھ گئے ہیں۔ لیکن میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی وہ شادی کے لئے مصر ہیں۔ انکار اور اقرار میں اتنے دن گزر گئے لیکن آپ کو پا کر ایسا لگتا ہے کہ اقرار کرنا ہی پڑے گا۔ لیکن آپ کے اقرار کرنے کے بعد"

"مسٹر عرفان کیوں آپ کسی بے سہارا لڑکی کا مذاق اُڑانے پہ تُلے ہوئے ہیں کیا آپ کے والدین ایک لنگڑی لڑکی کو سویکار کرینگے جسکے کوئی آگے پیچھے نہ ہو"

"مس شبانہ مصائب زمانہ سہتے ہیں۔ لیکن ہم تنہا اس کا مقابلہ کرنے والے ہیں۔ یہ دُنیا ایک نقارہ ہے تمہیں جینے نہ دے گی۔ میں تمہاری ٹانگیں، واپس نہ لا سکونگا اور نہیں نئی زندگی دونگا۔ تم میری زندگی میں بہار بن کر آئی ہو خدا را اسے مذاق نہ بناؤ۔ تمہارے بغیر اب میری زندگی اُدھوری ہے۔ شبانہ مجھے بتاؤ ہم دونوں گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کے بغیر زندگی کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی ہم دونوں ایک دُوسرے کے سُکھ دُکھ بانٹ لیں گے۔ میں دُنیا کی تمام خوشیاں تمہارے قدموں میں ڈال دُونگا اور پھر تمہیں پانے کے بعد مجھے ناز ہوگا۔ میں فخر سے اپنی شریک حیات کا نام لونگا... بولو شبانہ.... جواب دو..... میری ہر سانس تمہارے جواب کی طلبگار ہے میں نے آج دل کی بات تم سے کہی۔ جیسے میں ایک عرصے سے ہارا آیا ہوں۔ راتوں کو سونا دُشوار کر دیا۔ دل میں نہ جانے کتنے وہم و گمان کو پیدا ہوتے دیکھا۔ آج بڑی مشکل سے ہمت کرکے اب تک دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے میں نے کئی مرحلوں کو طے کیا۔ لیکن کامیابی آج ہی ہوئی...."

"مسٹر عرفان ایک بار آپ پھر سوچ لیجئے۔ میری بدنصیبی کہیں پچھتانا نہ پڑے۔ اس لئے مجھ سے دامن باندھنے سے پہلے اپنے دامن کو اس آگ میں جلنے سے بچائیے"۔

(بقیہ صفحہ ٧٢ پر)

* کوئی ایسی سہیلی نہ تھی جس کا سہارا لیتی اس طرح کی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

CEMBER-75 PHONE : 278880 REGD. NO. D-(D) 370

THE SHAN—E—HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002

KHAWATEEN NUMBER

REGD. WITH THE REGISTRAR OF NEWS PAPERS AT R. No. 644/57



NASREEN ETAWI



Z. B. NIKHAT
SHAJAPURI



SHANSHAH BANO
"FARHAT"
AJMER



HAMIDA BANO
BARODA



TAHIRA NAQVI
BOMBAY

ONLY TITLE PRINTED AT M. S. PRINTERS, DARYA GANJ, DELHI